"تاریخِ اسلام کا سنہری دور"

مصنف

ایم۔ڈی فاروق

ایم اے، ایل۔ایل۔بی

اِدارہ مطبوعاتِ قرآن سینٹر و ہسٹری سینٹر
۱۱۳/سی ماڈل ٹاؤن لاہور
ٹیلیفون ۸۵۶۸۲۴۱-۵۸۸۳۶۱۵

سال اشاعت : 1999ء

نام کتاب : "تاریخ اسلام کا سنہری دور"

مصنف : ایم۔ ڈی فاروق' ایم۔ اے' ایل۔ ایل۔ بی

تعداد : 1000

پرنٹر : شریف پرنٹرز

پبلشرز : ادارہ اشاعت قرآن سینٹر و ہسٹری سینٹر

113/ سی ماڈل ٹاؤن' لاہور

قیمت : -/300 روپے

56

57

58

59

67

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ۲۳ سالہ دورِ نبوت

۲۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ۲ سال، ۳ مہینے، ۱۱ دن کا عہدِ خلافت

۳۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا ۱۰ سال، ۶ مہینے، ۳ دن کا عہدِ خلافت

میزان : ۳۶ سال کا عہدِ سعید

تاریخ اسلام کا مذکورہ بالا "سنہری دور"
بلا مبالغہ تاریخِ عالم کا بہترین دورِ انسانیت ہے۔

ادارہ مطبوعاتِ قرآن سینٹر و ہسٹری سینٹر
۱۱۲۳/سی ماڈل ٹاؤن لاہور
ٹیلیفون ۸۵۶۸۲۴۰-۵۸۸۳۶۱۵

ترتیب

انتساب

بنام۔ سیدہ آمنہ صدیقہ "والدہ ماجدہ" جناب محمدؐ رسول اللہ

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب سیرت و کردار میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور آپ کا اسم گرامی خالص توحید کے مطابق عبداللہ تھا۔ اور "واقعہ نذر" کی وجہ سے آپ کی انتہائی شہرت اور عزت و وقار تھا۔ اور لوگ آپ کو دوسرا "ذبیح اللہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ کیونکہ حضرت اسماعیل کی طرح آپ کو بھی اللہ کے حکم پر قربان کرنے کا حکم ہوا تھا۔

جب عبداللہ بن عبدالمطلب کی عمر تقریباً ۲۵ سال کی ہوئی تو اُن کے باپ کو اُن کی شادی کے لیے ایسے رشتہ کی تلاش ہوئی۔ جو حسب و نسب اور عزت و شرف میں بہترین ہو اور لڑکی بھی اپنی مثال آپ ہو۔ اس جستجو میں وہ قبیلہ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب کے ہاں گئے۔ اور اُن سے اُن کی بھتیجی محترمہ آمنہ بنتِ وہیب کا رشتہ طلب کیا۔ جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ چنانچہ عبداللہ کا نکاح محترمہ آمنہ بی بی سے ہو گیا۔

جناب عبداللہ اور آمنہ بی بی کی ازدواجی زندگی انتہائی خوشگوار اور پُر مُسرت تھی کیونکہ دونوں حُسن صُورت اور حُسن سیرت کے لحاظ سے یکتا روزگار تھے۔ اس خوش قسمت جوڑے نے چھ ماہ شادی کا ابتدائی وقت انتہائی خلوص و محبت' مسرت و سکون اور باہمی عزت و احترام کے ساتھ گزارا۔ بی بی آمنہ اپنے سُسرال میں بے حد عزت و وقار اور محبت و احترام کے ساتھ دیکھی جاتی تھیں۔ وہ نہ صرف حسین و جمیل گھریلو خاتون تھیں بلکہ شائستہ شعر و شاعری اور علم و ادب سے بھی پوری طرح واقف تھیں۔ اُنھوں نے اپنے شوہر کی وفات پر جو مرثیہ لکھا ہے وہ اُن کی ذہانت' قابلیت' علم و اَدب اور پاکیزہ مذاق کا آئینہ دار ہے۔ جناب عبداللہ اپنی شادی کے تقریباً چھ ماہ بعد مکہ سے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ مالِ تجارت لے کر شام روانہ ہوئے مگر بدقسمتی سے واپسی پر یثرب (مدینہ) میں وفات پا گئے۔ جب سیدہ آمنہ نے جناب عبداللہ کی وفات کی الم ناک خبر سنی تو آپ کو اس قیامت انگیز حادثہ کا بے حد صدمہ ہوا۔ بہر حال صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت کیا۔

جناب رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت 22 اپریل 571ء بروز دو شنبہ بوقت صبح صادق اور قبل از طلوعِ آفتاب موسمِ بہار کی پُر فضا سہانی صبح واقعہ اصحابِ فیل کے پچپن روز بعد مکہ معظمہ میں عالم ظہور میں آئی۔ حضورؐ کی والدہ ماجدہ تاریخ عالم کی تمام خواتین سے زیادہ خوش قسمت تھیں۔ جن کو رحمت اللعالمینؐ اور انسانِ کامل کی والدہ ماجدہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضورِ اقدسؐ اپنی والدہ محترمہ کے اکلوتے فرزندِ ارجمند تھے۔ پیدائش کے بعد اپنی والدہ کے دودھ پر پلنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تائید بھی ہو گئی کہ "مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں۔

چنانچہ حضورؐ نے بھی دو سال تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔

حضرت سیدہ آمنہ کا سفر مدینہ اور وفات 7ء 5ء

جب آنحضرتؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ آپ کو آپ کے والد کی قبر کی زیارت کے لیے یثرب لے گئیں یہ تقریباً دو سو میل کا انتہائی مشکل طویل سفر تھا وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ سیدہ آمنہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کے نزدیک بیٹھی رہتیں۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ حضورؐ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے۔ بنو نجار کی باؤلی میں آپ نے تیرنا بھی سیکھ لیا۔ تمام بچے آپ کے اخلاق کی وجہ سے آپ سے کھیلنا پسند کرتے تھے۔ حضرت آمنہ یثرب میں ایک ماہ کے قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر قریباً چالیس میل کے فاصلے پر مدینہ اور جحفہ کے درمیان ابواء کے مقام پر پہنچی تو بیماری اور صدمات نے گھیر لیا۔ آخر نزع کا عالم طاری ہو گیا اور خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ آپؐ کے والد جناب عبداللہ بھی یثرب میں دوران سفر فوت ہوئے تھے اور "مادرِ مہربان" حضرت آمنہ کا آخری وقت بھی دوران سفر پردیس میں آیا۔

سفر میں تین افراد ایک حضرت محمدؐ، دوسری سیدہ آمنہ اور تیسری ایک خادمہ اُم ایمن تھیں۔ اب صرف محمدؐ اور اُم ایمن دو مسافر رہ گئے۔ ایک عورت ذات اور دوسرا یتیم بچہ جس کا خدا کے سوا کوئی عزیز و اقارب، ہمدرد و غم خوار، اور تسلی دینے والا نہ تھا۔ بے یار و مددگار اور بے سہارا اپنی والدہ ماجدہ کی آغوشِ محبت و شفقت سے محروم رہ گیا۔ اِس خوف ناک ماحول میں صحرا بیابان جنگل اور پہاڑ کا سفر جس کے آس پاس کوئی آبادی بھی نہ تھی۔ ایسا پردیس جہاں نہ کوئی اپنا اور نہ پرایا ان پر پریشانی اور غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہونگے۔ والدہ اپنے معصوم لختِ جگر کو اپنے آخری لمحات میں کس حسرت و یاس سے دیکھ رہی ہوگی۔ حضورؐ امی امی پکار رہے ہونگے۔ اِس قیامت خیز منظر سے زمین و آسمان لرز گئے ہونگے۔ کہ دُنیا کا عظیم ترین انسان کس حالت میں ہے۔ جب آپؐ کی عظیم ماں کو قبر میں اُتارا ہوگا تو اس معصوم بچے کے دِل پر کیا گزری ہوگی۔ جس نے تمام بنی نوعِ انسان کے لئے سایہ رحمت بننا تھا۔ تمام یتیموں بیواؤں، غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی قیامت تک کے لیے حاجت روائی ہمدردی اور دلجوئی کرنی تھی۔ اس بے پناہ مصیبت اور پریشانی کی حالت میں آپ کی وفادار خادمہ اُم ایمن آپؐ کو ساتھ لے کر مکہ آئیں۔ اور آپؐ اپنے مشفق و مہربان دادا جناب عبدالمطلب اور تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت اور حفاظت میں رہنے لگے۔

جناب رسول اللہ کی قرابت، خدمت، اور کارہائے نمایاں کی روشنی میں چار معزز خواتین تاریخ اسلام کی عظیم ترین شخصیتیں ہیں۔

1- حضورؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ صدیقہ۔
2- آنحضرتؐ کی پہلی رفیقہ حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ۔

3- آنحضرتؐ کی محبوب ترین رفیقہ حیات سیدہ عائشہ صدیقہؓ۔

4- حضورؐ کی زندگی بھر کی خادمہ اُمِ ایمن، والدہ حضرت اُسامہ بن زید بن حارث جن کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے اِن دونوں سے سب سے زیادہ محبت ہے اور اُمِ ایمن کو اپنے گھر کا فرد قرار دیتے تھے۔ اور میری ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت زید بن حارث آنحضرت کے متبنیٰ تھے اور آپ فرماتے تھے کہ مجھے زید بن حارث اور اُس کے بیٹے اُسامہ بن زیدؓ سے سب سے زیادہ محبت ہے، حضورؐ نے جنگِ موتہ کی فوج کے سپہ سالار حضرت زید بن حارث کو مقرر فرمایا جو وہاں شہید ہو گئے اور حضرت اُسامہ بن زید کو اُس جیش کا سپہ سالار مقرر فرمایا جس میں کبار صحابہ شامل تھے جو شام کی سرحد کی جانب جانے کے لئے تیار کیا تھا۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ زید بن حارث اور اُسامہ بن زید ان لشکروں کی سپہ سالاری کے اہل اور قابل ہیں۔

حضرت سیدہ آمنہ کے کردار کی عظمت و رفعت اِس میں ہے کہ جب آپ بیوہ ہوئیں تو آپ کی عُمر چوبیس سال کی تھی۔ آپ کا قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق تھا۔ بھرپور جوانی، دلکش صورت، پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ حسب و نسب عرب معاشرہ کے رسم و رواج کے باوجود دوسری شادی کرنے کا تصور بھی نہ کیا۔ حالانکہ قبیلہ قریش کے نامور سردار آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر آپ نے اپنے مرحوم شوہر سے بے پناہ خلوص و محبت اور وفاداری کے پاکیزہ جذبہ کے تحت پُوری عُمر اِس کی یاد میں گزار دیئے اور اس کی آخری نشانی اور اپنے لختِ جگر کی دیکھ بھال محبت و پیار اور شفقت مادری کی وجہ سے دُوسری شادی نہ کی۔ اُس وقت کے عرب معاشرے کے لحاظ سے یہ بُلند کردار کا مظاہرہ واقعی محیر العقول اور عدیم النظیر ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں عورت کو عزت و احترام کا کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ اور عورتیں بیوہ یا مطلقہ ہونے کی صُورت میں جلد از جلد دوسرا نکاح کرنے پر مجبور ہوتی تھیں۔ مگر سیدہ آمنہ نے حیرت انگیز صبر و استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ اپنے نورِ نظر کی خاطر بیوگی کا زمانہ محنت و مشقت اور فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کرنا منظور کر لیا۔ ملتِ اسلامیہ آپ کے عظیم والدین کی عظمت و بزرگی کو بجا طور پر سلام کرتے اور ان کی پاکیزہ زندگیوں پر فخر کرتے ہیں۔

اُمت مسلمہ کو آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ صدیقہ کی سیرت و کردار اور عظیم کارناموں سے رُوشناس کرانے کے لئے تاریخ اسلام کے دَورِ اوّل کی یہ مستند تاریخ آپؐ کے اسمِ گرامی کے نام سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور انتہائی خشوع و خضوع سے دست بدعا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرماوے۔

؎ گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

طالبِ مغفرت

ایم۔ ڈی۔ فاروق،

113/C ماڈل ٹاؤن لاہور

تاریخ اسلام کے "سنہری دور" کی وضاحت

جناب رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا چھتیس سال کا دور حکومت ٹھوس دلائل و براہین اور مستند حقائق و واقعات کی روشنی میں تاریخ اسلام کا سنہری دور اور تاریخ عالم کا دور انسانیت تھا۔ اس سے قبل یا اس کے بعد چشم فلک نے کسی ملک یا کسی زمانہ میں ایسا مساوات و اخوت' عدل و انصاف حریت و آزادی امن و سلامتی' ترقی و خوشحالی' محبت و رواداری خالص توحید الٰہی کا زمانہ جس میں معاشرہ کی بنیاد اخلاق حسنہ اور اعلیٰ انسانی اقدار پر استوار ہو جنت نظیر دور نہیں دیکھا۔

اس دور میں اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہؐ مبعوث ہوئے۔ اور بنی نوع انسان کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے قرآن حکیم جو قانون فطرت کا ضابطہ حیات ہے بذریعہ وحی آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔ جس کے قوانین 'احکام اور ہدایات پر عمل پیرا ہو کر عرب جیسی بدو۔ پس ماندہ اور جرائم پیشہ قوم دنیا کی مہذب ترقی یافتہ اور بہترین قوم بن کر دنیا کی دو عالمی سپر پاور ز قیصر روم اور کسریٰ ایران کو شکست فاش دے کر ان کے ترقی یافتہ مہذب ممالک عراق عرب' عراق عجم' فارس' ایران' شام' فلسطین ربیت المقدس اور مصر پر قابض ہو گئی اور دنیا کا ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل مہذب خوشحال اور ترقی یافتہ علاقہ ان کے زیر نگیں اور قبضہ میں آگیا اور یہ قوم دنیا کی مہذب ترقی یافتہ حکمران قوم بن گئی۔

نوع انسانی کی ترقی و ارتقاء اور عروج و کمال کے لئے بے مثال نظام حکومت قائم کیا۔ جس کی بنیاد جمہوریت اور مشاورت پر قائم تھی بے مثال سیاسی' معاشی اور معاشرتی اصلاحات نافذ کیں۔ ظلم و جبر اور غلامی و استحصال کا خاتمہ کر دیا۔ ملوکیت آمریت اور استبداد کی بجائے قانون کی حکمرانی اور فکر و عمل کی مکمل آزادی عطا کی۔ بلا امتیاز مذہب و ملت اور نسل و قبیلہ ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی اور ترقی و خوشحالی کے مساوی مواقع اور حقوق جس میں ہر شخص اپنی محنت استعداد اور خداداد صلاحیتوں کے ذریعے معاشرہ میں عزت و وقار کا بلند ترین مقام حاصل کر سکتا تھا۔ قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ اور تمام لوگوں کے ساتھ پورا پورا انصاف ہوتا تھا۔ سب کے حقوق و فرائض برابر تھے تمام مملکت میں مکمل امن وامان قائم تھا ہر شخص کی جان مال اور عزت و آزادی محفوظ تھی۔ کسی قسم کی ذات پات کی اونچ نیچ اور نسل و قبیلہ کے امتیازات اور قومیت و وطنیت کے تعصبات نہ تھے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت معاشرہ کی بنیاد مساوات و اخوت عدل و انصاف' حریت و آزادی بنیادی انسانی حقوق مذہب و عقیدہ کی مکمل آزادی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ اور مذہبی رسم و رواج کی ادائیگی کی مکمل آزادی تھی۔ حضرت عمر فاروق نے فتح بیت المقدس کے وقت فلسطین کے اسقف صفر ینوس کو جو معاہدہ صلح تحریر کر کے دیا دنیائے مذہب کی تاریخ میں رواداری فراخدلی' مذہبی آزادی اور غیر مسلموں کو مکمل حقوق اور مکمل آزادی کا شاہکار ہے۔ اسلامی مملکت میں معاشرے کی بنیاد اخلاق حسنہ اور اعلیٰ انسانی اقدار کی بنیادوں پر استوار کی تھی اور بجا طور پر اس عہد سعید کو تاریخ اسلام کا سنہری دور اور تاریخ عالم کا دور انسانیت کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اور عدیم المثال کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مفتوحہ ممالک عراق' ایران شام اور مصر میں بے مالک کاشتکاروں کو ان کی مقبوضہ زرعی اراضیات مسلمان فاتحین اور مجاہدین میں بطور مال غنیمت تقسیم کرنے کی بجائے ان غیر مسلم لاکھوں کاشتکاروں میں بلا معاوضہ مالکانہ حقوق کے ساتھ تقسیم کر دیں اور ہمیشہ کے لئے ان کو زمینوں کے مالک بنا دیا اور مملکت اسلامیہ کو جاگیر داری استحصالی نظام سے بچالیا۔ حالانکہ اس وقت قریباً تمام کاشتکار غیر مسلم اور مجاہدین و فاتحین مسلمان عرب تھے اور ان کا مطالبہ تھا کہ یہ اراضیات بطور مال غنیمت ہم میں تقسیم کی جائیں اس سنہری دور میں جن عظیم ہستیوں نے اہم کردار ادا کیا ان میں تمام صحابہ کرام شامل ہیں خواہ وہ مہاجرین مکہ ہوں یا انصار مدینہ یا دیگر عرب قبائل کے لوگ سب تحسین و آفرین کے مستحق ہیں لیکن مندرجہ ذیل شخصیتوں کا کردار تمام ملت اسلامیہ کے لئے قابل فخر ہے اور وہ قومی ہیرو ہیں :

1- حضرت ابو بکر صدیقؓ 2- حضرت عمر فاروقؓ 3- حضرت خالد بن ولیدؓ فاتح عراق' شام' 4- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران' 5- حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر' 6- حضرت علی بن ابی طالبؓ' 7- حضرت عثمان غنیؓ' 8- حضرت زبیر بن عوامؓ' 9- حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ' 10- حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ ' 11- حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلبؓ' 12- حضرت عباس بن عبد المطلبؓ' 13- حضرت زید بن حارثؓ' 14- حضرت محمد بن مسلمہؓ' 15- حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ' 16- حضرت سعد بن معاذؓ' 17- حضرت سعد بن عبادہؓ' 18- حضرت حباب بن منذر' 19- حضرت ابی بن کعبؓ' 20- حضرت زید بن ثابتؓ' 21 حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ 22- حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانیؓ' 23- حضرت ابو دجانہؓ' 24 - حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ' 25- حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسر مخزومیؓ' 26- حضرت ابو ذر غفاریؓ' 27- حضرت عثمان بن مظعونؓ' 28- حضرت سعید بن زیدؓ ' 29- حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ' 30- حضرت مصعب بن عمیرؓ' 31- حضرت جعفر طیار بن ابی طالبؓ' 32- حضرت عمار بن یاسرؓ 33- حضرت بلال بن رواحؓ' 34 حضرت کعب بن مالکؓ' 35- حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ' 36 حضرت اسید بن حضیرؓ' 37- حضرت معاذ بن جبلؓ' 38 حضرت ابو ایوب انصاریؓ' 39- حضرت انس بن مالکؓ' 40- حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ' 41- حضرت قعقاع بن عمرو تمیمیؓ' 42- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

مندرجہ بالا حضرات نے اپنی اپنی استعداد اور صلاحیتوں کے مطابق پورے خلوص اور جذبہ کے ساتھ اس سنہری دور میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔

یہ حقیقت قارئین کے پیش نظر رہے کہ یہ تصنیف ایک تاریخ کی کتاب ہے۔ مذہب کی نہیں۔ ہر شخص کو اپنے نظریہ کے مطابق کسی بزرگ سے عقیدت و محبت ہوتی ہے جس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اسلام اختلاف رائے کی اجازت اور آزادی دیتا ہے۔ ماسوائے اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور جناب رسول اللہؐ کی نبوت و رسالت پر کامل ایمان اور قرآن حکیم کے قوانین احکام اور ہدایات کے مطابق ایمان اور عمل کا حکم دیتا ہے۔ قیامت کے روز مکافات عمل کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ فضیلت اور بزرگی کا معیار تقویٰ اور اعمال صالح کو قرار دیتا ہے ہم نے اپنی تحقیق' مطالعہ اور مشاہدہ کے مطابق پوری دیانتداری کے ساتھ تاریخی حقائق و واقعات بیان کر دئے ہیں مگر ارباب علم و دانش اور محققین و مورخین کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے۔ ہم ان کے تبصروں اور مشوروں کو شکریہ کے ساتھ قبول کریں گے۔

تاریخِ اسلام کا سنہری دور

تاریخ عالم کا دورِ انسانیت :

تاریخِ عالم کے مطالعہ و مشاہدہ سے یہ حقیقت روزِروشن کی طرح عیاں ہے کہ کرۂ ارض کے ہر ملک اور علاقہ اور ہر دور و زمانہ میں وہاں کے حکمران' جاگیردار' سرمایہ دار اور مراعات یافتہ طبقوں نے ہمیشہ محنت کش' غریب' مزدور' کسان اور پس ماندہ عوام کا معاشی' معاشرتی اور سیاسی استحصال کیا اور ان پر جبر و ظلم جاری رکھا۔ بنی نوعِ انسان کی غالب اکثریت کو اپنی ملوکیت' آمریت' استبداد اور غلامی کی زنجیروں میں گرفتار رکھا۔ اِن کو ہر قسم کی حریت و آزادی اور عدل و مساوات سے محروم رکھا۔ یہ کسی جگہ بھی بنی نوعِ انسان اور غریب عوام کو مساوی بنیادی انسانی حقوق' بنیادی ضروریاتِ زندگی' حریت و آزادی' عدل و مساوات اور انسانیت کے بنیادی حقوق حاصل نہ تھے۔ ہزاروں سال کی اس طویل تاریخ میں صرف 36 سال کا مندرجہ ذیل عہدِ مبارک ہے جب نوعِ انسانی کو انسانیت کے تمام حقوق ملے اس عہد کو ہی ہم تاریخ عالم کا دورِ انسانیت اور اسلامی تاریخ کا سنہری دور کہہ سکتے ہیں۔

1- حضرت محمدؐ کا 23 سالہ دورِ نبوت 610ء سے 632ء تک :

2- حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کا قریباً سوا دو سال کا عہد خلافت 11ھ تا 13ھ (دو سال تین ماہ گیارہ دن)

3- حضرتِ عمرؓ کا ساڑھے دس سالہ عہد خلافت 13ھ تا 23ھ (10 سال چھ ماہ 4 دن)

تینوں بزرگ ہستیوں کا دورِ حکومت : 36 سال

اس دور میں ہر شخص کو تمام بنیادی انسانی حقوق مل گئے اور وہ ایسے انسان بن گئے جن کی سیرت و کردار اور اعمال پر فرشتے بھی رشک کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر ایمان لانا جو خالق' مالک اور رازق ہے سب سے بڑی انسانیت ہے۔

قرآن حکیم کا نظریہ اور تعلیمات قانونِ فطرت ہے۔ جو انسانیت کے آفاقی اصولوں' عقل و شعور اور حق و صداقت کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مقصد شرفِ انسانیت کی بالیدگی ہے۔ اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کے حکم کے سامنے سر نہ جھکائے۔ حاکمیت انسانوں سے بلند و بالا ہستی کا استحقاق ہے قران یہی پیغام دُنیا میں لایا ہے اور یہ تمام نظامہائے عالم میں واحد نظام ہے جس میں انسان حقیقی معنوں میں حریت و آزادی کا کامل احساس کر سکتا ہے۔ قرآن کی ساری تعلیم بنیادی طور پر اسی اجمال کی تفصیل اور اسی مرکز پر محیط ہے کہ حکومت و فرماں روائی اللہ ہی کے لئے

مخصوص ہے۔ یہی صحیح دین اسلام ہے۔ اور اگر کوئی قوت یہ دعویٰ کرے کہ اسے حکومت کا حق ہے۔ تو وہ طاغوتی قوت ہے۔ اس کے دعوے کو تسلیم کرنا شرک ہے۔ جو نا قابلِ معافی گناہِ عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قوانین' احکام اور ہدایات اب قرآنِ حکیم کے اندر ہیں۔ للذا یہ کتاب اب حکومتِ خداوندی کا ضابطہ ہے۔ اور اختلافی امور میں قولِ فیصل ہے۔ یہ ضابطہ قوانین یعنی قرآن حکیم عدل و مساوات اور قانونِ فطرت کا مکمل مجموعہ ہے۔

انسانیت کیا ہے ؟ ابتدائے آفرینش سے انسان اور شیطان کے درمیان حق و باطل کا بڑا دلچسپ اور سبق آموز معرکہ جاری و ساری ہے اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو مٹی سے بنایا اور اس میں روح ڈالی تو تمام فرشتوں اور شیطان کو حکم دیا کہ اس کے سامنے سجدہ کرو۔ تمام فرشتے فوراً سربسجود ہو گئے۔ مگر شیطان نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے اور مجھے آگ سے بنایا ہے۔ للذا پیدائش کے لحاظ سے میں آدم سے اعلیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری تمام مخلوق مساوی ہے۔ ان میں کوئی اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا پہلا فیصلہ یہ تھا۔ کہ میری مخلوق میں ذات پات' نسل و قبیلہ اور رنگ و زبان کے امتیازات اور قومیت وطنیت کے کوئی تعصبات نہیں ہیں۔ کیونکہ میں خالق' مالک اور رازق ہوں اور باقی تمام مخلوق میری پیدا کردہ اور میرے قوانین' احکام اور ہدایات کی تعمیل کرنے اور سرِ تسلیم خم کرنے کی پابند ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نسل پرستی کے اس ابلیسی نظریے کو مسترد کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اجازت دے دی کہ وہ میرے فرمانبردار بندوں کو گمراہ اور میرے نافرمان بننے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کرے۔ مگر میرے جن بندوں میں انسانیت ہو گی۔ وہ تمہارے دھوکے اور فریب میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ بلکہ میرے قوانین' احکام اور ہدایات پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں گے۔ اور یہ کشمکش روزِ قیامت تک جاری رہے گی۔ چنانچہ اس وقت سے طاغوتی طاقتیں حق و صداقت اور انسانیت کی صراطِ مستقیم پر گامزن اللہ کے نیک بندوں کو گمراہ کرنے کی شدید جدوجہد میں مصروف ہیں۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ بنی نوعِ انسان کی راہنمائی اور انسانیت کے مطابق عمل کرنے کے لئے مختلف ممالک اور مختلف زمانوں میں اپنے رسولؐ اور پیغمبران کی راہنمائی اور تعلیم و تربیت کے لئے بھیجتا رہا۔ تاکہ لوگ شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہیں۔ یہودی' عیسائی اور مسلمانوں کی غالب اکثریت تخلیقِ آدم کے اس نظریے پر ایمان رکھتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ لیکن ایک مغربی سائنس دان چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء نظریہ تخلیقِ آدم کے منافی ہے۔ مغربی مفکرین اور علم اشیاء فطرت کے محققین اور سائنسدانوں کی تحقیقات جس نظریہ "پیدائش انسان" پر پہنچی ہیں۔ اسے نظریہ ارتقاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال ہمارا اس موضوع سے تعلق نہیں ہے۔ کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی یا نظریہ ارتقاء کے مطابق عمل میں آئی۔ ہم تو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو صحیح اور صالح انسان اور اپنا بندہ بنانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ جو اس کے اسرار و رموز کی تحقیق و تجسس اور سائنسی علوم و فنون کے ذریعے بنی نوعِ انسان کی بھلائی اور خوشحالی سے اس دُنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد بھی تھا۔ کہ میرے فرمانبردار بندے مختلف علوم و فنونِ اور سائنس و ٹیکنالوجی کے ذریعے نوعِ انسانی کی ترقی و ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے تسخیر کائنات کریں گے

اور میری خالص توحید پر عمل پیرا ہو کر میری عبادت کریں گے اور میرے قانون' احکام اور ہدایات کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں گے۔ فتنہ و فساد' فسق و فجور کفر و شکر اور جبر و ظلم کا راستہ اختیار نہیں کریں گے۔ منشائے ایزدی یہ تھا کہ تمام انسان نوعِ انسانی کے مخلص' سچے اور خدمت گزار بندے بنیں گے۔ ان میں مساوات واخوت' حریت و آزادی' عدل وانصاف' محبت و رواداری' امن و سلامتی اور انسان دوستی کی انسانی صفات ہوں گی۔ اور وہ کرۂ ارض پر ایک ہی نوعِ انسانی کے افراد بن کر رہیں گے۔ تمام انسان خدمتِ خلق اور انسانی ہمدردی کو اپنا شعار بنائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا انسان کی پیدائش سے مقصد یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض پر خلوص و محبت کے ساتھ انسان بن کر رہیں۔ ورنہ عبادت کے لئے تو اس کے کروڑوں فرشتے' حیوانات' جمادات' نباتات' پرندے' جنگلات' صحرا' پہاڑ' سمندر اور (سینکڑوں قسم کی) دوسری مخلوق موجود تھی۔ مگر شیطان کی (ذریت اور) طاغوتی طاقتوں نے اس دُنیا کو جہنم بنادیا ہے۔ کسی کو ذہنی سکون اور اطمینان قلب حاصل نہیں۔ انسان کو انسان کا دُشمن بنا دیا ہے اور انسانیت کو ختم کر کے ہر طرف کرپشن اور بدیانتی' جنگ و جدل' قتل و غارت' تشدد اور دہشت گردی اور سنگین جرائم نے تمام دُنیا کے امن و سکون اور انسانیت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو خطرہ میں ہے۔ بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی ضروریات زندگی سے عوام کی غالب اکثریت محروم ہے۔ چوری ڈاکہ' دھوکہ' فریب' جھوٹ حق تلفی' بے انصافی اور دل آزاری انسانیت کے خلاف سنگین جرائم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

یہ بھی انسانیت کے خلاف سنگین جرم ہے کہ عوام کے جمہوری' سیاسی حقوق غصب کر کے سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور صنعت کاروں کا ایک (محدود) طبقہ نظام حکومت پر قبضہ کر لے اور ملک کی غالب اکثریت کو ان کے بنیادی انسانی حقوق حریت و آزادی اور جمہوریت سے محروم کر دے۔ تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد ہیں۔ اس لئے ان کو مساوی جمہوری حقوق کا حق حاصل ہے۔ ملک کے اندر ایسا جمہوری نظام حکومت ہونا چاہئے جس میں تمام ملک کے عوام بلاامتیاز مذہب وملت' مرد اور عورت' امیر غریب سب کو حکومت میں شمولیت کا حق حاصل ہو۔ اسی کا نام عدل و مساوات اور عوامی جمہوریت ہے۔ اسلام ملوکیت' آمریت' استبداد' فاشزم' تھیوکریسی' مارشل لاء اور سرمایہ دار طبقوں کی اجارہ داری کو خلافِ انسانیت غیر جمہوری' غیر اسلامی اور غیر اخلاقی نظام حکومت قرار دیتا ہے۔ جس میں عوام کے بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیاں سلب ہوتی ہیں۔

اسلام کے سنہری دورِ حکومت کے بعد آج تک دُنیا کے کسی بھی مسلمان ملک میں آج تک انسانی عوامی جمہوری نظام حکومت قائم نہیں ہوا اور نا ہی آج بھی کسی مسلمان ملک میں قائم ہے۔ البتہ امریکہ اور یورپ کے اکثر ممالک میں انسانی جمہوری نظام حکومت قائم ہے اور ان کے آئین و قانون کے مطابق بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ممالک دُنیا میں بنیادی حقوقِ انسانیت کے حامی ہیں۔ اور ان ممالک نے جدید علوم وفنون' فلسفہ و حکمت سائنس و ٹیکنالوجی اور نئی نئی ایجادات میں محیر العقول ترقی کی ہے۔ چاند پر پہنچ جانے کے بعد اب مریخ پر پہنچنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''ہماری زمین کے وارث انسان دوست اور صالح لوگ ہوں گے۔

عالمگیر انسانیت کا تصور :

قومیت و وطنیت کے انسانیت سوز تصور کے خلاف قرآنِ حکیم کا پیش کردہ بنیادی تصور یہ ہے کہ انسانیت ایک غیر منقسم وحدت ہے اور اسے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ وحدتِ خالق کا تصور قرآنی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اس نے ساری دُنیا کو پکار کر کہا ہے۔ کہ یاد رکھو! پوری نوعِ انسانی ایک امت 'ایک قوم اور ایک عالمگیر برادری ہے۔ تمہاری تخلیق و بعثت ایک فرد کی مانند تخلیق و بعثت ہے۔ جو تعلیم خدا کی طرف سے آتی رہی اس کا مقصد عظیم نوعِ انسانی کی وحدت کو برقرار رکھنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا کہ وہ مکہ میں ایسے مرکز کی بنیاد رکھیں۔ جو عالمگیر انسانیت کا گھر قرار پائے۔ یہ کعبۃ اللہ جو مکہ میں تعمیر کیا گیا تمام اقوامِ عالم کی راہنمائی کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتا تھا۔ جب کعبہ کو تمام نوعِ انسانی کا گھر قرار دیا گیا تو اس سے مفہوم یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے نظامِ حیات کا تصور دیا جو عالمگیر انسانیت پر محیط ہو۔ پس قرآنی نظام کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظام قومی' وطنی' نسلی' لسانی اور مذہبی گروہ بندیوں کے تصورات سے بلند ہو کر عالمگیر انسانیت کے مفاد کی خاطر (قائم کیا جاتا) ہے۔ اور جس جماعت مومنین کے ذریعے اس کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ "تم ایک بہترین امت ہو۔ جسے نوعِ انسانی کے فائدے کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ (اور اس امت کے حصے میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح نوعِ انسانی کی امامت آجائے گی۔ (اس نظام میں قرآن شروع سے آخر تک "الناس" کا ذکر کرتا ہے۔

یہ دُنیا میں پہلا اور واحد نظام ہے۔ جو نوعِ انسانی کے عالمگیر مفاد کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ اس نظام کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ "اگر اللہ تعالیٰ ایسا انتظام نہ کرے کہ بعض لوگوں کے ذریعے دوسرے لوگوں کو ظلم و تعدی سے باز رکھے۔ تو یقیناً راہبوں کی خانقاہیں' عیسائیوں کے گرجے' یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی مساجد جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ منہدم کر دیے جاتے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ ایسی جماعتوں کو تیار کرتا ہے۔ جو سینہ سپر ہو کر اہلِ مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کریں۔ جو جماعت اس طرح اللہ کی مدد کرتی ہے۔ اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اللہ بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے" قرآن سورۃ 22/40۔

قرآنی نظامِ حکومت کی عمارت عدل و مساوات کے غیر متبدل اصولوں پر استوار ہوتی ہے۔ اگر عدل کا فیصلہ تمہاری اپنی ذات کے خلاف جاتا ہے۔ تو بھی عدل کرو۔ حق و عدل کی حفاظت کے لئے اسلامی نظام میں جنگ کی بھی اجازت ہے۔ یعنی :

1- تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت۔

2- نظامِ حق و عدل و انصاف کا تحفظ

3- دُنیا سے خود جنگ کا خاتمہ کرنے کے لیے لا اِکْرَاہَ فی الدین

مذہبی آزادی کے معاملے میں کسی قسم کی زبردستی نہیں۔

اسلام غیر مسلموں کو بھی باحیثیت انسان جملہ حقوقِ انسانیت کا حامل قرار دیتا ہے۔ اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ان کی پرورش و نشوونما کو مملکت کی بنیادی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ الغرض قرآن کا مقصد یہ ہے۔ کہ ساری دُنیا میں ایک ہی

نظام حیات قائم ہو۔ اور اس نظام کا مقصد بنی نوعِ انسان کی خوشحالی' ترقی اور امن وامان کا قیام ہو۔ احترامِ آدمیت سے ذات پات' حسب ونسب' رنگ وزبان اور قومیت ووطنیت کے تمام امتیازات ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ پیدائش کے لحاظ سے تمام انسان یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں۔ اور سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ انسانی ہمدردی اور انسانیت کے قوانین پر عمل کرتا ہے۔ اور اپنے فرائض کی پابندی کرتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ ہر حالت میں عدل وانصاف کرتا ہے۔ قانون مکافاتِ عمل کے مطابق ہر شخص اپنے اعمال وافعال کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ احترامِ آدمیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ حریت وآزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا فراہم کرنا نظام حکومت کا بنیادی فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف قومیت بلکہ بین الاقوامیت کے نظریے کو بھی تسلیم نہیں کرتا بلکہ حکم کرتا ہے کہ تمام دُنیا کے انسان ایک ہی قوم (یعنی بنی نوعِ انسان ہیں) ان سب کو مساوات واخوت کے بنیادی نظریہ پر ایمان لانا چاہئے قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے مطابق یہی حکم خداوندی اور منشائے ایزدی ہے۔

عدل ومساوات کے انسانی اصول :

تمام انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے نظام حیات اور معاشرے کی بنیاد قرآن حکیم کے آفاقی اصولوں پر قائم ہونی چاہئے۔ قرآن موجودہ استحصالی نظام کا مکمل استیصال کر کے عدل ومساوات پر مبنی فلاحی واصلاحی نظام زندگی قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم ہر قسم کی ذات پات کی اُونچ نیچ' رنگ وزبان اور نسل وقبیلہ کے امتیازات اور قومیت وطنیت کے تعصبات کو غیر اسلامی' غیر انسانی اور غیر اخلاقی قرار دیتا ہے قرآن مساوات انسانی' اخوتِ اسلامی' عالمگیر انسانی برادری اور نوعِ انسانی کے اتحاد واتفاق' سب کے بنیادی انسانی حقوق بلا امتیاز مذہب وملت اور مرد وعورت کے تحفظ اور احترام آدمیت کا درس دیتا ہے۔ نیز محبت و رواداری' انسان دوستی اور خیر سگالی کے صحت مند انسانی تعلقات قائم کرنے اور ہر قسم کی نفرت' تنگ دلی' تنگ نظری' عداوت اور تعصب سے منع کرتا ہے۔ تاکہ ایک خالق کی مخلوق اور ایک جدامجد کی اولاد بھائی بھائی بن کر رہے۔

قرآن بلا امتیاز مذہب وملت اور فرقہ ومسلک ہر شخص کو مکمل مذہبی آزادی' سب کی عبادت گاہوں کی حفاظت' اپنے مذہب وعقیدہ کی تبلیغ واشاعت اور فکر وعمل کی مکمل آزادی عطا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر غیر مسلم کو بھی دوسروں کی طرح مکمل سیاسی' معاشی ومعاشرتی حقوق عطا کرتا ہے۔

قرآنِ پاک بار بار امانت' دیانت' حق وانصاف' وعدے کی پابندی انسانی ہمدردی' اور خدمتِ خلق کی تلقین کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان محبت ورواداری اور انسانی ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ رزقِ حلال کا شوق' معاشرتی برائیوں خصوصاً رشوت' سفارش' ہوسِ اقتدار' دولت کا لالچ' منشیات کا استعمال' چوری ڈاکہ' تشدد' دہشت گردی قتل وغارت وغیرہ دیگر انسانیت سوز برائیوں کے خلاف نفرت اور جہاد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

انبیائے کرام کی ذمہ داری :-

وحی خداوندی صرف رسولؐ کی ذات کے لیے وجہ ہدایت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے دوسرے انسانوں تک پہنچائی جاتی ہے۔(اے رسولؐ! تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔اسے دوسرے انسانوں تک پہنچادو) رسولؐ خدا خود بھی قرآن کے احکام' ہدایت اور قانون کی صداقت پر ایمان لاتا ہے۔اور خدا کی محکومیت تسلیم کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے۔اللہ کے رسولؐ کے ذمہ یہ فرض ہوتا ہے۔کہ وہ ایسا نظام قائم کرے جس میں خدا کے احکام زندہ فیصلوں کی حیثیت اختیار کر سکیں اور دُنیا انسان کی غلامی سے نجات پا کر صرف ایک خدا کی محکوم بن جائے۔ اس نظام کا نام دینِ خداوندی ہے اس میں قوانین وضع کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہوتا۔نبی کا منصب ان قوانین خداوندی کو نافذ کرنا ہوگا۔اس نظام میں امیر یا امام وہ ہوگا۔جو سب سے زیادہ ان قوانین کا پابند ہوگا۔ متقی اور پرہیزگار ہوگا۔اہل اور لائق ہوگا اور عدل و مساوات کے مطابق عمل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اے رسولؐ! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا۔اور الگ الگ گروہ بن گئے۔تم کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔پھر وہی بتلائے گا۔جو وہ کرتے رہے ہیں۔اس کی حقیقت کیا تھی۔قرآن 6/159 مذہبی فرقہ بندی شرک ہے۔آمریت' ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی موجودگی میں مملکت میں حریتِ فکر و عمل اور آزادی رائے سلب ہو جاتی ہے۔یہی وہ غلامی کی زنجیریں تھیں جنھیں توڑنے کے لئے نبی اکرمؐ کی بعثت ہوئی تھی۔اور آپؐ نے دُنیا کو انقلاب آفرین پیغام دیا تھا۔آپؐ نے نسلی امتیازات کی عصبیت کے علاوہ مسلمانوں کو شرک شخصیت پرستی' قبر پرستی اور مذہبی فرقہ بندی کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے قرآن کی بنیادی تعلیم میں انتشار پیدا کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔جس سے ایک طرف ملت اسلامیہ کی وحدتِ نسل و قبیلہ کی نفی ہوتی ہے اور دوسری طرف مذہبی فرقہ بندی سے ملت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایت کرتا ہے۔کہ ایسے معاشرے کی تشکیل عمل میں لائیں جن کی بنیادیں احترام آدمیت' انسانیت اور عدل و مساوات کے آفاقی اصولوں پر استوار ہو ۔ان کی تعلیم و تربیت کریں۔خود راہنمائی کریں اور لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلائیں۔نبیؐ کے اس فریضے کو ''فریضہ رسالت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔اس قسم کے معاشرے کو نظام خداوندی کہا جاتا ہے۔اس نظام کے قیام و بقا کے لئے کسی قسم کے شرک و شخصیت پرستی اور غیر اسلامی رسم و رواج کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر ایمان رکھتے اور قرآنِ حکیم کی تعلیمات اور اسوہِ حسنہ کے مطابق عمل کرتے تھے۔الغرض ہر لحاظ سے یہ تاریخِ اسلام کا سنہری دور اور تاریخِ عالم کا انسانیت کا زمانہ تھا۔

تاریخ اسلام کے سنہری دور کی ابتداء :

اس عہدِ سعید کی ابتداء 610ء میں آنحضرتؐ پر غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول سے ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی مبعوث کر کے لوگوں کی رشد و ہدایت تعلیم و تربیت اور اسلام کی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے قرآن حکیم کی آیات کے نزول کا آغاز کر دیا۔حضورؐ نے تیرہ سال تک مکہ میں پُر امن تبلیغ و اشاعت اور دس سال تک بعد از ہجرت مدینہ میں عسکری

جدوجہد کے ذریعے جس میں نا صرف آپ کا اپنا قبیلہ قریش بلکہ تمام عرب قبائل اور یہود کی متحدہ طاغوتی طاقت کے خلاف اٹھائیس غزوات میں آنحضرتؐ نے بذات خود میدانِ جنگ میں اپنے مجاہدین کی قیادت کی اور باون سرایا میں بہادر صحابہؓ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیے۔ اور دس سال کی جہادی سیاست اور تبلیغ واشاعت سے جزیرہ نمائے عرب کے کل دس لاکھ مربع میل علاقے پر مشتمل مملکت مدینہ کے آپؐ واحد حکمران تھے اور قریباً تمام آبادی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکی تھی۔ آپؐ نے 12 ربیع الاوّل 11ھ جون 632ء میں جب وفات پائی تو پورے عرب میں سنہری دور قائم ہو چکا تھا۔ جس کی تکمیل بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ نے کر دی۔

حضرت صدیق اکبرؓ:

اسیرانِ بدر کے متعلق حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ کی رائے تھی کہ تمام اسیروں کو قتل کر دیا جائے۔ (جناب رسول اللہؐ نے اس وقت فرمایا تھا کہ ان دونوں حضرات کی مثال فرشتوں میں میکائیل ہیں جو اللہ کی رحمت اور معافی لے کر اترتا ہے اور انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ کی مثال ہیں۔ اور حضرت عمر فاروقؓ فرشتوں میں جبرائیل کی مثال ہیں اور انبیاء میں حضرت نوحؑ کی مثال + ہیں)

جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو عقیدہ وایمان کے علاوہ ہر معاملے میں نرمی اور محبت وشفقت سے کام لیا۔ لیکن عقیدہ اور ایمان کا معاملہ یا اسوۂ رسول اللہ کا معاملہ ہوتا تھا تو آپ چٹان کی طرح ڈٹ جاتے تھے اور کسی کی سفارش بھی نہیں مانتے تھے حضرت خالد بن ولید کے معاملہ میں اور اسامہ بن زید کے لشکر کی شام کو روانگی کے معاملہ میں کبار صحابہ اور حضرت عمرؓ کی بات بھی نہ مانی اور انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ بے پناہ قوتِ معنوی کے مالک تھے۔ یعنی راسخ الایمان اور عقیدہ کے پختہ تھے۔ سادہ مزاج، پختہ ایمان اور راسخ الاعتقاد اور بلند سیرت وکردار تھا۔ اور عمر کا تقاضا بھی تھا کیونکہ جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ کی عمر ساٹھ سال سے بھی زائد تھی اور صحت بھی کمزور تھی۔

حضرتِ عمر فاروقؓ:

جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر پچاس کے قریب تھی۔ ان میں جوانی اور شباب کی قوت وطاقت اور جوش موجود تھا۔ آپ فطرتاً بھی تند مزاج اور سخت طبیعت کے تھے۔ بدن مضبوط اور خون کی حرارت بہت تیز تھی۔ مقابلہ اور مشکلات کے وقت غصہ اور جلال بن جاتے تھے۔ اور ہر کام خود کرنے کے عادی تھے۔ کسی قسم کی مخالفت یا نافرمانی برداشت نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے تمام عمال عہدیدار، اور سرکاری ملازم ان سے ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے اور فوراً حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شخصیت کا اثر ان کے انتظامی معاملات کی طرح عقلی زندگی یعنی اجتہادی معاملات میں وہ سب سے آگے تھے اور سب سے بڑے مجتہد تھے۔ آپ نے کئی بار کئی معاملات میں آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں بھی ان سے اختلاف رائے کیا تھا۔

عہد خلافت میں مسلمانوں کو ان کے اجتہاد پر مکمل اعتماد تھا۔ وہ صرف اللہ کے دین اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکے تھے۔ وہ تاریخ کے بے مثال حکمران تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی خلافت کا ان سے محاسبہ کیا جائے گا۔ اس لیے وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے بے پناہ محنت کرتے تھے۔ اور ہمیشہ ہر حال میں عدل وانصاف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زہد و تقویٰ نے ان کے دِل میں غریبوں' مسکینوں ضرورت مندوں اور مظلوموں کے لئے بے حساب خلوص و ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ اور ان کا دِل و دماغ ان کے لیے رحم و شفقت کے احساسات سے لبریز تھا اور وہ ہر ضرورت مند کی ضرورت خود ان کے گھر پر جا کر پوری کرتے تھے۔ عوام حضرت عمرؓ کو اپنا ہمدرد اور غمگسار سمجھتے تھے اور وہ سخت گیر انسان بے سہاروں' غریبوں اور حاجتمندوں کے لیے ان کو جان ومال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز اور قابلِ احترام بن گیا تھا۔

تاریخ کے سنہری دور کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- جو اس ملک و قوم کی مکمل آزادی و خود مختاری' سیاسی استحکام معاشی خوشحالی' معاشرتی فلاح و بہبود' امن و امان' مساوات' اخوت' عدل وانصاف' محبت ورواداری' انسان دوستی اور انسانیت کی اقدار کی بنیادوں پر معاشرہ کی تشکیل ہو۔

2- لوگوں کو ذہنی سکون اور حقیقی مسرت حاصل ہو۔ ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوں اور بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم ہوں بلاامتیاز مذہب وملت' نسل وقبیلہ' ذات پات اور وطنیت و قومیت ہر ایک کے حقوق و فرائض یکساں اور برابر ہوں اور ہر ایک کو ترقی اور خوشحالی کے برابر کے مواقع حاصل ہوں۔

3- کوئی مراعات یافتہ اور خصوصی حقوق کا حامل طبقہ نہ ہو۔ ہر لحاظ سے ہر شہری کے ساتھ یکساں اور برابر کا سلوک ہو۔ کسی کا استحصال اور کسی پر جبر و ظلم اور ناانصافی نہ ہو۔ مذہبی فرقہ بندی نہ ہو۔ عالمگیر انسانیت کا تصور اور انسانی مساوات واخوت کے اصولوں پر عمل ہو۔ بنیادی انسانی مسائل کا حل قانونِ قدرت کے فطری اصولوں اور اجتماعی عدل کے مطابق ہو۔

4- تاریخ عالم کے عدیم المثال شاندار انسانی انقلاب کی تقلید کرنا۔ جو آنحضرتؐ کے ذریعے قرآن حکیم کی تعلیمات پر عملدرآمد سے رونما ہوا۔ سیاسی نظام باہمی مشاورت کے اصولوں کے مطابق عوامی جمہوری نظام ہو جس میں ہر شہری کو برابر کے شہری حقوق اور نمائندگی حاصل ہو۔ جبر واستحصال سے پاک انسانی معاشی نظام جس میں ہر شخص کو روزگار کے مواقع اور برابر کے حقوق ومراعات حاصل ہوں ہر شخص کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل ہوں اور ہر شخص خوش اور خوشحال ہو۔

چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے سیاسی' معاشی' مذہبی اور انسانی حالات

آنحضرتؐ کی ذات اقدس مکمل تاریخ کی آئینہ دار ہے۔ اس عہد کے سیاسی' معاشرتی اور مذہبی حالات وواقعات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جس عہد میں آپ مبعوث ہوئے 571ء میں آپ دُنیا میں تشریف لائے اور 610ء میں آپ نے اعلان نبوتؐ فرمایا۔ اور اس کے 23 سال بعد 63 سال کی عمر میں 632ء میں وصال فرما گئے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر جگہ یعنی بحر وبر میں فتنہ وفساد برپا تھا۔ اِس وقت تمام مذاہب جن کی بنیاد عقیدہ توحید پر تھی۔ اب اِن میں شرک' شخصیت پرستی' مظاہر قدرت چاند سورج اور ستاروں وغیرہ کی پرستش' قبر پرستی بت پرستی' آتش پرستی وغیرہ یعنی غیر اللہ کی عبادت اور پرستش ہوتی تھی۔ الہامی کتابوں میں مذہبی پیشواؤں نے تحریف کر کے اپنے نظریات اور مفاد کے مطابق تبدیلیاں کر کے حلال وحرام اور خیر وشر میں تمیز ختم کر کے علم وحکمت اور انسانیت کی بجائے جہالت توہمات اور مشرکانہ رسم ورواج اور اندھی تقلید کو مذہب کا نام دے رکھا تھا اور غور وفکر کی صلاحیتیں ختم کر کے اپنی ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے عوام خالص توحید الٰہی اور عبودیت کو چھوڑ کر اپنے مقام انسانیت اور مقصد حیات کو بھول چکے تھے۔ مذہبی پیشوا ریاکاری اور فریب دہی کے طریقوں سے مذہب کے نام پر عوام کا استحصال کر رہے تھے اور ان کو گمراہی اور شرک کی تاریکی اور جہالت سے ذہنی طور پر غلام بنا رکھا تھا۔

عرب میں اگرچہ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ بلکہ قبائلی نظام تھا اور ہر قبیلہ آزاد تھا۔ مگر قریش مکہ کو کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے مذہبی سیادت طاقتور بڑا قبیلہ ہونے کی وجہ سے سیاسی قیادت اور سرمایہ دار تاجر ہونے کی وجہ سے معاشی خوشحالی حاصل تھی۔ اس لیے وہ نسلی تفاخر کے غیر انسانی اور غیر اخلاقی زعم میں مبتلا تھے یہود اور قریش وغیرہ کی معیشت کا انحصار سود خوری' تجارت' اجارہ داری اور استحصال پر تھا۔ عوام سیاسی غلامی' افلاس اور تنگ دستی میں مبتلا اور معاشی حقوق سے محروم تھے۔ اس دور میں عوام شرک' بت پرستی اور مذہبی پیشواؤں کی ذہنی غلامی کی وجہ سے توحید اور علم وحکمت کی روشنی سے محروم تھے۔ معاشی نظام کی ان بنیادی خرابیوں کی وجہ سے لوٹ مار غارتگری اور راہزنی عام ہو گئی تھی۔ معاشرتی زندگی میں حرام وحلال اور نیکی بدی میں کوئی تمیز نہ رہ گئی تھی۔ کوئی شرم وحیا اور ضابطہ اخلاق نہ تھا۔ اِن کے ہاں لڑکی پیدا ہونا باعث شرم وعار سمجھا جاتا تھا۔ غلامی کا عام رواج تھا اور ان کی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی۔ عورت کے کوئی حقوق نہ تھے اور اس معاشرہ میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔ احترام آدمیت کا معیار اخلاق وانسانیت کی بجائے دولت اور اقتدار پر تھا۔ نمود ونمائش' رقص وسرور' شراب نوشی اور قمار بازی ان کی ثقافتی زندگی کے اہم عناصر تھے۔

آپ کی بعثت کے وقت یعنی 610ء میں دُنیا دو ترقی یافتہ سُپر پاورز یعنی قیصر روم جس کا دارالخلافہ قسطنطنیہ اور کسریٰ ایران جس کا دارالخلافہ مدائن تھا۔ میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مصر' شام' حبشہ اور فلسطین پر قیصر کا قبضہ تھا اور کسریٰ عراق' یمن اور بہت سے مشرقی ممالک پر حکمران تھا۔ ان دونوں کے درمیان شدید سیاسی رقابت اور عداوت تھی۔ ان دونوں سُپر پاورز کے درمیان کمزور اور چھوٹے ممالک کو غلام بنانے یعنی سامراجی مقاصد کے لئے اکثر جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مگر اندر سے یہ دونوں حکومتیں کھوکھلی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ کیونکہ ان کے محکوم عوام ہر قسم کے سیاسی' معاشی اور انسانی حقوق سے محروم تھے اور ان کی حالت غلاموں سے بدتر ہو چکی تھی۔

اسلامی انقلاب جو ساتویں صدی عیسوی میں آنحضرتؐ کے ذریعے دُنیا میں آیا وہ کوئی معمولی انقلاب نہ تھا بلکہ ساری دُنیا کی طاغوتی قوتوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ اس فقید المثال انقلاب نے تاریخ عالم اور نوع انسان کی تقدیر کو بدل دیا۔ یہ ہر قسم کے جبر و استبداد' ملوکیت و آمریت مذہبی پیشواؤں کی ذہنی غلامی اور مفاد پرستی' معاشرتی برائیوں' نسلی تفاخر اور ظلم و ناانصافی کے خلاف مسلسل جہاد کا پیغام خداوندی تھا۔ انسان کو انسان کی غلامی اور غیر اللہ کی معبودیت سے نجات دلا کر احترامِ آدمیت اور اشرف المخلوقات کے منصب جلیلہ پر سرفراز کرنے کی نوید مسرت اور عالمگیر مساوات و اخوت انسانی کا درس حیات تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے عدیم النظیر انقلاب کے لئے مشیت ایزدی نے جزیرہ نمائے عربؔ اور مکہ کی سر زمین کو کیوں منتخب کیا۔ ہمارے خیال میں اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں۔

1- نجد و حجاز کا عرب نہ کبھی کسی کا محکوم ہوا اور نہ ہی اس نے کبھی کسی دُوسری قوم یا ملک کو غلام بنایا۔ بلکہ خود اپنے ملک میں بھی کبھی ایک مرکزی حکومت قائم نہیں کی۔ ہمسایہ ممالک ایران' رومتہ الکبریٰ اور یمن کی حمیری اور حبشی حکومتوں نے کئی بار اس وسیع و عریض صحرا پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ حضور اقدسؐ کی پیدائش سے پچپن روز قبل ابراہہ حاکم یمن نے انہدام کعبہ کی ناکام کوشش کی۔ الغرض ابتدائے آفرنیش سے ہی خطہ عرب سیاسی طور پر آزاد چلا آیا تھا۔ مذہبی لحاظ سے بھی اگرچہ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے توحید کے دین کو چھوڑ کر بت پرست بن چکے تھے۔ مگر یہ شرک اور بت پرستی بھی ان کی فطری آزادی طبع پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ وہ ان کی پرستش ضرور کرتے تھے۔ مگر اپنے معبودوں کے محکوم نہ تھے۔ بلکہ ان کو اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتے تھے۔

2- وہ چونکہ تعلیم سے بے بہرہ تھے اور اپنے ملک سے عموماً باہر نہیں جاتے تھے۔ اس لئے ان پر ہمسایہ ممالک کی تہذیب و تمدن اور ان کے مذہبی افکار و خیالات کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ سیدھے سادھے عملی انسان تھے۔ ان کی زندگی تکلفات اور تصنع و بناوٹ سے پاک تھی۔ سارے ملک میں چند شہر مکہ' طائف' یثرب اور خیبر وغیرہ تھے۔ باقی تمام لوگ صحراؤں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا بڑا پیشہ بھیڑ بکری اور اُونٹ پالنا تھا۔ جہاں کوئی نخلستان یا چشمہ مل گیا وہاں ڈیرہ ڈال دیا اور جب چاہا اس کو چھوڑ کر پانی اور چارے کی تلاش میں دوسری جگہ چلے گئے۔ یعنی وہ خانہ بدوش بدو تھے۔ اور کسی جگہ ان کا مستقل قیام نہ تھا۔ فطرت کے اس سیدھے سادھے اور سادہ ماحول نے ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ صحرا کی وسعت سے ان کی نگاہوں میں کشادگی اور سینوں

میں فراخی پیدا ہو گئی تھی۔ صحرا میں ان کو سب کچھ قدرت کی طرف سے مفت ملتا تھا۔ اس لیے وہ دل کے سخی اور مہمان نواز تھے۔ ان حالات کی وجہ سے ان کے دلوں میں صحرا کی وسعت خیالات واحساسات میں چشموں کی سی پاکیزگی اور صفائی اور عزائم وارادوں میں پہاڑوں کی سی بلندی اور مضبوطی اور ان کے چہروں پر چاند ستاروں کی سی چمک دمک اور سکون، اطمینان تھا۔

3- عربوں کی مہمان نوازی بے مثال تھی۔ ایفائے عہد کا یہ حال کہ جان ومال کی قربانی دے کر بھی اپنے عہد وپیمان کو پورا کرتے ہے۔ احسان شناس ایسے کہ جب تک اپنے محسن کا بدلہ نہ چکا لیں چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ شجاعت و بہادری کا یہ حال کہ میدان جنگ ان کے لئے کھیل کا میدان تھا اور بستر پر مرنا اپنی توہین خیال کرتے تھے۔ احساسِ برتری کا جذبہ عربوں کی تمام معاشرتی زندگی پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا۔ کہ وہ ہر غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ جس کی وجہ سے نسلی اور قبائلی تفاخر اس قدر محکم و مضبوط ہو چکا تھا۔ کہ اس سے ان کی قومی و ملکی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ اور پوری قوم شعوب وقبائل میں تقسیم ہو چکی تھی اور عصبیت جاہلیہ اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

4۔ عربوں کا جذبہ انتقام جسے وہ ثار کا قانون کہتے تھے۔ انتہائی شدید تھا۔ وہ جب تک دشمن سے انتقام نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان میں انتقام در انتقام کا چکر صدیوں جاری رہتا اور عربوں میں باہمی قتل وغارت کا سب سے بڑا سبب یہی انتقام یعنی ثار کا اصول تھا۔

5- اس زمانہ میں پوری عرب قوم اخلاقی جرائم اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھی۔ شراب خوری' قمار بازی' زناکاری' رہزنی' لوٹ مار' قتل وغارت وغیرہ انسانیت سوز سرگرمیوں میں ملوث تھی۔ اور کسی قسم کی اخلاقی تعمیری اور انسانی اقدار کا ان میں نام و نشان نہ تھا۔ ہر طرف فتنہ وفساد تھا اور کسی کی جان ومال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ خصوصاً عورتوں اور غلاموں کی حالت حیوانوں سے بدتر تھی۔

الغرض آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت عربوں کے فضائل مثلاً غیرت وحمیت جرات وشجاعت' ایفائے عہد وپیمان' مہمان نوازی' نسلی وقبائلی تفاخر' عصبیت جاہلیہ انتقام وثار کا جذبہ' معاشرتی برائیاں' تخریبی عادات اور خداداد مضمر صلاحیتیں بھی موجود تھیں اور آزادی خودسری اور انا و وقار کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا تھا۔

لہٰذا اکثر غیر مسلم مستشرکین کا یہ خیال ہے کہ عربوں کے محیر العقول انقلاب کی وجہ یعنی راز یہ ہے کہ عربوں میں خصائل' صفات' ذاتی جوہر اور مضمر صلاحتیں موجود تھیں۔ ان کی جغرافیائی پوزیشن طبعی افتاد اور جسمانی وذہنی قوتیں بھی ان میں موجود تھیں جو اسلام سے قبل وہ آپس میں جنگ وجدل اور نسلی تفاخر کی وجہ سے خود ان کے خلاف استعمال ہوتی تھیں۔ یعنی ان میں اتحاد واتفاق اور کوئی نظم وضبط قائم نہ تھا۔ اور ہمیشہ باہم برسرپیکار رہنے کی وجہ سے یہ تمام فضائل اور صلاحتیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ آپؐ نے ان کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو متحد کر کے ایک محاذ پر مرکوز کر کے ان کی مجموعی طاقت کا رُخ اپنوں کی بجائے غیروں کی طرف پھیر دیا۔ اور اپنی بے مثال ولولہ انگیز قیادت کے تحت تاریخ عالم کا یہ عدیم المثال انقلاب پیدا کر دیا۔

مذکورہ قسم کے مورخین کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ آنحضرتؐ کا پیدا کردہ انقلاب کوئی قومی' سیاسی' معاشی اور

مستشرق

لہٰذا مستشرقین

معاشرتی انقلاب نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عالمگیر نظریاتی آفاقی انقلاب تھا۔ جو زمان و مکاں کی حدود و قیود سے آزاد تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک قائم و دائم نتائج و نظریات کا حامل انقلاب تھا۔ یہ اسلامی انقلاب خدائی انقلاب تھا۔ جس کا منشور و آئین قرآن حکیم ہے۔ یہ انقلاب مشیت ایزدی کے پروگرام کے تحت عمل میں آیا تھا۔ کیونکہ خالق کائنات نے اب انبیائے کرام کے سلسلہ رشد و ہدایت کو ختم کر کے اپنے آخری نبی کو قیامت تک کے لئے تمام نوع انسان کی ہدایت اور آپ کی معرفت اپنے قوانین' احکام اور ہدایات کی آخری کتاب نازل کر کے نوع انسان کو ان کے مطابق اپنی انفرادی اجتماعی اور قومی زندگیوں کو امن و سلامتی آرام و سکون مساوات و اخوت' عدل و انصاف' محبت و رواداری' عالمگیر انسانی برادری حریت و آزادی اور اخلاق و انسانیت کے حیات افروز اصولوں کے مطابق بسر کر کے سعادت دارین حاصل کرنی تھی۔

آنحضرتؐ کا ظہور ایسے غیر انسانی' غیر اخلاقی' اور غیر فطری دور میں ہوا اور آپ کا عظیم کارنامہ اور انقلاب یہ تھا۔ کہ آپ نے انسان کو اندر سے بدل دیا۔ پوری کی پوری انسانیت کو تبدیل کر دیا۔ انسان کو اللہ کا بندہ' خالق حقیقی کا پرستار' نوعِ انسانی کا دوست اور خدمت گار بنا دیا۔ آپ کی دعوت نے پورے کے پورے معاشرے کو اندر سے بدل دیا۔ اور اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک مدرسہ سے لے کر عدالت تک اور گھروں سے لے کر میدان جنگ تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے۔ خیالات کی رو بدل گئی۔ نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔ عادات و اطوار بدل گئے۔ رسوم و رواج بدل گئے۔ حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں۔ خیر و شر کے معیارات اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے۔ اخلاقی قدریں بدل گئیں۔ دستور و قانون بدل گیا۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے۔ معیشت اور ازدواج کے طور بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی۔ اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ہر طرف بناؤ ہی بناؤ تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقا تھا۔ در حقیقت محسن انسانیت کے ہاتھوں انسانی' زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی اور حضورؐ نے ایک نظامِ حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دور تاریخ کا افتتاح فرمایا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے۔ کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ خصوصاً ایسے حالات میں جب پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دور وحشت تھا اور کہیں شرک و بت پرستی۔ مصر' ہندوستان بابل نینوا' یونان اور چین میں قدیم تہذیبیں اپنی شمعیں گل کر چکی تھیں۔

مقام دعوت کے لحاظ سے عرب اور پھر اس میں مکہ تمام دنیا میں جو اس وقت مہذب اور ترقی یافتہ تھا۔ ایک مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ کیونکہ ایشیاء افریقہ اور یورپ کے درمیان میں واقع اور ایشیاء میں ہوتے ہوئے بھی افریقہ اور یورپ کے درمیان میں واقع تھا۔ خصوصاً ایران' رومتہ الکبریٰ اور حبشہ کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کا سیاسی تجارتی اور تہذیبی تعلق تھا۔ عرب کے مشرقی حصہ پر روم کا قبضہ تھا۔ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب کی طرف جانے والے تجارتی قافلے عرب سے ہو کر گزرتے تھے۔ اور تمام ترقی یافتہ ممالک' ہندوستان' ایران' مصر اور یورپ کی بیرونی تجارت عرب کے واسطہ سے ہوتی تھی۔ عمان' یمن' صنعا' مکہ' طائف جدہ' ینبوع یثرب اور دومتہ الجندل ان تجارتی راستوں پر واقع تھے۔ جو یمن' ایران' شام عراق اور حبشہ و مصر کے درمیان تجارت کرتے تھے اور ان کا تعلق ہندوستان' چین' ایران' عراق' مصر' شام' حبشہ اور روم

سے تھا۔ لہٰذا اگر عرب میں تمام نوع انسانی کی ہدایت اور راہنمائی اور انسانیت کی اصلاح و فلاح کے لئے کوئی تحریک شروع ہو تو اس کی کامیابی کے بہت زیادہ روشن امکانات تھے۔

تاریخی موقعہ :

عرب کا یہ انسانی مواد ہر لحاظ سے ترقی اور ارتقاء کی منازل طے کرنے کے قابل اور اہل تھا۔ یہ بھی ایک قانون فطرت ہے کہ جب ترقی یافتہ متمدن قوموں اور ملکوں میں ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے زوال آجائے تو کسی نئی بدوی اور پس ماندہ قوم کو روبہ ترقی کر کے میدان عمل میں لایا جائے۔ جیسے رومی سلطنت کے مقابلہ پر وحشی جرمن' فرعون کے مقابلہ پر بنی اسرائیل اور وسط ایشیا کے آریوں اور ترکوں اور منگولوں کو میدان عمل میں لا کر متمدن قوموں اور حکومتوں کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اور گمنام اور پس ماندہ قوموں کو عروج و کمال تک پہنچایا گیا۔ یہی قانون قدرت اب عرب میں دہرایا جانے والا تھا اور عرب قوم کو اس ہمہ گیر انسانی انقلاب برپا کرنے کے لئے تیار کیا گیا۔

مشیت ایزدی نے انسانیت کو صراط مستقیم پر لانے اور ان کی تعمیر و اصلاح اور ترقی و عروج کے لئے آنحضرت کو انسانی انقلاب برپا کرنے کے لئے بہترین زمانہ بہترین مقام یعنی مکہ اور بہترین قوم عرب' بہترین حالات زمانہ یعنی تاریخی و جغرافیائی و انسانی عوامل ایسے انقلاب کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھے۔

تاریخ یعنی زمانہ ایسا تھا کہ قبائلی دور ختم ہو چکا تھا اور بین الاقوامی دور شروع ہو رہا تھا۔ دور قدیم قریب الاختتام اور جدید کا آغاز ہو رہا تھا۔ اب علم و حکمت اور فلسفہ و سائنس کا دور شروع ہونے والا تھا۔ آپ کا زمانہ دو تاریخی دوروں کے درمیان حد فاصل تھا۔ لہٰذا عالمگیر انسانیت کے روشن اور ترقی و عروج کے دور کا افتتاح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور عظیم الشان نبی کو اپنی بہترین اور بے مثل شریعت' ضابطہ حیات اور قوانین و احکام کا آئین و دستور قرآن حکیم کی صورت میں نوع انسانی کو ودیعت کرنے کا تاریخ ساز فیصلہ کر لیا تھا۔ تاکہ توحید الٰہی اور عدل و مساوات پر مبنی انسان دوست اور حیات افروز معاشرہ کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔

حضرت محمدؐ رسول اللہ کے حالاتِ زندگی قبل از نبوت

آنحضرتؐ کا شجرۂ نسب عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک اور حضرت اسماعیلؑ سے حضرت آدمؑ تک پہنچتا ہے۔ ابن ہشام کے مطابق جناب رسول اللہؐ کے والد جناب عبداللہ جناب عبداللہ کے والد جناب عبدالمطلب بن جناب ہاشم (عمرو) بن جناب عبد مناف بن جناب قصی (زید) بن کلاب ہیں۔

آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا شجرہ نسب سیدہ آمنہ بنت وہیب قبیلہ زہرہ سے تھے۔ جناب عبدالمطلب بن ہاشم سقایہ اور رفادہ کے مناصب کے ذمے دار تھے یعنی ایام حج میں حاجیوں کو پانی مہیا کرنا ان کی ذمہ داری تھی لیکن چاہ زم زم بند ہو چکا ہو تھا۔ آپ نے اس کی کھدائی کا پروگرام بنایا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی اگر تو مجھے دس بیٹے دے گا اور وہ جوان ہوں گے تو ان میں سے ایک تیرے نام پر قربان کروں گا۔ سارے عرب میں لوگ بیٹوں کی کثرت پر فخر کرتے اور اپنی قوت واقتدار سمجھتے تھے۔ لیکن اس وقت عبدالمطلب کا صرف اکلوتا بیٹا حارث ہی تھا۔ عبدالمطلب کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں دس بیٹے دیئے جب ان کے بیٹے جوان ہوئے تو اپنے بیٹوں کی کثرت پر بہت شکر گزار تھے۔ ایک رات خواب میں کسی نے انھیں پکار کر کہا۔ کہ "عبدالمطلب اٹھ اور اپنی منت پوری کر" صبح عبدالمطلب نے اپنے تمام بیٹوں کو بلایا اور کہا آج رات مجھے خواب میں کسی نے اپنی منت پوری کرنے کا وعدہ یاد دلایا ہے۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے" سب بیٹوں نے عرض کیا کہ آپ اپنی نذر پوری کریں۔ ہم آپ کے حکم پر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے دادا حضرت اسماعیلؑ نے بھی اپنے والدؑ کے حکم پر سر جھکا دیا تھا۔ ہم بھی سر جھکاتے ہیں۔ آپ ہمیں ہر حال میں فرمانبردار پائیں گے۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں قرعہ اندازی کرتا ہوں۔ جس کا نام نکلے وہی قربان کیا جائے گا" جب قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا اور جناب عبدالمطلب نے اعلان کر دیا کہ میں عبداللہ کو قربان کر دوں گا۔ لیکن تمام رشتہ داروں اور معززین مکہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ عبداللہ اور دس اونٹوں کے نام قرعہ ڈالیں اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو عبداللہ کی جائے دس اونٹوں کو قربان کر دو۔ یہ عبداللہ کی دیت ہوگی اگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلے تو بیس اونٹوں اور عبداللہ کے نام قرعہ ڈالیں۔ اگر پھر بھی عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ۔

یہاں تک کہ اللہ اس دیت پر راضی ہو جائے۔ چنانچہ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا۔ اور جب اونٹوں کی تعداد ایک سو ہو گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا چنانچہ عبدالمطلب نے 100 اونٹ اللہ کے نام پر قربان کر دیئے اور عبداللہ اسی طرح بچ گئے جس طرح حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی سے ذبح کی قربانی پر بچ گئے تھے۔ اس لیے جناب عبداللہ کو بھی لوگ ذبیح اللہ کے نام سے پکارنے لگے۔ اب آپ "عبداللہ ذبیح اللہ" کہلاتے تھے۔

جناب عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے :

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب حسن و جمال میں مثل چاند اور سیرت و کردار میں اپنی مثال آپ تھے۔ یوں تو مکہ میں پہلے ہی سے ان کی عزت تھی۔ لیکن واقعہ "نذر" کی وجہ سے ان کا چرچا ہونے لگا۔ اور بہت سی عورتوں نے انھیں اپنی امیدوں کا محور بنالیا۔ اور شادی کی خواہش کا اظہار کرنے لگیں۔

عبدالمطلب اپنے بیٹے کے لئے مناسب رشتہ کی تلاش میں تھے۔ وہ حسب و نسب اور عزت و شرف میں بہترین جوڑ کی تلاش میں تھے۔ اس جستجو میں وہ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کے ہاں گئے۔ انھوں نے ان کی بھتیجی آمنہؓ کے متعلق سُن رکھا تھا۔ کہ وہ قریش کی تمام دوشیزاؤں میں سے ہر لحاظ سے افضل ہے۔ لہٰذا اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے وہب سے اس کی بھتیجی آمنہؓ کا رشتہ مانگا۔ جسے انھوں نے قبول کر لیا کیونکہ وہ عبداللہ کی شہرت و نیک سیرت سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ حضرت آمنہؓ کا نکاح عبداللہ سے ہو گیا۔ اس وقت جناب عبداللہ کی عمر چوبیس سال تھی۔ شادی سے چند ماہ بعد مکہ سے ایک تجارتی قافلہ شام جا رہا تھا جناب عبداللہ بھی اپنے والد کی اجازت سے سامانِ تجارت لے کر اس قافلے کے ہمراہ شام روانہ ہو گئے۔ غزہ سے واپسی پر جناب عبداللہ یثرب میں اپنے ننھال کے ہاں بیماری کی وجہ سے ٹھہر گئے اور چند دن بعد وہاں ہی وفات پا گئے جس کی اطلاع ان کے والد اور بیوی کو مکہ پہنچ گئی۔

آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت :

حضرت محمدؐ کی ولادت باسعادت عام روایات کے مطابق مورخہ 12 ربیع الاول عام الفیل بمطابق 20 اپریل 570ء اور مستند روایات کے مطابق مورخہ 9 ربیع الاول عام الفیل بمطابق 22 اپریل 571ء بروز دوشنبہ (سوموار) بوقت صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب موسم بہار کی پر فضا سہانی صبح واقعہ اصحاب فیل کے پچپن (55) روز بعد مکہ معظمہ میں عالم ظہور میں آئی۔

حضورؐ اکرم کے والد محترم جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تاریخ عالم کے سب سے زیادہ خوش قسمت انسان تھے۔ آپ حضورؐ کی پیدائش سے چند ماہ قبل ہی دوران سفر مدینہ منورہ میں انتقال فرما چکے تھے۔ حضورؐ کی والدہ ماجدہ تاریخ عالم کی تمام خواتین سے زیادہ خوش قسمت تھیں جن کو تاریخ عالم کے اس عظیم ترین انسان کامل کی "مادر ماجدہ" بننے کا شرف حاصل ہوا۔

ہمارے خیال میں آنحضرتؐ کو دوسری عورتوں کے دودھ پلانے اور حلیمہ سعدیہ کے پاس چار سال تک قیام کی روایت مشکوک بلکہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے اور جن کو وہ منصب نبوت پر فائز کرتا ہے۔ وہ لوگوں میں حسب و نسب کے لحاظ سے بلند 'صداقت' دیانت 'امانت اور دیگر اخلاق عالیہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ان کی ذات سے کوئی ایسی بات منسوب نہیں کی جا سکتی جو لوگوں کی نظروں میں حقیر اور شرافت سے گری ہوئی ہو۔ اللہ

کے حکم پر حضرت موسیٰؑ کو ان کی والدہ محترمہ نے دریا میں بہا دیا فرعون کے اہل بیت نے انھیں اٹھالیا۔ مگر اللہ نے موسیٰؑ پر والدہ کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ حرام کر دیا اور انھوں نے کسی دوسری عورت کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ حضورؐ اقدس اپنی والدہ محترمہ کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے۔ پیدائش کے بعد اپنی والدہ کے دودھ پر پلنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بھی تائید ہو گئی۔ کہ "مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں" چنانچہ حضورؐ نے بھی دو سال تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ یہ روایت کہ آپؐ نے دو سال تک لونڈیوں کا دودھ پیا بالکل غلط ہے۔ آپؐ کی والدہ کے دودھ کو کیا ہو گیا تھا۔ کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے سینے سے جدا کر کے حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ تو بچے کو جدا کر کے بے قرار ہو گئی تھیں۔ کیا سیدہ آمنہؑ کو اپنے بچے سے کوئی محبت نہ تھی۔ یا ان کی ماں تا کمزور تھی؟ کسی ماں کی ماں تا اپنے نو مولود بچے کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتی یہ خلاف فطرت اور ناممکن بات ہے خاص طور پر سیدہ آمنہؑ جن کا خاوند پہلے ہی فوت ہو چکا تھا اور ان کا اور کوئی بچہ بھی نہ تھا یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے اپنے نو مولود لخت جگر کو کسی بدو عورت کے سپرد کر دیا ہو کہ وہ اسے صحرا میں لے جائے لہٰذا یہ روایت سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

مکہ میں بھی آپ کو بہترین ماحول میسر تھا اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قریش مکہ کی زبان کسی سے کم نہ تھی۔ لہٰذا حضورؐ کی پیدائش کے چند روز بعد باہر بھیجنے کی روایت درائت اور فطرت کے خلاف ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضورؐ اللہ کے عظیم الشان نبی تھے۔ لہٰذا اپنی والدہ ماجدہ کے پاکیزہ دودھ کی بجائے لونڈیوں کے دودھ پر پرورش پانے پر یقین نہیں آسکتا۔ تمام انبیائے کرام کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ کے نبی نے پیدائش کے بعد اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور کا دودھ پیا ہو۔

جب آنحضرتؐ کی عمر 6 سال کی ہوئی تو آپؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ آپ کو آپ کے والد کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب لے گئیں یہ تقریباً دو سو میل کا انتہائی مشکل، طویل سفر اپنے معصوم بچے کے ساتھ آپ کی اپنے شوہر کے ساتھ بے پناہ خلوص و محبت و وفاداری اور پاکیزہ جذبات کے اظہار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یثرب میں ایک ماہ قیام کیا۔ سیدہ آمنہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کے نزدیک بیٹھی رہتیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری رہتی۔ حضورؐ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے۔ ہونجار کی باؤلی میں آپؐ نے تیرنا بھی سیکھ لیا۔ تمام بچے آپ سے کھیلنا پسند کرتے تھے کیونکہ آپؐ کسی سے جھگڑتے نہ تھے۔ وہاں پہنچ کر ہونجار کے گھر قیام کیا۔ جو جناب عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ وہاں اپنے نور نظر کو وہ مکان دکھایا جہاں آپؐ کے والد نے وفات پائی تھی۔ اس کے بعد آپؐ ان کے مزار پر گئے جہاں پہلی بار آپؐ کے دل میں یتیمی کا احساس پیدا ہوا۔ سیدہ آمنہؑ پہلے بھی آپ کو آپؐ کے والد کے حالات، ان کی سیرت و کردار، عادات و اطوار اور موت کے سانحہ کے متعلق بتایا کرتی تھیں۔

حضرت آمنہؑ کی وفات:

مدینہ سے روانہ ہو کر قریباً چالیس میل کے فاصلے پر مدینہ اور حجفہ کے درمیان ابواء کے مقام پر پہنچیں۔ جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئیں تھیں تو آپ کے دل و دماغ پر اپنے محبوب شوہر کی جدائی کا شدید اثر تھا۔ جب ابوا پہنچیں تو بیماری اور

صدمات نے گھیر لیا۔ آخر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ اور خالق حقیقی سے جا ملیں آپؐ کے والد جناب عبداللہ بھی دوران سفر پردیس میں فوت ہوئے تھے اور "مادر مہربان" حضرت آمنہؓ کا آخری وقت بھی دوران سفر پردیس میں آیا۔ سفر میں تین افراد تھے ایک محمدؐ دوسری سیدہ آمنہؓ اور تیسری ایک خادمہ ام ایمن۔ جب حضرت آمنہؓ وفات پا گئیں۔ اور حضرت محمدؐ اور خادمہ ام ایمن باقی دو ہی رہ گئے۔ ایک عورت ذات اور دوسرا یتیم بچہ جس کا خدا کے سوا کوئی عزیز و اقارب، ہمدرد و غم خوار، اور تسلی دینے والا نہ تھا۔ بے یار و مددگار اور بے سہارا اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش محبت و شفقت سے محروم ہو گیا۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیں ایک خوفناک ماحول میں صحرا، جنگل اور پہاڑ کا سفر جس کے آس پاس آبادی بھی نہیں ہے۔ ایسا پردیس جہاں کوئی اپنا پرایا نہ تھا۔ بیابان جنگل۔ ان پر پریشانی اور غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں گے۔ کیا ایسے حالات میں انسان کا دل نہیں بیٹھ جاتا، والدہ اپنے معصوم لخت جگر کو اپنے آخری لمحات میں کس حسرت و یاس سے دیکھ رہی ہوں گی۔ حضرت محمدؐ امی امی پکار رہے ہوں گے۔ اس وقت اس قیامت خیز منظر سے زمین و آسمان ضرور لرز گئے ہوں گے۔ کہ دُنیا کا عظیم ترین انسان کیا منظر دیکھ رہا ہے۔ جب اس عظیم ماں کو قبر میں اتارا گیا ہو گا۔ تو اس معصوم بچے کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ جس نے تمام بنی نوع انسان کے لئے سایہ رحمت بننا تھا تمام یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی قیامت تک کے لئے حاجت روائی ہمدردی اور دلجوئی کرنی تھی۔

بہر حال اس بے پناہ مصیبت اور پریشانی کی حالت میں آپؐ کی وفادار خادمہ ام ایمن آپؐ کو ساتھ لے کر مکہ آئیں اور اس کے بعد آپؐ اپنے مشفق و مہربان دادا جناب عبدالمطلب اور تایا جناب زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت اور حفاظت میں رہنے لگے۔

جناب رسول اللہؐ کی قرابت، خدمت اور کارہائے نمایاں کی روشنی میں چار معزز خواتین تاریخ اسلام کی عظیم ترین شخصیتیں ہیں۔

1- حضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ بنت وہب
2- آنحضرتؐ کی پہلی رفیقہ حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ۔
3- آنحضرتؐ کی محبوب ترین رفیقہ حیات سیدہ عائشہ صدیقہؓ
4- حضرت ام ایمنؓ آپ ان کو "میری ماں" کہہ کر پکارتے تھے۔ ام ایمن زید بن حارث کی زوجہ اور اسامہ بن زید بن حارث کی والدہ ہے۔

حضرت ام ایمن برکتہ کی خدمات :

آنحضرتؐ کی پیدائش کے دن یہ لونڈی گھر میں موجود تھیں اور آپ کی ولادت باسعادت سے ان کا غم زدہ دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہو گیا اور اس کے دل میں محبت و پیار کے بے پایاں جذبات پیدا ہو گئے۔ اور آپؐ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئے۔ آپ اپنی غلامی کی تکلیف کو بھول گئی اور اپنی لافانی محبت و شفقت اور خلوص کے ساتھ آپؐ کی پرورش کرنے لگیں اور

آپ کا وجود مبارک اس کی لازوال خوشیوں و مسرتوں کا مرکز بن گیا۔ اور انھیں اپنی گمشدہ عزت، شرافت اور آزادی کا نعم البدل مل گیا۔

ام ایمن آپ کو لے کر مکہ آئیں اور آپؐ کے دادا عبد المطلب کو تمام دلخراش واقعات سنائے اب آپؐ صرف اپنی آیا کی پرورش پر رہ گئے تھے جس نے اپنی تمام محبت و خدمات آپؐ کے لئے وقف کر دی تھیں اس وقت یہ سیاہ فام لونڈی آپ کی والدہ کے مقام کے برابر تھی اور آپ کی بچپن سے جوانی تک خدمت اور خبر گیری کی، اور اپنی زندگی صرف آپؐ کے لئے وقف کر دی۔ جب آپؐ جوان ہوئے تو آپؐ کی شادی سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کے ساتھ ہو گئی اور آپؐ نے اپنی آیا کو جس نے محبت و شفقت کے ساتھ آپؐ کی پرورش کی تھی۔ آزاد کر دیا اور آزادانہ شریفانہ زندگی گزارنے کا حق عطا کر دیا۔

اُم ایمن نے یثرب کے رہنے والے ایک شخص عبید کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جو مکہ میں مقیم تھا اور اس کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی بسر کی اور اسی کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ اپنے شوہر عبید کی وفات کے بعد وہ اپنے بیٹے ایمن کو لے کر آنحضرتؐ کی پناہ میں دوبارہ آ گئیں اور آپ کا لڑکا بھی حضورؐ کے پاس رہا۔ آنحضرتؐ صحابہ کرام کے سامنے ام ایمن کی خدمات اور خلوص و محبت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ اور عموماً یہ الفاظ دہراتے تھے کہ "وہ ہمارے خاندان کی یادگار ہیں" یہ الفاظ آپؐ کے انتہائی محبت و خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ آنحضرتؐ کوشش فرماتے رہتے کہ ام ایمن بھی آزاد خواتین کی طرح مساویانہ حیثیت سے خوشگوار زندگی گزاریں۔ اس مقصد کے لئے آپؐ نے ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔

"جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ جنتی خاتون سے نکاح کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ام ایمن سے نکاح کرے" چنانچہ یہ الفاظ سنتے ہی زید بن حارث نے آپؐ سے نکاح کر لیا۔ جب آنحضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ کا سفر اختیار کیا۔

مدینہ پہنچنے پر آنحضرتؐ نے حضرت ام ایمن کا انتہائی محبت کے ساتھ استقبال کیا اور وہاں بلا خوف و خطر اور پر امن زندگی گزارتی رہیں اور اس وقت بھی آنحضرتؐ کے ساتھ انتہائی محبت کا مظاہرہ کرتی رہی اور اکثر جنگوں میں بھی آپؐ کے ساتھ جاتی تھیں۔ ام ایمن جنگ احد میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئیں اور مسلمان زخمی اور پیاسے مجاہدین کو گھوم پھر کر پانی پلاتیں وہ اپنے فرزند اسامہ کے ساتھ جنگ خیبر میں بھی شامل ہوئیں اور خلوص و محبت اور رحمدلی کے ساتھ مجاہدین کی خدمت کرتی رہیں۔ ام ایمن جنگ حنین میں بھی شامل ہوئیں اور مجاہدین اور زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں۔ مگر اس جنگ میں اس کا پیارا بیٹا ایمن شہید ہو گیا۔ ام ایمن کا دوسرا فرزند زید بن حارث سے تھا۔ حضرت اسامہؓ آنحضرتؐ کے بہت لاڈلے اور پیارے تھے اور آپ کو ان کی بہادری شجاعت اور تدبیر و بصیرت پر بہت اعتماد تھا۔ اس لیے آپؐ نے اپنے آخری وقت میں شام کی مہم میں جانے والے لشکر جرار کا سپہ سالار حضرت اسامہؓ کو مقرر کیا۔ حالانکہ وہ اس وقت بہت کم عمر تھے۔ اور اسی لشکر میں تمام اکابر صحابہ شامل تھے۔ بعض صحابہؓ نے اس وقت اسامہؓ کی قیادت پر اعتراض کیا مگر آنحضرتؐ نے تمام اعتراضات مسترد کرتے ہوئے اس کی سپہ سالاری کو برقرار رکھا۔ اگرچہ آپؐ کی وفات کی وجہ سے یہ لشکر اس وقت آپؐ کی زندگی میں محاذ جنگ پر نہ جا سکا اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں گیا حضرت ام ایمن نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ام ایمن نے حضرت محمدؐ کی وفات پر فرمایا کہ اب اللہ کی وحی اور اس کا پیغام آسمان سے منقطع ہو جائے گا اور حضرت عمرؓ کی وفات پر فرمایا کہ "اب اسلام کمزور

ہو گیا ہے"

حضور اقدس کا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے عقد :

حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد ایک شریف مالدار اور تاجر عورت تھیں آپؐ کے والد کا نام خویلد بن اسد اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے قبل پہلی شادی عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمرو مخزومی سے کی تھی۔ اس سے سیدہ خدیجہ کے بطن سے ایک لڑکی ہندہ بنت عتیق پیدا ہوئی تھی۔ عتیق کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ابو حالہ ہناش بن زرارہ سے دوسرا عقد کیا تھا۔ اس سے ایک دختر ہندہ بنت ابی ہالہ اور ایک فرزند ہالہ بن ابی ہالہ پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ ہناش کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے نکاح کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر 28 سال تھی اور یہ قرین قیاس بلکہ صحیح بھی ہے۔

آنحضرتؐ کی اولاد :

رسول اللہؐ کے پہلے فرزند حضرت قاسم تھے جن کے نام پر آپؐ ابو القاسم کنیت بھی کرتے تھے۔ لیکن یہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ اس کے بعد آپؐ کی بڑی بیٹی زینب پھر رقیہؓ، پھر فاطمہ اور اس کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ بعثت کے بعد آپؐ کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے جن کو طاہر اور طیب بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی شیر خوارگی میں وفات پا گئے۔ اور ان کی وفات پر جب کفار مکہ نے طعن کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تسلی دی او سورۃ کوثر نازل ہوئی۔ ان تمام کی والدہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپؐ کے دونوں لڑکے وفات پا گئے تھے۔ آپؐ کے ہاں آخری صاحب زادے جناب ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے جو قریباً اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پا گئے۔

انہدام و تعمیر خانہ کعبہ 605ء

حضور نبی اکرمؐ کی 35 سالہ عمر تک خانہ کعبہ حضرت ابراہیم ہی کی تعمیر کردہ حالت پر باقی رہا۔ لین سیلاب کی وجہ ست خانہ کعبہ میں دراڑ اور شگاف پڑ گئے تھے اور خطرہ تھا کہ یہ منہدم ہو کر گر نہ جائے۔ اس لئے قریش مکہ اس کی از سر نو تعمیر کے متعلق سوچ بچار کر رہے تھے۔ انہی دنوں سمندر میں ایک رومی جہاز آرہا تھا۔ جس میں رومی سوار تھے اور باقوم نام کا ایک شخص اس جہاز کا مالک تھا جو معمار بھی تھا۔ سمندری طوفان نے اس جہاز کو جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا دیا۔ جو یہاں آکر ٹوٹ گیا۔ قریش مکہ کو معلوم ہوا کہ ایک جہاز شیبہ کی بندرگاہ پر تباہ حال پڑا ہے۔

انھوں نے مشورہ کیا اور خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے باقوم کے پاس پہنچ کر لکڑی کی خرید کی بات چیت ہوئی اور وہ مناسب قیمت پر لکڑی فروخت کرنے کے لئے رضامند ہو گیا۔ اور ان کے ہمراہ مکہ آگیا۔ چنانچہ تعمیر کعبہ کے متعلق لکڑی کا سودا اور تعمیر کے لئے اس کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ اس سے قبل مکہ میں ایک بڑھئی بھی تعمیر کا کام جانتا تھا۔ اس کو باقوم کے ساتھ ملایا اور ان دونوں نے مل کر تعمیر خانہ کعبہ کی ابتداء کر دی کعبہ کی فرسودہ عمارت کو گرا دیا گیا۔ شکستہ عمارت کعبہ کو گرانے کے

لئے قریش کے لوگ اس کے تقدس اور احترام کی وجہ سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے حوصلہ کر کے شکستہ عمارت کے انہدام کی ابتدا کر دی۔ جب اسے کوئی نقصان نہ ہوا تو دیگر لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور جب پتھر گرانے لگے تو دعا کی کہ "اے اللہ! تجھے ناراض کرنا مقصود نہیں ہم لوگ تو فقط تیرے گھر کی بہتری اور تعمیر نو چاہتے ہیں۔ جب قدیم عمارت گرا چکے تو نئی عمارت کی تعمیر کے لئے مختلف قبائل قریش نے اس کے مختلف حصوں کی تعمیر کے لئے باہمی فیصلہ کر لیا اور تعمیر شروع ہو گئی۔ قریش کے لوگ رضاکارانہ طور پر تعمیری کام میں شامل ہو گئے۔ پتھروں کو جمع کر کے اور ان کے کنارے صاف اور درست کر کے جائے تعمیر پر لاتے۔ آنحضرتؐ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر لاتے اور اس نیک کام میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ جب عمارت اس حد تک پہنچی جہاں خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے کا موقعہ تھا تو ہر قبیلے نے اپنے اپنے استحقاق پر زور دیا اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ جنگ و قتال کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ تب امیہ بن مغیرہ کی تجویز پر اتفاق کیا گیا کہ جو شخص کل صبح سویرے سب سے پہلے باب شیبہ سے داخل ہو گا وہی اس اختلاف کا فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ صبح کے وقت سب سے پہلے آنحضرتؐ اس دروازہ سے داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "امین آ گئے" ہمارے نزدیک آپؐ امین و دیانت دار ہیں۔ ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہو گا۔ پھر انھوں نے آپؐ سے صورت حال بیان کی اس پر آپؐ نے اپنی چادر مبارک زمین میں بچھا دی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر پر رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلے والا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اوپر اٹھائے۔ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ جب وہ اس کی جگہ تک پہنچے تو آپؐ نے ذات اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی صحیح جگہ پر نصب فرما دیا اور اس پر سب راضی ہو گئے اور فتنے کا سدباب ہو گیا۔ اس فیصلے سے نہ صرف فساد کا فتنہ ختم ہو گیا۔ بلکہ آنحضرتؐ کی عظمت و فراست بھی مسلمہ ہو گئی۔

بعثت سے قبل آنحضرتؐ کی سرگرمیاں:

آپؐ اپنے تجارتی کاروبار کے علاوہ اصلاحی، تعمیری اور فلاحی کاموں میں سرگرم حصہ لیتے۔ شادی سے قبل اپنے تایا جناب زبیر بن عبد المطلب کی زیر سرپرستی تجارتی کاروبار کا کافی تجربہ حاصل کر چکے تھے اور شام، یمن اور بحرین وغیرہ ممالک کے سفر کر چکے تھے اور آپؐ کی امانت، دیانت، صداقت اور ایفائے عہد و پیمان اور بلند اخلاق کی وجہ سے تجارتی حلقوں میں آپؐ کی نہایت اچھی ساکھ قائم تھی۔ تجارتی کاروبار میں یہ اوصاف کامیابی کے ضامن ہوتے ہیں۔ جو حضورؐ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس لئے آپ کامیاب تاجر ثابت ہوئے آپؐ نے اس جدوجہد سے جو سرمایا کمایا وہ دل کھول کر غریبوں، مسکینوں اور مستحق لوگوں کی ضروریات کے لئے بے دریغ خرچ کیا۔ آپؐ نے جذبہ صلہ رحمی کے تحت اپنے غریب چچا جناب ابو طالب کی ہر ممکن امداد کی اور ان کے بیٹے حضرت علیؓ کی پرورش اور کفالت مستقل طور پر اپنے ذمے لے لی۔ دوسرے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کی بھی امداد و اعانت کرتے رہے۔ آپؐ کے والد جناب عبد اللہ بھی تاجر تھے۔ اس لئے اپنی وفات کے بعد حضورؐ کے لئے معقول سرمایہ، پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ ایک کنیز ام ایمن اور اپنا ذاتی مکان شعب بنو ہاشم میں چھوڑ کر گئے تھے۔ یہ سب کچھ آپ کو وراثت میں ملا۔ آپؐ کے تایا زبیر نے آپ کا سرمایا اپنے ساتھ تجارت میں لگا کر اس سے بھی منافع حاصل کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی مالی حالت بڑی تسلی بخش تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی کے بعد آپ کو سرمائے کی کوئی کمی نہ رہی تھی۔ کیونکہ وہ

بھی ایک متمول خاتون تھیں۔اس طرح حضورؐ نے اپنی سعی وعمل ‘محنت وذہانت اور تجربہ ومہارت سے کافی سرمایا کمایا۔عزت و وقار کی خوش حال زندگی بسر کی اور اپنا سرمایا تبلیغ توحید اور غریب وحاجت مند لوگوں کی امداد واعانت پر بے دریغ خرچ کیا۔

کعتبہ اللہ اور بت پرستی :

جزایتر العرب :

وادی مکہ میں کعتبہ اللہ خالق کائنات کا سب سے پہلا گھر تھا۔جو اللہ کے حکم سے اور ہدایات کے مطابق حضرت ابراہیم اور آپؑ کے فرزند رشید حضرت اسماعیل نے مل کر تعمیر کیا تھا یہ خالص توحید کا مرکز صرف اس کی ذات وصفات پر ایمان اور اس کی عبادت کے لئے مخصوص تھا۔آنحضرتؐ کی پیدائش کے زمانہ میں یہ مرکز توحید دنیا میں کفر ‘شکر اور بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔جہاں لوگ دور دراز مقامات سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اور زر کثیر خرچ کر کے اس کی زیارت طواف اور حج کے لئے آتے اور ان بتوں کی پوجا کرتے جو خانہ کعبہ کے اندر جمع تھے۔جن کی اس وقت تعداد تین سو ساٹھ (360) تھی۔ان کے علاوہ ہر قبیلے کا علیحدہ بت بھی تھا۔جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ان سے مرادیں مانگتے اور ان کو حاجت روائی کے لئے وسیلہ سمجھتے۔

اگرچہ بت پرستی کے اس مرکز عظیم خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار حضورؐ کا خاندان تھا۔اور یہی زیادہ تر ان کا ذریعہ معاش تھا لیکن حضورؐ نے قبل از نبوت بھی نہ کبھی ان بتوں کے آگے سر جھکایا اور نہ ہی کبھی ان کی جاہلیت کے رسم ورواج میں شرکت فرمائی۔آنحضرتؐ کے دین کا پہلا اور بنیادی اصول توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جو اس کائنات کا خالق مالک اور رازق ہے۔

قبل از بعثت آنحضرتؐ تلاش حق میں :

آنحضرتؐ قبل از بعثت بیت اللہ میں جاتے تھے وہاں طواف کعبہ کرتے مگر وہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوتے آپؐ محو حیرت ہوتے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بت جو نہ بول سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔وہ دوسروں کے معبود اور حاجت روا کیسے ہو سکتے ہیں۔ عکاظ المجاز وغیرہ کے میلوں میں جاتے وہاں قریش کو اپنی عالی نسبی اور قبائلی تفوق پر فخر کرتے اور دوسروں کو اپنے سے کم تر خیال کرتے ہوئے دیکھتے تو آپ نسب وقبیلہ کے فخر وامتیاز کو تسلیم نہ کرتے اور ان کا دل گواہی دیتا کہ انسان کا جوہر ذاتی سیرت وکردار اور اچھے اعمال وافعال ہی کے باعث قابل فخر اور باعث فضیلت ہو سکتا ہے۔ محض پیدائش کی بنا پر اعلیٰ وادنیٰ کا امتیاز غیر انسانی اور غیر حقیقی ہے آپ کا قلب سلیم ان کی عیش ونشاط کی مجالس سے نفرت کرتا۔

آپؐ یہود ونصاریٰ کے علماء ومشائخ سے پوچھتے کہ ان کے پاس کونسی روشنی ہے جسے وہ آسمانی کہتے ہیں۔لیکن یہاں سے بھی آپ کو کوئی اطمینان قلب کا سامان نہ ملتا وہ ان لوگوں سے ملاقات کرتے جو معبودان باطل سے متنفر اور صنم پرستی کے خلاف

تھے اور اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیش رو ظاہر کرتے تھے مگر ان کی باتوں سے بھی آپ کو دلی تسکین حاصل نہ ہوتی اور جس سکون کی تلاش میں پھرتے تھے وہ کہیں حاصل نہ ہوتا تھا اور آپ اس بھری دُنیا میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے۔ آپ انسانوں کو بستیوں سے مایوس ہو کر فطرت کی کھلی فضا میں چلے جاتے اور وہاں صحراؤں کی وسعت پہاڑوں کی بلندی 'اجرام فلکی' چاند' سورج' ستارے اور دیگر مظاہر فطرت پر غور و فکر کرتے کہ یہ عظیم الشان سلسلہ کائنات کس طرح وجود میں آیا اس کا خالق کون ہے انسان کیا ہے۔ انسان کا مقصد حیات کیا ہے؟ اس طرح کے خیالات و سوالات آپ کے دل میں پیدا ہوتے مگر ان کا کوئی معقول جواب نہ ملتا۔ آپ کا اضطراب اور بڑھتا گیا۔ آپ کی تشنگی ذوق اور تلاش حقیقت تیز سے تیز ہوتی گئی۔ مگر آپ کو اپنے آپ پر مکمل ضبط حاصل تھا۔ آپ دنیاوی معاملات اور گھریلو ذمہ داریوں کو چھوڑ کر کم حوصلہ لوگوں کی طرح ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہونے کی بجائے اپنے کاروباری معاملات' اہل و عیال کی دیکھ بھال رفقاء اور احباب سے میل ملاقات اور معاشرتی زندگی کے تمام فرائض باحسن طریقے سے ادا کرتے رہتے اور تلاش حق و صداقت بھی جاری و ساری رہتی۔ عملی زندگی میں بھی آپ کی سیرت و کردار' امانت و دیانت' اور حق و انصاف کی پاس داری کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو صادق و آمین کا خطاب دے رکھا تھا۔ تمام شہر مکہ کے لوگ آپؐ کی عزت و احترام کرتے اور آپؐ کے خاندان اور قبیلہ کو آپؐ کی اعلیٰ صفات شرافت سچائی اور ایمانداری پر فخر تھا۔

حقیقت کا انکشاف مشاہدہ وحی کی روشنی کا محتاج ہے اور قبل از نبوت حضورؐ وحی سے واقف نہ تھے۔ اس لئے یہ اضطراب اور بے چینی تھی اور دل کو اطمینان اور قلب کو سکون حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ وحی ملنے کے بعد آپ پر انسانی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کا عظیم فریضہ عائد ہو گیا قرآن حکیم نے کہا کہ :

"ہم نے تجھے تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھایا" مشہور متشرق کارلائل نے اسی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "سفر و حضر میں ہر جگہ محمدؐ کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے میں کیا ہوں" نبوت کیا ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں۔ کوہ حرا کی چٹانیں' کوہ طور کی سربفلک چوٹیاں کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ گنبد گردوں گردش لیل و نہا چمکتے ہوئے ستارے برستے ہوئے بادل' کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔ کائنات کیا ہے زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ مجھے کس چیز پر ایمان لانا چاہئے۔ مجھے کیا کرنا چاہئے ان سوالات کا جواب دینا انسان کی اپنی روح اور خدا کی اس وحی سے منسلک تھا۔ جو اس روح کو اپنا مسکن بنانے والی تھی۔

رسول اللہؐ پر اس دوران میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی۔ کہ آپ تنہائی اور گوشہ نشینی کو پسند فرماتے۔ غار حرا جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے جب خوراک ختم ہو جاتی تو واپس گھر آکر سامان خوراک ساتھ لے کر واپس چلے جاتے۔ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ غار حرا میں جا کر عبادت و ریاضت میں گزارتے یاد الٰہی اور کائنات کے رموز و اسرار پر غور و فکر کرتے واپس آکر پہلے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے اور پھر گھر لوٹتے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ کیفیت یہ تھی کہ جب بھی سوتے میں کوئی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح واضح اور صحیح ثابت ہوتی پھر آپؐ خلوت پسند فرمانے لگے۔ چنانچہ اکثر غار حرا میں گوشہ نشین رہتے اور اپنے متعلقین کے پاس آنے سے پہلے کئی کئی دن وہیں عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے یہاں تک کہ آپؐ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔

آنحضرتؐ پر پہلی وحی کا نزول

چالیس سال کی عمر میں جب آپؐ کی بعثت کے سال کا ماہ رمضان آیا تو حضورؐ حسب عادت عزلت گزینی کے لیے غار حرا میں تشریف لے گئے۔ مورخہ 17 رمضان 10 نبوی مطابق 16 اگست 610ء حضورؐ غار حرا میں محو خواب تھے۔ ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں لکھا ہوا ایک ورق تھا۔ آیا اور اس نے خواب میں ہی یہ ورق کھول کر آپؐ کے سامنے کیا اور کہا "اقراء" (اے پڑھئے) آپ گھبرا گئے۔ اور فرمایا "ما اقراء" (میں پڑھنا نہیں جانتا) فرشتے نے زور سے معانقہ کرتے ہوئے پھر کہا "اقراء" "پڑھئے" آپؐ نے پھر وہی جواب دیا تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ آپ ڈر گئے۔ مبادا پھر معانقہ کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑے اس لئے آپ نے کہا میں کیا پڑھوں؟ فرشتے نے کہا:

> "پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ تیرا خداوند کریم وہ ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں"

اس کے بعد حضورؐ نیند سے بیدار ہو گئے اور غار حرا سے اپنے گھر مکہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔

پہاڑوں کے وسط میں آپہنچے تو کسی نے دفعتاً آپ کو پکارا واپسی پر آسمان کی طرف ڈرتے ہوئے نظر کی تو انسان کی شکل میں ایک فرشتہ آپ کو پکار رہا تھا۔ آپؐ رک گئے اور وہاں کھڑے ہو گئے فرشتہ نے آواز دی "اے محمدؐ آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں فرشتہ جبریلؑ ہوں"

دعوت رشد و ہدایت کا آغاز:

آنحضرتؐ نے حکم خداوندی کے تحت پہلے مرحلے پر خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ اسلام کا آغاز کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضورؐ کے بچپن کے مخلص اور وفادار دوست حضرت ابوبکرؓ صدیق ایمان لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام عبداللہ تھا اور عتیق ان کا لقب تھا۔ جو ان کی خوبصورتی و شرافت کے سبب سے مشہور ہو گیا۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر اور ابو قحافہ ان کا لقب تھا۔

آنحضرتؐ پر پہلی وحی 610ء میں نازل ہوئی۔ آپ تین سال تک خفیہ طور پر دعوت دیتے رہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد بہت سے نوجوان اور غریب طبقہ کے لوگ غلام ولونڈیاں وغیرہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قریش نے اس وقت کوئی

اعتراض نہ کیا 613ء میں آپؐ نے اعلانیہ دعوت رشد و ہدایت کا آغاز کر دیا۔ آپ لوگوں کو توحید خالص اور اعمال صالح کی تبلیغ کرتے تھے۔

قریش مکہ کے مظالم :

قریش مکہ آنحضرتؐ کے ساتھ مصالحت کی تمام کوششوں میں ناکام ہو گئے اور آپ نے ان کے بتوں کی مذمت ان کے بزرگوں کی گمراہی اور ان کے سرداروں کی حماقت کا بیان جاری رکھا اور ٹھوس دلائل و براہین سے سوائے احکام وحی کے ہر کام حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشورہ سے کیا یہ دونوں حضرات آپ کے انتہائی قابل اعتماد مشیر و رفیق تھے۔ جو حضورؐ کی بعثت سے وفات تک پروانہ وار آپ پر نثار ہوتے رہے۔ جب حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ رسول اللہؐ منتخب ہوئے تو اس نازک ترین دور میں بھی حضورؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انتہائی ثابت قدمی، وفا شعاری، اعلیٰ ترین تدبر و فراست اور عزم و استقلال کے ساتھ حضورؐ کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کی توحید اعمال صالح اور انسانیت کا درس دیتے رہے تو اہل قریش نے مایوس اور مشتعل ہو کر مسلمانوں کے خلاف ان کی ذہنی و جسمانی ایذا رسانیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا جو لوگ اسلام لائے ان میں قریش کے قبیلوں کے افراد بھی شامل تھے۔ زیادہ تعداد غریب و بے سہارا لوگوں اور غلاموں کی تھی لیکن انھوں نے بے مثال عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے ساتھ کفار مکہ کے تمام مظالم، تشدد اور ایذا رسانیوں کو برداشت کیا۔

بیعت عقبہ ثانی 13 نبوی :

ماہ ذوالحجہ 13 نبوی میں حج کے موقعہ پر قبیلہ اوس و خزرج کے کئی سو آدمی یثرب سے مکہ میں آئے۔ ان میں ستر آدمی (مرد) اور دو عورتیں ایسے تھے جو یا مسلمان ہو چکے تھے یا اب ہونا چاہتے تھے۔ اور آنحضرتؐ سے ملاقات کے لئے مکہ آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے اجتماعی طور پر خلوت میں انصار مدینہ کے ساتھ ملاقات کرنے کا پروگرام بنایا ان کو اطلاع کر دی کہ ذوالحجہ کی وسطی تاریخ کو کچھ رات گذر جانے کے بعد وہاں اسی عقبہ کی گھاٹی میں پہنچ جائیں اور دوسروں کو اس ملاقات کی خبر نہ ہو چنانچہ مقررہ وقت پر آنحضرتؐ جناب عباس کو اپنے ہمراہ لے کر عقبہ کی گھاٹی میں پہنچ گئے اور انصار بھی ایک ایک کر کے سب وہاں جمع ہو گئے۔ یہ کل ستر مرد اور دو خواتین تھیں۔ خواتین کے نام حسب ذیل ہیں (1) حضرت نسیبہ ام عمارہ (2) حضرت سعد بن معاذ کی والدہ اور یہ اوس و خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس بیعت کے بعد اب تمہیں ہر اسود و احمر کے مقابلے کے لئے تیار ہونا چاہئے اس بیعت کا مقصد عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ اور ہر قربانی کے لئے آمادہ رہنا چاہئے "لوگوں نے کہا" ہم جانتے ہیں مگر یا رسول اللہؐ اس کے بعد ہمیں کیا ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں خدا کی جنت ملے گی جو اس کے سارے انعاموں میں سب سے بڑا انعام ہے۔ آپ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا اور یہ ستر جانثاروں کی جماعت ایک معاہدہ کے تحت آپ کے ہاتھوں پر ایک ہو گئی۔ اس بیعت کا نام بیعت عقبہ

ثانیہ" ہے جب بیعت ہو چکی تو آپؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی طرف سے ان کے نگران اور محافظ تھے۔ میں بھی تم میں بارہ نقیب مقرر کرنا چاہتا ہوں جو تمہارے نگران اور محافظ ہوں گے اور وہ میرے لئے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کی طرح ہوں گے۔ اور میرے سامنے اپنی قوم کی طرف سے جوابدہ ہوں گے۔ پس تم مناسب لوگوں کے نام تجویز کر کے پیش کرو۔ چنانچہ بارہ آدمی تجویز کئے گئے جو آپ نے منظور کر لئے اور ان کو ایک ایک قبیلے کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ جب نقیبوں کا تقرر ہو چکا تو تمام انصار جس طرح آئے تھے اسی طرح ایک ایک دو دو کر کے واپس اپنے ڈیرے پر چلے گئے۔

ہجرت مدینہ ربیع الاول 14 ستمبر 622:

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہؐ کی حمایت میں مدینہ میں ایک جماعت تیار ہو گئی ہے اور مکہ کے مسلمان بھی ہجرت کر کے ان کے ساتھ جا ملے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا۔ کہ اب حضورؐ کے ساتھ ایک طاقتور جماعت نے مدینہ کے محفوظ مقام کو اپنی قیام گاہ بنا لیا ہے۔ اور انھیں خوف پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ بھی وہاں پہنچ کر ہمارے خلاف جنگ کی تیاریاں کریں گے اور ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ تمام سرداران قریش "دارالندوۃ" میں آپ کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے۔

آخر ابو جہل نے یہ تجویز پیش کی کہ تمام قبائل قریش میں سے ایک ایک طاقتور نوجوان منتخب کیا جائے اور یہ تمام لوگ متفقہ طور پر جمع ہو کر ایک ہی بار حضور پر حملہ کر دیں اور قتل کر دیں۔ اس سے ایک طرف محمدؐ سے نجات حاصل ہو جائے گی اور دوسری طرف بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے مقابلہ نہیں کریں گے۔ انھیں تمام قبائل کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گا۔ اور آخر میں بات چیت کے ذریعے دیت پر فیصلہ ہو گا اور ہم سب مل کر خون بہا ادا کر دیں گے۔ اور اس طرح معاملہ ختم ہو جائے گا۔

ہجرت مدینہ:

اہل مکہ کی نظر میں مدینہ کی ہجرت اور وہاں حضورؐ کا خود تشریف لے جا کر میثاق مدینہ کے مطابق ایک نئی اور منظم مملکت کا قیام جس کی سربراہی اور تمام اختیارات آپ کے ہاتھ میں تھے۔ کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی اور اس کی طاقت و قوت اور استحکام میں ان کو اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ مدینہ جزیرہ نمائے عرب کی ایک اہم بستی تھی۔ درمیان میں کوئی سمندر بھی نہ تھا مکہ سے فاصلہ بھی زیادہ نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا محل وقوع شام کی تجارتی شاہراہ سے خطرناک حد تک قرب میں واقع تھا اور مسلمانوں کے مدینہ میں طاقت حاصل کرنے سے ان کی تجارت شام شدید خطرہ میں پڑ سکتی تھی۔ جو ان کی شہ رگ تھی اور انھوں نے تیرہ سال تک مکہ میں مسلمانوں اور حضورؐ پر جو مظالم ڈھائے تھے اور جس مجبوری کے تحت وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ گئے تھے۔ وہ سب حالات اور ان کے انتقامی رد عمل کو قریش بھی اچھی طرح جانتے تھے اور ان کو اپنی تجارت، سیادت اور اقتدار بھی شدید خطرے میں نظر آ رہا تھا۔

اس لئے مدینہ میں مملکت کے قیام اور آپ کی طاقت میں اضافہ سے اہل مکہ کو اپنے معاشی، معاشرتی اور مذہبی نظام کی موت نظر آ رہی تھی۔ اب یقین ہو گیا تھا کہ مدینہ میں نہ صرف تمام مہاجرین جمع ہو چکے ہیں اور انصار کے ساتھ مواخات کی وجہ سے ان کی مشکلات بھی حل ہو چکی ہیں۔ بلکہ یہ بھی یقین آ چکا تھا کہ انصار مدینہ کی بھی پوری قوت آپؐ کے ساتھ ہر قسم کی

قربانی دینے کو تیار ہو چکی ہے۔

قرآن حکیم آنحضرتؐ کا سب سے بڑا معجزہ :

غیر اسلامی معاشرے کی بنیاد خواہشات نفسانی پر استوار ہے مگر اسلامی معاشرے کی بنیاد "رضائے الٰہی" پر استوار ہے۔

آنحضرتؐ کا معجزہ قرآن ہے۔ حضورؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسولؐ ہیں۔ اس لیے آپ کا معجزہ بھی ابدی معجزہ ہے جو قیامت تک کے لئے نوع انسانی کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ قرآن کے معجزہ ہونے کے تین پہلو ہیں۔

1- عام انسانی تاریخ کے برخلاف قرآنی زبان کا زندہ کی حیثیت سے باقی رہنا۔

2- مذہبی کتابوں کی تاریخ میں قرآن کا یہ استثناء کہ اس کے متن میں کسی قسم کا فرق نہ آسکا۔

3- قرآن کے اس چیلنج کے باوجود کسی کے لئے ممکن نہ ہوا کہ وہ قرآن کے جواب میں قرآن جیسی کوئی کتاب یا کوئی آیت ہی لکھ سکے۔

لہذا قرآن آنحضرتؐ کا قیامت تک کے لئے ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اور اس کے سہارے نہ صرف عرب قومیت بلکہ اسلام قیامت تک اپنی حقانیت اور شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں قائم و دائم رہے گا۔ البتہ مسلمانوں کے اعمال و کردار کے مطابق مسلمانوں پر عروج و زوال کے ادوار آتے جاتے رہیں گے۔

گزشتہ دو صدیوں سے عرب ممالک کے خلاف مغربی تہذیب و تمدن اور زبانوں کی یلغار جاری ہے۔ مگر قرآن حکیم کی زبان و ادب کی فصاحت و بلاغت کے عظیم روشنی کے مینار کی وجہ سے عربی زبان پر کچھ اثر نہیں پڑا۔

مکی دور میں قرآن کی تعلیم کا خلاصہ :

اگرچہ مکہ معظمہ میں آنحضرتؐ کو بے شمار مشکلات و مسائل کا سامنا تھا اور قریش کی شدید مخالفت کی وجہ سے بہت کم لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وحی قرآن حکیم کی آیات کے ساتھ بتدریج عالمگیر حقائق کو بیان کرتی اور اسلام کے بنیادی اصولوں و تعلیمات کی وضاحت کے ساتھ نازل ہوتی رہی جس کے مطابق نوع انسانی بلکہ کائنات قائم ہے اور جو قرآن حکیم کو اللہ کی بے مثل کتاب ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی جو آیات آنحضرتؐ پر تیرہ سالہ مکی زندگی میں نازل ہوئیں ان کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔

قرآن حکیم کا تعارف

1- اللہ اور کائنات :

یہ کائنات یونہی معرض وجود میں نہیں آگئی بلکہ اسے ایک ایسی ہستی نے وجود عطا فرمایا ہے جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جو ہر چیز کو دیکھ رہی ہے اور جس نے ہر چیز کو اس طرح اپنے زیر تصرف کر رکھا ہے کہ وہ اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتی وہ

اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ اکیلا خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں کوئی بیٹا نہیں اسے کسی مددگار کی کچھ ضرورت نہیں' اس کے ہاں کوئی سفارشی نہیں' وہ کسی دوسرے کارساز کا محتاج نہیں۔ سب نفع ونقصان اس کے ہاتھ میں ہے وہ خالق ہے وہ رازق ہے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اس کا ایک امر ''کن'' اس کائنات کو معرض وجود میں لایا ہے اور اس کا ایک ہی اشارہ پوری کائنات کو ایک لمحہ میں ملیامیٹ کر سکتا ہے وہ غالب اور حکمت والا خدا ہے رحم کرنے اور معاف کرنے والا خدا ہے وہی پکڑنے والا اور وہی سزا دینے والا خدا ہے۔

2- تخلیق کائنات کا مقصد :

یہ آسمان وزمین کھیل تماشہ نہیں (16\21۔ 389\44) بغیر علم وحکمت نہیں بلکہ ایک حقیقت اور وہ ٹھوس قوانین پر بنائے گئے ہیں ہر چیز اپنے مدار پر رواں دواں ہے (33\21۔40\36) اپنے قانون میں جکڑی ہوئی ہے (7\54) یہ کائنات ایک مدت تک رہے گی پھر فنا ہو جائے گی (2\6۔13\35)

3- مقام آدم تسخیر کائنات اور ملاقات الٰہی :

انسان کو بہترین ساخت پر بنایا گیا ہے 7 \32 اللہ نے اس میں اپنی روح (Dirinc energy) یعنی صفات کا ایک شمہ پھونکا ہے 9\32 کائناتی قوتیں اس کے آگے سر بسجود ہیں (34\2-11\7) سوائے ابلیس کے کہ جو انسان کو بھٹکا کر اسے جہنمی بنا رہا ہے آسمان وزمین میں جو کچھ ہے انسان کے لئے ہے 29\2 اور یہ اسے حسن عمل کے بدلے انعام میں مل سکتا ہے خدا نے انسان کو خلیفہ بنایا ہے (2\30) اس لئے انسان کو چاہئے کہ خلافت کا حق ادا کرے کائنات کو تسخیر کرے اور اپنے رب سے ملاقات کے لئے تیار رہے 18\110

4- نوع انسانی ایک امت واحدہ :

نوع انسان ایک امت ہے (213\2-19\10) ایک ہی نسل ہے قومیں اور قبیلے پہچان کے لئے ہیں (49\13) سب اللہ کے بندے ہیں انہیں متحد العمل ہونا چاہئے تفرقہ اور فساد منشائے الٰہی کے خلاف ہے (64\6-65\6) انسانیت ایک مشترکہ نصب العین کے لئے جدوجہد کرنے والی ایک ہی امت ہے کائنات اور زندگی کا مقصد تکمیل انسانیت ہے (667\1-2)

5- دین کا مقام :

دین کا قانون واحد ہے سب انبیاء ایک ہی قانون الٰہی لے کر آئے (92-21-53\23) سب اللہ کی غلامی سکھانے کے لئے (3\79) فرقے بنانے اور لڑانے کے لئے نہیں آئے تھے (3\80)

6-اعمال کی جزاوسزا :

جزاکا تعلق صرف عمل سے ہے خوشامد سفارش اقوال ورسوم کچھ فائدہ نہیں دے سکتے (4\124) کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاسکتا (40\35-39\53-38\53) ہر شخص کو اس کی کوشش کے مطابق بدلہ دیا جاتا ہے (53\40) یہاں انصاف ہے پورا بدلہ چکایا جاتا ہے نیکوں کے لئے دنیا میں عزت وخوشحالی ہے (29\57-58\29) اور آخرت میں جنت (29\58-97\16) بروں کے لئے دنیا میں ذلت اور تضحیک ہے آخرت میں جہنم ہے۔

7-توبہ ومغفرت :

تاہم گنہگاروں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ کا قانون مغفرت بھی ہے جو توبہ کرنے والوں یعنی خدا کی طرف لوٹ آنے والوں کو اور برائیوں سے رک جانے والوں کے لئے ہے اللہ سب پچھلی خطائیں معاف کر دیتا ہے (39\53) بشرطیکہ سزا یا موت کا وقت نہ آن پہنچا ہو (4\18)

8-ظالم اور بدکار اقوام :

غیر صالح ظالم اور بدکار قومیں مٹادی جاتی ہیں (46\35) بیمار حصوں کو کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ باقی جسم نشوونما پائے جو قوم ایک بار مٹ جائے اس کا پھر ابھرنا محال ہے (21\95-99-18\96)

9-انجام کائنات :

یہ کائنات ایک دن اپنے انجام کو پہنچ جائے گی بگل بجادیا جائے گا مردے قبروں سے نکل پڑیں گے میدان حشر ہوگا (36\52) پائی پائی کا حساب ہوگا (36\54) جنت اور جہنم حاضر کئے جائیں گے ابدی راحت اور ابدی دکھ ہوگا (36\56) ہر جان پورا بدلہ پائے گی (36\54)

10-عبادت الہی :

اللہ کی عبادت (غلامی) اختیار کرو اس کی یاد کے لئے نماز قائم کرو (21\72) رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کی مدد کرو سائل اور محروم کو اس کا حق دو مال یتیم نہ کھاؤ (6\154-6\157-6\) مسکینوں کو کھانا دو غلاموں کو آزاد کرو صاف پاک کھانا کھاؤ قتل نہ کرو قتل اولاد نہ کرو چوری نہ کرو زنا نہ کرو بے حیائی کے قریب نہ جاؤ عہد پورا کرو (6\151-154) امانتیں پوری کرو (4\58) شہادت کا فریضہ انجام دیتے رہو (5\6-7) رشتوں کو جوڑو (4\1-2) اچھی بات کرو سچ بولو قسمیں نہ کھاؤ طعنے نہ دو۔ چغلی نہ کھاؤ آپس میں مشورہ کرو (4\38-12-11\49) بدلہ لے سکتے ہو مگر معاف کر دینا بہتر ہے (42\38) دلوں کو سخت نہ ہونے دو (57\15) بے حس ہو کر گناہوں میں دھت مت ہو جاؤ ہمیشہ اپنی اصلاح میں لگے رہو یہی انسانی فلاح کے زریں اصول ہیں اور یہی مکارم اخلاق ہے (3\68-6\151-6\154-6\)

11- نبوت ورسالت :

نبی بشر ہوتا ہے(110\8-41\5)وہ علم غیب نہیں رکھتا(50\6-188\7)خدائی خزانوں پر قدرت وتصرف نہیں رکھتا(50\6_49\10)اپنی مرضی سے معجزے نہیں دکھا سکتا 10 البتہ وہ خدا کا پیغمبر اور کارپرداز ہوتا ہے وہ لوگوں کو خدا کے بندے بنانے آتا ہے(80-79\3)وہ حق کی حمایت میں اور باطل کی مخالفت میں کمربستہ رہتا ہے وہ اپنے لئے کچھ نہیں مانگتا اس کا اجر صرف اللہ کے پاس ہوا کرتا ہے(109\26)خدا کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے (24\47-4\80-4\64)

12- قرآن حکیم :

قرآن من گھڑت کتاب نہیں(10\37-12\111)شعبدہ نہیں افسانہ نہیں جھوٹ نہیں اس میں کجی نہیں (41\42)اس میں جھوٹ داخل نہیں ہو سکتا(41\42)وہ اللہ کے علم کو لے کر آیا ہے(6\25-7\52)وہ راہنمائی کرتا ہے (10\57) قانون حق کو بیان کرتا ہے (10\57) اسے ماننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے (28\85) اور اس کے نافرمانوں کے لئے سزا کا وقوع پذیر ہونا اٹل ہے(46\31)

13-رسولؐ اور اہل ایمان :

رسولؐ اور مومنوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے(40\51-37\172-10\62)وہ نجات پاتے ہیں جیت کے رہتے ہیں غالب ہوتے ہیں اعلون ہوتے ہیں(3\138-47\35)خوشحال کئے جاتے ہیں عزت دیئے جاتے ہیں انہیں کوئی خوف اور کوئی غم نہیں ہوتا(10\62-2\38)انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زینتیں ان کے لئے ہیں(10\62) آخرت کے انعام ان کے لئے ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے(10\62)

14-کافروں کا انجام :

کافر ہلاک کئے جاتے ہیں (46\35) مغلوب کئے جاتے ہیں ذلیل کئے جاتے ہیں تنگی میں ڈالے جاتے ہیں (58\5)مال اور اولاد ان کو نہیں بچا سکتی ان کے لئے آخرت میں جہنم ہے(58\17-58\18)

15- قولی ایمان :

قولی ایمان کچھ شے نہیں ہے(2\7)ایمان والوں کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے(2-1\29)جو پورا اترے وہی مومن ہے(2-1\29)لوگوں کی ایذا رسانی پر عذاب الٰہی نازل ہو گا اللہ کی راہ میں تکلیفیں آیا ہی کرتی ہیں دکھ کے بعد ہی راحت ملتی ہے(2-3\94)

16-ہجرت :

اگر مجبور ہو جاؤ دوسری جگہ چلے جاؤ اللہ کی زمین وسیع ہے ہجرت کرنے والوں کو دنیا بھی اچھی ملے گی اور آخرت بھی (29\57-58) کوئی جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتا سب کا رزق اللہ تعالیٰ مہیا کر رہا ہے (29\60) رزق سے بے نیاز ہو کر اللہ کی راہ میں چل نکلو۔

17-ثابت قدمی :

صبر کرو مشکلات کو برداشت کرو ڈٹے رہو (3\187) جان و مال اور اولاد و وزن کو قربان کر کے بھی حق پر قائم رہو (3\195)

18-نفسیاتی تبدیلی :

اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی حالت آپ نہ بدلے سب سے پہلے اپنے آپ کو بدلو (8\53-13\11)

19-نبوت و حکومت :

اللہ نے انبیاء کو حکومت دی پہاڑوں پرندوں ہوا لوہے تانبے وغیرہ پر انہیں قدرت بخشی تم بھی صحیح عمل کرو تم بھی بادشاہ ہو گے (24\55-34\11-27\15)

20-جہاد :

اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے جو جہاد کرے گا اپنے فائدے کے لئے کرے گا (29\67- 47\38- 9\36)

ہجرتِ مدینہ

دس سالہ مدنی دور 622ء سے 632ء

آنحضرتؐ کا مدینہ میں ورود مسعود:

آنحضرتؐ مورخہ 12 ربیع الاول 14 نبوی بروز دوشنبہ مطابق 20 ستمبر 622ء کو مدینہ پہنچے۔ وہاں پہنچنے پر آپؐ نے پہلے چند دن اپنا قیام "قبا" میں کیا جو مدینہ کے باہر دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کلثوم بن الہدم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ آپؐ نے قبا میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور صحابہ کے ساتھ مل کر اس کی تعمیر کی۔ قبا میں آپؐ نے دس دن قیام فرمایا اور جب وہاں سے مدینہ شہر کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں بنو سالم بن عوف کے محلے میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس جمعہ کی یاد میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی جس کا نام "مسجد الجمعہ" ہے۔ آپؐ مدینہ کی گلی بازاروں سے گزرتے ہوئے بنو نجار کے محلے میں پہنچ کر ٹھہرے ہو گئے اور اونٹنی قصوہ از خود بیٹھ گئی۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری کے گھر قیام کا فیصلہ کیا۔ مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد حضورؐ نے زید بن حارث اور رافع غلام کو دو اونٹنیاں اور کچھ رقم دے کر مکہ بھجوایا۔ وہ آپ کے اہل بیت حضرت سودہ، حضرت فاطمہؓ، ام کلثوم اور ام ایمن وغیرہ سب گھر والوں کو لے آئے۔ عبداللہ بن ابو بکر بھی ان کے ساتھ اپنے گھر والوں کو بلانے کے لئے گئے۔ اور سب کو ساتھ لے کر واپس مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ کے قیام میں آنحضرتؐ نے سب سے پہلے مسجد اور اپنی رہائش گاہ کے حجرات تعمیر کروائے جس مقام پر مسجد و حجرے تعمیر کئے گئے وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ جو حضرت اسعد بن زرارہ کی نگرانی میں رہتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دس دینار دے کر یہ زمین خرید لی اور وقف کر دی۔ صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار نے مل کر مسجد کی دیواریں پتھر کی اور چھت کھجور کے تنوں اور پتوں کی اور فرش کچی مٹی کا تعمیر کیا۔ اس مسجد کی اونچائی دس فٹ، طول 105 فٹ اور عرض 90 فٹ تھا۔ مسجد کے ایک گوشے میں ایک چھت دار چبوترہ بنایا گیا جسے صفہ کہتے تھے یہ ان غریب مہاجرین کے لئے تھا جو بے گھر تھے۔ یہ لوگ "اصحاب الصفہ" کہلاتے تھے۔ قرآن کی تلاوت، عبادت، تبلیغ اسلام اور آنحضرتؐ کی صحبت میں ہر وقت رہتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ جنگل میں سے لکڑیاں لا کر گزارہ کرتے اور اکثر کو حضورؐ امداد دیتے۔ مسجد کے ملحقہ آنحضرتؐ کے لئے حجرہ تعمیر کر دیا گیا۔ پھر آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کے آنے پر ان حجروں کی تعداد بڑھتی گئی۔ مسجد کے آس پاس بعض صحابہ کے مکانات بھی بن گئے۔ ابتداء میں یہ مسجد نبوی ہی ہر قسم کی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرتؐ کی مصروفیات :

1- فرائض نبوت و رسالت :

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے جو احکام ہدایات قرآن حکیم کی آیات کی صورت میں نازل ہوتے تھے۔ ان کی تبلیغ و اشاعت اور دین اسلام کا رشد و ہدایت کا پیغام لوگوں تک پہنچانا برائیوں سے روکنا اور نیک اعمال کا حکم دینا یہ سب سے اہم کام تھا۔

2- سربراہ مملکت مدینہ کے فرائض سرانجام دینا :

جس میں مملکت کے نظم و نسق کو منظم کرنا اور عوام کے مفاد میں چلانا۔ امن و سلامتی' عدل و انصاف اور فلاح و بہبود کا اہتمام کرنا۔

3- مملکت کے خارجی و دفاعی معاملات کو چلانا :

ملک کے دفاع اور دیگر قبائل اور ہمسایہ لوگوں کے ساتھ امن و دوستی اور دفاع کے معاملات کے ذریعے اپنی مملکت کی حدود کو مستحکم کرنا اور دشمن کے خلاف سیاسی و سفارتی مہمات اور وفود کے ذریعے دوستانہ تعلقات قائم کرنا۔

4- قریش مکہ اعلانِ جنگ کر چکے تھے اور کسی وقت بھی ان کا بڑا حملہ متوقع تھا اس کے دفاع اور حفاظت کے لئے ان میں جذبہ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا کرنا اور تمام مسلمانوں کو دشمن کے خلاف کلی جنگ کے لئے تیار کرنا سامان و اسباب جنگ فراہم کرنا۔ مجاہدین اور سپہ سالاروں کی عسکری تعلیم و تربیت اور نظم و ضبط پیدا کرنا۔ الغرض پوری ملت اسلامیہ مہاجرین اور انصار کو ملک و ملت اپنے نظریہ و عقیدہ اور دین کی حفاظت کے لئے کلی جنگ کے لئے انفرادی' اجتماعی' جسمانی اور سامان حرب و ضرب عسکری تربیت اور فوجی نظم و ضبط کے ساتھ ہر وقت تیار رکھنا اسلام اور مسلمانوں کی فتح و نصرت بلکہ زندگی اور بقا کے لئے پوری ملت کو تیار کرنا ضروری تھا۔

5- حضورؐ کی ازدواجی زندگی اور گھریلو ضروریات کی فراہمی کے لئے بھی آپ کو کافی وقت درکار تھا۔ آپؐ اپنے تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بازار سے خرید و فروخت سے لے کر گھر کے اندرونی معاملات میں بھی ازواج مطہرات کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

6- مسلمانوں کے درمیان یا مسلمانوں اور دیگر لوگوں کے درمیان تنازعات اور اختلافات کو پورے عدل و انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ فیصلے صادر فرماتے تھے اور ان عدالتی معاملات کے تصفیہ میں بھی کافی وقت صرف ہوتا تھا۔

7- مدینہ سے باہر سفارتی و سیاسی مہمات اور مختلف قبائل کے وفود آتے جاتے رہتے تھے ان کے ساتھ حکمت عملی اور تدبر و تفکر کے ساتھ معاملات طے کرنا اور ان کی مہمانداری کے فرائض سرانجام دینا۔

8- دشمن کی خبر رسانی اور ان کی حرکات و سکنات سرگرمیوں' تیاریوں اور عزائم کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے نمائش گشتی دستوں کو بھیجنا۔ بعض اوقات فوجی مہمات یعنی سرایا کے لئے مجاہدین کے فوجی دستے اپنے سپہ سالاروں کی کمان میں ارسال کرنا۔ بعض اوقات خود غزوات کی سپہ سالاری کرتے ہوئے دشمن کے مقابلہ پر مدینہ سے باہر جانا اور اس سلسلہ میں تمام

امور کو سر انجام دینا بڑا صبر آزما اور مشکل کام تھا۔ مندرجہ بالا تمام معاملات میں بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی حاصل تھی۔ مگر پھر بھی عام حالات اور معاملات و مسائل میں حضورؐ اپنے صحابہ کرامؓ سے ہر وقت صلاح و مشورہ کرتے رہتے تھے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق حضورؐ کے سب سے بڑے اور اہم ترین وزیر و مشیر تھے۔ صدیق اکبر کا خلوص ٗ دانائی اور دور اندیشی اور فاروق اعظم کا بے مثال تدبر ٗ سیاسی بصیرت نظم و نسق کی مہارت اور دین اسلام کے لئے والہانہ عشق و محبت آپؐ کے لئے زبردست تقویت اور ہمت و حوصلہ کے سبب تھے۔

9- حضورؐ کے پیش نظر دفاع مدینہ کا اہم ترین مسئلہ تھا کیونکہ عرب کی سب سے بڑی طاقت آپ کے خلاف اعلان جنگ کر چکی تھی۔ انہوں نے تمام عرب میں مشہور کر رکھا تھا۔ کہ حضورؐ ان کے دین ٗ مذہب ٗ معبودوں ٗ آباؤاجداد اور نظریہ زندگی سب کو تباہ کرنے اور نیا دین اور نیا فلسفہ حیات عرب میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اس کو وہ مذہب اور عقائد کی جنگ بتا رہے تھے۔ جس میں تمام قبائل ان کے ہم مذہب ہم مسلک اور ہم عقیدہ ان کے ساتھ شامل تھے۔ قریش کعبہ کے متولی اور مجاور ہونے کی وجہ سے تمام قبائل ان کی مذہبی سیادت کے زیر اثر تھے اور ان کی امداد کرنا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ نجد کے قبائل بھی قریش کے ہم خیال تھے اور اہل عرب میں مکہ ممتاز مقام تھا۔ ان کو افرادی و مالی امداد مل سکتی تھی۔

10- مسلمان مجاہدین کی فوجی تربیت اور عسکری تعلیم یعنی صبر و استقلال بہادری و شجاعت عزم و حوصلہ اپنے نصب العین کی صداقت پر یقین محکم ٗ جہاد کے فضائل اور اسلام کی دعوت سے عائد شدہ فرائض کی بجا آوری منصب مجاہد یعنی غازی یا شہید وغیرہ کی اہمیت اور عزم راسخ پیدا کرنا۔ تاکہ اپنی عسکری قوت کا استعمال صحیح وقت پر اور صحیح مقام پر کر سکیں۔ اس کے لئے خبر رسانی اور عسکری استخبارات کا انتظام بہت مفید اور ضروری تھا۔

11- قریش مکہ کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ صلح و امن پر مجبور کرنے کے لئے ان کے تجارتی قافلوں کو ہراساں اور پریشان کرنا تاکہ وہ اپنی تجارت کو خطرہ میں محسوس کرتے ہوئے صلح پر آمادہ ہو سکیں اور مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ مکہ آنے جانے کی آزادی ٗ مدینہ میں امن و سکون کے ساتھ رہنے اور اپنے نصب العین کے حصول کے مواقع حاصل ہو سکیں۔

جہاد کی اجازت اور اہمیت :

قرآن پاک نے جہاد کے متعلق جو احکام دیئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے صرف دفاعی ضروریات کے لئے جنگ کی اجازت دی ہے۔ تاکہ مسلمان اپنی جان و مال اور عزت و آزادی کا تحفظ کر سکیں اور دعوت حق کی راہ میں جو فتنے کھڑے ہوں ان کا سدباب کر کے امن و سلامتی کی فضا پیدا کی جائے اور لوگ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی آزادی کے ساتھ گزار سکیں۔ مسلمان زیادتی کے مرتکب کسی حالت میں نہ ہوں۔ جب کوئی صلح کی جانب بلائے تو جنگ بند کر کے فوراً صلح کے لئے آمادہ ہو جائیں حضورؐ کے یہ غزوات دسرایا در حقیقت حق و باطل عدل و انصاف ٗ حریت و آزادی ٗ مساوات و اخوت اور دنیا میں عقیدہ و مذہب کی آزادی ہر شخص کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور امن و سلامتی کے قیام کے لئے تھے۔

ہجرت کے دوسرے سال بارہ صفر 2ھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت کا حکم سورۃ حج کی اس آیت کے

ذریعے دیا گیا۔ کیونکہ ان کو لڑنے پر مجبور کیا جا رہا تھا اور مسلمانوں کو مسلسل ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

2ھ 624ء کے حالات و واقعات :

''غزوہ بدر کے وجوہات' واقعات اور نتائج''

بدر کا محل وقوع :

بدر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے۔ قریباً ساڑے پانچ میل لمبا اور قریباً چار میل چوڑا چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ بدر کا مقام مکہ سے قریب 160 میل اور مدینہ سے نوے (90) میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے ایک راستہ شمال کی جانب شام کو جاتا ہے اور دوسرا مشرق کی جانب مدینہ کو اور تیسرا جنوب کی طرف مکہ کو اور ایک چوتھا راستہ مغرب کی طرف بحر احمر کی طرف جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کوہ اور سمندر کے درمیان میدانی علاقہ ہے بدر سے ساحل سمندر قریباً بارہ میل ہے۔ بدر کے مقام پر ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ جو ایک ہفتہ جاری رہتا تھا۔

غزوہ بدر کی وجوہات :

مملکت مدینہ کے قیام' میثاق مدینہ کے تحریری آئین و دستور کی منظوری اور آنحضرتؐ کے اس مملکت مدینہ کا سربراہ منتخب ہونے کے بعد اب مملکت مدینہ کی حدود کی حفاظت آپؐ کی ذمہ داری قرار پا چکی تھی اور شاہراہ تجارت جو مکہ سے شام جاتی تھی۔ مملکت مدینہ کے اندر سے گزرتی تھی۔ اب یہ شاہراہ مسلمانوں کی ملکیت اور ان کے زیر انتظام تھی۔ بنو صخرہ اور بنو مدلج سے معاہدات امن و باہمی امداد اور بنو جہینہ کے ساتھ معاہدہ غیر جانبداری طے پا چکے تھے۔ اب یہ تمام علاقہ یا تو مملکت مدینہ کی حدود میں شامل تھا۔ یا ان کے حلیف قبائل کے ماتحت تھا۔ لہذا اب قریش کے قافلوں کا اس علاقہ سے بغیر مملکت مدینہ کی اجازت کے گزرنا خلاف آئین و قانون تھا۔ اب یہ شاہراہ تجارت مملکت مدینہ کی ملکیت اور زیر کنٹرول تھی۔ لہذا کسی بھی قافلہ کا آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر اس شاہراہ پر سے گزرنا بین الاقوامی قانون کے خلاف تھا۔ لہذا جب مکی قافلہ ابو سفیان کی سرکردگی میں مکہ سے روانہ ہوا تو اسی وقت آپؐ کو خبر رسانی کے ذرائع سے معلومات حاصل ہو گئی تھیں اور آپؐ مہاجرین کی ایک پارٹی کو لے کر ذی العشیرہ تک گئے تھے۔ مگر ابو سفیان آگے نکل کر جا چکا تھا۔ اب اس قافلہ کی واپسی پر حضورؐ نے اس قافلہ کو روکنے کا پروگرام مرتب کیا کیونکہ اگر اس طرح قریش پر تجارتی دباؤ نہ ڈالا جاتا' ان کی شاہراہ تجارت غیر محفوظ نہ بنائی جاتی اور مسلمانوں کی قوت و طاقت کا مظاہرہ نہ کیا جاتا تو قریش مطلوبہ معاہدہ امن و صلح کرنے پر مجبوراً آمادہ نہ ہوتے جس کے مسلمان زبردست ضرورت مند تھے اور اگر مسلمان قافلہ کو روکتے ہیں اور ان کے پچاس ہزار دینار کے مال و اسباب پر قبضہ کرتے ہیں۔ تو فریقین کے درمیان جنگ ناگزیر تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جنگ بدر کے واقعات :

جنگ بدر مورخہ 17 رمضان 2ھ جنوری 624ء بروز جمعہ واقعہ ہوئی۔ مکہ سے قریش ایک ہزار افراد جن میں چھ سو زرہ پوش' سات سو اونٹ اور سو گھوڑے تھے۔ روانہ ہوئے ان کے علمبردار سائب بن یزید تھے۔ لشکر قریش کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ تھا۔ مگر ہر قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ قائد بھی تھا۔ ان کے ساتھ گانے والیاں بھی تھیں۔ جو رقص و سرود کے ذریعے لشکر قریش کو خوش کرتیں اور ڈھول بجا کر گانا گا کر مسلمانوں کی ہجو کرتیں اور قریش کا دل بڑھاتیں۔ قریش کو اپنی عددی برتری اور کثرت اسلحہ پر ناز تھا۔ اس لئے بڑے تکبر' غرور اور فرعونیت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ قریش کے ساتھ رسد کا معقول انتظام تھا اور ان کے بارہ سردار باری باری ہر روز نو یا دس اونٹ ذبح کر کے پورے لشکر کی دعوت کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کی زیر قیادت لشکر اسلام جس کی تعداد تین سو تیرہ (313) تھی۔ ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے اور سامان حرب و ضرب اور رسد و خوراک کی بھی شدید قلت تھی۔ 12 رمضان 2ھ کو مدینہ سے باہر نکلے اور شہر کے باہر قیام کیا اور 13 رمضان کو روانہ ہو کر 16 تاریخ کو میدان بدر میں پہنچ گئے۔ لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ خزرج کا جھنڈا حباب بن منذر اور اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ اٹھائے ہوئے تھے۔ اس دن مسلمانوں کا علامتی کلمہ یعنی شعار "احد۔ احد" یا "منصور امت" تھا۔ آنحضرتؐ نے حباب بن منذر اور دیگر صحابہ کے مشورہ سے لشکر کفار کے نزدیک ترین چشمے پر قبضہ کر کے وہاں ایک حوض تیار کرا کر اس میں پانی ذخیرہ کر لیا اور دیگر چشموں کو بند کرا دیا۔ یہ پانی جنگ کے دوران پینے' غسل کرنے اور وضو کرنے کے کام آتا رہا۔

لڑائی کی ابتداء میں حضرت عمرؓ کے غلام مہجع کو دشمن کا ایک تیر آ کر لگا۔ اور وہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جو شہید ہوئے۔

دونوں لشکر بدر کے میدان کے شمال اور جنوب میں اپنے اپنے ڈیرے ڈالے پڑے ہیں اور اگلی صبح حق و باطل کا تاریخ ساز معرکہ ہونے والا ہے جس نے تاریخ عالم میں ایک شاندار انقلاب پیدا کرنا تھا۔ ادھر مدنی لشکر نماز عشاء کے بعد پر سکون نیند میں ڈوب گیا۔ اور ان کا قائد بارگاہ رب العزت میں رات بھر سر بسجود رہا۔ ادھر غرور و تکبر اور اپنی طاقت کے نشہ میں بدمست اہل مکہ رات بھر شراب و کباب اور رقص و سرود کی محفلوں میں داد عیش دیتے رہے اور رات بھر نہ سو سکے۔ صبح مسلمان مجاہدین پر سکون اور تازہ دم تھے مگر قریش تھکاوٹ اور نیند کی حالت میں۔

میدانِ جنگ میں آنحضرتؐ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھ سے مجاہدین کی صف بندی کی یہ دو صفیں بالکل سیدھی اور بنیان مرصوص کی طرح ناقابل تسخیر۔ یہ صف بندی عرب میں اسلوب جنگ کا ایک نیا تجربہ تھا۔ اس لئے مجاہدین میں عزم و ہمت شجاعت و بہادری اور استقامت کا زبردست جوش و جذبہ پیدا ہوا۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ حکم ملنے سے قبل کوئی شخص آگے بڑھنے یا حملہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس طرح آپؐ نے دفاعی طریقہ جنگ اختیار کیا۔ کیونکہ دشمن کو ایک کے مقابلے میں تین کی برتری حاصل تھی۔ اس لئے ظاہر تھا کہ وہ حملہ آور ہونے کو ترجیح دے گا۔ اس لئے آپؐ نے دفاعی تدابیر اختیار کی تھیں تاکہ جب کسی لشکر کا زور ٹوٹ جائے تو ایک ہی زبردست جوابی حملہ میں کسی لشکر کو دھکیل کر میدان جنگ سے باہر نکال دیا جائے۔

آپؐ نے اس منصوبہ بندی کے اعلان کے ساتھ ہی ایک پُرجوش تقریر میں جہاد کی اہمیت خصوصاً اس حق و باطل کے تصادم کو زندگی و موت اور اسلام کی بقاء قرار دیا تھا اور فرمایا کہ جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ شوق شہادت سے آگے بڑھو اور غازی یا شہید کا درجہ حاصل کرو۔ اس سے بہتر موقعہ زندگی میں میسر نہیں آئے گا۔

حضورؐ نے دفاعی حکمت عملی پر عمل کیا اور اسلامی لشکر سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنے مقام پر قائم رہا اور جب دشمن نے حملہ کیا تو مسلمانوں کی صفیں قائم رہیں اور جب دشمن کے حملے کا زور ٹوٹ گیا۔ تو مسلمانوں نے یک وقت ایک ہی زبردست حملے سے دشمن کو دھکیل کر میدان جنگ سے باہر نکال دیا۔

حضورؐ نے اس جنگ کا آغاز دفاع سے کیا تھا اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقع دیا تھا۔ جب ان کا حملہ ناکام ہو گیا جوش و خروش اور طاقت میں کمی آگئی۔ تو آپؐ نے دفاع کی بجائے پر زور حملہ کرنے کا حکم دے دیا جو جنگی حکمت عملی کا کمال تھا۔ پوری اسلامی فوج نے پورے محاذ جنگ پر حملہ کیا تھا۔ جسے سپاہ مکہ نہ روک سکی یہ ایک سیل بے پناہ تھا۔ جو لشکر قریش کو بہا کر لے گیا۔ مجاہدین صف بندی کی صورت میں ہی بڑھتے چلے گئے۔ اور اپنی صفوں کو قائم رکھا۔ مکی لشکر کے ستر جانباز میدان جنگ میں مارے گئے۔ اتنے ہی گرفتار ہوئے اور بقایا نے مکہ کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ اس جنگ میں چودہ مسلمان بھی شہید ہوئے ان میں آٹھ انصار اور چھ مہاجر تھے۔ قریش کے بے شمار لوگ زخمی بھی ہوئے۔ مجاہدین اسلام اس عظیم الشان کامیابی پر فخر و غرور کی بجائے عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں سر بسجود ہوئے۔ قلب و ذہن کو سکون اور حقیقی خوشی و مسرت حاصل ہوئی۔ بدر کی جنگ حق و صداقت احترام آدمیت اور آزادی عقیدہ و ایمان کے تحفظ کی جنگ تھی۔ یہ انسانیت کے تحفظ مساوات و اخوت' عدل و انصاف اور حریت و آزادی کی جنگ تھی۔

آنحضرتؐ نے اسیران جنگ کے متعلق اپنے وزراء حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے مشورہ لیا تو حضرت ابو بکرؓ نے تمام اسیران سے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت عمرؓ نے ان کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ حضورؐ نے ان دونوں کی تشبیہہ فرشتوں اور انبیاء کرام سے دی۔ حضرت ابو بکرؓ میکائیل اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یحییٰؑ کی مانند رحم دل ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ جبرائیلؑ اور حضرت نوحؑ و حضرت موسیٰؑ کی طرح سخت دِل ہیں۔ بہر حال آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ اور رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسیران قریش کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا اعلان کر دیا۔ جو فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا۔ اور جو پڑھے لکھے ہیں ان کو مدینہ کے چند لوگوں کو پڑھا کر رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی شکست کے اسباب :

1۔ لشکر قریش کی اس شکست فاش کی سب سے بڑی وجہ ان کی یہ شدید غلطی تھی کہ ابتدائے جنگ میں قریش کا سپہ سالار عتبہ بن ربیع اپنے چھوٹے بھائی شیبہ بن ربیع اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کے ہمراہ میدانِ مقابلہ میں مبازرت طلبی کے لئے اترے۔ عتبہ بن ربیع سالار لشکر یہ جنگ دل سے نہیں چاہتا تھا۔ وہ بلند اخلاق' مدبر انسان تھا۔ اس نے حکیم بن حزام کے مشورے پر بغیر جنگ کئے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن ابو جہل کے اصرار پر اسے بادل نخواستہ لڑائی میں حصہ لینا پڑا۔ اس کا اپنا بیٹا

حضرت حذیفہ بن عتبہ مسلمان ہو کر لشکر اسلام میں شامل ہو چکا تھا اس لئے اس نے ابو جہل سے کہا تھا کہ ہمیں اپنے ہی جگر گوشوں کے ساتھ جنگ نہیں کرنی چاہیئے دوسری طرف اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں لہذا ہر صورت اپنا ہی نقصان ہو گا۔

عتبہ و شیبہ وہ شریف انسان تھے۔ جنہوں نے طائف سے واپسی پر حضورؐ کو ازراہ ہمدردی اپنے باغ میں پناہ دی اور انگوروں کا خوشہ پلیٹ میں رکھ کر اپنے غلام عداس کے ہاتھ بھیجا تھا۔ یہ وہی عتبہ بن ربیعہ تھا جو حضورؐ کے ساتھ مصالحت کی بات کرنے کے لئے بیت اللہ میں ملا اور دولت حکومت اور دیگر ہر قسم کی پیشکش کی کہ آپؐ نئے دین کی تبلیغ چھوڑ دیں اور حضورؐ سے قرآن پاک اور دین کی تعلیم لے کر واپس جا کر قریش کو مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ حضورؐ کی مخالفت ترک کر کے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ الغرض یہ شریف النفس انسان تھا اور دِل سے جنگ کے خلاف تھا۔ لہذا اس کا اس بے دلی کے ساتھ میدان جنگ میں آنا اسے کامیاب نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے جب سپہ سالار لشکر ہمعہ اپنے بھائی اور بیٹے کے ابتداء ہی میں مارا گیا۔ تو لشکر قریش میں کہرام مچ گیا۔ مایوسی اور بد دلی چھا گئی۔ حوصلے پست ہو گئے اور اپنی ناکامی اور شکست کا یقین ہو گیا۔ دوسری طرف حضرت حمزہؓ اور علیؓ کی کامیابی کے بعد جب عام جنگ کا اعلان ہو گیا تو مسلمان مجاہدین بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ سعد بن وقاص' زبیر بن عوام' طلحہ بن ابو عبیدہ' ابو مسلمہ' زید بن حارث' سعد بن معاذ' محمد بن مسلمہ' عبداللہ بن رواح' حباب بن منذر' ابو دجانہ اور دیگر مجاہدین اسلام نے ایک ہی حملہ میں دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیے اور وہ ذلت امیز شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

الغرض عتبہ بن ربیع جو تمام فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کو فوج کو لڑانا چاہیے تھا۔ سب سے پہلے خود ہی میدان جنگ میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس کی شدید غلطی کی وجہ سے جب وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے تو قریش کی فوج کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ ذہنی طور پر شکست کھا گئے۔ مرعوب ہو گئے۔ اب ان کے کامیاب ہونے کا سوال ہی نہ تھا مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انھیں اپنی کامیابی اور فتح و نصرت پر یقین کامل پیدا ہو گیا۔ وہ جان توڑ کر لڑے۔ غزوہ بدر کے متعلق قرآن حکیم میں مفصل ذکر موجود ہے اور ''سورۃ انفال'' بدر کے متعلق ہے۔ اس غزوہ کو دیگر غزوات پر امتیاز حاصل ہے۔

2- میدانِ جنگ میں مسلمانوں نے صف بندی کا بہترین طریقہ اختراع کیا مگر مشرکین اس فرسودہ اور پرانے طریقہ جنگ ''اقدام اور پسپائی'' کے مطابق جنگ کرتے رہے۔ اقدام اور پسپائی کے طریقہ کے مطابق جنگ کبھی دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ مگر بعد میں جب قریش اپنے پہلے اقدام پیش قدمی اور حملہ کے بعد ناکام ہو کر پیچھے ہٹے تو حضورؐ نے مسلمانوں کو آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اور کفار جو منتشر حالت میں تھے سنبھل نہ سکے۔ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح حضورؐ کی عسکری تربیت ترکیب اور حکمت عملی سے مسلمانوں کو فتح عظیم اور کفار کو شکست فاش ہو گئی۔

3- میدانِ جنگ میں مجاہدین پر حضورؐ کا مکمل کنٹرول رہا۔ صفوں میں مکمل نظم و نسق اور ضبط و ربط رہا۔ ہر مرحلہ پر آپ کے حکم کے مطابق جنگ لڑی گئی۔ دفاع کے وقت بھی حملہ کے وقت اور دشمن کے تعاقب کے وقت بھی ہر کام حضورؐ کے حکم کے

مطابق ہوا۔ مسلمان مجاہدین جذبہ شہادت سے سرشار اور اطاعت امیر کے حکم کے مطابق صبر و استقلال' عزم و ہمت اور بہادری و شجاعت کے ساتھ اپنے ملی فرائض انجام دیتے رہے۔

4-وطن کی طرف کامیابی کی صورت میں لوٹنے کی امیدیں جس سے ان کا جوش و جذبہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ مجاہدین انسانیت کی خاطر آزادی اور ظلم کے خلاف نبرد آزما تھے۔ وہ صلح و امن کے داعی تھے۔ وطنیت اور عقیدہ کی آزادی اور انسانی ہمدردی کے ساتھ قوت ایمانی یعنی اللہ کی رضا بھی شامل ہو تو انسان میں بے پناہ قوت عمل اور جذبہ ایثار و قربانی پیدا ہو جاتا ہے۔ میدان بدر میں حضورؐ کی تعلیم و تربیت سے ان مجاہدین کی معنوی قوت عروج پر آگئی تھی۔ رسول اللہؐ کی مسلمانوں کی صفوں کے سامنے تشریف لا کر ان کی ہمت بڑھانے اور مقابلہ پر آمادہ کرنے سے ان کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا "آج جس شخص نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اس کا صلہ جنت ہے"

5-مسلمانوں کی طرف سے بدر کی جنگ حق و صداقت کے تحفظ کی جنگ تھی۔ احترام آدمیت کی بقاء کی جنگ تھی۔ یہ انسانیت اور عدل و انصاف کی جنگ تھی۔ ظلم و استبداد مکہ کی طرف تھا۔ کامیابی ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔

وہ رضائے الٰہی اور اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اپنا نظام زندگی تشکیل دینا چاہتے تھے۔ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو قرآن و سنت کے مطابق معاشرہ کی تشکیل سے عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود اور قیام امن چاہتے تھے۔ جان و مال اور عزت و آزادی کے تحفظ کے لئے ہر ایک کے لئے مساوی حقوق چاہتے تھے اور اس عظیم نصب العین اور مقصد کے حصول کی خاطر وہ ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار تھے یہی عظیم مقصد حیات بدر میں ان کی کامیابی اور فتح و نصرت کا اصل اور بنیادی سبب تھا۔

6-اس جنگ میں حضورؐ کے عسکری فضائل و کمالات پہلی بار کھل کر سامنے آئے۔ شجاعت ضبط اعصاب خود اعتمادی جنگ کے معاملات کے متعلق جنگ سے پہلے جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد مجلس مشاورت کا انعقاد اور تمام معاملات و احوال میں اپنے اور صحابہ کے درمیان مکمل مشاورت کا قیام اور صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنا وغیرہ۔

اطاعت امیر اور ہر حکم کی تعمیل اپنا دینی فریضہ یقین کرتے تھے۔ آپؐ کی قیادت اعلیٰ کا سب سے بڑا کمال اور کرشمہ یہ تھا۔ کہ آپؐ فیصلہ کن وقت میں فیصلہ کن اقدام کا حکم دیتے تھے۔ ایک کامیاب اور برترسپہ سالار کی سب سے بڑی خوبی اور وصف یہی ہوتا ہے۔

جنگ بدر کی اہمیت :

1- تاریخ جنگ میں غزوہ بدر پہلی جنگ تھی جو عقیدہ و نظریات کے تحفظ کی خاطر لڑی جا رہی تھی۔ تاریخ عالم میں پرانے اور نئے نظام حیات کے درمیان یہ پہلا معرکہ تھا۔ اس لڑائی کے ذریعے انسانیت کو آزادی دلانا۔ اس کی نظریاتی اور روحانی اقدار کی آزادی اور بقاء کا آغاز تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملت کے وجود کے احساس پر اس کی بنیاد ایمان' ایقان اور نظریات پر استوار کی گئی۔

میثاقِ مدینہ کی اہمیت :

میثاقِ مدینہ تاریخ عالم کا اولین تحریری آئین و دستور جناب رسول اللہؐ کے بے مثال سیاسی تدبر اور حکمت عملی کا شاہکار ہے۔

13 نبوی میں جب آنحضرتؐ قریش مکہ سے چھپ کر جس طرح اور جن حالات میں مدینہ پہنچے ان پر غور کریں اور ان صبر آزما مشکلات و مسائل کا جائزہ لیں جن حالات میں آپ آتے ہی گھر گئے تھے اور پھر ایک سال کے اندر اندر آپؐ کے حالات میں جو شاندار انقلاب آیا وہ آنحضرتؐ کی عدیم النظیر سیاسی بصیرت، فہم و فراست اور انتھک جدوجہد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

1- آپؐ نے یہود اور مشرک قبائل کو اعتماد میں لے کر میثاقِ مدینہ کے نام سے ایک تحریری معاہدہ طے کیا جس کے مطابق مملکت مدینہ کے نام سے ایک ریاست و حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حضورؐ خود اس مملکت کے سربراہ منتخب ہوئے اور روز اول ہی سے مذکورہ دستور کے مطابق اس مملکت کی بنیاد نظام خداوندی پر قائم کی گئی۔ یہ صدارتی نظام حکومت تھا اِس وجہ سے حکومت کے تمام عہدے و محکمے عدلیہ انتظامیہ امور خارجہ، داخلہ اور دفاع آپؐ کے ماتحت تھے اور آپؐ پوری طرح بااختیار سربراہ مملکت تھے۔ مملکت مدینہ کی حدود متعین کی گئیں اور اردگرد میلوں تک تمام آبادی اور علاقہ کو مملکت مدینے میں شامل کیا گیا۔ تمام ملحقہ علاقوں کے عرب قبائل نے ملت مسلمہ کو دینی، سیاسی و قومی لحاظ سے ایک قوم تسلیم کر لیا اور اس طرح ان کو ایک قومی تشخص حاصل ہو گیا جس سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

2- آئین کی منظوری اور اسلامی ریاست و حکومت کے قیام سے مذہبی، تمدنی اور نسلی لحاظ سے متضاد عناصر کو ایک نظام حکومت کے تحت لا کر آپ نے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اِس میثاق کی دفعات کے مطابق مدینہ کے یہود و مشرک قبائل نے نہ صرف آنحضرتؐ کی سیاسی قیادت اور حکومت تسلیم کر لی بلکہ آپؐ کے حلیف بن گئے اور مملکت مدینہ کے دفاع کی مشترکہ ذمہ داری قبول کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ قریش مکہ کی کسی قسم کی امداد نہیں کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش مدینہ میں اپنے حلیف اور مددگار پیدا نہ کر سکے۔ بدر اور احد میں بھی قریش کو مدینہ کے غیر مسلموں کی طرف سے کوئی امداد نہ مل سکی اور مدینہ کے اندر امن و سکون رہا۔ الغرض اِس میثاق نے اسلامی مملکت کے حصار یعنی تحفظ کا کام دیا۔

3- اِس معاہدہ کے مطابق مدینہ کے تمام لوگوں کو بلاامتیاز مذہب و ملت اور نسل و قبیلہ سب کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہو گئے۔ ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف، مذہب و عقیدہ کی آزادی معاشی عدل مساوات اور معاشرتی امن و سلامتی کی ضمانت دی گئی۔ چنانچہ ایسی منظم اور مضبوط مرکزی حکومت کا قیام جس میں تمام لوگوں کو مکمل سیاسی اور معاشرتی حقوق حاصل تھے آنحضرتؐ کا فقید المثال کارنامہ تھا۔

4- اہل مکہ کو آنحضرتؐ کی تمام تعمیری، ترقیاتی اور تبلیغی سرگرمیوں، دفاعی تیاریوں اور ان کی تجارتی شاہراہ کو غیر محفوظ بنانے اور عسکری مہمات کے منصوبوں کا پوری طرح علم ہو رہا تھا۔ اِن کو آپؐ کے مملکت مدینہ کے قیام اور اس کا سربراہ مملکت منتخب ہونے اور اسلامی نظام حیات کے قیام سے سخت تشویش تھی۔ اِن کو نہ صرف اپنی مذہبی سیادت، اور سیاسی قیادت بلکہ شام اور

عراق وغیرہ سے تجارت کو بھی سنگین خطرات لاحق نظر آرہے تھے۔ان کو اپنا نظام حیات بھی خطرہ میں نظر آرہا تھا جس کی بنیاد بت پرستی' شرک' نسلی تفاخر' قبائلی امتیازات عیش و عشرت' معاشرتی اور اخلاقی برائیوں پر قائم تھی کیونکہ اسلامی نظام حیات کی بنیاد خالص توحید' روز قیامت پر ایمان' عالمگیر انسانی مساوات' اخوت عدل وانصاف' حریت و آزادی احترام آدمیت' محبت ورواداری اور امن و سلامتی پر قائم تھی۔ لہٰذا اب دو نظام ہائے زندگی یعنی حق و باطل کے درمیان آخری فیصلہ کن جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔

5-اس معاہدہ کا پہلا حصہ مہاجرین وانصار کے حقوق و فرائض اور دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے متعلق ہے۔ اِس معاہدہ میں مدینہ کے تمام طبقات کو شامل کر لینے کے بعد آنحضرتؐ نے گردونواح کے قبیلوں کو بھی اس معاہدہ امن و سلامتی میں شامل کرنے کی کوشش کی تاکہ اِن قبائل کے درمیان صدیوں سے جاری محاذ آرائی ختم کر کے اِن میں اتحاد پیدا کیا جائے تاکہ قریش مکہ ان کو مملکت مدینہ کے خلاف استعمال نہ کر سکیں۔

آنحضرتؐ کے غزوات وسرایا کے مقاصد:

ابتدائی گشتی دستوں سے حضورؐ کا مقصد قریش مکہ کو ایسے معاہدہ پر مجبور کرنا تھا۔ جس کے مطابق نہ صرف مسلمانوں کو امن و تحفظ حاصل ہو' مذہب کی مکمل آزادی اور مکہ آنے جانے میں کوئی رکاوٹ اور خطرات نہ ہوں اور یہ مقاصد قریش کے تجارتی قافلوں کو خوفزدہ کرنے سے حاصل ہو سکتے تھے کیونکہ تجارت کی بندش سے قریش کی شہ رگ کٹ جاتی تھی۔ بس اِن عسکری مہمات کا مقصد دفاعی اور قریش پر دباؤ ڈالنا تھا۔ اور اسی مقصد کے لئے تجارتی مراکز کے قریب آباد قبائل سے دفاعی معاہدات کئے گئے تاکہ قریش کو صلح و آشتی پر آمادہ کیا جائے۔

جہاد اور لوٹ مار کے تصور میں بنیادی فرق ہے۔ جہاد صرف اللہ کی راہ میں اپنے عقیدہ اور دین کے تحفظ اور ظلم و جبر کے ساتھ ٹکراؤ کا نام ہے اس میں ذاتی مفاد ظلم و زیادتی اور انسانی جانوں کا زیاں ہرگز مقصود نہیں۔ صرف دین خداوندی کی آزادی اور حق وانصاف کے لئے باطل طاقتوں اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرتؐ کو جہاد یعنی دفاعی جنگ کی اجازت دی تو فرمایا کہ اب تمہارے لئے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ اور "اجازت جہاد کے متعلق دیگر آیات" سے بھی ظاہر ہے ابتداء میں یہود مدینہ نے حضورؐ سے معاہدہ امن و دوستی کر لیا۔ مگر بعد میں جب انہوں نے مدینہ اور مضافات میں اسلام کا عروج دیکھا تو حسد کی وجہ سے دل سے مخالف ہو گئے۔ مگر اپنی تجارت اور سود خوری کے پیش نظر اپنی دشمنی کا اظہار نہ کیا اور بظاہر معاہدہ کے پابند رہے۔ مسلمانوں نے بھی یہود پر اپنا رعب و داب قائم رکھنے کے لئے اپنی شان و شوکت اور طاقت کا مظاہرہ اپنے گشتی عسکری دستوں کے ذریعہ جاری رکھا تاکہ یہود اور منافق مرعوب رہیں۔ اور ان کے دلوں پر ہیبت اور خوف طاری رہے اور کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت پر نہ اُتر آئیں۔

لہٰذا ان عسکری گشتی دستوں کی نمائش کے ذریعے ایک طرف قریش کو اپنی شان و شوکت اور طاقت و قوت کے

ذریعے معاہدہ کے لئے مرعوب و مجبور کرنا اور دوسری طرف یہود و منافقین مدینہ پر اپنا رعب اور قوت و شوکت کا دباؤ جاری رکھنا تھا۔ جنگ و جدل اور مالِ غنیمت لوٹ مار یا قریش کے تجارتی قافلوں پر غارت گری ہرگز نہ تھا۔

اسلام میں دفاع اور اپنے عقیدہ کی حفاظت اور اظہار رائے کی آزادی میں جنگ کرنا جائز بلکہ فرض ہے لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی ہے کہ دشمن پر حد سے زیادہ سختی اور تجاوز نہ کیا جائے "جنگ میں کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں"

غزوات و سرایا میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب :

1- آپ پیغمبرؐ تھے اس لئے آپ کو تائید خداوندی ضرور حاصل تھی۔ مگر آپؐ نے دوران جنگ عظیم سپہ سالار کی طرح بہترین حربی تدابیر اور فنون جنگ کی بہترین صلاحیتوں کا ثبوت دیا جو کہ آپ کی کامیابی کا باعث ہوا۔

2- آپؐ اور صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ پر انتہائی توکل تھا۔ اپنی پوری قوت استعداد جان نثاری اور ہمت و شجاعت کے باوجود تائید ایزدی پر ہر وقت بھروسہ رہتا تھا۔ عین اس وقت جب دونوں طرف کی فوجیں برسرِ پیکار ہوتیں رسول اکرمؐ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں سربسجود ہوتے اور فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے۔ کبھی مجاہدین کو جنت کی بشارت دیتے۔ بدر' احد' خندق اور خیبر جیسے بڑے غزوات میں یہی کیفیت تھی۔

3- آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ بے مثال عزم و استقلال ہمت و شجاعت' صبر و قناعت دیانت و صداقت' قوت برداشت' ثابت قدمی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے کہ دشمن پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتا۔

4- میدان جنگ میں فتح و نصرت کے بعد قیدیوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ ان کو اکثر معاف کر دیا۔ ہمیشہ مفتوح قوموں اور عوام کے دل جیتنے کی کوشش کی اور اپنے اخلاق و کردار کا ایسا مظاہرہ کیا کہ وہ خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

5- ہر جنگ کے دوران میں حضورؐ کی حربی حکمت عملی اور تدابیر بڑی کامیاب اور کارگر ثابت ہوئیں اور دشمن پر غلبہ حاصل کرتے۔

6- آپ جنگوں کے اصول اور سامان حرب و ضرب کا بہترین استعمال کرتے اور بوقت ضرورت ہر قسم کا سامان جنگ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

7- اصول جنگ کے مطابق اکثر غزوات میں حضورؐ اپنا ارادہ اور پروگرام پہلے ہی سے عام لوگوں کو نہیں بتا دیتے تھے بلکہ ہر بات راز میں رکھتے تھے اور بوقت مناسب دشمن پر اچانک حملہ کر کے اُس کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ میدان جنگ میں صف بندی' نظم و ضبط اطاعت امیر وغیرہ۔ تدابیر اختیار کرتے یعنی جنگ میں فتح یاب ہونے کے لئے ہر ممکن ذرائع اور تدابیر اختیار کرتے۔

8- محکمہ تفتیش کے ذریعے دشمن کی نقل و حرکت اور اس کے تمام منصوبوں کے متعلق پیشگی معلومات حاصل کر کے مقابلہ کے لئے اپنے دشمن کی فوجی طاقت' تعداد' اسلحہ اور سامان جنگ وغیرہ سے واقفیت حاصل کر لیتے اور اسی طرح دشمن کے

میں عقیدہ و مذہب کی آزادی' ہر شخص کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور امن و سلامتی کے قیام کے لئے تھے۔

مقابلہ کے لئے پوری قوت اور تیاری کے ساتھ میدان میں آتے۔

9- اکثر حالات میں جغرافیائی پوزیشن اور محل و قوع کا فائدہ اٹھانے کی حکمت عملی اختیار کی۔ فوج کی معنویت اور ہمت افزائی کی وجہ سے ہر مسلمان نے میدان جنگ میں جان توڑ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور قیدی بن جانے یا راہ فرار اختیار کر جانے کا تصور بھی نہ کیا۔

ب- (اس تمام کشمکش کے دوران میں تمام عرب کے قبائل اور آبادی دونوں طاقتوں کے مقاصد' کردار اور سیاسی و عسکری قوت کا جائزہ لیتی رہیں اور جب مسلمانوں نے اپنی قوت اور برتری ثابت کر دی تو تمام قبائل کے وفود نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کر لیا)

عہد نبوی کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔ اکثر دگنی' تگنی اور بعض اوقات دس گنا طاقت کے مقابلہ میں قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی اور مدینہ کی شہری مملکت سے جو آغاز ہوا وہ دس سال کے بعد جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ مربع میل سے بھی زائد رقبہ زیر اقتدار آچکا تھا۔ اس برصغیر پاک و ہند کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں فریقین کے ایک ہزار کے قریب افراد کام آئے۔ انسانی خون کی یہ عزت و حرمت تاریخ عالم میں بلاخوف تردید بے نظیر ہے۔ ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام ہے' مفتوحہ علاقوں کے لوگوں میں ذہنی انقلاب اور حلقہ بگوش اسلام ہو جانا۔ اور ایسے یگانہ روزگار انسانوں کی تعلیم و تربیت جنہوں نے حضور کے بعد صرف پندرہ سال کے عرصہ میں دُنیا کی دو سپر پاورز کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر تین براعظموں ایشیاء افریقہ اور یورپ پر پھیلے ہوئے بائیس لاکھ مربع میل رقبہ پر قبضہ کر کے وہاں عالمگیر انسانیت کے اصولوں کے مطابق تہذیب و تمدن کے ایک دورِ جدید کا آغاز کر دیا۔ جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی اور یہ ایک شاندار انقلاب تھا۔

(آنحضرتؐ کی تمام حربی مہمات غزوات و سرایا کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی کی ذلت سے نجات دلا کر انہیں عزت و وقار اور عدل انصاف مہیا کیا جائے' دُنیا کو اجتماعی امن و سکون اور محبت رواداری سے بہرہ ور کیا جائے۔ آنحضرتؐ کی زندگی اور صحابہ کرام کے دور میں ہی اسلام کا عدل انصاف اور عالمگیر مساوات و اخوت کا پیغام ہر جگہ پہنچ چکا تھا اور دُنیا سے ظلم واستبداد' ناانصافی اور استحصال کی تمام شکلیں مٹا کر حریت و آزادی' احترام انسانیت اور ایثار و قربانی کی درخشاں روایات قائم ہو چکی تھیں۔ اِن غزوات کا مقصد ملک گیر فتوحات' توسیع پسندی اور ہوس اقتدار نہ تھا بلکہ خدا کی زمین کو ظلم اور ظالموں سے پاک کرنا اور امن وامان کا قیام تھا۔)

قرآن پاک نے جہاد کے متعلق جو احکام دیئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے صرف دفاعی ضروریات کے لئے جنگ کی اجازت دی ہے تاکہ مسلمان اپنی جان و مال اور عزت و آزادی کا تحفظ کر سکیں اور دعوت حق کی راہ میں جو فتنے کھڑے ہوں اُن کا سدِباب کر کے امن و سلامتی کی فضا پیدا کی جائے اور لوگ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی آزادی کے ساتھ گذار سکیں۔ مسلمان زیادتی کے مرتکب کسی حالت میں نہ ہوں۔ جب کوئی صلح کی جانب بلائے تو جنگ بند کر کے فوراً صلح کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ حضورؐ کے یہ غزوات و سرایا درحقیقت حق و باطل عدل و انصاف' حریت و آزادی' مساوات و اخوت اور دُنیا

3ھ 625ء کے حالات وواقعات

1- جنگ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں سے اکثران کے سردار اور رؤسا تھے۔ نامور ممتاز شخصیات جس کی وجہ سے مکہ کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ رنج و غم کا جوش اور انتقام کا جذبہ سب کو بے چین کئے ہوئے تھا۔ اور انہوں نے تہیہ کر رکھا تھا۔ کہ ہر قیمت پر اہل مدینہ سے انتقام لیا جائے گا۔ قافلہ تجارت جو ابو سفیان شام سے لے کر بحفاظت مکہ پہنچ گیا تھا۔ اس کا راس المال تو حصہ داروں کو واپس کر دیا گیا تھا۔ لیکن منافع کا پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ محفوظ تھے۔

2- یہ لشکر مکہ سے پانچ شوال کو روانہ ہوا۔ قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب احد پہاڑ کے اوپر جو مدینہ سے شمال کی جانب تین میل کے فاصلے پر ہے۔ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔

3- قریش کو غزوہ بدر میں جو ذلت آمیز شکست اور غزوہ سویق میں جو عبرتناک توہین ہو چکی تھی۔ اس توہین و ذلت کا انتقام لے کر اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے اور اپنی مذہبی سیادت سیاسی قیادت اور عزت و وقار کو بحال کرنے کے لئے پورے جوش و خروش اور جذبہ سے تیاریاں کر رہے تھے۔

4- یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کی مدینہ سے جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ سے یہود مدینہ اور دیگر علاقوں کے یہودی مسلمانوں کے شدید دشمن ہو چکے تھے اور قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف زبردست حملہ کرنا چاہتے تھے۔

جنگ احد کے واقعات :

سرداران قریش نے دار لندوہ مکہ میں جمع ہو کر جنگی حکمت عملی کا نقشہ اور منصوبہ تیار کیا۔ ابو سفیان لشکر قریش کے سپہ سالار تھے۔ قریش اپنے ساتھ تین ہزار شمشیر زن نوجوانوں پر مشتمل لشکر جرار لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں بنو ثقیف' طائف کے دو سو شمشیر زن سپاہیوں کے ماسوا اٹھائیس سو قریش جن میں ان کے حلیف قبائل اہل تہامہ اور بنو کنانہ اور احابیش کا ایک دستہ بمعہ بے شمار سامان رسد و آلات بھی تھے۔ (تین جھنڈے تیار کئے گئے جن میں سے بڑا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ گھوڑے دو سو' اونٹ تین ہزار' زرہ پوش سات سو اسلحہ اور دیگر سامان حرب و ضرب بے حد و حساب تھا۔ جب قریش کا لشکر مقام ابواء میں پہنچا جہاں رسول اللہؐ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے تو جوش انتقام سے بھرے ہوئے قریش کے چند کوتاہ اندیش نوجوان حضرت آمنہؓ کے مزار کی بے حرمتی پر آمادہ ہو گئے۔ ان کو ان کے سربراہوں نے بمشکل اس بربریت اور انسانیت سوز حرکت سے روکا۔ ابواء سے روانہ ہو کر لشکر قریش احد پہاڑ کے دامن میں ایک ہموار میدان میں پڑاؤ

ڈال کر جم گیا جو مدینہ سے تین میل کی مسافت پر ہے۔

مدینہ میں مجلس مشاورت:

آنحضرت کو حضرت عباس کے خفیہ خط کے ذریعے قریش مکہ کی مدینہ پر حملہ کی تیاریوں اور روانگی کا علم ہو چکا تھا۔ لہذا آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو مشورہ کے لئے مسجد نبوی میں جمع کیا۔ اور ان کی رائے طلب فرمائی آپ نے اپنی رائے کا بھی اظہار فرمادیا کہ شہر کے اندر رہ کر اگر دفاع کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ آپؐ نے مکانوں کا استعمال اور مکانوں کی چھتوں سے دشمن پر وار کرنے کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا کہ مدینہ کا شہر زرہ کا کام دے گا۔ شہر کے اندر رہ کر لڑنے کے تمام فوائد بیان فرمائے یعنی مدینہ کے اندر رہ کر اگر لڑیں گے۔ تو دشمن کو کھلی جگہ سے آگے بڑھنا ہوگا۔ اور اس کے اتلاف زیادہ ہوں گے۔ عبداللہ بن ابی نے بھی آپ کی تائید کی اور کہا شہر کے اندر مرد بھی لڑ سکیں گے اور عورتیں اور بچے مکانوں کی چھتوں سے خشت باری کر سکیں گے۔ اس نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ جب کبھی اہل مدینہ نے شہر کے اندر رہ کر دفاع کیا ہے تو کامیاب رہے ہیں۔

نوجوان صحابہ اور وہ حضرات جو جنگ بدر کی سعادت سے محروم رہے تھے۔ ان کا اصرار تھا۔ کہ باہر میدان جنگ میں نکل کر قریش کا مقابلہ کیا جائے ورنہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل خیال کریں گے۔ حضرت حمزہ' سعد بن عبادہ نعمان بن مالک اور انصار کی ایک جماعت نے بھی ان پرجوش نوجوانوں کی تائید کی اگرچہ حضورؐ اور اکابر صحابہ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی تھی۔

حضورؐ اپنے گھر کے اندر گئے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے آپ کو ہتھیار پہنائے اور زرہ سے مسلح ہو کر گھر سے برآمد ہوئے۔ لوگ اس بات پر نادم اور شرمندہ تھے۔ کہ ہم نے آپؐ کی رائے کے خلاف آپ کو مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ آپؐ اپنی رائے کے مطابق عمل کریں اور مدینہ کے اندر رہ کر ان کا مقابلہ کریں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جب وہ زرہ پہن لے تو بغیر لڑے ہوئے اُسے اتار دے۔ آپؐ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ احد کے لئے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے مجاہدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ "اگر تم ثابت قدم رہو گے۔ تو فتح یاب ہو گے" جب آپؐ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ تو کچھ فاصلے پر عبداللہ بن ابی سلول اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ آپ کا ساتھ چھوڑ کر واپس آگیا۔ اور کہا کہ رسول اللہؐ نے ہماری بات نہیں مانی اور ان چھوکروں کی بات مان لی جن کو جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔ اس طرح ہماری توہین کی ہے۔ جناب عبداللہ بن عمر بن حرام جو بنو سلمہ میں سے تھے۔ اس کے پیچھے گئے اور ان پر زور دیا کہ اپنے نبی اور قوم کا ساتھ نہ چھوڑو مگر وہ نہ مانے۔ چنانچہ شوط کے مقام سے جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔ عبداللہ بن ابی سلول اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ واپس لوٹ گیا۔ اور اب مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو مجاہدین رہ گئی تھی۔ صرف سو مسلمان زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک رسولؐ اللہ کا اور ایک ابو بن نیار الحاقی کا تھا۔

حضورؐ نے جبل احد کے جنوب مغربی کونے پر جا کر لشکر کو رکنے کا حکم دیا۔ یہاں صبح کی نماز ادا کی گئی اور پھر لشکر کی

صف بندی کی گئی۔ لشکر کا رُخ اب جنوب مغرب کی طرف تھا اور یہاں سے مدینہ جنوب کو تھا۔ اس لئے اب مدینہ لشکر کے قریباً سامنے تھا۔ آپ نے جبل عینین کے درے پر اپنے عقب کے تحفظ اور دفاع کے لئے حضرت عبداللہ بن جبیر کی کمان میں پچاس تیر اندازوں کے دستے کو متعین فرمادیا۔ اور انہیں حکم دیا گیا۔ کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے تم نے یہ جگہ خالی نہیں کرنی۔ ہم کو غالب دیکھو یا مغلوب ہماری امداد کے لئے بھی ہرگز نہ آنا۔

کفار کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل تھے اور پیدل فوج پر صفوان بن امیہ تھے۔ حضورؐ نے خالد کے مقابلے پر زبیر بن عوام کو تعینات کیا۔ میدانِ جنگ میں قریش کے گیارہ علمبردار مشرک یکے بعد دیگرے قتل ہوئے اور قریش کے حوصلے پست ہو گئے۔

عام روایات کے مطابق جنگ احد پندرہ شوال 3ھ بروز ہفتہ ہوئی مگر موجودہ تحقیق کے مطابق یہ جنگ مورخہ سات شوال بمطابق سات مارچ 625ء یک شنبہ کو پڑتی ہے۔ لشکر قریش حسب معمول بڑے غرور اور تکبر کے ساتھ اپنے معسکر سے روانہ ہوئے۔ عورتیں دف بجابجا کر رزمیہ گیت گا رہی تھیں اور تین ہزار کا لشکر جرار پورے جوش و خروش اور انتقامی جذبہ سے سرشار آگے بڑھ رہا تھا۔ ادھر مسلمانوں کو اپنی تعداد کی کمی اور وسائل و ذرائع کے محدود ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر پورا ایمان تھا۔ آنحضرتؐ پورے خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں عجز و نیاز سے فتح و کامیابی کے لئے دُعائیں مانگ رہے تھے۔ اسلامی لشکر کی صفوں میں انصار دائیں اور بائیں بازوؤں پر تھے اور مہاجرین درمیان میں تھے۔ آپؐ کا مرکز قیام دوسری صف کے چند گز پیچھے اور درمیان میں تھا۔ اور آپؐ نے حکم دیا تھا۔ کہ ہماری جانب سے احکام ملنے سے قبل کوئی آدمی لڑائی شروع نہ کرے اور نہ ہی کوئی صف آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ یعنی دفاعی پوزیشن پوری طرح مستحکم تھی اور مکمل نظم و ضبط قائم تھا۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ ابو دجانہ نے دشمن پر زبردست حملہ شروع کر دیا۔ ادھر حمزہؓ، علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ، زید بن حارثؓ، حضرت عمر بن خطابؓ، سعد بن معاذؓ، سعد بن عبادہؓ، حباب بن منذرؓ، محمد بن مسلمہ، عبداللہ بن رواحہؓ، ابو عبیدہ بن جراح اور دیگر مہاجرین و نصار کے شیر دل اور بہادر مجاہدین نے دشمنوں کی صفوں میں گھس کر مشرکین کو تلواروں پر رکھ لیا۔ ان کو سامنے سے مار ہٹایا اور بلاشبہ ان کو شکست ہو گئی۔ ابو سفیان کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور لشکر قریش میں بزدلی اور مایوسی پھیل چکی تھی۔ اب ابو سفیان نے پورے محاذ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور خالد بن ولید نے بھی اپنے رسالہ کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کی کوشش کی۔ مگر وہ کسی طرف سے بھی حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ محاذ جنگ محدود تھا اور مسلمانوں کے عقب پر تیر انداز متعین تھے۔ اس لئے وہ بے بس تھا۔ اور کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ لشکر قریش کی دس صفیں آگے پیچھے تھیں۔ اس لئے صرف پہلی صف لڑ رہی تھی اور بقایا فوج انتظار میں اپنی صفوں میں کھڑی تھی۔ لشکر اسلام کو ایمان و یقین کی برتری بھی حاصل تھی۔ بہترین قیادت اور نظم و ضبط تھا اور جوش جہاد سے لبریز جانیں نثار کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ دشمن کے علمبرداروں کے قتل، محدود محاذ جنگ اور سپہ سالاروں کی کمزوری اور نااہلی کی وجہ سے فوج قریش کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ بالآخر کفار کی صفیں ٹوٹنی شروع ہو گئیں اور پھر یکایک وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔

مکی لشکر جبل احد سے مغرب کی جانب بھاگے جا رہا تھا۔ ان کا معسکر جبل احد کے جنوب مغربی کونے سے چھ سات سو گز پر تھا۔ وہ لڑائی کے بعد ذہنی و جسمانی تھکاوٹ کے شکار تھے۔ مکی سواروں نے چندبار جبل عینین کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ مدنی لشکر کا بیشتر حصہ اس وقت مکی معسکر تک پہنچ چکا تھا۔ اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھا۔ حضرت زبیرؓ سے مروی ہے کہ ہندہ بنت عتبہ کے خادموں اور اس کی ساتھی عورتوں کو تیزی سے میدان سے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں جب ہم نے دشمن کو مقابلہ سے مار بھگایا تو ہمارے تیر انداز لوٹنے کے لئے دشمن کی فرودگاہ چلے آئے اور انہوں نے دشمن کے رسالہ کے لئے ہمارے عقب کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ چنانچہ دشمن کے رسالہ نے پیچھے سے ہمیں آلیا۔ اس وقت کسی نے چلا کر کہا کہ "محمدؐ مارے گئے" اس کے سنتے ہی ہمارے حوصلے پست ہو گئے اور دشمن کے حوصلے بلند ہو گئے۔ حالانکہ ہم دشمن کے علمبرداروں کو ختم کر چکے تھے۔ اور ان میں سے کسی کو اپنے جھنڈے کے پاس آنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

تیر اندازوں کے لالچ اور نافرمانی کی وجہ سے جب مسلمانوں کو ان کے عقب سے آلیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے تین حصے ہو گئے۔ ایک حصہ مارا گیا۔ ایک زخمی ہوا اور ایک حصہ شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور کچھ لوگ حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ ابن قمیہ نے آپؐ کے سر کے بائیں حصہ پر تلوار ماری اور آپؐ کو عتبہ بن ابی وقاص نے بھی زخمی کیا تھا۔ آپؐ کے سامنے کے چوکے میں سے نیچے کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ آپؐ کا منہ شق ہو گیا۔ رخسار اور بالوں کی جڑوں کے پاس پیشانی زخمی ہوئی۔ خون آپؐ کے منہ سے بہہ رہا تھا۔ آپؐ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ "جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ اس کے خون سے رنگین کیا وہ کیونکر فلاح پا سکتی ہے۔

حضرت حمزہؓ بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑ رہے تھے اور کئی مشرکین کو خاک و خون میں ملا چکے تھے۔ کہ جبیر بن مطعم کے وحشی غلام نے بھالہ نشانہ زنی کے لئے ہاتھ میں لیا۔ اس کو ہلایا اور جب وہ حضرت حمزہؓ کے بالکل قریب ہوا تو اس نے اپنا بھالہ ان پر پھینکا جو آپ کے پھیپھڑوں پر لگا اور دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے نکل گیا وہ وحشی کی طرف بڑھے پھر زمین پر گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ سید الشہداء' شیر خدا' شیر رسولؐ حضرت حمزہ وفات پا چکے تھے۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہؐ زندہ ہیں۔ تو وہ بھاگتے ہوئے آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؐ درہ کی طرف چلے آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ' عمرؓ' علیؓ' طلحہ زبیرؓ' سعد بن وقاصؓ زید بن حارثؓ محمد بن مسلمہؓ' سعد بن معاذؓ' سعد بن عبادہؓ اور کچھ اور مسلمان بھی تھے۔

آپؐ کے خود کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار میں چبھ گئیں اور خون آپؐ کے چہرہ مبارک پر بہہ نکلا کفار نے آپؐ پر پتھراؤ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپؐ کو اپنے اوپر اٹھا کر گڑھے سے باہر نکالا اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے آپؐ کے رخسار مبارک میں دھنسی ہوئی کڑیوں کو نکالا۔ انہوں نے اپنے دانتوں سے انہیں کھینچا تو ان کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن منان نے آنحضرتؐ کے رخساروں کا خون چوسا پھر اسے نگل لیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "جس کے خون میں میرا خون جا ملا اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی"

رسولؐ اللہ چند صحابہ کے ہمراہ درے میں بیٹھے تھے۔ قریش کی ایک جماعت خالد بن ولید کی سرکردگی میں پہاڑ پر چڑھ آئی۔ آپ نے فرمایا خداوندا ایسانہ ہونے پائے کہ وہ یہاں چڑھ آئیں۔ عمر بن خطابؓ نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ان کو پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔ حضورؐ پہاڑی کی ایک بڑی چٹان پر چڑھنے کے لئے اٹھے مگر ایک تو آپؐ پہلے سے تھکے ہوئے تھے۔ دوسرے دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ اس لئے آپؐ اپنی جگہ سے نہ اُٹھ سکے۔ طلحہ بن عبید اللہ آپؐ کے لئے بیٹھ گئے۔ تب آپ اُٹھ کر ان پر سوار ہو گئے۔ زبیر سے مروی ہے کہ اس دن میں نے رسول اللہ کو کہتے سُنا کہ اس خدمت گزاری کی وجہ سے طلحہ نے اپنا حق واجب کر لیا۔

حضرت صفیہ کا صبر و تحمل جب حضرت صفیہ بنت عبد المطلب اپنے بھائی حمزہ کو دیکھنے آئیں تو حضورؐ نے ان کے بیٹے زبیر بن عوام سے فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ اور اس کو واپس لوٹا دو۔ مگر اس نے یقین دلایا کہ وہ اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے گی۔ اس پر حضورؐ نے اسے حضرت حمزہؓ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ حمزہؓ کے پاس گئیں بڑے پیار و محبت سے دیکھا اور دُعائے مغفرت کی۔

عبد اللہ بن جحش آمیمہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے ان کو بھی حضرت حمزہؓ کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ یہ سریہ نخلہ کے سربراہ تھے۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کی پہلی فتح ان کی حربی قابلیت اور اپنے عقیدہ و ایمان کا معجزہ تھا۔ جسے آنحضرتؐ کی جنگی مہارت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کرنے لگا اور ایک گروہ ان کے مال و اسباب کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا۔ ادھر درے کے محافظ دستے کے اکثر افراد نے مال غنیمت کے لالچ میں آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے درے کو چھوڑ مال غنیمت لوٹنے لگے۔ خالد بن ولید نے درہ کو خالی دیکھ کر اپنے رسالہ کے ساتھ پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا ادھر بھاگتے ہوئے قریش نے خالد کی للکار پر واپس مڑ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور اس طرح مسلمان کفار کے گھیر میں آ گئے۔ اس افراتفری میں خود مسلمان مسلمانوں پر وار کرنے لگے۔ اس پریشانی کے عالم میں جبکہ مسلمان دشمن کے محاصرہ میں آ چکے تھے۔ ناگہاں رسول اللہؐ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ فوج میں پہلے ہی انتشار تھا۔ اب مصیبتوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب قریش کا لشکر آنحضرتؐ کے قریب آ پہنچا تو وہاں موجود مسلمانوں نے آپؐ کے گرد گھیرا اپنا لیا۔ ان کی قوت ایمان ہزار گنا بڑھ گئی اور ہر شخص موت سے بے خوف ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگا۔ حضورؐ اپنے صحابہ کے ہمراہ احد کی چوٹی پر چلے گئے اور مسلمانوں نے آپ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ حضورؐ نے شدت سے پیاس محسوس کی مگر وہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ بڑی دور سے حضورؐ کے لئے پینے کا پانی لائے۔

جنگ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجر اور چونسٹھ (64) انصار تھے۔ مشرکین مکہ بائیس مارے گئے۔ ان میں سے گیارہ علمبردار تھے۔ جو انفرادی مقابلوں میں مارے گئے اور بقایا گیارہ میدان جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

قرآن پاک میں سورۃ ال عمران کی ساٹھ آیات اس غزوہ کے متعلق نازل ہوئیں۔ جن میں مسلمانوں کی شکست کی حقیقی وجوہات کا تذکرہ کیا گیا ہے سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف اور آنحضرتؐ کے حکم کی نافرمانی ہے جب پچاس تیر اندازوں نے مال غنیمت کے لوٹ مار کے لئے اپنے مقام کو چھوڑ دیا۔ جس کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑنے کا حکم ان کو دیا گیا تھا تو فتح شکست میں بدل گئی۔

مسلمانوں نے احد میں باوجود تکالیف اور گھیرے میں آجانے کے اور ستر مجاہدین کی شہادت کے میدان جنگ سے فرار اختیار کیا اور نا ہی ہتھیار ڈال کر جنگی قیدی بنے۔ بلکہ پورے عزم وہمت اور صبر واستقلال کے ساتھ ابو سفیان کا آئندہ سال جنگ کا چیلنج قبول کیا اور میدان جنگ سے قریش کے لشکر کے بعد واپس روانہ ہوئے۔ لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان تو بہت زیادہ ہوا مگر اسے شکست نہیں کہہ سکتے۔ اور نا ہی یہ کفار کی فتح قرار دی جا سکتی ہے۔

غزوہ احزاب یا خندق شوال 5ھ مارچ 627ء

غزوہ خندق کی وجوہات :

1- غزوہ احد کے بعد مسلمانوں نے از سر نو اپنے آپ کو منظم اور فوجی لحاظ سے مضبوط کر لیا تھا۔ بنو نضیر کے یہود بے وطن ہونے سے یہود کی شرارتوں اور سازشوں سے بھی نجات حاصل ہو چکی تھی اور اس طرح اب مدینہ کے اندر مسلمانوں کی مرکزی قوت و شوکت مستحکم ہو گئی تھی۔ اب قریش مسلمانوں کے استیصال میں ناکام ہو گئے تھے۔ اور ان کا عزم و استقلال متزلزل ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہیبت و سطوت مدینہ کے باہر ایک موثر کردار ادا کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی اور اب قریش تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس طرح دوسرے قبائل بھی مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات نہیں رکھتے تھے۔ اب قریش جن کے ساتھ احابیش بنو کنانہ اور اہل تہامہ کے علاوہ دوسرے قبائل اور یہود متحدہ اور متفقہ طور پر میدان میں آکر مسلمانوں کے استیصال کا خواب شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے باہمی اشتراک و اتحاد کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ آخر بنو نضیر کے یہودیوں کے سیاسی جوڑ توڑ اور سازشوں سے قریش، بنو غطفان، بنو سلیم یہود اور دیگر قبائل کا متحدہ محاذ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ تاکہ اس دین جدید اور نئے نظام حیات کا خاتمہ کر دیا جائے تمام متحدہ دشمن کی طاقت قریباً بیس ہزار تھی۔ جن میں قریش، بنو غطفان، بنو سلیم، بنو اسد، بنو فزارہ اور بنو اشجع کے قبائل کے علاوہ خیبر کے یہود بھی شامل تھے۔ قریش کے لشکر کا سپہ سالار ابو سفیان، غطفان کے سپہ سالار عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف بنو اشجع کا سپہ سالار سعد بن رخیلہ تھا۔

2- مسلمانوں کا مقصد صرف اپنا دفاع، دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی امن و سلامتی اور اسلامی معاشرے کا قیام تھا۔ مشرکین اور یہود کا مقصد مسلمانوں کا مکمل استیصال ان کا مال و اسباب لوٹنا ان کے دین کی دعوت کو روکنا، اپنے فرسودہ مذہب اور نظام زندگی کو قائم رکھنا تھا۔ الغرض یہ دو نظام ہائے زندگی کے درمیان بقاء کی جنگ تھی۔ غزوہ خندق شوال 5ھ میں شروع ہوا اور مدینہ کے گرد پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔

3- بنو نضیر کے چند یہودی سردار" جن کو مدینہ سے بے دخل اور جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ قریش مکہ کے پاس آئے ان میں سلام بن ابی حقیق، حی بن اخطب، کنانہ بن ربیع، ہوذہ بن قیس وائلی اور ابو عمارہ وائلی وغیرہ شامل تھے اور رسول اللہ کے خلاف جنگ پر ابھارا اور یقین دلایا کہ ہم ان کے مقابلہ پر آخری دم تک تمہارا ساتھ دیں گے۔ دیگر قبائل عرب کو بھی تیار کریں گے۔ اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

جنگ خندق کے واقعات :

قریش مکہ دیگر قبائل عرب اور یہود کا لشکر جرار جو مختلف روایات کے مطابق بیس ہزار تا تیس ہزار جنگجو سپاہ پر

مشتمل تھا ابو سفیان بن حرب کی سپہ سالاری میں مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ ہوا۔

مدینہ میں کفار کے لشکر کی تیاری کی خبر سُن کر مسلمان بہت پریشان اور خوفزدہ تھے۔ کہ یہ لشکر جرار کہیں انہیں صفحہ ہستی سے نہ مٹا دے کیونکہ بے شک اتنا بڑا لشکر عرب کی تاریخ میں کبھی کسی ایک جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس ٹڈی دل لشکر کا دفاع مدینہ کے اندر رہ کر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں احد کا واقعہ یاد تھا۔ حالانکہ اس وقت قریش کے پاس اتنی فوج نہ تھی۔ وہ پریشان تھے کہ اتنے بڑے لشکر کے سامنے وہ کس طرح ثابت قدم رہ کر مقابلہ کر سکیں گے۔ جو تعداد' اسلحہ سواری اور رسد کی اس قدر قوت رکھتا ہے۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کا اجلاس بلا کر مشورہ کیا اور تمام صورت حال جو عسکری استخبارات کے ذریعے آپؐ کو معلوم ہوئی تھیں۔ بیان کی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے اور مدینہ کے گرد شمال کی جانب ایک خندق کھود دی جائے۔ خندق کھودنے کا مشورہ اور تجویز حضورؐ کی اپنی اختراع تھی اور یہ نیا اسلوب جنگ کسی دوسرے صحابی کی تجویز نہ تھی۔ جو عام طور پر مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلمان فارسی کی تجویز تھی۔ بہر حال خندق کھودی گئی۔ خندق کھودنے کا سامان بنو قریظہ سے حاصل کیا گیا۔ جو ابھی تک اپنے عہد و پیمان پر میثاق مدینہ کے مطابق قائم تھے اور مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ خندق چھ روز میں مکمل ہوئی خندق کے اندرونی کنارے پر پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جمع کر لئے گئے۔ جو بوقت ضرورت دشمن پر برسائے گئے۔ فریقین کے درمیان خندق حائل تھی۔ اسے عبور کرنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ شدید سردی کا موسم تھا۔ اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس لئے سردی کی وجہ سے ہر شخص کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ مشرکین تو اس خیال سے آئے تھے کہ احد کی طرح ایک ہی دن میں میدان مار لیں گے۔ اور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے اور مسلمانوں کو تاخت و تاراج کر کے ان کا مال و اسباب بطور مال غنیمت ساتھ لے کر گھروں کو واپس جائیں گے۔ بنو نفیر کے یہودیوں نے غطفان سے وعدہ کر رکھا تھا۔ کہ یثرب فتح ہونے کے بعد ان کو یثرب و خیبر کے باغات کے پھلوں کی پوری فصل دے دی جائے گی۔

آنحضرت کو حضرت عباسؓ کے خفیہ خط کے ذریعے اطلاع مل گئی تھی کہ قریش کا لشکر جرار ابو سفیان بن حرب کی زیر قیادت مکہ سے روانہ ہو چکا ہے۔ اس خط میں دشمن کی تعداد' سامان حرب و ضرب اور دیگر تمام معلومات شامل تھیں۔ ادھر دیگر قبائل اور یہود خیبر بھی اپنے اپنے لشکروں کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ قبیلہ بنو سلیم کا سردار ابو سفیان بن عبدالشمس تھا۔ بنو اسد کا سردار طلحہ بن خویلد قبیلہ فزارہ کا سردار عینیہ بن حصن قبیلہ اشجع کا سردار الحارث بن عوف تھا یہود کے سردار حی بن اخطب وغیرہ تھے۔

حضورؐ نے آٹھ ذیقعد 5ھ کو تین ہزار صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کھودنی شروع کی جو ساڑھے تین میل لمبی پندرہ فٹ چوڑی اور پندرہ فٹ گہری تھی۔ جو قریش کی آمد کے ایک دن قبل چھ دن میں مکمل ہو گئی تھی۔

حضورؐ نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں پہنچا دیا اور خود جنگ کے لئے روانہ ہو گئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارث بتبنیٰ رسول اللہؐ اٹھائے ہوئے تھے۔ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ بنو قریظہ

سے خطرہ کے پیش نظر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے مسلمہ بن اسلم کو دو سو آدمیوں اور زید بن حارث کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ باری باری بھیجتے رہتے تھے۔ عباد بن بشر دوسرے انصار کے ساتھ رسول اللہؐ کے خیمہ کی حفاظت کیا کرتے اور تمام رات پہرہ دیا کرتے تھے۔

حضورؐ نے خندق کو مدینہ کے شمال میں بنو اشہل کے قلعہ سے شروع کر کے مغرب کا رُخ دیا۔ حتیٰ کہ وہ وادی قناۃ کے مغربی کنارے تک پہنچ گئی۔ پھر اسے جنوب کا رُخ دے کر اور وادی قناۃ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ لا کر شہر کے باب الغربیہ کو خندق سے باہر یعنی مغرب کی جانب چھوڑتے ہوئے وادی بطحان تک لے جایا گیا۔ یہاں گھنے باغات تھے۔ یوں یہ دفاعی رکاوٹ پورے شہر کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی گہری اور اتنی چوڑی خندق کی مٹی کا دمدمہ پہاڑ کی مانند دور سے سلسلہ کوہ کا نقشہ پیش کرتا تھا۔

غزوہ احزاب کے دوران خندق' باغات اور مکانات کے مربوط استعمال سے جو دفاعی نظام حضورؐ اقدس نے وجود میں لایا تھا۔ وہ دور جدید کے ماہرین فن حرب کے لئے بھی سبق آموز ہے۔

غزوہ احزاب میں قریش اپنی چار ہزار کی قبائل کی نفری کے علاوہ دس ہزار حابشی (حبشی) بھی ساتھ لائے تھے۔ بنو غطفان چھ ہزار کا لشکر لائے تھے اور دیگر قبائل کے علاوہ یہود خیبر بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ غزوہ خندق میں دشمن کی کل تعداد 28800 تھی۔ علامہ شبلی نعمانی سیرت النبیؐ میں لشکر کفار کی کل تعداد چوبیس ہزار لکھتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد "رسول رحمتؐ" میں حملہ آوروں کی تعداد چوبیس ہزار لکھتے ہیں۔

کفار نے پندرہ روز تک خندق کے باہر لشکر اسلام کا محاصرہ جاری رکھا۔ یہ جنگ انتہائی صبر آزما اور اعصاب شکن تھی۔ شدید سردی کا موسم' خوراک کی قلت اور طویل محاصرہ نے مسلمان مجاہدین کو انتہائی مشکل حالات سے دوچار کر رکھا تھا۔ اس طرز جنگ کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ یہ نفسیاتی جنگ تھی۔ تیس ہزار کے قریب افواج مختلف معسکروں میں قیام کر رہی تھیں۔ اور محصور فوج پر شب و روز ایسا شدید نفسیاتی دباؤ ڈال رہی تھی۔ کہ برداشت سے باہر تھا۔ قرآن حکیم نے بھی اس ذہنی کشکش کے لئے دلوں کو ہلا دینے کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

مسلمان سپاہیوں کا سب سے بڑا اثاثہ ان کا اللہ پر ایمان اور اپنے نصب العین کے حصول کا جذبہ تھا۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ان کے دل انتہائی مصائب و مشکلات کی وجہ سے لرز رہے تھے۔ مگر وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کامیاب رہے خندق کے ذریعہ دفاع کرنے والی فوج کے افراد کے اعصاب پر بوجھ پڑ رہا تھا۔ اس کو برداشت کرنے کے لئے ان کے پاس ایمان و ایقان ہی کا سہارا تھا اور اس سہارے کی موجودگی نے انہیں اس امتحان میں سرخرو اور کامیاب رکھا۔

ان انتہائی سنگین حالات میں، بنو غطفان قبیلے کا ایک نو مسلم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس کے اسلام لانے کا علم ابھی کسی کو نہیں معلوم' اس لئے اگر کوئی ایسا خفیہ کام ہو جو وہ انجام دے سکے تو وہ بسر و چشم ادا کرنے کے لئے حاضر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ چونکہ اب تک صرف وہی اپنے قبیلے میں سے اسلام لایا تھا۔ اس لئے وہ اس طرح کا خفیہ کام سرانجام دینے کے لئے موزوں ثابت ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے اس کو مشورہ دیا۔ کہ وہ دشمن کے مختلف فریقوں کے درمیان ایک دوسرے سے اعتماد

اٹھانے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نعیم بن مسعود کے تدبر و بصیرت اور سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے بنو قریظہ قریش اور قبائل غطفان کے درمیان بد اعتماد اور شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور ان کا متحدہ محاذ ختم ہو گیا اور ایک حیران کن فوری انقلاب کے طور پر مسلمان مفتوح ہوتے ہوئے فاتح بن گئے۔

شوال 5ھ کی "سبت" کی رات کو ابو سفیان اور غطفان کے سرداروں نے عکرمہ بن ابو جہل کی قیادت میں ایک وفد بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ عکرمہ کے ساتھیوں نے بے خوفی یا بے احتیاطی سے وہاں جا کر یہ کہہ دیا کہ ہم لوگ مستقل معسکر میں نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف میں ہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ فیصلہ کن لڑائی جلد از جلد کی جائے اور محمدؐ کا خاتمہ کیا جائے۔ لیکن یہود نے جواب دیا کہ "کل تو ہمارا یوم "سبت" ہے اور سبت کے دن ہم کوئی کام کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں" علاوہ ازیں قریش سے مطالبہ کیا کہ اپنے سرداروں میں سے چند آدمی بطور یرغمال ہمارے سپرد کرو جو بطور ضمانت رہیں تاکہ تم جنگ جاری رکھو۔ محمدؐ کے خاتمے تک ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ کیونکہ اگر تم لوگ واپس چلے جاؤ گے تو ہم اکیلے محمدؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اس طرح نعیم بن مسعود کی حکمت عملی کامیاب رہی اور بنو قریظہ اور حملہ آور لشکر کے درمیان تعلقات ختم ہو گئے۔

جب آنحضرتؐ نے یہ خبر سنی تو حضرت حذیفہ بن الیمان کو دشمن کے معسکر میں بھیجا اور کہا کہ وہاں کی خبر لے آئے اس نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا تھا۔ حذیفہ قریش کے معسکر میں گیا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے واپس آکر بیان کیا کہ ابو سفیان نے رازدارانہ طریقہ پر کہا "اے قریش! دیکھ لو کہ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے" میں نے جھٹ اپنے قریب والے سے کہا "تم کون ہو"؟ اس نے اپنا نام بتایا مگر اس نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا اب ابو سفیان نے اپنا بیان جاری رکھا۔ اور کہا "اے اہل قریش! ہم مستقل معسکر میں نہیں۔ ہمارے گھوڑے اور اونٹ مرتے جا رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ تم لوگ خود بھی آج اس آندھی کی رفتار دیکھ رہے ہو۔ ہم نہ تو آگ جلا سکتے ہیں۔ نہ ہمارے برتن آگ پر ٹھہر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی ہمارے خیمے کھڑے رہ سکتے ہیں۔ جاؤ چلے جاؤ میں بھی جا رہا ہوں" حضرت حذیفہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام حالات بیان کئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

جب بنو غطفان نے سنا کہ قریش چلے گئے ہیں انہوں نے بھی اپنا معسکر توڑ ڈالا اور اسی رات اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

خدا نے مسلمانوں کو استقامت عطا کی اور وہ تقریباً پندرہ روز محاصرہ میں رہے اور فریقین کے درمیان تیر اندازی کے سوا کوئی اور جنگی کاروائی نہیں ہوئی۔ غزوہ خندق میں مسلمانوں کے چھ مجاہد شہید ہوئے۔ تین قبیلے اوس سے تھے اور تین قبیلہ خزرج سے تھے۔ قصد بن معاذہ انس بن انس اور عبداللہ بن سہیل اوس سے، طفیل بن نعمان، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید خزرج کے تھے۔

حضورؐ نے حضرت عثمان بن عفان کو بلا کر ابو سفیان اور معززین قریش کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں مطلع کر دیں۔ کہ آنحضرتؐ محض زیارت اور عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت عثمانؓ چونکہ بنو امیہ سے تھے اور

ان کا قبیلہ مکہ میں سب سے طاقت ور تھا۔ حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے اور آبان بن سعید بن عاص کے پاس قیام کیا اور اس نے آپ کو پناہ دی۔ آپ ابو سفیان اور دیگر سرداران قریش سے ملے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کریں مگر آپ نے جواب دیا کہ جب تک آنحضرتؐ طواف نہیں کریں گے۔ میں بھی نہیں کروں گا۔ قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا مگر آنحضرتؐ کے پاس افواہ پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ اگر عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ تو ہم اس قوم سے بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ یعنی اب ہم ان سے ضرور جنگ کریں گے۔

بیعت رضوان :

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو بیعت کے لئے بلایا یہ بیعت 'بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک درخت کے نیچے لی گئی۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیعت کے لئے بلائیں۔ تمام صحابہ نے اس بات پر حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ کہ ہم فتح پائیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ تمام صحابہؓ کی بیعت رضوان "موت پر بیعت تھی۔ اور تمام موجود مسلمانوں نے یہ بیعت کی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے بیعت کی۔ اپنا دایاں دست مبارک بائیں دست مبارک پر رکھ کر فرمایا۔ اے میرے خدا! یہ بیعت عثمانؓ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ وہ تیرے رسولؐ کے کام میں مشغول ہیں" بیعت رضوان کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور مصالحت پر آمادہ ہو گئے قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کی خدمت میں معاہدہ صلح کے لئے روانہ کیا۔ طویل گفتگو اور بحث و تمحیث کے بعد مندرجہ ذیل شرائط پر صلح حدیبیہ طے پا گئی۔

1- اس سال مسلمان بغیر عمرہ اور زیارت کعبۃ اللہ واپس مدینہ چلے جائیں۔

2- آئندہ سال مسلمان مکہ میں داخل ہو کر اور تین دن قیام کریں گے اور عمرہ زیارت اور قربانی کریں گے۔

3- یہ معاہدہ صلح دس سال کے لئے ہوگا۔ اس عرصہ میں فریقین ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے کا بچاؤ کریں گے۔

4- اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ حضرت رسول اللہؐ کے پاس چلا جائے گا تو آپؐ اسے واپس کر دیں گے اور اگر حضورؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس مکہ پہنچ جائے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے۔

5- ہمارے سینوں میں کچھ راز مخفی رہیں گے۔ نیز فریقین میں کسی قسم کی خیانت 'دھوکہ دہی اور سرقہ نہ ہوگا۔

6- جو شخص محمدؐ اور اس کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے۔ وہ اس میں داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے وہ بھی ہو سکے گا۔ اس کے بعد خزاعہ اٹھے اور انہوں نے محمد الرسول اللہؐ کے معاہدہ میں شامل ہونے کا اعلان کیا اور بعد میں بو بکر نے قریش کے معاہدہ میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔

7- آئندہ سال مسلمان بغیر جنگی ہتھیاروں کے یعنی صرف تلواریں نیاموں میں رکھے مکہ میں داخل ہو سکیں گے اور قریش مکہ کو تین دن میں خالی کر کے باہر چلے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ اپنی سخت طبیعت اور جوش و جذبہ حق و صداقت کی بنا پر از حد مشتعل تھے۔ حضرت عمرؓ پہلے حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر ان سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔ کہ اے ابو بکرؓ کیا رسول اللہ اللہ کے رسول برحق نہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں؟ کیا یہ قریش مشرک نہیں؟ حضرت ابو بکرؓ نے تمام سوالوں کا جواب اثبات میں دیا اور فرمایا کہ رسول اللہؐ کی رکاب تھامے رہو یعنی اتباع کرتے رہو۔ پھر حضرت عمرؓ رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوئے اور یہی سوالات وہاں دہرائے آپؐ نے بھی اثبات میں جواب دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر آپؐ قریش سے ایسی شرائط پر صلح کیوں کرتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف ان کی کمزوری اور پستی کو ظاہر کرتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "میں اللہ کا رسولؐ اور اس کا بندہ ہوں۔ اس کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا۔ وہ ہرگز مجھے برباد نہیں کرے گا۔

اس معاہدہ کا اصل نسخہ سہیل بن عمرو کے پاس رہا۔ کیونکہ وہ اصرار کرتا تھا کہ معاہدہ کی دستاویز میرے پاس رہے گی۔ اس معاہدہ کا دوسرا نسخہ محمد بن مسلمہ نے لکھا تھا۔ جو آنحضرتؐ کے پاس رہا۔ اس معاہدہ پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاصؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ اور محمد بنؓ مسلمہ وغیرہ نے گواہی ثبت کی اور قریش کی طرف سے حویطبؓ اور مکرز وغیرہ نے گواہی ثبت کی۔

8- مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "اسلام کے غلبہ کے لئے کوئی چیز بھی اتنی فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی جتنی صلح حدیبیہ ثابت ہوئی" اور اللہ نے اس کو فتح عظیم قرار دیا۔

عروہ بن مسعود ثقفی صحابہ کی والہانہ عقیدت اور شدت احترام سے سخت متاثر ہو کر قریش سے کہنے لگا۔ "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی مقبولیت اور عزت اس کی قوم میں ایسی نہیں دیکھی جو عزت محمدؐ کی ان اصحاب کے دلوں میں ہے۔ جب بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ جب کوئی حکم کرتے ہیں تو تعمیل کے لئے ایک آدمی دوسرے پر سبقت حاصل کرنا چاہتا ہے"

معاہدہ حدیبیہ ذیقعد 6ھ فروری 628ء:- سبب

حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ جہاں وہ کنواں واقع ہے۔ یہ کنواں ایک متوسط درجہ کا گاؤں ہے۔ اس کے اور مکہ کے درمیان ایک منزل کا فاصلہ ہے اور اس کے اور مدینہ کے درمیان نو منزلوں کا فاصلہ ہے حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں شمار ہوتا ہے۔

سفر حدیبیہ کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ کو چھ سال گزر چکے تھے۔ اس طویل عرصہ میں نہ آپ مکہ جا سکے اور نہ ہی عمرہ اور حج ادا فرمایا۔ اس لئے آپ کو حرم کی حاضری کا شوق پیدا ہوا۔ اس لئے اس سال ماہ ذیقعدہ 6ھ فروری 628ء میں عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے اور آپ نے اعلان فرمادیا کہ جو لوگ عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تیار ہو جائیں۔ آپ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں قریش آپؐ سے جنگ نہ چھیڑ دیں یا بیت اللہ کی زیارت سے نہ روکیں۔ بہر حال آپ مہاجرین انصار اور دیگر عرب قبائل کے خواہشمند صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد چودہ سو تھی۔ مکہ کی طرف روانہ ہو پڑے اور اپنے 70 کے قریب قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے لئے۔

مقام ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز ادا کر کے عمرہ کا احرام باندھا۔ تاکہ لوگ آپ کی جنگ کی نیت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور ان کو یقین ہو جائے۔ کہ آپ صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ اس سفر میں آپ کی زوجہ محترمہ ام سلمہ آپ کے ہمسفر تھیں۔ آپ نے ابن ام مکتوم کو نمازوں کے اہتمام کا حاکم اور حضرت ابورہم کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضورؐ اپنی اونٹنی قصوا پر سوار تھے۔ مسلمان صرف حفاظتی ہتھیار یعنی تلواریں نیام میں لئے ہوئے تھے اور کوئی دیگر جنگی ہتھیار ساتھ نہ تھے۔ جب آپ عفان کے مقام پر پہنچے۔ تو بشری بن سفیان آپ سے آکر ملے۔ اور عرض کیا کہ قریش آپ کی آمد کی خبر سن کر اپنا لشکر لے کر کعب بن لوی اور عامر بن لوی کے ساتھ وادی ذی طویٰ میں خیمہ زن ہو گئے ہیں اور انہوں نے حلف اٹھایا ہے۔ کہ آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے۔ اور خالد بن ولیدؓ اپنے سوار دستے کو لے کر کراع الغیم کے مقام تک پہنچے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا "قریش پر افسوس ہے جنگی جنون نے ان کو بے عقل بنا دیا ہے۔ ان کا حرج کیا تھا۔ اگر وہ مجھے اور دوسرے عربوں کو آزاد چھوڑ دیں۔ اگر وہ مجھے ہلاک کر دیں تو ان کی منشاء پوری ہو جائے گی اور اگر خدا نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ تو وہ اسلام میں داخل ہو جائیں" پھر آپؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو ہمیں اس راستہ کے علاوہ جس پر کفار ہیں۔ کسی دوسرے راستے سے لے چلیں۔ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں لے چلتا ہوں۔ پس وہ آپ کو ایک ویران راستے سے لے چلا۔ آدمی کا نام حمزہ بن عمرو اسلمی تھا۔ چنانچہ مسلمان دشوار گزار راستہ سے ہوتا ہوا وادی کے اختتام پر ہموار راستے پر پہنچ گئے۔ اور وہاں سے چل کر حدیبیہ کے کنوئیں پر آکر قیام فرمایا۔ جب وہاں اطمینان سے بیٹھ گئے۔ تو آپؐ کے پاس بذیل بن ورقہ خزاعیؓ اپنے قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو ہمراہ لا کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپؐ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا۔ بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کی نیت سے آیا ہوں۔

7ھ 629ء کے واقعات :

خیبر اور غزوہ خیبر کے متعلق غلط فہمی :

خیبر کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کا ایک ہی دروازہ تھا اور قوم یہود اس قلعہ کے اندر رہتی تھی۔ ان کا سردار مرحب نامی بڑا جنگجو اور رستم خیبر تھا۔ آنحضرتؐ نے خیبر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ کئی روز جنگ جاری رہی۔ قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ آخر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اس پر حملہ کا حکم دیا۔ تو آپ خیبر کے دروازے کو اکھاڑ کر اس کے اندر داخل ہو گئے۔ یہود کا قتل عام کیا۔ مرحب کو میدان مقابلہ میں قتل کر دیا۔ اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح حضرت علیؓ فاتح خیبر قرار پائے۔

یہ افسانہ اسلام دشمن لوگوں کی اختراع ہے جس میں کوئی صداقت نہیں۔ یہ محض آنحضرتؐ اور شیر دل مجاہدین اسلام کے عظیم کارناموں کی اہمیت و عظمت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش ہے۔ حالانکہ فتح خیبر آنحضرتؐ اور سولہ سو صحابہ کرام کا تاریخی کارنامہ ہے۔ جو دو ماہ کی طویل جنگ کے بعد ان کی بے مثال عسکری حکمت عملی' عزم و ہمت' بے پناہ شجاعت و بہادری اور ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا۔ جس میں اکیانوے (91) یہودی مارے گئے اور سترہ مسلمان شہید ہوئے۔

تاریخ اسلام کے بلند پایا مورخین ابن اسحٰق' ابن ہشام' علامہ ابن جریر طبری' ابن سعد' علامہ ابن خلدون علامہ ابن کثیر اور ممتاز متاخرین کے مطابق غزوہ خیبر کے حقائق و واقعات حسب ذیل ہیں۔

خیبر مدینہ کے شمال میں جانب شام تقریباً 90 میل کے فاصلے پر قوم یہود کی ایک بہت بڑی آبادی وادی خیبر تھی جو نہایت زرخیز نخلستان تھا اور عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خیبر کی یہ آبادی بہت سے قلعوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ لوگ ان قلعوں میں اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ جو ان کے ملکیتی کھجور کے باغات اور گندم کے کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے تھے۔ یہاں کے باشندے کسی ایک جگہ اجتماعی طور پر آباد نہیں تھے۔ بلکہ اپنے اپنے قلعوں میں آباد تھے۔ خیبر ایک وسیع ریگستانی شاداب علاقہ ہے کیونکہ یہاں پانی بکثرت دستیاب ہے۔ اور زمین زرخیز ہے وہاں کھجور کے بے شمار باغات تھے۔ اور زراعت خاص طور پر گیہوں اور جو وغیرہ کی کاشت ہوتی تھی' خیبر نجد و حجاز کے شہروں مکہ' یثرب اور طائف کی طرح ایک مشہور اور مالدار بستی تھی۔ یہاں کے لوگوں کا پیشہ تجارت' سود خوری اور زراعت تھا۔ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگجو مگر دیگر یہود کی طرح مکار اور بد عہد تھے۔ یہود خیبر کے دس ہزار جنگجو سپاہی ان قلعوں میں اپنے شہر کے دفاع کے لئے ہر قسم کے مروجہ اسلحہ سے لیس تیار کھڑے تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ غطفان کے چھ ہزار جنگجو سپاہی عینیہ بن حص فزاری کے زیر قیادت ان کی امداد کے لئے تیار تھے۔

خیبر دس قلعوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ جن میں دس ہزار جنگی سپاہی موجود تھے۔ پھر یہ قلعے تین حلقوں میں واقع تھے۔

(الف) حلقہ نطاۃ: اس میں چار قلعے تھے۔ ناعم' نطاۃ' صعب ابن معاذ قلعہ الذبیر۔

(ب) اس میں تین قلعے تھے۔ حصن شق' حصن البر' حصن ابی۔

(ج) حلقہ کتیبہ۔ اس میں بھی تین قلعے تھے۔ القموص' وطیع' سلالم

''حیات محمدؐ صفحہ 484 مصنف۔ محمد حسین ہیکل۔

نامور محقق و مصنف بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے غزوات رسول اللہ حصہ پنجم۔ فتح خیبر کے صفحات 218، 219 پر وادی خیبر کے قلعوں کی حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے۔ جن کی تعداد سترہ ہے جس کی فہرست حسب ذیل ہے۔

1- حصن الناعم۔ ابن ہشام، طبری، واقدی

2- حصن القموص۔ ابن اسحاق، طبری، محمد احمد باشمیل

3- حصن الوطیح۔ ابن ہشام، طبری

4- حصن السلالم۔ ابن ہشام، طبری۔

5- حصن الصعب۔ واقدی، حمید اللہ خان۔

6- حصن الطاة۔ مقریزی، واقدی۔

7- حصن الزبیر۔ محمد احمد باشمیل، واقدی۔

8- حصن الشق۔ مقریزی، واقدی، ابن ہشام

9- حصن ابی۔ باسلام، واقدی۔

10- حصن المنازل۔ باسلام

11- حصن النیتم۔ واقدی، ابن اسحاق

12- حصن السمران یا سموان۔ واقدی

13- حصن النظار۔ واقدی حمید اللہ خان۔

14- حصن الکتیبہ۔ واقدی۔

15- حصن القصلوہ۔ ابو الکلام آزاد۔

16- حصن المریطہ۔ ابو الکلام آزاد۔

17- حصن ابو جوہ۔ محمد حمید اللہ خان۔

خیبر کی یہ زرخیز وادی یہودیوں کے قبضے میں تھی۔ اور وہ اس کی زرعی پیداوار تجارت اور سود خوری کی وجہ سے بڑی عیش و آرام کی زندگی گزارتے تھے۔ اور اپنی ہر بستی، گاؤں اور قلعوں کو پتھروں سے تعمیر کیا ہوا تھا۔ تاکہ وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہ سکیں۔

خیبر قلعے کو کہتے ہیں اس لئے خیبر کا نام ان تمام قلعوں اور وادی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مدینہ سے خیبر کا فاصلہ اسی اور نوے میل کے درمیان بیان کیا گیا ہے۔ خیبر کی وادی مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر قلعے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جن کا ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔

مختلف مورخین نے وادی خیبر کے قلعوں کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی چھ قلعے بتاتے ہیں۔ اور لشکر یہود کی تعداد بیس ہزار لکھتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے آٹھ قلعے بیان کئے ہیں۔ محمد حسین ہیکل نے قلعوں کی تعداد دس اور شاہ بلیغ الدین نے سات بتائی ہے۔ فن حرب کے ماہر بریگیڈیئر گلزار احمد کی تحقیق کے مطابق یہ تعداد سترہ ہے۔ بلکہ زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ خیبر کے مرکزی قلعے تین تھے۔ جن میں سے ہر ایک کے تحت ذیلی قلعے تھے۔

جنگ خیبر کی وجوہات :

1- بنو قریظہ کے ساتھ جب حیّ بن اخطب جو یہود خیبر کا سردار تھا۔ آنحضرتؐ کے حکم پر مدینہ میں قتل کر دیا گیا۔ تو یہودیوں نے ابو رافع بن سلام بن ابی حقیق کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ ابو رافع نے قبیلہ بنو غطفان اور ارد گرد کے دیگر قبائل کو مملکت مدینہ کے خلاف آمادہ کر لیا۔ آنحضرتؐ کو اس کی تیاری کا علم ہوا تو آپ کے ارشاد پر عبداللہ بن عتیک نے خیبر جا کر ابو رافع بن سلام کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے ابو رافع کی جگہ اسیر بن رزام کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ جب وہ بھی قبیلہ بنو غطفان وغیرہ کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا تو حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ چند صحابہ کو خیبر بھیج کر اس کو بھی قتل کرا دیا۔

اب یہودیوں نے کنانہ بن ربیع کو اپنا سردار منتخب کر لیا اس نے بھی بنو غطفان سے معاہدہ کر کے کہ وہ بنو غطفان کو خیبر کی سالانہ فصل کا نصف حصہ ادا کرے گا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب یہود خیبر کا دس ہزار جنگجو سپاہیوں کا مسلح لشکر اور بنو غطفان کے چھ ہزار جنگجو یعنی سولہ ہزار کا لشکر جرار مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ آنحضرتؐ کا شعبہ استخبار یعنی خفیہ معلومات حاصل کرنے والا محکمہ آپ کو ان کی تیاریوں اور منصوبہ بندی کی پوری پوری اطلاعات بہم پہنچا رہا تھا اور حضورؐ ان کی تمام شرارتوں، سازشوں اور تیاریوں سے پوری طرح واقف تھے۔ لہذا آپؐ نے قبل اس کے کہ وہ مدینہ پر احزاب کی طرح حملہ کریں خود ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

2- یہود خیبر تمام عرب میں اپنی قوم میں سب سے زیادہ مالدار طاقتور اور فنون جنگ کے ماہر تھے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی سب سے زیادہ تھا۔ وہ بڑے منظم، سازشی اور مکار تھے۔ لہذا وہ مسلمانوں کے لئے مستقل خطرہ تھے اور ان کا استیصال کئے بغیر اسلام تمام عرب پر غالب نہیں آسکتا تھا اور نا ہی اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے پر امن حالات پیدا ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اس سے قبل وہ مملکت مدینہ کے خلاف سیاسی و عسکری مہمات میں سرگرم حصہ لے چکے تھے۔ مکہ جا کر قریش کو اشتعال دلایا۔ غزوہ خندق کے موقع پر حی بن اخطب نے بنو قریظہ کو غداری پر آمادہ کیا اور کعب بن اسد کو کہا کہ میں تمہارے لئے پورے عرب کو جمع کر کے لے آیا ہوں اور اسی طرح دیگر جارحانہ کاروائیوں کا ارتکاب کرتے رہے لہذا ان کی فطرت اور اسلام دشمنی کے شدید جذبات کی وجہ سے ان کے مکمل خاتمہ کے بغیر مسلمان امن و سلامتی سے تبلیغ واشاعت کا پروگرام جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ جس مقصد عظیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا تھا۔

لہذا آنحضرتؐ کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح خیبر کی خوشخبری سنا دی ہے اور وادی خیبر کا زرخیز علاقہ اب مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے۔

اسی طرح سورۃ فتح کی بشارت کی وجہ سے ہر مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین تھا اور غزوہ خیبر میں سولہ سو مجاہدین کا سولہ ہزار یہود و مشرکین پر غالب آجانا اسی قوت ایمانی' جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا نتیجہ تھا۔

حدیبیہ سے واپسی کے ایک ماہ بعد خیبر پر لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا گیا اور زیادہ تر وہ مجاہدین ساتھ تھے جو حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شامل تھے اور اعلان فرمایا کہ صرف وہ ہی لوگ اسی غزوہ میں شامل ہوں جو صرف جذبہ جہاد سے سرشار ہوں مال غنیمت کا لالچ نہ ہو۔ مجاہدین کی تعداد سولہ سو تھی۔ جن میں دو سو گھڑ سوار بھی تھے۔ آپ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ آپ کی ہم سفر تھیں۔ حدیبیہ میں بھی آپ ہی حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ اس غزوہ میں اور خواتین بھی مجاہدین کی طبی امداد' پانی پلانے اور تیر اکٹھے کرنے وغیرہ کی خدمات کے لئے ہمراہ تھیں۔ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ بھی ان مجاہدہ مستورات میں شامل تھیں۔ آپؐ نے مدینہ پر حضرت سباعؓ بن عرفطہ غفاری کو اپنا جانشین نائب مقرر فرمایا۔

آنحضرتؐ کی زیر قیادت مجاہدین اسلام کا لشکر جرار محرم 7ھ میں مدینہ سے خیبر کی طرف روانہ ہوا۔ مجاہدین اسلام مدینہ سے چل کر تیسرے روز نماز مغرب کے بعد خیبر میں پہنچے اور الرجیع کے مقام پر معسکر قائم کیا جو خیبر اور بنو غطفان کے علاقے کے درمیان تھا۔ مقصد یہ تھا۔ کہ آپؐ غطفان اور خیبر کے درمیان حائل ہو جائیں تاکہ غطفان جو یہود خیبر کے حلیف تھے ان کی امداد نہ کر سکیں۔ بنو غطفان کے علاوہ یہود خیبر نے وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں کے ساتھ بھی مسلمانوں کے خلاف امداد کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر بجلی کی طرح تمام عرب میں پھیل گئی اور تمام عرب قبائل خصوصاً قریش مکہ بڑی دلچسپی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے اور مختلف قسم کے اندازے لگا رہے تھے۔ بہر حال ان کو یقین تھا کہ خیبر کے یہود اپنی بہادری' اسلحہ کی فراہمی' قلعوں کی مضبوطی اور دس ہزار جنگجو سپاہیوں کے علاوہ بنو غطفان اور وادی القریٰ اور تیمار کے یہودیوں کی امداد سے مسلمانوں کے حملہ کو ناکام بنا دیں گے۔

آنحضرتؐ کی جنگی حکمت عملی' تدبیرات اور تزویرات کی وجہ سے یہود خیبر اور بنو غطفان متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ آسکے۔ الرجیع کے مقام پر لشکر کے قیام کی وجہ سے جو یہود اور غطفان کے درمیان واقع تھا۔ بنو غطفان اپنے گھروں کو چھوڑ کر یہود خیبر کی امداد کو نہ جا سکے۔ انہیں خطرہ تھا کہ ان جنگجو افراد کے چلے جانے کے بعد ان کی عورتیں' بچے اور ریوڑ وغیرہ پر مسلمان حملہ کر کے قبضہ کر لیں گے۔ الرجیع سے بنو غطفان اور خیبر کی وادی قریباً ایک ہی مسافت پر تھے۔

پہلے روز مجاہدین اسلام نے قلعے ناعم کا محاصرہ کر لیا اور یہود اور مجاہدین کے درمیان معرکہ جنگ و قتال بڑی شدت کے ساتھ تمام دن جاری رہا۔ جس میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے اور یہود کے بہت سے سپاہی اور ان کا سپہ سالار سلام بن مشکم مارا گیا۔ اس کے بعد لشکر یہود کی قیادت حارث بن ابو زینب کو تفویض ہوئی۔ مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا اور محصورین بھی قلعہ سے باہر نکل کر پوری جانفشانی کے ساتھ مدافعت کرتے رہے یہود کو یقین تھا۔ کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی یہ شکست جزیرہ نمائے عرب سے ہمیشہ کے لئے ان کا استیصال کر دے گی۔ آخر مجاہدین کی

بہادری سے یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ مگر اس لڑائی کے دوران میں محمود بن مسلمہ جو اپنے دستہ کا سپہ سالار تھا۔ اس وقت شدید زخمی ہو گیا۔ جب وہ قلعہ کی دیوار کے پاس کھڑا تھا اور اوپر سے کسی یہودی نے اس پر چکی کا پاٹ ایک بھاری پتھر گرا دیا۔ حضرت محمود بن مسلمہ کو زخمی حالت میں الرجیع کے معسکر میں پہنچا دیا گیا۔ مگر وہاں ان زخموں کی تاب نہ لا کر تین دن کے بعد جام شہادت نوش فرما گئے۔

دوسرے روز مسلمان مجاہدین نے قلعہ نطاۃ کا محاصرہ کر لیا اور یہودی فوجی بڑی جرات و بہادری کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ مسلمان مجاہدین کا علمبردار حضرت حباب بن منذر تھا اور یہودی فوج کا سپہ سالار حارث بن ابو زینب تھا۔ کئی دن کی شدید جنگ کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ سپہ سالار حارث بن ابو زینب حضرت ابو دجانہ کے ہاتھوں مارا گیا اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے قلعہ نطاۃ والوں کو کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ جب چار سو کے قریب درخت کٹ چکے تو آپؐ نے صحابہ کو مزید درخت کاٹنے سے روک دیا۔

قلعہ نطاۃ کا سات دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آنحضرتؐ نے بذات خود اس جنگ میں حصہ لیا اور ہر دن آپؐ اپنے ہمراہ حضرت محمد بن مسلمہ کو اپنے ذاتی محافظ دستہ کے سپہ سالار کے طور پر لے جاتے تھے اور الرجیع کے مقام پر حضرت عثمان کو امیر معسکر مقرر کر کے چھوڑ جاتے تھے اور شام کے وقت واپس اپنے کیمپ میں آجاتے تھے۔

یہودی عام طور پر قلعہ کے آس پاس ہی لڑتے تھے ان کو شکست نظر آتی تو فوراً قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔

قلعہ الناعم اور انطاۃ کے دوسرے قلعوں کی فتح کے بعد یہودی قلعہ الزبیر میں جمع ہو گئے۔ اس قلعہ کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ کہ یہ ناقابل تسخیر ہے۔ اسلامی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس قلعہ کے اندر پانی کا چشمہ نہ تھا۔ البتہ قلعہ کے اندر سے زیر زمین سرنگ کے ذریعے پانی کے چشمہ تک پہنچ کر پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ آپؐ کے حکم پر زیر زمین راستے کو کاٹ دیا گیا۔ اب قلعہ میں یہودیوں کے لئے پانی پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا اور اب باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہو گئے اس لڑائی میں ایک مسلمان شہید اور دس یہودی مارے گئے۔ اور انہوں نے شکست قبول کر لی۔ یہ قلعہ شمالی علاقہ کا آخری قلعہ تھا۔ اب اسلامی لشکر کا پورا زور جنوب کے قلعوں کی طرف منتقل ہو گیا۔

گھڑ سوار لڑاکا گشتی دستے کی کمان حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں تھی۔ معسکر کی حفاظت پر حضرت عثمانؓ کو مامور کیا جاتا۔ محاصرہ کے دوران میں جو مجاہد زخمی ہو جاتے انہیں معسکر میں پہنچا دیا جاتا اور ان کا علاج ہوتا اور جو خواتین ہمراہ گئی تھیں وہ ان کی دیکھ بھال کرتیں۔

وادی خیبر کے شمالی قلعوں کی تسخیر کے بعد جنوبی قلعوں کی باری آئی جنوبی کنارے کے قلعوں کو دو جغرافیائی خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے یہ "الشق" اور "الکتیبہ" ہیں مجاہدین اسلام نے پہلے "الشق" کے قلعوں کی طرف توجہ دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی ذہنی طور پر شکست تسلیم کر چکے تھے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے دفاع کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت عملی ضرور

اختیار کی ہو گی۔ مگر آنحضرتؐ کی تزویراتی اور تدابیراتی مہارت اور منصوبہ بندی اور لشکر اسلام کے جذبہ ایمان اور فن جنگ کے بلند معیار کے مقابلہ پر ان کی دفاعی حکمت عملی بُری طرح ناکام ہو گئی۔ اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہوتے چلے گئے۔

یہود نے اپنا غلہ اور مال واسباب قلعہ صعب بن معاذ میں جمع کر لیا تھا۔ اس قلعہ کے فتح ہونے سے مسلمانوں کو غلہ اور خوراک ورسد وغیرہ کی ضروریات پوری ہو گئیں اور ہر چیز بافراط مل گئی۔ قلعہ صعب کا مالِ غنیمت حضرت ابو کعب بن زائد انصاری کے سپرد کیا گیا۔

خیبر کے یہود نے اپنا مال واسباب اور اہل وعیال کو قلعہ الکتیبہ میں جمع کر دیا تھا۔ یہ قلعہ بھی کئی دن کے محاصرہ کے بعد لشکر اسلام نے فتح کر لیا۔

قلعہ وطیح اور قلعہ سلائم کے علاوہ باقی تمام قلعے بزور طاقت فتح کر لئے گئے مگر مذکورہ دونوں قلعوں کا چودہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مگر کسی قلعہ سے کوئی باہر نہ نکلا جب آنحضرتؐ نے ان قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق نصب کرنے کا حکم فرمایا تب یہود کو اپنی ہلاکت یقینی نظر آئی تو انہوں نے صلح کی درخواست کی چنانچہ ان شرائط پر صلح ہوئی کہ جنگ نہ کرنے والوں کو جان کی امان ہو گی ان کے بال بچوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ لوگ خیبر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے اور اپنے ہمراہ کوئی چیز لے کر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ وہ اپنی تمام جائیداد مال واسباب 'نقدی' سونا' چاندی' مال مویشی اور زمینیں وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر صرف جسم کے کپڑوں کے ساتھ خیبر سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

قلعہ القموص کی فتح:

مرحب جب رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا اور لشکر اسلام کو دعوت مبارزت دی تو حضرت عامر بن اکوع اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے کچھ دیر دونوں کی طرف سے تلوار کے وار ہوتے رہے اور ایک دوسرے سے اپنا دفاع کرتے رہے۔ آخر بار حضرت عامر کی تلوار مرحب کی ڈھال سے ٹکرائی اور پلٹ کر ان کے اپنے جسم پر لگی۔ زخم شدید آیا اور آپ شہید ہو گئے۔ مرحب دوبارہ بڑے فخر کے ساتھ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا اور مسلمانوں کی طرف سے مبارزت طلب کی۔ مرحب کا نعرہ سن کر رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "اس کے مقابلہ کے لئے کون نکلے گا۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ" نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میرا بھائی محمود بن مسلمہ اس کے ہاتھوں شہید ہو چکا ہے۔ مجھے اجازت دیں میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ آپ نے محمد بن مسلمہ کو مرحب کا مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ مرحب نے ایسا زبردست وار کیا کہ اگر محمد بن مسلمہ اسے ڈھال پر نہ روک لیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ مگر مرحب کی تلوار ان کی ڈھال میں ہی رک کر رہ گئی۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ کی ضرب مومن سے مرحب زمین پر لوٹنے لگا اور اس طرح اس جانباز بہادر مجاہد نے رستم خیبر مرحب کا کام تمام کر دیا۔ چونکہ اس کا کمر سے اوپر کا بدن مضبوط زرہ میں لپٹا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت محمد بن مسلمہ نے تلوار کا وار زرہ سے نیچے کیا تھا اور ایک ہی وار نے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور زمین پر تڑپنے لگا۔ مرحب نے ان سے کہا کہ "میرا کام تمام کر دو" تو محمد بن مسلمہ نے کہا "نہیں تم بھی اسی طرح موت کا مزہ چکھو جیسے میرے بھائی نے

چکھا تھا" حضرت علیؓ کا اس پر گزر ہوا تو انہوں نے اس کی گردن کاٹ دی اور اس کا سامان زرہ وغیرہ لے لیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت علیؓ سے مرحب کے مال کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ دونوں حضرات اس مال کا جھگڑا آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا کہ "میں نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اسے مرنے کے لئے ہی چھوڑا تھا۔ ورنہ میں خود اس کا کام تمام کر سکتا تھا" حضرت علیؓ نے کہا کہ "یہ سچ کہتا ہے" چنانچہ رسول اللہؐ نے مرحب کا مال محمد بن مسلمہ کو عنایت کر دیا۔

مرحب کا بھائی یاسر بھی دلیر اور بہادر جنگجو تھا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر یہ کہتا ہوا میدان میں آیا کہ "من مبازر" کون مقابلہ پر آتا ہے۔ ابن ہشام بن عروہ کے بیان کے مطابق یاسر کے مقابلے میں زبیر بن عوام نکلے۔ اس موقع پر زبیر کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب نے رسول اللہؐ سے کہا "یا رسول اللہؐ میرا بیٹا قتل ہو جائے گا۔ رسول اللہؐ نے جواب دیا نہیں بلکہ تمہارا بیٹا یاسر کو قتل کرے گا۔ انشاء اللہ بہر حال زبیر نکلے دونوں میں مقابلہ ہوا اور یاسر مارا گیا۔ ابن اسحاق نے کہا مجھ سے ہشام ابن عروہ نے بیان کیا۔ زبیر سے جب کہا جاتا کہ خدا کی قسم! آپ کی تلوار تو اس روز بڑی تیز کاٹنے والی ہو گی۔ وہ جواب دیتے نہیں خدا کی قسم وہ بالکل تیز نہ تھی۔ بلکہ میں آسے زور زور سے چلاتا تھا۔ (ابن ہشام جلد دوم صفحہ (397- 398- 99

مرحب اور یاسر کے قتل ہو جانے کے بعد یہودی فوج بھاگ کر قلعہ قموص کے اندر داخل ہونے لگی۔ مسلمان سپاہ بھی تیار تھی انہوں نے تعاقب کیا اور قلعہ میں داخل ہو گئے یہودیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کی مگر مسلمان زبردستی داخل ہو گئے۔ مسلمان مجاہدین نے ابھی کسی یہودی کو قتل یا گرفتار نہیں کیا تھا کہ یہودیوں نے شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دیے اور اس طرح مسلمانوں کا قلعہ قموص پر قبضہ ہو گیا۔ جس کے ساتھ ہی وادیٔ خیبر کی فتح مکمل ہو گئی۔

قلعہ قموص بنو ابو الحقیق کا قلعہ تھا۔ اس قلعہ سے جو قیدی ملے ان میں صفیہ بنت حی بن اخطب بھی تھیں یہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں اور صفیہ کے ساتھ ان کی دو چچیری بہنیں بھی تھیں خیبر کے ان قلعوں سے اور بھی بہت سی عورتیں مسلمانوں کے حصے میں آئیں۔

قلعہ قموص بیس دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا ان معرکوں میں ترانویں یہودی مارے گئے جن میں مرحب' یاسر' حارث' عامر اور کنانہ بن ربیع زیادہ مشہور ہیں۔ پندرہ مسلمان مجاہد شہید ہوئے جن میں محمود بن مسلمہ اور عامر بن اکوع زیادہ مشہور ہیں یہ بھی ایک روایت ہے کہ صفیہ کے خاوند کنانہ بن ربیع کو خزانہ چھپانے کے جرم میں قتل نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ حضرت بشیر بن براء کو زہر دلانے کے جرم میں حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔

فتح خیبر کے بعد یہود نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ آپؐ ہماری زرعی زمینوں کو نصف پیداوار کی ادائیگی پر ہم سے معاملہ کر لیں۔ یعنی نصف حصہ بٹائی پر ہمیں کاشت کے لئے دے دیں۔ کیونکہ ہم دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ان سے زیادہ واقف ہیں اور بہتر طریقے پر ان کو کاشت کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے ان کی تجویز کو منظور کر لیا اور ان کو نصف حصہ بٹائی پر زمین کاشت کے لئے دے دی۔ اور ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کر دی کہ ہم جب چاہیں گے۔ تم کو ان سے بے دخل کر دیں گے۔

فتح خیبر کے وقت توریت کے بہت سے نسخے مسلمانوں کے ہاتھ لگے جو یہودیوں کی درخواست پر پورے احترام کے

ساتھ ان کو واپس کر دیے گئے حالانکہ بیت المقدس میں عیسائیوں نے یہودیوں کی توریت کے نسخے جلا دیے تھے۔

پھر آنحضرتؐ نے قیدیوں کو جمع کیا جن میں صفیہ بنت حی بن اخطب بہت حسین و جمیل سترہ سالہ نوجوان عورت بھی تھی۔ جو حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصے میں آئی۔ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ اس سے رشک کرنے لگے۔ ایک صحابی نے حضرت رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ صفیہ انتہائی خوبصورت اور حسین ہونے کے علاوہ بنو قریظہ اور بنو نفیر کے سردار کی بیٹی اور بیوہ ہے وہ صرف آپؐ کے لائق ہے چنانچہ آپؐ نے صفیہ کو طلب فرما کر دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور دحیہ بن خلیفہ کلبی کو صفیہ کی دو چچیری بہنیں دے دیں اور صفیہ کو اپنے لئے رکھ لیا اور اس سے عقد کر لیا اور حضرت انسؓ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ صفیہ کا اصل نام زینب تھا مگر آنحضرتؐ نے اس کا نام صفیہ رکھ دیا۔

2- تیماء : تیماء بھی خیبر کے نزدیک یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ فتح خیبر کے بعد ان لوگوں نے یہود خیبر کی شرائط پر صلح کر لی اور تیماء پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

خیبر کی اراضیات یہودیوں کو حصہ بٹائی پر دینے کی وجوہات :

1- فتح خیبر کے بعد وہاں یہودیوں کی طاقت کا خاتمہ اور استیصال ہو گیا تھا۔

2- خیبر میں باغات، نخلستان اور زرخیز زمین یا اراضی بکثرت تھی۔ اس کی کاشت اور نگہداشت بڑا مشکل کام تھا۔ یہ وہ یہودی ہی کر سکتے تھے۔

3- اگرچہ مدینہ کے انصار زراعت پیشہ تھے مگر ان کی اپنی اراضیات تھیں اور ان کے لئے مدینہ سے خیبر جا کر زمینوں کو کاشت کرنا مشکل تھا۔

4- مسلمانوں کو اپنے غزوات، سرایا اور جنگی مہموں کے لئے افرادی قوت کی اشد ضرورت تھی اس لئے یہ مجاہدین وہاں نہیں جا سکتے تھے۔

5- خیبر کی اراضیات یہود کے کاشت کاروں کو حصہ بٹائی پر دی گئی تھیں۔ ان کے سرمایہ دار، تاجر، بڑے زمیندار اور مذہبی پیشوا، خیبر چھوڑ کر شام وغیرہ کی طرف چلے گئے تھے۔ اب خیبر کی اراضیات جنگ سے فتح ہوئی تھیں۔ اس لئے یہ غازیوں کا حق تھا اور فدک بغیر لڑائی حاصل ہوا تھا۔ اس لئے وہ آنحضرتؐ کا خاصہ تھا جو بیت المال کا تھا اور جنگ کی تیاریوں، حضورؐ کے اخراجات غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں اور معذوروں کا حق تھا۔ وادی القریٰ اور تیماء نے بھی یہود خیبر کی شرائط پر صلح کر لی۔ وادی القریٰ میں آپؐ نے چار دن تک قیام فرمایا۔

جنگ خیبر کے نتائج :

1- فتح خیبر سے عربستان میں صدیوں سے باوقار قوم یہود کا دبدبہ اور عزت و ثروت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور ہوئی۔ جس طرح صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنوب میں قریش وغیرہ کی طرف سے خطرات کا انسداد ہو گیا۔ اسی

طرح شمال میں خیبر کے یہود کے استیصال اور ان کی طاقت و قوت کے خاتمہ سے شمال کی طرف سے فتنوں اور سازشوں کا دروازہ بند ہو گیا۔

2- مدینہ کے شمالی علاقوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور کسی کو مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔

3- مسلمان مبلغین کو اشاعت و تبلیغ کے لئے امن و آزادی اور سلامتی ہو گئی اور ان کے علاقوں میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا۔

فدک :

خیبر کے قریب یہودیوں کی ایک آبادی تھی۔ ان کا سردار یوشع بن نون تھا۔ اس نے بغیر لڑائی کے یہود خیبر کی شرائط پر صلح کی درخواست کی جو آپؐ نے منظور کر لی۔ اسی وجہ سے فدک رسول اللہ کا خاصہ ہو گیا۔ کیونکہ یہ بلا جنگ حضور کو حاصل ہوا تھا۔ فدک کی آمدنی مسافروں اور غزوات و سرایا اور ازدواج مطہرات کے اخراجات پر خرچ ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اہل فدک کو ان کی زمینوں اور نخلستانوں کے نصف حصے کی قیمت ادا کر کے ان کو شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ ان کے حصہ کی قیمت پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کر دی گئی۔

عمرہ قضاء۔ ذیقعد 7ھ فروری 629ء :

حضورؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ حدیبیہ میں حاضر تھے ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے چنانچہ سب لوگ مکہ عمرہ کے لئے تیار ہو گئے۔ جن کی تعداد دو ہزار تھی۔ یہ عمرہ معاہدہ کی اس شرط کے مطابق کیا جا رہا تھا۔ کہ اگلے سال مسلمان مکہ آکر آزادی کے ساتھ عمرہ ادا کر سکتے ہیں اور تین دن تک مکہ میں قیام کر سکتے ہیں۔

مدینہ میں حضرت ابو ذر غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر دو ہزار صحابہ کے ساتھ جن میں سو گھوڑ سوار اور جنگی ہتھیار بھی تھے۔ قربانی کے 60 اونٹ بھی تھے روانہ ہوئے۔ جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے تو گھوڑوں کو آگے روانہ کیا۔ محمد بن مسلمہ ان کے امیر تھے۔ آپؐ نے ہتھیاروں کو بھی آگے کیا بشیر بن سعد کو عامل بنایا۔ حضورؐ نے مسجد سے ہی احرام باندھ لیا تھا۔ رسول اللہؐ مر الظہر ان میں اُترے اور ہتھیار بطن یاجج کے پاس آگے روانہ کر دیے اور ان کی حفاظت پر اوس بن خونی انصاری کو دو سو آدمیوں کے ساتھ پیچھے چھوڑا۔ رسول اللہ مکہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ مسلمان تلواریں لئے ہوئے آپؐ کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھے۔ اور تلبیہ کہتے جاتے تھے۔ آپؐ نے سواری ہی پر طواف کیا اور صفاء و مرواء کی سعی بھی سواری پر کی۔ مروہ میں قربانی کی اور سر منڈوائے۔

جب مسلمان مکہ مین داخل ہوئے۔ تو اس وقت قریش مکہ سے باہر پہاڑیوں میں جا گھسے تھے مگر مکہ کے عوام صف باندھے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ کہ وہ دو ہزار کا جم غفیر کس شان و شوکت اور امن و سلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔ رسول اللہؐ کی اونٹنی قصواء کی مہار حضرت عبداللہ بن رواحہ پکڑے آگے آگے توحید و محبت کے نغمے پڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔ مسلمان پیادہ اور سواروں نے آپ کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے اپنے حلقہ میں لے رکھا تھا اور مسلمان یک زبان ہو کر لبیک لبیک پکار رہے تھے۔ ان کے دل اور زبانیں خدائے قدوس کی طرف راغب اور فرط عقیدت و محبت سے اللہ کے رسولؐ کے گرد حلقہ بنائے کعبۃ اللہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تاریخ عالم میں اس روح پرور منظر کی مثال تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتی۔

شدید مخالفین مکہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ لیکن عام باشندے کثیر تعداد میں صف باندھے مسلمانوں کے حرم کعبہ میں داخلہ کا نظارہ کرتے رہے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے طرز عبادت اور اخلاق و کردار کی امتیازی شان بھی دیکھی۔ ایک طرف مسلمانوں کی حربی و سیاسی قوت تھی۔ تو دوسری طرف ان کے اخلاق حمیدہ کی کشش۔ مسلمانوں کی سیرت و کردار تعمیر و ترقی کا جذبہ جماعتی نظم و ضبط اور امن و انصاف کے پیغام نے عوام کے ذہنوں اور رائے عامہ کو بے حد متاثر کیا۔ قیصر کے دربار میں ابو سفیان نے جو حال دیکھا تھا اس سے خود ابو سفیان کے دل پر اسلام کی حقانیت کا نقش ثبت ہو گیا تھا۔ اور اسلام کی

دعوت ایک عالمگیر انقلاب کا پیغام بن چکی تھی۔

اہل مکہ حیرتناک منظر دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے۔ یہ تکمیل انسانیت کا حسین مرقع سب کو ورطہ حیرت میں ڈال رہا تھا۔ کوئی برائی نہیں۔ بداخلاقی نہیں بلکہ مساوات انسانی' اخوت اسلامی اور خلوص و محبت کے ساتھ انسانی ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات سے پیش آرہے تھے۔ کوئی حسب و نسب' نسل و قبیلہ اور غریب و امیر کا فرق نہیں سب انسان ہیں۔ مکمل انسانیت کا بے مثال نمونہ۔ رسول اللہؐ نے احترام معاہدہ کے مطابق مسلمانوں کو مراجعت کا حکم دیا۔ آگے رسول خداؐ قصواء پر سوار اور ساتھ دو ہزار مسلمانوں کا جم غفیر آپ اپنے ہمراہ حضرت میمونہ' حضرت سلمٰی حضرت حمزہؓ کی بیوہ اور عمارہ حضرت حمزہؓ کی بیٹی کو بھی لے آئے۔

8ھ 630ء کے حالات وواقعات

حضرت خالد بن ولید کا قبول اسلام 8ھ :

ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔ خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کینت ابو سلیمان اور ایک قول کے مطابق ابوالولید قرشی مخزومی۔

ان کی والدہ کا نام لبابہ صغریٰ بنت حارث بن حزن ہلالیہ ہے اور یہ حضرت میمونہ بنت حارث زوجہ حضرت نبی کریمؐ اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس بن عبدالطلب کی اہلیہ لبابہ کبریٰ کی ہمشیرہ ہیں۔

یہ زمانہ جاہلیت میں قریش کی معزز شخصیتوں میں سے ایک تھے وہ اس دور میں قبہ (اسلحہ خانہ) اور اغنہ (سوار دستوں کی افسری) پر فائز تھے۔

اغنہ سے مراد ہے کہ وہ لڑائیوں میں قریش کے سوار دستوں کے افسر ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک جنگجو فوجی اور بہترین شہ سوار تھے۔

جب انہوں نے اسلام لانے کا قصد کیا تو وہ اپنے ساتھیوں عمرو بن عاص اور طلحہ بن ابی طلحہ سمیت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے جب انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا "مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں"

حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں۔ کہ جب حق تعالیٰ نے مجھے نیکی کی ہدایت دینی چاہی تو میرے دل میں اسلام کی محبت' وفاداری اور ہدایت کی راہ واضح فرمادی میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ان تمام مقامات پر حضرت محمدؐ کے خلاف معرکوں میں شریک ہوا ہوں۔ مگر کوئی معرکہ بھی ایسا نہیں تھا۔ جس سے میں ناکام واپس نہ ہوا ہوں۔ اس سے میرے قلب میں یہ احساس پیدا ہوا کہ میں غلطی پر ہوں اور حضرت محمدؐ ضرور غالب آکر رہیں گے۔ جب آپ عمرہ قضا میں مکہ تشریف لائے تو میں چھپ گیا۔ اور آپ کے دخول مکہ کے موقع پر وہاں موجود نہ رہا۔ میرے بھائی ولید بن ولید آنحضرتؐ کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا مگر میں نہ ملا۔ تو انہوں نے مجھے خط لکھ کر بھیجا۔ کہ آنحضرتؐ کو آپ کے اسلام لانے کی بڑی آرزو ہے۔

حضرت عمرو بن عاص۔ فاتح مصر کا قبولِ اسلام 8ھ :

یہ عمرو بن عاص وہی ہیں جنہیں قریش نے نجاشی کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا۔ کہ وہ اپنے پاس آئے ہوئے

مسلمانوں حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قریش کے حوالے کر دیں۔ لیکن نجاشی نہ مانا اور ان سے کہا۔ اے عمرو! تعجب ہے کہ تم سے تمہارے چچازاد کا معاملہ کیسے مخفی رہا۔ خدا کی قسم! وہ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں۔ انہوں نے کہا آپ ایسا فرماتے ہیں۔" کہا ہاں۔ خدا کی قسم تم میرا کہنا مان لو۔ چنانچہ چند سال بعد حضرت عمرو وہاں سے ہجرت کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور غزوہ خیبر کے سال مشرف با اسلام ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص نہ صرف بڑے بہادر جنگجو تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہترین سیاستدان بھی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں قبول اسلام کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوا تو راہ میں مجھے خالد بن ولیدؓ مل گئے جو مکہ سے آ رہے تھے۔ یہ فتح مکہ سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے میں نے پوچھا۔ اے ابو سلیمان! کدھر کا قصد ہے کہا خدا کی قسم! حسن و جمال اور خوبیوں کا ظہور ہو چکا ہے۔ بلاشبہ یہ شخص (محمدؐ) نبی ہیں۔ تم بھی چل کر مسلمان ہو جاؤ۔ اب کب تک ہم گمراہی میں رہیں گے واللہ میں تو اسلام لانے کے لے جا رہا ہوں۔

حضرت عمروؓ کے قبول اسلام کا واقعہ فتح مکہ سے قبل 8ھ 629ء، 630ء میں پیش آیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس سال تک پہنچی تھی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے اسلام لانے سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ کیونکہ ان دونوں عظیم الشان اسلامی زعماء اور بہادر قائدین نے اسلامی فتوحات، دعوت اسلامی کی عام تبلیغ اور دین کی سربلندی کی تاریخ میں ایک اہم اور عظیم الشان دور کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور تاریخ ساز فتوحات حاصل کی تھیں۔

فتح مکہ 20 رمضان 8ھ 630ء :

معاہدہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس معاہدہ کی اس شرط کے مطابق کہ عرب قبائل میں سے جو چاہیں قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ امداد و دوستی یعنی ایک دوسرے کے حلیف بن سکتے ہیں۔ اس پر بنو کنانہ نے اس وقت اعلان کیا کہ ہم قریش کے ساتھ بنو خزاعہ نے اعلان کیا کہ ہم رسول اللہؐ کے معاہدہ میں شامل ہوتے ہیں۔

بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ کے بیس آدمی قتل کئے تھے۔ عمرو بن سالم خزاعی چالیس خزاعی سواروں کے ساتھ مدینہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام حالات بیان کئے اور امداد کا طلبگار ہوا۔ اس کے بعد بذیل بن ورقع نے بھی مدینہ آکر حالات بیان کئے اور امداد کے لئے عرض کی۔ حضورؐ نے مدد کا وعدہ کر لیا۔

آنحضرتؐ نے قریش کی جانب اپنا قاصد بھیج کر حسب ذیل تین شرائط پیش کیں۔

1- بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔

2- قریش بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

3- اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ چکا ہے۔

اس کے جواب میں قرطہ بن عمرو نے قریش کی طرف سے جواب دیا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔ یعنی معاہدہ حدیبیہ ختم ہے۔

آنحضرتؐ نے مکہ پر حملہ کا پروگرام صرف اپنی ذات تک محدود رکھا اور کسی کو روانگی تک خبر نہ تھی۔ کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔ اگر قریش کو مسلمانوں کے حملہ کا ابتداء ہی سے علم ہو جاتا تو وہ اپنی طاقت کو منظم کرتے۔ اپنے حلیف دیگر قبائل سے مدد حاصل کرتے اور شدید مقابلہ کرتے۔ مگر آپ کی فراست اور تدبیر کامل دس ہزار کا لشکر جرار روانہ ہوا اور قریش مکہ کو اس کی نقل و حرکت کا اس وقت علم ہوا جب وہ اس کے سر پر جا پہنچا۔

اتنے عظیم الشان لشکر کی غیر معمولی طاقت اور اہمیت کے باوجود اس کی نقل و حرکت کا قریش مکہ کو بالکل پتہ نہ چلا۔ جب یہ لشکر جرار مقام مراوالظہر میں پہنچا جو مکہ سے صرف بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ تو قریش مکہ کو اس کا علم ہوا اور وہ حواس باختہ ہو کر پریشان ہو گئے۔ آنحضرتؐ کا مقصد بھی یہی تھا۔ کہ قریش کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا جائے اور وہ جنگ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں اور خون ریزی نہ ہو۔

آنحضرتؐ نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس ترتیب سے داخلہ کا فرمان صادر فرمایا۔

1- حضرت خالد بن ولید میمنہ کے ساتھ جنوب کی طرف سے۔

2- حضرت زبیر بن عوام میسرہ کو ہمراہ لے کر مکہ کے شمالی دروازہ سے داخل ہوں۔

3- حضرت سعد بن عبادہ انصار مدینہ کو لے کر غربی سمت سے اور

4- حضرت ابو عبیدہ بن جراح جبل ہند کے سامنے والی راہ سے اور آنحضرتؐ بھی اس دستہ کے ہمراہ تھے۔

فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ نے زبیر بن عوام کو اپنا علم دے کر حکم فرمایا۔ کہ وہ مکہ کے بالائی حصہ پر جون میں نصب کر دیں۔ آپ مہاجرین و انصار کے رسالہ کی قیادت کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید مکہ کے زیریں حصہ سے اندر داخل ہوئے ان کے ماتحت خزاعہ بنو سلیم اور نئے مسلمان شدہ مجاہدین کا دستہ تھا۔

رسول اللہ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اور 10 رمضان 8ھ یوم چہار شنبہ کو بعد نماز عصر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ 20 رمضان 8ھ کو مکہ میں داخل ہوئے اس وقت آپ سورۃ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اسلامی لشکر نے مراء الظہران میں قیام کیا اور رات کے پہرے پر حضرت عمر بن خطاب کو عامل مقرر کیا۔ حضورؐ جب مکہ میں داخل ہوئے تو اپنی اونٹنی قصوئ پر سوار تھے۔ پیچھے اسامہ بن زید بیٹھے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ اور اسید بن حضیر آپؐ کے آگے اور پیچھے تھے اور رسول اللہؐ کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن جب اس نے جذباتی انداز میں مکہ میں انتقامی کارروائی کا اظہار کیا تو حضورؐ نے اس کا جھنڈا اس سے لے کر اس کے بیٹے قیس بن سعد کے سپرد کر دیا۔ آپ کے لئے الجھوں میں چمڑے کا خیمہ لگایا گیا کسی نے عرض کیا۔ کہ آپؐ اپنے مکان میں کیوں نہیں اترتے تو آپؐ نے فرمایا کہ عقیل بن ابی طالب نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے؟ یعنی اس نے آپ کا مکان بیچ دیا تھا۔ آپؐ نے 20 رمضان بروز جمعہ کو مکہ فتح کیا۔ پندرہ روز مکہ میں قیام فرمایا۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہؐ نے عمر بن خطاب کو بلایا جو بطحہ میں تھے اور حکم دیا کہ کعبہ میں جائیں اور تمام بت توڑ دیں اور جو تصویریں ہوں ان کو مٹا دیں" آپ اس وقت تک کعبہ کے اندر داخل نہ ہوئے جب تک حضرت عمرؓ

نے تمام تصاویر نہ توڑ دیں اور کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا تو حضورؐ کعبہ میں داخل ہوئے اور بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالائے۔ آپ نے تمام بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے انسانیت کے بنیادی حقوق کو قانونی و مذہبی حیثیت عطا فرمائی جس پر نسل آدمؑ کے لئے امن اور سلامتی دین و دنیا فلاح و کامرانی کا انحصار و مداو ہے امن عالم کا علمبردار اور انسانیت کا سچا محافظ تمام دُنیا کو مخاطب کرتا ہے فتح مکہ کو اصولی طور پر صرف خدا تعالیٰ کی نصرت و اعانت کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ تاکہ اس واقعہ کی بناء پر نسلی و قبائلی انتقام کی طرف ذہن منتقل نہ ہوں۔ تمام بنی نوع انسان ایک باپ کی اولاد ہیں اس لئے ایک کو دوسرے پر کوئی نسلی برتری اور تفوق نہیں۔ لہذا غرور نسل بے حقیقت ہے جنہوں نے آپؐ اور آپؐ کے صحابہ پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ ان کے لئے اعلان کر دیا کہ جاؤ تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آج کا دن انتقام کا نہیں بلکہ احسان و وفا کا دن ہے۔

تاریخ عالم نے نہ ایسا فاتح دیکھا ہے اور نہ ہی ایسا سیاسی و عسکری مدبر۔ فتح مکہ سے آپؐ کی شخصیت تاریخ عالم کی عظیم ترین شخصیت بن کر ابھری۔ آپؐ نے مکہ فتح کرنے کے بعد بھی صلح و امن اور خونریزی سے گریز و احتیاط کی۔ پالیسی اختیار کی آپؐ نے قریش کے متعلق عفو عام کا اعلان کر دیا۔

قریش کے لئے یہ بات آسان نہ تھی۔ کہ وہ بغیر جنگ کے ہتھیار ڈال دیں۔ کیونکہ وہ عرب کے سردار تھے۔ بہادر اور شجاع تھے ان کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کو تمام عرب تسلیم کرتا تھا۔ دولت مند اور تاجر تھے ان کے شہر میں بیت اللہ تھا۔ جس کے وہ مجاور تھے۔ یہ صرف آنحضرتؐ کی بے مثال سیاسی حکمت عملی گہری بصیرت اور عظیم تدبر و حکمت تھی کہ قریش نے جو اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اس کے استیصال کے دل و جان سے خواہاں تھے اپنی خوشی اور رضامندی سے اسلام قبول کر لیا اور جہاد اسلام کے جھنڈے اٹھا لئے۔ وہی ابو سفیان عکرمہ بن ابو جہل، خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاص اور دوسرے ہزاروں قریشی جنہوں نے اپنی بہادری و شجاعت سے اسلام کی سربلندی کے لئے نہ صرف جزیرہ نمائے عرب بلکہ قیصر و کسریٰ کی سپرپاوروں کو بھی نیست و نابود کر دیا اور صرف دس سال کے اندر اندر تمام مہذب دنیا پر چھا گئے۔

ہر قسم کے جذبہ انتقام اور کینہ و حسد سے پاک آپؐ نے عضو عام کا اعلان فرمادیا کہ "جاؤ۔ تم سب آزاد ہو۔ سب کو معاف کر دیا" حضورؐ نے اپنے پیغمبرانہ خلق عظیم سے اہل مکہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

آنحضرتؐ کا کعبۃ اللہ میں اعلانِ عام :

آنحضرتؐ مسجد حرام کے ایک حصہ میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ آپ کے سرہانے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ نے کعبہ شریف کے دربان عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی اور اندر داخل ہو کر دونوں یمنی ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ "خدا کے سوا کوئی اور دوسرا خدا نہیں وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تمام مخالف جماعتوں کو شکست دے دی۔ خبردار رہو۔ ہر آبائی عزو شرف، ہر خون پامال جس کا کوئی دعوی کرتا ہے وہ آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال

ہے۔ بجز بیت اللہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو (آب زمزم) پلانے کی خدمت کے۔ آگاہ رہو غلطی سے قتل بھی دانستہ قتل کرنے کے مساوی شمار ہوگا۔ دونوں صورتوں میں شدید قسم کا خون بہا یعنی چالیس حاملہ اونٹنیاں ادا کرنا ہوں گی۔

اے قوم قریش حق تعالیٰ نے تمہارے زمانہ جاہلیت کے تکبر و غرور اور آباؤاجداد پر فخر کرنے کے ناروا طریقہ کو ختم فرمادیا۔ تمام انسان حضرت آدمؑ سے پیدا ہوئے۔ اور خود حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے۔ پھر آپؐ نے آیت تلاوت فرمائی۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد وزن کے جوڑے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمہیں قوموں اور برادریوں میں تقسیم کر دیا تاکہ اس نسبت سے باہم تمہارا تعارف ہو سکے۔ لیکن تم میں خدا کے نزدیک زیادہ باعزت وہی ہوگا۔ جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا۔"

اے قریشیو اور اے مکہ والو! تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیا برتاؤ کروں گا۔ سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا۔

"آپؐ سے ہمیں بھلائی ہی کی توقع ہے کیونکہ آپؐ ہمارے مہربان و فیاض بھائی اور مہربان و فیاض بھائی کے فرزند ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا جاؤ تم سب کو آزاد کر دیا گیا۔ پس آنحضرتؐ نے انہیں آزاد فرمادیا۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کو ان پر بزور بازو تسلط عطا فرمادیا تھا۔ اور وہ سب آپؐ کے مال غنیمت کا درجہ رکھتے تھے۔ تب سے اہل مکہ کا نام طلقا (چھوڑے ہوئے) پڑ گیا۔ رہی کعبہ کی کنجی سو وہ حضرت عثمانؓ بن طلحہ ہی کو واپس فرمائی اور فرمایا اے ہوائی طلحہ! یہ کنجی لو۔ یہ ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی۔ آئندہ بجز ظالم شخص کے کوئی تم سے اسے نہ چھین سکے گا۔ اور پانی پلانے کی خدمت حضرت عباس بن عبدالمطلب کو عطا فرمائی۔

ایک وہ وقت تھا۔ جب آنحضرتؐ حالت مظلومی و مجبوری مکہ سے ہجرت فرما گئے تھے۔ لیکن آج آپؐ اس مکہ کے سردار تھے۔ آپؐ کا لشکر اس پر قابض تھا اور آپؐ نے شرک کا مکمل استیصال اور بتوں کا خاتمہ اور خالص توحید کا پرچم بلند کر دیا تھا۔

حضورؐ کوہ صفا پر تشریف فرما تھے۔ اور جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے اور بیعت کے لئے آتے حضرت عمرؓ ان کو باری باری حضورؐ کے سامنے پیش کرتے اور آپؐ اسلام کے بنیادی اصول توحید و رسالت اور نیک اعمال کی تلقین کرتے۔

حضورؐ سے حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب تو حضرت عباس کے پاس ہے آپؐ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب مجھے عطا فرمادیجئے۔ مگر آپؐ نے صاف انکار کر دیا۔ اور عثمانؓ بن طلحہ کو بلا کر کلید کعبہ اس کے حوالے کر دی۔ اور کہا کہ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے۔

غزوہ حنین 10 شوال 8ھ فروری 630ء

جنگ حنین کی وجوہات:

(آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن و ثقیف کے سردار اور عوام مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے

ہیں۔ آپؐ نے تحقیق حال اور معلومات حاصل کرنے کے لئے عبداللہ بن ابی جدود کو ان کے علاقے میں بھیجا جنہوں نے چند دن جاسوس کی صورت میں ان کی فوج میں رہ کر تمام حالات کی تحقیق و تصدیق کر لی اور واپس آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں تمام حالات بیان کر دیے۔ آنحضرتؐ نے ان کے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پیشتر خود ان کے علاقے میں جا کر ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

غزوہ حنین کے واقعات :

مسلمانوں کے مقدمتہ الجیش میں بنو سلیم کے آدمی تھے۔ جن کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے اور ان کے آگے سوار فوج جا رہی تھی۔ مشرکین نے وادی کے تمام ٹیلوں پر مسلمانوں کے آنے سے پہلے قبضہ کر رکھا تھا۔ اور کمین گاہوں میں آکر چھپ گئے تھے اور یہاں آکر مسلمانوں کے لشکر کا انتظار کرنے لگے۔ مسلمانوں کی فوجیں وادی حنین میں فجر کے وقت داخل ہوئیں۔ یہ وادی درمیان سے گہری اور ڈھلوان تھی۔ جب مسلمانوں کی اکثر فوجیں وادی میں داخل ہو گئیں تو مشرکوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں کو معلوم نہ ہو سکا۔ کہ تیر کہاں سے آ رہے ہیں۔ کیونکہ اس وقت ابھی اندھیرا فضا پر مسلط تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرکین کی کمین گاہیں پوری طرح چھپی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کا مقدمتہ الجیش پیچھے کی طرف پلٹا اس کے آگے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوجیں تھیں۔ مسلمانوں کی واپسی شکست کی صورت اختیار کر گئی۔

۔صرف حضورؐ اور آپؐ کے ہمراہ قریباً ایک سو صحابہ انصاری اور مہاجرین کی جماعت رہ گئی۔ جب حضورؐ نے باآواز بلند انصار و مہاجرین کو بلایا تو تمام لوگ فوراً واپس پلٹے۔ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور ناکامی کامیابی میں بدل گئی گھسان کی جنگ ہوئی۔ اور آخر مسلمان کامیاب ہوئے دشمن شکست فاش کھا کر بھاگ گیا۔ ان کی چھ ہزار عورتیں بچے اور مرد جنگی قیدی بنے اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ جو ذوالمجاز بازار کے پاس عرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں۔ ہوازن اور ثقیف دو قبیلوں کے نام ہیں۔ جن کی بہت سی شاخیں ہیں اہل عرب کا خیال تھا۔ کہ اگر آنحضرتؐ قریش پر غالب آگئے۔ اور مکہ فتح ہو گیا۔ تو بلاشبہ وہ سچے پیغمبرؐ ہیں۔ جب مکہ فتح ہو گیا۔ تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف پر اُلٹا اثر پڑا۔ یہ قبیلے بڑے جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہو چکا تھا۔ یہ اس قدر زیادہ مضطرب تھے۔ کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ اسی بناء پر فتح مکہ کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے۔ اس لیے انہوں نے آپس میں مل کر مشورہ کیا کہ خود بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد وہ متحد ہو کر بڑے زور شور سے آگے بڑھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنی عورتوں، بچوں اور مال مویشیوں کو بھی ساتھ لایا۔ تاکہ جان توڑ کر لڑا جائے۔ ان کے دو قبیلے کعب اور کلاب الگ رہے اور جنگ میں شامل نہ ہوئے۔ ہوازن ثقیف کے اس لشکر کا سردار ایک جوان مالک بن عوف تھا۔ جو قبیلہ ہوازن کا سردار تھا۔ دریدہ ابن

القمہ جو سو سال سے زائد عمر کا تجربہ کار بہادر تھا۔ بطور مشیر ساتھ تھا۔ ابتدا میں مسلمانوں کو پس پا ہونا پڑا اور خالد زخمی ہو گیا۔ مگر آنحضرتؐ اور کبار صحابہ قائم رہے۔ جب آنحضرتؐ اور حضرت عباسؓ کی آواز پر مسلمان واپس لوٹے تو انہوں نے کفار پر زبردست جوابی حملہ شروع کر دیا۔ اور بڑی جرات' بے جگری اور عزم و ہمت کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے۔ جب ان لوگوں کو انتہائی ثابت قدمی اور جواں مردی سے لڑتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "بے شک اب لڑائی کا حق ادا ہو رہا ہے" مشرکین جنگ حنین میں بھاگ کر کچھ نخلہ اور اکثر طائف گئے۔ مسلمانوں نے ان کا سرگرم تعاقب کیا کچھ کفار اوطاس کی وادی میں بھاگ گئے۔ حضورؐ نے ابو عامر اشعری کو ایک دستہ دے کر اوطاس بھیجا وہاں درید بن القمہ ان کے ہاتھ میں آگیا ابو عامر نے اسے قتل کر دیا اور دیگر تمام ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے۔

بعض مسلمان کفار کا تعاقب کرتے ہوئے طائف تک جا پہنچے۔ جہاں شکست خوردہ مشرکین نے پناہ لی تھی۔ طائف بڑا محفوظ شہر تھا۔ اس کے گرد فصیل بھی تھی۔ اور بڑے بڑے مضبوط قلعے بھی جن کے دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔ قریباً ایک مہینہ طائف کا محاصرہ جاری رکھنے کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

جنگ حنین میں مسلمانوں کی تعداد اور طاقت :

آنحضرتؐ کے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ جن میں دس ہزار وہ تھے جو مدینہ سے فتح مکہ کی غرض سے آپؐ کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے تھے۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر مسلمانوں میں تکبر اور غرور پیدا ہو گیا۔ کہ آج ہم عددی کمتری کی بنا پر مغلوب و شکست خوردہ نہ ہوں گے۔ آنحضرتؐ نے روانگی سے قبل صفوان بن امیہ سے سو عدد زرہیں اور ضروری اسلحہ قرضہ پر لیا اور نوفل بن حارث سے بھی تین ہزار نیزے مستعار لیے۔

آنحضرتؐ بروز شنبہ 6 شوال 8ھ / 28 جنوری 630ء مکہ سے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے حضرت عتابؓ بن اسید بیس سالہ نوجوان کو مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ اور اس کی تنخواہ ایک درہم روزانہ مقرر کی۔ حضرت عتاب نے کہا کہ یہ میرے لئے بہت ہے آپؐ نے حضرت معاذ بن جبل انصاری کو لوگوں کو اسلام کی تعلیم و تربیت کے لئے مکہ میں متعین فرمایا۔ اس جنگ میں حضرت ابو عامر اشعری اور ایمن ابن عبید (حضرت اسامہ بن زید کے خونی بھائی) شہید ہوئے اور حضرت خالد بن ولید شدید زخمی ہوئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو مال غنیمت ہاتھ لگا اس کی تفصیل یہ ہے۔

چھ ہزار عورتیں' مرد اور بچے گرفتار کیے گئے۔ اونٹوں کی تعداد چوبیس ہزار بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اوقیا۔

معرکہ حنین کا نتیجہ :

معرکہ حنین کا نتیجہ آنحضرتؐ کی شخصی قیادت کی بے مثال کامیابی کا مظہر تھا آپ کا بے پناہ عزم و استقلال خود اعتمادی' شجاعت و بہادری اور عسکری حکمت عملی کی وجہ سے شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔ اور واپس بھاگنے والے فاتح بن گئے۔

بلا مبالغہ جنگ حضورؐ کی ذات سے جیتی تھی۔ یعنی یہ آپ کی ذاتی فتح تھی۔

غزوہ طائف شوال 8ھ / فروری 630ء :

طائف نہایت مستحکم اور مضبوط تھا۔ ثقیف کی شجاعت اور تیر اندازی بڑی مشہور تھی۔ خالد ایک ہزار کا دستہ لے کر آگے روانہ ہوئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ منجنیق اور دبابے استعمال ہوئے۔ دشمن کی شدید تیر اندازی کی وجہ سے مسلمان پیچھے ہٹے بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ قریباً بیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر نوفل بن معاویہ کے مشورہ پر محاصرہ اٹھالیا گیا۔

مال غنیمت جعرانہ میں جمع کر دیا گیا۔ مال غنیمت میں سب سے پہلے ان لوگوں کو فراغ دلی سے دیا گیا جن کی تالیف قلب مقصود تھی۔ یہ سب کچھ آپؐ نے خمس میں سے دیا تھا۔ بقایا مال غنیمت مجاہدوں میں برابر تقسیم کیا گیا۔

سریہ موتہ کی وجوہات :

1- صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرتؐ قریش، یہود خیبر اور یمن کی طرف سے فارغ ہو گئے تو تبلیغ اسلام کے لئے حضورؐ نے ملک شام کی طرف توجہ دینی شروع کر دی 8ھ میں رسول اللہؐ نے پندرہ مجاہدین کو تبلیغ اسلام کے لئے مقام ذات طلحہ جو شام کی حدود میں تھا روانہ کیا لیکن ان قبائل نے سوائے حضرت کعب بن عمر کے سب کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا چنانچہ ان مجاہدین کا انتقام لینا بھی غزوہ موتہ کا ایک سبب تھا۔

2- آنحضرتؐ نے قیصر روم کے عامل شرجیل بن عمرو غسانی حاکم شام کے پاس دعوت اسلام کا نامہ مبارک دے کر حضرت حارث بن امیر ازدی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ مگر شرجیل نے بڑی بے دردی سے حضرت حارث بن امیر کو قتل کر دیا۔

3- حدود شام میں بسنے والے عرب قبائل میں تبلیغ اسلام کے لئے ان کے حالات معلوم کرنا اور ان کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔

4- عرب کا شمالی علاقہ جو شام سے ملحقہ تھا۔ وہاں کے جغرافیائی حالات معلوم کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر سریہ موتہ وقوع پذیر ہوا۔

5- ابو عامر (فاسق) نے شام کے عیسائیوں اور رومیوں کو اسلام کی روز افزوں ترقی اور اشاعت سے ڈرایا اور کہا کہ ابھی موقعہ ہے کہ اسلام کی جڑ کاٹ دی جائے۔ ورنہ مسلمان مشرکین عیسائیوں اور یہودیوں کو ختم کر دیں گے۔

6- مسلمانوں کو بھی مجبوراً ان سے جہاد کے لئے تیار ہونا پڑا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا ایک ذریعہ پیدا کر دیا۔ یہ نقطہ ابتداء تھی اور حضورؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ذریعے سے اسلام کی تعلیمات اور فتوحات کا دروازہ ملک شام کے لئے کھل گیا اور تمام شام نہ صرف حلقہ بگوش اسلام ہو گیا بلکہ مملکت اسلامیہ کا ایک مضبوط قلعہ بن گیا۔

واقعات :

آنخضرتؐ نے جنگ موتہ کے لئے تین ہزار مجاہدین کا لشکر جرار حضرت زید بن حارثؓ کی سپہ سالاری میں روانہ کیا جس میں عبداللہ بن رواحہ' خالد بن ولیدؓ اور دیگر مہاجر و انصار نامور حضرات شامل تھے۔ حضرت جعفرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا۔ کہ اس لشکر کا سپہ سالار مجھے بنایا جائے۔ مگر حضورؐ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ زیدؓ سب سے اہل اور قابل ہے لہذا وہی سپہ سالاری کا مستحق ہے۔

اگر چہ خاندانی وجاہت اور حسب و نسب کے لحاظ سے حضرت جعفرؓ' عبداللہ اور خالد بن ولیدؓ جیسے لوگوں کی موجودگی میں ایک آزاد کردہ غلام کو سپہ سالار مقرر کرنا عرب کی روایات میں ایسا انقلابی واقعہ ہے جس کا تصور بھی جاہلی تمدن کے وجود پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ لیکن اسلام کی اصلاحی تحریک کی نگاہ میں دشمن کی سرکوبی اور استیصال سے بڑھ کر دوستوں کی تہذیب و اخلاق کی تکمیل مقدم تھی۔ اسلام کی قائم کردہ اس مساوات واخوت کا نتیجہ تھا کہ تین ہزار جان نثار ایک لاکھ فوج کا مقابلہ پورے جوش وجذبہ سے کرتے ہیں اور اس حیرت انگیز قوت کا راز محض اس حقیقت میں مضمر تھا۔ کہ ان میں اب جاہلیت کے دور کی نسلی عصبیت ختم ہو چکی تھی۔ اب ذات پات کی اونچ نیچ اور نسل و قبیلہ کا امتیاز مٹ چکا تھا۔ اب سب آپس میں بھائی بھائی اور ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے مساوی تھے۔ سپہ سالاری کی بنیاد اہلیت' قابلیت' خلوص و قربانی' خداداد صلاحیتوں' سیرت و کردار اور کارہائے نمایاں کی بنیاد پر ملتی تھی نہ کہ خاندان' خانوادہ' حسب و نسب۔ قریش ایک آزاد کردہ غلام اور حضورؐ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارث کے زیر کمان عام سپاہیوں کی حیثیت سے لڑ رہے تھے۔ اس صورت حال سے اس نظریاتی انقلاب کا صحیح اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جو اسلام کی انقلابی تحریک نے عرب جیسے نسل و قبیلہ پرست ملک میں پیدا کر دکھایا تھا۔ یہی زید ہیں جن کے ساتھ آنخضرتؐ نے اپنی پھوپھی زاد زینب کا نکاح کرایا۔ احترام آدمیت' مساوات انسانی اور عالمگیر انسانیت کے عملی مظاہرے کی تاریخ عالم میں یہ واحد مثال ہے۔ جب زید بن حارثؓ' جعفر طیارؓ' عبداللہ بن رواحہ اور چند اور شہید ہو گئے تو مجاہدین نے خالدؓ بن ولید کو اپنا سپہ سالار منتخب کر لیا۔ خالد کو مسلمانوں کی قلت تعداد اور دشمن کی قوت معلوم تھی۔ لیکن خالد ماہر حرب و ضرب اور جنگ کے نشیب و فراز کے سمجھنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے از سر نو فوج کو مرتب کیا اور دشمنوں سے لڑاتے رہے اور رات سر پر آ گئی۔

رات کے وقت خالد نے اپنی جنگی حکمت عملی یعنی تزویرات جنگ اور حربی تدبیرات پر غور فکر کے بعد ایک عسکری حکمت عملی تیار کی تا کہ اپنی فوج کو صحیح سلامت میدان جنگ سے پسپا کر کے واپس لے جا سکے۔ کیونکہ حالات ایسے تھے کہ کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا اور پوری فوج کی مکمل تباہی کا خطرہ تھا۔ اتنی قلیل تعداد اور اسلحہ کی کمی اور اپنے گھر سے سینکڑوں میل دور کامیابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد زید بن ثابت بن اقرام عجلانی نے علم اٹھا کر خالد بن ولیدؓ کے سپرد کر دیا۔ جن کے امیر منتخب کرنے پر تمام نے اتفاق کر لیا تھا۔ خالد نے علم سنبھال کر اتنی بہادری سے حملہ کیا کہ لڑتے لڑتے ان کے ہاتھ سے

آٹھ تلواریں ٹوٹ گئیں۔ خالد کے اس پر زور حملہ کی دشمن تاب نہ لاسکا اور دشمن کے سپہ سالار نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹ کر مورچہ بندی کا حکم دے دیا۔ خالد نے اپنے مجاہدین کی ترتیب بدل دی۔ آپ نے اپنی پچھلی صف کی فوج کو آگے کی صف میں اور آگے والوں کو پچھلی صف میں تبدیل کر دیا۔ رومیوں کو خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں کی امداد کے لئے نئی فوج آگئی ہے۔ وہ میدان سے ہٹ گئے۔ جب میدان دشمنوں سے خالی ہو گیا تو مسلمانوں کو خالدؓ ایک کامیاب جنگی حکمت عملی کے مطابق واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔

آنحضرتؐ نے خالدؓ اور فوج کا استقبال کیا۔ مبارکباد دی کہ اتنی بڑی فوج کے ہوتے ہوئے دشمن کے گھر سے اس کم تعداد فوج کو صحیح و سالم واپس لے آنا ایک بہت بڑی عسکری کامیابی تھی۔ دو لاکھ لشکر کفار سے مقابلہ میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ خالد بن ولید کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آنحضرتؐ نے اس کی شجاعت کی خبر دی۔ اور اس کو ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا۔

تاریخ عالم کی عسکری مہمات میں جنگ موتہ ایک بے مثال واقعہ ہے جس میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر قریب تین سو میل دور صحراء کو عبور کر کے دو لاکھ تربیت یافتہ قیصر روم کی فوج سے بچ کر واپس پہنچ گیا۔ جبکہ قیصر روم کی فوج اپنے گھر میں تھی۔ سامان حرب و ضرب اور خوراک کے لحاظ سے مسلمان فوج سے کئی گناہ زیادہ اور افرادی تعداد میں کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ یہ ایمان اور عقیدہ کی قوت مجاہدین کی شجاعت اور سپہ سالار کی عسکری مہارت قابلیت اور بہادری کا لازوال ثبوت ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو اسلام لائے صرف تین ماہ ہوئے تھے اور پہلی مرتبہ آپؓ کو اس جنگ میں اپنے عسکری جوہر دکھانے کا موقعہ ملا تھا۔

غزوہ تبوک رجب 9ھ اکتوبر 630ء :

تبوک مدینہ اور دمشق کے وسط میں چودہ منزل یعنی قریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

غزوہ تبوک کے وجوہات :

آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قیصر نے سریہ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے شام کی سرحد پر فوجی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور شام میں ایک بھاری فوج جمع کی ہے۔ جس میں لخم، جزام اور غسان کے تمام عرب قبائل شریک ہیں۔ فوج میں سال بھر کی تنخواہیں پہلے سے تقسیم کر دی گئی ہیں اور اس کا "مقدمتہ الجیش" بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ شام کے قبطی سوداگر مدینہ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ انہوں نے بھی خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جرار جمع کیا ہے اور یہ خبریں تمام عرب میں پھیل چکی تھیں۔ کہ رومی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکے ہیں۔

آنحضرتؐ نے قیصر روم کے ساتھ شام جا کر مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک نازک موقع تھا۔ قحط سالی اور شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی مالی حالت ابتر تھی۔ کھجور کے پکنے جمع کرنے اور فصل کاٹنے کا وقت قریب تھا۔ سواریوں اور رسد کا انتظام بھی مشکل تھا۔ لیکن پھر بھی اس اعلان جہاد نے مومنین کے ولولے اور عزم و ہمت کو بڑھایا اور منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ اونٹوں پر کئی کئی آدمی باری باری سواری کرتے تھے۔ اس پر گرمی کی شدت، پانی کی قلت، راستہ دشوار، سفر طولانی مگر صحابہؓ کرام نے جذبہ ایمانی کے ساتھ ان صعوبتوں اور مشکلات کو برداشت کیا۔

آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کو راہ جہاد میں اپنی دولت خرچ کرنے اور باربرداری کے جانور مہیا کرنے کی ترغیب دی۔ اس پر لوگ زیادہ سے زیادہ مال لے کر حاضر ہوئے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنا تمام سرمایہ جو چالیس ہزار درہم تھا۔ حاضر خدمت کر دیا۔ اور حضورؐ کے استفسار پر عرض کیا کہ میں اپنے بچوں کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اپنا نصف سرمایہ حاضر کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو سو اوقیا چاندی اور عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجور اور حضرت عثمانؓ نے ایک تہائی لشکر کو پورے سازوسامان کے ساتھ لیس کر دیا۔

ابن ہشام کے مطابق آنحضرتؐ نے مدینہ پر محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل و عیال کے پاس چھوڑا اور ان کے ساتھ قیام کی ہدایت فرمائی۔

غزوہ تبوک کے واقعات :

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر میدان میں نہیں آرہا کیونکہ اس نے ابھی اپنی تیاریاں مکمل نہیں کی تھیں کہ حضورؐ اچانک اور غیر متوقع طور پر ان کے سر پر جا پہنچے۔ یہی آپ کا ہمیشہ سے اسلوب جنگ تھا۔ چنانچہ آپؐ کے اس اقدام نے قیصر کو مرعوب کر دیا کہ یہ لوگ دو سو میل کی مسافت طے کر کے کس سرعت کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔ ان کا مقابلہ مشکل ہے۔

غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کی کامیابی :

آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو مجاہدین کے ساتھ دومتہ الجندل کے حکمران اکیدر کے خلاف روانہ کیا۔

آخر خالد بن ولیدؓ کی شجاعت اور بہادری سے اکیدر نے اطاعت قبول کر لی اور خالد نے اس کو قتل سے پناہ دے کر آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ اکیدر شاہ دومتہ الجندل حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دو ہزار اونٹ آٹھ سو دیگر جانور، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے پیش کئے اور اطاعت قبول کر لی اور ہدیہ پیش کیا۔ جذیہ پر صلح ہو گئی اور اکیدر اور اس کا بھائی واپس چلے گئے۔

اسی دوران میں یوحنا بن روبہ حاکم ایلہ نے اطاعت قبول کر کے جذیہ دینا قبول کر لیا۔ اور اہل ورح نے بھی صلح کر لی اور جذیہ دُنیا قبول کر لیا۔

مسلمان تبوک کے علاقے میں بیس دن کے قریب ٹھہرے رومی لشکر تو نہ آیا البتہ اس دوران مین شمالی حدود میں معاہدات کر کے ان علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا گیا۔ چنانچہ اس اجتماعی، اعصابی اور نفسیاتی جنگ میں مسلمان فتح یاب ہو کر واپس مدینہ آئے۔ یہ آنحضرتؐ کا آخری غزوہ تھا۔ اس طرح مسلمانوں نے اللہ کے بھروسے اور آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تیس ہزار مجاہدین کا لشکر جرار جس میں دس ہزار گھوڑ سوار بھی تھے، رجب 9ھ میں خشک ریگستانی میدانوں کو عبور کرتا ہوا تبوک کے مقام پر جا پہنچا۔ مگر تائید ایزدی کہ رومی لشکر تاب مقاومت نہ لاتے ہوئے میدان جنگ میں نہ آیا اور مسلمان قریباً بیس دن وہاں قیام اور دشمن کے انتظار کے بعد کامیاب و کامران مدینہ واپس آئے۔ اس سے مسلمانوں کے رعب اور عزت و وقار میں زبردست اضافہ ہوا اور انہیں اخلاقی فتح حاصل ہوئی۔

آنحضرتؐ کی جنگی بصیرت، صحابہ کی اطاعت اور اسلامی ہدایات پر عزم واستقلال سے عمل کے ذریعے اسلامی اقتدار اب رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اور تمام بڑے بڑے عرب قبیلے جو رومی حکومت کے ماتحت تھے۔ بغیر کسی دباؤ کے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی فوج کا حصہ بن گئے اور شام کی فتح کا آغاز ہو گیا۔

عبداللہ بن ابی سلول کی وفات :

ذیقعد 9ھ میں بیس دن بیمار رہنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول "رئیس المنافقین" انتقال کر گیا۔ جب وہ بیمار تھا

تو حضورؐ نے اس کے گھر جا کر اس کی عیادت کی۔ اس نے حضورؐ کا کرتہ مبارک مانگا۔ جو اس کے کفن پر ڈالا جائے۔ آپ نے کرتہ عنایت فرمادیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میری نماز جنازہ آپؐ پڑھائیں اور دفن کے وقت اس کے قبر کے قریب کھڑے ہوں۔ حضورؐ نے اپنے خلق عظیم کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی تمام گزارشات کو پورا کر دیا۔

آنحضرتؐ کی سفارتی سرگرمیاں :

مکہؐ کی شہری مملکت جو قصی بن کلاب نے قائم کی تھی۔ اس میں بھی سفارت کا ادارہ قائم تھا جناب رسول اللہؐ نے سفارتی ادارے کو زیادہ فعال موثر اور منظم بنایا۔ اس نظام میں دعوت رشد و ہدایت اشاعت اسلام' امن و سلامتی اور دفاع ملک و ملت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی' ایک نظریاتی مملکت میں سفراء کی ذمہ داریاں بڑی اہم ہوتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نہ صرف اپنے ملک کے سیاسی' معاشی اور دفاعی مفاد کا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ اپنے نظریہ حیات مذہب کی تعلیم اور اصولوں پر کسی حالت میں بھی سمجھوتہ نہیں کرنا ہوتا۔ لہذا آنحضرتؐ عہدہ سفارت کے لئے ایسے افراد کا انتخاب فرماتے تھے۔ جو دین اسلام کا وسیع علم رکھتے ہوں۔ سیاسی تدبر' تفکر' ذہانت کے ساتھ اچھے افکار و صلاحیت رکھتے ہوں۔ علاوہ ازیں سفیر کی شخصیت' حرکات و سکنات اور انداز بیان باوقار اور مسحور کن ہونا چاہئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرتؐ نے جن سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب اور دیگر ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کی طرف اسلام کی دعوت رشد و ہدایت اور پیغام امن و سلامتی اور انسانیت دے کر بھیجا۔ ان میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

آنحضرتؐ کی اکثر سفارتیں کامیاب رہیں۔ صرف کسریٰ شاہ ایران نے حضورؐ کا نامہ مبارک پھاڑ دیا! اور سفیر کے ساتھ بد اخلاق اور تکبر کے ساتھ پیش آیا۔ مسلمہ کذاب نے آنحضرتؐ کے سفیر حضرت حبیب زید کو قتل کرا دیا۔ اسی طرح شاہ بصرا حارث بن عمیر غسانی نے بھی اسلام کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا جس کی وجہ سے جنگ موتہ ہوئی۔

سلاطین و حکمرانانِ عالم کو دعوت اسلام :

آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت اسلام دیتے ہوئے خطوط ارسال کئے اور تجربہ کار اور مدبر مسلمان سفراء کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جو دوران تجارت میں ان کے رسم و رواج اور عادات سے واقف تھے۔ جب رسول اللہؐ نے بادشاہوں کو اسلامی دعوت نامے بھیجنے کا فیصلہ کیا تو آپؐ نے مہر ثبت کرنے کے لئے چاندی کی ایک انگشتری بنوائی۔ جس پر تین الفاظ تین سطروں میں کندہ کروائے۔ ایک سطر میں لفظ اللہ ایک درمیانی سطر میں رسولؐ اور آخری سطر میں محمدؐ کندہ تھا۔ یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کے دست مبارک میں رہی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رہی۔ جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ تو یہ انگوٹھی ایک کنوئیں میں گر گئی جسے تین دن تک تلاش کیا مگر نہ ملی۔

آنحضرتؐ کا دعوت نامہ روم کے نام :

آنحضرتؐ کا خط ہرقل شہنشاہ روم کے نام حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی 6ھ کے آخر میں لے کر گئے۔ جو ہرقل کو محرم 7ھ میں ملا۔ آپؐ نے دحیہ بن خلیفہ کو ہدایت کی تھی۔ کہ وہ یہ خط شام کے حکمران حارث غسانی کو بصریٰ میں جا کر دیں۔ تاکہ وہ اسے ہرقل تک پہنچا دیں۔ ہرقل ان دنوں فارس کے خلاف اپنی کامیابی کی نذر پوری کرنے کے لئے 628ء فصل خریف 7ھ میں ادھر آیا ہوا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کا یہ گرامی نامہ حضرت دحیہ کلبی نے حارث غنانی کو بصریٰ میں دیا۔ جو اس نے عدی بن حاتم کو دحیہ کے ہمراہ بھیج کر ہرقل کو پہنچا دیا۔ اس مکتوب گرامی کا متن حسب ذیل ہے۔

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام :

جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلام ہو۔ امابعد۔ اسلام قبول کرلو۔ نجات پاؤ گے۔ حق تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر اسلام سے روگردانی کرو گے تو تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہوگا۔

حاکم بصریٰ کا قاصد حضرت دحیہ کلبی کو ساتھ لے کر ہرقل کے دربار میں پیش ہوا۔ ہرقل نے اس سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک نبی پیدا ہو چکا ہے ہرقل نے دحیہ کلبی سے معلومات حاصل کیں۔ خط پڑھا اور دحیہ کو عزت واحترام کے ساتھ واپس کر دیا۔ پھر ہرقل نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے غزا کے مقام سے ابوسفیان کو بلا کر اس سے مزید تفصیلی معلومات حاصل کیں۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک کسریٰ شاہ فارس کے نام :

آنحضرتؐ نے کسریٰ پرویز بن ہرمز کے نام بھی خط لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو قاصد بنا کر شاہ فارس کے پاس بھیجا۔

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام :

اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسولؐ ہوں تاکہ وہ ہر زندہ انسان کو اپنے عذاب سے ڈرائے۔ اسلام قبول کرلو۔ امن میں رہو گے۔ اگر انکار کرو گے تو تم پر تمہاری تمام مجوسی رعایا کا گناہ ہوگا۔"

اس نے خط پڑھ کر پھاڑ دیا اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھمکیاں دیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ کسریٰ نے اپنے گورنر یمن باذان کو لکھ کر بھیجا کہ اس شخص یعنی رسول اللہؐ کو گرفتار کر کے میرے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ باذان نے اپنے دو آدمیوں بابویہ اور خرخرہ کو مدینہ حضورؐ کو بلانے کے لئے بھیجا۔ جب وہ مدینہ آئے اور حضورؐ سے ملاقات ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے شہنشاہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں دن قتل کر دیا تھا اور اب

برسر حکومت شہنشاہ شیرویہ ہے وہ حیران ہو کر واپس باذان کے پاس گئے اور تمام حالات بیان کئے چند دن بعد اس خبر کی تصدیق ہوگئی کہ واقعی شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔باذان کو جب حضورؐ کی خبر کی تصدیق ہوگئی۔ تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس طرح یمن میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔جب باذان اسلام لے آیا تو حضورؐ نے اس کو اپنی طرف سے یمن کا حکمران بنادیا۔اس کا دارالخلافہ صنعاء رکھا گیا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک سلطان مقوقس شاہ مصر کے نام

حاطب بن ابی بلتعہؓ کا قاصد بنا کر شاہ مصر مقوقس کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر روانہ کیا خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

''اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ کی طرف سے قبطہ کے بادشاہ مقوقس کے نام جس نے ہدایت کا اتباع کیا' اس پر سلامتی ہو۔ امابعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ نجات پاؤ گے اور حق تعالیٰ تمہیں دوہرا ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اس سے روگردانی کی تو پوری قبطی قوم کا گناہ تم پر ہوگا۔اے اہل کتاب !اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کریں گے نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہم میں سے کوئی خدا کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا پروردگار بنائے گا۔اگر دوسرے لوگ اس سے انحراف کریں تو تم صاف صاف اعلان کر دو کہ ہم تو خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔''

آپؐ نے اس خط پر اپنی مہر ثبت کر کے حواطب کے حوالہ فرمایا۔ مقوقس شاہ مصر یہ خط وصول کر کے بہت خوش ہوا اور اسے پڑھ کر محفوظ کر لیا۔ حضرت حاطب کو تمغے دیے اور آنحضرتؐ کے لئے دو انتہائی خوبصورت قبطی نوجوان لڑکیاں ماریہ اور اس کی بہن سیرین کے علاوہ ایک سفید رنگ کا دلدل' ایک سفید رنگ کا گدھا اور دیگر بے شمار تحائف بھی ارسال کئے۔ ماریہ اور سیرین نے اسلام قبول کر لیا ماریہ 8ھ میں مدینہ پہنچیں تھیں۔ آپؐ نے اس سے عقد کر لیا اور حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو اٹھارہ ماہ کے بعد وفات پاگئے۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔بنام ہوذہ بن علی حنفی :

شاہ یمامہ۔

آنحضرتؐ نے سلیط بن عمرو عاری کے ہاتھ ہوذہ بن علی حنفی شاہ یمامہ کو درج ذیل نامہ مبارک روانہ فرمایا۔

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کا اتباع کیا تمہیں معلوم ہو کہ میرا دین عنقریب وہاں تک پہنچ جائے۔ جہاں تک کسی انسان کے پیر اور کسی جانور کے کھر پہنچیں گے۔ تم اسلام قبول کر لو۔ نجات پا جاؤ گے۔ اور تمہارے ماتحت جو ملک ہے اس پر تمہیں ہی حاکم رہنے دوں گا''

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ اصحمہ نجاشی شاہ حبش کے نام:

مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تو نجاشی نے ان کی ہر ممکن مدد کی۔ قریش کے وفد کے مطالبہ پر ان کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مسلمانوں نے وہاں آزادی اور امن و سکون کے ساتھ وقت گزارا۔ آپؐ مدینہ ہجرت فرما گئے۔ تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے چالیس صحابہ مدینہ آگئے اور قریباً پچاس صحابہ حبشہ میں ہی نجاشی کی پناہ میں رہے۔

عمرو بن امیہ ضمری کو آنحضرتؐ نے اپنے دو نامہ گرامی دے کر نجاشی کے پاس حبشہ بھیجا۔ ان میں سے ایک گرامی نامہ کے ذریعہ نجاشی کو دعوت اسلام دی اور دوسرے گرامی نامہ کے ذریعہ ہدایت فرمائی کہ وہ آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ام حبیبہ سے رشتہ طے کر کے غائبانہ آنحضرتؐ کا اسؐ سے عقد کر دیا جائے۔ جس خط میں آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس کا متن حسب ذیل ہے۔

"محمد رسول اللہؐ کی طرف سے اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کے نام: تم سلامت رہو۔ میں تمہارے سامنے اس ہستی کے محامد بیان کرتا ہوں۔ جو کائنات عالم کا شہنشاہ بہت پاک ذات امن و سلامتی والا ایمان کی نعمت عطا فرمانے والا اور رزق و موت و حیات کا کفیل ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ تھے۔ جسے خدا نے حضرت مریم کے جسم میں منتقل فرما دیا۔ جو غیر شادی شدہ پاکباز و پارسا تھیں۔ پس جو اس خدائی روح اور اس کی پھونک سے حضرت عیسیٰ سے حاملہ ہو گئیں۔ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ اور اپنی پھونک سے پیدا فرمایا تھا۔ میں تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ جو ایک ہے اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں۔ نیز خدا کی اطاعت قبول کرنے میری اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں میں تمہیں اور تمہاری قوم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں نے اپنا پیغام رسالت تم تک پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کر دی پس تم میری نصیحت مان لو اور راہ ہدایت کی اتباع کرنے والے پر سلامتی ہو۔"

نجاشی نے حضورؐ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا۔ نجاشی نے اسلام بھی قبول کر لیا اور آنحضرتؐ کو اطلاع بھی کر دی۔ اور اُم حبیبہ کو دیگر مہاجرین کے ہمراہ مدینہ بھیج دیا۔ آپؐ کا اُم حبیبہ سے نکاح کا یہ مقصد تھا۔ کہ اس کا باپ ابو سفیان اسلام لے آئے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے۔ کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ نجاشی نے ایک کشتی میں اپنے فرزند کو ساٹھ اہل حبشہ کے ہمراہ آپؐ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ لیکن جب یہ لوگ دریا کے بیچ میں پہنچے تو کشتی غرق ہو گئی۔ جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے۔ نجاشی کے اس مکتوب سے جو اس نے آنحضرتؐ کی طرف بھیجا تھا اس کے اسلام لانے کی صریحاً تائید ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ

اس نے خط پڑھنے کے بعد اسلام لانے کے لئے سودا بازی شروع کر دی اور کہا کہ اگر میں اسلام لے آؤں اور آنحضرتؐ کو عرب میں اقتدار حاصل ہو جائے تو اس میں میرا حصہ کیا ہو گا۔ حضورؐ کو جب اس کی اس شرط کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مذمت کی۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔بنام منذر بن ساوی تمیمی :

منذر بحرین کا بادشاہ تھا۔آنحضرتؐ نے حضرت علاء بن حضرمیؓ کو نامہ گرامی دے کر اس کی طرف روانہ کر دیا۔جس میں اسے اسلام کی دعوت تھی۔اس کا متن یہ ہے۔

"محمد رسول اللہؐ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام

تجھ پر سلام ہو۔میں تجھ سے اس خدائے قدوس کی حمد بیان کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں۔کہ بلاشبہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔امابعد میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں کہ جو شخص نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا اور ان کا حکم مانتا ہے وہ میری ہی اطاعت کرتا ہے اور جو ان سے اخلاص و خیر خواہی رکھتا ہے وہ مجھ سے ہی رکھتا ہے۔میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے"

منذر خود مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم پر بھی اسلام پیش کیا۔ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور بعض یہودی اور مجوسی مذہب پر قائم رہے ان لوگوں پر اس نے جزیہ مقرر کر دیا۔

اسلام حضرت عیسیٰ کے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہ بھی اس کا قائل تھا۔ساحل پر مقام حجر کے مشرقی سمت پر واقع ہوا۔

آنحضرتؐ نے اپنا مکتوب گرامی حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ جلندی کے ہر دو فرزندان جیفر و عبد کے پاس بھیجا جس کا متن یہ تھا۔

امابعد : میں تم دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔اسلام لے آؤ۔نجات پا جاؤ گے۔میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسولؐ بن کر آیا ہوں۔تاکہ ہر ذی حیات کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور کافروں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ثابت و ناقد ہو جائے۔اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا۔تو میں بدستور حاکم رہنے دوں گا اور اگر تم نے قبول اسلام سے انکار کر دیا تو پھر تم دونوں کی حکومت تم سے چھن جائے گی اور میرے سوار دستے تمہارے میدانوں کو اپنی ٹاپوں سے روند ڈالیں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر چھا جائے گی۔"

یہ مکتوب حضرت ابی بن کعبؓ نے تحریر کیا اور آنحضرتؐ کا نامہ مبارک دیا۔جسے انہوں نے اور ان کے بھائی نے پڑھا۔اور حضرت عمرو سے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیں۔پھر دونوں مشرف با اسلام ہو گئے اور ان کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور جو اسلام نہیں لائے۔ان پر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔حارث بن ابی شمر غسانی کے نام :

حارث بن ابی شمر غسانی قیصر روم کی طرف سے دمشق کا حاکم تھا۔آنحضرتؐ نے شجاع بن وہب اسدیؓ کو اس کے

پاس اپنا نامہ مبارک دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی۔ اور اللہ پر ایمان لایا۔ پس میں تمہیں خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایسا کرو گے تو تمہارا ملک باقی رہے گا۔

جب اس بدبخت نے خط پڑھا تو زمین پر پھینک دیا اور کہا مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

آنحضرتؐ کا نامہ مبارک۔ امیر بصرہ کے نام:

آنحضرتؐ نے حارث بن امیر الاسدی کو دعوت اسلام کا خط دے کر امیر بصریٰ کے نام روانہ کیا اس خط میں بالکل وہی مضمون تھا جو امیر دمشق کے خط میں تھا۔ یہ سفیر امیر بصریٰ تک نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ شرجیل بن عمرو غسانی نے انہیں راستہ میں روک لیا اور قتل کر دیا۔

امراء و سلاطین کے نام دعوتی خطوط بھیجنے کا نتیجہ

آنحضرتؐ نے 7ھ میں دنیا کے ترقی یافتہ اور مہذب ممالک کے حکمرانوں اور سلاطین کے نام جو دعوت اسلام کے خطوط ارسال کیے وہ حضورؐ کی خود اعتمادی اور اپنے نصب العین اور مشن کی حقانیت پر یقین محکم کا ثبوت ہے کیونکہ اس وقت تک ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا۔ اور حضورؐ بے شمار مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے۔ مگر آپ نے تمام دنیا میں اپنا پیغام رشد و ہدایت پہنچانے کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بڑے تدبر و حکمت اور جرات و شجاعت کے ساتھ اس وقت کے دنیا کے حکمرانوں کو دعوت توحید و رسالت دی اور انکار کی صورت میں خوفناک انجام کی بھی اطلاع کر دی۔ چنانچہ بعد میں وہی ہوا جو حضورؐ نے ان خطوط میں فرمایا تھا۔

بہر حال اس دعوت تبلیغ و اشاعت کے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔ آنحضرت کو ان ملوک و امراء کی آپ کے بارے میں سیاست اور اپنی طرف توجہ کا حال معلوم ہو سکا۔ اس طرح گویا ان خطوط مبارک نے ان سلاطین کی اندرونی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ان کی نبضوں پر ہاتھ رکھنے کا کام دیا۔

2- یمن کے حاکم بازان نے اپنے ساتھیوں سمیت اسلام قبول کر لیا۔

3- مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے اپنے جوابی مکتوب میں نرم طرز عمل اختیار کر کے اور آپؐ کی خدمت میں تحائف بھیج کر آپؐ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔

4- جیسا کہ تاریخی کتب میں مشہور ہے نجاشی نے اسلام قبول کر لیا اگرچہ وہ اپنی قوم کو اسلام لانے پر آمادہ نہ کر سکا۔

5- منذر بن ساوی والی بحرین کا مشرف بہ اسلام ہونا۔

6- عمان کے ہر دو بادشاہوں اور ان کے ساتھ ان کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

عرب قبائل کے وفود کی آمد 10-9ھ :

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا "جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور جب لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

فتح مکہ کے بعد جب عرب قبائل کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ کا لایا ہوا دین مشرک قریش مکہ پر غالب آ گیا ہے اور نہ صرف ان کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت ختم ہو گئی ہے بلکہ قریش خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اور پرچم اسلام کو اٹھا اس کی تبلیغ و اشاعت اور دشمنانان اسلام کے مقابلہ کے لئے میدان عمل میں آ گئے ہیں۔ تو عرب قبائل جو اب تک اس انتظار میں تھے کہ جناب رسول اللہؐ اور قریش کے درمیان انقلابی کشمکش کا کیا انجام ہوتا ہے انہوں نے از خود مدینہ کا رخ کر لیا ور آنحضرتؐ کی خدمت میں وفود کی شکل میں حاضر ہو کر دین اسلام کی تعلیم حاصل کرنے اور حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ تاکہ اس نئی مذہبی و سیاسی طاقت کے ساتھ شامل ہو کر دنیا و آخرت کی سعادت و کامیابیاں حاصل کر لیں۔ سب سے زیادہ وفود 9ھ میں مدینہ آئے اس لئے اس سال کو "عام الوفود" قرار دیا جاتا ہے۔ مختلف مورخین نے وفود کی تعداد مختلف بیان کی ہے۔ بہر حال عام روایت قریباً ستر وفود کے متعلق ہے۔

آنحضرتؐ آنے والے وفود کے ساتھ بڑے عزت و احترام اور خلق و محبت کے ساتھ پیش آتے ان کی خاطر مدارت کرتے اور بڑے دلنشیں انداز میں اسلام کی تعلیم بیان کرتے جس سے عام وفود مشرف بہ اسلام ہو کر واپس جاتے یا کم از کم اسلام کی حقانیت اور حضورؐ پاک کی سیرت و کردار اور خلق عظیم سے متاثر ہو کر جاتے۔ آپ کا بنیادی مقصد اراکین وفود کو دعوت رشد و ہدایت تبلیغ اسلام اور ان کے ساتھ خیر سگالی اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ آپ کی سیاسی حکمت عملی اور بصیرت و تدبر کی وجہ سے جو وفود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ آپ کی دعوت اور اسلامی تعلیمات سے بے حد متاثر ہو کر جاتے یہی وجہ تھی کہ عرب قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور بسرعت تمام اسلام تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گیا۔ صرف چند ہی سال کے اندر اسلام ایک عالمگیر مذہب اور مسلمان ایک زبردست سیاسی طاقت بن گئے۔ آنحضرتؐ کے وصال سے قبل تمام جزیرہ نمائے عرب کا دس لاکھ مربع میل رقبہ مملکت مدینہ کے قبضہ و کنٹرول میں آ چکا تھا اور قریباً تمام آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی۔ تمام عرب قبائل بغیر کسی سیاسی یا فوجی دباؤ یا کشت و خون کے وفود اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے از خود مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ جب رسول اللہؐ نے مکہ فتح کر لیا۔ تبوک سے بھی فارغ ہو گئے اور ثقیف نے بھی آ کر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا۔ تو عرب کے وفود چاروں طرف سے آپؐ کے پاس پہنچنے لگے۔ یہ 9ھ کا واقعہ ہے اور اس سال کو وفود کی آمد کا سال کہا گیا ہے۔ بعض اوقات حضورؐ اپنے قاری اور مبلغین کو ان قبائل کی خواہش کے مطابق ان کے پاس بھیجتے جو وہاں چند دن قیام کرتے اور قبائل میں اسلام کی تعلیم دیتے۔ اس طرح قریباً نو اور دس ہجری کے درمیان تمام جزیرہ نمائے عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

10ھ 632ء کے حالات وواقعات

حجتہ الوداع ماہ ذی الحجہ 10ھ مارچ 632ء :

حضورؐ پچیس ذیقعد 10ھ کو حج کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ پر ابو دجانہ ساعدی یا سباع بن عرفطہ گفاری کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ سے نوے ہزار مسلمانوں کا جم غفیر روانہ ہوا اور مکہ تک پہنچتے پہنچتے دیگر قبائل اور یمن کی طرف سے مسلمان بھی مکہ پہنچ گئے تھے اور یوم حج کے موقع پر میدان عرفات میں قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع تھا۔ رسول اللہؐ مدینہ سے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے گئے تھے۔ جب مقام سرف میں پہنچے تو آپؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کے جانور نہیں لائے وہ عمرہ کے احرام کھول دیں۔ حضرت عائشہؓ ایام سے تھیں۔ اس لئے ان کو فرمایا کہ تم تمام مناسک حج ادا کر چکی ہو جو حاجی ادا کرتے ہیں۔ مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ رسول اللہؐ نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار میدان عرفات میں اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا اور امت کو قیامت تک کے لئے ہدایات فرمائیں اور اعلان فرمایا کہ میں نے اپنی نبوت ورسالت کا فریضہ مکمل کر دیا۔ اور قرآن حکیم کی یہ آیت ”آج کے دن اللہ نے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت امت مسلمہ پر مکمل کر دی ہے“ اس کے بعد آپؐ اپنی زندگی کے آخری حج یعنی حجتہ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ روانہ ہو گئے۔

خطبہ حجتہ الوداع :

داعی انقلاب انسانی حضرت محمد رسول اللہؐ نے تاریخ عالم میں بنیادی انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر مورخہ 9 ذالحجہ 10ھ فروری 632ء کو وادی عرفات مکہ میں جبل رحمت پر کھڑے ہو کر اپنے بے مثال خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع تھا۔ حضورؐ نے پر خلوص' پر سوز اور شیریں آواز میں احترام وشرف انسانیت کے متعلق ایسا دستور العمل پیش کیا جو انفرادی واجتماعی اخلاقیات اور شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں اور اہم ترین مسائل وحقائق کا ایک جامع مرقع ہے۔ جسے حقوق انسانی کے باب میں عالمی منشور کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کی ختم نبوت ورسالت کی طرح یہ خطبہ بھی حرف آخر ہے۔ آپ نے تمام نوع انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

1- ہر قسم کے شرک وشخصیت پرستی سے پاک خالص توحید الٰہی پر ایمان اور قرآن حکیم کے مطابق عمل کرو۔

2- وحدت نسلِ انسانی کے نظریے کے مطابق عالمگیر انسانی برادری' اسلامی مساوات واخوت کے مطابق معاشرہ کی تشکیل

نسل و قبیلہ کے تفاخر ذات پات کی اونچ نیچ رنگ وزبان اور قومیت وطنیت کے تعصبات کو یکسر مٹادیا۔اور عزت و فضیلت کا معیار صرف تقویٰ و پرہیزگاری اور نیک اعمال کو قرار دیا۔

3-عدل و انصاف 'امن و سلامتی' حریت فکر و عمل 'آزادی عقیدہ' محبت و رواداری اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظیم انسانی منشور کے اعلان کے بعد ان حیات افروز انقلابی اصولوں کی تائید فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔کہ "میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کاملہ کا اختتام کر دیا اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو پسند کر لیا" حج کے دن حضورؐ عرفہ تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں قیام فرمایا۔جب سورج ڈھلنے لگا تو آپؐ نے (اپنی اونٹنی) قصویٰ کو لانے کا حکم فرمایا (اس پر سوار ہو کر) بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنی پوری شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ ظاہر ہوا اور جاہلیت اور شرک کے تمام غیر انسانی بیہودہ رسم و رواج کو ختم کر دیا۔آپؐ نے فرمایا کہ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔اور نسل و قبیلے کے تفاخر اور امتیازات کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جاتا ہے۔تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا۔جو دنیا کی تمام قوموں نے تمام مذاہب میں تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر رکھا تھا۔آج یہ تمام فرقے تمام امتیازات تمام تفاخر اور تمام حد بندیاں ختم کر دی گئیں اور مساوات انسانی اور اخوتِ اسلامی عدل و انصاف 'امن و سلامتی' حریت و آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے عالمگیر چارٹر کا اعلان کر دیا گیا۔آپ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتداء فرمائی "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں۔خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگوں میری بات سنو! کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا)۔لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے انسانوں! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔چنانچہ (اس آیت کی روشنی میں) نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر نہ کالے کو گورے پر فوقیت حاصل ہے نہ گورا کالے پر فوقیت رکھتا ہے۔ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدمؑ (کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے ہیں)۔اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے 'خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔

بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات رہیں گی۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا "قریش کے لوگو ایسا نہ ہو خدا کے حضورؐ تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ

لدا ہوا اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں۔ ہمیشہ کے لئے ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

دیکھو تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو۔ کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے اور ہاں دیکھو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے۔

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔ سنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کوئی موجود نہ ہونے والا تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو اور (لوگو!) تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا۔ کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپؐ نے حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضورؐ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا خدایا گواہ رہنا، خدایا گواہ رہنا۔ خدایا گواہ رہنا۔

آنحضرتؐ کا آخری خطبہ 12 ربیع الاول 11ھ :

آنحضرتؐ نے اپنی شدید علالت کے باوجود ایک دن مسجد میں تشریف لا کر آخری خطبہ فرمایا۔ جس میں اسامہ کی امارت لشکر کی توثیق کی اور اس کو اس کے باپ کی طرح اس منصب ذمہ داری کے اہل قرار دیا۔ پھر فرمایا کہ مہاجر و انصار اور دیگر تمام مسلمان باہم محبت، اتحاد اور صلح امن سے قرآن و سنت کے اصولوں اور احکام کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس حالت میں صرف ایک مرتبہ نبی کریمؐ سر مبارک کپڑے سے باندھے ہوئے باہر تشریف لائے کیونکہ سر درد سے دکھ رہا تھا اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگوں! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی موت سے خائف ہو گیا مجھ سے پہلے معبوث شدہ انبیاء میں سے کوئی نبی بھی ہمیشہ اس دنیا میں رہا ہے کہ میں دائمی طور پر تم میں رہ سکوں گا" آگاہ رہو میں اپنے رب سے جاملوں گا اور تم سب مجھ سے آملو گے۔ پس میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ پہلے ہجرت کرنے والوں سے بہت اچھا سلوک کرنا۔ مہاجرین کو بھی آپس میں حسن سلوک سے رہنا چاہئے"

بلاشبہ تمام امور اللہ کی مرضی سے جاری ہوتے ہیں۔ اس کی مرضی کسی امر میں تاخیر کی ہو تو تم اس میں عجلت کی خواہش نہ کرو۔ جو شخص خدا کی مرضی پر غالب آنا چاہے خدا اس پر غالب رہتا ہے۔ جو اللہ کو دھوکا دیتا ہے خدا اسے دھوکا دیتا ہے۔ میں تمہیں انصار سے بھی حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمہیں اپنے گھروں میں قیام کی جگہ دی اور تمہیں باعزت طریق پر رکھا۔ پس تم پر ان سے حسن سلوک واجب ہے۔

اسی خطبہ کے دوران میں آنحضرتؐ نے فرمایا "خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دُنیا کی نعمتوں کو قبول کرلے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرلے لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رو پڑے۔ لوگوں نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپؐ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور یہ رونے کی کونسی بات ہے۔ لیکن رازدار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمدؐ رسول اللہ ہیں۔ آپؐ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں ابو بکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابو بکرؓ کے دریچے کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کرجاتا ہوں"

آنحضرتؐ نے اسامہ بن زید کی سپہ سالاری میں جو لشکر شام کے لئے تیار کیا تھا۔ اس پر بعض منافقین اور نسل و قبیلہ کے تفاخر میں مبتلا لوگوں نے حضرت اسامہ کی قیادت پر اعتراض کیا کہ وہ نو عمر اور ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اگر اسامہ کی سپہ سالاری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زید کی سپہ سالاری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم! وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس قیادت و سپہ سالاری کا اہل ہے۔

آپؐ نے فرمایا "حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔"

آپؐ نے فرمایا کہ "انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے" آپ نے فرمایا "اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کرلو میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا" خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حجرہ عائشہ میں تشریف لائے آنحضرتؐ کا یہ آخری خطبہ تھا۔ اس کے بعد آپؐ پھر کبھی منبر پر تشریف فرما نہ ہوئے۔

حجتہ الوداع سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد آنحضرتؐ علیل ہو گئے۔ صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ جب رسول اللہؐ

کی علالت نے شدت اختیار کی تو آپؐ نے حکم دیا کہ ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے مطابق جب رسول اللہؐ زیادہ بیمار ہوئے تو بلال نماز کے لئے عرض کرنے آئے آپؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" میں نے کہا ابوبکرؓ بہت رقیق القلب انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ضبط نہ کرسکیں گے تو اس طرح لوگوں کی نماز میں خلل پڑے گا۔ اگر آپؐ عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں تو بہتر ہو" آپ نے یہ سن کر فرمایا "ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں"

چنانچہ پنجشنبہ کی عشاء کے وقت حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کو نماز پڑھانی شروع کی اور دوشنبہ کی فجر تک 17 نمازیں پڑھائیں۔ اس دوران میں ایک دن حضورؐ مسجد میں تشریف لائے اس وقت حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پاکر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن آپ نے اشارہ سے روک دیا پھر ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

آنحضرتؐ کا وصال 12 ربیع الاول 11ھ / جون 632ء

بیماری کی شدت ساعت بہ ساعت بڑھتی گئی چہرہ مبارک کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ ازواج مطہرات چہرہ پر ہاتھ رکھتیں تو حرارت کی شدت محسوس کر کے حیران رہ جاتیں۔ بخار کی شدت نے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ آپؐ کے فرمانے پر پانی کا برتن سرہانے کے قریب رکھ دیا تھا۔ آنحضرتؐ پانی میں ہاتھ ڈبوتے اور پیشانی و چہرہ پر ہاتھ پھیرتے۔ اس اثنا میں عبدالرحمن بن ابوبکرؓ آیا اس کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ حضورؐ نے اس کو دیکھا حضرت عائشہؓ نے محسوس کیا کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ تب آپ کی خدمت میں پیش کی۔ جس سے دہن مبارک کو صاف فرمایا۔ اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں' دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں۔ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو"

صحیح بخاری کی حدیث نمبر 15736 صفحہ 770 کے مطابق آنحضرتؐ نے وفات کے وقت اشرفیاں چھوڑیں نہ روپیہ۔ غلام نہ لونڈی' ایک سفید رنگ کا خچر چھوڑا جس پر سوار ہوا کرتے تھے اور ہتھیار چھوڑے خیبر اور فدک کی کچھ زمینیں آپؐ اپنی زندگی میں مسافروں کے لئے وقف کر گئے تھے۔

یہ جان کنی کی کشمکش آخری مرحلہ پر پہنچ چکی تھی۔ خدا کی طرف متوجہ ہو کر الٰہی کہا۔ سکرات الموت! سکرات الموت! الٰہی! اس جان کنی میں میری اعانت فرمائیو۔ فرق مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوش میں تھا۔ آپؓ اس حالت کے تذکرہ میں فرماتی ہیں کہ پاس پانی کا برتن تھا۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا "اب کوئی نہیں اب کوئی نہیں! بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے" دفعتاً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ میں نے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں اور زبان مبارک پر "بل الرفیق الاعلیٰ" (اپنے رب کے پاس جانا چاہتا ہوں) روح مبارک اسی حالت میں میری گود میں ٹیک لگائے رفیق اعلیٰ کی جانب پرواز کر گئی۔ رسول اللہؐ کی زندگی کی داستان ختم ہو جانے کے بعد آپؐ کے فرق مبارک کے نیچے تکیہ

لگا کر ان عورتوں کے مجمع میں شامل ہو گئیں۔ جو پریشان گریہ وبقا میں مشغول تھیں۔ مگر میں دوسرے خیالات میں سر جھکائے کھڑی رہی۔

اس لمحہ مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہو گیا۔ بعض حضرات کو آپؐ کی وفات پانے کا تذکرہ سننا بھی گوارا نہ تھا۔ ایسے لوگوں کا خیال تھا۔ کہ حضورؐ نے وفات نہیں پائی۔ ان میں حضرت عمرؓ سب سے آگے تھے۔ اور فرط غم سے دیوانہ ہوئے جا رہے تھے۔ تمام صحابہؓ کی حالت انتہائی نازک ہو چکی تھی۔ مگر اس شدید رنج وغم کے موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ نے اعتدال پسندی' ضبط و تحمل اور ثابت قدمی کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ اور وہ ان نا قابل برداشت مصائب و شدائد میں بھی ثابت قدم رہے۔ چنانچہ ان کی ثابت قدمی اور عقل و دانش نے حالات کو قابو میں کر لیا۔

''خبردار رہو! تم میں سے جو شخص حضرت محمدؐ کی عبادت کرتا تھا۔ تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ کا وصال ہو چکا ہے۔ اور جو شخص حق تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی بھی موت طاری نہ ہو گی۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اے پیغمبر! یقیناً آپؐ مرنے والے ہیں اور دوسرے سب لوگ بھی مرنے والے ہیں''

''حضرت محمدؐ صرف ایک پیغمبرؐ خدا تھے۔ آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء گزرے ہیں''۔ اس پر لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کی یہ بات سنی تو کہا کہ یوں معلوم ہوا جیسے میں نے یہ آیت اس سے پہلے کبھی تلاوت ہی نہ کی تھی۔ آنحضرتؐ کا وصال بروز دوشنبہ بتاریخ 12 ربیع الاول 11ھ م جون 632ء کو ہوا۔ (حدیث صحیح بخاری نمبر 1563 صفحہ 65 -746)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی موت کی بیماری میں حضرت علیؓ آپ کے پاس سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا ابوالحسن آنحضرتؐ کا آج مزاج کیسا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کا شکر ہے۔ آج تو مزاج حال ہے یہ سن کر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلام ہو گے اور میں تو قسم خدا یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرتؐ اس بیماری میں عنقریب گزر جائیں گے۔ میں عبدالمطلب کی اولاد کا منہ دیکھ کر پہچان لیتا ہوں جب وہ مرنے والے ہوتے ہیں۔ دیکھو علیؓ (بہتر یہ ہے) ہم تم آنحضرتؐ کے پاس جائیں (ابھی آپؐ زندہ ہیں) آپؐ سے پوچھ لیں۔ آپؐ کے بعد کون آپ کا خلیفہ ہو گا۔ اگر آپؐ ہم لوگوں کو (یعنی بنی ہاشم کو) خلافت دیں۔ تب تو خیر ہم کو معلوم ہو جائے۔ اگر آپ دوسرے کسی کو خلیفہ کریں تو اس کو فرما جائیں گے۔ (وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہے گا) حضرت علیؓ نے کہا ایسا نہ ہو ہم آپؐ سے پوچھیں اور آپ ہم لوگوں کو خلافت نہ دیں پھر تو لوگ (قیامت تک آپؐ کے بعد کبھی ہم کو خلیفہ نہیں بنانے کے اور میں تو آنحضرتؐ سے خلافت کا سوال نہیں کرنے کا)

اس حدیث سے بھی صاف واضح ہے کہ حضرت علیؓ کو پورا یقین تھا کہ آنحضرتؐ آپ کو اپنا وصی' جانشین اور خلیفہ نامزد نہیں کریں گے۔ بلکہ حضورؐ کے خیالات اور طرز عمل سے صاف ظاہر تھا کہ آپؐ حضرات ابو بکرؓ یا عمرؓ ہی کو خلافت اور جانشینی کا اہل سمجھتے ہیں۔ اور آپ کی وفات کے بعد تمام مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ کرام ان ہی میں سے کسی کو خلیفہ و سربراہ

مملکت منتخب کریں گے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حقیقتاً یہی دو عظیم ہستیاں آپ کی جانشینی کی اہلیت و صلاحیت رکھتی تھیں۔ جو نہ صرف آپؐ کے پورے دور نبوت کے مخلص ترین جان نثار ساتھی بلکہ حضورؐ کی تربیت اور رفاقت کی وجہ سے شاہکار رسالت بن چکے تھے۔

آپ کا وصال بروز دو شنبہ 12 ربیع الاول 11ھ کو ہوا۔ آپؐ کی تدفین دوسرے دن بروز سہ شنبہ زوال آفتاب کے بعد عمل میں آئی اس وقت آپؐ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

تجہیز و تکفین :

حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ اسی جگہ قبر کھود کر آپؐ کو دفن کرنا تھا اور اسی جگہ آپؐ کی میت پڑی تھی۔ جگہ بہت تنگ تھی۔ لہذا جب جنازہ تیار ہو گیا تو لوگوں نے باری باری تھوڑے تھوڑے کر کے پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔

ضابطہ حیات :

انفرادی و اجتماعی زندگیوں کے لئے جو ضابطہ حیات عطا ہوا اس کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

1- ہر قسم کے شرک اور شخصیت پرستی سے پاک خالص توحید الہی، رسول اللہ کی نبوت و رسالت اور روز قیامت پر ایمان۔

2- تمام سابق انبیاء اور ان پر نازل شدہ الہامی کتب اور فرشتوں پر ایمان۔

3- عبادات، روزہ، حج اور زکوۃ کی ادائیگی۔

4- اعمال صالح کی بجا آوری۔ اعمال صالحہ پر اسلام نے جو زور دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جائے جو قرآن حکیم کے قوانین و ہدایت کے عین مطابق ہو۔ ایسا اجتماعی نظام حیات اور طریقہ زندگی ہو جو مستقل اقدار خداوندی کے مطابق ہو۔ جس کے چند بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

i- مساوات :

عالمگیر انسانی برادری کے تصور کے مطابق مساوات انسانی۔

ii- اخوت :

تمام مسلمان بلا امتیاز رنگ و زبان، نسل و قبیلہ، قومیت و وطنیت، علاقیت و جغرافیائی حالات، خاندان و خانوادہ اور ذات پات، آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حقوق و فرائض میں برابر اور ضرورت و مصائب کے وقت ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

iii- عدل وانصاف :

ایسا معاشرہ جس میں ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں انصاف ہو۔ سب کو برابر ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔ قومی ذرائع پیداوار اور وسائل مملکت میں سب کا برابر کا حصہ ہو۔ کوئی خصوصی حقوق مراعات اور اجارہ داریاں نہ ہوں۔ ہر شخص کو اس کی بنیادی ضروریات زندگی حاصل ہو اور ہر شخص کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ ہو۔

iv- آزادی :

حریت فکر و عمل اور عقیدہ و رائے کی آزادی حاصل ہو اور ہر شخص کو جان و مال اور عزت و آزادی کا تحفظ حاصل ہو۔

v- انسانی اقدار :

اسلام ایسے معاشرہ کی تشکیل کا حکم دیتا ہے۔ جس کی بنیاد خلوص و محبت اور رواداری و خیر سگالی کے احساسات و جذبات پر ہو۔ جس میں تعصب' نفرت اور عناد نہ ہو۔ انسانیت اور انسانی اقدار کی قدر و منزلت ہو۔ فضیلت اور عزت و وقار کا معیار دولت' اقتدار اور جبر واستبداد نہ ہو بلکہ شرافت' اخلاق حسنہ' خدمت خلق اور انسان دوستی ہو۔

آنحضرتؐ کے جانشین کا انتخاب :

آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے قبل اپنے جانشین' وصی اور خلیفہ کے متعلق کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا اور یہ فیصلہ امت پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ باہمی مشاورت سے کسی ایسے شخص کو اپنا امیر یعنی سربراہ مملکت منتخب کر لیں۔ جس کو وہ اس منصب جلیلہ کا سب سے زیادہ اہل' قابل اور مستحق تصور کرتے ہوں۔ جو اسلامی انقلاب کی تحریک میں خدمات اور کارہائے نمایاں میں سب سے زیادہ ہو اور اپنے تدبر و تفکر' عقل و دانش' عزم و استقلال اور قوم کی قیادت و راہنمائی کی گراں ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہو۔ قومی و ملی خدمات اور کارہائے نمایاں کی بنا پر عزت و فضیلت اور قیادت و راہنمائی کا حق دیتا ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے انتہائی تدبر و فراست قومی و ملی مصلحت دور اندیشی اور اسلام کے بنیادی اصول مشاورت کے مطابق امت کو یہ حق دیا کہ وہ آپؐ کے بعد اپنے میں سے محض اہلیت و صلاحیت اور خدمات کی بنا پر جس کو خیال کریں اپنا خلیفہ اور صدر مملکت منتخب کر لیں۔

تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مملکت اسلامیہ اور جزیرہ نمائے عرب کی سیاسی و مذہبی صورت حال اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ اگر اس وقت حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق جیسی شخصیتیں نہ ہوتیں تو دین اسلام کی یہ انقلاب انگیز تحریک ناکام ہو جاتی۔ ان اندرونی و بیرونی نازک مسائل و مشکلات کو ان دونوں بزرگ ہستیوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں' خلوص و دیانت' اہلیت و قابلیت' ذاتی تجربات' وسیع اثر و رسوخ اور انتھک جدوجہد کے ذریعے حل کیا۔ نہ صرف ملت اسلامیہ کو انتشار مایوسی' بددلی' نسل و قبیلہ کے امتیازات و تعصبات سے بچا کر متحد'

مستحکم اور متحرک رکھابلکہ ان میں ایک نیا جوش و جذبہ اور اسلامی فتوحات کا زبردست ولولہ و عزم پیدا کر کے اس وقت کی دونوں سپر طاقتوں' قیصر روم اور کسریٰ ایران کے خلاف بیک وقت اعلان جہاد کر دیا۔ تیرہ سال کی مختصر مدت کے دوران میں دونوں کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر ان کے وسیع و عریض متمدن مہذب' خوشحال اور ترقی یافتہ ممالک پر قبضہ و تسلط قائم کر لیا۔ بلکہ ان ممالک کے کروڑوں عوام کو مشرف با اسلام بھی کر لیا۔ جو آج تک اسلام کے مضبوط قلع تصور کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایران' عراق' شام' مصر اور فلسطین وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک میں نہ صرف عدل و انصاف کی عدیم النظیر روایات قائم کیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں دوررس انقلابی اصلاحات نافذ کیں۔ ہر طرف اخوت و مساوات' حریت و آزادی' عدل و انصاف' امن و سلامتی' ترقی و خوشحالی علم و حکمت' مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی بنیادوں پر حیات افروز اسلامی معاشرے کو استوار کیا گیا۔ جس کی اس سے قبل تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

بلا مبالغہ تینوں عظیم شخصیتوں کا دور حکومت تاریخ اسلام کا سنہری دور تھا اور آپ تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان تھے۔

آنحضرتؐ کی سیرت و کردار

فقر و فاقہ :

حضورؐ نے پوری زندگی انتہائی سادگی اور فقر و فاقہ کی حالت میں بسر کی۔ مکہ میں بھی آپؐ ایک کامیاب تاجر تھے اور حضرت خدیجہؓ کی دولت کی وجہ سے آپؐ کی مالی حالت کسی سے کم نہ تھی۔ مگر وہاں بھی اپنا مال غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی ضرورت کے لئے بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ اور خود سادہ اور تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مدینہ میں ایسا وقت بھی آیا کہ تمام عرب کی دولت، مال غنیمت، زکوۃ، صدقات اور جذیہ وغیرہ ہر قسم کا بے حساب مال و دولت بیت المال میں آرہا تھا۔ مگر حضورؐ سب کچھ مجاہدین، غربا، اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے اور خود خالی ہاتھ گھر جاتے۔ حالانکہ وہاں کھانے پینے کی شدید تنگی تھی۔ اور دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار تمام ازواج مطہرات نے مل کر عرض کیا کہ اب جبکہ تمام مسلمانوں کی معاشی حالت بہت اچھی ہو چکی ہے اور باہر سے بے حساب مال و دولت آرہا ہے۔ ہماری ضروریات کا بھی کچھ اہتمام کریں۔ مگر آپؐ نے صاف جواب دیا کہ "کہ اگر تم میرے ساتھ یہ فقر و فاقہ منظور نہیں تو آؤ میں تم کو طلاق دے کر عزت کے ساتھ رخصت کر دیتا ہوں۔ تم کو اس فقر و فاقہ اور اللہ اور اس کے رسول کو قبول کرنا ہوگا۔ یا مال و دولت دنیا کو ----ان میں سے ایک کا انتخاب کرلو" مگر تمام ازواج مطہرات نے فقر و فاقہ اور حضورؐ کی رفاقت کو قبول کیا اور آئندہ دنیاوی آرام و آسائش کی اشیاء کا مطالبہ نہ کیا۔

اپنی سابقہ زندگی بطورِ دلیل صداقت :

حضورؐ کے دعویٰ رسالت کے بعد قریش مکہ نے آپؐ کی مخالفت شروع کر دی۔ اور آپ کے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت طلب کرنے لگے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "میں کہیں باہر سے نہیں آیا ہوں۔ میں اس سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں جھوٹا انسان ہوں یا سچا۔ کیا تم ذرا بھی سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے" یعنی آپؐ نے اپنی صداقت اور سچائی کے ثبوت کے طور پر اپنی سابقہ زندگی کا بے داغ ریکارڈ پیش کیا۔ کہ تم لوگوں نے ہی مجھے امین اور صادق کا لقب دیا تھا۔ اب چالیس سال کی عمر میں مجھے خدا پر جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کے اس چیلنج کا جواب قریش مکہ کے پاس کوئی نہ تھا۔ بلکہ ابو جہل اور ابو سفیان نے بھی تسلیم کیا کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ غیر مسلم مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی پاکیزہ اور صاف حق و صداقت اور سچائی پر مبنی تھی۔ سر ولیم مور جیا

مصنف بھی اعتراف کرتا ہے کہ "ہماری تمام تصنیفات محمدؐ کے بارے میں ان کی عظمت اخلاق اور پاکیزگی اطوار پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی متفق ہیں" بعثت سے قبل آنحضرتؐ کی سیرت و کردار آپؐ کے جوہر ذاتی تھے۔ اور آپ بہترین انسان کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ امریکہ کے ایک عظیم عیسائی سائنسدان و مفکر نے تاریخ عالم کے عظیم ترین انسانوں میں سے آنحضرتؐ کو تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ اثر ڈالنے والے قرار دیا ہے۔ اس نے حضورؐ کے کمالات و کارہائے نمایاں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپ تاریخ عالم کے تنہا شخص میں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی" انگریز مورخ تھامس کارلائل نے پیغمبر اسلام کو "نبیوں کا ہیرو قرار دیا ہے"

عظیم مفکر مائیکل ہارٹ نے آپ کو ساری انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انسان قرار دیا ہے۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے اور ہر انصاف پسند مورخ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ ساری بہترین قدریں اور تمام اعلیٰ کامیابیاں جن کو آج اہمیت دی جاتی ہے' وہ سب آپؐ کے لائے ہوئے انقلاب کے براہ راست یا بالواسطہ نتائج ہیں۔ مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کی بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی اعتقادات کو توہمات کی بجائے حق کی بنیاد کس نے عطا کی۔ فطرت کی پرستش کی بجائے فطرت کو مسخر کرنے کا سبق کس نے دیا۔ سیاست میں نسلی شہنشاہیت کی بجائے جمہوریت کا راستہ کس نے دکھایا! ظلم واستبداد کی بجائے عدل و احسان کا سبق کسی نے دیا۔ بلا مبالغہ آپؐ ساری دنیا کے لئے ہادی اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرے انبیاء صرف پیغمبر دعوت تھے۔ مگر آپؐ پیغمبر دعوت کے ساتھ پیغمبر انقلاب بھی ہیں۔ آپ کا معجزہ ایک زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا معجزہ ہے۔ یعنی قران یہ خدائی معجزہ ہے۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات :

آنحضرتؐ کی تعلیمات نے قیامت تک انسان کی راہنمائی اور ہدایت کا فریضہ انجام دینا تھا۔ اس لئے ان تعلیمات کی بنیاد قرآن حکیم کے قوانین واحکام کے مطابق تھی جن پر غور وفکر اور تدبر و تفکر کا بار بار حکم دیا گیا۔ ان تعلیمات کی بنیاد دلائل و براہین' تجربات و مشاہدات فطرت اور قانون فطرت کے غیر متبدل اور اٹل اصولوں پر قائم تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق عمل کر کے ان کی صداقت اور قابل عمل ہونے کا ثبوت مہیا کر دیا اور پھر اس تعلیم کے مطابق عمل کر کے تاریخ عالم کا ایک عدیم النظیر انقلاب برپا کر کے اس تعلیم کو نوع انسان کی ترقی وارتقاء امن وسکون اور اس کے بنیادی انسانی حقوق کا ضامن ثابت کر دیا۔ آپؐ کی تعلیم و تربیت جدید تقاضوں کو پورا کرتی ہے انسان کی نفسیاتی اور ذہنی الجھنیں دور کرتی ہے۔ ان کے معاشی معاشرتی اور سیاسی مسائل کا ٹھوس اور تسلی بخش حل پیش کر کے انسان کو آسان' سادہ اور پر سکون زندگی گزارنے کے قابل بنا دیا گیا ہے۔ ایک ایسا نظام حیات دیا کہ انسان تعمیر و تسخیر کائنات کی منزل کی طرف گامزن ہو گیا۔ آپؐ نے ایک عظیم علمی' اخلاقی' انسانی' اصلاحی و تعمیری انقلابی تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے دنیائے علم و حکمت فلسفہ و سائنس اور علم وادب میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ آپؐ نے قرآن حکیم کی تعلیم ان کے مطابق تربیت اور اپنے خلق عظیم اور سیرت و کردار کے ذریعے پوری انسانیت کے لئے اعلیٰ ترین قابل عمل اسوۂ حسنہ چھوڑا جو قرآن کے ساتھ سنت کی شکل میں

دین کا جزو بن گیا۔

آپؐ غریبوں، مسکینوں، غلاموں، مظلوموں، یتیموں، بیوگان اور پس ماندہ لوگوں کے ساتھ بے انتہا محبت و خلوص کے ساتھ پیش آتے۔ ان کی ہر ممکن امداد کرتے۔ ان کی مشکلات و مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے اور ہر انسان کی عزت و احترام کرتے۔ آپؐ میں تکبر، غرور، خود غرضی، مفاد پرستی، عیش و آرام اور دنیا کی چیزوں کا لالچ نہ تھا۔ آپؐ مجسمہ محبت و شفقت، انتہائی انسان دوست، خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ بلا مبالغہ آپ جیسا عظیم انسان تاریخ عالم میں پیدا نہیں ہوا۔ آپؐ سابق انبیاء کی تصدیق کر کے ان کو اپنا بھائی قرار دیتے۔ ان کو اپنے برابر تصور کرتے ان کی تعریف اور بڑائی بیان کرتے۔ ان سے کسی قسم کا حسد یا رشک نہ کرتے ان کے دین کو دین اسلام قرار دیتے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا بزرگ بیان کرتے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کرتے اور ان انبیاء کے ماننے والوں کی عبادت گاہوں کا تحفظ اور ان کے عقیدہ کی مکمل آزادی کا حکم دیتے اور دین کے معاملہ میں زیادتی سے منع فرماتے۔

آپؐ کی دعوت رشد و ہدایت کی مدت صرف 23 سال ہے مگر اس مختصر مدت میں عرب کے پسماندہ، جاہل اور متعصب قبائل میں آپ نے ایسا انقلاب انسانیت پیدا کر دیا کہ جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی نہ صرف سیاسی لحاظ سے بلکہ انسانیت کے لحاظ سے بھی ایک وحشی جاہل قوم کو دنیا کی مہذب ترین اور فاتح عالم قوم بنا دیا۔ جس نے قلیل عرصہ میں تمام دنیا میں ایک نیا نظام حیات قائم کر دیا۔ آپؐ کا اس قدر بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار تھا۔ کہ جو شخص بھی آپؐ کے قریب ہوتا وہ آپؐ کی عظمتوں کو دیکھ کر مفتوح ہو جاتا کہ اللہ نے آپؐ کے اندر قوتِ تسخیر پیدا کر دی تھی۔

آنحضرتؐ کے ذریعے دس سال کے جہاد و قتال کے بعد جو عظیم انقلاب آیا۔ اس میں صرف 1018 آدمی دونوں طرف سے مارے گئے۔ اس دوران میں تقریباً 80 غزوات ہوئے مگر اتلاف جان کو بچانے کے لئے آپؐ نے خون ریزی سے ہر ممکن احتراز کیا۔ انسانی خون کا تقدس پیش نظر تھا۔

یہ انقلاب تاریخ عالم کا عظیم ترین انقلاب تھا۔ جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ مگر اتنے بڑے انقلاب میں مقتولین کی تعداد اس قدر کم تھی کہ اسے غیر خونی انقلاب یا پر امن شاندار انقلاب کہہ سکتے ہیں۔

آنحضرتؐ انسان کامل تھے۔ معلم اخلاق اور مثالی حکمران تھے۔ بے نظیر سپاہ سالار اور سیاسی مدبر بھی تھے۔ عظیم مفکر اور صاحب علم و حکمت بھی تھے۔ آپؐ کا قائم کردہ معاشرہ۔ آپؐ کا مقرر کردہ نظام حیات قرآن حکیم کے قوانین و احکام کے مطابق تھا جو عالمگیر انسانیت کے لئے زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد تمام بنی نوع انسان اور تمام دنیا کے لئے بلا امتیاز نسل و قبیلہ وطن و قومیت اور تفریق و امتیاز کے ابدی سکون، امن و سلامتی اور حیات نو کا وسیلہ تھا۔ /

عدیم المثال اسلامی انقلاب

آج سے تقریباً 14 سو سال قبل تاریخ عالم میں عدیم المثال انسانی وروحانی انقلاب آنحضرتؐ کی زیر قیادت قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنے سے رونما ہو چکا ہے۔ جسے تمام دنیا تسلیم کرتی ہے یہ انقلاب صرف 23 سال کی مدت میں تیرہ سال مکہ میں مجاہدین کی تعلیم وتربیت اور دس سال مدینے میں میدان عمل میں جہاد کے ذریعے وقوع پذیر ہوا اور اس قلیل مدت میں اسلامی تحریک تمام جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ پر پھیل گئی۔ جہاں کی تمام آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صرف تیرہ سال میں آنحضرتؐ کے جانشین حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ نے انہی تعلیمات قرآن کے مطابق عمل پیرا ہو کر مملکت مدینے کو دنیا کے ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل رقبہ پر محیط کر دیا۔ جس میں دنیا کے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک عراق' ایران' شام' فلسطین اور مصر وغیرہ شامل تھے۔ جہاں کی آبادی کے کثیر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور آج یہ تمام ممالک دنیائے اسلام کے سب سے ترقی یافتہ مہذب اور سیاسی اہمیت کے حامل تصور کئے جاتے ہیں۔ اگر آج بھی مسلمانان عالم قرآن حکیم کی تعلیمات پر سچے دل سے خلوص وایثار کے جذبے سے عمل پیرا ہوں۔ تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے۔

کیونکہ قوموں کے عروج وزوال کے اسباب قانون مکافات عمل کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس وقت مسلمانان عالم خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کے اعمال ایسے ہیں جو زوال پذیر پسماندہ ممالک کے ہوتے ہیں۔ قانون فطرت غیر متبدل' اٹل اور سب کے لئے یکساں اور برابر ہے۔ لہٰذا اگر ہمارے اعمال قرآنی تعلیمات کے مطابق ایسے ہو جائیں جو ترقی و عروج کے اسباب ہوتے ہیں تو قانون فطرت ہمیں بھی دوبارہ اقوام عالم میں باعزت اور باوقار مقام دلا سکتا ہے اور ہم بھی دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی صف اول میں شامل ہو سکتے ہیں۔

تاریخ عالم کے مطالعہ ومشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختلف ممالک میں مختلف اقسام کے انقلابات آتے رہے ہیں۔ سیاسی انقلابات خونی اور پرامن بھی معاشی وصنعتی انقلابات' معاشرتی وتمدنی انقلابات علمی ونظریاتی انقلابات وغیرہ مگر ان انقلابات کے اثرات ونتائج سے اکثریت بے تعلق اور محروم رہی اور ان کے اثرات بھی وقتی اور مقامی نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔ پوری نوعِ انسانی ان کے اصلاحی وتعمیری فوائد سے فیضیاب نہیں ہوتی تھی۔ لیکن تاریخ عالم میں ایک اور صرف ایک ہی ایسا عظیم الشان عالمگیر وہمہ گیر انقلاب آیا۔ جس سے تمام نوعِ انسانی نا صرف متاثر ہوئی بلکہ مستفید بھی ہوئی ہے اس محیر العقول انقلاب سے نوعِ انسانی کی کایا پلٹ گئی اور انسان عروج وکمال کی شاہراہ پر تیزی سے گامزن ہو گیا۔ دنیا کے تمدنی' معاشرتی'

معاشی، عمرانی، ثقافتی، علمی، ادبی روحانی اور انسانیت کے ہر گوشے میں ایک حیات افروز اور جنت نظیر انقلاب رونما ہو گیا۔ اس نقید المثال انقلاب کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ نوعِ انسانی عہد قدیم سے نکل کر عصر جدید میں داخل ہو گئی۔ اس انقلابی تحریک کا داعی دور قدیم اور دور جدید کے مقام اتصال پر کھڑا ہے۔ اور پرانے زمانے کے اختتام اور نئے زمانے کے آغاز کا اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ تاریخ عالم کا یہ بے مثال انقلاب اسلامی انقلاب ہے۔ جس کے داعی حضرت محمدؐ ہیں۔ اس عدیم المثال انقلاب کا منشور اور آئین قرآن حکیم ہے۔ اور اس کی بنیاد توحید و رسالت پر ایمان ہے اور قرآن حکیم کے مطابق اعمال صالح کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کی بنیاد بنانا تھا۔ یہ اسلامی انقلاب بعثتِ نوعِ انسان کی پوری تاریخ میں اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ اتنی قلیل مدت میں اتنا عظیم انقلاب کہ پورے عرب کا نقشہ اور پھر پوری دنیا کا سیاسی، مذہبی، اخلاقی، سماجی اور تمدنی منظر یکسر بدل گیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی دعوت نبوت و رسالت یعنی اسلامی انقلاب کا اعلان کیا تو ایک طرف پوری قوم تھی جس میں اپنا قبیلہ بھی شامل تھا۔ اور دوسری طرف تن تنہا ایک فرد اللہ کے سہارے جس کے پاس صرف اللہ کی توحید پر غیر متزلزل ایمان، سیرت و کردار، بلند اخلاق، صبر و تحمل، عزم و ہمت، استقلال و استقامت، علم و دانش اور تدبر و حکمت کی لازوال دولت تھی۔

آنحضرتؐ کا عظیم الشان، پرامن اور حیات افروز انقلاب جس سے انسان یکسر بدل گیا۔ اس کا قلب و ذہن اور سیرت و کردار بدل گئے۔ نصب العین اور مقصد حیات بدل گیا۔ اخلاقی انسانی اقدار بدل گئیں۔ افکار و نظریات بدل گئے۔ سیاست، معیشت، معاشرت اور تمدن کے اصول و قواعد فلسفہ حیات اور نظام زندگی سب کچھ بدل گیا۔ مساوات انسانی، اخوت اسلامی، عدل و احسان، امن و سلامتی، حریت و آزادی اور محبت و رواداری کے پر خلوص جذبات و احساسات سے سرشار، خدا پرست، انسان دوست اور انصاف پسند مجسمہ انسانیت بن کر ابھرا۔

اس حیرت انگیز اندرونی تبدیلی سے خدا پرست اور انسان دوست مجاہدین کی ایک مختصر جماعت نے تاریخ عالم میں وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ جن کی مثال نہیں ملتی۔

صرف تیرہ سال کے قلیل عرصے میں اس زمانے کی دو مہذب اور ترقی یافتہ سپر پاورز قیصر روم اور کسریٰ ایران کو شکست فاش دے کر بائیس لاکھ مربع میل رقبہ پر مشتمل ممالک ایران، عراق، مصر، شام اور فلسطین پر نا صرف اسلام کی حکومت قائم کر دی۔ بلکہ اُن ممالک کی غالب اکثریت حلقہ بگوش اسلام بھی ہو گئی جو آج بھی اسلامی علوم و فنون، تہذیب و ثقافت اور سیاسی قوت و اقتدار کے قابل فخر مراکز ہیں۔

چونکہ اس حیات افروز انقلاب کا ایک بنیادی مقصد حصولِ تعلیم مشاہدہ فطرت، مطالعہ تاریخ کائنات کے اسرار و رموز کی تحقیق و تدقیق اور تسخیر کائنات بھی تھا تاکہ نوعِ انسانی اپنے ارتقاء و ترقی اور عروج و کمال کے بلند ترین مقام کی شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔ لہٰذا اس انسانی انقلاب کے بعد نوعِ انسانی اپنے اس عظیم الشان نصب العین کی طرف بسرعت تمام سرگرم عمل ہو گئی اور آج تہذیب و تمدن علم و حکمت سائنس و ٹیکنالوجی اور ترقی و خوشحالی کی معراج کمال تک پہنچ چکی ہے۔ آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی مبعوث ہو کر تاریخ عالم کے ایسے وقت اور زمانہ میں آئے تھے۔ جب دنیا عہد قدیم سے عصر

جدید میں داخل ہو رہی تھی۔ یعنی تاریخ انسانیت کا سابقہ پرانا دور ختم ہو رہا تھا اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا۔ اب دنیا نے تہذیب و تمدن علم و حکمت، فلسفہ و سائنس، سیاست و معیشت اور عروج و کمال کے آخری دور میں داخل ہونا تھا اس لئے اب ایک عدیم المثال انسانی انقلاب کی ضرورت تھی اور یہ سب کچھ مشیت ایزدی اور حکمت الٰہی کے پروگرام کے عین مطابق ظہور پذیر ہو رہا تھا۔

خطبہ حجتہ الوداع اور تکمیل دین :

9 ذی الحجہ 10ھ کو عرفات کے میدان میں حجتہ الوداع کے بے مثال خطبہ انسانی تاریخ کا اہم ترین اعلان آزادی اور انسانیت کا منشور ہے۔ اس کے مطابق اسلامی معاشرے کی بنیاد مساوات انسانی، اخوت اسلامی، عدل و انصاف عقیدۂ ورائے کی آزادی حریت فکر و عمل اور خلوص ورواداری کے حیات افروز اصولوں پر قائم کی گئی۔ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے یہ بنیادی انسانی حقوق کا چارٹر تھا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی آخری آیت دین اسلام کی تکمیل اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود قبول کر لی۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات نے قیامت تک انسان کی رہنمائی اور ہدایت کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔ اس لئے ان تعلیمات کی بنیاد قرآن حکیم کے قوانین و احکام کے مطابق تھی۔ جن پر غور و فکر اور تدبر و تفکر کا بار بار حکم دیا گیا۔ ان تعلیمات کی بنیاد دلائل و براہین، تجربات و مشاہدات اور قانون فطرت کے غیر متبدل اور اٹل اصولوں پر قائم کی تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق عمل کر کے تاریخ عالم کا ایک عدیم المثال انقلاب برپا کر کے اس تعلیم کو نوعِ انسانی کی ترقی وارتقاء امن و سکون اور اس کے بنیادی انسانی حقوق کا ضامن ثابت کر دیا۔ آپؐ نے معاشرتی و سیاسی مسائل کا ٹھوس اور تسلی بخش حل پیش کر کے انسان کو آسان، سادہ اور پر سکون زندگی گزارنے کے قابل بنا دیا۔ ایک ایسا نظام حیات دیا کہ انسان تعمیر و تسخیر کائنات کی منزل کی طرف گامزن ہو گیا۔ آپؐ نے ایک عظیم علمی، اخلاقی، انسانی، اصلاحی، تعمیری، انقلابی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ جس نے دنیائے علم و حکمت، فلسفہ و سائنس اور علم و ادب میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ آپؐ نے قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق تربیت اپنے خلق عظیم اور سیرت وکردار کے ذریعے پوری انسانیت کے لئے اعلیٰ ترین قابل عمل اسوۂ حسنہ چھوڑا۔ جو قرآن کے ساتھ سنت کی شکل میں دین کا جزو بن گیا۔ بے شک نسل انسانی میں آپؐ عظیم ترین محسن انسانیت اور داعی انقلاب انسانیت ہیں۔ آپؐ کا پیدا کردہ انسانی انقلاب تاریخ عالم کا عدیم المثال انقلاب ہے۔ آپؐ دورِ قدیم اور عصر جدید کے درمیان حد فاصل ہیں اور عالم انسانیت کو دور جدید کی روشنی اور تہذیب و ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے والے ہیں۔ آنحضرتؐ انسان کامل تھے۔ معلم اخلاق اور مثالی حکمران تھے۔ بے نظیر سپہ سالار اور سیاسی مدبر بھی تھے۔ عظیم مفکر اور صاحب علم و حکمت بھی تھے۔ آپؐ کا قائم کردہ معاشرہ ایک مثالی معاشرہ تھا۔ آپؐ کا مقرر کردہ نظام حیات قرآن حکیم کے قوانین و احکام کے مطابق تھا۔ جو عالمگیر انسانیت کے لئے زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد، تمام انسان اور تمام دنیا کے لئے بلا امتیاز نسل و قبیلہ، وطن و قومیت، اور تفریق و امتیاز کے ابدی سکون و مسرت، امن و سلامتی اور حیات نو کا وسیلہ تھا۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات کے مطابق نہ صرف خالق و مخلوق کے درمیان براہ راست تعلق پیدا کرنا تھا۔ یعنی بندہ و معبود کو آپس میں ملانا تھا اور راستہ سے خود ساختہ معبودوں اور طاغوتی طاقتوں کو جو مذہبی پیشواؤں نے شخصیت پرستی' مت پرستی اور مظاہر قدرت کی پرستش برائے وسیلہ و واسطہ معبود حقیقی تک پہنچنے کا قرار دے رکھے تھے۔ ان سب کا خاتمہ کر کے براہ راست بندہ کا اس کے رب کے ساتھ تعلق جوڑنا تھا جو ہر وقت ہر جگہ موجود بلکہ انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے اور اپنے بندے کی ہر بات کو سنتا اور سمجھتا ہے۔

غزوات و سرایا رسول اللہؐ کی آخری کڑی غزوہ تبوک تھا۔ جو رجب 9ھ نومبر 631ء کو واقعہ ہوا۔ غزوات سرایا کی ابتداء اگرچہ 1ھ کے اواخر میں شروع ہو گئی تھی اور غزوہ بدر سے قبل جو رمضان 2ھ میں ہوا' آٹھ مہمات کی جا چکی تھیں۔ مگر جنگ و قتال کی ابتداء غزوہ بدر سے ہوئی۔ یعنی 2ھ سے 9ھ تک عہد نبوی میں قریباً 82 غزوات و سرایا کے لئے عسکری نقل و حرکت ہو چکی تھی۔ ان میں سے اٹھائیس میں آنحضرتؐ نے خود شرکت فرمائی اور بقایا کی قیادت و سپہ سالاری کے فرائض کبار صحابہ کرامؓ نے فرمائی۔ ان تمام غزوات و سرایا میں آٹھ سال کی طویل مدت میں کل 259 مسلمان شہید ہوئے اور 759 مخالفین مارے گئے۔ یعنی تمام 82 جنگوں کی مہمات اور مقابلوں میں فریقین کی جانب سے کل 1018 انسانی جانوں کا اتلاف ہوا۔ ان آٹھ یا نو سال کی جنگوں میں مقتولین کی تعداد 1018 کو دیکھئے اور پھر مخالفین اسلام کے ان الزامات و اعتراضات پر غور کریں کہ "اسلام تلوار" سے پھیلا تھا۔ دوسری طرف اس دور تہذیب و تمدن اور انسان دوستی کے علمبرداروں کے جنگ و جدل پر غور کریں کہ انسانی انقلاب کے نام پر جب بھی انہوں نے کوئی تحریک چلائی اس میں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا اور ان سے زیادہ بے گناہ بلا امتیاز مرد' عورتیں اور بچے اپنے شہروں اور آبادیوں میں مارے گئے۔ پھر موازنہ کیجئے کہ انسان دوستی اور تہذیب و تمدن کا دور کون سا تھا اور وحشت و بربریت اور قتل و غارت گری کا انسانیت سوز دور کونسا ہے۔

تاریخ عالم میں بے شمار مذہبی' سیاسی' معاشی و معاشرتی انقلابات رونما ہوئے ہیں۔ مگر تین انقلابات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ حقیقی انسان دوست پر امن اور شاندار انقلاب صرف آنحضرتؐ کا عظیم الشان انقلاب ہی تھا۔ 1789ء میں فرانس میں انقلاب آیا۔ جس میں لاکھوں انسانوں کی قربانی کے بعد جاگیردارانہ نظام معیشت کی بجائے سرمایہ دارانہ نظام معیشت مسلط ہو گیا۔ مذہبی پیشواؤں کے سیاسی اقتدار میں عمل و دخل کے خاتمہ کے بعد حکمرانوں کی آمریت قائم ہو گئی۔ عوام کی معاشی و سیاسی حالت میں کوئی خاص فرق نہ پڑا حالانکہ اس انقلاب فرانس کے بنیادی اصول مساوات' اخوت اور آزادی تھے۔ مگر بدقسمتی سے عوام کے حصہ میں ان میں سے کچھ بھی نہ آیا۔

1917ء میں روس میں اشتراکی نظریاتی انقلاب آیا جس میں انقلاب پسند اشتراکیوں نے اپنے ہی لاکھوں ہم وطنوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ یک جماعتی اشتراکی پارٹی کی آمریت مسلط ہو گئی۔ عوام کی مذہبی و سیاسی آزادی سلب کر لی گئی۔ شہری آزادیاں اور بنیادی انسانی حقوق غصب کر لئے گئے بنیادی انسانی ضروریات زندگی کے عوض ان کو بے زبان حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا انسانوں کی جدوجہد اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما اور ترقی و ارتقاء

کے تمام مواقع ختم کر دیے گئے۔ "مساوات شکم" کا نظام نافذ کر کے آزادی جیسی بے بہا نعمت سے عوام کو محروم کر دیا۔ اسی طرح تمام اشتراکی ممالک کے عوام کو انسانیت اور احترام انسانیت کی تمام اخلاقی اقدار سے محروم کر دیا۔ اسی طرح چین میں سال ہا سال تک اشتراکی انقلاب کی جدوجہد جاری رہی جس میں لاکھوں انسان مارے گئے اور آخر اس انقلاب کی کامیابی کے نتیجہ میں 1949ء میں ماؤزے تنگ کی صدارت میں چین میں آزاد کیمونسٹ حکومت قائم ہوگئی۔ مگر ساتھ ہی کروڑوں عوام یک جماعتی اشتراکی آمریت کے پنجہ استبداد میں جکڑ لئے گئے اور ان کو بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں سے محروم کر دیا گیا۔ لیکن ان کے مقابلے پر آنحضرتؐ کے اس عدیم المثال انقلاب پر کھلے دل و دماغ اور غیر جانبداری کے ساتھ غور کریں کہ صرف ایک ہزار انسانوں کی قربانی کے بعد عرب جیسے وحشی اور جاہل معاشرہ میں کیا بے مثال انسانی انقلاب برپا ہو گیا۔ جس میں اسلامی معاشرے کی بنیاد مساوات واخوت، عدل وانصاف، حریت و آزادی، امن و سلامتی، محبت درواداری جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق اور ہر ایک کو تعمیر و ترقی کے معاملات میں برابر کے مواقع حاصل تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا
دوسالہ عہد خلافت کے
حالات و واقعات

حضرت صدیق اکبرؓ کا عہد خلافت

صدیق اکبرؓ کی شخصیت

حضرت ابو بکر صدیقؓ 573ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ عمر میں آنحضرتؐ سے اڑھائی سال چھوٹے تھے اور قریباً اڑھائی سال خلیفۃ الرسول اللہؐ رہے اور وفات کے وقت دونوں بزرگ ہستیوں کی عمریں 63 سال تھیں۔ یعنی وفات کے وقت آپ کی عمر آنحضرتؐ کی عمر کے برابر تھی۔ آپ کا نام عبداللہ بن عثمان ابو قحافہ تھا۔ آپ کی کنیت ابو بکرؓ اور لقب صدیقؓ اور عتیق تھا۔ یہ دونوں القاب آپؓ کو آنحضرتؐ نے عطا فرمائے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے "کہ عتیق کا لقب میرے باپ کو رسول اللہؐ نے دیا تھا" کہ جو چاہتا ہے کہ آگ سے آزاد شدہ شخص یعنی عتیق کے چہرے کو دیکھے وہ ابو بکرؓ کو دیکھ لے بعض روایات کے مطابق ان کا عتیق "لقب" ان کے سرخ و سفید رنگ کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ صدیق کا لقب حضورؐ نے معراج کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کی معراج کے متعلق سُنا تو بغیر ملاقات کے ہی تصدیق کر دی کہ اگر آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا ہے تو یہ حق و سچ ہے۔ چنانچہ جب حضور کو ابو بکر صدیقؓ کی یہ خبر ملی تو آپ نے ان کو صدیق کا لقب عطا فرما دیا۔ آپؓ کی کنیت ابو بکر تھی اور عمر بھر اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی کنیت کے متعلق کوئی قابل اعتماد روایت نہیں سوائے اس کے کہ ابو بکرؓ کو اونٹوں کی بیماریوں اور ان کے علاج معالجہ کے متعلق بڑی مہارت حاصل تھی اور لوگ ان سے اونٹوں کا علاج کراتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے آپ کو اونٹوں کا باپ یعنی "ابو بکرؓ" کہنا شروع کر دیا کیونکہ اونٹ کو عربی زبان میں "بکر" کہتے ہیں اور تمام عمر یہی نام مشہور رہا۔

حضرت ابو بکرؓ کا تعلق قریش کے ایک معزز قبیلہ "بنو تیم" سے تھا اور ان کا نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہؐ سے مل جاتا ہے۔

جناب رسول اللہؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا شجرہ نسب

یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے اور آنحضرتؐ عدنان کے خاندان سے تھے۔ عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور انہی کی اولاد قریش ہے اس قبیلہ میں نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے بڑے شاندار کارنامے سرانجام دیئے اور تمام قبیلہ قریش کو مکہ میں جمع کر کے آباد کیا۔ قصی بن کلاب نے دارالندوہ کے نام سے مکہ میں قبیلہ قریش کا مرکز قائم کیا اور قریش کے مختلف قبائل کو حاجیوں کی خدمات اور باہمی معاملات طے کرنے کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جس میں ہر قبیلہ کو مختلف خدمات ادا کرنے کے منصب عطا کئے گئے جن میں حاجیوں کو خوراک اور پانی پلانے کے لئے سقایہ اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا اس نے قائم کیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے والد عثمان بن عامر اپنی کنیت ابو قحافہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ان کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ مگر وہ اسلام نہ لائے۔

8ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو حضرت ابو بکرؓ ان کو گھر سے سہارا دے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لائے۔ کیونکہ وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے اور بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں زحمت دی۔ میں خود ان کے گھر پہنچ جاتا۔ اس کے بعد وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔

حضرت ابو بکرؓ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر کنیت ام الخیر تھی اور اپنے خاندان ابی قحافہ کی چچازاد تھیں۔ ابتدا میں اس نے بھی اسلام قبول نہ کیا تھا مگر ایک دن قریش نے خانہ کعبہ میں رسول اللہؐ کی حمایت کرنے پر حضرت ابو بکرؓ کو اس قدر شدید زدوکوب کیا کہ آپ سخت زخمی ہو کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ بنو تیم کے کچھ لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ جب ہوش آیا تو پوچھا رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟ رات کو ان کے اصرار پر ان کی والدہ اُم الخیر اور حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب ان کو ساتھ لے کر دار ارقم میں رسول اللہؐ کے پاس لے آئیں۔ اسی موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ میری والدہ کے لئے دُعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مشرف بہ اسلام ہونے کی توفیق عطا کرے۔ حضورؐ نے دُعا فرمائی اور اُم الخیر اسی وقت اسلام لے آئیں۔ حضرت اُم الخیر اور ابو قحافہ نے لمبی عمر پائی۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے وقت بھی دونوں زندہ تھے۔ بعض روایات کے مطابق اسلام لانے سے قبل حضرت ابو بکرؓ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ لیکن اسلام لانے کے بعد رسول اللہؐ نے یہ مشرکانہ نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا تھا۔

قصی بن کلاب کے دور سے قریش کے مختلف قبائل کو مکہ اور کعبہ کے انتظامی امور میں کوئی نہ کوئی منصب حاصل تھا۔ قبیلہ بنو تیم کو "اشناق" یعنی خون بہا اور دیت اکٹھی کرنے کا منصب حاصل تھا۔ جب حضرت ابو بکرؓ جوان ہوئے تو یہ

منصب ان کے حوالے کیا گیا۔ چنانچہ خون بہا اور دیتوں کے تمام مقدمات ان کے سامنے پیش ہوتے تھے اور جو وہ فیصلہ کرتے تھے وہی قریش کو قبول کرنا ہوتا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کا حلیہ مبارک :

رنگ سرخ و سفید' چہرہ شگفتہ اور خوبصورت بدن' دبلا' داڑھی خشخاصی قد درمیانہ اور جھکا ہوا۔ آنکھیں روشن' پیشانی فراخ' ناک ستواں' رُخسار پتلے' پنڈلیاں پتلی اور رانیں صاف تھیں۔ آنکھیں نیچی رکھتے پیشانی بلند تھی آپ مہندی اور کسم کا خضاب کرتے تھے۔ نازک مزاج اور فیاض تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی ازواج اور اولاد :

1- قبل از اسلام حضرت ابو بکرؓ نے ایک عورت قتیلہ بنت عبد العزیٰ سے شادی کی تھی۔ قتیلہ سے عبد اللہ اور اسماء پیدا ہوئے تھے۔

2- آپ کی دوسری شادی اُم رومان بنت عامر سے ہوئی۔ جس سے عبد الرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئے۔

3- ہجرت کے بعد آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے نکاح کیا جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ اس سے ایک بیٹا محمد بن ابو بکر پیدا ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس نے حضرت علیؓ سے نکاح کر لیا۔ اس وقت محمد بن ابو بکر چار' پانچ سال کے تھے حضرت علیؓ نے ان کی پرورش کی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تمام زندگی حقیقی بیٹوں کی طرح حضرت علیؓ کے خدمت گار اور وفادار رہے۔

4- حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ میں حضرت حبیبہ بنت خارجہ بن زید سے نکاح کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اُم کلثوم تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت و کردار :

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت و کردار آنحضرتؐ کی سیرت و کردار کے عین مطابق تھی۔ آپ حضورؐ کے عاشق صادق تھے۔ اس لئے ان کا ہر عمل اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہوتا تھا۔ دونوں عظیم ہستیاں مجسمہ انسانیت اور بلند اخلاق کی حامل تھیں۔ یہ نظریات و کردار کی مماثلت ہی تھی جو ان کی گہری دوستی اور خلوص و محبت کی بنیاد بنیں۔ حضرت ابو بکرؓ سلیم الفطرت اور رحمدل انسان تھے۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے۔ انسان دوست' فیاض اور مہمان نواز تھے۔ ہمیشہ حق و صداقت اور مظلوموں کا ساتھ دیتے۔ آپ نے قبل از اسلام بھی شراب نوشی اور سماجی برائیوں سے اجتناب کیا جو اس وقت عرب معاشرہ کا حصہ بن چکی تھیں۔ آپ ہمیشہ پاک و صاف اور شریفانہ زندگی گزارتے تھے۔ آپ کفر و شرک سے متنفر تھے اور توحید کے قائل تھے۔ آپ مکہ میں ان چند لوگوں میں سے ایک تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور شعر و ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے آپ علم الانساب کے

ماہر اور تاریخ عرب سے بھی واقف تھے اور لوگ اپنے حسب و نسب کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ قریش انساب کے معاملے میں سب سے زیادہ ان پر اعتماد کرتے تھے۔

''اشناق'' یعنی خون بہا اور دیت کا منصب ان کو حاصل تھا۔ آپ کپڑے کے کامیاب تاجر تھے اور اسی تجارت کے سلسلے میں شام اور یمن کے کئی سفر کر چکے تھے اس لئے دنیا کے سیاسی معاشی اور معاشرتی حالات سے واقف تھے۔ جس کا ثبوت آپ کا کسی قریش کے ساتھ ایران اور روم کی جنگ کے متعلق پیش گوئی کرنا اور شرط لگانا تھا۔

آپ تمام مکہ میں ہر دلعزیز اور عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی تاریخ کے ماخذ:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تاریخ کے تین ماخذ ہیں۔

اول: احادیث' دوم: تاریخ' سوم: سیرت رسول اللہؐ کی کتابیں۔

آپ ابتداء میں اپنے والد ابو قحافہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے پہلی بار تجارت کے لئے شام کا سفر کیا۔ تاہم اس سے پہلے ہی آپ کی دیانت' امانت صداقت اور مہارت کی شہرت ہو چکی تھی۔ اس عمر میں آپ کے آنحضرتؐ سے بھی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ کیونکہ دونوں ہم پیشہ یعنی تاجر تھے۔ آنحضرتؐ کی حضرتؓ خدیجہؓ سے شادی کے معاملہ میں بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اہم کردار ادا کیا تھا اور نکاح کی تقریب میں شامل تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آنحضرتؐ مستقل طور پر ان کے گھر میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ چونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت خدیجہؓ مکہ کے ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ اس لئے نکاح کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور آنحضرتؐ ایک ہی محلے میں رہنے لگے۔ قریباً ہم عمر بھی تھے اس لئے روزانہ ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان گہرے تعلقات کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ دونوں کے خیالات' نظریات' عادات یکساں تھے اور بت پرستی' شرک اور اخلاقی برائیوں کے خلاف تھے۔ ان اخلاق و فضائل کی مماثلت نے ان کو مضبوط رشتوں میں منسلک کر دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ بعثت سے قبل ہی آنحضرتؐ کی صداقت' امانت' دیانت' خصائل و نظریات اور اخلاق حسنہ کے معترف ہو چکے تھے اس لئے جب آپؐ نے دعوئ نبوت کیا تو حضرت ابو بکرؓ بلا تامل اور بغیر سوچے سمجھے اور بلا کسی ذہنی کشمکش کے فوراً آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے اور تمام عمر صدق دل کے ساتھ حضورؐ کی رفاقت اور متابعت میں اپنی جان' مال اور اولاد سب کچھ قربان کرتے رہے اور خدمت اسلام کی وہ شاندار روایات قائم کیں جن کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔

ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا اس نے اس پر غور و فکر کیا۔ کچھ تردد کیا اور اطمینان قلب کے بعد اسلام قبول کیا لیکن ابو بکرؓ نے بلا تامل اور بغیر سوچ و بچار کے فوراً ہی اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ لہٰذا یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اعلان نبوت کیا تو سب سے اول جس مقدس ہستی نے اس پر بلا تامل لبیک کہا وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات والا صفات ہی تھی اور آپ کے علاوہ آنحضرتؐ کے اہل بیت یعنی حضرت

خدیجۃ الکبریٰ آپ کی دختران حضرت زینب اور رقیہ آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث بتنبی رسول اللہؐ ام ایمن آپ کی پیدائش سے ہی جانثار وفادار خادمہ تھیں۔ حضرت علیؓ جو آنحضرت کی زیر کفالت آپؐ کے گھر ہی رہتے تھے۔اس وقت چھ سات سال کے تھے۔ حضرت فاطمہ اوزام کلثوم بھی بہت کم عمر تھیں۔

قبول اسلام کے بعد آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ کے درمیان ذاتی و دینی تعلقات کا آغاز ہو گیا اور حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کی محبت والفت میں اپنے آپ کو غرق کر دیا اور ایمان کا وہ نمونہ پیش کیا کہ اس کی نظیر عقیدت ومحبت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ اپنے والدین کو دین اسلام کی محبت میں ترقی کرتے ہی دیکھا ہے۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جب رسول اللہ ہمارے گھر صبح وشام تشریف نہ لاتے ہوں۔

آغاز اسلام ہی سے حضرت ابو بکرؓ نے اپنے اندر دین حق کی تبلیغ واشاعت کا غیر معمولی جذبہ پیدا کر لیا تھا اور ہر وقت پورے خلوص ولگن کے ساتھ اسی میں مشغول رہتے تھے۔ آنحضرتؐ کی امداد اور اعانت کے لئے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے تھے اس لئے بہت جلد بہت سے قریش کے اعلیٰ خاندانوں کے چشم وچراغ ان کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور بعد میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابو سلمہ وغیرہ جو بعد میں آنحضرتؐ کی رفاقت اور تعلیم وتربیت سے فلک اسلام پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بہت سے مظلوم غلاموں کو جو اسلام لانے کی وجہ سے اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم وستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے کثیر رقوم خرچ کر کے آزاد کرا دیا۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

1- حضرت بلال بن رباحؓ، حضرت بلال حبشی تھے اور ایک مشرک امیہ بن خلف کے غلام تھے انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس ظالم نے ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ دوپہر کے وقت تپتی ریت پر لٹا کر ان پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ اسلام چھوڑ دو مگر بلال احد احد ہی پکارتے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب بلال پر بے حد تشدد دیکھا تو انہوں نے امیہ بن خلف کو قیمت ادا کر کے حضرت بلالؓ کو آزاد کرا لیا۔ وہ پہلے موذن رسول اللہؐ تھے۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ ان کو ہمارے سردار کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ ہے مساوات اسلامی کا شاہکار جس کی وجہ سے اسلام دنیا میں پھیل گیا۔

2- حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عائشہؓ کے سوتیلے بھائی طفیل بن حارج کے غلام تھے۔ وہ ان پر انسانیت سوز مظالم کرتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا اور اپنے پاس ملازم رکھ لیا انہیں ہجرت مدینہ کے وقت حضورؐ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی۔

3- حضرت ابو فہیہ امیہ بن خلف اور اسی کے بیٹے صفوان بن امیہ کا غلام تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹا ان پر بے پناہ ظلم کرتے تھے۔ حضوت ابو بکرؓ نے کثیر رقم دے کر ان سے خرید کر آزاد کر دیا۔

4- حضرت حمامہ: یہ حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں ان پر بھی سخت ظلم کیا جاتا تھا حضرت ابو بکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

5- ام عبیس: یہ اسود بن عبد یغوث کی لونڈی تھی۔ جو اس پر بے پناہ ظلم وستم کرتا تھا۔ اس کو بھی حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر

آزاد کر دیا۔

6-حضرت نہدیہ اور اس کی بیٹی: یہ دونوں بنی عبداسدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ یہ عورت ان پر بڑے مظالم کرتی تھی۔ ان کو بھی حضرت ابو بکرؓ نے قیمت ادا کر کے آزاد کر دیا۔

7-حضرت لبینہ: یہ اسلام سے قبل حضرت عمرؓ کے تشدد کا شکار تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔

8-حضرت زنیرہ: یہ ہو مخزوم کی لونڈی تھی اور ابو جہل اس پر بے پناہ ظلم کرتا تھا۔ جس سے اس کی بینائی جاتی رہی۔ حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ کچھ وقت کے بعد اس کی بینائی بحال ہو گئی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ نے آپ سے کہا کہ بیٹا! تم ایسے کمزور غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے پر اتنا کثیر روپیہ خرچ کرتے ہو اس کا تمہیں کیا فائدہ ہے بلکہ ایسے طاقتور غلاموں کو آزاد کرایا کرو جو تمہارے زیر احسان ہوں اور مشکل کے وقت تمہارے کام آسکیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا ابا جان! میں کسی دُنیاوی لالچ یا فائدہ کے لئے ان کو آزاد نہیں کراتا۔ میں تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں۔

(حضرت ابو بکرؓ کے دل میں بے پناہ قوت ایمانی تھی حالانکہ آپ بڑے رحم دل اور رقیق القلب انسان تھے۔

جس روز حضرت ابو بکرؓ ایمان لائے ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور تجارت کا سلسلہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد بھی جاری رکھا اور منافع کماتے رہے لیکن جب تیرہ سال بعد آپ نے ہجرت مدینہ کی تو آپ کے پاس صرف پانچ ہزار درہم تھے اس دوران میں اپنی اصل رقم اور جو کچھ کمایا وہ سب اسلام کی تبلیغ واشاعت آنحضرتؐ کی امداد واعانت اور ان مظلوم غلاموں کو آزاد کرانے پر صرف کر دی جو اپنے ظالم مشرک آقاؤں کے ہاتھوں ہولناک ظلم وستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ بلند پایہ مدبر، مفکر اور دانشور تھے۔ آنحضرتؐ کو ان کی اصابت رائے پر بڑا اعتماد تھا اور ہر اہم معاملہ و مسئلہ پر ان کی رائے اور مشورہ کو ترجیح دیتے تھے حضرت ابو بکرؓ تیرہ سالہ مکی زندگی میں کفار مکہ کے ظلم وستم اور ایذا رسانیوں میں آپ کی ہر طرح سے امداد واعانت کرتے رہے۔ ہر حالت میں آپؐ کے دست وبازو اور رنج وراحت میں شریک رہے۔ آپ صبح وشام حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لاتے اور درپیش مسائل پر صلاح و مشورہ کرتے۔ عام اجتماعات اور عکاظ 'الجاز' اور مجنہ کے میلوں میں آپ کے ہمراہ جاتے۔ عمرہ کے لئے آنے والے قبائل کے خیموں میں بھی اکثر ساتھ جاتے اور ان کی تبلیغ و دعوت اسلام میں شامل ہوتے۔ آپ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر رکھی تھی۔ اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ قرآن پاک کی بلند آواز سے تلاوت کرتے اور روتے جاتے تھے اور لوگ آپ کی آواز سن کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے بہت متاثر ہوتے تھے۔

اسلام کا ابتدائی دور آنحضرتؐ اور صحابہ کرام کے لئے از حد پر آشوب اور صبر آزما تھا آپ اور آپ کے جانثاروں پر اس قدر شدید ظلم وستم، تکالیف اور اذیتیں پہنچائی جاتیں کہ ان کے تصور سے ہی جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ آنحضرتؐ کعبہ میں تقریر کر رہے تھے کہ کفار نے آپؐ پر حملہ کر دیا اور اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ بےہوش ہو گئے۔ ابو بکرؓ نے آکر چھڑایا اور کہا "اے کم بختو! کیا تم صرف اس لئے ان کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ یہ صرف ایک خدا کا نام لیتے

ہیں ؟ایک دفعہ آنحضرت خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر آپؐ کے گلے میں ڈال کر اس طرح بل دیا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ اتنے میں ابو بکرؓ پہنچ گئے عقبہ کو دھکا دے کر وہاں سے ہٹایا اور بولے "اے ظالموں! کیا تم ان کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ اس طرح کئی مواقع پر حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کی امداد واعانت کی ظالموں کے پنجہ ظلم وجبر سے بچانے کی کوشش کی۔ الغرض دعوت تبلیغ اسلام کے اس قیامت خیز دور میں حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے دست وبازو تھے اور اپنا تمام وقت اور جان ومال اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی تقویت واستحکام اور توسیع کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ایک طرف نامور صحابہ کرام کو دائرہ اسلام میں داخل کیا اور دوسری طرف غریب وبے بس غلاموں کو ان کے ظالم مشرک مالکوں کے قبضہ و تسلط سے کثیر رقوم خرچ کر کے آزاد کرایا۔

ایک ضعیف روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ بھی کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت حبشہ کے لئے گھر سے روانہ ہوئے مگر ابھی مکہ سے تین روز کی مسافت طے کی تھی کہ برک الغماد کے مقام پر قبیلہ القارہ کے سردار ابن الدغنہ ملے۔ وہ آپ کو پناہ دے کر مکہ لے آئے اور قریش کو بتادیا کہ میں نے ابو بکرؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ حسب سابق اپنے گھر کی مسجد میں نماز اور تلاوت قرآن اپنی سحر آگیں بلند آواز سے کرتے اور اپنے رقیق القلب ہونے کی وجہ سے روتے جاتے تو محلّہ کے مرد و عورتیں وبچے آپؓ کے گرد جمع ہو جاتے اور بہت متاثر ہوتے۔ قریش کی شکایت پر ابن الدغنہ سے حضرت ابو بکرؓ نے کہا تم اپنی پناہ واپس لے لو میں اللہ کی پناہ میں آجاتا ہوں اور حضرت ابو بکرؓ حسب سابق بلند آواز سے تلاوت فرماتے رہے اور قریش ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

ہمارے خیال میں یہ روایت درائت اور حقائق کے خلاف ہے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت کی اجازت کے بغیر آپؐ کو مکہ میں اکیلا چھوڑ کر حبشہ جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ عاشق صادق تھے اور اپنی تمام جان ومال اور اولاد، قوت و قابلیت اور اثر و رسوخ سب کچھ آنحضرتؐ اور دین اسلام کے لئے وقف کر چکے تھے۔ اس لئے اپنی جان بچانے کے لئے حضورؐ کی جدائی ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا یہ روایت وضعی اور بے بنیاد ہے (جب یثرب میں اسلام پھیل گیا اور مکے سے بہت سے مسلمان آنحضرتؐ کی اجازت سے یثرب چلے گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی آنحضرتؐ سے یثرب ہجرت کر جانے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ انتظار کرو شاید آپ کو یثرب ہجرت کے وقت کوئی اچھا ساتھی مل جائے۔ اس جواب پر حضرت ابو بکرؓ بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ آنحضرتؐ خود بھی ہجرت کرنے والے ہیں اور آپ کو ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت سے حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سفر کے لئے دو اونٹنیاں خرید لیں اور ان کو خوب کھلا پلا کر سفر کے لئے مضبوط کرنے لگے۔)

آنحضرتؐ کا حضرت عائشہؓ سے نکاح :

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد خولہ بنت حکیم نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کے نکاح کی تحریک کی آپؐ راضی ہو گئے۔ اب خولہ نے حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان سے اس کا ذکر کیا تو اس نے حضرت ابو بکرؓ سے بات کی آپ نے

فرمایا کہ میں جبیر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں لیکن جب جبیر بن مطعم سے بات ہوئی تو اس نے اس بنا پر رشتہ لینے سے انکار کر دیا کہ حضرت ابو بکرؓ دن رات اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف آنحضرتؐ کے دست راست ہیں۔ اب حضرت ابو بکرؓ آزاد تھے۔ چنانچہ آپؓ نے چار سو درہم پر حضرت عائشہؓ کا نکاح حضرت محمدؐ سے کر دیا۔ اس وقت صرف نکاح ہوا تھا۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال کی تھی اور رخصتی 2ھ میں مدینہ میں ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کے لئے ایک ایسی رفیقہ حیات کا انتظام ہو گیا جو آگے چل کر اسلامی احکام و مسائل کی تشریح و توضیح اور دین حق کی تبلیغ واشاعت میں آپؐ کی دست راست ثابت ہوئیں اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد 45 سال تک اسلام کے لئے گراں بہا خدمات سر انجام دیتی رہیں۔ (ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ابو بکرؓ کے مال نے جو نفع مجھے پہنچایا کسی اور کے مال سے نہیں پہنچا۔ بے شک مال و جان کے لحاظ سے ابو بکرؓ سے زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں۔ یہ سن کر ابو بکرؓ رو پڑے اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ یہ جان اور مال کیا کسی اور کے لئے ہیں"

حضرت ابو بکرؓ جس ماحول میں پیدا ہوئے وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کا دور تھا لیکن آپ کی پاکیزہ فطرت 'بت پرستی' شراب خوری اور مروجہ اخلاقی برائیوں سے پاک و صاف اور محفوظ تھی۔ آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ کے نظریات' خیالات' مزاج' عادات' خصائل اور اخلاق میں حیرت انگیز مماثلت و مشابہت تھی۔

حضرت ابو بکرؓ نے اسلام کے لئے جان و مال' اہل و عیال' عزت و آبرو سب کچھ قربان کر دیا۔ آپ کے فضائل بے حد و حساب ہیں۔

قرآن حکیم نے صدیقین کو انبیاء کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے۔ آپ ملت اسلامیہ کے صدیق ہیں اور آنحضرتؐ کے بعد امت کے سب سے بڑے روحانی پیشوا۔ آپ کی اس فضیلت کے متعلق آنحضرتؐ کی بہت سی روایات واحادیث ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ اپنے اوصاف حمیدہ' شجاعت' سخاوت' مروت' مہمان نوازی' انصاف اور انسانی ہمدردی کی وجہ سے مکہ میں ہر دلعزیز اور عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے وقت عرب کے حالات

جب 11ھ بمطابق 632ء میں آنحضرتؐ کا وصال ہوا تو سیاسی لحاظ سے تمام جزیرہ نمائے عرب کا دس لاکھ مربع میل رقبہ سلطنت مدینہ کے زیر نگین آ چکا تھا۔ مگر مذہبی نقطہ نظر سے تمام مملکت اسلامیہ میں زبردست فتنہ و فساد اور بغاوت و سرکشی کا ایک قیامت انگیز طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت نے خطرناک بغاوت شروع کر رکھی تھی اور بے شمار لوگ نسل و قبیلہ کے تعصبات اور اسلام دشمنی کے جوش و جذبہ کے تحت ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور انہوں نے یمن یمامہ 'نجد' اور جزیرہ میں علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ دوسری طرف منکرین زکوۃ نے مدینہ کے گردو نواح میں زکوۃ دینے سے انکار کر کے خطرناک فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔ تیسری طرف مدینہ کے دور دراز مقامات کے قبائل نے جو حضورؐ کے آخری دور میں وفود کی صورت میں مدینہ آکر حضورؐ کی بیعت کی تھی اور ابھی اسلام ان کے حلق سے نیچے نہیں اترا تھا۔ یعنی اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت نہیں ہوئی تھی اسلام سے منحرف ہو گئے۔ جنہیں مرتد کہا گیا۔ حالانکہ ابھی انہوں نے نہ دل سے اسلام قبول کیا تھا اور نہ ہی ان کو اچھی طرح اسلام کی تعلیم و تربیت کا موقع ملا تھا وہ صرف سیاسی طور پر مسلمان ہوئے تھے۔ یعنی ذاتی مفاد کے لئے مملکت مدینہ کی اطاعت قبول کی تھی۔

ادارہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد 10 (صفحہ 233 '232) حافظ ابن کثیر کے قول کے مطابق کم و بیش 24 قبائل عرب مرتد ہوئے۔ صرف قریش مکہ 'مہاجرین و انصار مدینہ 'بنو ثقیف طائف اور قبائل مدینہ 'غفار 'جہینہ 'بلی 'اشجع ' اسلم 'اور خزاعہ ' کے سوا سارے عرب قبائل اس فتنہ کا شکار ہو گئے۔ طبری' قاضی عیاض و دیگر مورخین کے مطابق مرتدین کے تین گروہ تھے اور وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد دوبارہ شرک و کفر اختیار کر لیا ان میں یمن 'عمان 'بحرین اور حضر موت وغیرہ شامل تھے۔ دوسرے وہ قبائل جنہوں نے اسود عنسی مسیلمہ کذاب سجاح اور طلحہ بن خویلد وغیرہ جھوٹے مدعیان نبوت کے دعووں کو تسلیم کر لیا ان کا زیادہ زور ملک کے جنوب مشرق اور نجد میں تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو اسلام سے کلی طور پر تو منحرف نہ ہوا تھا لیکن وہ زکوۃ کی ادائیگی مرکز خلافت کو ادا کرنا ضروری خیال نہیں کرتا تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ زکوۃ کی لازمی ادائیگی صرف حضورؐ کی زندگی تک تھی۔ چنانچہ انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان میں عبس 'ذبیان 'کنانہ فزارہ اور غطفان قبائل وغیرہ شامل تھے لیکن ان میں بھی بعض لوگ جن کے دل میں اسلام راسخ ہو گیا تھا وہ زکوۃ کی ادائیگی سے منحرف نہ ہوئے تھے۔ شروع شروع میں ان فتنوں کی حیثیت مذہبی تھی لیکن بہت جلد یہ تحریک سیاسی صورت اختیار کر گئی اور ہر طرف مدینہ کی سیادت سے آزادی اور خود مختاری کا نعرہ بلند ہونے لگا اور اس نے بغاوت کی صورت اختیار کر لی آنحضرتؐ کی زندگی

کے آخر اور صدیق اکبرؓ کی خلافت کی ابتدا میں اس بغاوت اور فتنہ انگیزی کے چار اسباب تھے۔

1- ابھی تمام قبائل کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے طائف اور مکہ وغیرہ میں مسلمانوں کی کامیابیوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ آنحضرتؐ کو ابھی ان کی تعلیم و تربیت کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد وہ اسلامی نظم و ضبط سے منحرف ہو گئے۔

2- بعض قبائل نے قریش کی مذہبی سیادت' سیاسی قیادت اور مدینہ کی مرکزی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے لئے تحریک شروع کر دی تھی۔ کیونکہ عرب قبائل آزادی پسند فطرت نظم و ضبط کی پابندی برداشت نہ کر سکی۔

3- شام اور عراق کی سرحدوں کے قریب قبائل کو رومی و ایرانی حکومتوں نے ان قبائل کو بغاوت اور سرکشی پر ابھارا اور عملی امداد بھی کی تاکہ مدینہ کی مرکزی حکومت طاقت ور ہو کر ان کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔

4- مدینہ کے قریب قبائل کا نظریہ تھا کہ زکوۃ کی ادائیگی صرف عہد نبویؐ تک تھی اب ضروری نہیں۔ اگر ضروری بھی ہو تو ہم اپنے صاحب زکوۃ لوگوں سے زکوۃ وصول کر کے مقامی انتظام کے تحت اپنے غربا و مساکین کو ادا کر دیں گے۔ مدینہ میں زکوۃ جمع کروانا لازمی نہیں ہے۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے جس قوت ایمان عزم و ہمت' ثابت قدمی اور عقل و دانشمندی اور رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ان تمام قیامت خیز فتنوں اور بغاوتوں کا استیصال کیا وہ بے مثال ہے۔ جلد منحرف ہونے والوں میں ایک گروہ ایسا تھا جو مدینہ کی حکومت اور غلبہ کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا وہ آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھنا چاہتا تھا۔ یہ لوگ ادائے زکوۃ کو جزیہ سمجھتے تھے جو حکومت مدینہ نے ان پر لگا رکھا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرتؐ کی زندگی تک تو زکوۃ کی ادائیگی جائز تھی مگر اب حکومت مدینہ کو ان سے زکوۃ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے جن قبائل نے ادائے زکوۃ سے انکار کیا تھا وہ مدینہ کے قریبی قبائل عبس' ذبیان' بنو کنانہ' غطفان اور فزارہ وغیرہ تھے۔ جو قبائل مدینہ سے دور دراز علاقوں میں آباد تھے وہ ارتداد کی رو میں بہہ گئے تھے اور لوگوں نے اکثر مندرجہ ذیل جھوٹے مدعیان نبوت کی پیروی اختیار کر لی تھی۔

1- طلیحہ بن خویلد نے بنی اسد میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

2- مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں نبوتؐ کا دعویٰ کیا۔

3- اسود عنسی جس نے یمن میں دعویٰ نبوت کیا۔

4- سجاح جس نے جزیرہ میں بنو تغلب میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

5- ذوالتاج بن مالک جس نے عمان میں بغاوت کی۔

ارتداد اور بغاوت کے عوامل حسب ذیل تھے۔

1- اسلام عرب کے دور دراز علاقوں میں اس وقت پھیلا جب عرب سے یہود کے اثر و رسوخ کا خاتمہ ہو گیا۔ فتح مکہ غزوہ حنین اور محاصرہ طائف کے واقعات پیش آ گئے تو دیگر قبائل عرب اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور عرب کے طول عرض سے وفود مدینہ آکر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ رسول اللہؐ اپنے عمال کو دین کا علم سکھانے اور صدقات و زکوۃ وغیرہ وصول کرنے

کے لئے ان علاقوں میں بھیجنے لگے۔ اس عرصہ میں ان علاقوں کے قبائل کے دلوں میں اسلام کی مکمل تعلیم اور اس سے عقیدت و محبت کے جذبات پیدا نہ ہو سکتے تھے۔

2-ان پس ماندہ علاقوں کے عربوں کے دلوں میں مکہ مدینہ اور قریبی علاقوں کے مسلمانوں کی طرح دین اسلام کی حقانیت راسخ نہ ہوئی تھی۔ اسلام کو ان علاقوں میں پاؤں جمانے کے لئے بیس سال صرف ہوئے۔ مسلمانوں کو مخالفین کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بننا پڑا۔ دشمنان اسلام کے خلاف انتھک جدوجہد کرنی پڑی۔ اور مدینہ آکر بھی آٹھ سال تک غزوات اور سرایا کا سلسلہ جاری رہا۔ یہی وجہ تھی کہ مدینہ 'مکہ' طائف اور ان کے قریبی قبائل جنہیں رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ سے بکثرت ملنے جلنے کا موقع ملا۔ ان میں اسلامی تعلیمات راسخ ہو چکی تھیں۔ لیکن جو دور دراز مقامات کے رہنے والے اور آخری دور رسالت میں اسلام لائے تھے ان پر اسلامی تعلیمات کا بہت کم اثر ہوا تھا۔

3-اجنبی عوامل جو علاقے شمال میں شام کی سرحد اور جنوب و مشرق میں ایران کی سرحدوں سے ملحقہ تھے وہاں کے قبائل پر رومیوں اور ایران کے مجوسیوں کا بہت اثر تھا اور ان علاقوں کے حکمران بھی رومیوں اور ایرانیوں کے تابع تھے اور ان عظیم الشان عالمی طاقتوں کے ماتحت تھے اس لئے ان علاقوں کے نو مسلم قبائل نے جن کے حلق سے ابھی اسلام نہیں اترا تھا یعنی اسلام کی تعلیمات سے ابھی ان میں ذہنی انقلاب اور نظریاتی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اسلام سے برگشتہ منحرف ہو کر دوبارہ اپنے سابقہ دین شرک اور بت پرستی کی طرف لوٹ گئے۔ لہٰذا اس فتنہ ارتداد کے مندرجہ ذیل عوامل بھی ہو سکتے ہیں۔

1- شخصی آزادی اور خود مختاری کا جذبہ

2-شام میں رومی عیسائیوں اور جنوب میں ایرانی مجوسیوں کا دباؤ۔

3-آبائی مذہب یعنی شرک اور بت پرستی کی کشش اور اسلامی تعلیم و تربیت کا فقدان بعض علاقوں میں تو آنحضرتؐ کی زندگی میں بھی بعض قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں ارتداد کے معنی اسلام سے انحراف یعنی دین سے منحرف ہو کر اپنے سابقہ مذہب یا کوئی اور مذہب اختیار کر لینا ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مدینہ 'مکہ' طائف اور ان کے درمیان قبائل کے علاوہ تمام عرب میں ارتداد اور بغاوت کا قیامت خیز طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جو قبائل اسلام میں قائم رہے ان کے نام یہ ہیں۔ مزینہ 'غفار' جہینہ' بلی' اشجع' اسلم' خزاعہ اور قبیلہ ثقیف جو حضرت عثمانؓ بن العاص کی تدبیر سے بچے۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سن کر اہل مکہ نے بھی ارتداد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت اسید بن حضیر بھی روپوش ہو گئے تھے۔ مگر حضرت سہیل بن عمرو کی حکمت عملی اور تدبر سے وہ ارتداد سے بچ گئے۔ اگر قریش بھی منحرف ہو جاتے تو پھر حالات پر قابو پانا تقریباً ناممکن ہو جاتا۔ طائف کے قبیلہ ثقیف نے بھی ارتداد کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر وہاں کے عامل حضرت عثمان بن العاص کے تدبر اور حکمت عملی سے وہ بچ گئے۔ لیکن ان کے سوا تمام عرب میں اضطراب برپا ہو گیا۔

1-بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلام عرب میں تلوار اور جبر سے پھیلا تھا۔ اس لئے جب حضورؐ کی وفات کے بعد مملکت مدینہ میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے یعنی بعض انصار اور بنو ہاشم کی ناراضگی اور عدم تعاون کی خبروں سے عرب کے لوگوں نے علم

بغاوت بلند کر دیا اور حضرت ابو بکرؓ نے دوبارہ ان کو بزور شمشیر اسلام میں داخل کر لیا۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ اگر عرب اسلام کو ایک دین حق اور مذہب فطرت تسلیم کر کے اس کی بنیادی تعلیمات یعنی خالص نظریہ توحید' آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت اور روز قیامت پر ایمان اور اعمال صالح کے مطابق عمل کرنے کی تعلیم اور حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے تو وہ اس قدر جلد اسلام سے منحرف نہ ہوتے۔

2-اس میں شک نہیں بعض قبائل کے بعض لوگوں نے اسلام دل سے قبول کر لیا تھا اس لئے وہ راسخ العقیدہ مسلمان بن چکے تھے اس لئے انہوں نے سیاسی بغاوت کی اور نہ ہی زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کیا اور بدستور اسلام پر قائم رہے۔ بلکہ مرکز مدینہ کی فوج سے عملی تعاون کیا اور اپنے ہی ہم قبیلہ باغیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔

3-پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ وسائل آمدورفت کی کمی' مبلغین کی باقاعدہ تنظیم کا فقدان' اور آنحضرتؐ و صحابہ 9ھ تک غزوات اور اپنی اندرونی تنظیم میں ہی مصروف رہے اور مبلغین کو بیرون مدینہ بھیجنے کا وقت کم ملا جس کی وجہ سے پیغمبر اسلام کی زندگی میں جزیرہ نمائے عرب کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی مسلمان نہیں ہو سکی تھی۔ خود حجاز جو پیغمبر اسلام کی سرگرمیوں کا اصل میدان تھا اس کا حال یہ تھا کہ آپؐ کی وفات سے ایک دو سال پہلے مسلمان ہوا تھا اور جو وفود پیغمبر اسلام کی خدمت میں آتے تھے ظاہر ہے کہ ان کو پورے عرب کا ترجمان نہیں کہا جا سکتا تھا اور ان وفود کے مسلمان ہو جانے کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ ایک قبیلہ کے سرداروں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

بعض مغربی مصنفین کی رائے یہ ہے کہ جو کچھ ہوا سراسر سیاسی بغاوت تھی اور مذہب کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد موقع کو غنیمت خیال کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

4-آنحضرتؐ کو اپنی زندگی میں ان نو مسلم قبائل کے عوام کو تعلیمات اسلامی کے مطابق تعلیم و تربیت کا موقع ہی نہ ملا۔ ہجرت مدینہ کے بعد آٹھ سال تک غزوات و سرایا میں مصروف رہے اس عرصہ میں بھی مختلف علاقوں میں مبلغین کی جماعتوں کو بھیجا گیا تاہم اُن کو بھی بعض خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ بیر معونہ اور رجیع کی تبلیغی جماعتوں کو کفار نے بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ ذرائع آمدورفت محدود اور پر خطر راستے تھے۔ بعض قبائل مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت و عداوت رکھتے تھے۔ لہٰذا عہد صدیقی میں ابتدا ہی سے مشکلات و مخالفین کا مقابلہ کرنا پڑ گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہوتی اور منشائے ایزدی کو اسلام کی فتح و نصرت اس کی بقا و قیام اور نشر و اشاعت مطلوب نہ ہوتی تو نخل اسلام ان حوادث کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضرت کو اسلام کی تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا بہت کم موقع ملا۔ تیرہ سال مکہ میں قریش کے ظلم و ستم برداشت کرتے گذر گئے اور صرف تقریباً ایک سو سعید فطرتوں نے اسلام قبول کیا۔ مکہ میں جو قبائل کعبۃ اللہ کا حج' عمرہ' زیارت اور طواف کے لئے آتے تھے۔ اگرچہ حضورؐ ان کے خیموں میں جا کر ان کو دعوت اسلام دیتے اور تعلیمات اسلامی بیان کرتے مگر وہ قریش کی شدید مخالفت کی وجہ سے بہت ہی کم اثر قبول کرتے۔

5-ہجرت مدینہ کے بعد فتح مکہ' حنین اور محاصرہ طائف تک حضور ان غزوات میں مصروف رہے 9ھ کو عرب قبائل وفود کی

صورت میں مدینہ حاضر ہونے لگے مگر وہ اپنے سیاسی مفاد اور مستقبل کے روشن امکانات میں حصہ دار بننے کے لئے اسلام اور اس کی تعلیمات سے ان کا زیادہ تعلق نہیں ہوتا تھا اس لئے آنحضرتؐ کو اپنی زندگی میں اسلام کا ایک ہمہ گیر ٹھوس تنظیم کے تحت نظام قائم کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

6- عرب کے یہود و نصاریٰ، مجوسی اور منافقین اسلام کے دشمن اور موقع کے منتظر تھے اس لئے جب انہوں نے قبائل عرب میں بے چینی دیکھی تو ان کو شہ دے کر آمادہ بغاوت کر دیا اور ان کی پشت پناہی بھی کرتے رہے۔ سجاح بنت الحارث ایک عیسائی عورت تھی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بنو تغلب کے عیسائیوں نے اس کی امداد کی۔ اس طرح بحرین میں حطیم کی زیر قیادت مجوسیوں نے بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

7- ایرانیوں اور رومیوں نے اپنی اپنی سرحدوں کے نزدیک عرب قبائل کی نیم خود مختار ریاستیں قائم کر رکھی تھیں تاکہ وہ عرب خانہ بدوش قبائل کو ان کی سرحدوں پر حملوں سے روک رکھیں رومیوں نے شام میں غسانی عربوں کی ریاست قائم کر رکھی تھی جنہوں نے ان کا عیسائی مذہب بھی اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح ایرانیوں نے یمن میں حیرہ کی ریاست اور دیگر چھوٹی چھوٹی عرب قبائل کی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ جو عرب قبائل کی غارتگری سے ایرانی حکومت کی سرحدوں کی حفاظت کرتی تھیں۔ اس طرح عرب قبائل پر ایرانی اور رومی حکومتوں کا بہت زیادہ سیاسی اثر و رسوخ تھا۔ چونکہ رومی و ایرانی حکومتیں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور توسیع سے خائف تھیں۔ اس لئے حضورؐ کی وفات کے بعد ان حکومتوں نے مدینہ سے دور برائے نام اسلام قبول کرنے والے قبائل کو بھی بغاوت پر اکسایا بلکہ امداد بھی فراہم کی جو ان قبائل کی بغاوت کا سبب بنی۔

سیاسی عوامل:

مکہ و مدینہ کے ارد گرد کے علاقے تو رومیوں اور ایرانیوں کی دست برد اور اثر و رسوخ سے محفوظ تھے لیکن عرب کا شمالی حصہ جو رومی سرحدوں کے قریب تھا یعنی متصل تھا اور جنوبی علاقہ جو ایران سے متصل تھا ان دونوں عظیم سلطنتوں کے زیر اثر تھا اور یہاں کے سردار براہ راست رومیوں اور ایرانیوں کے تابع تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان حکومتوں نے اپنے ہمسایہ عرب علاقوں میں مرکز مدینہ اور اسلام کے ان قبائل کو بغاوت اور فتنہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کیا۔ جس کی وجہ سے ان علاقوں کے لوگ بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ لہٰذا ان میں شخصی آزادی اور خود مختاری کا جذبہ پیدا ہوا اور سیاسی شعور و بیداری پیدا ہوئی۔ شمال میں مسیحیت اور جنوب میں مجوسی عقائد کی تبلیغ و اشاعت یا اپنے آبائی عقیدہ شرک و بت پرستی کی کشش نے بھی اپنا کام کر دکھایا اور اسلام سے بیزاری کا فتنہ پیدا کیا گیا۔ اس سے پورے عرب میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ لہٰذا اس فتنہ و فساد کی آگ کو ارتداد نہیں بلکہ بغاوت کہہ سکتے ہیں۔

منکرین زکوٰۃ اسلام سے منحرف ہوئے اور نہ ہی اسلام کے خلاف بغاوت کی۔ انہوں نے صرف زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا اور اس کے لئے ٹھوس دلائل پیش کئے کہ ہم زکوٰۃ مرکز مدینہ کی بجائے اپنے اپنے قبائل کے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کریں گے۔ ان کے خیال میں مدینہ کی حکومت ان کی خود مختاری اور نظری آزادی کو سلب کر کے ہم پر حکومت کرنا

چاہتی ہے اور یہ زکوٰۃ ایک قسم کا جزیہ' تاوان یا خراج ہے جو زبردستی ہم سے حاصل کرنا چاہتی ہے اس لئے یہ ارتداد نہیں بلکہ سوچ و سمجھ کی غلطی ہے۔ دانستہ طور پر اسلام سے انحراف مقصود نہ تھا۔ جھوٹے مدعیاں نبوت اسود عنسی یمن میں مسیلمہ یمامہ میں طلیحہ نجد میں سجاح جزیرہ میں اور لقیط عدن میں دراصل اسلام سے منحرف نہیں ہوئے تھے بلکہ قبائلی تعصب اور ہوس اقتدار کے لئے انہوں نے مذہب کی آڑ میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی لہٰذا ان کا ارتداد مذہب اسلام کے خلاف نہ تھا کیونکہ انہوں نے تو اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا۔ اس لئے ان کی تحریک مذہب کے پردہ میں ایک سیاسی بغاوت تھی جو انہوں نے مملکت مدینہ کے خلاف شروع کی تھی اور ان کی بغاوتوں کی ابتدائی طور پر کامیابی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کی بنیاد نسل و قبیلہ اور علاقیت پر قائم تھی۔ اسود عنسی یمن سے اہل حجاز کو نکالنا چاہتا تھا۔ وہ ایرانی آبادکار ابناء کے بھی خلاف تھا۔ اس کا نعرہ "یمن یمنیوں کے لئے ہے" "تمام غیر یمنیوں کو یمن سے نکال دیا جائے گا۔ اور یہاں صرف یمن والوں کا مذہب اور یمن والوں کی حکومت ہوگی۔ اسی طرح مسیلمہ بن جیب کا نعرہ بھی یہی تھا کہ قبیلہ بو حنیفہ کا بنی بو حنیفہ سے ہوگا اور باہر کے لوگوں قریشیوں یا دیگر مسلمانوں کا یہاں کوئی حق نہیں ہے۔ طلیحہ نے کہا کہ ہم بھی محمدؐ کی طرح نبی ہیں۔ عینیہ بن حسن فزاری نے کہا کہ قبیلہ اسد کے نبی کو قریش کے نبی پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارا قبیلہ اور ہمارے قبیلہ کا نبی ہے۔ الغرض تمام جھوٹے نبیوں کی بغاوت ارتداد نہیں تھا کیونکہ انہوں نے اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا۔ ان سب کی تحریکیں مذہب کے نام پر صرف اس لئے تھیں کہ ان کو نظر آرہا تھا کہ قریش کا رہنے والا ایک شخص نبوت کا دعویٰ کر کے تمام عرب پر چھا گیا ہے۔ عربوں کی بھاری اکثریت نے آپؐ کو نبیؐ تسلیم کر لیا اور آپؐ نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ ہمارے قبائل کی بھی بھاری اکثریت ہے۔ ہم بھی اپنے قبیلوں اور دوسرے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنی اپنی حکومتیں قائم کر سکتے ہیں لہٰذا ان جھوٹے نبیوں کا نعرہ اور تحریک کو بھی ارتداد نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ایک خالص سیاسی تحریک تھی اور مدینہ کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت تھی جو کچل دی گئی۔

منکرین زکوٰۃ کے دلائل :

منکرین زکوٰۃ کا موقف تھا کہ رسول اللہؐ نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ مدینہ کے مہاجرین اور انصار آپس میں جھگڑا کر کے حضرت ابو بکرؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کر چکے ہیں۔ ہمیں بھی حق ہے کہ ہم اپنے میں سے کسی کو اپنا خلیفہ یا امیر منتخب کر کے اسلام پر قائم رہتے ہوئے اپنی آزادی اور خود مختاری کی حفاظت کریں۔ خلیفہ منتخب کرنے کے متعلق قرآن میں کوئی حکم نہیں ہے۔ ہمیں اپنے میں سے منتخب امیر کی اطاعت کا حکم ہے۔ مدینہ والوں کے منتخب امیر کی اطاعت کا نہیں۔ یہ لوگ اپنی تائید میں رسول اللہؐ کی اس مثال کو پیش کرتے تھے کہ آپ نے اپنی زندگی میں متعدد علاقوں کو خود مختاری دی تھی۔ آپؐ نے یمن کے حاکم باذان کو اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد بدستور یمن کا حکمران قائم رکھا اسی طرح بحرین اور حضر موت کے حکمرانوں کو بھی داخلی خود مختاری دے رکھی تھی سابقہ عامل اپنے عہدوں پر قائم رہنے اور نئے عامل مقرر نہیں فرمائے تھے۔

ایک گروہ مدینہ کی حکومت اور اس کے غلبے کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا اور اپنی آزادی و خود مختاری کو ہر قیمت پر برقرار

رکھنا چاہتا تھا وہ مساوات کی بنیاد پر اسلام پر قائم رہتے ہوئے مدینہ سے تعاون کے لئے تیار تھے۔ وہ لوگ اسلام کی حقانیت کا بھی اقرار کرتے تھے مگر مملکت اسلامیہ کی مرکزی بالادستی کو تسلیم کرنا اپنی غلامی اور محکومی تصور کرتے تھے۔ خصوصاً زکوۃ کی ادائیگی کو جزیہ تاوان یا خراج تسلیم کرتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اب آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم اپنے علاقہ یا قبیلہ کی زکوۃ جمع کر کے مدینہ کی حکومت کے سپرد کر دیں بلکہ اب ہم اپنے اپنے قبیلہ کی زکوۃ اکٹھی کر کے جو اپنے صاحب استطاعت مالدار لوگوں سے وصول کر کے اپنے ہی غریبوں' مسکینوں اور حاجتمندوں میں مقامی طور پر تقسیم کریں گے اور حکومت مدینہ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس مطالبہ کے حامی مدینہ کے اردگرد کے قبائل عبس ذبیان' غطفان نزارہ ہو کنانہ وغیرہ تھے۔

مدینہ کے نواحی قبائل عبس زبیان' غطفان فزارہ' ہو کنانہ وغیرہ منکرین زکوۃ میں شامل تھے اب ابو بکرؓ کے لئے دو راستے تھے اول یہ کہ منکرین زکوۃ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کا انتظار کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے مگر اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کی قوت' تعداد میں اضافہ ہو جائے گا اور باغی قبائل سے لڑائی شروع کر دینا آسان نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کبار صحابہ کی مجلس مشاورت بلا کر ان کے سامنے تمام حالات بیان کئے اور مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمرؓ اور اکثر مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والے لوگوں سے ہرگز لڑنا نہیں چاہئے۔ بلکہ ان کو ساتھ ملا کر دیگر دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ بعض لوگ اس رائے کے خلاف بھی تھے جب بحث طویل ہو گئی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے اس میں حصہ لیتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم منکرین زکوۃ سے جنگ کریں گے اور ان کو مجبور کریں گے کہ وہ پوری زکوۃ ادا کریں اگر انہوں نے اس زکوۃ سے جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں ادا کرتے تھے ایک رسی یا بکری کی بھی زکوۃ ادا نہ کی تو پھر بھی ان سے جنگ کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ قدرے جوش میں آگئے اور فرمایا کہ ہم ان لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جبکہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں اور اللہ و رسول اللہؐ پر ایمان رکھتے ہیں ان کی حفاظت جان و مال مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ البتہ جو حقوق ان کے ذمے ہیں ان کا مطالبہ ان سے کرتے رہیں گے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ پر حضرت عمرؓ کے دلائل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور فرمایا میں زکوۃ اور صلوۃ میں فرق کرنے والوں سے ضرور لڑوں گا۔ اور شعبہ حیات میں ایک ضابطہ اخلاق و قوانین کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ مگر منحرفین آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد اپنی سابقہ آزادانہ زندگی کی طرف لوٹ گئے۔ جس میں ہر قسم کی اخلاقی برائیوں' آزادانہ زندگی اور بت پرستی کی اجازت تھی اور ان کی آزاد فطرت کی تسکین موجود تھی۔

اسلام کی توسیع' تبلیغ و اشاعت' فتوحات اور مدینہ میں آنحضرتؐ کی زیر قیادت مضبوط مرکزی حکومت قائم ہو چکی تھی جو اپنے نظریات اور تعلیمات کے مطابق ایک عالمگیر انقلابی تحریک تھی بسرعت تمام نہ صرف پھیلتی گئی بلکہ اس نے تاریخ میں پہلی بار ایک مرکزی حکومت بھی قائم کر لی۔ رومیوں اور ایرانیوں کو اپنی سرحدوں کی حفاظت اور ان کے ممالک کے اندر بھی تحریک اسلامی کے اثر و نفوذ کے خطرات' عملی شکل میں نمودار ہوتے نظر آنے لگے۔ چنانچہ موتہ کی جنگ اس کا واضح ثبوت تھا تو انہوں نے اپنے ماتحت عرب ریاستوں کو مملکت مدینہ کے خلاف ان عربوں کو بغاوت پر آمادہ کر لیا جو ان کی سرحدوں کے نزدیک آباد تھے۔

آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت عربوں کے خصائل مثلاً حریت و حمیت‘ جرات و شجاعت‘ ایفائے عہد و پیمان‘ مہمان نوازی نسلی و قبائلی تفاخر‘ عصبیت جاہلیہ‘ انتقام و اثار کا جذبہ معاشرتی برائیاں‘ تخریبی عادات اور خداداد مضمر صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔ آزادی‘ خود مختاری‘ خودسری اور انا و وقار کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا تھا چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد موقع کو غنیمت خیال کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کر دیا اور اپنی آزادی و خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

آنحضرتؐ کے جانشین کا انتخاب :

(آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے قبل اپنے جانشین‘ وصی اور خلیفہ کے متعلق کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا اور یہ فیصلہ امت پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ باہمی مشاورت سے کسی ایسے شخص کو اپنا امیر یعنی سربراہ مملکت منتخب کر لیں۔ جس کو وہ اس منصب جلیلہ کا سب سے زیادہ اہل‘ قابل اور مستحق تصور کرتے ہوں۔ جو اسلامی انقلاب کی تحریک میں خدمات اور کارہائے نمایاں میں سب سے زیادہ ہو اور اپنے تدبر و تفکر‘ عقل و دانش‘ عزم و استقلال اور قوم کی قیادت و راہنمائی کی گراں ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ ہونے کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہو۔ قومی و ملی خدمات اور کارہائے نمایاں کی بنا پر عزت و فضیلت اور قیادت و راہنمائی کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے انتہائی تدبر و فراست قومی و ملی مصلحت دور اندیشی اور اسلام کے بنیادی اصول مشاورت کے مطابق امت کو یہ حق دیا کہ وہ آپؐ کے بعد اپنے میں سے محض اہلیت و صلاحیت اور خدمات کی بنا پر جس کو خیال کریں اپنا خلیفہ اور صدر مملکت منتخب کر لیں۔

تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مملکت اسلامیہ اور جزیرہ نمائے عرب کی سیاسی و مذہبی صورت حال اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ اگر اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسی شخصیتیں نہ ہوتیں تو دین اسلام کی یہ انقلاب انگیز تحریک ناکام ہو جاتی۔ ان اندرونی و بیرونی نازک مسائل و مشکلات کو ان دونوں بزرگ ہستیوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں‘ خلوص و دیانت‘ اہلیت و قابلیت‘ ذاتی تجربات‘ وسیع اثر و رسوخ اور انتھک جدوجہد کے ذریعے حل کیا۔ نہ صرف ملت اسلامیہ کو انتشار مایوسی‘ بددلی‘ نسل و قبیلہ کے امتیازات و تعصبات سے بچا کر متحد و مستحکم اور متحرک رکھا بلکہ ان میں ایک نیا جوش و جذبہ اور اسلامی فتوحات کا زبردست ولولہ و عزم پیدا کر کے اس وقت کی دونوں سپر طاقتوں‘ قیصر روم اور کسریٰ ایران کے خلاف بیک وقت اعلان جہاد کر دیا۔ تیرہ سال کی مختصر مدت کے دوران میں دونوں کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر ان کے وسیع و عریض متمدن مہذب‘ خوشحال اور ترقی یافتہ ممالک پر قبضہ و تسلط قائم کر لیا۔ بلکہ ان ممالک کے کروڑوں عوام کو مشرف باسلام بھی کر لیا۔ جو آج تک اسلام کے مضبوط قلعے تصور کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایران‘ عراق‘ شام‘ مصر اور فلسطین وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک میں نہ صرف عدل و انصاف کی عدیم النظیر روایات

قائم کیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں دور رس انقلابی اصلاحات نافذ کیں۔ ہر طرف اخوت و مساوات' حریت و آزادی' عدل و انصاف' امن و سلامتی' ترقی و خوشحالی علم و حکمت' مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی بنیادوں پر حیات افروز اسلامی معاشرے کو استوار کیا گیا۔ جس کی اس سے قبل تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

بلا مبالغہ تینوں عظیم شخصیتوں کا دور حکومت تاریخ اسلام کا سنہری دور تھا اور آپ تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت خلافت

حضرت عمرؓ کی سختی اور درشتی اس قدر مشہور ہو گئی تھی کہ ان کی نرمی رحمدلی، عدل وانصاف اور مساوات واخوت کے جذبات عوام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی یہ سختی درشتی آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کہاں گئی بیشک آپ آنحضرتؐ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ صدیق بھی آنحضرتؐ کے عاشق صادق تھے مگر حضورؐ کی وفات کے وقت دونوں کا ردعمل بالکل مختلف شکل میں ظاہر ہوا۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر حضرت عمرؓ کے ہوش و حواس پر بجلی بن کر گری اور اس اندوہ ناک خبر کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اعلان کر دیا کہ آنحضرتؐ کا انتقال نہیں ہوا۔ آپ زندہ ہیں اور حضرت موسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے گئے ہیں جو چالیس روز کے بعد واپس زندہ ہو گئے تھے اسی طرح حضورؐ بھی دوبارہ جلد زندہ واپس آجائیں گے جو یہ کہے گا کہ حضورؐ وفات پا گئے ہیں میں اس کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ فرط غم سے آپ دیوانے ہوتے جا رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور آنحضرتؐ کی پیشانی کو بوسہ دے کر اور یہ یقین کر کے کہ آپ واقعی وفات پا چکے ہیں کاشانہ نبوت سے باہر آئے اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ "جو شخص محمد کو پوجتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ حضورؐ وفات پا چکے ہیں لیکن جو اللہ کو معبود مانتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اور قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی "اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسولؐ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشت ہو جائے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمرؓ زمین پر گر پڑے وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ گویا کہ انہوں نے یہ آیت پہلے کبھی سنی ہی نہ تھی۔ اس وقت ان کی سختی اور درشتی کہاں گئی اور حضرت ابو بکرؓ کو رحمدلی اور رقیق القلبی کو کیا ہوا حضرت ابو بکرؓ کے صبر و ثبات اور استقامت کے مقابلہ پر حضرت عمرؓ کی ہمت و استقامت کو کیا ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ جب ہوش میں آئے تو ان کا سیاسی شعور بیدار ہوا اور سوچنے لگے کہ اب ملت اسلامیہ کا کیا بنے گا۔ چنانچہ وہ اتحاد تنظیم اور اسلامی نظام کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے میں مصروف ہو گئے اور کمال فہم و فراست اور تدبر و حکمت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آنحضرتؐ کا جانشین اور خلیفہ منتخب کر کے نظام اسلام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا اور ملت کو انتشار و تباہی سے بچالیا۔ عظیم الشان کارنامہ حضرت عمر فاروقؓ کی سیاسی حکمت عملی اور تدبر کا نتیجہ تھا۔ [redacted] —

جب حضرت عمرؓ کو رسول اللہ کی وفات کا یقین ہو گیا تو آپ سوچنے لگے کہ آپ کے بعد مسلمانوں کے اتحاد اور نظم و

ضبط کو قائم رکھنے اور ان کو انتشار اور پارٹی بازی اور اقتدار کی کشمکش سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین سے قبل ہی آپ کا جانشین منتخب کر لیا جائے تاکہ امت کا شیرازہ منتشر نہ ہو۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی وفات سے قبل ہی اسود عنسی نے یمن، مسیلمہ بن حبیب اور طلیحہ بن خویلد نے اپنے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور ان کے قبائل نے اپنے قبائلی تعصب کی بنا پر ان کی نبوت کو تسلیم بھی کر لیا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ نے اپنے تدبر اور دور اندیشی سے حالات کی نزاکت کا احساس کر لیا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے اس مسئلہ کے حل کے متعلق مشورہ کیا اس اثنا میں خبر آئی کہ انصار مدینہ کا ایک اجتماع حضرت سعد بن عبادہ کے سقیفہ بنو ساعدہ میں رسول اللہؐ کے جانشین کے انتخاب کے متعلق فیصلہ کے لئے منعقد ہو رہا ہے آپ فوراً حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے وہاں اجلاس جاری تھا اور حضرت حباب بن منذر تقریر فرما رہے تھے کہ اگر مہاجرین مکہ انصار میں سے خلیفہ کا انتخاب ناپسند کرتے ہیں تو پھر دو امیر منتخب کر لئے جائیں ایک مہاجرین سے اور ایک انصار میں سے۔ حضرت ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت حباب بن منذر کو تلخ کلامی میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ اے گروہ انصار! تم نے اسلام کی حمایت و نصرت میں سبقت کی تھی اور شاندار خدمات سر انجام دی ہیں اب تخریب اور انتشار میں پہل نہ کرو اور اسلام کی خاطر مسلمانوں کی وحدت و اتحاد کا شیرازہ منتشر نہ کرو اس سے انصار کا جوش ٹھنڈا ہوا اور اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک نہایت پر اثر اور ٹھوس حقائق پر مبنی تقریر فرمائی اور کہا کہ خلیفہ قریش میں سے منتخب کرو آنحضرتؐ کے نسلی تعلقات اور خانہ کعبہ کی وجہ سے تمام عرب قبائل اس انتخاب کو خوشی تسلیم کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عمر بن الخطاب اور ابو عبیدہ بن الجراح ہیں جو حضورؐ کے قریبی صحابہ اور قابل اعتماد ہیں ان میں سے کسی ایک کو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔ حضرت عمرؓ نے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے فوراً ہاتھ بڑھایا اور حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور قبیلہ خزرج میں سے حضرت بشیر بن سعد نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے ماسوائے حضرت سعد بن عبادہ کے سب نے بیعت کر لی۔ اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچا لیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اعلان کر دیا کہ میں آنحضرتؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق عمل کروں گا جو کام آپ نے شروع کئے تھے ان کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا خواہ ان میں کتنے ہی خطرات ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ اپنی وفات سے قبل شام پر حملہ کرنے اور جنگ موتہ میں ناکامی اور نقصان کا انتقام لینے کے لئے حضرت اسامہ بن زید کی سربراہی میں ایک لشکر تیار کیا تھا جس میں بعض کبار صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ لشکر اسامہ کو فوری طور پر شام کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ بعض صحابہ نے جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے درخواست کی کہ اس وقت تمام عرب میں مملکت مدینہ کے خلاف منکرین زکوۃ منحرین اسلام اور جھوٹی مدعیان نبوت کے دعویداروں کے باعث ایک عام بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ ایسے خطرناک موقعہ پر مدینہ سے لشکر اسلام کو شام کی طرف روانہ کرنا مدینہ کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کچھ وقت کے لئے اس مہم کو معرض التوا میں ڈالا جائے اور مملکت مدینہ کے دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے دوسرا مشورہ یہ تھا کہ اگر اس لشکر کو روانہ کرنا اشد ضروری ہے تو اس لشکر کے

سربراہ حضرت اسامہ بن زید کی جائے جو بالکل نوجوان اور ناتجربہ کار ہیں کسی معمر اور تجربہ کار ماہر حرب وضرب کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا جائے حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف سے یہ دونوں تجاویز حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کیں مگر آپ نے سختی کے ساتھ ان دونوں کو مسترد کرتے ہوئے حکم دیا کہ نہ تو لشکر کی روانگی میں تاخیر ہوگی اور نا ہی حضرت اسامہ کی قیادت کو بدلا جائے گا اور اس جواب کے ساتھ حضرت عمرؓ کے ساتھ بڑی تلخی اور درشتی سے پیش آئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی آپ کی دونوں تجاویز سے اتفاق کر لیا اور مقام جرف سے نوجوان مجاہد اسامہ بن زید کی مہم روانہ ہوگئی۔ روانگی سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہ بن زید سے گذارش کی کہ حضرت عمرؓ کو مدینہ چھوڑ جائیں مجھے ان کے مشوروں کی ضرورت ہے چنانچہ حضرت اسامہ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ میں رہنے دیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان یہ پہلا سیاسی اختلاف تھا حضرت عمرؓ کا مشورہ حالات کی سنگینی کی روشنی میں تھا کہ اسامہ کی مہم کو کچھ وقت کے لئے ملتوی کر دیا جائے اور کبار صحابہ کی سفارش پر کہ حضرت ابوبکرؓ سے عرض کی جائے کہ نوجوان اسامہ کی جائے لشکر شام کی قیادت کسی تجربہ کار بڑی عمر کے صحابی کے سپرد کی جائے حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے زبردست عاشق تھے اور سختی کے ساتھ اس پالیسی پر عمل پیرا تھے جو کچھ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا جو آپ کا پروگرام تھا اس کی ہر حالت میں تقلید کی جائے حالات کچھ بھی ہوں دونوں بزرگوں میں صرف نقطہ نظر کا فرق تھا حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے مقلد تھے مگر حضرت عمرؓ مجتہد اور سیاستدان تھے اور حالات کے مطابق مسلمانوں کے مفاد میں اپنی سیاسی حکمت عملی میں تبدیلی جائز تصور کرتے تھے مسلمانوں کے مفاد میں دونوں بزرگوں کے نقطہ نظر میں یہ بنیادی فرق تھا ورنہ دونوں حضرات کے درمیان انتہائی خوشگوار تعلقات تھے جن کی بنیاد پر خلوص محبت ورواداری باہمی عزت واحترام اور مسلمانوں اور مملکت مدینہ کے مفاد اور ترقی و کامیابی کے لئے بھرپور تعاون کے جذبات موجود تھے۔

منصب خلافت کی وضاحت

سقیفہ بنو سعدہ کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے ایک پر اثر بصیرت افروز اور مدلل تقریر فرمائی جس میں انصار مدینہ کی خدمات' قربانیوں اور ان کے جذبہ خلوص و محبت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے وقت کی نزاکت اور حالات کی سنگینی کا احساس دلایا اور فرمایا کہ اس وقت ملت اسلامیہ آنحضرتؐ کے صدمہ جانکاہ کی وجہ سے بے حد پریشان ہیں' مملکت مدینہ اندرونی اور بیرونی خطرات سے دوچار ہیں قبائل عرب کی اکثریت نے مجبوراً اسلام قبول کیا ہے۔ ابھی ان کی تعلیم و تربیت نامکمل ہے ادھر اسود نے نبی کا دعویٰ کر کے پورے یمن پر قبضہ کر لیا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کر کے یمامہ میں قبضہ کر لیا ہے بنی طلیحہ نے اسد میں بغاوت کر دی ہے۔ لہذا ان جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی ضروری ہے۔ دوسری طرف مملکت اسلامیہ کی شمالی سرحد قیصر روم اور جنوبی سرحد پر کسریٰ ایران کی سامراجی طاقتیں جزیرہ نمائے عرب کو محکومی میں لانا چاہتی ہیں۔ لہذا وقت کا تقاضہ ہے کہ اتحاد یکجہتی' سیاسی تدبر اور حکمت عملی کے ساتھ حالات پر قابو پایا جائے۔ آپ نے آنحضرتؐ کی ایک حدیث کا حوالہ دیا جس میں فرمایا گیا تھا کہ "خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہئے" یہ حضورؐ کی دور اندیشی اور بے پناہ سیاسی بصیرت اور تدبر کا ثبوت تھا کہ آپ نے یہ مشورہ دیا کہ حالت موجودہ جزیرہ نمائے عرب کے قبائل کسی قریشی کی سربراہی کے علاوہ کسی اور کو اپنا سربراہ مملکت خوشی تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ مکہ میں خانہ کعبہ کی عظمت کی وجہ سے تمام عرب قبائل قریش کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کو قبول کرتے ہیں اس لئے اگر خلیفہ قریش میں سے ہوا تو تمام عرب اس کو متفقہ طور پر تسلیم کریں گے اور اگر انصار مدینہ یا کسی اور قبیلہ سے ہوا تو عرب قبائل نسل و قبیلہ کے تعصبات اور امتیازات کی وجہ سے اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگرچہ اسلام نسل و قبیلہ کے امتیازات کا شدید مخالف ہے۔ مگر اسلام ابھی عربوں کے حلق سے نیچے نہیں اترا یعنی اسلام کی پوری تعلیم و تربیت نہیں ہوئی۔ اس لئے سیاسی حکمت عملی اور وقت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق خلیفہ قریش میں سے منتخب کر لیا جائے۔ تمام حاضرین جلسہ آپ کی اس مدبرانہ تجویز سے بہت متاثر ہوئے۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے سامنے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کا نام خلافت کے لئے تجویز کرتا ہوں۔ ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس قوم میں حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسی عظیم اور یگانہ روزگار ہستی موجود ہو جو آنحضرت کا قریب ترین ساتھی اور قابل اعتماد بزرگ ہو وہاں مجھے یا کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کی بیعت کی۔ اور اس کے بعد تقریباً تمام

حاضرین نے بھی بیعت خلافت کرلی۔ دوسرے روز مسجد نبوی میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں مدینہ کے تمام لوگ جمع ہوئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک بلند پایہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے بعد تمام لوگوں نے آپؓ کی بیعت خلافت کرلی۔

تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں بلا خوف و تردید کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مملکت اسلامیہ اور جزیرۂ نمائے عرب کی سیاسی و مذہبی صورت حال اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ اگر اس وقت حضرت صدیقؓ اور عمرؓ جیسی شخصیتیں نہ ہوتیں تو دین اسلام کی یہ انقلاب انگیز تحریک ناکام ہو جاتی۔ ان اندرونی و بیرونی نازک مسائل و مشکلات کو ان دونوں بزرگ ہستیوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں' خلوص و دیانت' اہلیت و قابلیت' ذاتی تجربات' وسیع اثر و رسوخ اور انتھک جدوجہد کے ذریعہ حل کیا نہ صرف ملت اسلامیہ کو انتشار مایوسی' بددلی' نسل و قبیلہ کے امتیازات' تعصبات سے بچا کر متحد و مستحکم رکھا بلکہ ان میں ایک نیا جوش و جذبہ اور اسلامی فتوحات کا زبردست ولولہ و عزم پیدا کر کے اس وقت کی دونوں سپر طاقتوں قیصر روم و کسریٰ ایران کے خلاف بیک وقت اعلان جہاد کر دیا۔ تیرہ سال کی مختصر مدت میں دونوں کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر ان کے وسیع و عریض متمدن و مہذب خوشحال و ترقی یافتہ ممالک پر قبضہ و تسلط قائم کر لیا۔ بلکہ ان ممالک کے کروڑوں عوام کو مشرف بااسلام بھی کر لیا جو آج کل اسلام کے مضبوط قلعے تصور کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایران' عراق' شام' مصر اور فلسطین وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک میں نہ صرف عدل و انصاف کی عدیم النظیر روایات قائم ہوئیں۔ بلکہ ہر شعبہ زندگی میں دور رس انقلابی اصلاحات نافذ ہوئیں۔ اخوت و مساوات' حریت و آزادی عدل انصاف' امن سلامتی ترقی و خوشحالی' علم و حکمت' مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی بنیادوں پر حیات افروز اسلامی معاشرہ کو استوار کیا گیا۔ جس کی اس سے قبل تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

بلا مبالغہ ان دونوں عظیم شخصیتوں کا دور حکومت تاریخ اسلام کا سنہری دور تھا اور ماسوائے انبیاء کرام کے آپ تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان تھے۔

جو بیعت ثقیفہ بنی سعدہ میں 12 ربیع الاول کو ہوئی وہ بیعت خاصہ تھی دوسرے دن 13 ربیع اول 11ھ شنبہ کی صبح کو تمام مسلمان مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور وہاں بیعت عامہ ہوئی پہلے حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ "مجھے امید تھی کہ رسول اللہؐ ہم سب کے بعد اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے لیکن اب رسول اللہؐ نے وفات پائی ہے اور قرآن حکیم کی صورت میں وہ ایک ایسا نور ہدایت چھوڑ گئے ہیں جو قیامت تک امت مسلمہ کو راستہ دکھاتا رہے گا جس پر حضورؐ چلا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرتؐ کے صحابی اول اور ثانی اثنین ہیں اور وہ سب سے بڑھ کر امت کی سربراہی کے اہل ہیں پس آگے بڑھو اور ان کی بیعت کرو تقریر ختم کرنے کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے درخواست کی کہ وہ منبر پر تشریف لائیں لیکن وہ خاموش اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ جب حضرت عمرؓ نے بہت اصرار کیا تو صدیق اکبرؓ منبر پر تشریف لائے۔ ان کے منبر پر بیٹھتے ہی تمام لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور یوں بیعت عامہ بھی منعقد ہو گئی۔

صدیق اکبرؓ کا پہلا خطبہ خلافت :

بیعت عامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر یہ خطبہ دیا۔

''اے لوگو! خدا کی قسم! میں کبھی دن میں اور نہ کبھی رات میں امارت کا خواہاں تھا نہ اس کی طرف مجھے رغبت تھی اور نہ میں نے کبھی پنہاں یا آشکارا اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی البتہ مجھے خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے اس لئے میں اس بار گراں کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا ورنہ امارت میں مجھے کوئی راحت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا بوجھ مجھ پر ڈالا گیا ہے جس کے برداشت کرنے کی طاقت میں اپنے اندر نہیں پاتا اور اللہ عزوجل کی امداد کے بغیر اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا کاش آج میری جائے کوئی ایسا شخص امیر ہوتا جو اس بوجھ کو اٹھانے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتا مجھے تم نے اپنا امیر بنایا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر سیدھے راستے پر چلوں (اچھا کام کروں) تو میری مدد کرو اور اگر غلط کروں تو میری اصلاح کرو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں' انشاء اللہ۔ اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں انشاء اللہ۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل کر دی جاتی ہے اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے جب تک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو جب میں اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کروں تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔ اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا "استحقاق خلافت"

آپؐ نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تا کہ تم پہچانے جاسکو۔ تم میں زیادہ عزت و احترام والا خدا کی نظر میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ چنانچہ نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر نہ کالے کو گورے پر نہ گورے کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل ہے بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ انسان سارے ہی آدمؑ کی اولاد سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

استحقاق خلافت :

حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت کی وفات کے بعد ہر لحاظ سے آپ کی خلافت اور جانشین ہونے کے اہل اور مستحق تھے۔ جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ قبل از بعثت بھی آنحضرتؐ کے گہرے دوست تھے حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے بعد آپ ان کے گھر میں ہی مستقل سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اسی محلہ کے رہنے والے تھے اس لئے آپؐ سے دوستی کے علاوہ ہمسائیگی کے تعلقات بھی پیدا ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا تھا آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ قریباً ہم عمر اور ہم پیشہ تھے یعنی دونوں تجارت کرتے تھے۔ دونوں بت پرستی اور اخلاقی برائیوں سے پاک اور قریش کی معاشرتی برائیوں سے متنفر تھے حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کی دیانت 'امانت اخلاق حسنہ' سچائی اور اعلیٰ سیرت و کردار پر بڑا اعتماد تھا لہٰذا یہ دوستی کسی ذاتی مفاد پر نہیں۔ بلکہ خلوص و محبت اور یکساں عادات و خیالات پر مبنی تھی۔ جو وقت کے ساتھ اور گہری ہوتی چلی گئی۔

2- جب آنحضرتؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو ابوبکرؓ نے حضورؐ کی سیرت و کردار 'حق و انصاف اور سچائی کی بنا پر بلا تردد 'بلا تامل فوراً سب سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔ لہٰذا ابوبکرؓ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ اسلام میں سب سے پہلے مسلمان تھے۔

3- حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی ساری زندگی اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور آنحضرتؐ کی امداد و اعانت کے لئے وقف کر دی۔ آپ نے اللہ اور رسولؐ کی خاطر اپنی جان و مال عزت و اولاد و سکون قربان کر دیا۔ آنحضرت کی حفاظت اور خدمت میں کفار مکہ کے بے پناہ مظالم کو برداشت کیا آپ نے اسلام کے نامور اور ممتاز صحابہ کرام کو دائرہ اسلام میں شامل کرنے کی قابل فخر سعادت حاصل کی اور مشرکین کے مظالم کے شکار غریب و مظلوم غلاموں کو خرید کر نجات دلائی

اور آزاد کر دیا۔

4- حضرت ابوبکرؓ ہجرت مدینہ میں آنحضرتؐ کے رفیق سفر تھے۔ غار ثور میں تین روز قیام کے دوران میں آپ کے ہمراہ ثانی اثنین کا بلند ترین منصب حاصل کیا اور زندگی بھر ہر وقت سفر و حضر میں حضورؐ کی رفاقت کا سب سے زیادہ ان کو شرف ملا۔

5- حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے زیادہ آنحضرتؐ کے اداشناس اور مزاج دان تھے۔ آپ آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل اور ارشادات تک کو فوراً سمجھ جاتے تھے۔ حضورؐ بھی سوائے وحی کے ہر معاملہ اور مسئلہ میں حضرت ابوبکرؓ سے صلاح و مشورہ کرتے تھے اور آپ پر سب سے زیادہ اعتماد تھا۔

6- آنحضرتؐ کی حیات میں بھی تمام صحابہ کرام حضرت ابوبکرؓ کو ہی آپ کے بعد امت اسلامیہ کا اصل اور قائد تسلیم کرتے تھے۔ اور آپ پر سب سے زیادہ اعتماد تھا۔ کفار قریش بھی آپ ہی کو حضورؐ کے بعد مسلمانوں کے رہنما اور سردار مانتے تھے۔ ابو سفیان نے جنگ احد کے بعد آنحضرتؐ کے متعلق استفسار کیا کہ ”مسلمانو! محمدؐ زندہ ہیں یا نہیں“ جب اس طرف سے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق کوئی جواب نہ دیا گیا تو پھر اس نے آواز دی کہ ”ابو قحافہ یعنی ابوبکر زندہ ہیں یا نہیں“ اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین قریش بھی آپ ہی کو حضورؐ کا جانشین اور امیر ملت یقین کرتے تھے۔

7- ہجرت مدینہ کے بعد حضورؐ کے حکم پر حضرت ابوبکرؓ نے مسجد نبوی کی زمین خریدنے کے لئے قیمت ادا کی۔ غزوہ تبوک کے لئے اپنی تمام جائیداد مال و اسباب حضورؐ کے فرمان پر حاضر خدمت کر دیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے فیصلہ کی خوشی تائید کی اور حضرت عمرؓ کو ایسا ہی کرنے کی تاکید کی۔ تمام غزوات میں رسول اللہؐ کا ساتھ دیا اور ہر قسم کی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔

8- حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت کے عاشق صادق تھے آپ کے ہر حکم اور فیصلہ پر خوشی بلا تامل عمل درآمد اپنا فرض اولین تصور کرتے تھے۔ اعلان نبوت ہو یا واقعہ معراج یا معاہدہ حدیبیہ فوراً تصدیق کی۔ آنحضرت کو بھی آپ پر بے پناہ اعتماد اور آپ سے خلوص و محبت تھی آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صدیق اور عتیق کے خطابات مرحمت فرمائے تھے حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے سب کے مال کے احسانات اُتار دئے سوائے ابوبکرؓ کے مال کے۔ آپ نے فرمایا جتنا فائدہ مجھے ابوبکرؓ کے مال و دولت نے پہنچایا کسی کے مال نے نہیں پہنچایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر دوستی اور اسلام کا رشتہ کافی ہے۔ آنحضرتؐ ابوبکرؓ کے داماد تھے اور ان کی بیٹی حضرت عائشہ سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ حضرت عمرو بن العاص نے سوال کیا کہ یارسول اللہؐ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے۔ آپ نے فرمایا ”عائشہؓ سے“ انہوں نے کہا مردوں میں سے؟ آپؐ نے فرمایا ”عائشہؓ کے باپ سے“ آنحضرتؐ اپنی شدید علالت کے دوران میں دوسری ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مستقل طور پر تشریف لے آئے۔ وصال کے وقت آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کی آغوش میں تھے اور وفات کے بعد حضور کا جسد اطہر بھی حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔

9- فتح مکہ کے بعد پہلی بار مسلمانوں نے آزادی کے ساتھ 9ھ میں مکہ میں جا کر حج کی سعادت حاصل کی۔ آنحضرتؐ نے مصروفیات کی وجہ سے خود حج کی امارت نہ فرمائی۔ بلکہ اپنی جگہ حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج مقرر کر کے روانہ کیا۔ اور اپنی قربانی

کے جانور بھی ساتھ کر دے۔

10-جب آنحضرتؐ اپنی شدید علالت کے دوران میں مسجد میں تشریف لے جا کر نماز کی امامت نہ کرا سکے تو اپنی جگہ حضرت ابوبکرؓ کو نمازوں کی امامت کے لئے مقرر فرمادیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی علالت کے دوران میں ان کی زندگی میں سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔ یعنی اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں دو ارکان حج اور نماز کی امامت وامارت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی اپنا خلیفہ یعنی جانشین دیکھنا چاہتے تھے اور آپ کو یقین تھا کہ مسلمانانِ مدینہ ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے کیونکہ ہر لحاظ سے آپ اس بلند ترین منصب کے لئے اہل اور مستحق تھے بعد کے واقعات اور حالات نے بھی ثابت کر دیا کہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب بہترین فیصلہ تھا یہی منشاء ایزدی اور رسول اللہؐ کی خواہش تھی۔ مدینہ اور دیگر مقامات کے راسخ العقیدہ مسلمانوں نے قریباً متفقہ رائے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کو روزِ اول ہی سے قبول کر لیا تھا اور آپ نے بغیر کسی شور و شرابہ اور فتنہ و فساد کے کاروبارِ خلافت کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھال لیا تھا۔ کسی فرد یا جماعت نے آپ کے خلاف بغاوت یا سرکشی کا ارادہ و اظہار بھی نہیں کیا تھا اس کی وجہ حضرت ابوبکرؓ کا استحقاق خلافت آپ کا بلند ترین مرتبہ ومقام جو آپ کا آنحضرتؐ کی نظروں میں تھا اور سب مسلمان تہہ دل سے آپ کی بے پایاں عزت اور احترام کرتے تھے اور اسلام ورسول اللہؐ آپ کی عظیم خدمات اور آپ کی اہلیت و قابلیت اور تقویٰ و پرہیزگاری کا اعتراف کرتے تھے۔

11-خلیفۃ الرسول منتخب ہونے کے بعد اپنے عظیم الشان کارہائے نمایاں استحکام و ترقی مملکت 'فتوحات واصلاحات' امن وسلامتی کا قیام اور اشاعت و نفاذ اسلام سے ثابت کر دیا کہ آپ ہی آنحضرتؐ کی خلافت اور نیابت کے اہل و حقدار تھے۔

خلافت

خلیفہ کا لفظ خلافت سے ہے اور خلافت کے لفظی معانی نیابت اور جانشینی کے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ جناب رسول اللہ ؐ کے نائب اور جانشین تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت ابو بکر ؓ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر خطاب کیا آپ نے فرمایا "میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ ؐ کا خلیفہ ہوں" حضرت رسول اللہ ؐ کے دو قسم کے فرائض تھے۔

1-اللہ تعالی کی طرف سے وحی کے ذریعے جو احکام' ہدایات' اور قوانین نازل ہوں ان پر سب سے پہلے خود عمل کرنا اور ان کو امت تک پہنچانا۔

2-آپ کی زندگی میں حضور ؐ کی ذات والا صفات ایسی مرکز اطاعت تھی کہ خواہ کسی قسم کا کوئی معاملہ و مسئلہ ہو اس کا تعلق روحانی مسائل سے ہو یا دنیاوی زندگی یعنی سیاسی' معاشی' معاشرتی اور اخلاقی تمدنی معاملات سے ہو آپ کا حکم قول فیصل یعنی آخری قطعی تھا جن کا اتباع ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ پہلا فرض آنحضرت کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اب امت مسلمہ کے لئے قرآن حکیم اور سنت کے مطابق مذہبی روحانی' معاملات و مسائل پر عمل پیرا ہونا فرض ہے۔ کسی کو ان احکام و ہدایات اور قوانین میں کمی بیشی کرنے کا حق و اختیار نہیں ہے۔ اب دین مکمل ہو چکا ہے اور وحی کا سلسلہ ختم۔ دوسرا فرض اب خلیفہ وقت کے ذمے تھا یعنی امت کی سیاسی' معاشی اور معاشرتی اصلاح معاشی ترقی و خوشحالی' مملکت اسلامی کا دفاع' عدل و انصاف اور عوام کے حقوق و مفاد کا تحفظ وغیرہ۔ خلیفہ اپنے عہد میں پوری امت کا مرکز اطاعت ہوتا ہے اور اس کو امت کے سیاسی و مذہبی معاملات پر پورا تصرف حاصل ہوتا ہے۔ خلیفہ کسی خاص نسل قبیلہ قومیت خاندان سے نہیں بلکہ امت کے انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوتا ہے۔ حضور ؐ نے اپنی زندگی میں اپنے خاندان و قبیلہ والوں سے کبھی کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ ؓ کو ان کی فرمائش پر لونڈی نہ دی اور حضرت علی ؓ کی درخواست پر فتح مکہ کے بعد کالید کعبہ نہ دی۔ خلافت ایک عالمگیر دینی و دنیاوی منصب ہے جو صرف اہلیت و قابلیت خدمات اور عوام کی اکثریت کی تائید و حمایت سے ہی مل سکتا ہے۔ خلافت و امامت میں بعض اوصاف و کمالات ہیں۔ قریش مکہ یا کسی نسل و قبیلہ' خاندان و خانوادہ یا آنحضرت ؐ کے ساتھ رشتہ قرابت سے مخصوص نہیں۔ خلیفہ میں حدود شریعہ کو قائم کرنا' مملکت اسلامی کی سرحدوں کی حفاظت اور دفاع دشمن کے ساتھ جنگ کرنے اور اشاعت اسلام کے لئے جس تدبر حکمت' عزم و ہمت اور استقلال و ثابت قدمی کی ضرورت

ہے یہ سب صفات اور خداداد صلاحیتیں اس میں ہونی چاہئیں قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ خلیفہ کس خاندان اور خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ کیا ہو؟ البتہ یہ حکم ہے "مسلمانوں کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں گے" قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو حکم دیا تھا کہ دنیاوی معاملات میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کرو ان کی رائے معلوم کیا کرو اور استصواب کیا کرو۔ خلافت ایک عالمگیر دینی اور دنیاوی منصب ہے اور خلیفہ کو اپنے روحانی' جسمانی علم و دانش اور اخلاقی کمالات و اوصاف کے لحاظ سے ایک عظیم شخصیت ہونا چاہئے۔ لہذا اس کو کسی خاص خاندان و قبیلہ کے ساتھ 'یا اپنے بانی کے خاندان حسب نسب کے ساتھ اور قرابت کی وجہ سے مخصوص کر دینا اسلامی نظام کی روح و تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام ایک جمہوری نظام اور پاکیزہ معاشرہ کا درس حیات دیتا ہے۔ "ان کے تمام سیاسی اجتمائی اور معاشرتی امور باہم صلاح مشورہ سے طے پاتے ہیں" اس بنیادی حکم کی روشنی میں خلافت جیسا اہم ترین منصب عام مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر نامزدگی کے ذریعہ کس طرح طے پا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اپنے بعد کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین نامزد نہ فرمایا اور خلافت و امامت کا فیصلہ ہمیشہ کے لئے امت کی صوابدید اور استصواب پر چھوڑ دیا۔ اور امت کا ہر مسلمان اس کا تعلق خواہ عرب سے ہو یا عجم سے یعنی بلا لحاظ نسل و قبیلہ اور قومیت و وطنیت امت مسلمہ کا خلیفہ اور سربراہ مملکت بن سکتا ہے۔

آنحضرتؐ سے ایک حدیث ہے کہ "خلیفہ یعنی امام قریش سے ہوں گے" حضرت ابو بکرؓ نے ثقیفہ بو سعد میں خلافت کی بحث پر حضورؐ کی یہ حدیث بیان فرمائی تھی۔ حضورؐ نے قریش کی خلافت کی یہ شرط اس بنا پر عائد کی تھی کہ اس وقت قریش قوت و طاقت' رعب و دبدبہ میں سب سے زیادہ تھے اور پورا عرب خانہ کعبہ کے ان متولیوں کی مذہبی سیادت' سیاسی قیادت اور تجارتی غلبہ کو تسلیم کرتے تھے۔ لہذا قریشیت کی شرط ملی اتحاد' قومی وحدت ملکی استحکام اور اتحاد کلمہ کی بقا کے لئے تھی۔ اس شرط کا مقصد کسی خاص گروہ زمانہ یا قوم سے مخصوص نہیں تھا بلکہ یہ ایک تمثیلی بیان اور پیش گوئی تھی کہ جو شخص بھی مسلمانوں کا خلیفہ ہو گا وہ ایسی جماعت' قوم یا خاندان سے تعلق رکھتا ہو گا جس کی سیادت قوت و طاقت اثر و رسوخ اور اعتبار و وقار اس طرح ہو گا جس طرح اس وقت قریش کو حاصل تھا اور حکومت کے تمام اوصاف و کمالات اور عظمت و شوکت اور شجاعت و بہادری کے تمام جوہر بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ عرب قبیلہ قریش کے سوا کسی اور کی ولائت اور قیادت سے آشنا ہی نہیں۔ اسلام حقانیت اور صداقت کا مذہب ہے اس لئے خلیفہ کے انتخاب کا آخری فیصلہ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک بیعت عامہ نہیں ہو گی۔ خلیفہ متفقہ آرا یا اکثریت رائے سے منتخب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام میں آمریت ملوکیت' فسطائیت تھیوکریسی اور استبداد کی اجازت نہیں۔

جناب رسول اللہؐ کا نظام حکومت اور حضرت ابو بکرؓ کا نظام حکومت قریباً ایک جیسے خالص عربی اور شورائی نظام تھے۔ اس کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں سربراہ مملکت کو تمام اختیارات حاصل تھے اور ساتھ ہی اس کی ایک مجلس مشاورت بھی تھی۔ جس سے داخلی و خارجی اہم معاملات' دفاع' سیاسی حکمت عملی اور صلح و جنگ کے سلسلہ میں مشورے حاصل کئے جاتے تھے مگر سربراہ مملکت ان مشوروں کا پابند نہیں تھا یہ نظام موجودہ دور کے صدارتی نظام حکومت کے قریب تھا۔

عرب کا نہ صرف ہر قبیلہ آزاد و خود مختار تھا بلکہ ہر قبیلہ کا ہر فرد بھی آزاد تھا۔ سب کے حقوق و فرائض برابر تھے اور بر

قبیلہ کا سردار تمام قبیلہ کے لوگوں کی آزاد رائے سے تمام معاملات اور ذمہ داریاں ادا کرتا تھا۔ ہر فرد قبیلہ کے ساتھ ہر حال میں انصاف کرتا تھا۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس طرح علماء مفکرین و مورخین کی غالب اکثریت نے خلافت کے لئے قریشی ہونے کی شرط صرف قریش کے اس دور تک تھی جب تک ان میں اس گراں ذمہ داری کو سرانجام دینے کی قوت و طاقت 'تدبر و حکمت عزم و استقلال اور حکومت کرنے کی اہلیت و صلاحیت موجود رہی تھی۔ خاندان ہو عباس کے زوال اور انحطاط کے بعد حکومت پر عجمی غالب آگئے۔ اور وہی ارباب حل و عقد بن گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ اگر حضرت سالم حضرت ابو حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا جانشین یعنی خلیفہ بناتا'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ امام کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب و مفہوم یہ تھا کہ امام اپنے زمانے میں ایک ایسی صاحب اقتدار قوم کا فرد ہو جیسا کہ قریش عہد نبوت میں تھے۔ تاکہ اس میں امامت و خلافت کے تمام اوصاف و کمالات پائے جاتے ہوں۔ لہذا آنحضرتؐ نے قریش کو بطور تمثیل بیان فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ خلیفہ امت میں صاحب اقتدار سیاسی و عسکری قوت کا مالک ہو۔ جیسے بعد میں ہو امیہ یا عثمانی ترک تھے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''تم سمع و اطاعت سے کام لو۔ اگرچہ تمہارا امام ایک حبشی غلام ہی ہو'' اگر غیر قریشی کی امامت نہیں ہو سکتی تو پھر اطاعت کا حکم کیسا؟ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے وقت حضرت زید بن حارثؓ زندہ ہوتے تو آپؐ اس کو اپنا جانشین مقرر فرماتے۔

آنحضرتؐ تاریخ عالم میں مساوات انسانی کے سب سے بڑے داعی تھے۔ آپ ذات پات نسل و قبیلہ اور رنگ و زبان کے امتیازات اور قومیت و وطنیت کے تفاخر کے شدید مخالف تھے۔ 8ھ کو فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ نے کعبۃ اللہ میں اعلان عام فرمایا اے قوم قریش حق تعالیٰ نے تمہارے زمانہ جاہلیت کے تمام تکبر و غرور اور آباؤاجداد کے فخر کرنے کے ناروا طریقہ کو ختم فرمادیا ہے۔ تمام انسان حضرت آدمؑ سے پیدا ہوئے اور خود حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے پھر آپ نے آیت تلاوت فرمائی ''اے لوگوں ہم نے تمہیں مرد و زن کے جوڑے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمہیں قوموں اور برادریوں میں تقسیم کردیا تاکہ اس نسبت سے باہم تعارف ہو سکے۔ لیکن تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ باعزت وہی ہوگا جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہو گا۔ یعنی فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ لہذا حتمی اعلان فرمادیا کہ قریش اور غیر قریش میں حسب و نسب کے لحاظ سے کوئی تفریق و امتیاز نہیں ہے۔

نظام خلافت عرب و عجم کے حوالے سے

عہد خلافت راشدہ 11ھ تا 40ھ مطابق 632ء تا 661ء = 29 سال + 1 سال حضرت امام حسنؓ = 30

1- دور خلافت حضرت ابو بکر صدیقؓ 11ھ تا 14ھ مطابق 632ء تا 634ء

2- دور خلافت حضرت عمر فاروقؓ 14ھ تا 24ھ مطابق 634ء تا 645ء

3-دور خلافت حضرت عثمان غنیؓ 24ھ تا 35ھ بمطابق 645ء تا 657ء

4-دورِ خلافت حضرت علیؓ 35ھ تا 40ھ بمطابق 657ء تا 661ء

5-عہد خلافت خاندان بنو امیہ 41ھ تا 132ھ بمطابق 661ء تا 750ء=91سال

6-عہد خلافت خاندان بنو عباس 132ھ تا 656ھ بمطابق 750ء تا 1258ء= 524سال

7-ترکی میں سلطنت عثمانیہ کا عظیم الشان دور 1288ء تا 1924ء= 636سال

8-خلفیہ سلطان سلیم اول 918ھ تا 926ھ بمطابق 1512ء تا 1520ء= 8سال

9-خلیفہ سلطان سلیمان 926ھ تا 974ھ بمطابق 1520ء تا 1566ء= 48سال

سلطان سلیم اول جب تخت نشین ہوا تو اس کی عمر 47 سال تھی۔ خانزادگی کے زمانے کے جنگی کارناموں کی وجہ سے قوم اس کی فوجی صلاحیتوں کی معترف تھی۔ اس نے پہلے اپنے بھائیوں کی بغاوت کو فرو کیا پھر اپنے اقتدار کو مستحکم کیا۔ اس وقت ایران میں اسماعیل صفوی کی حکومت تھی جو غالی شیعہ تھا۔ اس کے مبلغ ترکی میں آکر شیعیت کی تبلیغ کرتے اور عوام میں سلطان سلیم کے خلاف نفرت پیدا کرتے اور سازش کرتے۔ سلطان سلیم نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ایران پر حملہ کر دیا اور ان مفتوحہ علاقوں کو عثمانی سلطنت میں شامل کر کے وطن واپس چلا گیا۔ ایران سے فارغ ہو کر شام پر قبضہ کر لیا۔ اس نے شام اور مصر کو بھی فتح کر لیا اور بیت المقدس دمشق اور شام پر قبضہ کے بعد مصر پر حملہ آور ہوا اور مصر کو بھی فتح کر لیا۔ سلطان سلیم نے شام اور مصر کا بہترین انتظام کیا اور اس کے بعد حجاز کے حکمران نے عثمانی حکومت کی اطاعت قبول کر لی اور حرمین شریفین کی خدمت کا شرف بھی سلیم کو حاصل ہو گیا۔ اسی پر عباسی خلافت کے آخری خلیفہ المتوکل نے ان حالات میں خلافت کے تمام حقوق و امتیازات سلیم ہی کو دے دیے اور مقام مقدسہ اور حرمین شریفین کی کنجیاں برکات نبوی مثلاً علم تلوار اور چادر بطور سند خلافت اسی کے حوالے کر دیے اس وقت سے عثمانی سلاطین خلافت کے منصب پر فائز رہے اور سلطان سلیم دنیائے اسلام کا پہلا غیر قریشی اور غیر عرب خلیفہ اسلام بن گیا۔ اس واقعہ کے دو سال بعد خلیفہ سلیم فوت ہو گیا خلافت کے عطا ہونے کے بعد سلیم امیر المومنین کہلائے اور خطبات میں ان کا نام لیا جانے لگا۔ دنیائے اسلام کے کسی حصہ سے اس کی مخالفت نہ ہوئی۔ اور چار سو سال تک عثمانی ترک دنیائے اسلام کے خلیفہ رہے۔ 1923ء میں ترک جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ مصطفےٰ کمال پاشا اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس وقت عثمانی سلطنت کے 37ویں خلیفہ عبدالمجید ثانی موجود تھے۔ مگر ایک سال بعد 1924ء میں ان کو معزول کر کے منصب خلافت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس وقت سے آج تک دنیائے اسلام کا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا کی جمہوری پارٹی نے ترکی سے نہ صرف خلافت بلکہ ملوکیت اور ملائیت کا بھی خاتمہ کر دیا اور اس ملک میں ایک سیکولر جمہوری نظام حکومت قائم کر دیا۔ اس وقت سے حالات کے تقاضوں کے مطابق جدید ترکی سیاسی معاشی' معاشرتی اور علوم و فنون کے لحاظ سے شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ عالمی سیاست میں اس کو عزت و وقار کا شاندار مقام حاصل ہے۔

فضائل حضرت ابوبکر صدیقؓ

1- حضرت ابوبکرؓ کل صحابہ سے پہلے اسلام لائے ار آپ کی سبقت اسلام پر اجماع ہے۔ آپ نے آنحضرتؐ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے" جس وقت سے حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے مرتے دم تک تمام مسلمانوں میں سب سے افضل رہے۔

2- آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ "جب میں نے کسی کو دعوت اسلام دی تو سب کے دل میں کچھ نہ کچھ تردد اور شک پیدا ہوا مگر ابوبکر صدیقؓ کو جب میں نے اسلام پیش کیا تو انہوں نے بغیر فکر و تردد کے اسلام قبول کر لیا" ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کو میں نے اسلام لانے کو کہا اس نے فورا قبول کر لیا۔ اور اس پر مستقل رہے "بخاری" "سب سے پہلے ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی"

3- حضرت ابوبکرؓ ایمان لانے سے حضورؐ کی وفات تک سفر و حضر میں رسول اللہؐ کے ساتھ رہے۔ تمام غزوات میں ساتھ رہے۔ جنگ احد اور حنین میں جب اکثر صحابہ ساتھ چھوڑ گئے آپ ساتھ رہے غار ثور میں ساتھ رہے اور ثانی اثنین کا اعزاز حاصل کیا۔ سفر ہجرت مدینہ میں ساتھ رہے۔

4- حضرت ابوبکرؓ صدیق کل صحابہ میں سے سب سے سخی تھے۔ رقیق القلب اور رحمدل تھے۔ آپ نے اسلام کی خاطر مظلوم غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا اور اپنی جان و مال اور اولاد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بے دریغ خرچ کیا۔

5- رسول اللہؐ نے فرمایا جتنا نفع مجھے ابوبکرؓ کے مال نے دیا ہے اتنا کسی کے مال نے نہیں دیا ہے۔ آپ نے جواب دیا یا رسول اللہؐ میرا مال سب آپ کے لئے ہے۔ جب حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ لیکن جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو صرف پانچ ہزار بقایا تھے سب اسلام کی راہ میں خرچ کر دیے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرتؐ کی خدمت میں سب اپنا مال و سباب لا کر پیش کر دیا اور عرض کیا کہ "صدیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس" رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے اوپر کسی کا احسان نہیں رہا سب کا اتار دیا مگر ابوبکر صدیقؓ کا البتہ احسان میرے ذمے باقی ہے۔ اس احسان کا عوض قیامت کے دن اللہ تعالی ہی دیں گے۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ "میرے اوپر ابوبکرؓ سے بڑھ کر کسی کے احسان نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنی جان سے بھی میری غمخواری کی اور مال سے بھی مدد کی اور اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر دیا۔

6- ابن عمرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ رسولؐ کے زمانہ میں کون شخص فتویٰ دیا کرتا تھا آپ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے کوئی زیادہ عالم نہیں تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ہیں ان سب میں ابوبکرؓ کے مال اور صحبت کا مجھ پر سب سے

زیادہ احسان ہے اگر میں اپنے اللہ کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن ان کی اخوت اسلامی اور سچی محبت میرے دل میں ہمیشہ رہے گی (نودی) ابن کثیر کہتے ہیں کہ کلام اللہ کا علم حضرت ابو بکرؓ کو سب سے زیادہ تھا ایسے ہی سنت کا علم بھی آپ کا کامل تھا۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے اور حافظ حدیث بھی۔

7- حضرت ابو بکر صدیقؓ قریش' عرب کے نسب ناموں سے خوب واقف تھے جبیر بن مطعم جو نسب قریش اور نسب عرب کے بہت بڑے ماہر تھے فرماتے ہیں کہ میں نے علم نسب حضرت ابو بکرؓ سے سیکھا ہے۔ جو عرب کے سب سے بڑے نساب ہیں۔ آپ علم تعبیر بھی خوب جانتے تھے اور آنحضرتؐ کے زمانے میں تعبیر خواب بتلایا کرتے تھے آپ سب سے زیادہ فصیح اور اچھی تقریر کرتے تھے۔ طبرانی ابن اسامہ کا بیان ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالی کو آسمان پر یہ گوارہ نہیں کہ ابو بکرؓ زمین پر غلطی کریں"

علماء امت کا اسی پر اتفاق رائے ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد آپ تمام امت سے افضل ہیں۔ حضرت علیؓ سے متواتر چند مرتبہ منقول ہے کہ امت میں رسول اللہؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ سب سے افضل ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہمارے سردار ہیں۔ سب سے زیادہ افضل ہیں اور رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تمام نبیوں اور رسولوں کے بعد ابو بکرؓ سے بہتر کوئی نہیں۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں آپؐ نے فرمایا عائشہ کے باپ ابو بکرؓ میں نے کہا ان کے بعد فرمایا عمر بن خطاب (بخاری و مسلم) قرآن حکیم میں کئی آیات حضرت ابو بکرؓ کے متعلق نازل ہوئیں اور آنحضرتؐ کی کئی احادیث بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق ہیں۔

صدیق اکبرؓ کے فضائل

8- جمع قرآن : حضرت ابو بکرؓ کا سب سے عظیم کارنامہ ہے زید بن ثابت نے حضرت ابو بکرؓ کے حکم پر کاغذ کے پرچوں' اونٹ اور بکریوں کے شانوں اور ہڈیوں' درختوں کے پتوں کھجور کی چھالوں اور حافظوں کے سینوں سے قرآن مجید کو جمع کیا اور ترتیب دی اور پھر ایک مصحف یعنی کتاب کی شکل میں مرتب کیا حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "سب سے زیادہ اجر قرآن شریف کے متعلق حضرت ابو بکرؓ کو ملے گا کیونکہ اول آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے قرآن شریف کو کتابی صورت میں جمع کیا۔

9- رسول اللہؐ کی شدید بیماری کی وجہ سے آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو نمازوں کی امامت کے لئے فرمایا اور آپ نے حضورؐ کی زندگی میں سترہ نمازوں کی امامت کی۔

10- آنحضرتؐ نے 9ھ میں پہلی بار حج بیت اللہ کی امارت کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ خلیفتہ الرسول اللہ کا فرض تھا کہ وہ قرآن و سنت پر لوگوں سے عمل کروائیں۔ احکام شریعہ کو نافذ کریں اور انتظامی امور کو سرانجام دیں۔

11- حضرت ابو بکرؓ نے بدر کے قیدیوں کو صرف فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ جس سے نا صرف ان کی رحمدلی' انسان

دوستی اور رشتہ و قرابت کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر بعد میں اسلام کے جلیل القدر عظیم مجاہد ثابت ہوئے حضرت ابو بکرؓ کی عمر 63 سال تھی اتنی ہی عمر آنحضرتؐ اور حضرت عمرؓ کی بھی تھی یعنی ایک جیسا عرصہ حیات دنیا میں گزارا۔

12- حضرت ابو بکرؓ میں صفات عزم و استقلال اور پختگی و قوت ایمانی نہایت اہم تھیں۔ اگر حضرت ابو بکرؓ کا عزم راسخ اور قوت ایمانی اور سنت رسولؐ پر عمل کا بے پناہ جذبہ نہ ہوتا تو امداد خداوندی کے بعد اسلام تاریخ میں وہ کامیابیاں حاصل نہ کر سکتا جو کیں۔

13- یہ اخلاق و فضائل کی مماثلت ہی تھی جس نے دونوں عظیم ہستیوں کو باہم رفاقت اور دوستی کے پائیدار رشتوں میں منسلک کر دیا تھا۔ آپ محبّ رسولؐ تھے مقلد رسولؐ تھے۔

14- مسجد نبوی کی زمین آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی رقم سے خرید کر وقف کر دی تھی۔

15- حضرت ابو بکرؓ نے نہ صرف بیت المال کی طرف سے ایک حبشی غلام اونٹنی اور ایک چادر واپس کر دی بلکہ دوران خلافت قریباً اڑھائی سو درھم ماہوار وظیفہ حاصل کرتے تھے جس کی کل قیمت تقریباً چھ ہزار درھم بن چکی تھی آپ کے حکم پر آپ کی زمین فروخت کر کے بیت المال میں جمع کرا دی تھی۔

16- جناب رسول اللہؐ کی وفات کے بعد سر زمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی اور حضرت ابو بکرؓ نے اسلام کو دوبارہ زندہ کر دیا اور آپ کی مشعل ہدایت قوت ایمانی اور عزم راسخ نے تمام عرب کو منور کر دیا۔ بلکہ عظیم فتوحات کا آغاز ہو گیا۔

17- حضرت ابو بکرؓ نے تمام مملکت مدینہ کو بہتر نظم و نسق کے لئے مختلف صوبوں اور حصوں میں تقسیم کیا اور دیانتدار قابل اور لائق عامل اور افسر مقرر کئے۔ چنانچہ مدینہ 'مکہ' طائف' صنعاء' نجران' حضر موت' بحرین اور دومتہ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے ہر صوبے کا ایک عامل یعنی گورنر ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض سر انجام دیتا تھا۔ مدینہ میں حضرت عمر فاروقؓ قاضی' حضرت ابو عبیدہ بن جرح وزیر مال' حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بنؓ ثابت دربار خلافت کے کاتب تھے ان عہدیداروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جو عہد نبوت میں عامل یا عہدیدار رہ چکے تھے۔ انتخاب کا معیار اہلیت قابلیت' دیانت اور فرائض کی جا آوری محنت کا جذبہ ہوتا تھا۔

18- حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد جب بیت المال کا حساب کیا گیا تو آپ کے عہد میں دو لاکھ دینار آئے تھے۔ مگر صرف ایک دینار بر آمد ہوا۔ کل رقم اسلام کی اشاعت' فتوحات اور غربا و مساکین پر خرچ ہو چکی تھی۔

19- عسکری نظام آنحضرتؐ کے طریقہ کے مطابق تھا یعنی بوقت ضرورت مسلمانوں کو بلایا جاتا تھا اور واپسی پر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے۔ البتہ اتنی تبدیلی کی کہ اب فوج کے مختلف دستے تیار کئے جاتے تھے اور ہر عسکری دستے کا ایک افسر یعنی امیر لشکر مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جس کی اطاعت اس دستے کے لئے لازمی تھی۔ تمام دستوں کا سپہ سالار یعنی امیر مقرر کر دیا جاتا تھا۔ سب سے پہلا سپہ سالار خالد بن ولیدؓ تھے فوج کی اخلاقی تربیت کی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ ان کو ہدایات و احکام دے کر روانہ فرماتے تھے۔

20- حضرت ابو بکرؓ نے تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے بے حد جدو جہد کی ان کی فوج کے امیر کو حکم تھا کہ پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت دو۔ نہ قبول کرے تو جزیہ کی ادائیگی پر امن وسلامتی اور مذہبی آزادی کا وعدہ لو۔ اگر یہ بھی قبول نہ کرے تو پھر جنگ کرو۔

جیش اُسامہ کی شاندار کامیابی

جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو یہ مسلمانوں کے لئے نہایت پر آشوب صبر آزما دور تھا۔ سب سے بڑا حادثہ آنحضرت کی المناک وفات تھی یہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے ناقابل تلافی صدمہ تھا بلکہ منافقین مدینہ کے لئے فتنہ انگیزی کا بہترین موقع تھا جس سے وہ مسلمانوں میں نفاق اور مایوسی پیدا کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے بقول "اگر آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ابو بکرؓ جیسا عظیم انسان خلیفہ منتخب نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد میرے باپ پر حوادث و مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ایک طرف مدینہ میں نفاق پیدا ہو گیا اور دوسری طرف عرب اسلام سے منحرف ہونے لگے۔

حضرت ابو بکرؓ کے سامنے پہلا کام حضرت اسامہ بن زید کی مہم کو شام کی طرف روانہ کرنا تھا جو آنحضرتؐ اپنی زندگی کے آخری وقت میں روانہ فرمانے والے تھے۔ عرب و شام کی سرحد کے ایک حکمران شرجیل بن عمرو نے آنحضرتؐ کے سفیر حضرت حارث بن امیر کو قتل کر دیا تھا ان کے انتقام کے لئے حضورؐ نے موتہ کی طرف زید بن حارث کی قیادت میں تین ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ کیا تھا۔ جس میں حضرت زید اور دیگر ممتاز صحابہؓ شہید ہو گئے تھے اور بقایا لشکر خالد بن ولید بے مثال عسکری حکمت عملی اور اپنی بہادری سے واپس لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس کا انتقام لینا بھی ضروری تھا۔ حضرت ابو بکرؓ جیش اسامہ کی اہمیت اور مقاصد سے دفاعی نقطہ نظر سے بھی پوری طرح واقف تھے کیونکہ آنحضرتؐ نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف فوجی مہمیں روانہ نہیں کی جائیں گی عرب قبائل پر امن نہیں رہ سکتے اور قیصر روم کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا بھی خطرہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ بھی اس کی سیاسی اہمیت سے واقف تھے اور خاص طور پر اس لئے کہ وہ آنحضرتؐ کے اس منصوبہ کی تکمیل کو اپنا فرض اولین تسلیم کرتے تھے لہذا باوجود شدید مخالفت اور سخت خطرات کے انہوں نے اسامہ کی زیر قیادت ایک بڑا لشکر شام کی طرف روانہ کر دیا جس کے شاندار نتائج بر آمد ہوئے۔

آنحضرتؐ کی وفات اور بیعت عامہ کے دوسرے ہی دن حضرت ابو بکرؓ نے بحیثیت خلیفۃ الرسول اللہؐ جو حکم جاری کیا وہ یہ تھا کہ "اسامہ کے لشکر کو روانگی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے تاکید کی گئی کہ جو لوگ مع کبار صحابہ کے اس مہم کے لئے نامزد کئے گئے تھے ان میں سے ایک بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ صرف میں جمع ہو جائیں" یہ حکم جاری ہوتے ہی تمام مجاہدین صرف میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اسی دوران میں عرب کے تمام علاقوں سے مختلف قبائل کے ارتداد و بغاوت اور جھوٹے مدعیان نبوت کے فتنہ و فساد کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں الغرض ہر طرف سنگین خطرات منڈلا رہے تھے۔

ان نازک حالات میں بعض صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ اُسامہ کی مہم کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے اور اس تشویش ناک موقع پر مسلمانوں کی طاقت و جمعیت کو منقسم نہ کیا جائے۔ بلکہ متحد طاقت سے فتنہ و فساد پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس مشورہ کو سختی کے ساتھ مسترد کرتے ہوئے اپنے اس عزم صمیم کا اعلان کیا کہ آپ ہر حالات میں تمام مشکلات سے بے نیاز ہو کر آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل میں ان کے منصوبہ و فیصلہ کے مطابق اُسامہ کا لشکر ہر صورت شام کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ جب تمام لشکر صرف کے مقام پر جمع ہو گیا۔ تو اس جگہ امیر لشکر حضرت اُسامہؓ بن زید نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ اے خلیفۃ الرسول! بے شک حضورؐ نے شام پر لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس وقت حالات انتہائی نازک اور تشویش ناک صورت اختیار کر چکے ہیں اس لئے ان سنگین خطرات میں آپؓ کو چھوڑ کر جانے سے بے حد پریشان ہوں۔ میرے ساتھ بڑے بڑے بہادر اور تجربہ کار مجاہدین اس دُور دراز مہم میں جا رہے ہیں۔ مدینہ ان سے خالی ہو جائے گا۔ مصلحت کا تقاضا ہے کہ پہلے ان فتنوں اور دشمنوں کا صفایا کر لیں بعد میں ہم شام کی مہم پر روانہ ہو جائیں گے" حضرت ابو بکرؓ نے یہ مشورہ سننے کے بعد پر جوش انداز میں فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر میری جان بھی چلی جائے تو کچھ پروا نہیں لیکن میں جناب رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل میں تمام خطرات قبول کرنے کو تیار ہوں کوئی بھی التوا اور تبدیلی نہیں کروں گا"

اسی دوران میں حضرت عمر فاروقؓ انصار کا یہ پیغام لے کر آئے کہ اگر آپ نے لشکر اسی وقت ضرور روانہ کرنا ہے تو اس کی امارت پر نوجوان اسامہؓ کی بجائے معمر اور تجربہ کار آدمی کو امیر بنا کر روانہ کریں۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ جوش میں آ گئے اور انہوں نے بڑے سخت الفاظ میں فرمایا۔ "اے ابن خطاب! رسول اللہؐ نے اسامہ کو لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا اور فرمایا تھا اسامہ اس لشکر کی قیادت کا اہل ہے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے جس طرح اس کا باپ زید بن حارث لشکر موتہ کی امارت کا اہل اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اور تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ اس کو معزول کر دوں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" اس کے بعد لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ امیر لشکر حضرت اسامہ اپنے باپ حضرت زید کے گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابو بکرؓ پیادہ حضرت اسامہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا خلیفۃ الرسول! یا تو آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا مجھ کو بھی گھوڑے سے اُتر کر پیادہ چلنے کی اجازت دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا "تم کو خدا کی قسم جو اترو اور میں بھی سوار نہیں ہوں گا۔ اگر کچھ دیر کے لئے میں اپنے قدم اللہ کی راہ میں خاک آلود کر لوں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت اُسامہؓ سے کہا کہ اگر مناسب خیال کرو تو حضرت عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھے ان کے مشوروں کی ضرورت ہو گی۔ حضرت اسامہؓ نے اس کی باخوشی اجازت دے دی۔ اس کے بعد آپ نے لشکر کو تھوڑی دیر رکنے کا حکم دیا اور پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! میں تم کو دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ ان کو اچھی طرح یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا۔

1- خیانت نہ کرنا 2- دھوکا نہ دینا' 3- امیر کی نافرمانی نہ کرنا' 4- کسی شخص کے اعضا نہ کاٹنا' 5- کسی بچے بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا' 6- کھجور یا کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا اور نہ اس کو جلانا' 7- بکری گائے یا اونٹ کو کھانے کی ضرورت کے سوا ذبح نہ کرنا' 8- جو لوگ ترک دُنیا کر کے اپنے عبادت خانوں میں گوشہ نشین ہوں۔ ان سے کچھ نہ کہنا' 9- جو لوگ کھانے تیار کر کے تمہارے پاس لائیں ان کو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ 10- اگر ایسے لوگ ملیں جن کے سر بیچ سے منڈے ہوں گے اور

پیٹھ چوڑے ہوں گے ان سے تلوار سے بات کرنا یعنی سختی سے پیش آنا۔ اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دشمنوں کے حربوں اور طاعون سے محفوظ رکھے"۔ حضرت اُسامہؓ کو ایک بار پھر تاکید فرمائی کہ اے "اسامہؓ رسول اللہؐ کے حکم کے مطابق عمل کرنا۔ اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا" حضورؐ نے اسامہؓ کو فرمایا تھا کہ فلسطین جو اس وقت شام کا ایک صوبہ تھا کہ سرزمین بلقا اور داروم کو پامال کر کے آؤ۔ یعنی جنگ موتہ میں حضرت زیدؓ و دیگر صحابہؓ کی شہادت کا انتقام لے کر آؤ۔

حضرت اسامہؓ بن زید نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم پر بنو قضاعہ پر فوج کشی کی اور ان کو کئی مقامات پر شکست دی۔ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور دومتہ الجندل میں جمع ہو گئے۔ اُسامہ اپنی فوج کے ساتھ ان کے تعاقب میں آگے بڑھے۔ انہوں نے حمقین پر حملہ کر کے جذام کے بنی الغیب اور قبیلہ لخم کے بنی خلیل کو شدید جانی نقصان پہنچایا۔ اُن کے اونٹوں اور مال غنیمت پر قبضہ کر لیا جیش اسامہ نے فلسطین کے مقام نخوم البقاد اور داروم پر حملہ کیا۔ اس اچانک حملہ کی تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے دشمن بھاگ گیا اور بہت سامال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اُسامہ مدینہ سے تیزی سے سفر کر کے ذی المروہ اور وادی آہنی پہنچے اور یہاں سے قبائل قضاعہ اور آبل پر چھاپے مارے۔ اُسامہ کی فوج کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ کسی جگہ دشمن سے جنگ نہ ہوئی اور نہ ہی کسی نے مقابلہ کیا۔ کافی مال غنیمت ہاتھ آیا اور چالیس دن کے بعد جیش اُسامہؓ مدینہ واپس پہنچ گیا۔ اس شاندار کامیابی سے اُسامہؓ کی عزت و وقار میں بے حد اضافہ ہوا اور مخالفین بھی رسول اللہ کا یہ قول بار بار دھراتے تھے کہ اُسامہؓ امارت کے اہل ہے اور اس کا باپ بھی امارت کے اہل تھا۔ جب اُسامہ فاتح بن کر مدینہ پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ کے ہمراہ شہر کے باہر جا کر ان کا شاندار استقبال کیا اور تمام مسلمانوں نے انتہائی جوش و خروش اور خوشی کا اظہار کیا۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی اُسامہ سیدھے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز شکرانہ ادا کی۔ اور آنحضرتؐ کے روضہ اقدس پر فاتحہ پڑھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت اسامہؓ کا لشکر چالیس دن کے بعد مظفر و منصور ہو کر مدینہ واپس پہنچ گیا تھا مگر دوسری روایت یہ ہے کہ جیش اُسامہؓ کو اس مہم میں ستر دن لگے تھے۔ ہمارے خیال میں چالیس دن کی روایت زیادہ سہی ہے کیونکہ اُسامہؓ اور اس کے ساتھی مہاجرین مدینہ کو انتہائی تشویش ناک حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ اس لئے ان کی کوشش ہو گی کہ جلد از جلد مدینہ واپس جا کر فتنہ و فساد کی طاقتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے پندرہ دن جانے اور پندرہ دن آنے میں صرف کئے اور دس دن کا عرصہ مشرکین و رومیوں کے خلاف چھاپہ مار لڑائی میں صرف ہوا ہو گا۔ اس طرح چالیس روز کی مدت اس مہم کے لئے کافی ہو گی اور حضرت اُسامہؓ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر معہ مال غنیمت مدینہ واپس آگئے ہوں گے۔

چند مقامی لوگوں نے اس شخص کی نشاندھی کی جس نے اُسامہؓ کے باپ زید کو شہید کیا تھا۔ اسے امیر لشکر کے سامنے لایا گیا تو امیر کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا اور اس طرح انتقام پورا ہو گیا۔

حضرت اُسامہؓ بیس سال کے نوجوان تھے۔ ان کو امیر لشکر بنانے کے دو مقاصد تھے۔ پہلا یہ کہ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے دوسرے یہ کہ اُسامہ اپنے باپ کا انتقام لے سکے۔ تیسرے یہ کہ آنحضرتؐ اسامہؓ کو اس قیادت کا اہل سمجھتے تھے اور وہ آپ کو بے حد محبوب تھا۔ اُسامہؓ بچپن سے ہی آنحضرت کو بڑے محبوب تھے۔ خاص کر زید بن حارث کے فرزند ہونے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب آنحضرتؐ عمرہ قضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو اسامہؓ کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھا

لیااور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے اسامہؓ بہادری اور جرات میں کسی سے کم نہ تھے اور یہ صفات بچپن سے ہی ان میں نمایاں تھیں۔ جنگ احد میں بھی آپ نے شامل ہونے کی کوشش کی تھی مگر آنحضرتؐ نے واپس کر دیا تھا غزوہ حنین میں بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ ان اوصاف کے باوجود بعض صحابہؓ کو ان کی امارت پر اعتراض تھا کیونکہ وہ ابھی کم عمر تھے۔ اور اس لشکر میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر کبار اور تجربہ کار بہادر صحابہؓ شامل تھے اگرچہ ان کو رسول اللہ کی اسامہؓ سے محبت اور اس کی بہادری کا اعتراف تھا۔

حضرت اُسامہؓ کی مہم کے فوائد :

سیاسی لحاظ سے اس مہم کا بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قیصر روم اس وقت حمص میں تھا بہت مرعوب ہوا اور اپنے اس علاقہ کے مذہبی رہنماؤں، پیشواؤں اور پادریوں وغیرہ کو جمع کیا اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت و طاقت سے خبر دار کیا اور ان کی جرات و بہادری کی تعریف کی کہ ایک مہینہ کی مسافت پر آکر چھاپہ مار کر اور کامیاب ہو کر اتنی تیزی اور سرعت کے ساتھ واپس بھی چلے گئے۔ اس کے علاوہ سرحد شام پر آباد عرب قبائل بھی خوف زدہ ہو گئے کہ مسلمانوں میں بہت بڑی طاقت ہے۔ جو آنحضرتؐ کی وفات کے باوجود قیصر روم سے مقابلے کی ہمت و جرات رکھتے ہیں اور اس کے گھر میں آکر اس کو شدید نقصان پہنچا گئے ہیں۔ لہذا ان کے خلاف بغاوت یا سرکشی کا خیال دل سے نکال دیں۔ اس طرح دیگر اندرونی و بیرونی دشمن بھی مرعوب ہو گئے۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مکالمہ نگار لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف مہمیں روانہ نہیں کی جائیں گی عرب قبائل پر امن نہیں رہ سکتے حضرت ابو بکرؓ بھی اس کی سیاسی اہمیت سے واقف تھے اس وجہ سے باوجود شدید مخالفت اور سخت خطرات کے انہوں نے اسامہؓ کی زیر قیادت ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا۔ یہ جنگ موتہ کا بدلہ لینے اور رومیوں کے مدینہ پر متوقع حملہ کو روکنے کے لئے دفاعی نقطہ سے بڑی اہم مہم تھی۔ کیونکہ موتہ اور تبوک میں جو واقعات پیش آچکے تھے ان سے آپ کے خدشات کو مزید تقویت پہنچی تھی کہ رومی ضرور مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔ کیونکہ ایران پر فتح حاصل کرنے کے بعد ان کے حوصلے بلند ہو چکے تھے اور آپ کو دُنیا کی سپر پاور رومی حکومت سے تصادم ناگزیر نظر آ رہا تھا۔ اس لئے رومیوں کے خطرناک عزائم کے مقابلہ کے لئے اسامہؓ کو بطور پیش بندی شام روانہ کیا جا رہا تھا۔ جنگ کے بعد حضرت اسامہؓ واپس روانہ ہوئے اور ایک دن ابنی کے مقام پر قیام کیا اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا۔ دوسرے دن وادی القریٰ ہی کے راستے مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس مہم میں مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ حضرت اسامہ اپنے باپ زید کے گھوڑے قبحہ پر سوار تھے اور حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی فتح کا علم اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس لشکر کی کامیابی سے دشمنان اسلام و منافقین کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت و شوکت کی دھاک بیٹھ گئی۔ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ کا مقصد جناب رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل تھا اور کوئی مصلحت یا خطرہ آپ کو ارشاد نبویؐ کی تعمیل سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس مہم سے مسلمانوں کو بہت سے سیاسی و عسکری مفادات حاصل ہوئے۔

آنحضرتؐ نے اس مہم کو تین مقاصد کی خاطر روانہ فرمانا تھا اول یہ کہ عرب و شام کی سرحد کے ایک غسانی عرب حکمران شرجیل بن عمرو نے آنحضرتؐ کے قاصد حارث بن عمیر کو قتل کر دیا تھا اس کا انتقام لینا تھا۔ دوئم موتہ کی جنگ میں حضرت زید بن حارثؓ اور دیگر ساتھی شہید ہو گئے تھے ان کا انتقام لینا تھا۔ تیسرے قیصر روم کے مدینہ پر متوقع حملہ کے خلاف پیشگی ان پر یلغار کرنا تھا چوتھے اسلام چونکہ عالمگیر مذہب ہے لہذا آنحضرتؐ اب پورے عرب کی فتح کے بعد دین اسلام کی اشاعت کے لئے بیرون عرب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہموار کرنا چاہتے تھے اسامہؓ کا لشکر تین ہزار مہاجرین و انصار پر مشتمل تھا جن میں ایک ہزار گھوڑ سوار بھی تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے انیس دن بعد صدف سے یہ لشکر روانہ ہوا۔ اس چھاپہ مار جنگ میں دشمن تاب مقابلہ نہ لا سکا اور بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔

منکرین زکوۃ کے ساتھ جنگ

مدینہ کے گردو نواح کے سرداروں کا ایک وفد مدینہ آیا اور مختلف عمائدین مدینہ کے پاس قیام کیا اور انہوں نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور زکوۃ کی ادائیگی اور معافی کے لئے اپنی معروضات پیش کیں۔ عمائدین ان کو ہمراہ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس لائے اور ان کی سفارش کی مگر حضرت ابو بکرؓ نے صاف انکار کر دیا قبائل کا موقف یہ تھا کہ ہم نماز تو پڑھتے رہیں گے اور اسلام کے دیگر احکام وغیرہ پر عمل کریں گے مگر زکوۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیں۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ نماز اور زکوۃ میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں اسلام کے ستون ہیں لہٰذا اگر وہ زکوۃ کی اونٹ باندھنے کی رسی بھی نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا اور ان کے مطالبہ کو یکسر مسترد کر دیا۔ منکرین زکوۃ کے وفد نے واپس آکر اپنے لوگوں کو تمام حالات بتائے اور یہ بھی کہا کہ اس وقت مدینہ میں اُسامہ کے لشکر کے جانے کی وجہ سے بہت کم لوگ موجود ہیں یہ مدینہ پر حملہ کرنے کا بہت اچھا موقع ہے۔ ابو بکرؓ بھی اپنے انکار کی وجہ سے ان کے متوقع حملہ سے غافل نہ تھے اس پر فوراً دفاعی تیاریاں شروع کر دیں۔ مدینہ کے تمام ناکوں پر مجاہدین کے گروہ متعین کر دیے اور تمام اہل مدینہ کو حکم دے دیا کہ مسجد میں جمع ہو جائیں انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ دین سے منحرف ہو چکے ہیں اور مدینہ میں ہماری قلت تعداد کو بھی دیکھ گئے ہیں۔ وہ ضرور رات یا دن میں مدینہ پر حملہ آور ہوں گے ہم نے ان کے مطالبہ کو مسترد کر دیا ہے اس لئے وہ مقابلے کے لئے بالکل تیار ہیں تم بھی تیار ہو جاؤ۔ منکرین کی واپسی کے تین دن بعد منحرفین نے رات کے وقت مدینہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع دی گئی آپ فوراً عمل میں آگئے اور اپنے مجاہدین کو مسجد سے اونٹوں پر سوار ہو کر حملہ آوروں کا سخت مقابلہ کیا۔ دشمن فرار ہو گیا۔ منکرین اپنا ایک حصہ ذی حی میں چھوڑ آئے تھے وہ بھاگ کر ان سے جا ملے۔ مسلمانوں نے بھی اونٹوں پر ان کا تعاقب کیا اور ذی حی میں پہنچ گئے۔ وہاں دشمنوں نے مقابلہ کرنے کی بجائے چمڑے کے مشکوں یا کپوں میں ہوا بھر کر ان کو غباروں کی شکل بنا دیا اور ان کے منہ پر رسیاں باندھ دیں اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ انہوں نے اونٹوں کے سامنے ان غباروں کو پھینک دیا۔ جس سے تمام اونٹ بدک کر فرار ہو گئے اور وہ مسلمان جو ان اونٹوں پر سوار تھے کسی طرح ان کو نہ سنبھال سکے اور مدینہ بھاگ کر آگئے۔ مسلمانوں کا اگرچہ کوئی جانی یا مالی نقصان نہ ہوا مگر دشمن کے سامنے ہزیمت اٹھانا پڑی۔

حضرت ابو بکرؓ رات بھر اپنی فوج کی تیاری میں مصروف رہے اور سب کو تیار کر کے رات کے پچھلے پہر پوری فوجی تیاری کے ساتھ مدینہ سے دشمن پر یلغار کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ نعمان بن مقرن ان کے میمنے پر، عبداللہ بن مقرن ان کے میسرے پر اور سوید بن مقرن ساقہ فوج میں جن کے ساتھ ستر اونٹ سوار بھی تھے ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اور

منکرین ذی حی میں میدان جنگ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ مسلمان اس خاموشی اور احتیاط کے ساتھ دشمن کے سر پر آپہنچے تھے کہ اس اچانک حملے کی اُن کو خبر تک نہ ہو سکی اور مسلمانوں نے ان کو تلواروں کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ طلوع آفتاب سے قبل دشمن شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان کے مال اور جانوروں پر قبضہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کا ذوالقصہ تک تعاقب کیا وہ وہاں سے بھی بھاگ کر کسی دوسری طرف چلے گئے۔ فتنہ ارتداد کے خلاف مسلمانوں کی یہ شاندار فتح تھی۔ ابو بکرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک فوجی دستہ کے ساتھ وہاں متعین کیا اور خود مدینہ واپس آگئے۔ قبیلہ عبس اور زبیان نے اپنے ان لوگوں کو جو اسلام پر قائم رہے تھے قتل و غارت کیا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو علم ہوا کہ مخلص مسلمانوں کو ان مشرک قبائل نے اذیتیں دے کر قتل کر دیا ہے تو ابو بکرؓ نے قسم کھا کر عہد کیا کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا ہے اُن سے پورا پورا انتقام لیا جائے گا۔

اس کے بعد اسلام پر قائم مسلمانوں کی تین جماعتیں حضرت صفوان زبرکان اور عدی کی قیادت میں مسلمانوں کی امداد کے لئے مدینہ پہنچ گئیں۔ اس طرح اہل مدینہ کی طاقت اور اعتماد میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے چند دن بعد حضرت اسامہؓ بھی مظفر و منصور ہو کر مدینہ واپس آگئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسامہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود ایک بڑی فوج لے کر پہلے ذی حی اور پھر ذی القصہ پہنچے' نعمان عبداللہ اور سوید تینوں بھائی اپنی اپنی جگہ میمنہ' میسرہ اور ساقہ پر متعین تھے اس فوجی ترتیب کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ نے ابرق کے مقام پر الربذہ پر حملہ کر دیا۔ شدید جنگ ہوئی۔ حارث اور عوف کو شکست فاش ہوئی اور حطیہ زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ قبائل عبس اور زبیان اور بنی بکر فرار ہو گئے۔ ابو بکرؓ نے چند روز ابرق میں قیام کیا اور پھر واپس مدینہ آگئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ابرق کی زمینوں کو بنی زبیان اور بنی ثعلبہ کو دینے کی بجائے مسلمانوں کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا۔

ابرق کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد قبائل بنی عبس بنی زبیان اور بنی کنانہ وغیرہ طلیحہ بن خویلد جو سمیرا سے چل کر بزاخہ پہنچ چکے تھے آملے۔ حضرت ابو بکرؓ ابرق کی فتح کے بعد مدینہ چلے آئے۔ اسامہؓ کی فوج بھی اب تازہ دم ہو چکی تھی اب آپ ذوالقصہ روانہ ہو گئے۔ یہ مقام مدینہ سے ایک منزل کی مسافت پر نجد کی سڑک پر واقع ہے۔ یہاں پر انہوں نے اپنی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا اور گیارہ جھنڈے تیار کئے گئے۔ جو ایک ایک دستہ کو دیا گیا اور حکم دیا کہ جس جس راستہ سے گزریں مجاہد مسلمانوں کو اپنے ساتھ کرتے جائیں۔

گیارہ عسکری دستوں کی تفصیل حسب ذیل ہے

نمبر شمار	سپہ سالار کا نام	مقام جنگ	مخالف فریق کا نام و پتہ
-1	حضرت خالد بن ولید	بزاخہ اور بطاح	طلیحہ اور مالک بن نویرہ
-2	حضرت عکرمتہ ابن ابی جہل	یمامہ	مسلیمہ کذاب اور بنو حنیفہ
-3	حضرت مہاجر ابن ابی امیہ	یمن و حضر موت	پیروان اسود عنسی اور قیس ابن العاص
-4	حضرت عمرو بن العاص	عرب و شام کی سرحد	قضاعتہ وودیقہ اور حارث

5-	خالد بن سعید بن العاص	الحمقتان (حدود شام)	رومیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا
6-	علاء بن الحضرمی	بحرین	الحطم بن صبعیۃ
7-	سوید بن المقران	یمن کا نشی علاقہ	
8-	عرفجۃ بن ہرثمہ	مہرہ	
9-	حذیفۃ بن محصن	عمان	لقیط بن مالک الازدی
10-	طریفۃ بن حاجزا لسلمی	عرب کا شمالی حصہ	ہو سلیم وہوازن
11-	شرجیل بن حسنہ	یمامہ (حضرت عکرمہ کے ساتھ)	مسیلمہ ہو حنیفہ

مندرجہ بالا تمام سرداران لشکر ذوالقعہ سے حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت کے مطابق اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے تمام منحرفین کے نام ایک پیغام بھی دیا جن کا ایک ہی مضمون تھا اس پیغام کا متن حسب ذیل ہے : ص۔ 191 صدیق اکبرؓ مولانا سعید احمد اکبر آبادی "ابو بکر خلیفۃ الرسول اللہ کی طرف سے ان تمام عام و خاص لوگوں کے نام جن کے پاس میری یہ تحریر پہنچے اور جو اسلام پر قائم ہوں یا اس سے روگرداں ہو گئے ہوں۔ سلام اُن پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور ایک مرتبہ اس کو قبول کرنے کے بعد اس سے گمراہی اور اندھے پن کی طرف نہیں لوٹے۔ میں تم سب لوگوں کے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ ہم ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو آپ لے کر آئے۔ اور جو شخص اس کا منکر ہے ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں اور ہم اس سے جہاد کریں گے۔

امابعد! اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو اپنی طرف سے حق کے ساتھ اپنی مخلوق کی طرف بشیر ونذیر اور حق کا داعی بنا کر اور چراغ فروزاں بنا کر بھیجا۔ تا کہ جو لوگ زندہ ہیں آپؐ ان کو ڈرائیں اور کافروں پر اللہ کی حجت تمام کر دیں۔ اللہ نے جس کو توفیق دی اس نے یہ امر حق خوشی قبول کر لیا اور جس نے ان سے پشت پھیری رسول اللہؐ نے اللہ کے حکم سے اس پر ضرب لگائی کہ وہ بھی طوعاً یا کرہاً اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول کو اس دنیا سے اٹھالیا۔ آپؐ اللہ کے امر کو نافذ کر چکے تھے اور آپؐ پر جو کچھ فرض تھا اس کو پورا کر چکے تھے اللہ اس بات (وفات نبویؐ) کو اپنی کتاب کے ذریعہ محمد رسول اللہؐ اور تمام اہل اسلام کو صاف طور پر بیان کر چکا تھا چنانچہ اس نے کہا "بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور دوسرے بھی مرنے والے ہیں۔ اور آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو بھی دوامی زندگی نہیں بخشی تو کیا جب آپؐ مر جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے ؟" یہ خطاب آنحضرتؐ سے تھا۔ عام مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا "اور محمدؐ نہیں ہیں مگر ایک رسولؐ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو اگر یہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم روگردانی اختیار کر لو گے اور جو روگردانی اختیار کرے گا تو وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

پس جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمدؐ مر گئے۔ لیکن ہاں جو شخص صرف اللہ کو پوجتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے تو اللہ اُس کی نگرانی کرنے والا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ وہ قیوم ہے اور اس کو کبھی موت نہیں

آئے گی۔ اس کو غنودگی آتی ہے اور نہ نیند' وہ اپنے امر کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اپنے دشمن سے بدلہ لینے والا ہے اور وہ اس کو اس دشمنی کی سزا دے گا۔ اور میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو۔ اس سے اور جو چیز تمہارے نبی لائے ہیں اس سے اپنا حصہ لو۔ آنحضرتؐ کے اسوۂ کا اتباع کرو۔ اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ کیونکہ جس شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا وہ گمراہ اور جس کو اللہ معاف نہیں کرتا وہ مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس شخص کی مدد اللہ نہیں کرتا وہ رسوا ہوتا ہے۔ جس کو اللہ نے ہدایت دی وہ راہ راست پر آیا اور جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا وہ گم کردہ راہ ہو جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور پھر اس کا دنیا میں کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا جو اللہ سے قریب کر دے اور آخرت میں نہ کوئی فدیہ قبول کیا جاتا ہے اور نہ اس کے برابر کی کوئی چیز۔

تم میں سے جو لوگ اسلام کا اقرار کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد اپنے دین سے پھر گئے ہیں۔ مجھے ان کی اطلاع پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ وہ اللہ کے متعلق غلط فہمی میں ہیں۔ اس کے امر سے جاہل ہیں اور انہوں نے شیطان کی آواز پر لبیک کہا ہے۔

اب میں انصار و مہاجرین اور تابعین باحسان کے لشکر کے فلاں فلاں کو سردار بنا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے ان کو حکم کیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے قتال کریں اور نہ قتل کریں جب تک کہ اللہ کی طرف سے اس کو دعوت نہ دیں۔ اس دعوت کو جو شخص لبیک کہے گا۔ اقرار کرے گا۔ اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز آجائے گا اور نیک عمل کرے گا یہ میرا نمائندہ اسے قبول کرے گا اور اس کی مدد کرے گا۔ لیکن اس کے خلاف جو شخص انکار کرے گا تو میں نے حکم دیا ہے کہ اس سے قتال کیا جائے۔ پھر جب یہ دشمن ہاتھ لگ جائے تو ان کو قتل کر کے ختم کر دے اور ان کی عورتوں اور اولاد کو گرفتار کر لے اور اب سوائے اسلام کے ان سے کوئی چیز قبول نہیں کی جائیگی پس جو لوگ ان میرے نمائندوں کا اتباع کریں گے تو وہ ان کے لئے بہتر ہو گا اور جو ان کی پرواہ نہیں کرے گا۔ وہ اللہ کو ذرا عاجز نہیں کر سکتا۔

میں نے اپنے نامہ بروں کو حکم دیا ہے کہ میری یہ تحریر تم لوگوں کے ہر مجمع میں پڑھ کر سنائی جائے گی۔"

لشکر روانہ ہوئے تو ان کے آگے آگے یہ نامہ بر چل رہے تھے جو اس تحریر کو لئے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ اعلان تو مرتدین کے نام تھا جس سے قتال کرنے کے لئے یہ لشکر روانہ ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ خاص امراء فوج کے نام آپ نے ایک عہد نامہ الگ تحریر فرمایا جس میں ان کے فرائض و واجبات بتائے گئے تھے اس میں بھی یہ بات صاف صاف کہہ دی گئی تھی کہ ان مرتدین سے اسلام کے سوا کوئی اور دوسری چیز مقبول نہیں ہو گی اور خود مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی تھی۔

فرمان امرائے عساکر کے نام :

"ابو بکرؓ خلیفۃ رسول اللہؐ کی طرف سے فلاں شخص کے نام جو مرتدین سے لڑنے والی فوج کا امیر (سالار لشکر) بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ یہ منصب اس شرط پر دیا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے تمام کاموں میں ظاہر و باطن حتی الامکان اللہ سے ڈرتا رہے گا اور

اسے حکم دیا جاتا ہے وہ خدا کے کام میں کوشش کرے اور جنہوں نے خدا سے روگردانی کی ہے اور اسلام سے منحرف ہو کر شیطان سے امیدیں باندھی ہیں ان سے لڑے۔ تمام محبت کے لئے پہلے ان کو اسلام کی طرف بلائے اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے ہاتھ روک لے اور اگر قبول نہ کریں تو فوراً ان پر یورش کر دے یہاں تک کہ وہ پھر اسلام لے آئیں۔ پھر ان پر جو اسلام کے حقوق و فرائض ہیں وہ انہیں بتائیں اور ان کے جو حقوق اسلام پر ہیں ان سے ان کو آگاہ کرے۔ پھر ان پر جو حقوق ہیں ان سے لے اور ان کے جو حقوق ہیں ان کو دے اس میں کسی قسم کی رورعائت نہ کرے نہ مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے لڑنے سے روکے۔ پھر جو خدائے عزوجل کے حکم کو مانے اور اس کا اقرار کرے تو اس کے اقرار کو مان لیا جائے اور اچھی طرح اس کی اعانت کی جائے اور جس نے اللہ کے ہاں سے آئی ہوئی شریعت کا اقرار کر کے پھر انکار کیا اس سے ضرور جنگ کی جائے لیکن جب وہ اسلام کی دعوت قبول کر لے اور اس کے بعد اپنے دل میں کچھ پوشیدہ نہ رکھے تو اس پر میری طرف سے کچھ مواخدہ نہیں اس کا محاسب اللہ تعالیٰ ہے البتہ جو شخص علانیہ طور پر اسلام کی دعوت کو رد کر دے اس سے جنگ کی جائے اور اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری شرط اس سے قبول نہ کی جائے لیکن جو شخص اسلام کی دعوت قبول کر لے اور اس کے حق کو مان لے تو اس کے اقرار کو تسلیم کر لیا جائے اور اس کی مدد کی جائے اور جو شخص انکار کرے اس سے جنگ کی جائے۔ پس اگر خدائے عزوجل غلبہ دے تو ہتھیار سے جس طرح ہو اس کو ہلاک کر ڈالا جائے اور خدا جو مال غنیمت دلائے اس میں سے پانچواں حصہ میرے پاس بھیج کر باقی کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

امیر کو لازم ہے کہ اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور جھگڑے سے باز رکھے۔ کسی غیر آدمی کو جسے مسلمان جانتے پہچانتے نہ ہوں مسلمانوں میں نہ آنے دے اس لئے کہ ممکن ہے وہ جاسوس ہو۔ سفر اور قیام میں مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور میانہ روی اختیار کرے ان کی خبر گیری کرتا رہے ان کے ساتھ خود بھی حسن سلوک اور نرم گفتاری سے پیش آئے۔ اور ان کو دوسروں کے ساتھ بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنے کی ہدایت کرتا رہے" (ابن خلدون)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ تمام لشکر ذوالقصہ جا کر مرتب فرمائے اور ان کو رخصت کرنے کے بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

جنگ بزاخہ کا آغاز:

طلیحہ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی نجد کے علاقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ آپؐ نے ضرار بن الازور کو اس فتنے کے استیصال کے لئے بنی رسد کے عاملوں کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ انہوں نے طلیحہ کو پریشان اور خوف زدہ کر دیا اور ایک لڑائی میں ضرار نے خود ایک تیز دھار آلہ سے وار کیا مگر وہ بچ گیا۔ یہ بات مشہور ہو گئی کہ طلیحہ پر کسی ہتھیار کا اثر نہیں ہوتا اسی اثناء میں آنحضرتؐ وفات پا گئے اور طلیحہ بچ گیا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد منکرین زکوٰۃ اور مرتدین میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور طلیحہ کی طاقت اور تعداد بڑھتی گئی بہت سے قبائل خصوصاً عوف، غطفان، اسد اور طے وغیرہ کے اکثر لوگ اس کے ساتھ جا ملے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عینیہ بن

حصین نے غطفان سے کہا کہ میں آپ کے قبیلہ سے صلح کرنا چاہتا ہوں اور طلیحہ کا ساتھ دینا چاہتا ہوں کیونکہ اگر ہم اپنے حلیفوں میں سے کسی نبی کی اتباع کریں اور اب جبکہ محمدؐ وفات پا چکے ہیں اور طلیحہ زندہ ہے بنو غطفان نے اس رائے سے اتفاق کیا اور طلیحہ کی نبوت کو تسلیم کر لیا اور اس کے بعد بنو فزار' بنو قضاعہ' بنو سنان اور بنو اسد وغیرہ نے طلیحہ کا اتباع کیا۔ حشام بن عروہ سے مروی ہے کہ جب عبس ذبیان اور ان کے ساتھی بزاخہ میں جمع ہو گئے طلیحہ نے بنی جدیلہ اور غوث کو حکم بھیجا کہ تم فوراً میرے پاس آجاؤ چنانچہ اس کے تمام متبعین اس کے پاس جمع ہو گئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو طلیحہ کی طرف روانہ ہونے سے قبل عدی بن حاتم سے فرمایا کہ وہ اپنی قوم کی طرف جا کر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ بربادی سے محفوظ رہیں چنانچہ حضرت عدی اپنی قوم طے کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز ابو بکرؓ کی بعیت نہیں کریں گے۔ عدی نے کہا کہ تمہارے مقابلہ میں خالد بن ولید کی قیادت میں ایسا زبردست لشکر آرہا ہے جو تمہارے گھر بار سب کچھ برباد کر دے گا۔ بنو طے پر اس دھمکی کا اچھا اثر ہوا اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو گئے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ خالد کے حملہ کو روکو تاکہ ہم اپنے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے پاس بزاخہ جا چکے ہیں کسی بہانہ سے واپس لے آئیں ورنہ طلیحہ ان کو قتل کر دے گا یا یرغمال بنالے گا۔ عدی' خالد کے پاس آئے اور تین دن کی مہلت مانگی تاکہ وہ اپنے آدمیوں کو بزاخہ سے واپس لے آئیں۔ خالد بن ولید مان گئے۔ چنانچہ طے کے لوگ واپس آگئے۔ عدی نے ان سب کو مسلمان بنا کر خالد کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ اب خالد نے جدیلہ کے مقابلے کے خیال سے النسر کی طرف کوچ کیا۔ عدی نے خالد سے کہا کہ مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں میں جدیلہ کو بھی طلیحہ سے علیحدہ کرنے اور اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ خالد نے اجازت دے دی اور عدی کی کوششوں سے جدیلہ بھی دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اس طرح طے اور جدیلہ کے ایک ہزار جنگجو شتر سوار خالد کے لشکر میں آشامل ہوئے اس طرح حضرت عدی سے زیادہ بابرکت سعادت مند کوئی شخص طے میں پیدا نہیں ہوا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کو تمام لشکر اسلام کا سپہ سالار اور ثابت بن قیس انصاری کو خالد کے ماتحت امیر لشکر مقرر فرما کر طلیحہ کے مقابلہ پر بنو اسد کے ایک چشمہ آب بزاخہ کی طرف روانہ کیا۔ خالد بن ولید ذی القصہ سے اکناف گئے۔ پھر وہاں سے بزاخہ کا رخ کیا اور آخر میں بطاخ گئے۔ دریں اثناء عدی نے اپنی قوم طے کو دوبارہ اسلام میں داخل کر لیا۔

جنگ بزاخہ میں کامیابی

حضرت خالد بن ولید نے عکاشہ بن محص اور ثابت بن اقرام انصاری کو دشمن کی جاسوسی کے لئے روانہ کیا مگر راستہ میں ان کا مقابلہ طلیحہ اور اس کے بھائی مسلمہ سے ہو گیا اور انہوں نے مسلمانوں کے ان دونوں بہادر امیروں کو قتل کر دیا۔ خالد اور تمام لشکر اسلام کو ان کا ازحد دکھ ہوا اور خالد اپنے لشکر کو لے کر قبیلہ طے جا مقیم ہوئے اس کے چند دن بعد وہاں سے روانہ ہو کر بزاخہ کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوئے۔ قبیلہ بنو عامر اس جنگ میں غیر جانبدار رہا اور بنی طے نے بنی قیس کا مقابلہ

کیا۔

جب جنگ بزاخہ کا آغاز ہوا تو طلیحہ اپنے اونی خیمے کے صحن میں چادر اوڑھے بیٹھا تھا اور باہر میدان میں نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ جب لڑائی میں عینیہ بن حصن فزاری کو جو طلیحہ کی فوج کا سپہ سالار تھا ناکامی نظر آئی تو وہ بار بار طلیحہ کے پاس آتا اور کہتا کہ جبرائیل تمہارے پاس آئے ہیں؟ وہ کہتا ابھی نہیں آئے۔ اس نے تین بار میدان جنگ سے آکر طلیحہ سے یہی سوال کیا مگر اس کا بھی وہی جواب ہوتا کہ جبرائیل ابھی نہیں آئے۔ آخری بار جب عینیہ کو اپنی یقینی شکست نظر آئی تو طلیحہ سے غصہ کی حالت میں پوچھا کہ جبرائیلؑ کب آئیں گے۔ تو طلیحہ نے کہا ہاں جبرائیلؑ آیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ یہ لڑائی تمہارے لئے تباہ کن ہو گی۔ یہ سن کر عینیہ اپنی فوج کے پاس گیا اور اعلان کیا کہ طلیحہ کذاب ہے بھاگ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ چنانچہ اس کی قوم میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ طلیحہ نے اپنے اور اپنی بیوی نوار کے لئے دو گھوڑے تیار رکھے تھے ان پر سوار ہو کر دونوں حوشیہ کے راستے شام بھاگ گئے اور اس کی فوج کچھ قتل ہو گئی کچھ گرفتار اور کچھ فرار ہو گئے۔ لشکر اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

طلیحہ کا قبول اسلام :

طلیحہ میدان جنگ سے بھاگ کر نقع میں بنی کلب کے پاس قیام پذیر ہوا اور اسلام لے آیا اس کے اسلام لانے کی یہ وجہ ہوئی کہ جب اسے معلوم ہو گیا کہ تمام بنو اسد بنو غطفان اور بنو عامر مسلمان ہو چکے ہیں تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ ابو بکرؓ کی زندگی میں مکہ عمرہ کرنے گیا۔ مدینہ کے قریب سے گزرا مگر ابو بکرؓ نے کوئی کارروائی نہ کی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں وہ مدینہ آیا اور ان کی بیعت کی حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے دو مسلمان سرداروں عکاشہ اور ثابت کو قتل کیا میں تمہیں کبھی پسند نہیں کروں گا۔ پھر آخری عمر میں طلیحہ عراق چلا گیا۔

جنگ کے بعد قبائل بنو عامر، بنو مسلم اور بنو ہوازن کے علاوہ چھ دوسرے قبائل نے بھی دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور اس فتح کے بعد مدینہ کے شمال مشرق کے علاقوں سے ارتداد کا خاتمہ ہو گیا اور لوگ دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید نے عامر کے معاملات کا تصفیہ کر کے جب ان سے بیعت لے لی اور عینیہ بن حصن اور قرۃ بن ہبیرہ کو گرفتار کر کے ابو بکرؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان دونوں کو معاف کر دیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اہل بزاخہ کی اطاعت :

بنی عامر نے بھی خالد کے ہاتھ پر انہی شرائط پر بیعت کر لی جن پر بزاخہ میں بنو اسد، بنو غطفان اور بنو طے نے اطاعت قبول کی تھی۔ خالد نے اسد، غطفان، ہوازن سلیم اور طے کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ ارتداد کے دور میں جن لوگوں نے مسلمانوں پر مظالم کئے تھے اور ان پر قتل و غارت گری کی تھی وہ ہمارے حوالے کر دیئے جائیں چنانچہ وہ لوگ خالد کے حوالے کر دیئے جن کو خالد نے زبردست سزائیں دے کر قتل کر دیا البتہ قرۃ بن ہبیرہ اور اس کے چند ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

حضرت خالد نے اپنی رپورٹ حضرت ابو بکرؓ کو بھیج دی اور قرۃ اور اس کے ساتھیوں کو بھی ساتھ بھیج دیا حضرت ابو بکرؓ نے خالد کے کارناموں کی تعریف اور تائید کی اور مرتدین پر سختیوں اور ان کے قتل کو جائز قرار دیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیے تھے اور ان کو قتل کیا تھا۔

بنی عامر اس بات کا انتظار کرتے تھے کہ بنو اسد اور بنو غطفان اس فتنہ ارتداد میں کیا پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ ادھر قرۃ بن ہبیرہ بنی کعب اور علقمہ بن علاثہ بنی کلب کے ساتھ مورچہ زن تھے حضرت ابو بکرؓ نے ایک عسکری مہم قعقاع کی زیر قیادت ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کی اور حکم دیا کہ علقمہ بن علاثہ کو زندہ یا مردہ میرے پاس لے آؤ علقمہ ایک پانی کے چشمہ پر ٹھہرا ہوا تھا۔ قعقاع نے اس پر اچانک حملہ کر دیا مگر وہ تو بھاگ گیا اس کی بیوی بچے اور دیگر افراد قید کر لئے گئے مگر ان سب نے اسلام قبول کر لیا اور قعقاع نے ان کو امان دے دی اور ان سب کو مدینہ لے آیا انہوں نے علقمہ سے لاتعلقی کا اظہار کیا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ پھر کچھ دیر بعد علقمہ بن علاثہ خود بھی اسلام لے آیا اور حضرت ابو بکرؓ نے اس کو معاف کر دیا۔

اُم رمل سلمٰی بنت ام قرفہ اور خالد کی شدید جنگ :

اُم رمل سلمٰی مالک بن حذیفہ بن بدر کی بیٹی اپنی ماں اُم قرفہ بنت ربیعہ کے بالکل مشابہ یعنی بری بہادر اور عقلمند تھی جو ظفر کے مقام پر اپنے قبیلہ کی سردار تھی۔ خالد سے شکست خوردہ قبائل غطفان، ہوازن، سلیم، اسد اور طے کے وہ تمام لوگ جو شکست خوردہ اور جنگ سے فرار ہو چکے تھے یہاں اُم رمل سلمٰی کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔ اس نے ان سب کو غیرت دلائی اور از سر نو منظم کر کے خالد کے ساتھ جنگ کے لئے تیار کیا۔ خود بھی قبائل میں گھوم کر انہیں کو اپنے ساتھ ملانے کی جدوجہد کی اور ہر طرف سے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ اس کے پاس جمع ہو کر ایک جمعیت کثیر بن کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے اس نے ظفر سے خوب لوگوں کو جنگ میں حصہ لینے کے لئے کئی بار دورے کئے۔ اس کے قبل آنحضرتؐ کی زندگی میں بھی یہ گرفتار ہو کر اپنی ماں کی زندگی میں بھی قید ہو کر حضرت عائشہؓ سے ملیں تھیں۔ انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اُم رمل سلمٰی اب پھر مرتد ہو کر اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر میدان جنگ میں آئیں خالد بن ولید کو اس کی تیاری کا حال معلوم ہوا تو وہ اس سے مقابلہ کے لئے ظفر روانہ ہوئے۔ میدان جنگ میں اُم رمل سلمٰی اپنی ماں کے اونٹ پر سوار تھی اور بڑی بہادری سے اپنی فوج کو مسلمان مجاہدین سے لڑوا رہی تھی۔ اس شدید جنگ میں بے شمار لوگ مارے گئے آخر خالد کے شہ سواروں نے اس اونٹ پر حملہ کر کے جس پر سلمٰی سوار تھی اس کی کانچیں کاٹ دیں اور اُم رمل سلمٰی کو قتل کر دیا دشمن کو شکست فاش ہوئی خالد نے اس شاندار فتح کو حضرت ابو بکرؓ کو مبارکباد بھیجی اور آپ بہت خوش ہوئے۔

حضرت عمرو بن العاص کو اطلاع :

آنحضرتؐ نے حجتہ الوداع سے واپسی پر عمرو بن العاص کو جیفر کے پاس بھیجا تھا جب آپ کی وفات ہوئی عمرو عمان میں

تھے اور جب مدینہ آرہے تھے تو بحرین میں منذر بن ساوی کو ملے جو زندگی کے آخری وقت میں تھا عمرو نے اس کو مشورہ دیا کہ اپنا مال اور دولت اللہ کے نام پر وقف کردے۔ منذر نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا وہاں سے عمرو مدینہ میں آئے اور بتایا کہ تمام لوگوں میں انتشار پیدا ہو چکا ہے اور سب پریشان ہیں۔ کبار صحابہؓ کا خیال تھا کہ اسلام اور قریش کو عرب قبائل سے خطرہ ہے مگر حضرت عمرو کی رائے تھی کہ عرب قریش کی مخالفت نہیں کریں گے بلکہ تائید وحمایت کریں گے اور حالات جلد ٹھیک ہو جائیں گے حضرت عمرو بن العاص نے تمام عرب کے حالات ابوبکرؓ سے بیان کر دیئے۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات 11ھ :

عروہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا اس وقت آپ کی عمر 30 سال تھی حضرت علیؓ اور اسماء بنت عمیس نے ان کو غسل دیا اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور تجہیز و تکفین رات کے وقت عمل میں لائی گئی۔ حضرت علیؓ نے نماز جنازہ کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو بھی اطلاع نہ دی اس لئے حضرت ابوبکرؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نماز جنازہ میں شمولیت نہ کر سکے۔

خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ کا قتل

ان فوجی دستوں میں سے ایک دستہ مالک بن نویرہ کو جن کے ساتھ بنی ثعلبہ بن یربوع کے چند آدمی عاصم، عبید، عربن اور جعفر تھے گرفتار کر کے خالد کے پاس لایا گیا اس دستہ میں ابو قتادہ بھی تھے جنہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے اذان دی اقامت کہی اور نماز پڑھی بعض نے کہا انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس اختلاف شہادت کی وجہ سے خالد نے ان کو قید کر دیا رات کو سخت سردی تھی اور ہوا چل رہی تھی خالد نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو گرم کر دو۔ سپاہیوں نے اس حکم کا یہ مطلب سمجھا کہ قیدیوں کو قتل کر دو۔ انہوں نے ان سب کو قتل کر دیا۔ خرار بن الازور نے مالک کو قتل کر دیا۔ خالد شوروغل سن کر اپنے خیمے سے باہر آیا اور اس واقعہ پر افسوس کیا۔ ابو قتادہ نے کہا کہ یہ سب خالد کی سازش کے تحت ہوا ہے۔ وہ ناراض ہو کر ابوبکرؓ کے پاس آئے اور تمام واقعہ بیان کیا اور خالد پر الزام لگایا اس دوران میں خالد نے لیلیٰ ام تمیم کی پوتی سے نکاح کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ خالد ایک مسلمان کے قتل کا ذمہ دار ہے اس کو سزا دی جائے۔ عمرؓ نے بہت اصرار کیا مگر ابوبکرؓ نے ان کی بات نہ مانی اور کہا کہ خالد سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے مالک کا خون بہا ادا کر دیا جائے۔ مالک کا بھائی متمم بن نویرہ ابوبکرؓ کے پاس آیا اس نے اپنے بھائی کا قصاص اور اپنے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ابوبکرؓ نے ان کے قیدیوں کو توڑ ہا کر دیا اور مالک کی دیت ادا کر دی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے سخت اصرار کیا کہ خالد بن ولید کو سپہ سالاری سے برطرف کر دیا جائے کیونکہ اس نے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا ہے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے کہا عمرؓ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اس تلوار کو جسے اللہ نے کفار کے لئے نیام سے برآمد کیا ہے پھر نیام میں نہیں رکھوں گا۔ حضرت عمرؓ نے مالک کے بھائی کے اس قتل کے واقعہ کی تحقیق کی تھی۔ محمد حسین ہیکل نامور مصری مورخ اپنی تصنیف "سیرت ابوبکرؓ" کے صفحات نمبر 144 تا 197 میں مالک بن

نویرہ کے قتل کے متعلق مختلف روایات درج کرتا ہے جن میں مندرجہ ذیل خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

1-جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو معلوم ہوا کہ اس کے آدمیوں نے مالک بن نویرہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ "جب اللہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر رہتا ہے"

2-جب خالد اور مالک بن نویرہ کے درمیان زکوۃ کی ادائیگی کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی تو مالک نے کہا "میرا تو خیال نہیں کہ تمہارے "صاحب" نے تمہیں ایسا حکم دیا ہوگا" خالد کو یقین ہو گیا کہ وہ ادائے زکوۃ سے انکاری ہے۔ انہوں نے جھنجلا کر کہا "کیا تو انہیں اپنا "صاحب" خیال نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کی اور ان کے ساتھیوں کی گردنیں مارنے کا حکم دے دیا۔ مالک بن نویرہ کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ "صاحب" یعنی رسول اللہؐ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا تھا کہ جو مسلمان زکوۃ ادا نہ کرے اس کو قتل کر دو اصل میں وہ ادائے زکوۃ کا منکر نہ تھا بلکہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس معاملہ میں جناب رسول اللہؐ کا کیا حکم ہے۔ یعنی منکر زکوۃ واجب القتل ہے یا نہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ مالک بن نویرہ نے یہ کہا کہ "ہم تو محمدؐ کی رسالت پر ایمان لائے ہیں ابو بکرؓ کے دین پر نہیں ابن خلطان کی روایت ہے کہ مالک بن نویرہ نے کہا میں نماز پڑھنے کو تیار ہوں لیکن زکوۃ دینے سے انکاری ہوں۔ خالد نے کہا تجھے معلوم نہیں کہ نماز اور زکوۃ ایک ساتھ قبول ہوتے ہیں۔ مالک نے کہا کہ کیا آپ کے "صاحب" یعنی رسول اللہؐ بھی یہی کہتے تھے۔ خالد نے کہا کیا آپ انہیں اپنا "صاحب" خیال نہیں کرتے؟ اللہ کی قسم میں تیری گردن اڑانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنے آدمیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دیدیا اور مالک بن نویرہ قتل کر دیا گیا۔

- بعض لوگ موخر الذکر روایت کو پہلی روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ روایت ادھوری معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ قصہ قرہ بن ہبیرہ منجارۃ السلمی' ابو شجرہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا لیکن خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ کی طرح انہیں قتل نہ کیا۔ بلکہ ابو بکرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا کہ وہ ان سے جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔ مالک بن نویرہ کا جرم ان لوگوں سے کسی طرح بھی بڑھ کر نہ تھا پھر انہوں نے اسے کیوں قتل کرا دیا اور خلیفۃ المسلمین کے پاس نہ بھیجا؟ حالانکہ بو تمیم میں اسے جو درجہ اور رسوخ حاصل تھا وہ ان لوگوں سے کسی طرح بھی کم نہ تھا اور خالد اس سے خوب واقف تھے۔

ان لوگوں کی رائے میں اس روایت کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ خالد نے مالک کی بیوی سے عین اس وقت شادی کر لی تھی جب مالک کا خون بھی زمین پر جذب نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں یہ شادی ہی مالک کے قتل کا اصل سبب تھی۔

شیعہ مورخ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے "مالک بن نویرہ خالد سے بات چیت کرنے ان کے خیمے میں آیا تو اس کی بیوی بھی ساتھ ہی آئی۔ اس کی خوبصورتی نے خالد کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے مالک سے کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

جب سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مالک نے اس کی پیروی اختیار کر لی تھی لیکن پھر یہ ظاہر کیا کہ وہ اسلام لے آیا ہے خالد نے جب اسے قتل کیا تو صحابہ کی ایک جماعت نے اس پر سخت اعتراض کیا۔ کیونکہ انہوں نے مالک کے قتل کے بعد اس کی

بیوہ سے شادی کرلی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خالد اسے جاہلیت کے زمانے ہی سے پسند کرتے تھے اس لئے انہوں نے ایک مسلمان کو اس لئے قتل کر دیا کہ اس کے بعد اس کی بیوی سے شادی کر سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب مالک بن نویرہ خالد سے بات کر رہا تھا تو اس کی بیوی لیلی اس کے ساتھ تھی۔ جب اس نے خالد کو یہ کہتے سنا کہ میں تجھے قتل کرنے والا ہوں اور ضرور قتل کر کے رہوں گا تو وہ ان کے قدموں میں گر پڑی اور ان سے اپنے خاوند کے لئے عفو و رحم کی طلب گار ہوئی اس کے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے اور آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی اس حال میں اس کی خوبصورتی دوبالا ہوگئی جس نے خالد کو مسحور کر لیا۔ جب مالک نے یہ دیکھا تو اس نے کہا!

"افسوس میری بیوی میرے قتل کا باعث بنی" خالد نے کہا تیری بیوی تیرے قتل کا باعث نہیں بنی بلکہ تیرے اعمال اس کا باعث بنے۔ یہ کہہ کر اس کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔

خالد بن ولیدؓ کا سنگین جرم :

بنی مسلمہ کے ابو قتادہ بن حارث بن ربعی نے مالک کے مسلمان ہونے کی شہادت دی تھی اور بیان کرتے تھے کہ جب خالد کی فوج نے مالک کے قبیلہ پر حملہ کیا تھا تو رات کی وجہ سے وہ حملہ آوروں سے خائف تھے۔ انہوں نے اسلحہ سنبھال لیا اور کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ خالد نے پوچھا پھر اسلحہ کو کیوں اٹھایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس شک کی وجہ سے کہ آپ مسلمان نہیں کوئی غارتگر ہیں۔ خالد نے کہا کہ اب ہتھیار ڈال دو ان انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی۔ خالد نے بلا عذر مالک پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کی خوبصورت بیوی پر قبضہ کر لیا۔ بعض روایت میں ہے کہ خالد نے مالک کو قتل ہی اس کی بیوی کو حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ وہ اس کو دیکھ چکا تھا اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے مالک کو راستہ سے ہٹانے کے لئے خالد نے اتنا بڑا ظلم عظیم کیا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس تمام واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے اصرار کیا کہ دشمن خدا خالد نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے اور پھر اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا ہے۔ جب خالد واپس مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ ان سے شدید غصہ ہوئے کہ تم نے ایک مخلص مسلمان کو قتل کر کے اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا۔ خدا تم کو سنگسار کروں گا۔ خالد خاموش رہا اور پھر ابو بکرؓ کے پاس جا کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور معافی مانگ لی۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کا گناہ عظیم معاف کر دیا۔ اب حضرت عمرؓ مجبور تھے کیونکہ خلیفہ نے اس کو معاف کر دیا تھا۔

ابو قتادہ بن حارث بن ربعی پھر کبھی خالد کے ساتھ جنگ پر نہ گیا۔ بلا مبالغہ خالد بن ولیدؓ دنیا کی عسکری تاریخ میں ایک عدیم المثال سپہ سالار اور جنگجو فاتح مجاہد تھا جس نے اسلام کی عظیم الشان خدمات سر انجام دیں اور وہ سیف اللہ تھا۔

مدعی نبوت سجاح بنت الحارث 11ھ

جناب رسول اللہؐ نے اپنی وفات سے قبل بنی تمیم پر مندرجہ ذیل عاملوں کو مقرر فرمایا تھا:

1- زبرقان بن بدر رباب اور عوف ابناء پر عامل تھے۔

2- قیس بن عاصم مقاس پر عامل تھے۔

3- صفوان بن صفوان اور سبزہ بن عمرو بنی عمرو کے عامل تھے۔

4- وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ بنی حنظلہ کے عامل تھے۔

ایک بنی مالک اور دوسرا بنی یربوع کا عامل تھا۔

صفوان کو جب رسول اللہؐ کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ بنی عمرو اور سبزہ کے علاقے کے صدقات و زکوۃ وغیرہ کا مال لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس مدینہ چلا آیا۔ سبزہ رباب کے ہنگامے کی وجہ سے مدینہ نہ آسکے۔ جب انتداد کی وبا پھیلی تو قیس خاموش بیٹھے زبرقان کے طرز عمل کا انتظار کرتے رہے۔ زبرقان بن بدر نے صفوانؓ کے پیچھے ہی رباب، عوف اور ابناء کے صدقات کا مال لے کر مدینہ آگئے مگر قیس نے یہ مال مقاعس اور ان کے دیگر خاندانوں میں تقسیم کر دیا مگر اسی دوران میں ارتداد اور کفر کے فتنہ نے تمام علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس انتشار اور بد نظمی کی وجہ سے پہلے ہی تمام بنی تمیم کے علاقہ میں امن وسکون اور مذہبی اعتقاد تباہ ہو گیا تھا کہ ایک اور فتنہ رونما ہو گیا۔

سجاح بنت الحارث بنی سوید کا اعلان نبوت:

ان حالات میں سجاح بنت الحارث جزیرہ سے اس علاقہ میں آئی۔ اس کا خاندان بنی تغلب سے تھا ربیعہ کے بعض خاندانوں پر ان کی سیادت تھی۔ اس کے ہمراہ ہذیل بن عمران بنی تغلب، عقبہ بن ہلال، زیاد بن خلدن اور مسلیل بن قیس بھی تھے۔ ہذیل نصرانیت چھوڑ کر سجاح کا مرید ہو گیا۔ یہ سردار اور ان کے ہمراہ ایک کثیر جماعت ان پر چڑھ آئی۔ جب وہ حزن پہنچی تو اس نے مالک بن نویرہ کے پاس صلح کا پیغام دے کر اپنے قاصد کو بھیجا جسے اس نے قبول کر لیا۔ اسی طرح اور بھی کئی بااثر سردار اس کے ساتھ مل گئے۔ اس کی نبوت پر ایمان لے آئے اور غارت گری کا پروگرام بنالیا۔

سجاح کے قاصد مصالحت کی دعوت دیتے ہوئے مالک، وکیع، سجاح نیو کے پاس آئے۔ سب نے سجاح کا ساتھ دینے

کا وعدہ کرلیا۔ مالک بن نویرہ نے وجانی پر قبضہ کرلیا۔ رباب کے تمام قبائل ضبہ اور عبد مناۃ سجاح کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گئے ولیع اور بشر کا بنی خبہ سے مقابلہ ہوا۔ اسی طرح مختلف قبائل کا آپس میں مقابلہ ہوا۔ جن میں سے بعض سجاح کے حامی اور بعض مخالف تھے۔ قتبہ نے سجاح کے قیدیوں کو رہا کر دیا اور اپنے مقتولین کی دیت لے لی۔ حملہ آور خبہ کے علاقہ سے چلے گئے۔ صرف وکیع اور مالک نے سجاح کا ساتھ دیا تھا۔ دیگر تمام قبائل تمیم نے اس کی مخالفت کی تھی۔ جزیرے کے لشکر کے ساتھ سجاح نباج پہنچی۔ اوس بن حزیمہ نے بنی عمرو کے لوگوں پر جو سجاح کے ساتھ آئے تھے ان سب پر غارت گری کی اور ہذیل کو گرفتار کرلیا۔ بعد ازاں فریقین میں صلح ہوگئی اور قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ سجاح وہاں سے چلی گئی۔

سجاح کی یمامہ پر فوج کشی :

جب ہذیل اور عقہ دشمن سے آزاد ہو کر سجاح کے پاس آئے اور دوسرے اہل جزیرہ کے سردار بھی جمع ہوئے تو سجاح نے سب کو یمامہ چلنے اور مسیلمہ سے متحدہ محاذ بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ جب سجاح اور اس کی فوج یمامہ بنی حنیف کی طرف بڑھی تو مسیلمہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ اس وقت سجاح سے اُلجھ گیا تو اس کے دشمن ثمامہ حجر پر اور شرجیل بن حسنہ یا دوسرے قبائل اس پر حملہ کر دیں گے۔ اس خوف سے اس نے سجاح کو تحائف بھیجے اور اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ سجاح نے اس کو اپنے پاس بلایا۔ مسیلمہ بنو حنیف کے چالیس آدمیوں کے ساتھ اس کی خدمت میں پیش ہوا۔ سجاح اور اس کا قبیلہ بنو تغلب بھی عیسائی تھے (سجاح کا قبیلہ بنو تمیم کی شاخ یربوع سے تھا) سجاح مسیلمہ کے پاس گئی اور تین دن اس کے پاس قیام کیا۔ اس کے بعد مسیلمہ کے اصرار پر سجاح نے اس سے شادی کرلی اور اس کو نبی تسلیم کر کے اس کی اتباع کا اقرار کرلیا۔ پھر سجاح اپنی فوج اور قوم کے پاس آئی اور تمام حالات بیان کئے کہ میں نے اس سے شادی کر کے اس کی بیعت کر لی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے اس سے مہر وصول کیا ہے؟ اس نے کہا مہر کا مجھے خیال نہ آیا چنانچہ وہ دوبارہ مسیلمہ کے پاس گئی اور اپنے مہر کا مطالبہ کیا۔ مسیلمہ نے یہ مطالبہ تسلیم کرلیا۔ آدھی مہر کی رقم اسی وقت ادا کر دی اور آدھی کے متعلق وعدہ کیا اور اس نے ہذیل عقہ، اور زیاد کو مسیلمہ کے پاس چھوڑ دیا کہ وہ بقایا رقم لے کر اس کے پاس جزیرہ چلے آئیں گے کیونکہ وہ آدھی رقم خود لے کر جزیرہ چلی گئی تھی۔ یہ لوگ اطمینان سے مسیلمہ کے پاس مقیم تھے۔ کہ اچانک خالد بن ولیدؓ نے حملہ کر دیا۔ عرصہ تک سجاح اپنے قبیلہ بنی تغلب کے پاس مقیم رہی۔ امیر معاویہ کے دور میں ہر جگہ اسلام پھیل گیا بنو تغلب بھی اسلام لے آئے اور ان کے ساتھ ہی سجاح نے بھی اسلام قبول کرلیا اور یہ لوگ جزیرہ سے کوفہ آکر آباد ہو گئے۔

زرقا اور اقرع :

طلحہ بن عبید اللہ کی کوشش سے زرقا اور اقرع اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان یہ معاہدہ ہو گیا کہ بحرین کا خراج وہ جمع کر کے مدینہ ارسال کرتے رہیں گے اور وہاں سے ایک شخص بھی اسلام ترک نہیں کرے گا۔ جب یہ تحریر گواہی کے لئے حضرت عمرؓ کو دی گئی تو آپ نے اس کو تسلیم نہ کیا اور اس تحریر کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ طلحہ کو اس پر بہت غصہ آیا اور حضرت ابو بکرؓ

کے پاس آئے اور کہا کہ امیر یعنی خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ ابو بکرؓ نے کہا امیر تو عمرؓ ہی ہیں البتہ بیعت میری ہوئی ہے۔ اس جواب سے طلحہ خاموش ہو گئے اور زبرقان اور اقرع خالد کے ساتھ ان کی تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ یمامہ کی مشہور لڑائی میں بھی موجود تھے (طبری صفحہ 93 حصہ دوئم)

وکیع اور سماعہ کی اطاعت :

جب سجاح جزیرہ چلی گئی تو وکیع' سماعہ اور مالک اپنے کئے پر بہت پریشان تھے کہ سجاح کا ساتھ کیوں دیا۔ بہر حال حضرت ابو بکرؓ نے ان کو معاف کر دیا اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خالد بن ولید اسد' غطفان اور ہوازن وغیرہ کو درست کرنے کے بعد ظفر سے بطاح کی طرف روانہ ہوئے جہاں مالک بن نویرہ مقیم تھے۔ پہلے تو انصار نے خالد کے ساتھ بطاح جانے سے انکار کیا مگر بعد میں رضامند ہو گئے اور ساتھ چل پڑے خالد جب بطاح آئے تو انہوں نے وہاں کسی کو بھی نہ پایا مالک بن نویرہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم سب اسلام میں داخل رہو اور فتنہ انگیزوں کا ساتھ نہ دو۔

حضرت ابو بکرؓ کا یہ عام حکم تھا کہ جب تم کسی مقام پر پہنچو تو اذان دو' اقامت کہو اگر مقامی باشندے بھی اذان اور اقامت کہیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور وہ اگر ایسا نہ کریں تو ان پر حملہ کر کے قبیلہ کو قید کر لو یا قتل کر دو۔ اگر وہ شعار اسلامی کا جواب دے دیں تو پھر ان سے زکوۃ کا اقرار لیا جائے اگر مان جائیں تو بہتر ورنہ ان پر حملہ کر کے ان کو غارت کر دیا جائے۔

جمع قرآن صدیق اکبرؓ کا عظیم کارنامہ

جھوٹے مدعیان نبوت میں مسیلمہ کذاب جو قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے خلاف یمامہ کی جنگ اس کے چالیس ہزار سپاہی خالد بن ولیدؓ کے لشکر کے مقابلے میں صف آرا تھے اس لئے جنگ یمامہ سب سے بڑی دشوار مشکل جنگ تھی۔ جو خالد اور مجاہدین کو پیش آئی۔ مسیلمہ بن جیب مدعی نبوت کے قتل سے تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے استیصال سے قبیلہ بنو حنیفہ دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ جنگ یمامہ میں مسیلمہ کا مقابلہ کرنے کے لئے خالد بن ولید کو پوری قوت اور طاقت اور عسکری مہارت کو کام میں لانا پڑا۔ اگرچہ مسیلمہ کو شکست فاش ہو گئی اس کے ہزاروں ساتھی مارے گئے مگر مسلمانوں کو بھی نقصان عظیم اٹھانا پڑا۔ ان کے بارہ سو مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں بعض کبار صحابہ اور حفاظ قرآن کی ایک کثیر تعداد بھی کام ائی۔ حضرت عمرؓ کو خصوصیت سے اس نقصان کا صدمہ پہنچا تھا کیونکہ ان کے بھائی زید بن خطاب جو بڑے بہادر مجاہد تھے اس معرکہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اپنے بھائی اور دیرینہ رفقاء کی شہادت کے الم ناک حادثہ کے علاوہ قرآن کے حفاظ کی ایک کثیر تعداد بھی شہید ہو چکی تھی اور ابھی جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت عمرؓ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر اسی طرح حفاظ کرام جنگوں میں مارے جاتے رہے تو قرآن بالکل ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا جلد از جلد قرآن کو ایک مصحف یعنی کتاب کی صورت میں جمع کر لیا جائے۔ تاکہ اس کے مٹ جانے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

اس معاملہ پر انہوں نے کئی دن تک غور و فکر کیا اور ایک دن مسجد نبویؐ میں حضرت ابو بکرؓ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ "یمامہ کی جنگ میں حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر اسی طرح جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے چلے گئے تو اس سے قرآن کریم کا بیشتر حصہ ضائع ہو جائے گا اور قرآن کا عظیم نقصان ناقابل تلافی ہو گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپؓ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں تاکہ وہ مٹنے سے محفوظ ہو جائے حضرت ابو بکرؓ نے پہلے تو جواب دیا کہ میں وہ کام کیونکر کر سکتا ہوں جسے رسول اللہؐ نے نہیں کیا۔ مگر گہرے غور و خوض کے بعد حضرت عمرؓ کی تجویز سے متفق ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت کاتب وحی کو طلب فرمایا۔ صحیح بخاری میں زید بن ثابت کی مندرجہ ذیل روایت ہے "جنگ یمامہ کے بعد ایک دن مجھے حضرت ابو بکرؓ نے طلب فرمایا جب میں ان کے پاس آیا تو عمر بھی وہاں موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر عمرؓ میرے پاس آئے اور فرمانے لگے جنگ یمامہ میں متعدد حفاظ شہید ہو گئے ہیں۔ اگر جنگوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور کسی وقت خدانخواستہ تمام حفاظ شہید ہو گئے تو قرآن کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے گا اس لئے میری رائے میں قرآن جمع کرنے کا حکم دیں تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رہے" زید بن ثابت کہتے ہیں "ابو بکرؓ نے فرمایا" میں نے یہ سن کر عمرؓ سے کہا اس کام میں امت کی بھلائی ہے اس لئے اسے

ضرور کرنا چاہئے۔ انہوں نے اپنی بات پر اس قدر اصرار کیا کہ آخر اللہ نے میرا بھی سینہ کھول دیا اور میں نے بھی عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ اس وقت عمرؓ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ ابو بکرؓ نے مجھ سے کہا تم جوان اور عقل مند ہو ہم تمہاری صداقت اور راست گفتاری میں کسی قسم کا شک نہیں کر سکتے۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں وحی لکھنے کا شرف بھی تمہیں حاصل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے تم قرآن کو تلاش کر کے اسے ایک جگہ جمع کر دو" میں نے عرض کیا کہ آپ دونوں وہ کام کس طرح کر سکتے ہیں جسے رسول اللہؐ نے نہیں کیا۔ لیکن عمرؓ کی طرح ابو بکرؓ نے بھی یہی کہا کہ اس میں امت کی بھلائی ہے۔ وہ برابر میری باتوں کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرح میرا بھی سینہ کھول دیا۔ چنانچہ میں نے یہ کام کرنے کی حامی بھر لی اور قرآن کریم کو تلاش کرنے اور چمڑے 'لکڑی' پتھر کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا۔ سورۃ توبہ کی دو آیتیں مجھے خزیمہ انصاری سے ملیں اور ان کے سوا اور کسی کے پاس دو آئتیں نہ مل سکیں۔ جب ہم نے قرآن کریم کے اوراق لکھ لئے تو معلوم ہوا کہ ان میں سورۃ احزاب کی ایک آیت نہیں جسے میں رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے سنا کرتا تھا آخر وہ آیت بھی خزیمہ انصاری سے ملی جن کی اکیلی شہادت کو رسول اللہؐ نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ یہ آیت مل جانے پر میں نے اسے سورۃ مذکورہ بالا میں شامل کر لیا۔ جن اوراق میں قرآن کریم جمع کیا گیا تھا وہ ابو بکرؓ کے پاس محفوظ رہتے ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس اور ان کی وفات کے بعد ان کی صاحب زادی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس آگئے۔ حضرت زید بنؓ ثابت کی ہر روایت کی صحت پر تمام متفق ہیں۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ زید بن ثابت نے جو قرآن جمع کیا تھا اس میں سورتوں کی کوئی خاص ترتیب مقرر نہ تھی اور یہ بالترتیب ابو بکرؓ' عمرؓ اور حضرت حفصہ کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے قرآن جمع کرنا شروع کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود جمع کرنا شروع نہیں کیا بلکہ حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا اور اس پر اصرار کیا کہ قرآن جمع کیا جائے۔ حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ اللہ حضرت ابو بکرؓ پر رحمت فرمائے۔ قرآن کریم جمع کرنے کے کام میں وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے اسے جمع کیا۔ قرآن حکیم کی آیات کی ترتیب رسول اللہؐ کے عہد ہی میں آپؐ کی ہدایات کے مطابق مکمل ہو گئی تھی اور قاریوں حافظوں اور دوسرے مسلمانوں نے اسے اپنے اپنے سینوں میں مکمل طور پر محفوظ کر لیا تھا۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد قرآن حکیم جمع کرنے کے کام میں حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابہ بھی شریک تھے۔ ابو بکرؓ نے جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کے کام کو سراہا اور اس عظیم کام سے کسی اور شخص کو روکنے کا خیال کسی کے دل میں پیدا نہ ہوا۔ وہ مطمئن تھے کہ اللہ ہی نے قرآن مجید نازل کیا ہے اور وہی اس کا محافظ ہے۔ آنحضرتؐ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ اپنے کاتب کو لکھوا کر ہدایت کر دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں فلاں جگہ پر لکھ لی جائے۔ یعنی کاتبان وحی کو ہر سورۃ و آیت کا موقع اور محل بتا دیتے تھے۔ لیکن یہ تمام آیات متفرق مقامات پر لکھی ہوئی تھیں۔ چونکہ رسول اللہؐ پر وحی کا نزول تو ہوتا رہا تھا اس لئے آپؐ اسے اپنی زندگی میں ایک جگہ جمع نہ کروا سکے لیکن آپ کی وفات کے بعد جب وحی کا نزول بند ہو گیا اور قرآن مکمل ہو گیا تو اس بات کی ضرورت تھی کہ جو کام رسول اللہؐ اپنی زندگی میں نہیں کروا سکے تھے وہ پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے یعنی قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کو اس ترتیب

کے ساتھ جو آنحضرتؐ فرما چکے تھے ان کو ایک کتاب اور مصحف کی شکل میں مدون کیا جائے یہی حضرت عمرؓ کی خواہش اور مشورہ تھا جس کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زید بن ثابت آمادہ اور رضامند ہو گئے تھے۔

قرآن کے لئے حضرت عثمانؓ کا عظیم کارنامہ :

حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن کے متعلق جو واقعات پیش آئے انہوں نے ثابت کر دیا کہ جمع قرآن کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے کس قدر صائب اور درست تھی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بے حد وسیع ہو گیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں نو مسلموں کو قرآن پڑھنے اور سیکھانے کا کام اکثر صحابہ کے سپرد تھا چونکہ اسلامی سلطنت کی حدود بے حد وسیع ہو گئیں تھیں۔ اس لئے لوگوں کی قراتوں میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور قراتوں کے اختلاف نے شدید صورت اختیار کر لی اور ایک دوسرے کی تکفیر کرنے تک نوبت پہنچ گئی اور اس طرح ایک زبردست فتنہ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت حذیفہ بن یمان جو اس وقت آرمینیہ اور آذربائیجان کے حاکم تھے تکفیر کا بڑھتا ہوا طوفان دیکھ کر مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ کو اطلاع دی کہ قرات کے اختلاف کی وجہ سے امت تباہ ہونے والی ہے حضرت عثمانؓ نے پوچھا کیا ہوا ہے ؟ حذیفہ نے سارا ماجرا بیان کیا کہ ہماری فوج میں عراق' شام اور حجاز کے لوگ شامل ہیں۔ ان کے درمیان قراتوں میں سخت اختلاف ہو گیا ہے اور نوبت ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ گئی ہے۔ حذیفہ کی باتیں سن کر حضرت عثمانؓ کو بھی خطرہ محسوس ہوا اور کبار صحابہ کی مجلس مشاورت بلا کر سارے حالات ان کے سامنے بیان کئے۔ خطرہ سے نپٹنے کے لئے تدابیر پر غور و فکر ہوا آخر سب نے حضرت عثمان کی رائے پر اتفاق کیا کہ لوگوں کو ایک قرات پر اکٹھا کر دیا جائے۔ یعنی قرآن مجید کی وہی قرات جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں تھی اور جس پر ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اتفاق کیا تھا وہی واحد قرآن کی قرات قرار پائی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ سے وہی حضرت ابو بکرؓ کے عہد کا جمع کردہ قرآن پاک منگوا بھیجا اور اسی نسخہ سے بہت سی نقول کرا کر مملکت اسلامیہ کے تمام علاقوں کے امرا کو بھجوا دیں اور باقی نسخوں اور تحریرات کو تلف کرنے کا حکم دے دیا۔ ام المومنین حفصہ کو اس کا نسخہ واپس کر دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد کا یہ اختلاف حضرت عمرؓ کی دور اندیشی اور تدبر و حکمت کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر حضرت ابو بکرؓ جمع قرآن کا اہتمام نہ کرتے تو مسلمانوں میں خطرناک مذہبی فتنہ پیدا ہو جاتا جو سیاسی فتنوں سے بھی بڑھ چڑھ کر تباہ کن ہوتا۔ ان حالات کی روشنی میں حضرت علیؓ نے بالکل صحیح فرمایا تھا "کہ قرآن کریم جمع کرنے کے کام میں ابو بکرؓ تمام لوگوں سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں۔ کیونکہ آپ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید جمع کیا تھا۔

عظمت قرآن

رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے سوائے قرآن کے کوئی اور چیز نہ لکھو۔ یعنی وحی کے ذریعہ جو نزول قرآن ہوتا ہے وہی لکھو۔ جو میرے اقوال و افعال' حکام و ہدایات' دیگر امور دنیاوی جو معاملات ہوتے ہیں وہ میرے حوالے سے یا میری حدیث کی شکل میں نہ لکھا کرو۔ کیونکہ اس سے قرآن کے احکام اور میری دنیاوی رائے یا معاملات میں آمیزش ہو جائے گی۔ آپ نے آپ کی طرف سے بیان کردہ حدیث کو تلف کروادیا تھا یعنی حدیث لکھنے کی ممانعت کی تھی۔

قرآن کے متعلق متشرقین کی رائے :

بعض مورخین کا خیال ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے وقت قرآن کریم واقعی منتشر حالت میں تھا۔ اپنی تائید میں حضرت زید بن ثابت کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ "رسول اللہؐ فوت ہوگئے اور قرآن کسی ایک جگہ جمع نہ تھا" متشرقین کا ایک گروہ بھی ان کی تائید کرتا ہے۔ سر ولیم مور اپنی کتاب کے مقدمے میں زید بن ثابت کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے "قرآن حکیم کے اجزاء نہایت سادہ طور پر ایک دوسرے سے ملادیے گئے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا تکلف نہیں برتا گیا۔ یہ امر جمع کرنے والے شخص کے ایمان و اخلاص اور سچی عقیدت و احترام کا نتیجہ تھا کہ اس نے انہیں باقائدہ ترتیب دینے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ جو آیات اس کو ملتی گئیں۔ وہ ایک جگہ جمع کرتا گیا اور ان کی نزولی ترکیب ملحوظ خاطر نہ رکھی۔ مکہ میں نازل ہونے والی آیات کو مدینہ میں نازل ہونے والی آیات سے پہلے درج کرنے کا التزام نہ کیا بلکہ مکی سورتوں کے درمیان مدنی آیات کو داخل کر دیا۔ اگر زید بن ثابت تاریخی ترتیب مد نظر رکھتے تو یہ چیز علمی تحقیق کے سلسلے میں بہت مفید ثابت ہوتی اور حضورؐ کے حالات کی چھان بین کرنے اور سیرت کو پرکھنے میں اس سے بے حد مدد ملتی"۔ متشرقین لکھتے ہیں کہ "قرآن جمع کرنے والوں نے آیات کو ان کے موضوعات کے اعتبار سے بھی ترتیب نہیں دیا۔ اس کے نتیجے میں ایک ہی سورۃ' قصص اور تاریخ کے متعلق بھی باتیں ملتی ہیں اور ایمان و عبادات کے متعلق بھی تشریحی احکام بھی ملتے ہیں اور انسانی فطرت سے تعلق رکھنے والے قوانین بھی۔ مزید براں مختلف موضوعات کے متعلق ایک قسم کی روایات کو بجائے ایک جگہ اکٹھی کرنے کے مختلف سورتوں میں پھیلا دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک چیز کو تلاش کرنے کے لئے سارے قرآن کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ جاتے قرآن کے موضوعات کا خیال نہ رکھ کر بالخصوص ترتیب نزول سے غفلت برت کر زبردست کوتاہی کا ثبوت دیا ہے اور اس طرح دنیا کو ایک علمی انکشاف سے محروم کر دیا ہے۔ متشرقین کو اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کے اس قول کو سمجھنے میں غلطی

لگی ہے "کہ میں وہ کام کس طرح کر سکتا ہوں جو رسول اللہؐ نے نہیں کیا" اور حضرت زید بن ثابتؓ کے اس بیان سے کہ "رسول اللہؐ وفات پا گئے اور قرآن حکیم کسی ایک جگہ جمع نہ تھا۔

مستشرقین کو ان اقوال کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ آیات قرآنیہ ابتدائے نزول سے ہی پراگندہ و منتشر حالت میں تھیں اس وقت تک کہ خلیفہ اول و دوئم کے زمانہ میں انہیں یکجا کر دیا گیا۔ یہ خیال قطعاً درست نہیں ہے۔ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ "تمام آیات رسول اللہؐ کی زندگی میں آپ کے حکم سے سورتوں میں مرتب ہو چکی تھیں۔ حضرت مالک کہتے ہیں کہ "قرآن مجید اسی طرح تالیف کیا گیا جس طرح صحابہ اسے رسول اللہؐ سے پڑھتے ہوئے سنتے تھے" عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہؐ کی زبان سے ستر سے زیادہ سورتیں سن کر یاد کیں"

زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سارا قرآن رسول اللہؐ کے سامنے پڑھا۔ مسلم و بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کی زندگی میں چار اشخاص نے قرآن حکیم حفظ کیا تھا ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اور ان حفاظ میں سے ہی بہت سے حافظ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ قرآن میں بار بار اس لئے حفظ کتاب آیا ہے۔ سورۃ البقرہ، سورۃ الفاتحہ کے بعد قرآن حکیم کی سب سے پہلی سورۃ ہے۔ اس کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ اس آیت سے کرتا ہے کہ یہ قرآن ایک کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ اس طرح اور بھی کئی جگہ قرآن کے لئے کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ زید بن ثابت کا یہ قول کہ "رسول اللہؐ وفات پا گئے اور قرآن حکیم کسی ایک جگہ جمع نہ تھا" لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول اللہؐ کے عہد ہی میں آپ کی ہدایات کے مطابق آیات کی ترتیب مکمل ہو گئی تھی۔ قارئین، حفاظ اور دوسرے مسلمانوں نے اسے اپنے اپنے سینوں میں مکمل طور پر محفوظ کر لیا تھا حضرت ابو بکرؓ نے زید بن ثابت کو قرآن حکیم جمع کرنے کی عظیم ذمہ داری اس لئے تفویض کی تھی کہ وہ اس اہم ذمہ داری کے اہل تھے۔ وہ عقل مند نوجوان تھے حضورؐ کے کاتب وحی تھے زیادہ محنت سے کام کر سکتے تھے اور قرآن جمع کرنے میں انتہائی تحقیق و تدقیق اور تفتیش سے کام لینے کے عادی تھے۔ حالانکہ انہیں سارا قرآن حفظ تھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے جس شدید محنت و جانفشانی سے قرآن حکیم کے جمع کرنے کے عظیم الشان تاریخی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس سے قرآن حکیم ہر قسم کی تحریفات سے پاک ہو گیا اور منصف مزاج مستشرقین بھی اعتراف کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہؐ پر نازل ہوا تھا اور جو زید بن ثابتؓ نے انتہائی محنت و مشقت اور تحقیق و تدقیق سے جمع کیا تھا۔ چنانچہ سر ولیم مور لکھتے ہیں "ہمارے علم میں دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح کامل بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"

زید بن ثابتؓ نے قرآن کا مسودہ یا اوراق جو انہوں نے جمع کئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے حوالے کر دیئے ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ام المومنینؓ حضرت حفصہ کی تحویل میں آ گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمع قرآن کا کام حضرت ابو بکرؓ صدیق کے عہد میں مکمل ہو گیا تھا لیکن بعض روایات کے مطابق اس کی تکمیل حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی اس کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ جمع قرآن کا کچھ حصہ حضرت ابو بکرؓ اور بقایا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پایہ تکمیل تک پہنچا تھا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد یہ مکمل قرآن ایک مصحف یعنی کتاب کی شکل میں

حضرت حفصہ کے پاس محفوظ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حفصہ سے وہ مکمل قران منگوا کر اور اس کی متعدد نقول کروا کر دنیائے اسلام کے تمام علاقوں اور صوبوں کو ارسال کروا دیں۔ آج تمام دنیا میں وہی واحد قرآن ہے جو ابو بکرؓ اور عمرؓ نے زید بن ثابت کے ذریعہ جمع کرایا تھا۔ اور یہی قرآن اپنی ترتیب اور الفاظ کے ساتھ قائم ودائم اور تلاوت کیا جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ اور نگہبان ہے۔ کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے اور اس کا کلام ہے۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں قرآن حکیم کی آیات اور ان میں سورتوں کو موجودہ ترتیب سے مرتب کیا تھا اور موجودہ قرآن حضورؐ کا مرتب کردہ مصحف یا کتاب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔

یمن کے حالات وواقعات

الاسود العنسی 11ھ:

یمن سیاسی لحاظ سے شاہ ایران کے ماتحت تھا اسی لئے جب آنحضرتؐ نے دعوت اسلام کا خط کسریٰ ایران خسرو پرویز کے پاس بھیجا تو اس نے اسے پھاڑ کر ایران کے گورنر یمن بازان کو حکم بھیجا کہ آنحضرتؐ کو گرفتار کر کے مدائن اس کے پاس ارسال کر دیں مگر یہ خط بازان کے پاس پہنچنے سے قبل ہی اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ حضورؐ کا دعوت اسلام کا گرامی نامہ بازان حاکم یمن کے نام بھی آیا تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس سے قبل بھی اسلام یمن میں پہنچ چکا تھا۔ اب آنحضرتؐ نے بازان کو اپنی طرف سے پورے یمن کا گورنر مقرر فرمایا لیکن کچھ دیر کے بعد بازان فوت ہو گیا تو آپ نے یمن کے مختلف علاقوں پر اپنے اعمال مقرر فرمائے نجران پر عمرو بن خرم کو' نجران اور زبید کے درمیانی علاقہ پر خالد بن سعید بن العاص کو' عامر بن شہر کو ہمدان کا' شہر بن بازان کو صنعاء کا طاہر بن ابی ہالہ کو عک واشعرین کا' ابو موسیٰ عشعری کو سارب کا یعلی بن امیہ کو جند پر عامل مقرر کر دیا۔ ان کے علاوہ اپنے چند معلمین بھی بھیجے تھے جو اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل ان کے صدر یعنی انچارج تھے حضر موت کے علاقہ پر زیاد بن لبیلہ' سکاسک اور سکون پر عکاشہ بن ثور اور بنو معاویہ بن کندہ پر عبداللہ عامل مقرر کئے گئے۔

آنحضرتؐ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل اسود عنسی نے جو قبیلہ بنو مدحج سے تھا شعبدہ باز اور کاہن تھا دعویٰ نبوت کر دیا۔ اسود عنسی نے جب دعویٰ نبوت کیا تو سب سے پہلے نجران پر حملہ کیا اس کے عامل عمرو بن خرم اور خالد بن سعید کو وہاں سے نکال دیا اب وہ صنعاء کی طرف بڑھا۔ بازان کا بیٹا شہر مقابلہ کے لئے نکلا مگر شہید ہو گیا یہ واقعہ اسود کے دعویٰ نبوت کے پچیس دن بعد پیش آیا۔ اسود نے صنعاء پر قبضہ کر لیا سقوط صنعاء کی حیثیت چونکہ مرکزی تھی اس لئے مسلمان اعمال شہر چھوڑ کر منتشر ہو گئے اس کے بعد اسود عنسی کی شہرت تمام یمن میں آگ کی طرح پھیل گئی اور وہ یمن کی سب سے بڑی طاقت بن گئی۔ شہر بن بازان کی شہادت کے بعد اس نے اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ اس کا نام آزاد تھا۔ آنحضرتؐ کو جب حالات معلوم ہوئے تو آپ نے مسلمانوں کو پیغام بھیجے کہ ہر حالت میں اسود عنسی کے ساتھ مقابلہ جاری رکھیں فتح اسلام کی ہو گی۔ ادھر ایرانی امراء و عوام بھی جو یمن میں تھے اسود کے اقوال و کردار کی وجہ سے اس کے مخالف ہو گئے تھے ادھر آنحضرتؐ نے قیس بن ہبیرہ بن مکشوح تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ اسود سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ ایرانی امراء فیروز اور دازویہ اور شہر بن بازان کی بیوہ آزاد جو اب اسود کی بیوی تھی اور قیس بن ہبیرہ نے اسود عنسی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا چونکہ آزاد کی رہنمائی میں ایک

رات یہ سب لوگ اسود عنسی کے مکان میں ایک خفیہ راستہ سے داخل ہوئے اور چھپ کر بیٹھ گئے۔ آدھی رات کے وقت جب اسود عنسی نشہ کی حالت میں پڑا سو رہا تھا۔ فیروز نے آگے بڑھ کر اس زور کا خنجر سے وار کیا کہ اسود عنسی شدید زخمی ہو گیا اور بلند آواز سے شور مچانے لگا اتنے میں دازویہ اور قیس اور چند اور مسلمان جو چھپے بیٹھے تھے آ گئے اور قیس نے اسود کی گردن اس کے تن سے جدا کر دی۔ اسود کے مکان کے پہردار اسود کی چیخیں سن کر دوڑ کر اندر آئے اور اس کی بیوی آزاد سے پوچھا کہ کیا ہوا تو آزاد نے مذاق سے کہا کہ تمہارے نبی کو الہام ہو رہا ہے اس کے بعد قیس نے شہر کی چار دیواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد رسول اللہؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسود عنسی جھوٹا اور کاذب تھا اس لئے اس قتل کر دیا گیا ہے۔ اسود کے قتل کی خبر سن کر اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ جنہوں نے کچھ مقابلہ کیا ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی وفات سے پانچ روز پہلے پیش آیا۔ مگر مدینہ میں اس کی اطلاع آپ کی وفات کے دس دن بعد پہنچی تھی۔

یمن میں الاسود العنسی کے قتل کے بعد منحرفین کا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن جب آنحضرتؐ کے وصال کی خبر پہنچی تو بہت سے لوگ پھر مرتد ہو گئے ان میں عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث جیسے نامور مسلمان شامل تھے۔ انہوں نے پھر سارے ملک میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور اسلام پر قائم لوگ پھر خطرات میں گھر گئے۔ قیس بن عبد یغوث نے حضرت فیروز دیلمی اور دوسرے ابناء کو (جو مسلمان تھے) یمن سے نکالنے کا منصوبہ بنالیا۔ اس کا نعرہ تھا کہ یمن سے ایرانیوں کو نکال دیا جائے گا۔ کیونکہ یمن صرف عربوں کا ملک ہے یعنی عرب و عجم کا تعصب پیدا کرنے لگا۔ قیس نے اسود عنسی کے جانشین خالد کو لکھا کہ تم فیروز اور اس کی قوم کو قتل کر کے صنعاء پر قبضہ کر لو میں تمہاری مدد کو تیار ہوں۔ خالد کو یہ خط ملا تو اس نے فیروز کے خلاف لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب فیروز کو جو دربار خلافت کی طرف سے پورے یمن کا گورنر تھا خالد کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو اس نے غلط فہمی کی بنا پر قیس کو مسلمان اور اپنا ہمدرد سمجھ کر مدد مانگی۔ قیس نے مدد کا وعدہ کیا اور جھوٹی محبت جتا کر حضرت فیروز اور ان کے دو ساتھیوں دازویہ اور چشنش کو دعوت پر بلایا۔ دازویہ قیس کے گھر پہنچ گیا۔ قیس نے اس کو قتل کروا دیا۔ اس کے بعد فیروز اور چشنش گئے۔ انہوں نے دو عورتوں کو باتیں کرتے سنا کہ جس طرح قیس نے دازویہ کو قتل کروا دیا ہے۔ اس طرح ان کو بھی قتل کروا دے گا۔ ان دونوں نے یہ باتیں سنیں تو دونوں وہاں سے بھاگ نکلے۔ قیس بن یغوث نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے اور فیروز نے خولان کی پہاڑیوں پر اپنے ماموں کے پاس جا کر پناہ لی۔ قیس نے تعاقب سے واپس آکر صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ جہاں خالد بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر آ گیا اور قیس کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔ فیروز نے ان حالات کی خبر حضرت ابوبکرؓ کو دی انہوں نے فیروز کو یمن میں اپنا نائب مقرر کیا اور یمن کے دوسرے علاقوں کے عاملوں طاہر بن ابی ہالہ' عکاشہ بن ثور' ذوالکلاع حمیری اور عمر ذی مران کو حضرت فیروز کی مدد کا حکم دیا۔ یہ سب حضرات فیروز کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ان سب کو ساتھ لے کر صفاء کا رخ کیا۔ راستے میں کئی مسلمان قبائل بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ صفاء کے باہر، کھلے میدان میں حضرت فیروز اور قیس کا سخت مقابلہ ہوا جس میں ایک دن کی لڑائی کے بعد قیس شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اور صفاء پر فیروز کا قبضہ ہو گیا صفاء میں مقیم ابناء کو قیس کے پنجہ ستم سے نجات مل گئی۔ اس اثناء میں حضرت مہاجر بن امیہ اپنے لشکر کے ہمراہ یمن پہنچ گئے۔ انہیں منحرفین یمن کی سرکوبی کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی نے

صفا سے بھاگ کر پھر مرتدین کا ایک لشکر جمع کر لیا تھا۔ حضرت مہاجر اور اس کے لشکر کے درمیان ایک دو بار لڑائیاں ہوئیں جن میں مرتدین نے شکست کھائی اور قیس بن یغوث اور عمرو بن معدی کرب دونوں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حضرت مہاجر نے ان کو مدینہ بھیج دیا۔ جب انہیں حضرت ابو بکرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے عمرو بن معدی کرب کو سخت ملامت کی۔ عمرو بن معدی نے سر جھکا لیا اور کہا "اے خلیفۃ الرسول جو ہو چکا سو ہو چکا اب میں کبھی اسلام سے منہ نہیں موڑوں گا" قیس بن عبد یغوث نے بھی اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا اور دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے دونوں کو معاف کر دیا اس کے بعد وہ عراق عرب اور شام کی مہمات میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیے اور نہاوند کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔

مرتدین کندہ حضر موت کی سرکوبی:

کندہ کے ایک قبیلہ بنو عمرو بن معاویہ نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا اس قبیلہ کے ایک سرکردہ شخص شرجیل بن سمط بڑے پختہ ایمان مسلمان تھے انہوں نے اپنے قبیلہ کے مرتد ہونے پر ملامت کی اور کہا کہ بد عہدی خلاف شرافت ہے تم حق سے منہ نہ موڑو مگر ان کا قبیلہ سرکشی سے باز نہ آیا تو وہ حضرت زیاد بن لبید کے پاس چلے گئے اور ان کو مشورہ دیا کہ بنو عمرو پر شب خون مارنا چاہئے ورنہ اور قبیلے بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ حضرت زیاد نے ان کے مشورہ کے مطابق شب خون مارا۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار کر لئے گئے۔ وہ ان قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر آرہے تھے کہ کندہ کے نامور سردار اشعث بن قیس نے ان پر حملہ کر کے تمام قیدیوں کو چھڑا لیا اور مال غنیمت پر بھی قبضہ کر لیا اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کے تمام عمرو بن معاویہ' سکاسک اور حضر موت کے بھی بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت مہاجر بن ابی امیہ اور حضرت عکرمہ بن ابو جہل کو حکم بھیجا کہ وہ کندہ اور حضر موت کے مرتدوں کا استیصال کرے۔ عکرمہ مہرہ سے چل کر حضرت مہاجر کے پاس یمن پہنچ گئے۔ اب دونوں کے متحد لشکر نے کندہ کا رخ کیا جب یہ لشکر مآرب اور حضر موت کے درمیان پہنچا تو حضرت زیاد کا خط ملا جس میں کندہ پر بلا تاخیر حملہ کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ حضرت مہاجر نے حضرت عکرمہ کو اپنی جگہ چھوڑ کر اور ایک مختصر لشکر لے کر حضرت زیاد کے پاس پہنچ گئے کندہ میں چار قلعے تھے جن کو مجر کہا جاتا تھا۔ اشعث بن قیس سکاسک' سکون' حضر موت کے مرتدوں کی ایک جمعیت کے ساتھ مجر زیر قان میں قلعہ بند تھا۔ حضرت مہاجر اور حضرت زیاد زیر قان پہنچے تو مرتدین نے ان کا سخت مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور بھاگ کر نجیر میں پناہ لی۔ اشعث نے اپنی ضرورتوں کے لئے قلعہ نجیر کا ایک راستہ چھوڑ کر باقی راستوں کو بند کر دیا۔ اسی اثنا میں حضرت مہاجر اور زیاد قابض ہو گئے اس طرح اشعث بن قیس اور اس کے ساتھی بالکل محصور ہو گئے۔ اور ہر طرف سے رسد پہنچنی بند ہو گئی جب اشعث بن قیس بالکل محاصرے سے تنگ آگیا تو حضرت زیاد بن لبید کو پیغام بھیجا کہ ہمارے نو آدمیوں کو امان دے دو تو میں قلعہ آپ کے سپرد کر دوں گا۔ حضرت زیاد نے اس کو منظور کر لیا اور کہلا بھیجا کہ معاہدہ لکھ کر لے آؤ میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ اشعث نے جب اس معاہدہ میں ان آدمیوں کے نام لکھے تو اپنا نام لکھنا بھول گیا چنانچہ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد زیاد

نے ان آدمیوں کو تو امان دے دی جن کے نام معاہدہ میں شامل تھے اور اشعث بن قیس کو قید کر لیا۔ مرتدین میں سے کچھ مارے گئے کچھ گرفتار کر لئے گئے۔ حضرت زیاد نے اشعث کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ وہاں اشعث بن قیس نے سچے دل کے ساتھ توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا حضرت ابو بکرؓ نے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اس کی شدید خواہش پر اپنی بہن ام فردہ کا نکاح بھی اس سے کر دیا اس کے بعد اشعث نے مدینہ میں رہائش اختیار کر لی اور عراق عرب و شام کی لڑائیوں میں مجاہدانہ کارنامے سر انجام دیے۔ کندہ کے دوسرے قبیلوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور حضرت ابو بکرؓ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

کندہ اور حضر موت کی لڑائیوں کے بعد اب سارے عرب میں فتنہ ارتداد کا پوری طرح استیصال اور خاتمہ ہو گیا اور دور و نزدیک ہر جگہ پورے جزیرہ نمائے عرب پر خلافت اسلامیہ کا تسلط و اقتدار حال ہو گیا۔ اس میں چھ ماہ سے ایک سال کا وقت صرف ہو گیا۔ بہر حال ایک سال یعنی 11ھ کے اندر اندر اس کا پوری طرح استیصال ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ خلیفۃ الرسول اللہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بے مثال عزم و ہمت' تدبر و حکمت عملی' استدلال و استقامت اور قوت ایمانی کی بدولت ہوا۔ اس کے راستہ میں جو مشکلات حائل تھیں وہ حوصلہ شکن اور قیامت انگیز تھیں لیکن کسی نازک اور خطرناک موقع پر بھی ان کے پائے ثبات اور استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ وہ اسلام کی کشتی کو ہولناک گرداب بلا سے نکال کر صحیح سلامت کنارے پر لے آئے۔ امت مسلمہ پر یہ ان کا اتنا بڑا احسان عظیم ہے کہ وہ قیامت تک ان کے شکر گزار رہیں گے۔

یمن میں بغاوت کے اسباب :

1- دور اسلام کی ابتدا میں یمن کو ایک مرکزی حکومت کے قیام کی بجائے اسے مختلف صوبوں یا علاقوں میں تقسیم کر کے اس پر مختلف عامل مقرر کر دے گئے۔ وحدت یمن ختم ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے خود مختار صوبے بنا دینے سے متحدہ طاقت ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ باذان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے شہر کے پاس صرف صنعاء کی ولایت یا حکومت تھی۔ دیگر علاقوں پر مختلف عامل تعینات کر دیئے گئے۔ مثلاً نجران' ہمدان' کندہ' حضر موت' بحرین وغیرہ۔ اس صورت حال میں اسود عنسی کو بغاوت کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ اس طرح یمن کے شمالی علاقے جو مکہ اور طائف کے درمیان پھیلے ہوئے تھے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مختلف عمال کے زیر حکومت دئے گئے چنانچہ تہامہ کا وہ حصہ جو بحر احمر کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا تھا ایک حاکم اور اندرونی علاقہ دوسرے عامل کے تحت تھا۔

2- اسود عنسی کے قتل کے بعد اس کے مددگاروں یعنی اس کی پارٹی کے رہنماؤں کو یہ گوارہ نہ تھا کہ جو علاقے اسود عنسی کی زیر قیادت انہوں نے فتح کئے تھے دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں چلے جائیں۔ اس لئے انہوں نے مسلمان حاکم کو دوبارہ اپنے علاقوں پر مسلط ہونے سے روکنے کے لئے مخالفت شروع کر دی اور مشکلات پیدا ہونے لگیں۔

3- آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مختلف علاقوں کے قبائل نے مسلمانوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی خود مختاری کی جدوجہد شروع کر دی زکوۃ کو وہ ایک قسم کا خراج' تاوان اور جزیہ سمجھتے تھے۔ ان اسباب کی وجہ سے یہ علاقے اسود عنسی کی پارٹی

کی سرگرمیوں کے مراکز تھے۔ اور یہاں شدید ہیجان واضطراب پھیلا ہوا تھا۔

4- مسلمان سرداروں نے اقتدار اور ذاتی مفاد کے لئے مثلاً قیس بن عبد یغوث' اشعث بن قیس اور عمرو بن معدی کرب وغیرہ نے بغاوت کردی تھی۔

5- نسل وقبیلہ اور قومیت کا تعصب :- شہر بن بازان کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فیروز دیلمی کو صنعاء کا حاکم مقرر کردیا تھا جو ایرانی الاصل تھے یعنی ابناء میں سے تھے۔ ابناء وہ لوگ تھے جو ایرانی حکومت کے وقت ایران سے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کا بڑا اثر ورسوخ تھا اور معاشرتی ومعاشی حالت بھی عربوں سے بہتر تھی۔ انہوں نے یمن میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور مرتد بھی نہیں ہوئے۔ عرب رہنما خصوصاً قیس بن عبد یغوث نے ان کے خلاف قومیت یا نسلی امتیاز کی تحریک شروع کردی حالانکہ اسلام عربی و عجمی کے تعصبات کے شدید مخالف تھا ابناء کی قوت وطاقت' اتحاد واتفاق اور اسلام میں شمولیت کی وجہ سے ان کو حضرت ابو بکرؓ کی تائید وحمائت حاصل تھی۔

اب عرب کی تمام بغاوتیں ضرو ہو چکی تھیں۔ اللہ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بے حد مسرور اور اللہ کی حمد وثناء بیان کر رہے تھے۔ ہر طرف امن وامان تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی سیاست کا مرکز اور مقصد صرف اعلائے کلمتہ الحق تھا اور حضورؐ کی سنت واسوہ پر عمل۔

مدعی نبوت اسود عنسی کا خاتمہ 11ھ

یمن میں مختلف عسکری مہمات اور تبلیغی وفود کی وجہ سے تمام یمن حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ یہ علاقہ ابتدا ہی سے انتہائی زرخیز اور تجارت کی وجہ سے بڑا خوشحال اور ترقی یافتہ تھا اور یہاں حمیری خاندان کے علاوہ اور کئی خاندانوں نے صدیاں حکومت کی تھی اور کافی مدت تک حکومت ایران کے ماتحت بھی رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اس علاقہ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے خاص توجہ دی جس کی وجہ سے یہاں مسلمان حکومت قائم ہو گئی اور سرعت سے اسلام پھیل گیا۔ آنحضرتؐ کی وفات سے قبل آپ نے بازان کو پورے یمن کا حاکم مقرر کیا ہوا تھا مگر بازان کی وفات کے بعد آپ نے یمن کو مختلف علاقوں میں تقسیم کر کے اس پر مختلف حاکم مقرر فرمائے تھے۔

عمرو بن حزم کو نجران کا والی مقرر کیا۔ خالد بن سعید بن العاص کو نجران' اور زبید کے درمیانی علاقہ پر عامر بن شہر کو ہمدان کا والی مقرر کیا۔ خاص صنعاء پر ابن بازان کو والی مقرر کیا۔ طاہر بن ابی ہالہ کو عک اور اشعریین کا والی۔ مارب پر ابو موسیٰ اشعری کو اور جند پر یعلی بن امیہ عکا سک اور سکون پر عکاشہ بن نور کو عامل مقرر کیا۔ بنی معاویہ بن کندہ پر عبد اللہ یا مہاجر کو عامل مقرر کیا۔ حضر موت پر زیاد بن لبید البیاض کو عامل مقرر کیا۔ آنحضرتؐ نے یمن کے مختلف علاقوں پر مندرجہ بالا تقرریاں مکہ میں حجتہ الوداع کے موقع پر 10ھ میں کیں اور پھر مدینہ روانہ ہو گئے۔

اسود عنسی کی بغاوت اور دعویٰ نبوت 11ھ :

اسود عنسی کون تھا؟ اسود عنسی نے کب اور کیوں بغاوت کی؟ جب اسود عنسی نے بغاوت کی اور نبوت کا اعلان کیا تو مسلمانوں نے آنحضرت کو مدینہ میں اطلاع دی آپ نے پیغام بھیجا کہ یمن کے مسلمان اس طاغوتی طاقت کے خلاف متحد ہو کر جدو جہد کریں۔ اللہ تعالیٰ فتح ونصرت عطا کرے گا۔

اسود عنسی نے یمن میں دعویٰ نبوت کیا:

اسود عنسی نے جب اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا تو مسلمانوں کو دھمکی دی کہ اے مسلمانوں ہمارے ملک سے نکل جاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے ہمارے حوالے کر دو اس وقت اسود کہف خبان میں تھا اس کے بعد اس نے نجران پر قبضہ کر لیا اس کے بعد وہ شنوب میں آگیا۔ شہر بن بازان اس کے مقابلہ پر نکلا مگر وہ قتل ہو گیا اور ابناء کو بھی شکست ہوئی۔ اپنی بغاوت کے 25 دن کے بعد صنعاء پر بھی قبضہ کر لیا اور معاذ وہاں سے بھاگ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس مآرب آئے اور اس کے بعد دونوں یمن چھوڑ کر حضر موت میں داخل ہو گئے۔ معاذ قبیلہ سکون میں ٹھہر گئے اور ابو موسیٰ سکاسک کے پاس ٹھہرے اور تمام امرائطاہر کے پاس چلے گئے جو اس وقت صناء کے گرد عک کے علاقہ میں مقیم تھا۔ اس وقت تک حضر موت کے صحرا سے لے کر طائف کے علاقہ تک اور عدن کی جانب بحرین تک علاقہ اسود کے قبضہ میں آچکا تھا۔ تمام یمن اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ البتہ قبائل عک تہامہ میں اس کے مخالف تھے۔ اس کے سرداران فوج میں قیس بن عبید یغوث المرادی، معاویہ بن قیس الجینی، یزید بن محرم یزید بن حصین الحارثی، اور یزید بن انکل لازری نامی سردار تھے۔ اس کی حکومت قائم ہو گئی اور اس کی شوکت بہت بڑھ گئی۔

ساحل میں سے حاز، عشر، شارجہ، مردہ غلافقہ، عدن اور جند پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ صناء سے لے کر طائف کی جانب امیر اور علیب تک کا علاقہ اس کے قبضہ میں تھا، مسلمانوں نے اس سے رحم کی درخواست کر کے امان حاصل کی اور مرتدین نے بھی اس سے معاملہ طے کر لیا۔ مذحج میں اس کا نائب عمرو بن معدی کرب تھا اور دیگر علاقوں پر بھی اس نے اپنے عامل مقرر کر دے تھے۔

اسود عنسی کا زوال 11ھ :

اسود عنسی کی فوج کا سپہ سالار قیس بن عبد یغوث تھا اور ابناء کے سردار فیروز اور واذویہ تھے۔ جب اسود کی حکومت مضبوط ہو گئی تو اس میں رعونت اور تکبر پھیل گیا اس نے قیس اور واذویہ کی توہین کی اور شہر بن بازان کی بیوی سے شادی کر لی جو فیروز کی چچازاد تھی۔ مسلمان عامل اور معززین اس وقت حضر موت میں مقیم تھے اور اس کو ہر وقت اسود عنسی کے ان پر حملہ کا خطرہ تھا اسی اثناء میں آنحضرت گا مراسلہ ان کو ملا جس میں عزم وثبات قدمی اور حکمت عملی سے دشمن کے مقابلہ کی تلقین کی اور یقین دلایا کہ آخر فتح حق کی ہوگی۔ فکر نہ کریں۔ حضرت معاذ نے بنی بجرہ سے جو سکون کا ایک بااثر خاندان تھا اس سے

شادی کرلی جس کا نام رحلہ تھا۔ معاذ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے۔

مسلمانوں کو خبر ملی کہ اسود اپنے سپہ سالار قیس بن یغوث سے مشتبہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے فوراً قیس بن یغوث سے رابطہ قائم کیا وہ پہلے ہی اسود کے خلاف کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ فوراً مسلمانوں کے ساتھ مل کر اسود کے خلاف سازش میں شریک ہو گیا۔ وبر بن یخنس بھی مسلمانوں کے پاس آگیا۔ اسود کو قیس بن یغوث کی سازش کا علم ہو گیا اس نے فوراً قیس کو طلب کیا اور کہا کہ مجھے فرشتہ نے اطلاع دی ہے کہ "قیس دشمن سے مل گیا ہے تم نے اس کی عزت کی سپہ سالار بنایا مگر وہ احسان فراموش اب تمہارے دشمن سے جاملا ہے۔ اور تم سے حکومت چھیننی چاہتا ہے۔ خود تمہاری طرح بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ لہٰذا غداری کے جرم میں تم فوراً اس کا سر قلم کر دو ورنہ وہ تمہارا سر قلم کر دے گا" قیس نے قسم کھا کر کہا کہ تمہارا یہ فرشتہ جھوٹ بولتا ہے۔ میں آپ کا وفادار ہوں اور تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ اسود عنسی نے کہا کہ میرا فرشتہ جھوٹ نہیں بولتا۔ بہر حال تمہاری سازش کا راز فاش ہو چکا ہے مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اب تم اپنے کئے پر نادم اور

جنگ یمامہ 11ھ

مسیلمہ کذاب کے خلاف مسلمانوں کی جنگ :

حضرت ابو بکرؓ نے عکرمہ بن ابو جہل کو مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر روانہ کیا اور ان کے پیچھے شرجیل کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا مگر عکرمہ نے شرجیل کا انتظار نہ کیا اور مسیلمہ سے جنگ شروع کر دی مگر عکرمہ کو شکست ہو گئی۔ شرجیل شکست کی خبر سن کر راستہ ہی میں ٹھہر گیا۔ جب ابو بکرؓ کو اس شکست کی اطلاع ملی تو وہ بہت ناراض ہوئے کہ شرجیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ سے جنگ کیوں شروع کی۔ ابو بکرؓ نے عکرمہ کو حکم دیا کہ وہ سیدھے حذیفہ اور عرفجہ کے پاس چلے جائیں اور ان کے ساتھ مل کر اہل عمان اور مہرہ سے جنگ کریں اور پھر مہاجر ابی امیہ کے ساتھ یمن اور حضر موت میں جائیں شرجیل کو حکم دیا کہ وہ اپنے مقام پر میرے حکم کا انتظار کرے۔ خالد تمہارے پاس آرہا ہے اس کے ساتھ مل کر مسیلمہ کا مقابلہ کرو۔ جب خالد مدینہ آئے اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کے مالک کے قتل اور اس کی بیوی پر قبضہ کرنے کے جرم کو معاف کر دیا تو اس کو مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے یمامہ روانہ کیا۔ چنانچہ خالد مدینہ سے چل کر بطاح اپنی فوج کے پاس آئے اور پوری طرح منظم اور تیار ہو کر یمامہ روانہ ہوئے۔ ادھر شرجیل نے بھی وہی غلطی کی جو عکرمہ نے کی تھی۔ خالد کے آنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے جنگ کر کے شکست کھا چکے تھے اور واپس آکر خالد سے مل گئے۔

نہار الرجال بن عنفوہ :

رسول اللہؐ نے نہار الرجال بن عنفوہ کو جو مہاجرین سے تھا۔ اس نے قرآن پاک پڑھا اور شریعت کی تعلیم حاصل کی تھی اس کو یمامہ کا معلم بنا کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے اور مسیلمہ کے دعویٰ کی تردید کرے مگر وہ مرتد ہو کر مسیلمہ کے ساتھ مل گیا۔ یہ مسیلمہ کے دعویٰ نبوت کی تائید کرتا اور جھوٹ فریب سے لوگوں کو گمراہ کر کے مسیلمہ کے گروہ میں شامل کرتا چنانچہ اس کا بنو حنیفہ پر بہت اثر و رسوخ ہو گیا۔ مسیلمہ نے اپنی نبوت کے دعویٰ کے ساتھ ہی یمامہ میں ایک حرم بھی قائم کر لیا تھا۔ جیسا کہ مکہ میں حرم ہے جہاں کسی قسم کے جرم کی اجازت نہیں اور وہاں ہر ایک کو امان حاصل ہے۔

جنگ عقرباء :

جب مسیلمہ کو معلوم ہو گیا کہ خالد کا لشکر یمامہ کے قریب آگیا ہے تو اس نے عقرباء میں اپنا معسکر قائم کیا اور تمام

لوگوں کو اپنی امداد کے لئے بلایا۔ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار جنگجو فوج پر مشتمل تھی۔ خالد نے شرجیل کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ خالد نے اپنے مقدمتہ الجیش پر خالد بن فلان المخزومی کو امیر مقرر کیا۔ اپنے میمنہ اور میسرہ پر زید بن ابن خطاب اور ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کو مقرر فرمایا۔ مسیلمہ نے اپنے میمنہ اور میسرہ پر محکم اور رقال کو امیر مقرر کیا۔ خالد کی فوج مسیلمہ کے معسکر سے ایک منزل کے فاصلہ پر تھی کہ جسیلہ کے مقام پر مسلمانوں کو قریبا چالیس افراد کی ایک جماعت سوئی ہوئی ملی۔ یہ مجاعہ اور اس کے ساتھی تھے جو بنی عامر کے علاقے پر غارتگری کر کے اور خولہ بنت جسر کو ان کے قبضہ سے چھڑا کر ساتھ لائے تھے خالد کی فوج نے ان کو سوتے میں پکڑ لیا۔ جب ان کو بیدار کر کے پوچھا گیا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم یمامہ کے رہنے والے ہیں۔ بنی عامر اور بنی تمیم سے اپنا انتقام لے کر واپس آرہے ہیں۔ خالد نے ان سب کو قتل کروادیا اور صرف مجاعہ کو بطور یرغمال اپنے پاس قید کر لیا۔ یہاں سے خالد یمامہ آئے ان کے آنے کی خبر پا کر مسیلمہ اور بنی حنیف بھی مقابلہ کے لئے نکلے اور عقرباء کے مقام پر دونوں فوجوں میں زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ مسیلمہ نے بنو حنیف سے کہا اگر تم نے جان توڑ کر مقابلہ نہ کیا بلکہ بزدلی اور کمزوری دکھائی تو مسلمان تمہاری عورتوں اور دیگر تمام مال پر قبضہ کرلیں گے۔ مہاجرین کے سردار سالم مولی ابی حذیفہ تھے۔ انصار کے سردار ثابت بن قیس بن شماس تھے۔ دوسرے قبائل عرب اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت تھے مجاعہ ام تمیم خالد کی بیوی کے ساتھ خیمہ میں مقید تھے۔ جنگ شروع ہوئی تو پہلے حصہ میں مسلمان پس پا ہوئے۔ بنو حنیفہ کے بعض لوگ ام تمیم کے خیمہ میں آئے مگر مجاعہ نے اسے بچالیا۔ اب مسلمانوں نے پلٹ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ۔ بنو حنیفہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے محکم بن الطفیل نے ان کو آواز دی کہ باغ میں چلے جاؤ وہ کچھ دیر لڑتا رہا پھر محکم قتل ہو گیا۔ مگر بنو حنیفہ باغ کے اندر چلے گئے اور اس کے تمام دروازے اندر سے بند کر لیے۔ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے اپنے بھالہ کے وار سے مسیلمہ کو قتل کر دیا۔ ایک انصاری مجاہد جس کی والدہ ام عمارہ نے بھی مسیلمہ پر اسی وقت حملہ کیا تھا وہ اس کی تلوار سے زخمی ہو کر مر گیا۔ بہر حال مسیلمہ کے قاتل وحشی اور انصاری دونوں تھے۔ اس کے بعد خالد اپنی فوج کے ساتھ یمامہ آئے۔ اہل یمامہ بھی مسیلمہ کی قیادت میں مقابلے کے لئے آئے۔ مسیلمہ کی طرف سے پہلا شخص جو مقابلہ کے لئے آیا وہ رمال بن عنفوہ تھا جو مارا گیا۔ اس کے بعد جنگ بڑی شدت سے شروع ہوئی اور فریقین نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور عربوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کو کبھی اس قدر شدید جنگ میں مقابلہ سے سابقہ نہیں پڑا تھا جس قدر اس جنگ میں پڑا۔ مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بنی حنیفہ بڑھتے ہوئے مجاعہ اور خالد تک پہنچ گئے اور خالد کو اپنی قیام گاہ چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بنو حنیفہ اس خیمہ تک آگئے یہاں مجاعہ اور ام تمیم خالد کی بیوی مقیم تھے۔ ثابت بن قیس نے مسلمانوں کو للکارا کہ جرات اور بہادری سے لڑو اور خود دشمن کا مقابلہ کرتا ہوا شہید ہو گیا۔ ان کے بعد حضرت زید بن الخطابؓ حضرت عمرؓ کے بھائی داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے اس طرح حضرت براء بن مالک بڑی بہادری اور جانفروشی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے گھمسان کی جنگ جاری تھی اور فریقین پورے جوش و جذبہ کے ساتھ لڑ رہے تھے اور فریقین کا بھاری جانی نقصان ہو رہا تھا۔ بنو حنیفہ کے سب سے بہادر سردار محکم بن الطفیل حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ کے تیر سے مارے گئے اس کے بعد مسلمانوں کی یورش کے مقابلہ سے پسپاء ہو کر بنو حنیفہ ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ حضرت براءؓ کے اصرار پر مسلمانوں

نے ان کو باغ کی دیوار پر چڑھا دیا اور انہوں نے باغ کے اندر جا کر دشمن سے لڑتے ہوئے باغ کا دروازہ کھول دیا اور مسلمان مجاہدین باغ کے اندر داخل ہو گئے اور وہاں پر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ابو حنیفہ کو شکست ہوئی جبیر بن مطعم کے مولی وحشی نے جس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا اپنے بھالہ سے مسیلمہ پر وار کر کے اس کو شدید زخمی کر دیا اور ایک انصاری مجاہد نے اس کو قتل کر دیا حضرت زید بن خطابؓ نے رحال بن عنفو کو قتل کیا اور عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ نے محکم کو قتل کیا جو مسیلمہ کے خاص مشیر اور سردار تھے یہ جنگ انتہائی ہلاکت آفرین اور خونریز تھی دونوں فریقوں نے انتہائی شجاعت اور ثابت قدمی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ خالد بن ولیدؓ نے جنگی حکمت عملی کے تحت اہل بادیہ اور شہری مسلمانوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور ان میں سے بھی ہر قبیلہ علیحدہ صف بستہ کر دیا اور وہ اپنے اپنے سرداروں کے تحت بے پناہ جوش و جذبہ کے ساتھ بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھانے لگے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے اور دشمن کے زیادہ سے زیادہ جانبازوں کو تہہ تیغ کرنے لگے۔ خالد نے محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ قتل نہیں ہو گا جنگ جاری رہے گی وہ خود صف سے باہر آیا اور مسیلمہ کو قتل کرنے کا منصوبہ سوچنے لگا اس کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ جو بھی اس کے سامنے آیا اس نے قتل کر دیا اور رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور خالد مسیلمہ کے قریب پہنچ گیا اور اس پر حملہ کرنے کا موقع تلاش کرنے لگا۔ خالد نے اس کو آواز دی اور اس سے صلح کے لئے شرائط طلب کیں۔ چنانچہ مسیلمہ نے خالد سے گفتگو شروع کر دی اس نے کسی سے مشورہ کے لئے ادھر منہ پھیرا تو خالد نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ خالد نے مسلمانوں کو للکارا کہ زوردار حملہ کرو دشمن بھاگ رہا ہے۔ کسی کو بچ کر نہ جانے دو۔ مسیلمہ کو وحشی اور ایک انصاری نے قتل کر دیا اور دشمن کو شکست فاش ہو گئی۔

محکم کے مشورہ پر بنو حنیفہ جس باغ میں داخل ہوئے تھے اس کو حدیقۃ الموت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ صرف اس باغ میں دشمن کے دس ہزار افراد قتل ہوئے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ مسیلمہ بھی اس باغ میں قتل ہوا تھا۔ براء بن مالکؓ نے دیوار سے کود کر اندر داخل ہو کر باغ کا دروازہ کھولا تھا خالد نے مجاعہ کے ساتھ مل کر لاشوں میں سے مسیلمہ کی لاش کی تلاش کی جو ایک پست قامت زرد رنگ اور مادہ رو بد شکل انسان تھا۔

مجاعہ نے بڑی حکمت عملی اور تدبیر سے خالد اور اہل یمامہ کے درمیان معاہدہ امن و صلح تکمیل کرا دیا۔ مسلمانوں نے لڑائی کے بعد ارد گرد کے علاقوں سے مفرور عورتیں بچے اور مال و اسباب اکٹھا کر لیا اور پھر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

خالد بن ولیدؓ اور اہل یمامہ کے درمیان صلح نامہ:

اہل یمامہ کے ایک مدبر سردار مجاعہ کی کوششوں اور حکمت عملی سے خالد اور اہل یمامہ کے درمیان حسب ذیل معائدہ صلح تکمیل و تحریر پا گیا۔ مجاعہ اپنے قلعہ سے سات نمائندہ افراد کو ساتھ لے کر خالد کے پاس آیا اور کہا کہ بہت مشکل سے میری قوم نے یہ معائدہ قبول کیا ہے۔ شرائط معائدہ:

1- یہ وہ معائدہ ہے جس پر خالد بن ولید نے مجاعہ 'مرارہ' مسیلمہ بن عمیر وغیرہ سات لوگوں نے صلح کی جس کے مطابق جس قدر سونا چاندی وغیرہ جو کچھ بنی حنیفہ کے پاس ہے وہ سب خالد کو دے دیا جائے گا۔

2-نصف لونڈی غلام بھی خالد کو دے دیئے جائیں گے۔

3-تمام مویشی اوز علاقہ ان کو دے دیا جائے گا۔

4-ہر گاؤں میں ایک باغ مذروعہ زمین بھی دے دی جائیگی۔

5-تمام اہل یمامہ اسلام لائیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ خلیفہ وقت اس معائدہ کی تصدیق کریں گے۔

عرض اور قربہ کا بھی تمام مال غنیمت غلام لونڈیاں وغیرہ جن کی تعداد پانچ سو تھی خالد کو ملے۔ مال مویشی اور دیگر سامان اس کے علاوہ تھا۔ جو سب مدینہ بیت المال میں خمس کے حساب سے بھیج دیا اور بقایا مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیا گیا۔

جنگ یمامہ کے شہدا:

اس جنگ میں چھ سو سے زائد اصحاب شہید ہوئے۔ تین سو مہاجرین اور تین سو تابعین اور بعض کبار صحابہ زید بن خطاب ثابت بن قیس براء بن مالک۔

خالد بن ولید نے مجاعہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا جسے حضرت ابو بکرؓ نے انتہائی ناپسند کیا اور ناراضگی کا اس کو خط لکھا۔

جنوبی عرب میں امن وامان کا قیام

فتح بحرین :

بحرین مدینہ سے بہت دور شمال مشرق میں خلیج فارس کے کنارے پر واقع ایک ریگستانی علاقہ تھا۔ یہ علاقہ حکومت ایران کے ماتحت تھا اس میں متعدد عرب قبائل، بو عبدالقیس بکر بن وائل اور تمیم وغیرہ آباد تھے جن کا گورنر ایران کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کے عہد میں یہ گورنر منذر بن ساوئی تھا۔ آنحضرتؐ کی دعوت پر منذر بن ساوئی اور بحرین کے صدر مقام ہجر کا گورنر مرزبان دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور یہاں کے تمام عربوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔

بحرین کا سب سے بڑا قبیلہ عبدالقیس تھا اس کے سردار حضرت جارود بن عمرو بن معلی تھے جو مدینہ میں رہ کر تعلیمات اسلامی حاصل کر چکے تھے اور تمام قبیلہ بو قیس نے مدینہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے چند روز بعد منذر بن ساوئی کا انتقال ہو گیا۔ وہاں کے ایک سردار الحطم نے دوسرے قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ کی مرکزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور ان لوگوں نے نعمان بن منذر بن ماء السما کے بیٹے جس کا نام بھی منذر تھا اپنا سردار منتخب کر لیا۔ ان تمام لوگوں نے متحدہ محاذ بنایا حواثا کے مقام پر حضرت جارود کے خلاف معرکہ آراء ہوئے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور سامان رسد سے بھی محروم کر دیا مگر اس فقر و فاقہ کے باوجود وہ اسلام پر قائم رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو بحرین کے حالات معلوم ہوئے تو آپ نے علاء بن الحضرمی کو بحرین کے محاذ پر روانہ کر دیا۔ اس وقت یمامہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی۔ علاء اپنے دستہ کے علاوہ ابو حنیفہ کے کچھ لوگوں کو بھی ہمراہ لے کر اور ان کے علاوہ ثمامہ بن آثال اور قیس بن عاصم بھی اپنے اپنے آدمیوں کے ساتھ اس لشکر میں شامل ہو گئے۔

حضرت علاء اپنے لشکر کو لئے ہوئے صحرائے دھنا میں سے گذر رہے تھے کہ شام ہو گئی تو اسی مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت وہ اونٹ جن پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا بدک کر بھاگ گئے اور مجاہدین کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ رہی۔ مسلمان سخت پریشان ہوئے۔ حضرت علاء الحضرمی نے ان کو تسلی دی کہ اللہ ہمیں اس صحرا میں برباد نہیں کرے گا۔ چنانچہ مسلمان جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو ان کے پاس ہی ایک پانی کا چشمہ مل گیا اور اونٹ بھی خود بخود وہاں پہنچ گئے۔ مجاہدین نے اللہ کا شکر ادا کیا اور تازہ دم ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔

بحرین پہنچ کر تمام حالات کا جائزہ لیا۔ حضرت جارود اپنے مجاہدین کے ہمراہ حالت محاصرہ میں تھے۔ حضرت علاء نے اس کو پیغام بھیجا کہ فکر مت کرو اور ڈٹے رہو۔ حطم کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اور ساز و سامان بھی بافراط تھا۔ حضرت

علاء اور حطم کے خندق کھود کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر مورچہ بند ہو گئے۔ دونوں فوجیں دن کے وقت خندق سے باہر آکر مقابلہ کرتیں اور رات کے وقت خندق میں چلی جاتیں۔

آخر کار باغی قلعہ جواث میں قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت علاء نے جارود کے ساتھ مل کر جواث کا محاصرہ کر لیا۔ ایک رات دشمن کے لشکر سے شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت علاء نے عبداللہ بن حذف کو خبر لانے کے لئے بھیجا تو معلوم ہوا کے دشمن کے سپاہی شراب کے نشے میں شور شرابہ کر رہے ہیں۔ حضرت علاء یہ سن کر اپنی موج کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے اور تلوار چلانی شروع کر دی وہ بد حواس ہو کر بھاگ گئے کچھ قتل ہوئے کچھ گرفتار اس ہنگامہ میں حطیم مارا گیا۔ کچھ لوگ بھاگ کر جزیرہ دارین پہنچ گئے حضرت علاء نے ان کا تعاقب کیا اور بے خطر سمندر میں کود پڑے اور جزیرہ میں پہنچ کر منحرفین کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت علاء اسی دن بحرین واپس آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو اس شاندار فتح کی خوشخبری کا خط تحریر کیا۔ جنگ یمامہ کے بعد اس جنگ کی اہمیت سب سے زیادہ تھی کیونکہ اس میں تمام اقوام' ایرانی عرب اور ہندوستانی بھی تھے کیونکہ یہاں پر ان کی تجارتی نو آبادیاں قائم تھیں اور اس میں تمام مذاہب مجوسی عیسائی' یہودی' بت پرست تمام مذاہب کے لوگ شامل تھے اس لئے اس جنگ کو بین الاقوامی اور بین المذہبی جنگ بھی قرار دے سکتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کا جنوبی علاقہ جو نصف عرب پر مشتمل ہے یہ خلیج فارس یمن سے گزر کر بحیرہ احمر تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں بحرین' عمان' مہرہ' حضر موت' کندہ اور یمن کے صوبے واقع ہیں جو خلیج فارس' خلیج عدن اور بحرہ احمر کے ساحل کے علاقے پر واقع ہیں۔ عرب کا سارا جنوبی علاقہ جو ان ممالک پر مشتمل ہے سوائے یمن کے خوفناک لق و دق صحرا پر مشتمل ہے جسے عبور کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اسے "ربعہ خالی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ منکرین زکوۃ اور منحرفین اسلام کے فتنہ کو پہلے شمالی عرب میں کچلا گیا اور بعد میں جنوبی عرب میں منحرفین کی بغاوت کو فرو کیا گیا۔ الغرض عہد صدیقی میں جو فتنہ و بغاوت شروع ہوئے تھے وہ 11ھ اور 12ھ میں کچل دی گئی اور تمام عرب میں ایک بار پھر دینی اور سیاسی وحدت قائم ہو گئی اور مملکت مدینہ کا پوری طرح تسلط اور مرکزی حکومت قائم ہو گئی۔

حضرت ابو بکرؓ نے جنوبی عرب کے خلاف عسکری کارروائیوں کا آغاز بحرین سے کرنا سیاسی و فوجی نقطہ نظر سے بہتر خیال کیا کیونکہ یمامہ بحرین کے قریب تھا اور یمامہ میں عقرباء کے میدان میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی سے تمام عرب میں دھاک بیٹھ گئی تھی اور مخالفین بہت مرعوب ہو گئے تھے۔

بحرین کی فتح سے مسلمانوں کا خلیج فارس تک اثر و رسوخ قائم ہو گیا اور عراق و ایران کی فتح کا دروازہ کھل گیا۔

اہل عمان کا ارتداد :

لقیط بن مالک الازدی نے عمان میں دعویٰ نبوت کر کے عمان پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عکرمہ کو خط لکھا کہ عمان جا کر حذیفہ اور عرفجہ کی امداد کرو عمان سے فارغ ہو کر مہرہ جانا اور وہاں سے یمن جا کر حضر موت کی

کارروائیوں میں مہاجرین ابی امیہ کے ساتھ رہنا اور اچھی کارروائی دکھانا۔ جو میری خوشنودی کا باعث ہو۔ لقیط بن مالک نے دبا میں اپنا پڑاؤ ڈالا جیفر اور عباد نے حماد میں آکر پڑاؤ ڈالا۔ حذیفہ عرفجہ اور عکرمہ بھی حماد پہنچ گئے۔

دبا کا معرکہ :

یہ مقام معر کے علاقہ میں ایک بڑی منڈی ہے یہاں بڑی شدید اور خونریز جنگ ہوئی۔ لقیط کو شکست فاش ہوئی اس کے دس ہزار مشرک مارے گئے۔ بے شمار مال غنیمت لونڈیاں اور غلام ہاتھ آئے اور عمان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور دبا کی پوری منڈی کو بطور مال غنیمت قبضہ میں کر لیا گیا۔ عرفجہ خمس لے کر مدینہ چلا گیا۔ حذیفہ عمان کے امیر بن کر وہاں ٹھر گئے۔ عکرمہ اپنا لشکر لے کر مہرہ روانہ ہو گیا۔

مہرہ کا معرکہ :

مہرہ میں مشرکین کے دو گروہ تھے ایک کے سردار شخریت اور دوسرا مصبح عکرمہ کی دعوت پر شخریت اسلام میں داخل ہو گیا اور مصبح کی شخریت سے شدید دشمنی تھی اب وہ اور بھی مسلمانوں کا دشمن ہو گیا چنانچہ مسلمانوں اور مصبح کی فوج کے درمیان انتہائی شدید جنگ ہوئی جو دبا سے بھی زیادہ خونریز تھی ان کا سردار مصبح مارا گیا اور مشرک فوج کا بے دریغ قتل عام ہوا۔ بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جن میں دو ہزار اونٹنیاں بھی شامل تھیں عکرمہ نے خمس نکال کر بقایا تمام مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ شخریت کے ساتھ مدینہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ عکرمہ نے اس تمام علاقہ کے منحرفین کو دوبارہ اسلام میں داخل کر لیا۔ اس خوشخبری پر حضرت ابو بکرؓ بہت خوش ہوئے۔

اہل یمن کی دوسری بغاوت :

حضرت ابو بکرؓ نے یمن کے سرداروں کے نام خطوط لکھے کہ میں 1- فیروز دازویہ کو یمن کا والی مقرر کرتا ہوں تم ان کے حکم کی اطاعت کرو۔
2- ابناء کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ پر امداد کرو۔

اسود عنسی کے قتل میں فیروز دازویہ جشیش اور قیس شامل تھے مگر جب حضرت ابو بکرؓ نے فیروز کو یمن کا امیر مقرر کر دیا تو قیس حسد کی وجہ سے ابناء کا دشمن ہو گیا اور ان کے استیصال کے لئے سازش کرنے لگا۔ پہلے اس نے ذی الکلاع کو اس سازش میں شامل کرنے کی کوشش کی مگر ذی الکلاع نے انکار کر دیا پھر قیس نے عنسی کی جماعت کے ساتھ ابناء کے خاتمے کے لئے خفیہ بات چیت مکمل کر لی اور ان کو صنعاء پر حملہ کی ترغیب دی وہ تیار ہو گئے اور صنعا کے باہر آکر خیمہ زن ہو گئے اب قیس نے فیروز دازویہ اور جشیش کو اپنے گھر کھانے پر بلایا تا کہ اسود عنسی کے لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پروگرام طے کیا جائے۔

قیس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ابناء کو یمن سے خارج کرنے کا یہ پروگرام بنایا کہ ابناء کے تین حصے کئے ایک

حصہ کو اپنے پاس صنعا میں رہنے دیا۔ فیروز کے ساتھیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کچھ کو خشکی کے راستہ عدن بھیج دیا تاکہ وہ سمندر کے راستے اور کچھ خشکی کی راہ اپنے اصل وطن چلے جائیں۔

فیروز نے بنی عقیل اور قبیلہ عک سے قیس کے ظلم کے خلاف مدد کی اپیل کی۔ ان دونوں نے فیروز کی امداد کی اور ابناء کے بال بچوں اور مرد عورتوں کو قیس کے آدمیوں کے ظلم سے رہا کروایا اور اپنے پاس لے گئے۔ تاوقتیکہ قیس کا خاتمہ اور فیروز کا دوبارہ صنعاء یمن پر تسلط قائم ہو گیا۔ قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب جو مرتد ہو کر عنسی سے مل گئے تھے اب خود ان میں دشمنی پیدا ہو گئی اور شعروں میں ایک دوسرے کی ہجو اور الزام تراشی کرنے لگے۔

مہاجر بن ابی امیہ نے عمر بن معدیکرب کو جو خود ان کے پاس آئے اور امان طلب کی۔ انہوں نے قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدیکرب کو مدینہ ابو بکرؓ کے پاس گرفتار کر کے بھیج دیا حضرت ابو بکرؓ نے عمرو بن معدیکرب کو سرزنش کر کے معاف کر دیا جو تائب ہو کر لشکر اسلام میں عراق اور شام میں شاندار خدمات سرانجام دیتا رہا۔

قیس بن عبد یغوث نے اقدام جرائم سے انکار کیا اور دازویہ کے قتل میں اس کے خلاف کوئی شہادت نہ تھی اس لئے اسے معاف کر دیا اور واپس بھیج دیا۔

حالات حضر موت :

حضرت ابو بکرؓ نے مہاجر بن امیہ کو حضورؐ کے حکم پر کندہ پر امیر بنایا تھا۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی ابو بکرؓ نے اس کی کندہ کی امارت کو قائم رکھا۔ کندہ میں حضرت زیاد اور عکاشہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ مہاجر بن امیہ صنعا آگئے پھر حضرت ابو بکرؓ نے حکم بھیجا کہ مہاجر اور عکرمہ حضر موت جائیں۔ زیاد کی امداد کے لئے عبید اللہ بن سعد کو بھیج دیا مہاجر صنعا سے اور عکرمہ ابین سے حضر موت آئے اور مآرب پر دونوں مل گئے۔ اور اسود اور وائل کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

اونٹنی کا تنازعہ اور ہزاروں کا قتل :

بنی کندہ اور بنی حضرمی قبیلوں کے درمیان زکوۃ اور صدقات کو حضرت زیاد بن لبید کے پاس پہنچانے کے لئے اختلاف پیدا ہو گیا تو حضرت زیاد خود بنی عمرو بن معاویہ کے صدقات وصول کرنے کے لئے ریاض کے مقام پر آئے۔ جہاں وہ مقیم تھے وہاں زیاد کو ایک لڑکا شیطان بن حجر نظر آیا۔ زیاد نے اس کے اونٹوں کے گلے سے ایک جوان اونٹنی اپنی پسند کی منتخب کر کے حاصل کر لی اور اس پر زکوۃ کا نشان داغ دیا۔ یہ اونٹنی شیطان کے بھائی عداء بن حجر کی تھی جس پر صدقہ واجب نہ تھا۔ عداء نے زیاد سے کہا کہ یہ اونٹنی میری ہے جس کا نام شذرہ ہے شیطان نے کہا یہ اونٹنی میرے بھائی کی ہے وہ سچ کہتا ہے لہذا یہ اونٹنی چھوڑ دیں اور میرے گلے سے کوئی اور اونٹنی لے لیں زیاد نے خیال کیا کہ یہ لڑکا جھوٹ بولتا ہے اور اس سے کہا کہ تم اسلام سے منحرف ہو کر کافر ہو گئے ہو اس تنازعہ سے ایک ایسا فتنہ پیدا ہو گیا کہ ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

زیاد نے کہا کہ اب اس پر صدقہ کا نشان لگ چکا ہے۔اب تم کو واپس نہیں مل سکتی۔دونوں فریق غصہ میں آگئے عداء نے اپنے اہل قبیلہ سے امداد طلب کی کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے میری امداد کرو۔ ریاض میں آل عمر تھے ان کا سردار ابو الحیط اپنے لوگوں کے ساتھ زیاد کے پاس آیا اور کہا کہ آپ عداء کی یہ اونٹنی چھوڑ دیں اور کوئی اپنی پسند کی اور اونٹنی لے لیں۔ یعنی اونٹ کے عوض اونٹ لے لیں زیاد نے اونٹنی اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کی مگر ابو الحیط نے مزاحمت کی زیاد نے حضر موت اور سکون کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ انہے پکڑلو۔انہوں نے ابو الحیط اور اسی کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا اور یرغمال بنا کر نظر بند کر دیا اور اونٹنی پر قبضہ کرلیا۔اب زیاد کے ساتھ حضر موت اور سکون کا لشکر تھا اور ادھر قبیلہ کے لوگ مدمقابل کھڑے ہو گئے ایک رات زیاد نے حضر موت اور سکون کے معاونین کے ساتھ شب خون مارا۔کچھ مخالف بھاگ گئے کچھ مارے گئے اور کچھ گرفتار ہو گئے اور حضر موت زیاد وہاں سے مال صدقات اور مال غنیمت لے کر واپس اپنے مقام ظفر آگئے۔ یہ بات خاص طور پر قابل افسوس ہے کہ حضرت زیاد حضر موت پر عامل تھے اور جن کے ساتھ انہوں نے تنازعہ کیا وہ بھی سب کے سب مسلمان تھے۔

لیکن زیاد کی ضد کی وجہ سے نہ صرف انسانی جانوں کا زیاں ہوا بلکہ اب وہ سب اسلام سے ہی منحرف ہو گئے۔ ہو معاویہ نے دیگر تمام قبائل کو ساتھ ملا کر زیاد کے مقابلہ پر ایک جمعیت تیار کرلی۔ بعض مخلص مسلمانوں نے دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جن میں شرجیل بن الحیط خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر ہو معاویہ رضامند نہ ہوئے اور شرجیل اور اس کا بیٹا زیاد بن بلید کے پاس آگئے شرجیل اور سکاسک سکون اور حضر موت کے بعض لوگوں نے زیاد کو مشورہ دیا کہ ہمارے قبیلوں سے بھی کچھ لوگ مخالفین سے جا ملے ہیں اور ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔لہذا ان پر شب خون مارا جائے۔ عمرو بن معاویہ کے بے شمار لوگ اور ان کے ساتھ قتل ہوئے کچھ گرفتار ہوئے اور مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔جب عمرو بن معاویہ کی عورتیں گرفتار ہو کر مدینہ جارہی تھیں تو راستے میں انہوں نے بنی الحارث کو دوہائی دی اور پکارا اے اشعث ہم تمہاری خالائیں ہیں اور اس طرح اسیر کر کے لے جارہی ہیں۔اشعث نے بنی الحارث کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے قافلہ پر حملہ کر کے ان اسیر عورتوں کو آزاد کرالیا۔

اب اشعث کو فکر ہوا کہ زیاد کو اس یورش کی خبر ہو گی تو وہ میرے خلاف حملہ کرے گا لہذا اس نے بنی الحارث بن معاویہ اور بنی عمرو بن معاویہ کے علاوہ دیگر قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا کر ایک بڑا لشکر تیار کرلیا اور حضر موت کے بعض قبائل بھی اس کے ساتھ مل گئے۔اب زیاد نے حضرت مہاجر بن امیہ کو اپنی امداد کے لئے بلایا۔ مہاجر جلد کندہ زیاد کی امداد کے لئے پہنچے۔اشعث ان منحرفین کا سردار تھا۔ زرقان کی گڑھی پر معرکہ آرائی ہوئی۔ کندہ کو شکست ہوئی اور انہوں نے بھاگ کر نجیر کے قلعہ میں پناہ لی۔

نجیر میں کندہ کے باغیوں کے ساتھ بہت سے سکاسک' سکون اور حضر موت کے باغی بھی شامل تھے۔ نجیر کو تین راستے جاتے تھے ان میں سے ایک پر زیاد نے دوسرے پر مہاجر نے قبضہ کرلیا مگر جب عکرمہ بھی وہاں پہنچ گیا تو انہوں نے تیسرے راستے پر قبضہ کرلیا اس طرح دشمن کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔ مہاجر نے ان کی باہر کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا وہاں قتل عام کیا۔بے شمار گرفتار ہوئے اور مال غنیمت اور غلام لونڈیاں ہاتھ آئے کندہ کے لوگ جو قلعہ نجیر میں محصور تھے

جب انہوں نے اپنی بستیوں کو اس ہولناک بربادی کی خبر سنی جن میں ان کے ہزاروں عزیز و اقارب مارے گئے تھے تو انہوں نے مرنے مارنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے دن وہ سر پر کفن باندھ کر قلعہ سے باہر نکلے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ زبردست جنگ ہوئی جس میں ہزاروں لوگ طرفین سے مارے گئے۔ اور کندہ کو شکست فاش ہوئی اور ان کی طاقت ختم ہو گئی۔

ادھر نجیر کے بقایا محصورین نے مسلمانوں کی شرائط پر صلح کی درخواست کی۔ اشعث نے عکرمہ سے امان طلب کی وجہ یہ تھی کہ اسماء بنت نعمان عکرمہ کے نکاح میں تھی۔ عکرمہ اشعث کو ہمراہ لے کر مہاجر کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اشعث اور اس کے خاندان کے دیگر افراد کو جان کی امان دیدی جائے وہ قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔ مہاجر مان گئے اشعث جن نو افراد کی فہرست بنا کر مہاجر کے پاس لایا اس میں اپنا نام شامل کرنا بھول گیا۔ مہاجر نے نو افراد کو جن کے نام فہرست میں تھے چھوڑ دیا اور اشعث کو گرفتار کر کے دیگر اسیران اور مال غنیمت کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ ادھر قلعہ کا دروازہ کھلتے ہی مسلمانوں نے قلعہ کے اندر تمام لوگوں کو قتل کر دیا جو عورتیں گرفتار ہوئیں ان کی تعداد ایک ہزار تھی ان سب کو مال غنیمت کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔

مدینہ میں اشعث نے حضرت ابو بکرؓ سے امان کی استدعا کی اور اپنی بیوی کی واپسی کی بھی درخواست کی۔ حضرت ابو بکرؓ کی بہن ام فردہ بنت ابو قحافہ کا نکاح آنحضرتؐ کے عہد میں اشعث سے ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اشعث کی تمام معروضات تسلیم کر لیں۔ اس کو امان دی تمام اسیران کو رہا کر دیا اور ام فردہ کا دوبارہ نکاح اشعث سے کر دیا اور اب وہ مدینہ میں رہنے لگا۔ فتح عراق تک مندرجہ بالا تمام واقعات مسلمان عامل کندہ حضرت زیاد کی اس اونٹنی کے معاملہ پر وقوع پذیر ہوئے۔ جس میں ہزاروں لوگ قتل و غارت ہوئے ورنہ وہ سب مسلمان تھے زکوۃ اور صدقات بھی ادا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مہاجر اور فیروز کو یمن کا عمال مقرر کیا عبیدہ بن سعد کو کندہ اور سکاسک پر اور زیاد بن لبید کو حضر موت پر عامل بنایا۔ 11ھ میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو قاضی مقرر فرمایا۔ اس سال حضرت ابو بکرؓ نے عتاب بن اسید یا عبد الرحمٰن بن عوف کو امیر الحج مقرر فرمایا۔

عظیم مجاہد مثنیٰ بن حارث شیبانی

حضرت ابو بکرؓ آئندہ اقدامات کے متعلق غور و فکر میں مشغول تھے کہ خبر ملی کہ ایک شخص مثنیٰ بن حارث شیبانی ایک قلیل فوج کے ساتھ پیش قدمی کر کے بحرین کے شمال میں دجلہ و فرات کے دھانے تک پہنچ چکا ہے اور ایرانی حکام اس کے آگے بے بس ہیں۔ ان خبروں کے پہنچنے کے بعد تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ وہ قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا ہے اور علاء بن الحضرمی کے ساتھ مل کر مرتدین کے ساتھ جنگ کر چکا ہے۔ مثنیٰ اپنے عسکری دستہ کا سردار تھا اور فتنہ ارتداد ختم کرنے میں اس نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس نے دجلہ و فرات کے ڈیلٹائی علاقہ کے عرب قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر ایرانی حکومت کے خلاف اور اسلامی حکومت کی حمایت کے لئے تیار کر لیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مثنیٰ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ بڑا بہادر اعلیٰ حسب و نسب اور عزت و شہرت کا مالک اپنے قبیلہ کا سردار ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو ایرانی حکومت کی کمزوری رومیوں سے شکست ان کے اندرونی انتشار اور زوال و انحطاط کا علم ہو چکا تھا پورا یمن ان کے قبضے سے نکل چکا تھا اور باذان کی قیادت میں عموماً اسلام قبول کر چکا تھا۔ تخت ایرانی پر قبضہ کرنے کے لئے ایرانی امراء میں جنگ و جدل جاری تھی اور چار سال میں نو باد شاہ قتل ہو چکے تھے اور ایران کے ارباب حل و عقد سازشوں اور اقتدار کی جنگ میں مصروف تھے اسی اثناء میں حضرت مثنیٰ نے خود مدینہ آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حالات بیان کئے اور یقین دلایا کہ عراق مین مسلمانوں کی کامیابی اور فتح و نصرت کے روشن امکان ہیں۔ مثنیٰ نے یہ بھی بیان کیا کہ دجلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ انتہائی زرخیز اور حسین قدرتی مناظر کے لحاظ سے شام سے کم نہیں۔ یہ علاقہ تاریخی لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے یہاں عالی شان حکومتیں قائم ہوئیں تہذیب و تمدن نے بے مثال ترقی کی اور عظیم الشان انبیاء پیدا ہوئے۔ جن میں حضرت نوحؑ حضرت ابراہیم علیہ اسلام خاص طور پر ممتاز ہیں۔ عراق تاریخ عالم میں مصر کے بعد دوسرا سب سے بڑا تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ موجودہ حالات میں اس کو فتح کرنا اور یہاں اسلام کی اشاعت بالکل یقینی ہے۔ جب مثنیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے تمام صورت حال بیان کی تو حضرت ابو بکرؓ وہاں اسلامی فوجیں بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔ آپ نے کبار صحابہ اور خالد بن ولیدؓ سے بھی مشورہ کیا جو اس وقت جنگ یمامہ سے فارغ ہو کر اپنی دونوں بیویوں لیلیٰ ام تمیم اور بنت مجاعہ کے ہمراہ یمامہ میں ہی مقیم تھے۔ تمام صحابہ نے مثنیٰ کے بیان کردہ حقائق پر غور و فکر کیا اور فتح عراق کے ان کے منصوبہ کی منظوری دیدی۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت مثنیٰ کی خواہش پر ان کو اپنی وہاں کی فوج کا سردار مقرر کر دیا۔ اپنی پیش قدمی جاری رکھنے کی اجازت دی اور مدینہ سے ان کی امداد کے لئے مجاہدین کے لشکر بھیجنے کا یقین دلایا۔ مثنیٰ نے یہ بھی بتایا کہ جو عرب قبائل دجلہ و فرات کے ڈیلٹائی علاقہ

میں آباد ہیں وہ زیادہ تر کاشتکار ہیں اور ایرانی زمینداروں کے مزارعین ہیں جو رات دن سخت محنت و مشقت کر کے فصل تیار کرتے ہیں۔ تو زمیندار تمام غلہ وغیرہ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور وہ غریب کاشتکار اپنی محنت سے محروم رہتے ہیں۔ اور ان کو صرف خیرات کے طور پر تھوڑا سا حصہ دے دیا جاتا ہے۔ اور اس استحصال کی وجہ سے عرب مزارعین ایرانی زمینداروں کے شدید خلاف ہیں۔ اس لئے جب اسلامی فوجوں کا ایرانیوں سے مقابلہ ہو گا تو یہ عرب مسلمان عربوں کا ساتھ دیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مثنیٰ کو اپنے قبیلہ کا امیر مقرر کر کے ایران پر حملہ کی اجازت دے دی۔ اس پر مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو ہمراہ لے کر ایک نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا اس نے دریائے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقہ میں فتوحات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ جب یہ خبریں حضرت ابو بکرؓ کو پہنچی تو آپ نے اس کو کمک بھیجنے کا فیصلہ کر لیا اور خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ عراق چلے جائیں اور ان کو عراقی لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ عراق کے عرب ایرانی زمینوں پر کام کرتے تھے اور فصل تیار ہونے پر پیداوار کا بیشتر حصہ خود لے جاتے تھے اور غریب عربوں پر بے حد ظلم کرتے اور ان کا استحصال کرتے تھے بلکہ غلاموں کا سا سلوک کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حکم دیا تھا کہ عرب کاشتکار کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کریں انہیں قتل کریں اور نہ ہی قیدی بنائیں۔ بلکہ زمین کی پیداوار ان کی ملکیت قرار دی جائے۔ صرف جزیہ وصول کریں اور انہیں اسلام کی تعلیم دیں اور یقین دلائیں کہ اسلام حقیقی عدل و انصاف' مساوات و اخوت اور آزادی و انسانیت کا درس دیتا ہے۔ جب خالد نے مرکز مدینہ سے مزید کمک طلب کی تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کی امداد کے لئے صرف اکیلے حضرت قعقاع بن عمرو تمیمی کو روانہ فرمایا اور کہا کہ جس لشکر میں قعقاع جیسا بہادر شامل ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔

خالد کے ساتھ دو ہزار مجاہدین موجود تھے قبائل مضر اور ربیعہ سے انہوں نے آٹھ ہزار جوانوں کو شامل کر لیا اس طرح وہ دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ عراق روانہ ہوئے۔ مثنیٰ کے پاس آٹھ ہزار فوج موجود تھی اس طرح عراق میں لڑنے والی اسلامی فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔

1- جنگ حضیر 12ھ :

خالد بن ولیدؓ نے پہلی جنگ عراق میں حضیر کے مقام پر لڑی عرب کے شمال میں رومی سلطنت شام' مصر اور فلسطین وغیرہ پر قابض تھی اور عرب کے مشرق میں عراق تھا جس پر ایرانی تسلط تھا اور عراق و شام کی سرحدیں دومتہ الجندل کے قریب آپس میں ملتی تھیں۔ روم اور ایران نے عربوں کی غارتگری اور لوٹ مار سے بچاؤ کے لئے اپنے ماتحت علاقوں میں عرب قبائل کی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ روم نے شام میں غسانی قبیلہ کی حکومت اور عراق میں ایران نے خاندان حمیر کی حکومت قائم کر رکھی تھی یہ دونوں قبائل کی حکومتیں اگرچہ نیم خود مختار تھیں مگر روم اور ایران کے ماتحت تھیں۔ تاکہ عرب بدو قبائل کی غارتگری اور لوٹ مار سے ان حکومتوں کا دفاع کریں اور امن و امان قائم رکھیں۔ غسانی عربوں نے عیسائیت اختیار کر رکھی تھی اور حمیری حکومت و قبائل کی اکثریت نے بھی مذہب عیسائی یا مجوسی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ کچھ بت پرست بھی تھے۔ حمیری حکومت حمیری یا لخمی حکومت کہلاتی تھی۔

ایرانی اور رومی حکمران اپنے اپنے علاقوں کے عربوں کو دبا کر رکھتے تھے ان کو آپس میں لڑانے کی پالیسی پر عمل کر کے ان میں قومی وحدت اور آزادی کا جذبہ پیدا ہونے نہ دیتے اور "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ ایران کو اسلام سے خاص عداوت کی یہ وجہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام میں داخل ہو کر عرب ایک منظم اور مضبوط طاقت بن جائیں گے جو ایرانی شہنشاہیت کے لئے ایک عظیم خطرہ تھا۔ عراق اور شام کے لوگوں کا جب اسلام سے مقابلہ ہوا تو روم اور ایران نے اپنے ماتحت حکمرانوں کی بھرپور امداد کی اور اس بنا پر جنگ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور اسلام کو مشرق و شمال یعنی ایران و روم کی حکومتوں کے ساتھ مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا کیونکہ ایران اور روم ان عرب حکومتوں کو اپنے اور عرب کے درمیان بفر سٹیٹ بنائے ہوئے تھے جو عربوں کے حملوں سے بچانے کے لئے ان کو تحفظ مہیا کرتے تھے اور نیم خود مختار باج گزار تھیں۔

جب مسلمانوں نے عراق اور شام پر حملہ کیا تو وہاں کے عربوں نے درپردہ اپنی حکومتوں کے خلاف ان کی ہر طرح سے امداد کی۔ مشہور جرمن مصنف وان کریمر رقمطراز ہے کہ "جو عرب عرصہ دراز سے شام اور عراق میں آباد تھے چونکہ یہ عرب مسلمانوں کے ہم نسل، ہم قوم اور ہم زبان تھے اس لئے انہوں نے حملہ آور عربوں کی مدد صرف چوری چھپے نہیں بلکہ علی الاعلان کی۔ ان عراقی اور شامی عربوں نے صرف جاسوسی کی خدمات سرانجام نہیں دیں بلکہ بسا اوقات میدان جنگ میں بھی ان کا ساتھ دیا"

جب مسلمانوں نے اپنی تنظیم اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر عظیم سیاسی طاقت حاصل کر لی تو ایرانیوں کی طرح رومیوں کو بھی اسلام سے شدید خطرہ لاحق ہو گیا اور وہ مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنانے لگے۔ مگر آنحضرتؐ کی زندگی میں جنگ موتہ اور غزوہ تبوک اور اسامہ کے جیش کے ذریعہ رومیوں کو اپنی طاقت اور قوت سے مرعوب کر دیا تاکہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات نہ کریں۔ سر ولیم مور لکھتا ہے کہ "حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ عمل (یعنی جیش اسامہ کی روانگی شام) انتہائی سیاسی اور دانشمندی پر مبنی تھا کیونکہ اس سے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دلوں پر اسلام کی سیاسی قوت و طاقت کی دھاک بیٹھ گئی۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان روم اور ایران دو طاقتور عالمی حکومتوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے جو نا صرف اسلام اور عرب قومیت کے لئے مستقل خطرہ ہونے کے علاوہ

فتوحات عراق

بعثت نبویؐ کے وقت ایران اور روم کی عظیم الشان حکومتیں اندرونی طور پر انتشار، خلفشار اور بدامنی میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ سیاسی استحکام اور عسکری قوت زوال پذیر تھی اور مملکتوں کا شیرازہ منتشر ہوتا نظر آ رہا تھا۔ دونوں طاقتوں کے درمیان تباہ کن جنگیں ہو چکی تھیں پہلی ایران اور روم جنگ میں ایرانی کامیاب ہوئے اور انہوں نے مصر و فلسطین و شام کا علاقہ رومیوں سے چھین لیا تھا مگر چند سال بعد رومیوں نے پورے جوش و جذبہ کے ساتھ تیاری کر کے ایرانیوں کو شکست فاش دی اور اپنے تمام علاقے جن پر ایران نے قبضہ کر لیا تھا واگزار کرا کے دوبارہ اپنی سلطنت میں شامل کر لئے اور صلیب مقدس جو ایرانی بیت

المقدس سے ایران لے گئے تھے واپس حاصل کرلی گئی۔ جو ان کی شاندار فتح کی نشانی تھی۔ آنحضرتؐ اور مسلمانوں پر واضح ہو چکا تھا کہ اب روم اور ایران کی عظیم سلطنتیں زوال پذیر ہیں۔ باہمی نفاق اور انتشار میں مبتلا ہیں۔ ہوس اقتدار کی جنگ نے ان کو مکمل طور پر تباہی کے کنارے پہنچادیا ہے اور قانون فطرت کے مطابق اب ان کا زوال لازمی ہے۔ اب عربوں کے دلوں سے ایرانیوں اور رومیوں کا رعب و دبدبہ جاتا رہا تھا رسول اللہؐ کے ذریعے جب متحدہ طور پر پورا عرب اسلام کے جھنڈے تلے مرکزی مملکت مدینہ کے زیر تسلط آگیا تو ان کے دلوں سے ان دونوں ہمسایہ حکومتوں کی وقعت ختم ہو گئی اور ان میں جزیرہ نمائے عرب کو ان سلطنتوں کے اثر و نفوذ اور غلبہ سے نجات دلانے کے لئے بیداری پیدا ہو گئی۔ چنانچہ پہلے یمن ایران کے تسلط سے آزاد ہوا اور ادھر شام کی حدود پر بسنے والے عرب قبائل میں بھی رومیوں سے مکمل آزادی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ الغرض تاریخ کے اس موڑ پر قانون فطرت کے مطابق ایرانیوں اور رومیوں کے زوال اور عربوں کے عروج و ترقی کے دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیاسی حکمت عملی روم اور ایران کے زیر تسلط عرب قبائل کو کسی نہ کسی طرح دائرہ اسلام میں داخل کر کے مملکت مدینہ میں شامل کرنا تھا۔ تاکہ اسلام جو ایک عالمگیر مذہب ہے اسے تمام دنیا میں پھیلنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔ چنانچہ منشائے ایزدی اور حضرت ابو بکرؓ اور دیگر کبار صحابہ کی خواہشات' عملی جدوجہد اور عدیم المثال عزم و ہمت' ایثار و قربانی شجاعت و بہادری' تدبر و حکمت' اطاعت امیر اور اتحاد و استحکام کی وجہ سے ان کا یہ خواب چند ہی سال میں شرمندہ تعبیر ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں آغاز اور فاروق اعظمؓ کے عہد میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا اور پھر بنی اُمیہ کے دور میں مسلمان عرب سے نکل کر تمام دنیا پر چھا گئے۔ اسلام بھی پھیل گیا اور دنیا کی واحد سپر پاور بھی بن گئے۔

End

حضرت ابو بکرؓ نے 11ھ میں منکرین زکوۃ جھوٹے مدعیان نبوت اور منحرفین اسلام کے فتنہ و فساد اور بغاوت کو کچل کر اپنی پوری توجہ مملکت مدینہ کے اندرونی استحکام امن و آمان کے قیام اسلام کی تعلیمات پر پوری طرح عمل اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے اہتمام کے ساتھ عربوں کے اتحاد و تنظیم ان میں بے پناہ قوت و طاقت اور تسخیر عالم کا جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ اپنے بلند عزائم اور فتوحات و وسعت حدود اسلامی کے متعلق غور و فکر اور سوچ بچار کر رہے تھے کہ تائید ایزدی سے ایک مرد مجاہد مثنی بن حارث شیبانی عراق میں اپنی شجاعت اور شاندار کامیابی کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے آئے۔ یہ سب حکمت خداوندی کے تحت ہوا۔ اسلام کے عالمی سطح پر تبلیغ و اشاعت کے لئے سد سکندری تھے لہذا ان دونوں سپر پاورز کے خاتمہ کے بغیر اسلام کا پیغام دیگر ممالک اور غیر عرب قوموں تک پہنچانا ممکن تھا اور نہ ہی عرب قومیت مستحکم اور مضبوط ہو سکتی تھی اور نہ ہی عراق و شام کے عرب قبائل کو ان سامراجی طاقتوں سے آزادی اور نجات مل سکتی تھی۔ اگرچہ عرب فطرتاً آزادی پسند' جنگجو' اور بہادر تھے مگر اسلام نے ان کے یہ ذاتی جوہر اسلامی تعلیمات کے مطابق نظم و ضبط' اطاعت امیر' جوش جہاد اور شوق شہادت کے جذبات کے تحت مظلوم و محکوم قوموں کی آزادی عدل و انصاف' مساوات انسانی' اخوت اسلامی' امن و سلامتی' محبت و رواداری' انسانی دوستی اور انسانیت کی خدمت کے لئے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو دین اسلام کے بنیادی اصول قرار دے کر ان پر عمل پیرا ہونے کی خاطر ان دونوں طاغوتی طاقتوں سے ان کے محکوم و مظلوم عوام کی آزادی اور

دعوت اسلام کے لئے سر بکف میدان عمل میں کود پڑے تھے۔ اپنی بہترین باصلاحیت، مخلص اور بلند سیرت و کردار کی حامل قیادت کی رہنمائی میں اپنے سے کئی گناہ زیادہ مسلح اور تربیت یافتہ افواج کو میدان جنگ میں ذلت آمیز شکست دے کر دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ درحقیقت اسلام کی آفاقی تعلیم نے صدیوں سے پس ماندہ اور محکوم عربوں میں آزادی و تسخیر کا جوش و جذبہ پیدا کر دیا تھا جس کا مقابلہ ایران و روم کی عزیم الشان فرسودہ اور زوال پذیر قومیں جو اپنے ملکوں کے اندر ہوس اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھیں چنانچہ سیاسی عدم استحکام' ایثار اور اخلاقی اقدار کا فقدان ان کی تاریخی شکست کا باعث ہوا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ تاریخ اسلام کے عدیم المثال فاتح سپہ سالار

خالد بن ولیدؓ سیف اللہ 17ھ کو فوج سے فارغ کئے گئے آپ تاریخ اسلام کی عظیم ترین عسکری شخصیت ہیں آپ کا اسم گرامی خالد بن ولیدؓ کنیت ابو سلیمان اور خطاب سیف اللہ تھا۔ آپ مکہ میں 603ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ولید اور قبیلہ مخزوم قریش تھا۔ شجرۂ نسب خالد بن ولیدؓ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن تیم بن کلاب بن مرہ بن کعب تھا۔ حضرت خالد کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں جناب رسول اللہؐ۔ جناب ابو بکرؓ اور جناب عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔ خالد بن ولیدؓ کی والدہ کا نام لبابۂ صغریٰ بنت الحارث آپ حضرت ام الفضل لبابۃ الکبریٰ زوجہ حضرت عباسؓ' حضرت سلمیٰ بنت عمیس زوجہ حضرت حمزہؓ اور ام المومنین حضرت میمونہ سب حقیقی بہنیں تھیں اس کے علاوہ حضرت خالد کو جناب رسول اللہؐ سے اور بھی گہری رشتہ داریاں تھی حضرت خالد کو ان کی خالہ حضرت میمونہ نے پالا تھا اور آپ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت میمونہ سے نکاح کر لیا تو خالد کے جلد اسلام لانے کی ایک یہ بھی وجہ تھی اور آنحضرتؐ کی یہ بھی ایک سیاسی حکمت عملی تھی کیونکہ حضرت عمرؓ کی طرح حضرت خالد کے بھی حضورؐ اسلام قبول کرنے کے بڑے خواہشمند تھے۔

حضرت خالد بچپن ہی سے بڑے ہونہار ہوشیار' ذہین اور قابل تھے بڑے ہوئے تو تیر اندازی نیزہ بازی گھڑ سواری شمشیر زنی' پہلوانی اور حرب وضرب سب ہنر سیکھ لئے تھے اور جلد ہی آپ کا شمار عرب کے نامور پہلوانوں' بہادروں اور جنگجوؤں میں ہونے لگا۔ آپ کے والد ولید بن مغیرہ مکہ کے سب سے بڑے مالدار تاجر اور باوقار سردار تھے مکہ سے طائف تک ان کی زمینیں اور باغات تھے۔ مکہ کے شہری نظام میں ان کو عسکریت کا منصب حاصل تھا یعنی قریش کا دفاع اور جنگوں میں شمولیت اسلحہ اور رسد وغیرہ کی فراہمی ان کا اعزاز تھا۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد ولید بن مغیرہ آنحضرتؐ کے شدید ترین دشمنوں میں شامل تھا۔ قرآن حکیم میں بھی اولاد اور مال کو کثرت کی بنا پر اسلام کی مخالفت کے متعلق جو ذکر آیا ہے وہ اسی ولید بن مغیرہ کے متعلق ہے۔

خالد بن ولیدؓ بھی ابتدا میں اسلام کا شدید مخالف تھا 3ھ میں جنگ احد میں مسلمانوں کی فتح اس نے شکست میں بدل دی۔ معاہدہ حدیبیہ میں بھی قریش کے رسالہ کے سپہ سالار یہی تھے۔ جنگی مہارت میں پورے عرب میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

خالد کے اسلام لانے کے وجوہات:

خالد کے بھائی ولید بن ولید اسلام لا چکے تھے۔ اس نے عمرہ قضا کے موقعہ پر خالد کو آنحضرتؐ کی اس شدید خواہش کا اظہار پہنچایا کہ خالد کو مشرف بہ اسلام ہو جانا چاہئے۔ اسلام کو اس کی خداداد صلاحیتوں سے بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب خالد کی خالہ حضرت میمونہ سے نکاح کر لیا تو اس کا بھی خالد کے اسلام لانے پر اثر پڑا کیونکہ حضرت میمونہ نے ہی خالد کو پرورش کی تھی اور اس سے بڑی محبت تھی چنانچہ خالد بن ولیدؓ نے گہرے غور و فکر کے بعد اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور چند ماہ بعد میں حضرت خالد عثمان بن طلحہ اور حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ مدینہ میں مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے پہنچ گئے۔ جب آنحضرتؐ نے ان کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ''قریش نے اپنے جگر کے ٹکرے ہماری طرف پھینک دیئے ہیں'' چنانچہ ان تینوں نے بیک وقت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔

1- جنگ موتہ 8ھ آنحضرتؐ نے حارث بن عمیر ازدی کو دعوت اسلام کا خط دے کر حاکم بصرہ شرجیل بن عمرو غسانی کے پاس بھیجا۔ مگر اس نے حضرت حارثؓ کو شہید کرا دیا۔ آنحضرتؐ نے اس کا انتقام لینے کے لئے تین ہزار مجاہدین کا لشکر حضرت زید بن حارثؓ کی سپہ سالاری میں موتہ ارسال کیا قیصر روم بھی اس وقت وہاں موجود تھا رومی اور عرب لشکر کی تعداد دو لاکھ تھی رومیوں کی بے پناہ تعداد اور اسلحہ وغیرہ کی وجہ سے مسلمانوں کے تین بہترین سالار حضرت زید بن حارثؓ جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے حضرت خالد پہلی بار کسی مہم پر گئے تھے۔ تمام مجاہدین نے خالد سے کہا کہ آپ قیادت سنبھالیں چنانچہ خالد نے اپنی شجاعت بہادری اور جنگی مہارت کی وجہ سے رومیوں کو بے دریغ قتل کیا اور خالد کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور بے شمار رومی قتل ہوئے آخر حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے خالد اپنی جرات و بہادری اور جنگی حکمت عملی سے اپنی تمام فوج کو واپس مدینہ لانے میں کامیاب ہو گئے۔

آنحضرتؐ خالد کی عسکری صلاحیتوں اور شجاعت و بہادری پر بے حد خوش ہوئے اور خالد کو ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا یہ حضرت خالد بن ولید کا اسلام میں پہلا عظیم کارنامہ تھا۔

2- فتح مکہ 8ھ آنحضرتؐ نے دس ہزار مجاہدین کے لشکر کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا ایک لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے اور آنحضرتؐ کی حکمت عملی سے مکہ بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا۔

3- جنگ حنین 8ھ جنگ حنین پر آنحضرت نے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ حملہ کیا خالد بن ولید مقدمۃ الجیش کے سالار تھے اور بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔

4- محاصرہ طائف 8ھ خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کر لیا اور جنگی مصلحت کے تحت بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا۔

5- غزوہ تبوک 9ھ آنحضرتؐ نے شام میں جا کر رومیوں کے مقابلہ کے لئے غزوہ تبوک پر حملہ کیا۔ خالد بن ولید نے اس میں ایک ہزار مجاہدین کے دستہ کے ساتھ دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو گرفتار کر کے حضورؐ کے پاس پیش کر دیا جس نے بہت سامال غنیمت دیا اور آئندہ جزیہ دینے پر ماتحت ہو گیا۔

6-غزہ بت کی تباہی 25 رمضان ہے حضرت خالد کے ہاتھ سے بت عزیٰ کو تباہ کیا گیا۔ 10ھ میں آنحضرتؐ حضرت علیؓ اور خالد بن ولید کو ایک ایک دستہ دے کر یمن کے مشرقی اور مغربی جانب روانہ کیا جس میں دونوں کامیاب لوٹے آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں حضرت خالد بن ولید نے شاندار کارنامے سرانجام دئے اور آپ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے خالد بن ولید کو اپنی تمام فوجوں کا سپہ سالار مقرر کر دیا حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولید نے مندرجہ ذیل فتوحات حاصل کیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت کے ابتدا میں ہی منکرین زکوۃ منحرفین اسلام جھوٹے مدعیان نبوت کی وجہ سے تمام عرب میں بغاوت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو آپ نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے گیارہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور بڑے لشکر کی قیادت حضرت خالد کے سپرد کی۔ خالد نے تمام عہد صدیقی میں وہ بے مثال کارہائے نمایاں سرانجام دئے کہ بلا مبالغہ خالد تاریخ اسلام کے عظیم ترین سپہ سالار ماہر حرب وضرب شجاع اور بہادر تسلیم کئے گئے۔ آپ کی فتوحات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ جناب صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت کی ابتدا میں ہی تمام ملک میں فتنہ وفساد اور بغاوت پیدا ہو گئی۔ منکرین زکوۃ جو مدینہ کے قریب قبائل تھے انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بعض جھوٹے مدعیان نبوت نے نبوت کا دعوے کر دیا ان میں مسیلمہ بن حبیب یمامہ میں طلحہ بن خویلد نے نجد میں 'اسود عنسی نے یمن میں 'شجاع نے جزیرہ میں 'اولقیط نے عدن میں۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو سپہ سالار مقرر کر کے تمام محاذوں کی کمان ان کے سپرد کر دی آپ نے ایک سال کے اندر اندر تمام مخالفین اور باغیوں کو کچل دیا اور مملکت مدینہ میں مکمل امن وامان قائم کر دیا یہ نہ صرف صدیق اکبرؓ بلکہ خالد کی بھی عدیم المثال کامیابی تھی۔ مخالفتوں کا مکمل استیصال کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولید کو ایران کے خلاف عراق عرب کو آزاد کرانے کے لئے عراق پر لشکر کشی کا حکم دیدیا۔ خالد نے مختصر سے لشکر کے ساتھ ایران کی بڑی بڑی فوجوں کو زبردست شکستوں کے بعد تمام عراق کے بڑے بڑے شہروں پر اسلامی پرچم لہرادیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا اور عراق مکمل طور پر فتح ہو گیا۔

جنگ بزاخہ 11ھ :

طلیحہ بن خویلد اسدی نے بھی دعوئی نبوت کیا تھا۔ اس کے اپنے قبیلہ اسد کے علاوہ قبیلہ غطفان' سلیم اور قبائل عبس' ذبیان اور بوبکر وغیرہ کے کچھ لوگوں نے بھی اس کو نبی تسلیم کر لیا تھا اور وہ ایک کثیر لشکر تیار کر کے بزاخہ کے مقام پر حضرت خالد بن ولید سے نبرد آزما ہوا۔ بڑی شدید جنگ ہوئی مگر طلیحہ کے لشکر کو شکست فاش ہوئی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ گیا اور اس کے ساتھی بھی فرار ہو گئے۔ خالد کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔

مالک بن نویرہ کا قتل :

خالد بن ولید نے جو فوجی دستے نواحی علاقوں میں منکرین زکوۃ کی سرکوبی کے لئے بھیجے تھے ان میں سے ایک دستہ اس

علاقہ کے مشہور سردار مالک بن نویرہ کو بھی گرفتار کر کے خالد کے پاس لایا اس کی بیوی بھی اس کے ہمراہ تھی خالد اور مالک کے درمیان تکرار ہو گئی۔ مالک بن نویرہ کا اصرار تھا کہ ہم مسلمان ہیں تمام ارکان اسلام کے پابند ہیں مگر ہم اپنی زکوۃ مدینہ بھیجنے کی بجائے اپنے قبیلہ کے مستحق لوگوں میں تقسیم کریں گے۔ مگر خالد کا مطالبہ تھا کہ زکوۃ مدینہ بیت المال میں جمع کراؤ۔ اس جھگڑے میں خالد نے مالک بن نبیرہ کو قتل کرا دیا۔ اور اس دن اس کی حسین و جمیل بیوی لیلی ام تمیم سے نکاح کر لیا۔ خالد پر الزام لگایا گیا کہ اس نے صرف اس کی خوبصورت بیوی کو حاصل کرنے کے لئے اس کو قتل کرایا۔ طبری سے روایت ہے کہ ابو قتادہ انصاری جو ایک جید صحابی تھا اور مالک کی گرفتاری اور اس قتل کے واقعہ کا عینی شاہد تھا اس کا بیان ہے کہ مالک بن نویرہ مسلمان تھا اور خالد بن ولید نے صرف اس کی بیوی کو حاصل کرنے کے لئے اس کو قتل کیا۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ خالد نے ایک بے گناہ مسلمان کو صرف اس کی بیوی پر تصرف حاصل کرنے کے لئے قتل کیا ہے۔ لہذا خالد بن ولید کو گرفتار کر کے ان پر شریعت کے مطابق مقدمہ چلایا جائے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے مطالبہ کو تسلیم نہ کیا اور خالد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ ہر انسان سے غلطی اور گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کا خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ ہم یہ معاملہ اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ اس حقیقت کو جانتا ہے اور جزا و سزا اس کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے خالد بن ولیدؓ کے واقعہ کو فراموش نہ کیا اور جب وہ بطور خلیفہ بر سر اقتدار آئے تو انہوں نے خالد بن ولید کو معاف نہ کیا۔

جنگ یمامہ 11ھ :

یمامہ کے سردار سلمہ بن حبیب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حکم سے خالد بن ولید نے بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کے ساتھ مسیلمہ پر حملہ کیا۔ سلمہ بن حبیب کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ خالد کو بنو حنیفہ یعنی سلمہ بن حنیف کا ایک افسر مجاعہ بن سرارہ مل گیا جس سے بڑی اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ سلمہ نے اپنا لشکر عقرباء کے مقام پر جمع کیا۔ خالد بن ولید کی فوج بارہ ہزار اور مسیلمہ کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ سلمہ مارا گیا اور اس کی فوج کچھ قتل ہوئی اور کچھ بھاگ گئی اور خالد کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

عراق عرب میں خالد بن ولید کی شاندار فتوحات :

عام لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اب جزیرہ عرب میں صرف مملکت مدینہ یعنی حضرت ابو بکرؓ کی ہمیشہ حکمرانی ہو گی اور آئندہ کسی کو بغاوت کرنے کی جرات نہ ہو گی۔ مگر عام لوگوں کے برعکس حضرت ابو بکرؓ کو خطرہ تھا کہ بغاوت کے شعلے پھر نہ بھڑک اٹھیں اور پھر عرب میں بدامنی اور انتشار نہ پیدا ہو جائے اس لئے مناسب ہو گا کہ عربوں کی توجہ عراق اور شام کی طرف مبذول کروا دی جائے اور عرب عوام و خواص تبلیغ اسلام اور مال غنیمت کے لالچ میں عراق اور شام میں جہاد میں مصروف کر دیے جائیں چنانچہ آپ کی یہ سیاسی حکمت عملی بہت کامیاب ثابت ہوئی اور اس جہادی سیاست کے تمام مقاصد

پورے ہو گئے۔ مملکت مدینہ کو سیاسی استحکام حاصل ہوا اور ایران و شام میں فتوحات کا آغاز ہو گیا اور عوام کی معاشی حالت میں انقلاب آ گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص مثنیٰ بن حارث شیبانی ایک قلیل فوج کے ساتھ ایرانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دجلہ و فرات کے دہانے تک پہنچ چکا ہے اور ایرانی اس کے مقابلہ پر بے بس ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ مثنیٰ بن حارث کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ اعلیٰ حسب و نسب اور عزت و وقار کا مالک اپنے قبیلہ کا سردار قابل اعتماد شخص ہے۔ اس اثناء میں مثنیٰ بن حارث شیبانی خود مدینہ میں حضرت ابو بکرؓ سے ملنے کے لئے آ گئے اور عراق ایران کے تمام حالات بتائے اور یہ بھی یقین دلایا کہ دجلہ و فرات کے درمیان کا علاقہ انتہائی زرخیز ہے وہاں عربوں کی اکثریت ہے جو ایرانیوں سے شدید نفرت کرتے ہیں مثنیٰ سے تمام حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ اس علاقہ میں مسلمان فوجیں بھیجنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ کے اہل الرائے اصحاب کو بلا کر مثنیٰ کی تجاویز پیش کیں اور حضرت خالد بن ولید کو یمامہ سے بلا کر اس سے عراق جانے کے متعلق معلوم کیا۔ خالد بن ولید عراق جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

خالد بن ولید دو ہزار مجاہدین کے ساتھ عراق روانہ ہوئے۔ قبائل مضر اور ربیعہ سے انہوں نے آٹھ ہزار مجاہدین کو ساتھ ملا لیا اب ان کی فوج کی تعداد دس ہزار ہو گئی تھی مثنیٰ بن حارث کے ساتھ آٹھ ہزار فوج تھی اس طرح خالد بن ولید کے تحت عراق میں لڑنے والی فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔

1- ابلہ کی جنگ : حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو ہدایت کی تھی کہ عراق میں جنگ ابلہ سے شروع کریں۔ ابلہ خلیج فارس پر ایک بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ سندھ اور دوسرے ملکوں اور شہروں سے تجارتی قافلے یہاں آتے تھے۔

2- جنگ حفیر یا جنگ سلاسل 12ھ : خالد بن ولید اپنی فوج کے ساتھ حفیر پہنچ گئے اور ہرمز کو خط لکھا کہ ہماری تین شرائط ہیں اگر چاہو تو منظور کر لو۔ اول یہ کہ اسلام قبول کر لو تمہارے اور ہمارے حقوق و فرائض برابر ہوں گے اور ہم بغیر لڑے واپس چلے جائیں گے دوسری یہ کہ ہماری اطاعت قبول کرو اور جزیہ ادا کرو۔ تیسری شرط پھر جنگ ہے۔ جب ہرمز کو خط ملا تو اس نے شہنشاہ اردشیر کو اطلاع دی اور خود لشکر لے کر خالد کے مقابلہ پر حفیر پہنچ گیا۔ خالد بھی اپنی فوج کے ساتھ حفیر پہنچ گیا۔ ہرمز کے میمنہ اور میسرہ پر دو شہزادے قباذ اور انوشجان متعین تھے۔ جنگ شروع ہوئی اور ہرمز خود میدان میں آیا۔ اس کے مقابلہ پر خالد بن ولید خود آیا دونوں میں کچھ دیر مقابلہ ہوا۔ آخر خالد نے ہرمز کو قتل کیا اور اس کی فوج بھی شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ مثنیٰ اور قعقاع بن عمرو نے اپنے دستوں کے ساتھ دشمن کی فوج کا تعاقب کیا اور تمام مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ یہ مسلمانوں کی دوسری کامیابی تھی۔ بعض لوگ اس جنگ کو جنگ کاظمہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ کاظمہ کے مقام پر لڑی گئی تھی اس جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت کے علاوہ ایک ہاتھی بھی ملا جو مدینہ بھیج دیا گیا۔

3- جنگ مذار 12ھ ایران کا بہت بڑا لشکر قارن کی زیر قیادت جنگ حفیر کا انتقام لینے کے لئے ایران سے آیا۔ ایرانی فوج کے تین سردار تھے قارن' قباذ اور انوشجان جب جنگ شروع ہوئی تو تینوں سردار مارے گئے اور ایرانی فوج کو زبردست شکست ہوئی۔ تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور خالد کے لشکر کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

4-جنگ ولجہ 12ھ ایرانیوں نے ان عرب قبائل کو جو جلہ و فرات کے درمیان آباد تھے اور عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے ساتھ ملا کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار کر لیا اور ایک بہت بڑے ایرانی سپہ سالار بہمن جاذویہ کو بھی ایک لشکر دے کر ان عربوں کے مقابلہ کے لئے تیار کر لیا۔ حیرہ اور دلجہ کے درمیان عربوں کو بھی ساتھ ملا لیا خالد نے اپنی شجاعت اور جنگی مہارت سے دشمن کو شکست فاش دی اور عرب قبائل بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

5-جنگ الیس 12ھ :-عراق کے عرب عیسائی قبائل کو جنگ دلجہ میں جو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ پھر پوری تیاری کے ساتھ الیس کے مقام پر جمع ہو گئے ایک ایرانی سپہ سالار جابان بھی ایک ایرانی فوج کے ساتھ ان عربوں کی امداد کے لئے الیس پہنچ گیا۔ زبردست جنگ ہوئی عیسائی عربوں کا بہادر سردار مالک بن قیس مارا گیا۔ جابان نے بھی ان کی امداد کی مگر زبردست جنگ کے بعد عربوں اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور خالد کو اللہ کی امداد مسلمانوں کی بہادری اور اس کی جنگی حکمت عملی کی وجہ سے فتح حاصل ہوئی اور دشمن کا بے حساب نقصان ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھ بے حساب مال غنیمت آیا۔

6-امغنیشیا کی فتح--خالد نے دریائے فرات کے کنارے واقع شہر امغنیشیا پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ یہ بڑا مالدار تجارتی شہر تھا۔ یہاں سے مسلمانوں کو بے حساب مال غنیمت حاصل ہوا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ خالد بن ولید کی فتوحات کے واقعات کا حال سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "اب عورتیں خالد جیسا بیٹا پیدا کرنے سے عاجز ہیں"

7-حیرہ کی فتح 12 : خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کی فتح کا فیصلہ کر لیا اور اپنی فوج کشتیوں میں بٹھا کر حیرہ کی طرف روانہ کر دی۔ اس زمانہ میں حیرہ کا حاکم ایک ایرانی زمیندار آزاذبہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو ایک دستہ فوج دے کر دریائے فرات کا پانی روکنے کے لئے امغنیشیا روانہ کر دیا کہ وہ وہاں جا کر دریا کا پانی نہروں میں چھوڑ دے اور مسلمان وہاں سے کشتیوں میں بیٹھ کر حیرہ نہ جا سکیں۔ جب خالد کو ایرانی حکمران کی یہ چال معلوم ہوئی تو وہ اپنی فوج کو امغنیشیا لے کر وہاں حیرہ کے حکمران کے بیٹے کو قتل کر دیا اور دریا میں پانی پھر چالو کر دیا اور اپنی فوجوں کو کشتیوں میں بٹھا کر حیرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حیرہ کے حکمران آزاذبہ کو اپنے بیٹے کے قتل اور ایران کے حکمران اردشیر کی وفات کی خبر بیک وقت ملی۔ اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ حیرہ سے اپنی فوج کے ساتھ فرار ہو جائے چنانچہ وہ بھاگ گیا اور خالد اپنی فوج کے ساتھ حیرہ پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ حیرہ کے لوگوں نے اپنے قلعوں کا زبردست دفاع کیا۔ مگر آخر کار انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے خالد نے سرداران حیرہ سے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ اور ایک باقاعدہ صلح نامہ لکھا گیا اور اہل حیرہ کو تمام بنیادی حقوق کی گارنٹی دے دی گئی اور ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ جزیہ مقرر ہوا اور حیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور حیرہ کی فتح کے بعد اس کو مفتوحہ علاقہ کا دارالخلافہ بنا لیا۔

8-انبار ایران کی فوج حیرہ کے قریب انبار میں معسکر قائم کئے پڑی تھی خالد نے قعقاع بن عمرو کو حیرہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ اور اقرع بن حابس کو مقدمتہ الجیش پر مقرر کر کے انبار روانہ کر دیا۔ انبار پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شہر کی مضبوط پناہ گہری خندق تھی خالد بن ولید نے بیمار اور لاغر اونٹوں کو ذبح کر کے خندق کی ایک تنگ جگہ پر ڈال دیا اور اس طرح خندق عبور کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور ایک دستہ فوج اس جگہ سے خندق عبور کر کے شہر کا دروازہ کھول دیا اور اسلامی فوج شہر کے اندر داخل

ہو گئی۔ ایرانی فوج کے سپہ سالار نے صلح کی درخواست کی جو خالد نے منظور کر لی شیرزاد شہر سے نکل گیا اور شہر انبار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا اور نواحی علاقوں کے لوگوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

9- عین التمر کی فتح 12ھ : جب خالد کو انبار کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو زبرقان بن بدر کو اپنا جانشین بنا کر انبار میں چھوڑا اور خود عین التمر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایرانیوں کی طرف سے وہاں کا حاکم مہران بن بہرام تھا۔ اس نے ایرانی فوج کے علاوہ عیسائی عرب قبائل کی بھی ایک فوج وہاں تیار کر رکھی تھی۔ جب مسلمان فوجیں عین التمر پہنچیں تو عربوں کے سردار عقہ نے مہران سے کہا کہ ہم عرب ہیں مسلمان عربوں کا مقابلہ کریں گے مہران نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ عقہ فوج لے کر آگے بڑھا اور خالد نے کمند پھینک کر عقہ کو گرفتار کر لیا یہ دیکھ کر عقہ کی فوج نے بھاگنا شروع کر دیا اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ مہران بن بہرام اپنے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا خالد نے آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا آخر کار قلعہ میں محصور فوج نے ہتھیار ڈال دیئے خالد نے انبار اور عین التمر کی فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت مدینہ بھیج دیا۔

10- دومتہ الجندل کی فتح 12ھ : حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ دومتہ الجندل میں عیاض بن غنم کی امداد کے لئے جائے۔ خالد نے عیاض بن غنم کو خط لکھا کہ تمہارے پاس اونٹنیاں آنے والی ہیں جن پر کالے زہریلے ناگ سوار ہیں" اور خالد بن ولید اپنی فوج لے کر دومتہ الجندل روانہ ہو گئے۔ دومتہ الجندل اور عین التمر کے درمیان تین سو میل کا فاصلہ تھا جو خالد نے دس دن میں طے کر کے دومتہ الجندل پہنچ گئے۔ دومتہ الجندل کی فوج دو حصوں میں منقسم تھی ایک حصہ کا سردار اکیدر بن عبدالملک کندی تھا اور دوسرے کا جودی بن ربیعہ۔ جب اکیدر کو خالد کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ بہت گھبرایا کیونکہ وہ خالد کو آنحضرتؐ کے عہد سے جانتا تھا۔ اس نے جودی بن ربیعہ سے کہا کہ خالد کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا بہتر ہے کہ خالد سے معاہدہ صلح کر لیا جائے۔ لیکن انہوں نے اکیدر کا مشورہ نہ مانا۔ اکیدر خالد کے پاس حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ جودی بن ربیعہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جودی کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور ان کا بے دریغ قتل عام کیا گیا۔ دومتہ الجندل جغرافیائی پوزیشن بہت اہم تھی۔ یہاں سے ایک رستہ جزیرہ اور عراق کو جاتا تھا اور ایک رستہ شام اور ایک راستہ عرب کو جاتا تھا۔ لہٰذا عراق اور شام پر قبضہ کرنے کے لئے دومتہ الجندل کی فتح ضروری تھی اور یہ خالد نے فتح کر لیا۔

11- حصید کی فتح : خالد بن ولید نے اپنے ایک سپہ سالار قعقاع کو حصید پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ ایرانی لشکر بلا مقابلہ فرار ہو گیا اور حصید پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

12- خنافس کی فتح : حصید کا لشکر خنافس میں پناہ لینے کے لئے پہنچ گیا۔ مسلمانوں کے لشکر نے ان کا خنافس میں تعاقب کیا۔ مگر اس کا لشکر مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے بغیر جنگ کے خنافس پر قبضہ کر لیا۔

13- مضیح کی فتح : خالد اپنی فوج کے ساتھ مضیح پر حملہ آور ہوا مضیح کا سردار ہذیل بلا مقابلہ اپنے سرداروں کے ساتھ بھاگ گیا اور خالد بن ولید نے مضیح فتح کر لیا فتح کے بعد خالد نے نعمان بن عوف شیبانی کے ہاتھ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں خمس روانہ کر دیا۔ ان شہریوں میں ایک لڑکی صاحبہ بنت ربیعہ بن جبیر بھی تھی جس کو حضرت علیؓ نے خرید لیا اس سے حضرت علیؓ کے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔

14-فراض کی فتح: خالد عراقی قبائل کو مطیع کرتے ہوئے انتہائی شمال تک چلے گئے اور اس طرح اس طرف سے شام پر حملہ کرنے کا راستہ کھل گیا یعنی ایرانی سرحدوں سے رومی علاقہ پر حملہ کرنے کا راستہ کھل گیا۔ یہ خالد بن ولیدؓ کا بے مثال کارنامہ تھا کہ آپ شام اور ایران کی مشترکہ سرحد پر پہنچ گئے۔ خالد نے فراض میں ایک ماہ قیام کیا اور دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرتا رہا۔ اب خالد بن ولید کے مقابلہ کے لئے رومی' ایرانی اور بادیہ نشین عرب عیسائیوں نے متحدہ محاذ بنالیا اور خالد کا اب ان تینوں کی متحدہ طاقت سے مقابلہ تھا۔ اس لئے فراض کی جنگ خاص اہمیت کی حامل ہے دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات تھا۔ خالد نے دشمن سے کہا کہ وہی دریا عبور کر کے ہماری طرف آجائیں۔ چنانچہ رومی' ایرانی اور عیسائی عرب دریائے فرات عبور کر کے لشکر اسلام کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ بڑے زور کی جنگ ہوئی دشمنان اسلام کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔ اس جنگ میں دشمن کے ایک لاکھ فوجی مارے گئے اور مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ خالد نے جنگ کے بعد دس دن تک فراض میں قیام کیا اور 25 ذی القعدہ 12ھ کو اپنی فوج کو حیرہ واپس جانے کا حکم دیا۔

15-خالد کا خفیہ حج: خالد بن ولید کو عرب کے باغیوں مسیلمہ وغیرہ کے خلاف اور عراق میں جو عدیم المثال کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں ان کے شکرانے کے لئے خالد مکہ حاضر ہو کر حج کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے پروگرام کو بالکل خفیہ رکھا۔ نہ صرف اپنی فوج بلکہ حضرت ابو بکرؓ سے بھی اجازت نہ لی اور دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے فراض سے مکہ خفیہ طور پر حج کر کے واپس حیرہ پہنچ گئے فوج کا دستہ ابھی حیرہ میں داخل ہو رہا تھا کہ آپ ان سے آملے۔

عراق میں بغاوت

حضرت خالد دومتہ الجندل میں تھے تو ایرانیوں اور عرب قبائل نے جن میں بنو تغلب جن کا سردار عقہ مارا گیا تھا متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ قعقاع جو حیرہ میں خالد کا قائم مقام تھا تنہا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس نے خالد کو اطلاع کی کہ جلد واپس حیرہ آئیں۔ خالد جلد از جلد حیرہ پہنچ گیا اور آتے ہی قعقاع کو حصید کے مقام پر متعین کیا۔ جہاں اس وقت روز مہر اور روزبہ فروکش تھے۔ ابولیلی کو خنافس کے محاذ پر روانہ کیا۔ حصید میں زبردست جنگ ہوئی مگر قعقاع غالب آگئے روز مہر مارا گیا اور روزبہ بھی قتل ہو گیا اور ایرانی شکست کھا کر بھاگ گئے بہت سے مارے گئے جو بچ گئے انہوں نے خنافس میں بہوزان کے پاس پناہ لی۔ ابولیلی خنافس کی طرف بڑھا تو بہوزان یہ خبر سنتے ہی بھاگ کر مصیخ میں ہذیل بن عمران کے پاس پہنچ گیا۔ خالد نے قعقاع اور ابولیلی ابعد اور عروہ کو جو مختلف محاذوں پر تھے ایک مقررہ تاریخ اور وقت پر مصیخ میں جمع ہونے کا حکم دے دیا۔ جب سب لوگ وہاں پہنچ گئے تو ہذیل پر شب خون مارنے کا حکم دے دیا۔ وہاں بے شمار ایرانی مارے گئے اور ہذیل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

مصیخ کی فتح کے بعد خالد نے بنو تغلب پر زبردست حملہ کر کے ان کا قتل عام کیا کیونکہ وہ تمام فتنہ اور بغاوت کے ذمہ دار تھے۔ اس حملہ میں بہت سی عورتیں بھی گرفتار ہوئیں۔ ان میں ربیعہ بن بحیر التغلبی کی بیٹی بھی تھی جب یہ عورتیں مال غنیمت میں مدینہ پہنچی تو حضرت علیؓ نے بنت ربیعہ کو جس کا نام الصبا اور کنیت ام حبیب تھی خرید لیا اور اس سے ان کے بیٹے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت خالد نے رضاب کا رخ کیا مگر آپ کے پہنچنے سے قبل ہی وہ لوگ خالد کی خبر سن کر بھاگ گئے تھے۔

جنگ فراض :

فراض عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ پر واقع ہے۔ خالد عراق کی بغاوت سے فارغ ہو کر فراض پہنچ گئے اور دریائے فرات کے کنارے پر معسکر قائم کر لیا رومیوں نے مسلمان لشکروں کو وہاں خیمہ زن دیکھا تو وہ بہت مشتعل ہوئے انہوں نے ایرانیوں اور عرب قبائل سے بھی امداد حاصل کی اور اس طرح ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔ 15 ذی قعد 12ھ تک دونوں فوجیں اسی طرح آمنے سامنے پڑی رہیں۔ صرف دریائے فرات درمیان میں حائل تھا آخر رومیوں نے پہل کی اور دریا عبور کر لیا۔ حضرت خالد نے صفیں درست کیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ نہایت زوردار جنگ ہوئی خالد نے حکم دیا تھا کہ دشمن کی فوج کو چاروں طرف سے گھیر کر لڑیں۔ آخر شدید جنگ کے بعد دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ عام روایت کے

مطابق دشمن کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے بہر حال رومیوں کا بھاری جانی و مالی نقصان ہوا اور مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا حج :

25 ذی قعد 12ھ کو جنگ فراض سے فارغ ہو کر حضرت خالد خفیہ طور پر حج کے لئے مکہ روانہ ہو گئے دشوار گذار راستوں سے اتنا طویل سفر کر کے فراض کی جنگ سے فارغ فوج کے حیرہ پہنچنے کے ساتھ ہی آپ حیرہ واپس آگئے۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ خالد حج بھی کر آئے ہیں یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس سال امیر حج حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ تھے۔ ان کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ قافلہ حجاج میں خالد بن ولید بھی شامل ہیں۔ جو شام کی حدود پر مصروف جنگ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خالد کا یہ سفر حج بھی ان کی بہادری عزم وہمت اور قوت ارادی کا بے مثال ثبوت ہے۔ لیکن چونکہ خلیفہ وقت کی اجازت وعلم کے بغیر یہ جرات مندانہ اقدام تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور تنبیہ کی کہ آئندہ نظم وضبط کو خطرہ میں ڈالنے کی کبھی جسارت نہ کریں اور اپنی عظیم الشان فتوحات پر فخر و ناز نہ کریں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا مرہون منت ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا عدیم المثال کارنامہ :

عراق کی فتوحات کے بعد محرم 12ھ سے صفر 13ھ تک قریباً ایک سال دو ماہ مصروف رہے اور حرب وضرب اور عسکری مہمات کی تاریخ میں عدیم المثال کامیابیاں حاصل کیں ان جنگوں کا سلسلہ خلیج فارس سے شام کی سرحد فراض تک پھیلا ہوا تھا اور پھر جنگ ایک قوم سے نہیں دو عالمی طاقتوں ایران وروم اور بہادر عرب قبائل سے تھی۔ جو فوجوں کی تعداد سازوسامان اور اسلحہ کے لحاظ سے مجاہدین اسلام سے کئی گنا زیادہ تربیت یافتہ اور منظم تھے۔ ان تمام معرکوں میں جنگی تعداد بارہ سے بھی زیادہ ہے ہر جنگ میں خالد کامیاب وکامران رہا اور کسی ایک جنگ میں بھی پسپائی اور شکست نہیں ہوئی۔

علاوہ ازیں وہ صرف بے مثال فاتح ہی نہیں بلکہ جس علاقہ کو فتح کرتے۔ اس کا نظم ونسق' عدل وانصاف اور امن و امان اور عوام کی فلاح وبہبود کا خاص اہتمام کرتے اپنے دیانتدار' انسان دوست عامل مقرر کرتے جو اسلام کے اصولوں کے مطابق عوام کی خدمت کرتے اور ظالموں اور استحصالی طاقتوں سے غریبوں' کسانوں اور محنت کش طبقوں کی معاشی' خوشحالی اور معاشرتی اصلاح کرتے۔ غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی' ان کی عبادت گاہوں اور حقوق ومفاد کا تحفظ کرتے اور ہر معاہدہ کی پابندی کرتے الغرض خالد بن ولید ایک عظیم فاتح اور ناقابل تسخیر بہادر جرنیل ہی نہ تھے بلکہ ایک انسان دوست انصاف پسند اور اسلام کی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے والے اور راسخ العقیدہ مجاہد مسلمان بھی تھے۔ بے شک خالد بن ولید تاریخ عالم کا فقید المثال جرنیل اور بہادر سپاہی بھی تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے صحیح فرمایا تھا کہ "مائیں خالد جیسے بیٹے پیدا نہیں کر سکتیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے عظیم الشان کارنامے

1-آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مملکت اسلامیہ مدینہ ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی' فتنہ و فساد اور بغاوت و سرکشی کا مرکز بن گئی تھی امن و سلامتی اور تعلیمات اسلامی سے اس کی غالب اکثریت منحرف ہو گئی تھی مسلمانان مدینہ مکہ کے قریش اور بنو ثقیف کے سوا تمام عرب کے لوگ حکومت کے باغی اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ جھوٹے مدعیان نبوت جن میں قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب 'اسود عنسی' یمن میں 'طلیحہ بن خویلد نجد میں سجاح بنت حارث جزیرہ میں اور لقیط نے عدن وغیرہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے لاکھوں اعراب کو اسلام سے برگشتہ کر کے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا تھا منکرین زکوٰۃ نے مدینہ کے نزدیک آباد قبائل میں ایک نیا فتنہ پیدا کر دیا تھا اور مدینہ سے دور کے علاقوں کے اعراب جنہوں نے در اصل حقیقی اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ابھی ان کی تربیت کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ انہوں نے مملکت مدینہ کے خلاف سیاسی طور پر اپنی آزادی اور خود مختاری کے حصول کے لئے بغاوت کر دی۔ در حقیقت آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنی بے پناہ قوت ایمانی' سائی جمیلہ' سیاسی بصیرت' تدبر و حکمت' عسکری قوت' عزم و ہمت اور غیر معمولی استقلال' استقامت اور تائید ایزدی سے اسلام کو دوبارہ زندہ کیا۔ آپؓ کا یہ عظیم الشان کارنامہ دنیائے اسلام پر سب سے بڑا احسان عظیم ہے۔

2-اسلام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جمہوری نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ آپ خود جمہوری طریقہ یعنی عوام کی آزاد رائے سے خلیفہ منتخب ہوئے اور پوری امت اسلامیہ نے آپ کی بیعت خلافت کی بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے محض آپ کی عظیم شخصیت' آنحضرتؐ کی عمر بھر کی رفاقت بے پناہ ایثار و قربانی' اہلیت و صلاحیت' شاندار خدمات بے مثال قوت ایمانی اور تمام امت میں سب سے زیادہ اعتماد اور ہر دلعزیزی کی بنا پر نہ صرف آپ کا انتخاب جمہوری طریقہ سے ہوا بلکہ آپ نے اپنا نظام حکومت بھی جمہوری طریقوں سے چلایا۔ تمام امور مملکت اور اہم فیصلے کبار صحابہ کرام کے صلاح و مشورے اور عوام کی رائے' خواہشات کے مطابق ہوتے تھے کسی قسم کی آمریت مفاد پرستی اور جانبداری کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہر ایک کو حکومت کا عہدہ اس کی ذاتی اہلیت' قابلیت' خدمات اور اس کے استحقاق کی بنا پر ملتا تھا۔ تمام ملک میں مکمل عدل و انصاف کا دور تھا اور تمام فیصلے قانون شریعت کے مطابق ہوتے تھے۔ مال غنیمت کی تقسیم انصاف کے مطابق ہوتی تھی اور بیت المال کی تقسیم میں کسی قسم کا امتیاز و تفریق نہ تھی نہ ہی نئے اور پرانے مسلمانوں میں اور نہ ہی مہاجر و انصار اور اعراب میں' آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت ہر مسلمان کو برابر اور مساوی حصہ ملتا تھا۔

3-حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں عظیم الشان فتوحات کا آغاز ہوا عراق عرب قریباً تمام کا تمام فتح کر کے مملکت اسلامیہ میں

شامل کر لیا گیا۔ مفتوحہ علاقوں میں نہ صرف امن وامان قائم کیا بلکہ ہر ایک کو جان ومال اور عزت وآزادی کا تحفظ دیا۔ غیر مسلم رعایا کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی اور ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی عقائد ورسم ورواج کی مکمل آزادی دی گئی۔ کاشتکاروں کو خصوصی مراعات دی گئیں۔ ان کو ان کی کاشت کی زمینوں پر مالکانہ حقوق دیے گئے۔ صرف جزیہ اور خراج وصول کیا جاتا تھا اور کسانوں کو ان ظالم و جابر جاگیرداروں اور زمینداروں کے استحصال سے نجات دلائی گئی۔ اس طرح صنعتی دستکاروں اور تجارت پیشہ لوگوں کے حقوق ومفاد کو تحفظ فراہم کیا گیا۔ الغرض اس دور میں بلا امتیاز مذہب وملت تمام لوگ خوش وخوشحال تھے عراق کے علاوہ قیصر روم کے ماتحت شام کی آزادی کے لئے بھی جہاد کا آغاز کیا گیا۔ شام کے عرب قبائل صدیوں سے رومن ایمپائر کی غلامی ومحکومی میں اپنی آزادی اور عزت نفس سے محروم چلے آرہے تھے اور رومی حکمرانوں کے ظلم وستم اور استحصال کا شکار تھے چنانچہ شام کی فتوحات کا آغاز بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد مبارک میں شروع کیا گیا اور وہاں بعض انتہائی شاندار کامیابیاں حاصل کی گئیں اور شام کا بہت سا علاقہ رومی استبداد اور غلامی سے آزاد کرالیا۔ آپ کی وفات کے بعد بقایا تمام شام، مصر، فلسطین، ایران اور دیگر ممالک کو حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں فتح کر کے ہمیشہ کے لئے مملکت اسلامیہ کا حصہ بنادیا گیا۔

4- حضرت ابو بکر صدیقؓ کی انتظامی اصلاحات:

آپ حکام وعمال حکومت کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اول ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جو آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ جن کو حضورؐ نے مختلف عہدوں پر متعین کیا تھا۔ چنانچہ مکہ کے گورنر عتاب بن اسید، طائف کے عثمان بن ابو العاصؓ، صنعا پر مہاجرین ابی امیہ، زبید پر زیاد بن لبید، قاضی حضرت عمر فاروقؓ، خزانچی حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ہر عسکری لشکر کا ایک امیر اور تمام امیران لشکر پر ایک سپہ سالار اعظم ہوتا تھا۔ عراق کی افواج کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے پھر آپ کو شام منتقل کر دیا تو وہ شامی لشکر پر سپہ سالار تھے۔ تاوقتیکہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی بجائے شام کے سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو مقرر کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ جب کسی لشکر کو کسی محاذ پر روانہ فرماتے تو بڑے اخلاق اور انسانیت کی ہدایات جاری فرماتے۔

5- ذمیوں یعنی غیر مسلم آبادی کے حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے ان کو مکمل مذہبی آزادی، ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت اور اپنے مذاہب کی تعلیمات کے مطابق عبادت اور رسم رواج ادا کرنے کی مکمل آزادیاں حاصل تھیں۔ مفتوحہ علاقوں کے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ اپنی کاشت زمینوں کے مالکانہ حقوق اور جاگیردارانہ نظام ختم کر کے بڑے زمینداروں کے استحصال سے نجات دلانا۔ ان سے صرف لگان یا خراج یا جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔

6- جمع وترتیب قرآن اور تحفظ دین:

حضرت ابو بکرؓ کا جمع وترتیب قرآن اور اس کو ایک مصحف یعنی ایک کتاب کی شکل میں جمع کر کے شائع کرنا سب سے

عظیم کارنامہ ہے آپ تحفظ دین کا سختی سے اہتمام کرتے کوئی نئی بات یا بدعت جو عہد رسالت میں نہ تھی نہ ہونے دیتے۔ شرک' شخصیت پرستی اور بدعات کا سختی سے انسداد کرتے تحفظ دین کے لئے اکابر صحابہ کا محکمہ افتاء قائم تھا۔

7- جماعت صحابہ میں صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے' قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ اور جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہائت بلند تھا۔ قرآن کے فہم و تدبر میں بے مثال تھے۔ علم الانساب کے بڑے ماہر اور ممتاز عالم تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ کی تقریر نہایت موثر اور موزوں ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے دن صحابہ سے خطاب اور سقیفہ بو ساعدہ کی تقریر اور خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مسجد نبوی میں پہلا خطاب اثر آفرینی کے لحاظ سے شاہکار ثابت ہوئے۔

8- ذاتی طور پر بڑے رقیق القلب رحم دل' فیاض' دیانت دار' اسلام کے معاملہ میں بے حد شدید اور بے پناہ قوت ایمانی سے سرشار تھے۔ داخلی استحکام

9- رسول اللہؐ کی زندگی میں ہی یمن اور یمامہ میں اسود عنسی اور مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کر دیا تھا۔ بہت سے عرب قبیلے نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلام ابھی ان کے قلب و روح میں نہیں سمایا تھا یعنی ان کی تعلیم و تربیت نہیں ہوئی تھی اور وہ اسلام کی تعلیم سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عزم و استقلال' تدبر و حکمت اور بے پناہ قوت ایمانی سے چھ ماہ کے اندر تمام فتنوں اور بغاوتوں کا استیصال ہو گیا۔ پورے عرب میں امن و امان قائم ہو گیا۔ اور اسلام چٹان کی طرح مضبوط ہو گیا۔

10- ظہور اسلام کے وقت دنیا کو دو عظیم الشان سلطنتوں ایران اور روم نے اپنی سرحدوں پر آباد عرب قبائل کو اپنے ماتحت حلقہ اثر میں لے رکھا تھا۔ ان عرب قبائل میں آزادی کا جوش موجیں مار تا رہا مگر ان عالمی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب اسلام نے ان عربوں کو متحد کر دیا اور ایک مرکزی عرب حکومت مدینہ میں قائم ہو گئی اور ان عربوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی تو دونوں ممالک کے ہمسایہ عرب قبائل آزادی کے حصول کے لئے میدان عمل میں آ گئے اور مملکت مدینہ عرب قبائل کی امداد کے لئے ان کی جنگ آزادی میں شامل ہو گئی۔

11- حضرت ابو بکرؓ کا عہد خلافت سر تاپا جمہوری تھا۔ ہر معاملہ میں صحابہ اکرام سے مشورہ لیتے اور تمام امور باہمی مشاورت سے سر انجام دیتے۔ اس وقت حکومت صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی۔ آپؐ نے پورے ملک کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر کے ان پر دیانت دار' اہل' قابل اور باصلاحیت حاکموں و افسروں کو مقرر کیا۔ تمام عہدے اہلیت اور خدمات کی بنا پر دیتے۔ آپ حکام کو بڑی قیمتی مفید ہدایات اور نصیحتیں کرتے اور ان کی نگرانی بھی کرتے۔ مالی اور عسکری نظام وہی رہا جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھا۔ ہر ایک سے عدل و انصاف ہوتا۔

12- حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نظام حکومت اور معاشرتی و معاشی قوانین کی بنیاد خالص مساوات انسانی پر استوار تھی آپ ہر معاملہ میں انصاف کرتے اور ہر ایک کے ساتھ مساوات کا سلوک کرتے۔ یعنی آپ کی حکومت کی بنیاد قرآن کے آفاقی اصولوں یعنی عدل و مساوات پر تھی۔

13- حضرت صدیق اکبرؓ فطری طور پر انصاف پسند اور انسان دوست تھے۔ ہر کسی سے ہر حال میں بلا کسی امتیاز و جانبداری کے

عدل وانصاف کرتے تھے۔ قبل از اسلام قریش کی طرف سے آپ کو "اشناق" کا منصب حاصل تھا۔ یعنی اگر کوئی واقعہ قتل ہو جاتا تو قاتل کے خلاف دیت یا خون بہا کا فیصلہ حضرت ابو بکرؓ کرتے تھے۔ اپنے عہد خلافت میں بھی آپ نے ہمیشہ انصاف کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے آنحضرتؐ کی وراثت کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کی حدیث ہے کہ ہم گروہ انبیاء کی وارثت نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ لہذا میں حضورؐ کی حدیث کے مطابق آپ کا ترکہ بطور وراثت آپ کی بیٹی چچا اور ازواج مطہرات میں تقسیم نہیں کروں گا۔ بلکہ وہ جائیداد بدستور وقف کے طور پر قائم رہے گی۔ البتہ اس کی آمدن سے حضورؐ کے ورثاء کو حسب سابق حصہ ملتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔

14- حضرت ابو بکرؓ کو اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ صدیقہ سے بے حد محبت تھی اور آپ نے اپنی کچھ زرعی اراضی حضرت عائشہؓ کو دے رکھی تھی وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ نے محسوس کیا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ میں نے کچھ زمین حضرت عائشہؓ کو دے دی مگر اس کے دیگر بہن بھائی اس سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو بلا کر فرمایا۔ اے جان پدر! میں نے فلاں زمین جو آپ کو دے رکھی ہے میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ میرا فیصلہ اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے کیونکہ میری تمام جائیداد میں میرے تمام ورثا یعنی بیٹوں بیٹیوں کا قانون شریعت کے مطابق حصہ ہے لہذا میں آپ سے کہتا ہوں کہ وہ زمین جو میں نے اکیلی آپ کو دی تھی اس میں تمہارے بہن بھائیوں کا حصہ ہے۔ اس لئے تم اس میں سب کو شامل کر لو اور ان کا حصہ ان کو ادا کر دیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابا جان! میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں اور اس زمین سے تمام بہن بھائیوں کو ان کا حصہ ادا کرتی ہوں۔

15- حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مملکت مدینہ کے تمام شہروں اور علاقوں میں عدل وانصاف کے لئے قاضی مقرر کر رکھے تھے اور ان کو سخت تاکید کی تھی کہ تمام تنازعات اور اختلافات کا فیصلہ قران وسنت اور عدل کے بنیادی اصولوں کے مطابق کرائیں۔ مدینہ میں قاضی کا عہدہ حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد تھا جو عدل وانصاف کے معاملات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اور لوگ آج بھی عدل فاروقیؓ کا بطور مثال ذکر کرتے ہیں۔ الغرض عدل وانصاف کے معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ کا عہد خلافت حضرت عمر فاروقؓ کی طرح عدیم المثال تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے نظریات کا موازنہ

علمی نقطہ نظر سے ہم اس سیاسی مسلک کے اختلاف پر روشنی ڈالتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان تھا۔ حضرت ابوبکرؓ مقلد تھے مجتہد نہیں تھے چنانچہ جو کام رسول اللہؐ نے کیا تھا اس کی تقلید ان پر فرض تھی۔ مسلمان جو چاہیں کہیں اور جتنی چاہیں ان کی مخالفت کریں وہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں سنیں گے۔ جو انہیں رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل سے روک دے رسول اللہؐ نے اسامہ کا لشکر بھیجنے کا حکم دیا تھا اس لئے وہ بہر حال بھیجا جائے گا۔ مہاجرین اور انصار اس سے اختلاف کرتے ہیں تو کریں تمام جزیرہ نمائے عرب میں بغاوت کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بھڑکیں اور مدینہ پر خطرات کے بادل چھاتے ہیں تو چھائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان باتوں سے خوف کھا کر رسول اللہؐ کے فرمان کی تقلید سے دست بردار ہو جائیں۔ کیا اللہ نے آپ کو انتخاب نہیں فرمایا تھا اور اپنی کتاب آپ پر نازل نہیں کی تھی۔ کیا اللہ نے آپ سے مدد کا وعدہ نہیں فرمایا تھا اور آپ کے دین کی حفاظت کا یقین نہیں دلایا تھا؟ پھر ایک مسلمان اپنے تئیں آپ کا حکم نافذ نہ کرنے پر کیسے مطمئن ہو سکتا ہے؟ اور پہلے خلیفہ کے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ آپ کے حکم کا پہلا مخالف ہو؟

لیکن حضرت عمرؓ کی رائے میں ایک سیاست دان کا یہ فرض تھا کہ وہ گرد و پیش کے واقعات کو پوری اہمیت دے اور اس وقت کے حالات یہ تھے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس کی مثال عہد رسالت میں کہیں نہیں ملتی اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں رسول اللہؐ کی وفات کی خبر پہنچتے ہی عربوں نے مدینہ کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہ انکار بغاوت کی حدوں تک پہنچ گیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ یہ بھی سمجھتے تھے کہ مسلمان ازراہ ایمان و تسلیم رسول اللہؐ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ ان سے اس قسم کی اطاعت کا مطالبہ کریں کہ جو صرف اللہ کے برگزیدہ نبیؐ کی ذات گرامی کے لئے مخصوص تھی۔ ان وجوہ کے پیش نظر خلیفہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان حالات کی صحیح اہمیت محسوس کرے پھر اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے (جب کہ رسول اللہؐ کی وفات سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔) کہ وہ ایک سیاست دان کی طرح مسائل کا حل تلاش کرنے میں اپنے علم کی روشنی اور اپنی بصیرت کے امتیاز کا سہارا لے کیونکہ اب بصیرت کے سوا کوئی تدبر اور قوت باقی نہیں رہی تھی جو معاملات کی گرہیں کھول سکے۔ ملکی سیاست میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان یہ بنیادی اختلاف ہے لیکن ایسا اختلاف نہیں جو ان کی باہمی قدردانی محبت اور احترام پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا حق پوری طرح ملحوظ رکھا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کی رائے ان تک پہنچا دی اور اس کی تائید میں دلیل پیش کر دی لیکن جب حضرت

ابو بکرؓ نے اپنی رائے پر اصرار کیا تو اللہ کی رہ میں جہاد کرنے ‘ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے اسامہ کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے اور آخر وہ ایسا کیوں نہ کرتے جبکہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ان کی خلافت کو تسلیم کیا تھا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے بھی حضرت عمرؓ کا حق پہچانا اور انہیں اپنا وزیر منتخب کر لیا اب حضرت عمرؓ ان کے بھی مشیر بن گئے جس طرح وہ اس سے پہلے رسول اللہؐ کے مشیر تھے اور اس طرح ان دونوں بزرگوں کے تعلقات خوشگوار رہے جن میں پر خلوص محبت اور باہمی احترام اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے تعاون کا بھرپور جذبہ کار فرما تھا۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان اسی قسم کا اختلاف رائے ایک اور موقع پر بھی پیدا ہوا تھا اسامہ کا لشکر ابھی جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں روم کے حامیوں سے برسرپیکار تھا کہ عبس اور زبیان کے قبیلوں نے جو مدینہ کے قریب ہی آباد تھے۔ زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بزور شمشیر انہیں راہ راست پر لانے کا فیصلہ کیا اور اپنے مخالفین کی دلیل مسترد کرتے ہوئے فرمایا ”خدا کی قسم اگر وہ مجھے اپنے اونٹ باندھنے کی رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو رسول اللہؐ کی خدمت میں بطور زکوۃ پیش کیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا۔ اس وقت حضرت عمرؓ ان لوگوں کے ساتھ تھے جو مانعین زکوۃ پر تشدد کئے جانے کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ مرتدین کے مقابلے میں ان سے مدد لی جائے۔ حضرت عمرؓ اپنی اس رائے پر اتنی سختی سے قائم تھے کہ حضرت ابو بکرؓ سے قدرے تند لہجے میں کہا ”آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں جبکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے ”مجھے حکم ملا ہے کہ میں ان لوگوں سے جنگ کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہیں۔ اور جس کسی نے یہ کہہ دیا اس نے اپنے مال اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کر لیا الا یہ کہ اس کا کوئی حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ خدا کی قسم اس سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا۔ زکوۃ مال کا حق ہے اور رسول اللہؐ نے فرمایا ہے الا یہ کہ اس کا کوئی حق ہو“ اس اختلاف رائے اور ان تمام مشکلات کے باوجود وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مانعین زکوۃ سے جنگ کرنے اور ان پر فتح پانے کے سلسلہ میں پیش آئیں ان دونوں بزرگوں کے رشتہ اخلاص و محبت میں کوئی فرق نہ آیا اور حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے ہم پہلو مسلمانوں کی صف میں شامل ہو کر جہاد کرنے تشریف لے گئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نظم و ضبط کے علمبردار تھے اور اسلامی حکومت کی زمام کار حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں تھی وہی اس کے ذمہ دار تھے اور انہی کی صوابدید پر اس کے معاملات کا انحصار تھا ایسی صورت میں حضرت عمرؓ کا بس یہ فرض تھا کہ اپنا مشورہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیں اور جو حکم وہ دیں اس کی اطاعت کریں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے جس کی بات سنی جاتی تھی اور جس کے مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے مانعین زکوۃ پر فتح پائی اور یہ فتح ان کے تدبر و تفکر اور حسن سیاست کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ”خدا کی قسم میں کبھی اپنی رائے سے نہ ہٹتا مگر میں نے دیکھا کہ اللہ نے ابو بکرؓ کا سینہ جہاد کے واسطے کشادہ کر دیا ہے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ حق پر ہیں۔ چنانچہ اس فتح کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ نے تمام جزیرہ نمائے عرب میں مرتدین کے خلاف جنگ کرنی چاہی تو کسی نے مخالفت نہ کی۔ شائد مسلمان اس بزرگ ہستی میں جو

مسلسل تئیس برس تک رسول اللہ کی رفاقت سے برکت اندوز ہوئی تھی روح رسالت کا پر تو دیکھ رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اللہ کے نور کی رہ نمائی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ کسی اور کو نظر نہیں آتیں اور ان کے دل میں وہ باتیں ڈالی جاتی ہیں جو کسی اور کے دل میں نہیں ڈالی جاتیں۔ مدینہ کی فوجیں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں قضاعہ اور بنو اسد کے مرتدین سے لڑنے اور انہیں دوبارہ اللہ کے دین میں شامل کرنے کے لئے روانہ ہوئیں مسلمان مطمئن تھے کہ اللہ ان فوجوں کی ضرور مدد کرے گا جو اس کی راہ میں جہاد کے لئے نکلی ہیں اور حضرت عمرؓ بن خطاب خلیفۃ الرسول کے پہلو میں بیٹھے انہیں اپنے مشوروں سے مستفید کر رہے تھے ملکی سیاست کے انصرام میں ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے بنو اسد کے مرتدین پر فتح پانے کے بعد بنو تمیم کے مرتدین کا قصہ پاک کرنے کے لئے بطاح کا رخ کیا اور بنو تمیم کے سردار مالک بن نویرہ کو قتل کر کے عرب کی اس رسم کے خلاف کہ وہ جنگ میں عورتوں سے پرہیز کرتے تھے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

مالک بن نویرہ کے قتل پر جبکہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ابو قتادہ انصاری بہت برہم ہوئے اور سمجھتے تھے کہ خالد نے اس کی حسین بیوی لیلی سے شادی کرنے کے لئے بہانہ تراشا ہے کیونکہ مشہور تھا کہ خالدؓ زمانہ جاہلیت ہی سے اس کے دام محبت میں گرفتار تھے۔ حضرت ابو قتادہ اور مالک کا بھائی متمم بن نویرہ مدینہ پہنچے اور سارا واقعہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بیان کر دیا۔ جس کے جواب میں حضرت صدیق اکبرؓ نے صرف یہ کیا کہ متمم کی دل جوئی کر دی اور قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا۔ پھر حضرت ابو قتادہؓ کو خالد پر طعنہ زنی کرنے اور الزام لگانے سے منع کیا۔ حضرت ابو قتادہؓ نے تمام واقعات حضرت عمرؓ سے بیان کئے۔ حضرت عمرؓ نے پہلے تو ابو قتادہ کے ساتھ حضرت خالدؓ کو مطعون کیا انہیں مورد الزام ٹھرایا۔ اس کے بعد غصے کے عالم میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ خالدؓ کی تلوار ظلم آشنا ہو چکی ہے۔ آپ کو انہیں قید کر لینا چاہئے حضرت ابو بکرؓ اپنے عمال کو قید نہیں کرتے تھے۔ اس لئے جب حضرت عمرؓ نے زیادہ زور دیا تو فرمایا "عمرؓ اب جانے بھی دو" خالد نے تاویل کی اور جلدی کر بیٹھے لیکن اس جواب سے حضرت عمرؓ کی تشفی نہ ہوئی اور وہ برابر حضرت خالدؓ کی معزولی کا مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کے حضرت ابو بکرؓ نے ان کے اصرار سے تنگ آکر فرمایا "نہیں" اے عمرؓ! اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہیں کروں گا جو اللہ نے کافروں پر کھینچی ہے۔

اس حتمی جواب سے صاف ظاہر تھا کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت خالدؓ کو معزول نہیں کریں گے تو کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس جواب کے بعد خاموش ہو گئے ہوں گے اور انہوں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا ہو گا کہ میں اپنی طرف سے مشورہ دے چکا اب میرا فرض یہی ہے کہ خلیفہ کی بات مان لوں اور اس مسئلے میں مزید شبہات پیدا نہ کروں؟ نہیں بلکہ وہ حضرت خالدؓ کی مخالفت میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ انہیں علی الاعلان برا بھلا کہنے لگے متمم، ابو قتادہ اور اسی قسم کے دوسرے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ متمم اپنے بھائی کے غم میں مرثیے پڑھتا اور حضرت عمرؓ اس کی تعریف کرتے اس کے اشعار کی داد دیتے۔ بھلا وہ ایک ایسے شخص سے کس طرح خوش ہو سکتے تھے۔ اس کے متعلق کیسے خاموشی اختیار کر سکتے تھے جس نے ایک مسلمان کو قتل کر کے اس کی بیوی سے شادی کر لی ہو۔ اسے تو سنگسار کیا جانا چاہئے عام اس سے کہ وہ سیف اللہ

ہو ُان کا ماموں زاد اور ان کی والدہ کا چچازاد بھائی ہو یا مرتدین کے خلاف جنگ کرنے میں غیر معمولی کارنامے سرانجام دے چکا ہو۔بات جماعت کے نظم وضبط اور اس کے تحفظ کی ہے اور نظم جماعت کے لئے اس سے زیادہ مغرت رساں اور کوئی چیز نہیں کہ معاملات میں لوگوں کے درمیان امتیاز روا رکھا جائے اور ایک ایسے مسئلے میں ان میں سے کسی کے ساتھ رعایت برتی جائے کہ اگر کوئی دوسرا اس میں ماخوذ ہوتا تو سزا دی جاتی۔اس بنا پر حضرت عمرؓ کا غصہ ٹھنڈا نہ پڑا یہاں تک کے حضرت ابوبکرؓ نے خالد کو مدینہ بلوایا۔ حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ حضرت ابوبکرؓ بالآخر ان کی رائے کو تسلیم کریں گے اور اس عدیم النظیر سپہ سالار کو معزول فرمادیں گے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس سے زیادہ کچھ نہ کیا کہ حضرت خالد کو ایک ایسی عورت سے شادی کرنے پر توبیخ فرمادی جس کے شوہر کا خون بھی ابھی خشک نہ ہوا تھا اس سے مالک اور بو تمیم کے دیگر افراد کے قتل پر کوئی باز پرس نہ کی اور انہیں حکم دیا کہ یمامہ جاکر مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کی سرکوبی کریں یہ حکم دیتے وقت حضرت ابوبکرؓ کو اطمینان تھا کہ بو حنیفہ کے خلاف اللہ تعالیٰ حضرت خالد کی مدد فرمائے گا اور حضرت خالدؓ کی کامیابی ان کے لیلی سے شادی کرنے کے واقعے کو لوگوں کے ذہن سے فراموش کردے گی۔ لیکن حضرت عمرؓ اب بھی اپنی اسی رائے پر جمے ہوئے تھے کہ حضرت خالدؓ نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا کے طور پر انہیں معزول کیا جانا ضروری ہے۔اس شدت رائے کا اثر اس کے بعد بھی اس وقت تک ان کے دل پر قائم رہا جب مسلمانوں کی امارت انہیں سونپی گئی۔ چنانچہ منصب خلافت پر فائز ہوتے ہی سب سے پہلے انہوں نے حضرت خالدؓ کو فوج کی سپہ سالاری سے معزول کیا اور اس کے بعد انہیں عضو معطل ہی بنا کے رکھ دیا۔

تاریخ کی کتابوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اور کسی ایسے اختلاف کا ذکر نہیں ملتا جیسا حضرت خالدؓ کے معاملے میں ہوا تھا اور یہ اختلاف ان دونوں بزرگوں کی طبیعت اور ملکی سیاست میں انؓ کے متضاد نقاط نظر سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ وہ اس کا کفارہ ادا کرے اس سے نظم کے استحکام میں مدد ملتی ہے اور حکومت کا نظام صحیح مساوات کی پائیدار بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک بڑے لوگوں کے جرم بھی بڑے ہوتے ہیں اس لئے انہیں معاف کردینے سے جماعت کے نظام کو شدید خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ حضرت خالدؓ کو رسول اللہؐ نے سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا ہے اور جب امن وسلامتی کے زمانے میں شبہات کی بناء پر حدود ساکت ہوجاتی ہے۔ تو جنگ و پیکار کے زمانے میں انہیں بدرجہ اولی ساکت ہوجانا چاہئے۔ مسلمان حضرت خالدؓ اور ان کی غیر معمولی جنگی صلاحیتوں کے محتاج تھے اور جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مدینہ بلاکر سرزنش کی ہے اس وقت تو یہ احتیاج پہلے سے بھی کہیں زیادہ شدید تھی۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں معزول نہیں فرمایا بلکہ مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے یمامہ بھیج دیا جہاں وہ کامیاب رہے اس کے بعد عراق کی مہم ان کے سپرد کی اور جب وہ بھی فتح ہوگیا تو انہیں شام روانہ کردیا جہاں پہنچ کر خالدؓ نے رومیوں کی قوت وطاقت کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا دیا۔

حضرت خالدؓ کے خلاف حضرت عمرؓ کی رائے اتنی شدید تھی کہ وہ ان کی معمولی سے معمولی لغزش پر بھی نظر رکھتے اور حضرت ابوبکرؓ کو باز پرس پر مجبور کرتے تھے۔ یمامہ کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے ایک دوشیزہ سے نکاح کرلیا تھا۔ جس پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک تہدید آمیز خط میں انہیں لکھا"اپنی جان کی قسم! اے ام خالد کے بیٹے تم شادیاں رچارہے ہو اور تمہارے گھر کے

صحن میں ابھی بارہ سو مسلمانوں کا خون بھی خشک نہیں ہوا۔ خط پڑھ کے حضرت خالدؓ نے کہا "یہ حضرت عمر بن خطاب کا کام ہے"

بعض لوگوں کو حیرت ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت خالد کے اتنے خلاف کیوں تھے جب کہ حضرت خالد ان کے ماموں زاد تھے۔ اللہ کی تلوار اور اس کے دین کے خدمت گذار تھے۔ لیکن بعض مورخین کی یہ روایت اس حیرت کو زائل کر دیتی ہے کہ حضرت خالد کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے اس وقت سے خراب تھی جب حضرت خالدؓ نے اسلام بھی قبول نہ کیا تھا اور ان کی یہ رائے تا حین حیات نہ بدلی۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ جنگ احد والے خالد کو نہ بھولے ہوں جس کی جنگی مہارت نے اس میدان میں مشرکوں کو مسلمانوں پر فتح یاب کیا تھا اور جس نے ذات رسالت پر حملہ کرنے کی جرات کی تھی مگر خود حضرت عمرؓ اس کی راہ میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا تھا حقیقت چاہے کچھ بھی ہو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ سے محبت کا سلوک کبھی نہیں کیا۔ اگرچہ وہ ان کی صلاحیتوں کی قدر اور معاملات جنگ میں ان کی غیر معمولی ذہانت کا اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت خالدؓ کے محسوسات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ جب کبھی حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف کوئی حکم ان کے پاس پہنچتا تو وہ سمجھتے تھے کہ اس میں حضرت عمرؓ کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکرؓ نے انہیں عراق سے شام منتقل کیا تو انہوں نے کہا یہ حضرت عمرؓ کا کام ہے اس کا حسد اسے اجازت نہیں دیتا کہ عراق میرے ہاتھوں فتح ہو۔

آپ کو حق ہے کہ حضرت خالد بن ولید کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان ان نمایاں اختلافات پر حیرت کا اظہار کریں لیکن ان دونوں عظیم القدر انسانوں پر تعجب کرنا بھی آپ کا فرض ہے کہ اس نمایاں اختلاف کے ہوتے ہوئے کس طرح وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے رہے اور اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ان کے پر خلوص باہمی تعاون میں کبھی ذرہ برابر فرق نہ آیا حضرت عمرؓ ہمیشہ حضرت ابو بکرؓ کی دوستی ورفاقت میں وفادار رہے۔ انہیں مشورے دے کر اپنا فرض ادا کرتے رہے اور جن احکام کا نفاذ ان کے سپرد کیا جاتا تھا پورے خلوص اور انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اس کی بجا آوری میں کوشاں ہوتے۔ اسی طرح صدیق اکبرؓ بھی ان پر مکمل اعتماد کرتے رہے۔ نہ کبھی اس اعتماد میں کوئی کمی آئی نہ کم و بیش تبدیلی پیدا ہوئی۔ یہ متبادل اخلاص اور یہ قوی اعتماد حکومت کے نظام کی بنیاد اور اس کی طاقت و قوت کا سرچشمہ تھا اس لئے اسلامی مملکت ان دونوں بزرگوں کے عہد میں اس انتہائی بلندی پر پہنچ گئی جہاں دنیا کی کوئی طاقت نہ پہنچ سکی۔ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام تاریخ کے صفحات پر سچائی و امانت اور قوت کا سرمدی نشان بن گیا۔ جس کے جلال اور عظمت کو دنیا کا اور کوئی نشان چھو بھی نہ سکا۔

حضرت ابو بکرؓ نے مالک بن نویرہ کے قتل اور اس کی بیوی لیلی سے نکاح کر لینے پر نہ صرف یہ کہ حضرت خالد بن ولید کو قید کرنے سے انکار کر دیا بلکہ انہیں یمامہ بھیج دیا جہاں حضرت خالدؓ کو شاندار فتح ہوئی۔ یہ فتح گویا تمام جزیرہ نمائے عرب میں فتنہ ارتداد کے خاتمے کا اللہ کی طرف سے اعلان تھا باوجود یہ کہ اس میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے اور ان شہیدوں کے غم میں سارا مدینہ ایک ماتم کدہ سا بن گیا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ اپنے بھائی زید بن خطاب کی شہادت پر بے انتہا رنجیدہ و غمگین تھے۔

جمع قرآن کی عظیم الشان خدمت کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب ان کے متعلق فرماتے تھے خدا کی رحمت ہو ابو بکرؓ پر جمع مصحف میں وہ سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں تو بلاشبہ حضرت عمرؓ بھی اس اجر اور فضیلت میں ان کے شریک و سہیم ہیں اور مسلمان کتاب اللہ کی جمع و ترتیب کے لئے جتنے حضرت ابو بکرؓ کے منت گزار ہیں اتنے ہی حضرت عمرؓ کے احسان مند ہیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اسامہ کے لشکر کی روانگی سے اختلاف کیا وہ مانعین زکوۃ سے جنگ کرنے کے بھی خلاف تھے لیکن جب یہ حقیقت ان پر واضح ہوئی کہ عزم جہاد کی سیاست' نصرت و رفعت کا زینہ ہے تو وہ اس پر ایمان لے آئے اور اپنی تمام تر قوتیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تائید و اعانت میں صرف کر دیں۔ کیا یہ جہاد کی سیاست نہ تھی جو فتنہ ارتداد کا خاتمہ کر کے مرتدین کو پھر اسلام کے دائرے میں لے آئی اور جس نے تمام جزیرہ نمائے عرب کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا؟ کیا اس سیاست نے عراق کے دروازے کھول کر مسلمانوں کے لئے کسریٰ کی سلطنت فتح کرنے کا راستہ ہموار نہیں کیا پھر تعجب کیوں اگر حضرت عمرؓ اس سیاست پر ایمان لے آئے اور اس کی تائید و حمایت بھی اس زور و قوت سے کرنے لگے جس زور و قوت سے وہ اپنے دوسرے معتقدات کی تائید و حمایت کرتے تھے۔

جب حضرت خالد بن ولید نے عراق میں پیش قدمی کی اور فتح و نصرت کی خبریں جزیرہ نمائے عرب میں اور اس کے گرد و پیش کی فضا میں گونجیں تو حضرت ابو بکرؓ کے دل میں شام کو فتح کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ ایک دن صبح اہل الرائے کو بلا کر جن میں حضرت عمرؓ پیش پیش تھے۔ کہا کہ "رسول اللہ شام پر حملہ کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے لیکن اللہ نے آپ کو یاد فرما لیا۔ اس کے بعد فرمایا! عرب اپنے ماں باپ کے بیٹے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ انہیں رومیوں سے لڑنے کے لئے شام بھیجوں۔ ان میں سے جو مارا جائے گا شہید ہو گا اور نیک لوگوں کے لئے اللہ کے گھر خیر و برکت ہے اور جو زندہ رہے گا وہ دین کی حفاظت اور مدافعت میں زندہ رہے گا۔ اللہ عزوجل اسے مجاہدین کے ثواب سے نعمت اندوز کرے گا۔ یہ کہہ کر اس مسئلے میں ان کی رائے طلب کی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے سب سے پہلے جواب دیتے ہوئے کہا خدا کی قسم ہم نے جب کسی بھلائی کی طرف بڑھنا چاہا آپ ہم پر سبقت لے گئے۔ خدا شاہد ہے یہی بات میں بھی آپ سے کہنے والا تھا۔

یہ تبدیلی جو حضرت عمرؓ کی روش میں ہوئی اور جس نے انہیں جنگی سیاست کا موئد بنایا ان کے انداز فکر کی اس تصویر کے خطوط واضح کرتی ہے جو ہم نے پہلے پیش کئے ہیں اور اس سے ہمارے یقین میں اضافہ ہوتا ہے حضرت عمرؓ ایک باعمل انسان تھے جن کے نزدیک محض فکر کی کوئی قیمت نہ تھی جب تک کہ وہ زندگی کے واقعی پہلو پر اثر انداز نہ ہو۔

اسلام سے مناسبت کے سلسلے میں ان کے طریق فکر کی جو تصویر کھینچی ہے اور عہد صدیقی میں جب وہ احتیاط و گریز کی پالیسی چھوڑ کر جنگ و پیکار کی پالیسی اختیار کرتے ہیں تو اس تصویر کے نقوش اور بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

جب حضرت عمرؓ ایمان لے آئے تو اسی قوت اور اسی جوش کے ساتھ مسلمانوں کی حمایت کرنے لگے جس قوت اور جوش کے ساتھ پہلے ان کی مخالفت کرتے تھے اسی طرح وہ حضرت ابو بکرؓ کی جنگی سیاست سے دامن کش تھے۔ اسامہ کے لشکر کی روانگی پر ان کا دل خوش نہ تھا۔ مانعین زکوۃ کے ساتھ وہ جنگ کرنے پر رضامند نہ تھے جب ارتداد کی جنگوں کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ میں تیاری کی تو وہ اس سے اس حد تک الگ تھلگ رہے کہ مورخین اس سلسلے میں ان کی کسی رائے کا قریب

قریب ذکر ہی نہیں کرتے لیکن حضرت ابو بکرؓ کی یہ جنگی سیاست کامیاب رہی۔ پہلے ارتداد کا فتنہ موت کی نیند سویا پھر عراق فتح ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنا نقطہ نظر بدلا اور پوری قوت کے ساتھ اس سیاست کی تائید کرنے لگے۔ جس طرح قبول اسلام کے بعد ان میں تبدیلی پیدا ہوئی تھی اور وہ پوری قوت کے ساتھ اسلام کی حمایت کرنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی فکر کا یہ نیا موڑ ہی تھا جس کی بنا پر حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بعد خلافت کا بار سنبھالنے کے لئے ان کو منتخب فرمایا اور فتح و نصرت کی جس سیاست کا آغاز خلیفہ اول نے فرمایا تھا وہ ان کے دور میں پوری طرح کامیاب ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی شجاعت و بسالت نے کس طرح اس سیاست کو فروغ دیا کہ اس نے ایران اور روم کی دو عظیم الشان سلطنتوں کو پامال کر کے اسلامی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

لیکن ان دنوں حضرت عمرؓ کے سیاسی مسلک میں جو انقلاب پیدا ہوا اس نے ان کی اجتماعی پالیسی پر کوئی اثر نہیں ڈالا حضرت عمرؓ کا طرز عمل بعض بنیادی امور میں حضرت ابو بکرؓ کے طرز عمل سے مختلف تھا جو بعض اوقات عکس و ضد کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں میں مساوات کے شدید خواہش مند تھے وہ عربی اور عجمی میں کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے اسلام میں سبقت اور تاخیر کرنے والوں میں کوئی تمیز ان کے نزدیک جائز نہ تھی ان کے عہد میں مدینہ کے نزدیک سونے کی ایک کان برآمد ہوئی۔ اور اس کان سے جو سونا نکلا حضرت ابو بکرؓ نے سب مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ ان سے جب کہا گیا کہ سابقون اولون سے ان کی حیثیت کے مطابق ترجیحی سلوک کیا جائے تو انہوں نے جواب میں فرمایا۔ وہ اللہ کے لئے اسلام لائے تھے اور ان کا اجر اللہ کے پاس ہے جو انہیں آخرت میں ملے گا۔ یہ حصہ تو اس دنیا کا ہے پھر جب انہوں نے شام پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو اہل مکہ سے بھی مشاورت اور اعانت چاہی جس طرح اہل مدینہ سے چاہی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ اپنی پالیسی میں طبقاتی نظام کی طرف مائل تھے وہ سابقون اولون کو عام مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ اپنے طبقاتی میلان کو عہد صدیقی میں چھپاتے نہیں تھے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شام پر حملہ کے لئے اہل مدینہ کی طرح اہل مکہ سے بھی مشاورت و اعانت چاہی تو حضرت عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا اور اس لئے کیا کہ وہ اسلام میں سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار کو مشورہ و اثر میں تمام مسلمانوں پر ترجیح کا حق دلوانا چاہتے تھے۔ سہیل بن عمرو نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "کیا ہم اسلام میں تمہارے بھائی اور نسب میں تمہارے اسلاف کی اولاد نہیں ہیں؟ کیا تم محض اس لئے کہ اس نیک مقصد کی راہ میں ہم سے پہلے قدم اٹھا چکے ہو ہمارے رشتوں کو کاٹ رہے ہو اور ہمارے حقوق سلب کر لینا چاہتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مفہوم کی وضاحت اس جواب میں فرمائی "خدا کی قسم میں نے جو کچھ کہا ہے تمہیں سابقین اسلام کے متعلق نصیحت کرنے کے لئے کہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اور تم سے برتر مسلمانوں کے درمیان انصاف ہونا چاہئے۔

سابقین اسلام کی فضیلت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی یہ رائے کسی ذاتی غرض پر نہیں ان کی قناعت پسندی پر مبنی تھی۔ چنانچہ عہد صدیقی میں اور خود اپنا زمانہ خلافت میں ان تمام حضرات سے معاملت اور ان کے درمیان انصاف کرتے ہیں وہ ہر اثر اور ہر غرض سے پاک تھے اس لئے کہ عدل ان کی فطرت تھا۔ اور اس لئے ان کے ذہن میں انصاف کا مفہوم مکمل اور

ان کی بصیرت میں عدل کی تصویر مجسم ہو گئی تھی۔ عہد صدیقی میں وہ دو سال تک منصب قضاء پر فائز رہے لیکن اس دوران ایک مقدمہ بھی ان کی عدالت میں نہیں آیا۔

حضرت عمرؓ کی یہ جرات استغناء اس نمائشی پیداوار کی پیداکردہ نہ تھی جو ضرورت کے وقت خوشامد اور چاپلوسی کا روپ دھار لیتا ہے۔ خوشامد اور چاپلوسی ان لوگوں کا کام ہے جنہیں دنیا اپنے جال میں پھنسا کر ذلیل کر دیتی ہے۔ لیکن جو شخص دنیا کو پائے حقارت سے ٹھکراتا ہے وہ خوشامد اور چاپلوسی سے بدرجہ اولی مستثنٰی ہوتا ہے۔ یہ صفت ان صالحین کی ہے جن کی روحیں عظیم اور جن کے دل آئینہ کی طرح شفاف ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ ان صالحین کی صف اول میں تھے۔

حضرت عمرؓ کی ان خوبیوں نے جو ان کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں انہیں اپنی اور اپنے عیال واقارب کی بھلائی پر عام بھلائی کو ترجیح دینے کی طرف مائل کیا اور ان کی اس فکر نے جس کی بنا پر وہ عراق وشام کی فتوحات کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ کی سیاست پر ایمان لے آئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اس فیصلہ پر پہنچایا کہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا "کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں خدا کی قسم میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا میں عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں میرا کہنا سنو اور مانو" لوگوں نے کہا "ہم نے سنا اور مانا" اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا اے اللہ میں نے خوب غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی ہے بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے"

لیکن جب بوجھ اٹھانے کا وقت آیا تو انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑی ذمہ داری اور غیر معمولی مشقتوں کا بوجھ تھا لیکن کون تھا جو حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرح اس بوجھ کو اٹھا سکے اور اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے پورے عزم اور پوری قوت سے یہ بوجھ اٹھایا اور دنیا کو اس وقت خیرباد کہا جب اسلامی فتوحات ایران شام اور مصر کو اپنی وسیع آغوش میں لے چکی تھیں جب اسلامی سلطنت فولادی بنیادوں اور آہنی ستونوں پر استوار ہو چکی تھی۔ (حضرت عمر فاروقؓ۔ مصنف محمد حسین ہیکل)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نظریہ انسانی مساوات

حضرت صدیق اکبرؓ کا مساوات انسانی کے نظریے پر ٹھوس ایمان تھا۔ آپ بیت المال سے وظائف کی تقسیم اور حکومت کے اعمال اور ملازمین کے تقرر میں خالص مساوات انسانی اور اہلیت و قابلیت' خدمات اور میرٹ پر کرتے تھے۔ مساوات انسانی کے مسئلہ پر حضرت ابو بکرؓ کا حضرت عمرؓ سے بنیادی اختلاف تھا۔ مال غنیمت اور بیت المال سے تمام مسلمانوں کے درمیان مساوات اور برابری کی بنیاد پر وظائف تقسیم کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا نظریہ تھا کہ وظائف وغیرہ کی تقسیم میں سب سے پہلے اور زیادہ حق سابقون کا ہے جو کہ میں سب سے پہلے اسلام لائے اس کے بعد ان مہاجرین کا حق ہے جنہوں نے غزوہ بدر میں حصہ لیا اس کے بعد دیگر غزوات میں حصہ لینے والوں کا حق ہے اس کے بعد قبیلہ بنو ہاشم سے تعلق رکھنے والوں اور حضورؐ کے قرابت داروں کا حق ہے۔ اس کے بعد ان مسلمانوں کا جنہوں نے ہجرت مدینہ کے بعد اسلام قبول کیا اور دائرہ اسلام میں شامل ہوئے۔ الغرض درجہ بدرجہ مختلف طبقات کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکرؓ صدیق کے نزدیک تمام انسان مساوی اور برابر ہیں معاش حال اور وظائف کی تقسیم میں کسی سے امتیازی اور ترجیحی سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ہر انسان کے ساتھ بلا کسی تفریق اور امتیاز کے مساوات اور برابری کا سلوک کرنا چاہئے اور اسلام میں سب کے حقوق و فرائض برابر ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر کوئی انسان اسلام لانے کے معاملہ میں سابقوں میں سے ہے یا اسلام کے لئے مصائب برداشت کئے ہیں یا قربانیاں دی ہیں' ہجرت کی ہے' غزوہ بدر یا دیگر غزوات میں حصہ لیا ہے تو وہ دنیاوی معاملات یعنی معاش اور وظائف کی تقسیم کے معاملہ میں کسی طرح ترجیحی سلوک یا امتیاز یا فوقیت کے مستحق نہیں کیونکہ ہر شخص کے نیک اعمال' خدمات اور قربانیوں کا اجر و معاوضہ اللہ تعالی کی ذات دے گی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے۔ پیدائش کے لحاظ سے سب انسان بلا امتیاز نسل و قبیلہ' رنگ و زبان' قومیت و وطنیت اور خاندان و خانوادہ سب انسان برابر ہیں اور مساوی ہیں سب کے معاشی و معاشرتی اور سیاسی حقوق و فرائض یکساں ہیں۔ لہذا معاش و وظائف کی تقسیم کے سلسلہ میں کسی سے امتیازی اور ترجیحی سلوک خلاف انسانیت اور اصول مساوات کے خلاف ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا نظریہ مساوات انسانی ان کی روشن ضمیری' بنیادی انسانی حقوق اور احترام آدمیت کا عظیم ترین عظمت اور شوکت کا مینارہ نور ہے آج سے چودہ سو سال قبل مساوات انسانی پر اس قدر کامل یقین بلا مبالغہ آپ کو انبیاء کرام کے بعد سیاسی' انسانی اور روحانی لحاظ سے سب سے بلند مقام عطاء کرتا ہے۔

نظام خلافت کا احیاء :

دُنیا کے بعض ممالک میں چند بنیاد پرست لوگ خصوصاً پاکستان میں بعض علماء نظام خلافت کا اجراء چاہتے ہیں۔ لیکن تاریخ اسلام اور دورِ حاضر کے تقاضوں کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اب کبھی دُنیا کے کسی حصہ میں بھی نظام خلافت کا احیاء ناممکن ہے۔ اب بعض ٹھوس وجوہات کی بنا پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ 'غلبہ اسلام' ملت اسلامیہ کا اتحاد اور نظام خلافت کے قیام کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ ہمارے خیال میں اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

1- فاروق اعظمؓ کے دور میں صحیح نظام خلافت اور قرآن وسنت کے مطابق اسلامی نظام نافذ ہوا۔ اس کے بعد دو قبیلوں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان اقتدار حکومت کی کشمکش شروع ہوگئی اور قریباً سو سال بعد یعنی خاندان بنو عباس کے دورِ خلافت میں خود بنو ہاشم کے اندر حضرت عباس اور حضرت علیؓ کی اولاد اور شیعان علی کے درمیان زبردست اقتدار حکومت کے لئے جنگ صدیوں سے جاری رہی۔ اور ملت اسلامیہ کا بے پناہ جانی ومالی نقصان ہوتا رہا اور اتحاد واستحکام ملت کا خواب ہمیشہ پریشان رہا ہے۔ 1924ء میں نظام خلافت کے خاتمے کے بعد اب اسلام کا نظام خلافت دنیا میں دوبارہ قائم ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بعض لوگ خلوص ودیانت کے ساتھ دنیا میں نظام خلافت کے ایک بار پھر قائم کرنے کی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ مگر مندرجہ ذیل دو وجوہات کی بنا پر تمام دنیائے اسلام کا ایک نظام خلافت کے تحت متحد ہونا اور مرکز اسلام کا قیام ناممکن ہے۔ تمام دنیائے اسلام قومیت وطنیت کے نظریات کے تحت مختلف ممالک اور قوموں میں تقسیم ہو چکی ہے اور یہ قوم پرستی و حب الوطنی کے جذبات اور احساسات اسلام کے نظریات اور وحدت کے تصورات پر غالب ہیں ہر ملک و قوم سب سے پہلے اپنی قوم کی محبت و وفاداری اور مفاد کو اسلام کے مفاد اور محبت پر ترجیح دیتی ہے۔ کیا عراق 'ایران جنگ' عراق کویت جنگ وغیرہ اس کا واضح ثبوت نہیں ہیں ؟

بقول اقبال!

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

2- دوسری وجہ نظریہ قومیت سے بھی اہم مذہبی فرقہ بندیاں ہیں۔ اُمت مسلمہ کو جس قدر نقصان ہمارے علماء کرام کی مذہبی فرقہ بندی کی وجہ سے پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ ان حضرات کی کم علمی اور ذاتی مفاد کی وجہ سے نہ صرف قرآن کا دین مسخ ہو چکا ہے بلکہ اس کی تعلیمات میں بنیادی تبدیلیاں لائی جاچکی ہیں۔

آنحضرتؐ کے بعد اصل دین اسلام جو حضورؐ اور قرآن کا دین ہے بتدریج تبدیل ہوتا چلا گیا۔ یہ حقیقی دین صرف خلفاء راشدین تک اپنی اصلی شکل وصورت اور تعلیمات کے مطابق قائم رہا۔ وہی اسلام فتوحات 'اصلاحات اور دین اسلام کے نفاذ اور تبلیغ واشاعت کا زمانہ تھا۔ قانون فطرت کے مطابق ملی اتحاد مساوات واخوت' عدل وانصاف 'انسانیت اور انسان دوستی کے بغیر دنیا میں کوئی قوم ترقی وعروج وکمال حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ ذات پات کی اونچ نیچ' نسل وقبیلہ' خاندان وخانوادہ کے

امتیاز رنگ وزبان اور وطنیت و قومیت کے تعصبات اور اختلافات کی بنا پر دنیا کے مسلمان کبھی عروج وکمال تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں اس وقت تمام دنیا کے ہر ملک میں مسلمان قوم کی سیرت و کردار انسانیت کے معیار سے بالکل گر چکی ہے۔ قوموں کی برادری میں ان کا اعتماد اور اعتبار ختم ہو چکا ہے۔ معاشی و معاشرتی لحاظ سے ملت اسلامیہ سب سے پس ماندہ ہے۔ جدید علوم و فنون خصوصاً سائنس و ٹیکنالوجی میں سب سے پس ماندہ ہیں۔ کسی ملک کے مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی اور سیاسی و معاشی استحکام نہیں ہے۔ ہر طرف انتشار و خلفشار نظر آرہا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی سیاسی حکمت عملی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کی عراق میں شاندار فتوحات جزیرہ نمائے عرب یعنی مملکت مدینہ کے اندر منکرین زکوۃ فتنہ ارتداد اور جھوٹے مدعیان نبوت اور دیگر باغیوں کے استیصال اور ملک کے اندر مکمل امن وامان اور سیاسی استحکام کے بعد شام اور عراق عرب یعنی رومی اور ایرانی عالمی طاقتوں کے متعلق سیاسی حکمت عملی کے مطابق سوچ بچار، غور وفکر اور جید صحابہ کے ساتھ صلاح ومشورے شروع کردئے آپ کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوال تھے۔

1-اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اسے جزیرہ نمائے عرب کی حدود کے اندر محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق اسلام کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرنااوراس کی تبلیغ واشاعت مسلمانوں کا فرض ہے۔

2-مملکت مدینہ کی شمالی سرحد شام اور مشرقی حد ایران سے ملحقہ تھیں۔ ان دونوں عظیم الشان عالمی طاقتوں نے اپنے سامراجی مقاصد کے تحت عرب قبائل کی اندھیر نگری اور لوٹ مار کے تحفظ کے لئے اپنے اپنے زیر تسلط ایران کے عراق عرب میں قبیلہ لخم کی حکومت قائم کررکھی تھی جس کادارالخلافہ حیرہ تھا یہ نیم خود مختار حکومت ایران کے زیر تسلط اور ماتحت تھی جو عرب اور ایران کے درمیان ایک بفر سٹیٹ تھی اسی طرح روم نے شام میں ایک عرب قبیلہ غسان کی نیم خود مختار بفر سٹیٹ قائم کررکھی تھی جوروم کے ماتحت تھی اور عرب قبائل کو کنٹرول کرتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ ان عرب قبائل کو ایران اور روم کی غلامی اور محکومی سے آزاد کرانا چاہتے تھے اوران میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔

3-حیرہ کی حکومت میں عرب قبائل کاشتکار تھے مگر زرعی زمینوں کے مالک ایرانی جاگیردار اور زمیندار تھے۔ جب عرب قبائل اپنی محنت ومشقت سے فصل تیار کرتے تو ایرانی زمیندار اور افسران ان کی فصل کا بیشتر حصہ اٹھاکر لے جاتے اور وہ غریب محنت کش کسان بھوک اور مفلسی کا شکار رہتے۔ حضرت ابوبکرؓ ان مظلوم کاشتکاروں کو ایرانی جاگیرداروں اور زمینداروں کے استحصال سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اور سیاسی طور پر بھی آزاد کرانا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ان میں اسلام کی روشنی پھیلانا چاہتے تھے۔

4-حضرت ابوبکر صدیقؓ حکومت حیرہ کو ایران سے اور حکومت غسان کو رومیوں کے سامراجی قبضہ وتسلط سے آزاد کرانے کی تدابیر سوچ رہے تھے۔ مگر ادھر کسریٰ ایرانی اور قیصر روم ہرگز برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ عرب اپنی طاقت ور آزاد اور خود مختار مرکزی حکومت قائم کریں۔ اسی وجہ سے وہ اسلامی مملکت مدینہ کے خلاف سازشوں اور بغاوتوں کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے شام کے محاذ پر حضرت زید بن حارث کی قیادت میں 8ھ میں مدینہ کی طرف سے تین

ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ کیا اور حضورؐ 10ھ میں غزوہ تبوک کے انتہائی مشکل حالات میں بھی ایک بڑی فوج لے کر وہاں پہنچے اور 11ھ میں حضرت ابو بکرؓ نے جیش اسامہ کو شام کی طرف روانہ فرمایا۔ الغرض قیصر روم اور کسریٰ ایران اپنی سرحدوں پر عرب قوم کی آزاد اور خود مختار مرکزی طاقتور حکومت کا وجود اپنی عالمی قوت و طاقت اور سیاسی حیثیت و اقتدار کے خلاف ایک سنگین خطرہ تصور کرتے تھے اور آنحضرتؐ کی عظیم الشان شخصیت نے دین حق کے آفاقی اصولوں اور تعلیمات کی وجہ سے نہ صرف عرب کے پس ماندہ' ناخواندہ اور معاشی لحاظ سے غریب اور سیاسی لحاظ سے کمزور اور متحارب قبائل کو منظم' متحد' اور طاقتور قوم بنا دیا تھا۔ اسی متوقع خطرہ کے پیش نظر روم اور ایران کی حکومتوں نے آنحضرتؐ کے عہد رسالت اور پھر صدیق اکبرؓ کی خلافت کی ابتدا میں ایسی کاروائیاں کی تھیں جو عرب حکومت اور اسلامی اقتدار کے لئے شدید خطرہ تھیں اور مملکت مدینہ کو ان کے سدباب کے لئے ایک مضبوط سیاسی حکمت عملی اور عسکری طاقت کی ضرورت تھی تاکہ اپنا دفاع کر سکے۔

عرب قوم اگرچہ بڑی بہادر اور غیور اور آزادی پسند تھی مگر باہمی افتراق اور جنگ و جدل کی وجہ سے پس ماندہ اور وسائل آمدنی سے محروم ہونے کی وجہ سے غریب رہ کر کمزور تھی اور نہ ہی عرب میں کوئی مرکزی حکومت قائم ہوئی تھی اور نہ ہی وطن و قومیت کا جذبہ و شعور پیدا ہوا تھا اس لئے سیاسی استحکام اور معاشی ترقی اور معاشرتی اصلاح سے ہمیشہ محروم چلی آ رہی تھی یہ تو محض فضل خداوندی تھا کہ اس پس ماندہ ملک میں آنحضرتؐ کی عظیم شخصیت اور نبوت کے فیض سے یہ قوم سیاسی' معاشی معاشرتی اور اخلاقی اقتدار و تعلیم و تربیت سے تاریخ عالم کی سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ قوم بن گئی اور ایک قلیل عرصہ میں تسخیر عالم کے بعد دنیا کی واحد سپر پاور بن گئی۔

کسریٰ ایران کے خلاف عراقی فتوحات کا آغاز :

ایران صدیوں سے ایک طاقتور' مہذب اور ترقی یافتہ عالمی سیاسی قوت و طاقت کے طور پر دنیا میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ ایران میں کئی ایک عظیم الشان حکمران اور فاتحین ہو گذرے تھے اور ایران مدت سے تہذیب و تمدن' فلسفہ و حکمت اور مختلف علوم و فنون کا مرکز رہا تھا۔ ایران نے نہ صرف اپنے ہمسایہ ممالک بلکہ عرب کو بھی تاخت و تاراج کیا تھا اور اس کے کچھ علاقوں عراق عرب' یمن' بحرین اور دیگر کئی سرحدی علاقوں پر اپنا مستقل تسلط قائم کر رکھا تھا۔ بلکہ پورے عرب کو وہ اپنا تحت ملک تصور کرتے تھے۔ قبائل عرب اگرچہ فطری طور پر آزادی پسند تھے مگر سلطنت ایران کے ماتحت اور زیر اثر تصور کرتے تھے مگر بعض اوقات عراق عرب اور دیگر عرب کے متصلہ علاقوں کے عرب کے ایرانی حکومت کے ساتھ جنگ و جدل بھی ہو تا رہتا تھا۔ لیکن جب جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کی مرکزی حکومت قائم ہو گئی اور سیاسی استحکام اسلامی تعلیمات کی وجہ سے عرب شاہراہ ترقی و عروج پر گامزن ہو گیا۔ تو حکومت ایران کو تشویش لاحق ہوئی کہ عرب حکومت ان کی بالادستی بلکہ خود ان کے سیاسی وجود کے لئے بھی خطرہ بن سکتی ہے۔ خصوصاً ان حالات میں کہ ایرانی قوم اور حکومت اپنی بداعمالیوں' سیاسی عدم استحکام اور افتراق و انتشار کی وجہ سے تیزی کے ساتھ روبہ زوال تھی عمائدین حکومت اور امراء وزراء کی سازشوں اور ہوس اقتدار کی کشمکش کی وجہ سے چار سال میں نو بادشاہ قتل ہو چکے تھے اور زوال و تباہی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے ان کی بدبختی کا اس سے

بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ 7ھ میں حضورؐ نے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام دعوت اسلام کا نامہ مبارک بھیجا تو اس نے رعونت اور حماقت سے بغیر پڑھے ہی پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے۔ قدرت خداوندی ہے کہ اس فرعون کا نام و نشان مٹ گیا مگر حضورؐ ہمیشہ کے لئے دونوں جہانوں کے بادشاہ ہیں اور کروڑوں انسان انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ ہر وقت آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے دور میں جب عراق میں جنگیں لڑی گئیں تو اس وقت ایران کے تخت پر شہنشاہ یزدگرد تھا۔

حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانی قبیلہ بو بکر کے سردار تھے اور بحرین میں رہتے تھے اس نے اپنے قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ حضرت علاء بن الحضرمی کی امداد کی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے خالد کو حکم دیا تھا کہ اپنی جنگی کاروائیوں کا آغاز ابلہ سے کریں جو تجارتی مرکز اور ایران کی فوجی چھاونی تھی جس میں کافی اسلحہ موجود تھا۔ آب و ہوا اور کاروبار تجارت کی وجہ سے ایک مشہور بندرگاہ تھی۔ عراق اور سندھ کی تجارتی منڈی اور بندرگاہ تھی۔

جنگ حفیر یا ذات اسلاسل 11ھ :

1- عراق میں پہلی جنگ غزوہ حفیر یا جنگ ذات اسلاسل ہے اس علاقہ کا گورنر ایران کی طرف سے ہرمز تھا اس کی ٹوپی یا تاج کی قیمت ایک لاکھ تھی حضرت خالد کے ساتھ دس ہزار فوج مدینہ سے اور آٹھ ہزار مثنیٰ کی مل گئی تھی۔ خالد نے اپنی فوج کو تین حصوں میں منقسم کیا ایک کا امیر مثنیٰ کو دوسرے کا عدی بن حاتم کو اور تیسرا اپنے ماتحت رکھا۔

خالد نے ہرمز کو خط لکھا کہ اسلام لے آؤ یا جزیہ ادا کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ خالد نے کاظمہ کے مقام پر اپنا معسکر قائم کیا۔ ہرمز نے اپنے لشکر کی صف بندی اس طرح کی کہ میمنہ اور میسرہ پر شاہی خاندان کے دو شہزادوں قباذ اور انوشجان کو مقرر کیا اور اکثر فوجیوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ لیا۔ تاکہ بھاگ نہ سکیں اسی وجہ سے اس جنگ کو "جنگ ذات السلاسل کہتے" ہیں۔ خالد نے ہرمز کو قتل کر دیا ایرانی فوج کو شکست ہوئی مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا قباذ اور انوشجان بھاگ گئے۔

حضرت خالد نے مال غنیمت جس میں ہرمز کا تاج اور ایک ہاتھی تھا مدینہ روانہ کر دیا خالد نے مثنیٰ کو ایرانیوں کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور معقل بن مقرن کو ابلہ روانہ کیا تاکہ اس پر حملہ کا انتظام کرے۔

2-اُبلہ کی فتح :

اُبلہ کو خالد اور سوید بن قطبہ نے ایک حکمت عملی کے تحت فتح کیا تھا بے شمار اہل ابلہ قتل ہوئے کچھ بھاگ گئے اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اُبلہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں فتح ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے خالد کو ہدایت کی تھی کہ وہ عراق میں جنگ کا آغاز اُبلہ سے کریں جو خلیج فارس پر ایک سرحدی مقام تھا۔ ہندوستان اور سندھ کو جو تجارتی قافلے جاتے تھے وہ یہاں سے سفر شروع کرتے تھے اور ان دونوں ملکوں سے جو تجارتی قافلے عراق آتے تھے سب سے پہلے اُبلہ میں قیام کرتے تھے اُبلہ کی فتح کے

متعلق دو روائیں مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں نے اُبلہ کو سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں فتح کیا لیکن بعد میں یہ دوبارہ ایرانیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مسلمان اس پر پوری طرح دوبارہ قابض ہوئے۔ اور اس کی فتح حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی۔ لیکن تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ عراق میں سب سے پہلی جنگ صفیر کے مقام پر لڑی گئی۔

عراق عرب میں جاگیردارانہ نظام قائم تھا زمینوں کے مالک تو ایرانی امراء اور جاگیردار تھے مگر عرب کاشتکاران کے مزارع اور بے مالک کسان تھے ایرانی جاگیرداریاان کے ملازم جب عرب کاشتکاروں کی محنت و مشقت سے فصل تیار ہو جاتی تھی تو آکر تیار شدہ فصل کا بیشتر حصہ خود لے جاتے تھے اور کاشتکاروں کو مختصر حصہ بٹائی دیتے تھے اور اس ظلم و جبر سے ان کا استحصال کرتے تھے جس کی وجہ سے عرب غریب اور مفلوک الحال تھے حضرت ابو بکرؓ نے خالد کو ہدایت کی کہ ان مظلوم غریب محنت کش عرب کاشتکاروں کا خاص خیال رکھیں اور ان کو ایرانیوں کی سیاسی غلامی اور معاشی استحصال سے نجات دلا کر اسلام کی طرف راغب کریں کاشتکاروں کو نہ قتل کریں اور نہ ہی قیدی بنائیں۔ بلکہ زمینداروں کے ظلم و جبر سے نجات دلائیں۔ اور ان عراقی عربوں کو یقین دلائیں۔ کہ اب ان کی مظلومانہ زندگی کے دن ختم ہونے والے ہیں اور اسلام اور عربوں کی حکومت میں انہیں حقیقی عدل و انصاف اور مساوات و آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔ حضرت ابو بکرؓ کی اس حکمت عملی سے مسلمانوں کو جنگ و امن کی حالت میں عربوں کی دلی ہمدردیاں اور تعاون حاصل رہا۔

مصر کے بعد عراق تاریخ عالم میں تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا گہوارہ تھا اور دجلہ و فرات سے سیراب اس علاقہ کی زمین انتہائی زرخیز ہے اور یہاں حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ علیہ اسلام کے علاوہ اور بھی انبیاء کرام پیدا ہوئے اور سیاسی لحاظ سے بڑے بڑے خاندان اور عظیم الشان بادشاہوں اور فاتحین نے جنم لیا اور عظیم سلطنتیں قائم کیں۔ عراق کی زمین انتہائی زرخیز تھی جس میں باغات اور ہر قسم کی اجناس پیدا ہوتیں۔

اسلامی فتوحات کے آغاز کی وجوہات

جب اسلام آیا تو انہی مغلوب عربوں نے ایک ایسی عظیم الشان قوم تیار کر لی جس نے روم اور فارس کی سلطنتوں کو میدان جنگ میں شکست فاش دے کر ایسی عظمت و شوکت حاصل کی کہ تمام عالم میں واحد سپر پاور بن کر ابھری۔

سلطنت ایران کا دار الخلافہ مدائن تھا جو واسط اور بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا یہاں ساسانی خاندان کی حکومت تھی ساسانی سلطنت کی بنیاد اور شہر بایکان نے ڈالی تھی 630ء میں جب آنحضرتؐ نے کسریٰ ایران کو دعوت اسلام کا پیغام بھیجا اور اس وقت نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز ایران کا بادشاہ تھا اس نے نامہ مبارک پھاڑ کر اپنے یمن کے عامل کو لکھا کہ وہ داعی اسلام کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دے۔ اس دوران اس کا بیٹا شیرویہ اسے قتل کر کے خود تخت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد ایران میں حکمرانوں کے قتل کا سلسلہ جاری رہا۔ آنحضرتؐ کے آخری زمانہ میں ایران کے تخت پر شیرویہ کی بہن بوران حکمران تھی۔ بوران کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی ارزی دخت تخت سلطنت پر بیٹھی۔ اس کے بعد شاہ یزدگرد شہریار بادشاہ بنا۔ جس کے زمانہ میں تمام ایران اسلام کے دائرہ میں آگیا۔ جسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شکست فاش دے کر ملک پر قبضہ کر لیا۔

ایران کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم تھی جو اس وقت وسعت اور عظمت و شوکت اور طاقت و قوت کے لحاظ سے دنیا کی دوسری سپر پاور تھی۔ ایک مدت کے بعد اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مغربی حصہ کا مرکز بدستور روم رہا اور مشرقی حصہ کا پایہ تخت قسطنطنیہ قرار پایا۔ ابتدائے اسلام میں قسطنطنیہ کے تخت پر شہنشاہ ہرقل نوکا قابض تھا۔ پھر قیصر نے بغاوت کر کے اس کو قتل کر ڈالا اور 610ء میں سلطنت روما کا بادشاہ بن گیا۔ اس کی حکومت 614ء تک رہی۔ اس کے زمانہ میں مسلمانوں نے شام کو فتح کر لیا۔

آغاز اسلام میں قیصر ہرقل اور نوشیرواں کی فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اس میں ایران کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ ایران نے شام پر اور فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ایرانی فلسطین کے عیسائیوں کی صلیب اتار کر ایران لے گئے تھے 616ء تک مصر اور سکندریہ پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ مسلمانوں کو ایک اہل کتاب کی شکست اور مشرک ایران کی فتح سے دکھ ہوا سورۃ روم میں اس طرف اشارہ ہے۔ 622ء میں ہرقل شاہ روم نے زبردست تیاری کر کے پھر ایران کا مقابلہ کیا اور شاندار فتح حاصل کی آخر 628ء میں خسرو پرویز نے رومیوں سے مصالحت کر لی' مقدس صلیب بھی واپس کر دی اور ہرقل 629ء میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے یروشلم آیا یہی وہ سال تھا جب آنحضرتؐ نے ہرقل کو دعوت اسلام کا خط بھیجا اور وہ خط اس کو بیت

المقدس میں جا کر دیا گیا۔

ابتدائے عہد خلافت میں ان دونوں سلطنتوں کی مندرجہ بالا حالت تھی جس سے مسلمان مجاہدین کو واسطہ پڑا۔

اسلامی فتوحات :

جزیرہ نمائے عرب کا وہ حصہ جو ایک طرف خلیج عقبہ اور دوسری طرف خلیج فارس سے شروع ہو کر شمال کی جانب پھیلتا جاتا ہے۔ خلیج عقبہ کا شمال مشرقی حصہ شام ہے اور خلیج فارس کا شمال مغربی حصہ عراق ہے۔ ان دونوں خلیجوں کے درمیان پہاڑوں کا ایک سلسلہ واقع ہے۔ جو صحرائے نفود اور دشت شام کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ جوف کے علاقہ میں دومتہ الجندل وہ مقام ہے جہاں قدیم زمانے میں شام' عراق اور عرب کی سرحدیں ملتی تھیں اور شام اور عراق کے درمیان دشت شام واقع ہے۔ لخمیوں اور غسانیوں کے ذریعہ سے عربی فتوحات اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اسلامی سلطنت کی تشکیل کا باعث بنے جنوب سے شمال کی طرف عربوں کی نقل مکانی سد مارب کے انہدام اور رومی تجارتی راستوں کا رخ خشکی کی بجائے سمندر کی طرف تبدیل ہونے سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ ان ہر دو واقعات کو عربوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس نقل مکانی کا آغاز سب سے پہلے عرب کے جنوبی علاقوں یعنی حضر موت' یمن' عمان اور بحرین کے لوگوں نے کیا۔ ان عرب قبائل نے ابتدائی زمانہ میں صحرائے شام کی طرف نقل وطن کیا تھا۔ اور عراق و شام کی سرحدوں پر اپنی نیم خود مختار سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ جنوبی علاقوں کے بعض قبائل حجاز میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ بعض قبائل نے بعد میں شام کا رخ کر لیا۔

ایرانی اور رومی سلطنتوں کی پالیسی کے تحت شامی حدود کے قریب بسنے والے عرب قبائل کو رومیوں نے اپنے ساتھ اور عراق کی حدود کے ساتھ بسنے والے قبائل کو ایرانیوں نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ان قبائل نے بھی اندرونی خود مختاری' بدوی' معیشت اور عربی معاشرت برقرار رکھتے ہوئے اپنی ہمسایہ سلطنتوں کی بالادستی تسلیم کر لی یعنی یہ بفر سٹیٹس (Buffer States) بن گئیں۔ شام میں مقیم عرب قبائل اپنے قومی خصائص برقرار رکھتے ہوئے رومی تہذیب و تمدن' عیسائی مذہب اور سیاسی اثرات قبول کرنے سے باز نہ رہ سکے لیکن عراق کی سرحدوں پر آباد ہونے والے عربوں نے صحرا کو چھوڑنے اور عراقی حدود میں داخل ہونے سے پرہیز کیا مگر جب ان کے دلوں سے ایرانی سلطنت کی غلامی کا خوف نکل چکا تو انہوں نے عراق کی حدود میں داخل ہو کر دریائے فرات کے کنارے انبار کا شہر اور اس سے کچھ فاصلہ پر حیرہ کا شہر آباد کر کے یہاں سکونت اختیار کر لی۔ بعد میں لخمیوں نے عراق اور غسانیوں نے دمشق میں بڑی شاندار ترقی کی اور یہ دونوں عرب حکومتیں اپنے اپنے حلیف اور سرپرستوں ایران اور روم کی جنگوں میں بھرپور حصہ لیتی رہیں اور خود بھی عروج و کمال تک پہنچیں' غسانی عرب حکمرانوں کی خود مختاری حیرہ کی لخمی عرب حکومت کے مقابلہ میں کم تھی عراق میں لخمیوں کی داخلی خود مختاری کا دائرہ بہت وسیع تھا لیکن غسانیوں پر عراقی عربوں کا بہت کم اور قیصر روم کا اثر بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ اندرونی خود مختاری اور خالص عربی طرز زندگی اختیار کرنے کا ایک اثر یہ ہوا کہ عراقی اور شامی عربوں کی زبان بدستور عربی ہی رہی۔ اسی طرح ایک فائدہ یہ پہنچا کہ شاہان حیرہ اور امراء بنی غسان کے تعلقات اپنے ہم وطن عربوں سے بہت گہرے اور مخلصانہ رہتے۔ ان تعلقات کی استواری میں

عرب کے شعرا نے بے حد مدد دی۔ جنہیں حیرہ اور غسانی کے بادشاہوں کی طرف سے گراں قدر انعام ملا کرتے تھے۔ نابغہ ذبیانی اعشیٰ قیس اور علقمہ الفحل وغیرہ شعرا نے ان بادشاہو کی مدح سرائی میں زور بیان صرف کیا۔ اسی طرح دربار نبوی کے شاعر حسان بن ثابت کے اسلام لانے سے قبل جبلہ بن الم سے گہرے تعلقات تھے ان متذکرہ بالا تمام امور نے اسلامی فتوحات کے لئے راستہ ہموار کردیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب عربوں نے ان علاقوں میں پیش قدمی کی تو یہاں بسنے والے عربوں نے بسا اوقات ان کی بھرپور امداد کی اور مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر رومی و ایرانی حلیفوں سے جنگ کی۔ اس زمانہ میں رومی سلطنت میں ہر طرف ابتری پھیل گئی تھی اور ہر طرف فتنہ و فساد جاری تھا۔ شہنشاہ روم خوکاس کے خلاف ہرقل کی بغاوت جاری تھی۔ ایرانیوں نے موقع کو غنیمت جان کر شام پر حملہ کردیا اور ان تمام رومی علاقوں پر قبضہ کے بعد بیت المقدس پر بھی قبضہ کرلیا۔ مسیحی و یہودی مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی اور صلیب مقدس کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ شام پر قبضہ کے بعد ایرانیوں نے مصر پر بھی قبضہ کرلیا۔ ایرانیوں کی ان پیہم کامیابیوں کے دوران میں رسول اللہؐ پر یہ آیت نازل ہوئی ''اگرچہ رومی سرزمین شام میں مغلوب ہوگئے ہیں لیکن عنقریب چند ہی سال میں وہ پھر غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس روز اللہ کی مدد کی وجہ سے مومن خوش ہوں گے اللہ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا چند ہی سال میں ہرقل نے دوبارہ طاقت پکڑلی اور ایرانیوں سے نبرد آزما ہو کر ان کو مصر و شام سے نکال دیا۔ صلیب مقدس ان سے چھین لی اور اسے بیت المقدس میں اس کی اصل جگہ پر آویزاں کردیا گیا ان مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں کی قوت و طاقت میں فرق آگیا۔ دیگر امور کے علاوہ یہ امر بھی عربوں کی سلطنت کے قیام اور فتوحات اسلامیہ کے لئے مددگار ثابت ہوا۔ کوفہ کے قریب ایران اور عراق میں عربوں کے درمیان تاریخی جنگ 610ء ذرقا کے مقام پر ہوئی تھی۔ جس میں عربوں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ اسی سال آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا اور اسی جگہ اسی دن کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ پہلا روز ہے کہ جب عربوں کو عجمیوں پر غلبہ حاصل ہوا ہے اور انہیں یہ فتح صرف میری وجہ سے حاصل ہوئی حیرہ کے آخری بادشاہ منذر مغرور کا انتقال 632ء میں ہوا تھا۔ اس کے بعد عراق میں شاہان حیرہ کا دور حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

ادھر شام میں غسانی خاندان کی حکومت ایہم ثانی کے بیٹے جبلہ بن ایہم کی وفات پر غسانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے بعد عراق و شام میں اسلامی دور کا آغاز ہوگیا جو اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں عمل میں آیا۔ ان حالات کی وجہ سے عربوں کے دلوں میں ایرانیوں اور رومیوں کا رعب و دبدبہ جاتا رہا اور ان میں بد دلی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ آزادی اور خود مختاری کا جذبہ اسلامی فتوحات میں ممد و معاون ثابت ہوا۔

جس وقت خالد بن ولید یمامہ میں اور مہاجر بن ابی امیہ اور عکرمہ بن ابو جہل یمن میں مرتدین اور باغیوں کے خلاف کامیاب جنگ سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں خلیفۃ الرسول اللہ کی حکمرانی ہوگی اور پھر کسی کو بغاوت و سرکشی کی جرات نہیں ہوگی۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ بہ نظر غائر جائزہ لے رہے تھے اور سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے کہ عربوں کی دوبارہ شورش اور فتنہ آرائی سے بچنے کے لئے کیا مناسب نہ ہوگا کہ ان کی توجہ کو ایران اور شام کی طرف منعطف کردیا جائے تاکہ انہیں حکومت کے خلاف سر اٹھانے اور فساد برپا کرنے کا کوئی موقع ہی نہ مل سکے۔ اس کے

سامان اللہ نے پہلے ہی پیدا کر دے تھے۔ صحرائے شام میں بسنے والے عرب قبائل سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ بھی دین اسلام کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیں گے۔ جس طرح ان کے ہم وطن قبائل نے قبول کر لیا تھا اور وہ بھی اسلامی تحریک میں شامل ہو جائیں گے یہ خیالات آپ کو توسیع سلطنت اور اقتدار حکومت کے نہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دنیا سے ظلم جبر عوامی استحصال کے خاتمہ عدل وانصاف اور مساوات واخوت اور نظام اسلام کو تمام دنیا میں نافذ کرنے کے رہانی واسلامی جذبہ کے ساتھ تھا حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا پہلا سال مرتدین کی شورش اور بغاوت کو ختم کرنے میں گزرا۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے اس ضروری مسئلہ کی طرف توجہ دی کہ اعلاء کلمۃ الحق اور دین اسلام کی اشاعت کے لئے مسلمانوں کو اب کیا قدم اٹھانا چاہئے اور اپنی جدوجہد کا کیا رخ اور مقصد ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کا یہ نظریہ تھا کہ رومیوں پر حملہ کر دینا چاہئے اور ان جنگوں کو جن کا آغاز رسول اللہؐ موتہ اور تبوک کے ذریعہ فرما چکے تھے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس طرح مسلمانوں کی توجہ رومیوں کی طرف پھیر دینے سے نہ صرف آئندہ سے عرب میں بغاوت وفتنہ وفساد کا خطرہ دور ہو جاتا ہے بلکہ مملکت روم کے طول وعرض میں اسلام کی اشاعت کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ روم کے خلاف محاذ آرائی خطرناک صورت حال بھی اختیار کر سکتی تھی۔ کیونکہ سلطنت روما دنیا کی سپر پاور یعنی عالمی طاقت تھی اور بے پناہ وسائل فوجی قوت، منظم حکومت علوم و فنون اور تہذیب وتمدن کی حامل اور ان کا مذہب عیسائیت ایک شاندار ماضی کا حامل اور ایک الہامی کتاب اور عظیم الشان نبی کی امت تھی۔ اور شام وغیرہ کے عرب قبائل جنہوں نے عیسائیت اختیار کر رکھی تھی وہ اس مذہب پر سختی سے قائم تھے لہذا حکومت کی طاقت اور حامل کتاب عالمگیر مذہب کے پیروکار وغیرہ وہاں اسلام کی اشاعت کے لئے حکومت کی بے پناہ طاقت سے ٹکرانا بڑا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے وہ ایک عالمی طاقت وحکومت تھی رومن امپائر تھی جو تمام یورپ افریقہ اور ایشیا کے اکثر حصوں پر صدیوں سے حکمران چلی آرہی تھی اور تمام دنیائے عیسائیت ان کے ساتھ اور ماتحت تھی لہذا ان کے خلاف جنگ چھیڑنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا بظاہر حضرت ابو بکرؓ کے لئے یہی صورت مناسب تھی کہ وہ عام بغاوت کو فرو کرنے کے بعد تمام تر توجہ سلطنت اسلامی کے اندرونی استحکام اور قیام امن وامان کی طرف مبذول کرتے تاکہ عرب ایک وحدت میں منسلک ہو کر اقوام عالم میں باعزت مقام حاصل کرتے اور اپنی قوت وطاقت میں شاندار اضافہ کرتے۔

صدیق اکبرؓ کا شام کی فتح کا آغاز

فتوحات شام کے متعلق مختلف مورخین کے درمیان بہت اختلافات ہیں ان میں طبری' ابن آثیر' ابن خلدون 'واقدی' ازدی' بلازری وغیرہ شامل ہیں۔ بہر حال ہم نے ان روایات کو تسلیم کر کے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ جو درایت اور حقائق وواقعات کے مطابق نظر آئی ہیں۔

جب حضرت ابو بکرؓ نے عراق کی طرح شام کو فتح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تو سب سے پہلے خالد بن سعید کو حدود شام کی طرف روانہ کیا جب وہ ناکام ہو کر واپس آگیا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو مدینہ آنے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد عکرمہ بن ابو جہل کو اس کی امداد کے لئے بھیجا۔ عکرمہ کے ساتھ ہی ذوالکلاح حمیری کو اس لشکر کا سردار بنا کر بھیجا جو اس کے ساتھ یمن سے آیا تھا۔ اس کے بعد ولید بن عقبہ بھی خالد بن سعید کے پاس پہنچ گئے۔ مسلمانوں کا یہ لشکر شام کی سرحد میں داخل ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ مگر رومی سپہ سالار ماہان نے اس لشکر کو گھیرے میں لے کے عسکری حکمت عملی سے مسلمانوں کو شکست دی خالد بن سعید کا لڑکا بھی مارا گیا اور مسلمان فوج اپنے عرب علاقہ میں واپس آگئی۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو اس شکست کی خبر ہوئی جو خالد بن سعید کی غلطی کا نتیجہ تھی تو آپ کو بہت دکھ ہوا۔ آپ نے شرجیل بن حسنہ یزید بن ابو سفیان' ابو عبیدہ بن جرح اور معاویہ بن ابو سفیان کو لشکروں کے سردار بنا کر شام کے مختلف شہروں کی طرف رومیوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ عمرو بن عاصی اپنے لشکر کے ساتھ عربہ میں مقیم رہے۔ ابو عبیدہ بن جرح بلقاء کو عبور کر کے جابینہ پہنچ گئے شرجیل اردن پہنچ گئے اور یزید بن ابو سفیان نے بلقاء پر معسکر قائم کیا اس وقت مسلمانوں کے تمام لشکروں کی تعداد قریباً تیس ہزار تھی لیکن ان کے مقابلہ پر رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔ ان کے سب سے بڑے لشکر کی تعداد جو ہرقل کے بھائی تزارق کے نوے ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ عمرو بن عاص نے مشورہ دیا کہ ہم سب کو اپنی فوجوں کو ایک جگہ اکٹھی کر لینا چاہئے حضرت ابو بکرؓ نے بھی یہی حکم بھیجا کہ تمام فوجیں اکٹھی ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لیں۔ چاروں اسلامی لشکروں نے یک جا ہو کر دمشق کے راستے میں یرموک کے بائیں کنارے پر پڑاؤ ڈالا تذارق نے دیکھا تو اپنی پوری طاقت دریائے یرموک کے دائیں کنارے پر لا کر جمع کر دی۔ مسلمانوں نے کبھی کثرت تعداد کے زور پر کامیابی حاصل نہ کی تھی بلکہ اپنی قوت معنوی یعنی اعلیٰ قیادت مقصد کی حقانیت اور راسخ الایمان ہونے کی وجہ سے کامیاب ہوئے تھے۔ ایمان کی قوت کی لشکر شام میں کمی نہ تھی یہ سب سچے مجاہدین تھے مگر قیادت کمزور تھی۔ کوئی تجربہ کار بہادر قائد نہ تھا۔ جب یہ حقیقت حضرت ابو بکرؓ پر منکشف ہوئی تو آپ کی نظر خالد بن ولید پر پڑی اور آپ نے خالد کو شام بھیجنے کا فیصلہ کر لیا اور خالد بن ولید کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

تم یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں کی فوج سے مل جاؤ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغہ میں گھر گئے ہیں۔ اے ابو سلیمان! میں تمہیں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے"۔ خالد اس وقت عراق سے جانا نہیں چاہتا تھا وہ کسریٰ کو شکست دے کر فاتح ایران بننا چاہتا تھا۔ کیونکہ فتح موائن کا فخر کوئی معمولی اعزاز نہ تھا۔ ایک عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا اور اس وقت خالد بن ولیدؓ کے لئے مدائن کی فتح کوئی مشکل کام نہ تھا۔ خالد کو یقین تھا کہ اللہ انہیں شام میں بھی عظیم الشان فتوحات نصیب کرے گا۔ چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے تحت سر تسلیم خم کرتے ہوئے عراق سے روانہ ہو کر انتہائی مشکلات کو عبور کرتے ہوئے یرموک کے مقام پر پہنچ گئے جہاں تمام اسلامی لشکر جمع ہو کر خیمہ زن تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو حضرت ابو بکر نے شام کی تمام فوجوں کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے حکم میں خالد بن ولید کو سپہ سالاری کے منصب سے معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ بن جرح کو شامی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا اور خالد بن ولید کو ان کا نائب مقرر کر دیا اور چار سال بعد یعنی 17ھ میں خالد کو فوج سے سبکدوش کر کے گھر بھیج دیا۔

فتوحات شام کا آغاز:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں شام میں مندرجہ ذیل عسکری اہمیت کے اہم واقعات رونما ہوئے جن کے بیان کرنے میں مسلمان مورخین خصوصاً طبری، ازری، واقدی اور بعض دیگر مورخین میں اختلاف رائے ہے۔

1- پہلا واقعہ خالد بن سعید کی شکست اور فرار ہے۔

2- فتح اجنادین

3- جنگ یرموک

بعض مورخین کا خیال ہے کہ خالد بن ولیدؓ عراق سے شام حضرت ابو بکرؓ کے حکم پر شامی افواج کے سپہ سالار بن کر آئے تھے۔ یہی حضرت ابو بکرؓ کا حکم اور مقصد تھا۔ کیونکہ شام میں پانچ سپہ سالار، حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، حضرت یزیدؓ بن ابو سفیان، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ، حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل اور حضرت عمروؓ بن العاص کی زیر قیادت قریباً تیس ہزار مجاہدین کے بہادر لشکر کے ہمراہ موجود تھے اور دو ماہ سے دریائے یرموک کے کنارے وادی وقوصہ کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ رومیوں کی فوج کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار اور مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ مگر کوئی خاص جنگی کاروائی نہ ہوئی اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے محسوس کیا کہ یرموک کے محاذ پر مسلمان فوج کافی تعداد میں موجود ہے۔ ان میں قوت ایمانی، جوش جہاد اور جذبہ شہادت بھی ہے مگر کسی قابل، تجربہ کار، بہادر سپہ سالار یعنی قائد کی ضرورت ہے۔ اس لئے انہوں نے خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام تک ان تمام افواج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔

ایک روایت ہے کہ جب خالدؓ بن ولید جنگ یرموک کے محاذ پر مسلمان امیران عساکر کے پاس پہنچے تو آپؓ نے ان کا اجلاس بلایا عسکری تدبیرات و تزویرات پر غور و خوض کیا اور سب کو مشورہ دیا کہ تمام امیران عساکر متفق و متحد ہو کر یہ فیصلہ

کریں کہ تمام فوج کے امیر باری باری ایک ایک دن کے لئے منتخب کئے جائیں۔ آج ایک امیر ہو اور کل دوسرا اور آج کے دن کے لئے یعنی پہلے روز کے لئے تمام لشکر اسلام کے لئے ان کو یعنی خالدؓ بن ولید کو امیر یعنی سپہ سالار بنا دیں۔ چنانچہ تمام قائدین فوج نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور خالدؓ بن ولید نے اپنی عسکری حکمت عملی تیار کر کے پہلے روز کی لڑائی میں ہی رومی افواج کو شکست فاش دے کر یرموک کی تاریخی جنگ میں شاندار کامیابی حاصل کر لی۔ جو ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

جنگ یرموک کی تفصیلات :

یرموک ایک دریا کا نام ہے۔ جو حوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اردن کے دریا اور بحر مردار میں جا گرتا ہے۔ یرموک کا یہ دریا اردن کے دریا سے جہاں ملتا ہے اس سے تیس چالیس میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جس کا نام وقوصہ ہے یہ مقام ایک وسیع نشیبی علاقہ میں ہے اور تین اطراف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے چونکہ یہ بہت وسیع مقام تھا اس لئے قیصر کی فوجوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر کے لئے اس کو منتخب کر لیا تھا۔ رومی یہاں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل فروکش ہو گئے اب تین طرف سے رومی پہاڑوں میں گھرے ہوئے تھے ان کے سامنے جو راستہ تھا اس پر اسلامی فوج قابض تھی۔ اس طرح وہ محصور ہو کر رہ گئے تھے چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس قدرتی صورتحال پر اظہار مسرت کیا تھا کہ رومی ہمارے گھیرے میں آ گئے ہیں۔ اس وقت رومی فوج تذارک کے ماتحت تھی۔ مقدمۃ الجیش پر سرجیس دونوں بازوؤں پر باہان اور دراقص میدان جنگ کا انچارج پیٹر تھا۔

جنگ یرموک رجب 13ھ :

تاریخ اسلام کے سنہری دور میں دو جنگیں بڑی زبردست تاریخ ساز نوعیت کی ہیں۔ جنگ قادسیہ جو کسریٰ کے خلاف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں لڑی گئی اور دوسری جنگ یرموک جو حضرت خالدؓ کی سپہ سالاری میں قیصر روم کے خلاف لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عظیم جنگوں میں مسلمانوں کو شاندار کامیابیاں عطا کیں۔

مسلمانوں کی فوج کی تعداد 38 ہزار تھی اور رومیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ جو دریائے یرموک کے کنارے وقوصہ کی گھاٹی میں مسلح تیار کھڑے تھے اور ان کا سپہ سالار قیصر کا بھائی تذارک تھا۔ خالدؓ نے عسکری حکمت عملی کے مطابق اپنی فوج کو 38 حصوں میں تقسیم کیا اور ہر دستے کا سالار کسی نہ کسی بہادر کو مقرر کیا اور تمام منصوبہ بندی مکمل کر لی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو طبری کی روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی وقوصہ کی گھاٹی کی نذر ہو گئے۔ مسلمانوں کو تاریخ ساز کامیابی حاصل ہوئی۔ شام میں خالدؓ کی یہ پہلی شاندار کامیابی تھی قیصر کا بھائی تذارک اور بہت سے رومی جرنیل بھی اس جنگ میں مارے گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نظام حکومت

(حضرت ابو بکرؓ کا نظام حکومت جمہوری تھا۔ کیونکہ اسلامی طرز حکومت جمہوری ہے۔ آپ کا انتخاب جمہوری طریقہ سے ہوا اور آپ نے خود فرمایا تھا کہ میرے قول و فعل کا محاسبہ ہو سکتا ہے۔ آپ جب کوئی اہم فیصلہ کرتے تو صحابہ کرامؓ سے صلاح و مشورہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو حکم فرمایا تھا کہ آپ دنیاوی معاملات میں لوگوں سے مشورہ لیجئے لیکن جب عزم کرلیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے۔

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے نظام حکومت کی بنیاد بھی مساوات واخوت اور عدل وانصاف کے آفاقی اصولوں پر قائم تھی کسی خاص نسل قبیلہ' طبقہ خاندان یا افراد کے لئے خصوصی حقوق ومراعات نہ تھیں۔ قانون شریعت کی نظروں میں سب برابر تھے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ عہدے اور ذمہ داریاں صرف اہلیت' قابلیت' خدمات اور کارہائے نمایاں کی بنیاد پر کسی نسل وقبیلہ' خاندان وخانوادہ' تعلق وقرابت کے امتیازات اور سفارش کی وجہ سے نہ ہوتا تھا۔ ہر اہلکار چھوٹا ہو یا بڑا اس کا ظاہر وباطن' ذاتی معیار زندگی تمام لوگوں کے سامنے ہوتا تھا اور دور حکومت اور عوام سب کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا اور ہر فرد ملت کو محاسبہ کا حق حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "مسلمانوں کے معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں"

اسلام میں آمریت اور استبداد نہیں ہے بلکہ جمہوریت ہے۔ سب کے حقوق فرائض برابر ہیں اور مساوی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کبار صحابہ کی مشاورت سے تمام امور مملکت اور اہم معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے جب مسئلہ یا معاملہ پیش ہوتا۔ تو آپ سب سے پہلے قرآن سے اس کا حل تلاش کرتے اگر نہ ملتا تو حدیث سے اور اگر وہاں بھی وضاحت نہ ہوتی تو ارباب فکر و نظر اور عقل دانش سے مشورہ حاصل کرتے اور رائے عامہ کا بھی بڑا احترام کرتے۔ اسوۂ حسنہ کو فوقیت دیتے۔ لیکن جب کسی بات کا فیصلہ کرتے تو پھر صدق دل کے ساتھ عزم وہمت' استقلال واستقامت اور تدبر حکمت عملی کے ساتھ اس پر عمل کرتے اور اللہ پر توکل وبھروسہ کرتے۔ الغرض اسلام کے جمہوری طرز حکومت میں فرقہ بندی' پارٹی بازی' تعصب' ذاتی مفاد اور ہوس اقتدار کا نام و نشان نہیں ہوتا تھا۔ (لہٰذا اسلام کا طرز حکومت شورائی نظام ہے یعنی صدارتی طرز حکومت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی مجلس شوریٰ میں کبار صحابہ' مہاجرین وانصار اور دیگر قبائلی علاقوں کے ارباب علم ودانش' جو ارباب حل و عقد اور معاملہ فہمی اور تدبر وسیاست میں امتیاز رکھتے تھے اور مشیر خاص بھی تھے۔ جن میں حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت معاذ بن جبلؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت محمد بن مسلمہؓ' حضرت خالد بن ولیدؓ' حضرت ابو عبیدہ بن الجراح' حضرت عمرو بن العاصؓ'

حضرت ابو موسیٰ اشعری وغیرہ تمام ممتاز صحابہ شامل تھے۔ مگر آپ کے وزیر اعظم یا مشیر اعلیٰ حضرت عمر فاروقؓ تھے۔
یہی نظام عدل و انصاف اور طرز حکومت حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں بھی جاری رہا۔ حضرت عمرؓ کی وسیع و عریض فتوحات اور ایران مصر' شام اور فلسطین وغیرہ' متمدن' اور ترقی یافتہ ممالک کے اسلامی مملکت میں شمولیت کی وجہ سے جب عربی و عجمی تمدنوں کا اشتراک ہوا تو نظام حکومت میں بھی تبدیلیاں شروع ہو گئیں خاندان بنو امیہ اور خاندان بنو عباس میں خاندانی ملوکیت شروع ہو گئی اور اس کے بعد تمام دنیائے اسلام کے ہر ملک اور ہر قوم میں خاندانی بادشاہتیں قائم ہونے لگیں اور منتخب خلیفہ اور مجلس شوریٰ کا تصور قریباً ختم ہو گیا۔ علماء کرام کا مستقل پیشہ و طبقہ معرض وجود میں آگیا جنہوں نے عموماً اپنے وقت کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے ساتھ سرگرم تعاون کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی علماء کرام کی بھاری اکثریت جمہوری نظام حکومت اور بنیادی انسانی حقوق کے تصور کے خلاف ہیں۔

میراث رسول اللہؐ کا معاملہ

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے بعد حضرت عائشہ کے سوا دیگر سب ازدواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر خلیفۃ الرسول کی خدمت میں بھیجیں اور اپنی وراثت کا مطالبہ کریں۔ جب حضرت عائشہؓ کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ میرے مال میں وارثت جاری نہیں ہو گی۔ میں جو کچھ چھوڑوں کا صدقہ ہو گا۔ یہ ارشاد نبوی سن کر سب ازدواج مطہرات خاموش ہو گئیں "صحیح بخاری" حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے مطالبہ کیا کہ خیبر اور فدک کی جائیداد میراث کے طور پر ان میں تقسیم کی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہؐ سے سنا تھا۔ کہ ہمارے مال میں وارثت نہیں ہو گی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں گے صدقہ ہو گا۔ البتہ حضورؐ کے رشتہ دار نفقہ لے سکتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! سلوک کرنے کے معاملہ میں رسول اللہؐ کی قرابت مجھ کو اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے""" صحیح بخاری" حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں بالکل وہی کروں گا جو رسول اللہؐ کرتے تھے اور اس میں سے کچھ ترک نہ کروں گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے سنا ہے "کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ تاہم میں ان سب کی سرپرستی کروں گا جن پر آپ خرچ کرتے تھے۔ (سند احمد بن حنبل) چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اس جائیداد کا وہی انتظام کیا جو رسول اللہؐ کے عہد میں تھا۔ وہ سال بھر کے لئے اس میں سے ازدواج مطہرات اور حضرت فاطمہؓ کا نفقہ نکالتے تھے۔ اس کے بعد جو باقی بچتا تھا اس کو خدا کا مال قرار دے دیتے تھے۔ یعنی مسافروں 'غریبوں' مسکینوں اور اہل حاجت پر صرف کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کا جواب سن کر حضرت فاطمہؓ کا ردعمل کیا تھا۔ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

1- حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہو گئیں۔ اور آخری وقت تک ان سے گفتگو نہ کی۔ (صحیح بخاری)

2- حضرت فاطمہؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے جواب سے رنج تو ضرور ہوا اور وہ ناراض بھی ہوئیں۔ لیکن بعد میں راضی ہو گئیں (طبقات ابن سعد) البتہ یہ بات حیران کن ہے کہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہؐ کی یہ حدیث کہ "نبی کا کوئی وارث نہ ہو گا جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہو گا" سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسی پاک سیرت ہستی سے ناراض ہو گئیں۔ حضورؐ کی حدیث ہے کہ ہم انبیاء کا گروہ ہیں ہم کوئی میراث نہیں چھوڑتے اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہو گا۔ البتہ اس جائیداد کی آمدنی سے جو کچھ ملتا تھا اب بھی ملتا رہے گا اور بقایا ویسے خرچ کروں گا جیسے آپ کرتے تھے حضرت علیؓ کے بیعت نہ کرنے اور آنحضرتؐ کی میراث کے متعلق روایات خاندان بنو عباس کے دور میں بعض مخصوص سیاسی اغراض کی خاطر وضع کی گئیں تھیں۔ جن میں

حقیقت بہت کم ہے اگر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت ہی نہ کی تھی تو پھر ان سے وراثت کے مطالبے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بیعت کر لی ہوگی اور آپ کو سربراہ مملکت تسلیم کرتے ہوئے ان کے پاس اپنی میراث یعنی فدک اور خیبر کی جائیدادوں میں اپنے حصہ کا مطالبہ لے کر آئے تھے۔ ہمارے خیال میں حضرت فاطمہؓ جیسی عظیم خاتون سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ زمین کے ایک ٹکڑے کے لئے وہ حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہو گئی ہوں۔ ان کے لئے دو راستے تھے یا تو اس حدیث کی صحت سے انکار کر دیتیں یا اس کو تسلیم کر لیتیں اور کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کرتیں۔

آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اپنے قرابت داروں اور اہل قبیلہ سے کبھی کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا تھا اور امت کو بھی ہمیشہ انصاف کرنے کی تاکید کی تھی۔ ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ سے ایک لونڈی طلب کی تو حضورؐ نے جواب دے دیا اور فرمایا کہ لونڈی بیت المال کا مال ہے۔ اس طرح فتح مکہ کے وقت حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب تو حضرت عباسؓ کے پاس ہے آپ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب مجھے عطا فرما دیجئے مگر آپ نے صاف انکار فرما دیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر کلید اس کے حوالے کر دی اور کہا کہ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے۔

فدک و خیبر کی جائیداد:

خیبر جنگ سے فتح کیا گیا تھا اس لئے اس میں آنحضرتؐ کا حصہ مال غنیمت تھا اور فدک چونکہ بغیر جنگ کے اس کے سردار یوشع بن نون نے آنحضرتؐ کے حوالے کر دیا تھا اس لئے یہ مال فے یعنی آنحضرتؐ کا خاصہ تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی علالت

مورخہ 7 جمادی الاخری 13ھ بروز اتوار شدید سردی کا دن تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے غسل کر لیا اور اس کے بعد ہی بخار ہو گیا جو مسلسل پندرہ روز وفات کے دن تک چڑھا رہا۔ کمزوری اتنی شدید ہو گئی کہ باہر نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

اس قدر بیماری کے باوجود خلافت کے معاملات اور حکومت کے امور کی طرف پوری توجہ دیتے رہے۔ لیکن اس وقت جب کہ ان کی صحت یابی کی کوئی امید نہ تھی ان کے پیش نظر اہم ترین معاملہ اپنی جانشینی یعنی خلافت کا اہتمام تھا سوال یہ تھا کہ اگر کسی کو اپنا جانشین نامزد کرتے ہیں تو تمام صحابہ اس پر متفق نہ ہوں گے اور اگر خود کسی کو نامزد نہیں کرتے تو خلافت کے معاملہ پر فتنہ و فساد کا اندیشہ تھا کیونکہ ان کو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اپنے انتخاب کے متعلق سقیفہ بنو ساعدہ کے حالات و واقعات کا سب علم تھا اس لئے وہ چاہتے تھے کہ خلافت کا مسئلہ پرامن طور پر خوش اسلوبی سے طے ہو جائے۔ آخر گہرے غور و فکر اور تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ فاروق کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں صرف حضرت عمرؓ فاروق کی ذات ایسی تھی جو ان کی جانشینی کے فرائض سرانجام دے سکتی تھی۔ چنانچہ اپنے دل میں فیصلہ کر لینے کے بعد انہوں نے کبار صحابہ اور مہاجرین و انصار کے معززین کے ساتھ مشورہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے مشورہ کیا پھر حضرت عثمانؓ بن عفان کو بلا کر اپنے فیصلے کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ اس کے بعد حضرت سعیدؓ بن زید' اسیدؓ بن حضیر وغیرہ سے مشورہ کیا۔ جب یہ خبر تمام مدینہ میں پھیل گئی تو صحابہ کا ایک وفد جس میں طلحہؓ بن عبیداللہ وفد کے قائد تھے وہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپؓ حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کر رہے ہیں۔

"اے خلیفۃ الرسول! عمرؓ کے مزاج میں بڑی سختی ہے اگر آپ نے ایسے سخت مزاج آدمی کو خلیفہ نامزد کر دیا تو خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے"

ان کی بات سن کر صدیقؓ اکبر غصے میں آگئے اور بولے ۔

"مجھے سہارا دے کر بٹھا دو"

جب آپ کو بٹھا دیا گیا تو آپ نے بڑے غصہ و جوش میں فرمایا:

"کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو؟ میں جس وقت اپنے رب کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا' اے اللہ! میں نے تیرے

بندوں پر اس شخص کو خلیفہ بنایا ہے جو ان میں سب سے بہتر ہے"
اس کے بعد طلحہؓ سے مخاطب ہو کر بولے :

"جو کچھ میں نے اس وقت کہا ہے اسے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچا دینا"

جب حضرت عمرؓ کی نامزدگی کا آخری فیصلہ ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ صدیق نے حضرت عثمانؓ کو بلا بھیجا جب وہ آ گئے تو فرمایا :

"عہد نامہ خلافت لکھو" اور ان کو عہد نامہ لکھوانا شروع کر دیا۔ ابھی وہ ابتدائی الفاظ ہی لکھنے پائے تھے کہ صدیق اکبرؓ کو غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ کو ان کا فیصلہ معلوم تھا اس لئے انہوں نے ان کی طرف سے خود ہی یہ الفاظ لکھ دیے :

"میں نے اپنے بعد عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے"

تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور پکار اٹھے۔ اللہ اکبر' اللہ تمہیں جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی"

اس کے بعد عہد نامے کی باقی عبارت لکھوائی۔

پورے عہد نامہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ عہد نامہ ابو بکرؓ بن قحافہ کی اخیر زندگی کا ہے جب کہ وہ دنیا سے کوچ کر رہا ہے اور آخرت کے داخلہ کی یہ پہلی منزل ہے جہاں کافر مومن ہو جاتا ہے' بد عقیدہ صحیح العقیدہ بن جاتا ہے اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے بعد عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے لہذا ان کا حکم سنو اور مانو۔ خوب سمجھ لو کہ میں نے اس معاملے میں اللہ' اس کے رسولؐ اس کے دین' اپنی اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا یہی ظن اور علم ہے اور اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ پائے گا۔ میری نیت نیک ہے لیکن مجھے غیب کا علم نہیں جو ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے"

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جب عہد نامہ ضبط تحریر میں آ چکا تو حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اسے مجمع عام میں پڑھ کر سنا دیں۔ ان کی دعوت پر سب لوگ جمع ہو گئے تو انہوں نے عہد نامہ پڑھ کر سنایا۔ اتنے میں خود حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت اسما بنت عمیس کا سہارا لے کر بالا خانے پر تشریف لائے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں خلیفہ مقرر کروں؟ خدا کی قسم میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا بلکہ عمرؓ بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں تم میرا کہنا سنو اور مانو"

سب لوگوں نے بیک زبان کہا : "ہم نے سنا اور مانا"

اس کے بعد ابو بکرؓ نیچے اتر آئے' حضرت اسماؓ بنت عمیس (اہلیہ) ان کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں۔ نیچے

آکر بستر پر لیٹ گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو دیر تک ان کو نصیحتیں کرتے رہے۔ ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے :

"اے عمرؓ! میں نے تم کو اصحاب رسولؐ پر خلیفہ مقرر کیا ہے ان سے مشورہ کرتے رہنا' یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کا جو حق رات میں ہے وہ اس کو دن میں قبول نہیں کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی نفلی عبادت کو بھی قبول نہیں کرتا جب تک تم فرض ادا نہ کرو۔ اے عمرؓ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دراصل ترازو انہی لوگوں کی بھاری ہے جن کی ترازو یوم قیامت کو بھاری ہو اور حق بھی یہ ہے کہ یوم قیامت کو جس ترازو میں حق کے سوا کچھ نہ ہو اس کو ہی بھاری ہونا چاہئے اے عمرؓ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اہل دوزخ کا ذکر ان کے بدترین اعمال کے ساتھ کیا ہے؟ جب تم ان کو یاد کرو گے تو کہو گے میں امید کرتا ہوں کہ میں ان میں سے نہیں ہوں گا اور اللہ نے اہل جنت کا بھی ذکر ان کے بہترین اعمال کے ساتھ کیا ہے کیونکہ ان کے جو برے عمل تھے اللہ نے ان سے درگزر فرمایا۔ جب تم ان لوگوں کو یاد کرو گے تو کہو گے' میرا عمل ان جیسا کہاں ہے؟ اگر تم نے میری وصیت یاد رکھی تو کوئی ایسا غائب جو تم کو حاضر کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہو' موت کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ در آغا یہ تم موت کو عاجز کرنے والے نہیں ہو"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی :

"اے اللہ! میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس خوف سے کہ اُن میں فتنہ پیدا نہ ہو۔ میں نے جو عمل کیا اس کو تو سب سے بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے بہترین اور قوی ترین شخص کو اپنا جانشین بنایا ہے جو مسلمانوں کی راست روی کا سب سے زیادہ خواہشمند ہے۔ میرا ابلاوا تو آچکا ہے اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں اور ان کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہے"

دوران علالت میں ایک دن دریافت کیا کہ خلیفہ ہونے سے اب تک مجھ کو بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔ حساب کیا گیا تو باختلاف روایت چھ ہزار یا آٹھ ہزار درہم ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ میری فلاں زمین بیچ کر بیت المال کا روپیہ واپس دے دیا جائے چنانچہ ان کے ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ پھر پوچھا کہ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواروں پر میقل کرتا ہے' ایک اونٹنی ہے جس پر پانی لایا جاتا ہے اور ایک معمولی سی پرانی چادر ہے۔

اس دن ابوبکرؓ صدیق سخت بیمار تھے اور زندگی کی آخری منزل طے کر رہے تھے۔ انہوں نے اسی حالت میں حضرت مثنیٰؓ بن حارث کو اپنے پاس بلایا اور عراق عرب کے مفصل حالات سنے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ فاروق کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئے تو انہیں وصیت کی۔

"اے عمرؓ! میرا پیمانہ زندگی لبریز ہو چکا ہے امید نہیں کہ آج میں شام تک زندہ رہوں۔ میں جو کہتا ہوں اس کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ دن میرا دم نکلے تو شام ہونے سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہونے سے پہلے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰؓ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کوئی مصیبت تمہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور دین کے کام سے غافل نہ کرنے پائے۔ تمہیں

معلوم ہے کہ رسول کی رحلت کے بعد میں نے کون سالائحہ عمل اختیار کیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ خدا کی قسم اگر میں اس وقت کمزوری دکھاتا تو دین حنیف کا خاتمہ ہو جاتا اور اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا۔ اگر اللہ تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالدؓ کے لشکر کو واپس عراق عرب بھیج دینا کیونکہ وہ کار آزمودہ اور اس علاقے کے حالات سے واقف ہے اس لئے وہاں کی مہمات کے لئے وہ دوسرے لوگوں سے زیادہ موزوں ہے"

اس وقت (یا دوران علالت میں کسی دن) انہوں نے حضرت عائشہؓ صدیقہ سے فرمایا:

"بیٹی امیری اور غریبی ہر حالت میں، تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز رہی ہو۔ میں نے تم کو جو جاگیر دی تھی کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو بھی شریک کر سکتی ہو؟"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا "بسر و چشم"

انتقال کے دن پوچھا، کہ رسول اللہؐ نے کس دن وفات پائی تھی لوگوں نے کہا دوشنبہ کے دن۔ فرمایا مجھے امید ہے کہ میری موت بھی آج ہی ہو گی۔ پھر وصیت کی کہ میری قبر رسول اکرمؐ کے پہلوئے مبارک میں بنانا۔ اہلیہ محترمہ حضرت اسماؓ بنت عمیس سے فرمایا کہ تم مجھ کو غسل دینا۔ انہوں نے کہا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ فرمایا میرا بیٹا عبدالرحمنؓ تمہاری مدد کرے گا۔

سکرات موت شروع ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو سرہانے بیٹھی تھیں نہایت حسرت سے یہ شعر پڑھا:

"وہ نورانی صورت جس کے چہرے کا واسطہ لے کر بادلوں سے بارش مانگی جائے۔
جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی محافظ ہے"

یہ سن کر فوراً آنکھیں کھول دیں اور فرمایا:

"یہ شان تو رسول اللہؐ کی تھی"

آخر وہ وقت آ گیا جو ہر ذی روح کو لازماً پیش آنا ہے 22 جمادی الاخری 13ھ دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشاء و مغرب کے درمیان یہ آفتاب رشد و ہدایت اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہو گیا۔ آخری وقت زبان مبارک سے یہ دعا جاری تھی

"اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحین کے ساتھ حشر کر"

وصیت کے مطابق حضرت اسماؓ بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے قبر میں اتارا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں رسول اکرم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح تیار کی گئی تھی کہ جب صدیق اکبرؓ کو اس میں لٹایا گیا تو ان کا سر حضورؐ کے شانہ مبارک کے برابر رہا۔

وفات کے وقت عمر 63 برس کی تھی اور مدت خلافت دو سال تین مہینے گیارہ دن۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات

(خلیفۃ الرسول کی وفات آنحضرتؐ کی وفات کے بعد پہلا حادثہ تھا جس نے مدینہ کے اندر کہرام مچادیا۔ اور پورے جزیرہ نمائے عرب میں صف ماتم بچھ گئی جو شخص حضرت ابوبکرؓ کے جتنا قریب تھا ان کی خوبیوں کے برائے راست علم کی وجہ سے اسی قدر اس کو زیادہ ملال تھا) اس سلسلہ میں ہم چند اکابر صحابہ کی تقریروں کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تقریر طویل ہے۔ لیکن ہم بعینہٖ اس کو اس لئے درج کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی ہے اس تقریر سے ان کے خیال کی اصلاح ہو سکے گی۔

حضرت علیؓ کا تعزیتی خطبہ :

حضرت علیؓ کو خلیفۃ الرسول کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی تو فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لے آئے اور فرمایا آج خلافت و نبوت کا انقطاع ہو گیا اور پھر جس مکان پر حضرت ابوبکرؓ کی میت تھی اس کے دروازہ پر کھڑے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔ جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کی حیات طیبہ کا ایک نہایت حسین و جمیل اور ایمان افروز مرقع بھی ہے آپ نے فرمایا :

اے ابوبکرؓ خدا تم پر رحم کرے تم رسول اللہ کے محبوب مونس، راحت، معتمد اور ان کے محرم راز و مشیر تھے اور تم سب سے پہلے اسلام لائے اور تم سب سے زیادہ مخلص مومن تھے تمہارا یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف کرنے والے اللہ کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ بے نیاز یعنی دوسری چیزوں کی پرواہ نہ کرنے والے رسول اللہؐ کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر۔ اسلام پر سب سے زیادہ مہربان۔ رسول اللہؐ کے ساتھیوں کے لئے سب سے زیادہ بابرکت رفاقت میں ان سب سے بہتر، مناقب و فضائل میں سب سے بڑھ چڑھ کر۔ پیش قدمیوں میں سب سے افضل و برتر درجہ میں سب سے اونچے اور وسیلہ کے اعتبار سے آنحضرتؐ سے سب سے زیادہ قریب اور آنحضرت سے سب سے زیادہ مشابہ۔ سیرت میں عادات میں۔ مہربانی و فضل میں صحابہ میں سب سے زیادہ اونچے مرتبہ والے اور حضورؐ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور معتمد تھے پس اللہ اسلام اور اپنے رسولؐ کی طرف سے تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم آنحضرتؐ کے لئے بمنزلہ گوش و چشم تھے۔ تم نے حضورؐ کی تصدیق اس وقت کی جبکہ لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تم کو صدیق کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا سچائی لانے والے محمدؐ ہی ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکرؓ تم نے حضورؐ کے ساتھ غمخواری اس

وقت کی جب لوگوں نے خلل کیا اور تم ناگوار باتوں کے وقت حضورؐ کے ساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جبکہ لوگ آپ سے بچھڑ گئے تم نے سختیوں میں حضورؐ کے ساتھ محبت در فاقت کا حق باحسن وجوہ ادا کیا۔ تم ثانی اثنین اور رفیق غار ثور تھے اور تم پر سکون نازل ہوا تھا۔ تم ہجرت میں آپ کے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور رسول اللہ کی امت پر۔ تم آپؐ کے ایسے خلیفہ بنے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کر دیا جبکہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور تم نے خلافت کا وہ حق ادا کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں کیا تھا چنانچہ تم نے اس وقت مستعدی دکھائی اور تمہارے ساتھی ست ہو گئے اور تم نے اس وقت جنگ کی جب کے وہ عاجز ہو گئے تھے۔ جب وہ کمزور تھے تو تم قوی رہے۔ اور تم نے رسول اللہؐ کے راستہ کو اس وقت تھامے رکھا جبکہ لوگ پست ہو گئے تھے۔ تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ حق تھے اگرچہ اس سے منافقوں کو غصہ اور کفار کو رنج' حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غصہ تھا تم امر حق پر ڈٹے رہے جبکہ لوگ بزدل ہو گئے اور تم ثابت قدم رہے۔ جب وہ ڈگمگا اٹھے تم اللہ کے نور کو لئے بڑھتے رہے۔ جب لوگ کھڑے ہو گئے آخر کار انہوں نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز ان سب سے زیادہ پست تھی مگر آپ کا مرتبہ ان سب سے زیادہ اونچا تھا۔ تمہارا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ سب سے زیادہ تمہاری گفتگو درست تھی۔ آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے۔ آپ کا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ شجاعت میں آپ سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ اور عند الدین کے اولین سردار تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے آپ آخری سردار تھے جب وہ دین کی طرف متوجہ ہوئے آپ مومنین کے لئے رحیم باپ تھے یہاں تک کہ وہ آپ کی اولاد کی طرح ہو گئے۔ جن بھاری بوجھوں کو وہ اٹھا نہ سکے آپ نے اٹھایا۔ جس چیز کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا آپ نے اس کی نگرانی کی اور جو چیز انہوں نے ضائع کر دی تھی تم نے اس کی حفاظت کی۔ جس کو وہ نہیں جانتے تھے تم نے وہ چیز ان کو سکھائی۔ جب وہ عاجز اور درماندہ ہوئے تو تم نے مستعدی دکھائی۔ جب وہ گھبرائے تو تم نے صبر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی تم نے دادرسی کی اور وہ اپنی ہدایت کے لئے تمہاری رائے کی طرف رجوع ہوئے اور کامیاب ہوئے اور جس چیز کا ان کو اندازہ بھی نہیں تھا وہ انہوں نے پالی۔ تم کافروں کے لئے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے مومنین کے لئے رحمت انسانیت اور پناہ تھے تم نے اوصاف و کمالات کی فضا میں پرواز کی تم نے ان کا عطیہ پایا اس کی اچھائیاں لے لیں۔ تمہاری صحبت کو شکست نہیں ہوئی تمہاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی۔' تمہارا نفس بزدل نہیں ہوا تمہارے دل میں خوف پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ کمزور نہیں ہوا تم اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو آندھیاں حرکت نہیں دے سکتیں اور جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا تم رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے اور ارشاد نبویؐ کے مطابق جسمانی اعتبار سے گو کمزور لیکن اللہ کے معاملہ میں قوی تھے اپنے نفس کے اعتبار سے متواضع اللہ کے نزدیک بڑے اور لوگوں کی آنکھوں اور دلوں میں بھاری اور بڑے تھے۔ تمہاری نسبت نہ کوئی طنز کر تا تھا اور نہ وہ حرف گیری کر سکتا تھا تم میں نہ کسی کو طمع تھی اور نہ تم کسی کی رعایت کرتے تھے۔ ضعیف اور پست آدمی تمہارے نزدیک قوی تھا تم اس کو حق دلاتے تھے اور قوی تمہارے نزدیک ضعیف و ذلیل تھا کہ تم اس سے حق لیتے تھے۔ دور و نزدیک دونوں قسم کے آدمی تمہاری نگاہ میں یکساں تھے جو اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور متقی ہوتا تھا وہی تمہارا سب سے زیادہ مقرب تھا۔ تمہاری شان حق سچائی اور نرمی تھی تمہارا حکم قطعی اور تمہارا معاملہ بردباری اور دور اندیشی تھا اور تمہاری

رائے علم اور عزم تھا۔ اب آپ دنیا سے رخصت ہوئے جب راستہ ہموار ہو گیا اور مشکل آسان ہو گئی۔ آگ بجھ گئی اور دین معتدل ہو گیا ایمان قوی ہو گیا۔ اسلام اور مسلمان ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ کا امر غالب آگیا۔ اگرچہ کافروں کو اس سے تکلیف ہوتی تھی۔ تم نے سخت پیش قدمی کی اور اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ تم خیر سے کامیاب ہوئے تم اس سے بلند و بالا ہو کر تم پر آہ و بکا کی جائے۔ تمہاری موت کی مصیبت تو آسمان میں بڑی طرح محسوس کی جا رہی ہے۔ اور تمہاری مصیبت نے تو تمام دنیا کو ہلا دیا ہے۔ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اللہ کی قضا پر ہم راضی ہیں۔ ہم نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے۔ بخدا رسول اللہؐ کی وفات کے بعد تمہاری موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا تم دین کی عزت' جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے مومنوں کے لئے ایک گروہ' قلعہ اور دار الامن تھے منافقوں کے واسطے تشدد اور غضب تھے۔ پس اللہ تم کو تمہارے نبیؐ سے ملا دے اور ہم کو تمہارے بعد تمہارے اجر سے محروم اور گمراہ نہ کرے۔

جب تک حضرت علی یہ خطبہ پڑھتے رہے سب لوگ جو وہاں موجود تھے خاموش رہے لیکن خطبہ ختم ہوتے ہی سب بے تحاشا اس طرح روئے کہ چیخیں نکل گئیں اور سب نے یک آواز کہا ہاں بے شک اے رسول اللہؐ کے داماد آپ نے سچ فرمایا۔ (حوالہ۔ کنز العمال بر حاشیہ سند احمد حنبل جلد چہارم صفحہ 367-366) ترجمہ پیر کرم شاہ صاحب الازہری صاحب۔ خلیفۃ الرسول صفحہ 205 تا 309 جناب طالب الہاشمی

حضرت عائشہ نے فرمایا:

اے ابا اللہ آپ کو سرسبز و شاداب کرے اور آپ کو آپ کی بہترین کوششوں کا بدلہ عطا فرمائے۔ آپ نے دنیا سے منہ موڑا تو اس کو ذلیل کر دیا۔ اور آخرت کا رخ کیا تو آپ نے اس کو عزت بخش دی اگرچہ رسول اللہؐ کے بعد آپ کا حادثہ وفات سب سے بڑا حادثہ ہے لیکن بہر حال اللہ کی کتاب ہم کو حکم کرتی ہے کہ ہم صبر کریں اور یہ صبر ہی آپ کی وفات کا سب سے اچھا عوض ہے اور میں اللہ سے امید کرتی ہوں کہ وہ مجھ کو میرے صبر کا بدلہ دے کر اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اے ابا! آپ اپنی اس بیٹی کا آخری سلام قبول کیجئے جس نے آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے ساتھ پرخاش نہیں رکھی۔ اور اب آپ کے مرنے پر وہ جزع و فزع نہیں کر رہی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد

خلافت کے حالات و واقعات

فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت کے حالات وواقعات

حضرت عمرؓ بن الخطاب کا سلسلہ نسب مندرجہ ذیل ہے :

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام ختمہ بنت ہاشم ولد مغیرہ تھا۔ جو قبیلہ قریش کا سب سے بڑا سرمایہ دار تاجر تھا۔ جو خالد بن ولیدؓ کا دادا تھا۔ ہاشم بن مغیرہ حضرت عمرؓ کے نانا تھے۔ اس طرح حضرت عمر خالد بن ولیدؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ نے اس وقت فاروق کا خطاب دیا تھا جب آپ نے دارارقم میں آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا تھا۔ یہ 6ء نبوی کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں نہ کھلے عام خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کریں۔ چنانچہ تمام مسلمان جن کی تعداد تقریباً چالیس تھی۔ آنحضرتؐ کی زیر قیادت حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کی دو صفوں میں دار الارقم سے خانہ کعبہ پہنچے وہاں قریش کی کافی تعداد موجود تھی مگر ان مسلمانوں نے سب کے سامنے نماز باجماعت ادا کی اور کعبے کا طواف کیا۔ حضورؐ نے اس وقت حضرت عمرؓ کو حق وباطل میں فرق کرنے والے الفاروق کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ کی کنیت ابوالحفص تھی اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیلؑ تک پہنچتا ہے عدنان کے نیچے گیارھویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے ان ہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس اشخاص نے اپنے زور لیاقت اور بہادری سے بڑا امتیاز حاصل کیا اور ان کے انتساب سے دس جدا جدا مور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم' امیہ' نوفل' عبدالدار' اسد' تیم مخزوم' عدی جمح سہم حضرت عمرؓ عدی کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہؐ سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے جد اعلیٰ عدی کو امور نظم ونسق کے صیغوں میں سفارت کا منصب حاصل تھا اور جب آنحضرتؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو اس وقت قبیلہ عدی کی طرف سے حضرت عمرؓ اس منصب پر فائز تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل حضرت عمرؓ کے چچازاد تھے وہ بت پرستی کو ترک کر کے توحید یعنی دین ابراہیم کے پیروکار اور توحید پرست بن گئے تھے۔ زید بت پرستی اور جاہلیت کی رسم ورواج کی مذمت کرتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی تبلیغ وترغیب دیتے تھے۔ اس پر تمام قریش ان کے دشمن ہو گئے۔ اور عمرؓ کے والد خطاب خاص طور پر ان کے شدید دشمن ہو گئے تھے اور وہ آخر مجبور ہو کر مکہ سے نکل گئے تھے اور پہاڑوں میں رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی کعبہ کی زیارت اور طواف کے لئے مکہ آتے۔ اسی زید کے بیٹے سعید سب سے شروع میں آنحضرتؐ پر اسلام لائے اور ان کی بیوی حضرت فاطمہ بھی جو عمر کی ہمشیرہ تھیں عدی کا قبیلہ مکہ میں مقام صفا میں سکونت پذیر تھا۔ پھر عبدالشمس قبیلہ کی

دشمنی کی وجہ سے قبیلہ سہم کے پاس جا آباد ہوئے۔

آپؓ کے پاس قریش کی طرف سے سفارت کا منصب تھا۔ آپ ثالثی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ عکاظ کے میلوں میں علمی ادبی محفلوں اور کشتیوں اور گھوڑدوڑ کے معرکوں اور تجارتی غیر ملکی دوروں کی وجہ سے ان کے تجربہ قابلیت اور اہلیت وصلاحیت اور قریش کے منصب سفارت اور اہم فیصلوں کی وجہ سے آپ کے وقار اور شہرت میں بے حد وحساب اضافہ ہو گیا تھا اور آپ مکہ کی ممتاز ترین شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔

اس زمانہ میں آپ نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت پورے قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ تجارتی سفروں میں حضرت عمرؓ ان غیر ممالک کے نا صرف تجارت پیشہ حضرات بلکہ دیگر ہر مذہب وملت کے معروف لوگوں سے ملتے اور ان سے مذہب اور دیگر علوم وفنون کے متعلق بھی معلومات حاصل کرتے۔ جس سے ان کی خداداد صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو مکہ کے وقار اتحاد اور نظم و ضبط کا بہت احساس تھا۔ مکہ کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کی بڑی قدرومنزلت تھی۔ لوگ دور دور سے مکہ میں خانہ کعبہ کی زیارت حج اور طواف کے لئے آتے تھے اور قریش مکہ کو اس پر فخر تھا اور باہر سے آنے والے مہمانوں اور زائرین کی ہر طرح سے خدمت کرتے مکہ کے معاشرتی نظم ونسق کے لئے قصی بن کلاب کے دور سے ہی قریش نے مکہ کی انتظامیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر ایک قبیلہ کے ذمہ ایک منصب تھا اور متعلقہ قبیلہ اپنی بساط کے مطابق پورے احساس ذمہ داریٔ کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتا تھا۔ قریش کا مذہب بت پرستی اور شرک تھا اور ہر قبیلہ کا اپنا اپنا بت تھا خود خانہ کعبہ میں 360 بت موجود تھے اور قریش کا مذہب ان بتوں کی پرستش کرنا اور ان سے دعائیں اور منتیں مانگنا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ سب حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں جو سب سے بڑا بت شکن اور مواحد تھا۔ حضرت عمرؓ فطرتاً انصاف پسند اور حقیقت شناس تھے۔ طبیعت کے سخت مگر سنگدل نہیں تھے۔ بلکہ رحمدل اور انسانیت پسند تھے آپ کی غیر معمولی صفات اور عظیم خدمات کا سب کو اعتراف تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قبول اسلام :

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کا شوہر سعید بن زید مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر انہوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا اس لئے حضرت عمرؓ کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ حضرت خباب بن الارث فاطمہ اور اس کے شوہر کے پاس آکر قرآن پڑھایا کرتے تھے ایک روز حضرت عمرؓ ہاتھ میں تلوار اٹھائے رسول اللہؐ کے پاس کسی غلط ارادہ سے جانے کے لئے نکلے راستہ میں ان کو نعیم بن عبداللہ ملے جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے آپ کے وہاں جانے کا سبب معلوم کیا۔ انہوں نے اس نئے دین سے بیزاری اور عداوت کا اظہار کیا۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا کہ دین خود تمہارے گھر میں داخل ہو چکا ہے اور تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ وہاں سے سیدھے اپنی ہمشیرہ کے گھر پر گئے دروازہ کھٹکھٹایا اس وقت حضرت خبابؓ آپ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے جونہی انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی۔ حضرت خباب دوڑ کر اندر چھپ گئے۔

بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنا دین بدل ڈالا ہے۔ یہ کہہ کر غصہ اور جوش میں اپنی بہن کو مارنے لگے۔ جس سے ان کے خون بہہ نکلا۔ اس پر آپ کی بہن نے برملا کہا۔ اے عمر! جو تمہارا جی چاہے کرلو میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے بہن کا خون دیکھ کر حضرت عمرؓ کو بہت افسوس ہوا۔ وہاں پر قرآن حکیم کے کچھ ورق پڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن ان کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو پہلے غسل کرو۔ پھر اس پاک کلام کو چھو سکتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کی تو لرز اٹھے لکھا تھا ''آسمانوں میں اور زمین پر جو مخلوق ہے وہ سب کی سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ پھر اس آیت تک پہنچے '''اے لوگو! اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ اور جو مال تمہیں ورثہ میں ملا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو'' حضرت عمرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا اور جو لوگ گھر میں تھے سب نے نہایت مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور خدا کی حمد و ثناء بیان کرنے لگے حضرت خبابؓ نے کہا ''اے ابن خطاب! تمہیں بشارت ہو کیونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن تمہارے حق میں دعا کی تھی کہ ''اے خدا! ان دو لوگوں عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے کسی ایک کو اسلام سے مشرف کر کے اسلام کو غالب اور سر بلند فرما'' ہمیں امید ہے کہ آنحضرتؐ کی دعا آپ کے لئے قبول ہوئی۔ اس لئے آپ کو مبارک ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے میری صداقت ایمان کو جان لیا تو میں نے ان سے کہا مجھے بتاؤ آنحضرتؐ کہاں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس وقت آپؐ صفا کے نزدیک ارقم کے مکان میں تشریف رکھتے ہیں چنانچہ میں وہاں پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی کون ہے؟ میں نے کہا ابن خطاب۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کے خلاف میری شدت سے واقف تھے۔ مگر انہیں میرے اسلام لانے کا علم نہ تھا اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ دروازہ کھول دے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ کیونکہ اگر خدا کو اس کی بھلائی منظور ہوئی تو اسے ہدایت دے گا۔ اس پر لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور دو آدمیوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ آنحضرتؐ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آنحضرتؐ نے میری قمیض پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا۔ اے ابن خطاب اسلام قبول کر لو۔ اے خدا! اسے ہدایت دے تب میں نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی اور خدا نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ یہ سنتے ہی آنحضرتؐ نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جس کی آواز دور دور تک سنی گئی۔ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے تین دن بعد ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 26 سال تھی۔ انہوں نے اسلام لاتے ہی عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب باہر نکلئے پس ہم سب کو مکان سے باہر نکال کر دو صفوں میں تقسیم کیا۔ ایک صف میں حضرت حمزہؓ چلے اور دوسری میں خود چلے۔ حتیٰ کہ ہم مسجد میں داخل ہو گئے قریش نے جب مجھے اور حضرت حمزہؓ کو دیکھا تو انہیں ایسا شدید صدمہ ہوا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ پس اس وقت آنحضرتؐ نے مجھے الفاروق یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والے کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق ابن اسحٰق نے کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا حال خود ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے۔ میں اسلام سے بہت دور بھاگنے والا اور جاہلیت کے زمانے کے تمام برے کام کرنے والا تھا۔ ایک رات میں اپنے دوستوں کی مجلس کی طرف گیا۔ مگر وہاں کسی کو نہ پایا

پھر میں نے سوچا کہ کعبتہ اللہ جاؤں اور طواف کروں چنانچہ میں خانہ کعبہ پہنچا تو رسول اللہ کو وہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپؐ جب نماز پڑھا کرتے تو شام کی جانب منہ کرتے اور کعبتہ اللہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے۔ آپ کا نماز پڑھنے کا مقام رکن اسود اور رکن یمانی دونوں کے درمیان تھا۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو دل میں کہا آج رات محمدؐ کی طرف توجہ کروں اور سنوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پھر میں نے کہا اگر میں سننے کے لئے ان کے نزدیک ہوا تو وہ ڈر جائیں گے۔ اس لئے میں حجر (حطیم) کی جانب سے آیا اور کعبتہ اللہ کے غلاف کے اندر ہو گیا۔ آہستہ آہستہ قریب تر ہونے لگا۔ رسول اللہ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں آپ کے قبلے کی سمت میں آپ کے مقابل ہو گیا۔ آپ کے اور میرے درمیان غلاف کعبہ کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی جب میں نے قرآن سنا تو اس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو گئی میں رو پڑا اور مجھ پر اسلام اثر کر گیا۔ غرض میں اسی جگہ کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے نماز پوری کر لی اور لوٹ گئے۔ آپ جب واپس تشریف لے چلے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ جب آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور رسول اللہؐ نے میری آہٹ سنی تو مجھے پہچان لیا آپ نے خیال فرمایا کہ میں نے صرف آپ کو ستانے کے لئے آپ کا پیچھا کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا اے خطاب کے بیٹے مجھے اس وقت کون سی چیز لائی ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! اس چیز پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں۔ جو آپ اللہ کے پاس سے لائے ہیں پھر تو رسول اللہؐ نے شکر ادا کیا اور فرمایا اے عمرؓ اللہ نے تجھے سیدھی راہ دکھادی پھر آپ نے میرے سینے پر دست مبارک پھیرا اور میرے لئے ثابت قدمی کی دعا فرمائی پھر میں رسول اللہؐ سے لوٹ کر اپنے گھر آگیا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کونسی روایت صحیح ہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے اسلام کی تاریخ میں نئے دور کا آغاز ہوا۔ مسلمان مسجد حرام میں اعلانیہ نماز پڑھنے لگے مذہبی فرائض کی بجا آوری اور دعوت اسلام کی ابتدا کر دی اس سے مسلمانوں کی قوت و طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ قریش مرعوب اور مایوس ہونے لگے۔ عزم راسخ' قوت ارادہ استقلال و استقامت اور شدت عمل انسان کے اصل جوہر ہیں۔ اگر ان کی صحیح تعلیم و تربیت کی جائے اور تعمیری و اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو حیرت انگیز نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی تعلیم اور تربیت ہونے سے وہ تاریخ عالم کی ایک عظیم شخصیت بن کر ابھرے۔ علم و عمل' تدبر و تفکر' سیرت و کردار' عزم و ہمت' استقلال اور استقامت' سیاسی بصیرت تنظیمی صلاحیت اور اپنے عظیم کارہائے نمایاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمات جلیلہ کی بنا پر حضرت عمرؓ بلا مبالغہ شاہکار رسالت کے خطاب و امتیاز کے حق دار ہیں۔ بعض مورخین و مفکرین کا یہ قول ہے کہ "مسلمانوں میں اگر ایک عمر اور پیدا ہو جاتا تو تمام دنیا میں اسلام پھیل جاتا" اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو پانچ دس سال اور خلافت کے مل جاتے تو جس طرح آپ نے ایران اور عراق کو مکمل طور پر فتح کر کے کسریٰ کی سلطنت کا خاتمہ کر کے وہاں اسلام کو غالب کر دیا تھا اسی طرح شام و مصر کی فتح کے بعد اگر حضرت عمرؓ کو مزید پانچ سال حکومت کرنے کا موقع مل جاتا تو آپ بازنطینی سلطنت روم پر مکمل غلبہ حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ پر اسلام کا پرچم لہرا کر اس علاقے کے تمام عوام کو حلقہ بگوش اسلام کر لیتے اس کے بعد یورپ کی فتوحات کا آغاز ہو جاتا۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے متعلق مندرجہ بالا دو روایات ہیں۔ ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا

اسلام لانا ایک جذباتی واتفاقی واقعہ تھا ہمارے خیال میں یہ روایت درائت اور حقائق کے خلاف ہے۔

حضرت عمرؓ نے گزشتہ چھ سال میں لازمی طور پر قرآن کی آیات پڑھی اور سنی ہوں گی اور ان پر غور فکر بھی کیا ہوگا آپ نے اسلام کی شدید مخالفت اپنی قوم کے اتحاد اپنے آباؤاجداد کے مذہب کے تحفظ اپنے قبیلہ کے نسلی تفاخر کعبہ اور مکہ کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کے قیام واستحکام کے تحفظ اور اپنے قبیلہ کی تہذیب وتمدن اور نظام زندگی کو اسلام کی تعلیمات جس کی بنیاد بت پرستی اور شرک کی بجائے خالص توحید پر قائم تھی اور جو کہ نسلی تفاخر اور اونچ نیچ کی بجائے انسانی مساوات اور اخوت اسلامی کے نظام حیات پر قائم تھی۔ ان دونوں نظریوں اور تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا ہوگا۔ آنحضرتؐ کے اسلام لانے کے متعلق آپ کو خود بیان کردہ روایت آپ کی نفسیات انصاف پسندی رحمدلی اور علم وحکمت انسان دوستی اور حقیقت پسندی اور ہر قسم کے جاہلانہ تعصبات اور حسد ومنافرت کے جذبہ کے خلاف تھی جیسے کہ ابوجہل نے کہا ہم آنحضرتؐ کو کبھی بھی نبی و رسولؐ تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ ان کا تعلق ہمارے رقیب ومخالف قبیلہ بوہاشم سے ہے یہ جاہلانہ قبائلی تعصب اور ذاتی عداوت کا جذبہ عمرؓ میں نہ تھا اور وہ حقیقت پسند تھے اگرچہ پورے خلوص کے ساتھ وہ اپنے قبیلہ قریش کے اجتماعی نظام زندگی کو استوار اور تمام عرب میں قریش کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت اور عزت ووقار کے شدید خواہشمند تھے اور یہ رجحان فکر ان کی انتہا پسند فطرت کے عین مطابق تھا۔ ان کے جسم میں قوت وطاقت تھی ان کا ایمان بڑا پختہ تھا اور مزاج میں سختی اور تشدد تھا اس لئے جن مسلمانوں پر ان کا زور چلتا تھا ان پر ضرور ظلم وجبر کرتے اور چاہتے کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ اپنے گھر کی کنیز لبینہ اور عزیز واقارب بھی ان کی انتہا پسندی اور تشدد کا شکار بنے اس انتہائی اسلام دشمنی کے باوجود رحمدلی انصاف پسندی انسان دوستی اور مساوات انسانی کے حامی تھے۔ جو ام عبداللہ بنت ابی حشمہ کے ساتھ گفتگو سے ظاہر ہے۔ جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ ام عبداللہ کے دل پر اس وقت اتنا اثر ہوا کہ اس نے اپنے شوہر سے کہا اگر تم ابھی عمرؓ کی رقت اور دل سوزی کو دیکھتے تو تم کو یقین ہو جاتا کہ عمر عنقریب اسلام لے آئیں گے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی سیرت وکردار اور قبل از اسلام کی زندگی پر بھی غور وفکر کیا۔ کہ آپ ایک سچے اور دیانت دار انسان تھے۔ اب اسلام کی تعلیم کی بنیاد توحید' عدل ومساوات اور انسان دوستی پر ہے اس میں کسی قسم کا استحصال نہیں ہے۔ نسلی افتخار نہیں مساوات اور محبت ورواداری ہے جو لوگ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں ان کی سیرت وکردار اور اخلاق میں شاندار انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مجسم انسانیت بن جاتے ہیں۔ اسلام کی خاطر بے پناہ مظالم اور سختیاں برداشت کرتے ہیں مگر ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوتی۔ قریش کے مظالم سے تنگ آکر اب وہ اپنا وطن اور گھربار چھوڑنے پر بھی تیار ہو گئے ہیں اور ہجرت کر کے حبشہ جارہے ہیں ان کا قصور صرف یہ ہے کہ ان کے عقائد ونظریات قریش کی بت پرستی اور نسلی افتخار اور بداعمالیوں کے خلاف ہیں۔ حالانکہ عرب میں عقائد کا اختلاف عام ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے عقیدہ کی مکمل آزادی ہے وہاں لوگ مختلف بتوں کو پوجتے ہیں یہود اور انصاری اور مجوسی بھی آباد ہیں اور دین ابراہیم کے پیروکار بھی آباد ہیں سب کو عقیدہ کی آزادی حاصل ہے پھر یہ بے انصافی اور تعصب صرف مسلمانوں کے خلاف کیوں جائز تصور کیا جارہا ہے اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ آپ نے سوچنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو بھی اپنے مذہب اور عقیدہ کی آزادی ہونی چاہئے ان کے

ساتھ بھی انصاف ہو اور مذہبی آزادی ہو کہ وہ اپنے نظریات کے مطابق اگر اسلام میں شامل ہونا چاہیں تو مکمل آزادی ان کا حق ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے غیر ممالک شام' مصر' عراق اور یمن کے تجارتی سفروں کے دوران وہاں کے ارباب علم و فضل سے ملاقاتیں کی تھیں اور ان معلومات سے اپنے علم اور فہم میں اضافہ کیا تھا وہ تنگ دل تنگ نظر اور متعصب نہ تھے۔ لہذا ان خیالات کی وجہ سے حضرت عمرؓ میں اسلام کی حقانیت کا ادراک پیدا ہو گیا اور ذہنی تبدیلی اور وسعت نظری سے جب آپ نے غیر جانبدار ہو کر کھلے ذہن سے اسلام کا مطالعہ کیا اور قریش کی روش اور تعصب کا بھی جائزہ لیا تو آپ نے مشرف بہ اسلام ہونے کا از خود اپنے فکر و نظر اور مطالعہ کی روشنی میں فیصلہ کیا تھا۔ آنحضرتؐ کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی کہ اسلام کو قریش میں سے ایک مضبوط دل اور طاقتور شخص کی حمایت حاصل ہو جائے جو اپنے عقیدہ کی خاطر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ ابو جہل یا عمر بن خطاب کے اسلام سے مسلمانوں کو طاقت اور قوت عطا فرما چنانچہ حضرت عمرؓ کے دل میں حقیقی انصاف اور انسانیت کا خداداد عنصر غالب آ گیا۔ اور آپ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بلا تکلف اور براہ راست حاضر ہو کر آنحضرتؐ کے دریافت کرنے پر کہ کس مقصد کے لئے آئے ہو جواب دیا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کی وحی پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں حضرت عمرؓ اسلام میں بھی اس جوش و جذبہ اور خلوص نیت کے ساتھ داخل ہو گئے جس جوش و جذبہ کے ساتھ وہ اسلام کی مخالفت کرتے تھے اس کے بعد اپنی تمام زندگی تبلیغ و اشاعت اسلام اور ملت اسلامیہ کی قوت و طاقت اور غلبہ و کامرانی کے لئے وقف کر دی حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو آپؓ نے سب سے پہلے صبح کے وقت ابو جہل کے گھر جا کر یہ خبر سنائی تاکہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو خبردار کر دیں کہ اب مسلمانوں کی مخالفت اس کے لئے آسان نہیں ہو گی۔ اس طرح بڑے اہتمام کے ساتھ پہلے ہی دن یہ خبر تمام قریش مکہ میں پھیل گئی۔ جو قریش کے لئے ایک سنسنی خیز اور خطرناک خبر تھی۔

قریش اسلام کے خلاف کیوں تھے :

قریش اسلام کی توحید کے خلاف تھے۔ وہ بت پرست اور مشرک تھے۔ ان کو شکوہ و شکایت و اعتراض تھا کہ مسلمان ان کے بزرگوں کو جہنمی قرار دیتے ہیں ان کے سرداروں اور معززین کو بیوقوف قرار دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ مٹی اور پتھر کے بتوں کو خدا تسلیم کرتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔

قریش حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے عرب کا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ مکہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کردہ خانہ کعبہ تھا اور قریش اس اللہ کے گھر کے متولی تھے۔ دیگر قبائل عرب مکہ میں آ کر حج' طواف کعبہ اور دیگر مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اس وجہ سے قریش مکہ کو مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت حاصل تھی ابراہہ حاکم یمن اس وجہ سے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کر کے کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے آیا تھا تاکہ قریش کی مذہبی سیادت اور قیادت کا خاتمہ کر دے مگر وہ تباہ و برباد ہو کر گیا۔ قریش کا بڑا پیشہ تجارت تھا اس لئے سرمایہ دار تھے جو اپنے تجارتی قافلے لے کر شام' فلسطین' یمن اور مصر و عراق تک جاتے تھے۔ دیگر ممالک میں کعبہ کی عظمت اور تقدس کی وجہ سے قریش تاجروں کو مراعات حاصل

تھیں۔ اور سفر کے دوران ان کے قافلے بھی محفوظ ہوتے تھے۔ الغرض قریش مکہ کو تمام عرب میں عزت و احترام حاصل تھا اس لئے اسلام قبول کرنے سے قریش کو سب سے زیادہ اپنی سیادت تجارت اور عزت و وقار کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔

اسلام مساوات انسانی اور اخوت اسلامی کی تعلیم دیتا تھا وہ ہر قسم کی ذات پات اور نسل و قبیلہ کے امتیازات قومی، وطنی اور علاقائی تعصبات کے خلاف تھا قریش اپنے آپ کو نسل و قبیلہ کے لحاظ سے تمام عرب اور عجم سے اعلیٰ اور ممتاز قرار دیتے تھے ان کا نسلی تفاخر دوسروں کو کمزور اور ادنیٰ قرار دیتا تھا۔

قریش مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کی وجہ سے اسلام کو اپنا رقیب تصور کرتے تھے جس کی کامیابی کی وجہ سے ان کے اقتدار تجارت، معاشی خوشحالی اور معاشرتی امتیاز کے زوال کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا عہد خلافت 13ھ تا 24ھ

"تاریخ محمدؐ" میں آپ اس عدیم المثال انسانی انقلاب کی بے مثال تحریک کا مطالعہ کریں گے جس سے نہ صرف ایک شاندار سیاسی انقلاب برپا ہوا بلکہ ایک حیات افروز انسانی و اصلاحی انقلاب جس سے انسان مکمل طور پر اندر سے بدل گیا۔ اس کا ذہن اور نظریہ حیات بدل گیا۔ وہ مجسمہ انسانیت اور فرشتہ سیرت انسان بن گیا۔ مساوات و اخوت' عدل و انصاف' حریت و آزادی' امن و سلامتی محبت و رواداری اور اخلاقی اقدار پر مبنی انسانیت کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ اس انقلابی جدوجہد کے دوران حضورؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کی ایسی تعلیم و تربیت کی کہ وہ سیرت و کردار اور انسانیت کے لحاظ سے ایسے مجسمہ شرافت و نجابت بن گئے۔ جو شاید چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے ہوں۔ ان مشاہیر اسلام نے جذبہ جہاد' شوق شہادت' حق و صداقت' عدل و انصاف' مساوات و اخوت اور عوام دوستی و انسانیت کے ذریعے ایسے تاریخ ساز کارنامے سرانجام دیے کہ ارباب علم و دانش ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ ہم ان فقید المثال مشاہیر اسلام میں سے ایک عظیم ہستی کا تعارف کرانا مناسب خیال کرتے ہیں۔ تاکہ آپ اپنی شاندار تاریخ اور حضورؐ کے تربیت یافتہ مشاہیر کے کارناموں اور ان کے اخلاق و کردار پر جا طور پر فخر کر سکیں۔ یہ نابغہ روزگار ہستی حضرت عمر فاروقؓ ہیں جو آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت اور ہمہ وقت رفاقت کے فیض سے عمر ابن خطاب سے فاروق اعظمؓ اور شاہکار رسالت بن گئے اور حضور اقدسؐ کی نظروں میں وہ بلند مقام پایا کہ آپؐ نے فرمایا "اگر میرے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو وہ عمر فاروقؓ ہوتے"

حضرت عمر فاروقؓ 13ھ/24ء:

حضرت عمر فاروقؓ 583ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سرخ و سفید رنگ دراز قد اور پر وجاہت' رعب دار چہرہ تھا آپ کو بچپن سے ہی گھڑ سواری' نیزہ بازی' تیر اندازی' شمشیر زنی اور پہلوانی کا بہت شوق تھا۔ آپؓ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے آپ کے اسلام لانے کے لئے آنحضرتؐ نے خصوصی دعا کی تھی کہ "اے اللہ! عمرؓ کے اسلام لانے سے دین کو تقویت عطا فرما"

قریش کے نظام معاشرہ میں آپؓ کو سفارت کا منصب حاصل تھا آپ کا پیشہ تجارت تھا اور اس مقصد کے لئے آپ نے عراق' شام' مصر اور یمن کے کئی سفر کئے تھے اور حالات زمانہ سے اچھی طرح واقف تھے۔

حضرت عمرؓ 6 نبوی میں اسلام لائے اس وقت چالیس پچاس افراد اسلام لا چکے تھے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے فوری بعد تمام مسلمان دار الارقم سے دو صفوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کی قیادت میں بیت اللہ میں نماز ادا کرنے کے

لئے حاضر ہوئے اور اب اعلانیہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا آغاز ہو گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ تمام عمر ہر وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔ آپ حضورؐ کے انتہائی قابل اعتماد مشیر و زیر تھے اور انہوں نے آپؐ کی قیادت میں تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت خلافت کے مسئلہ پر انتشار اور خلفشار پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا مگر حضرت عمرؓ کے تدبر، جرات اور دور اندیشی سے ملت اس سنگین بحران سے بچ کر ملی اتحاد اور سیاسی استحکام کے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا اعلان کر کے سب سے پہلے خود ان کی بیعت کر لی اور اس کے بعد قریباً تمام امت نے آپ کی خلافت پر اتفاق کرتے ہوئے ان کی بیعت کر لی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں آپ ان کے مشیر اعلیٰ کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور مملکت اسلامیہ کو تمام اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ کرتے ہوئے امن و امان اور ترقی و خوشحالی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ ایران اور روم کی سپر طاقتوں کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا اور شاندار فتوحات حاصل کیں۔

23 جمادی الآخر 13ھ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ نے ساڑھے دس سال تک حکومت کی اور اس عرصہ میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ و ممالک جو مہذب اور خوشحال تھے۔ یعنی ایران، عراق، شام، فلسطین، لبنان، مصر، خوزستان، آرمینیا، آذربائیجان، کرمان، خراسان اور مکران وغیرہ فقید المثال فتوحات کے ذریعے مملکت اسلامیہ میں شامل کیے۔ اس قلیل مدت میں آپ نے دنیا کی سپر پاورز کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف بیک وقت جنگ شروع کر کے دونوں کو شکست فاش دی۔ کسریٰ کا تو مکمل خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے تمام مقبوضہ علاقوں کو مملکت اسلامیہ میں شامل کر کے وہاں کی تقریباً تمام آبادی کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔

حضرت عمر فاروقؓ تاریخ عالم کے عظیم ترین فاتح ہیں۔ کیونکہ آپ کی فتوحات ذوالقرنین، سکندر اعظم، چنگیز خان اور نپولین وغیرہ کی فتوحات سے مختلف تھیں۔ یہ فاتحین اپنے مفتوحہ علاقوں میں بے دریغ قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے تھے۔ عوام کو غلام بنا کر حکومت پر قبضہ کر لیتے اور سابقہ حکمرانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر کے تمام علاقہ کو تباہ و برباد کر دیتے۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات ان ممالک کے لئے عزت و آزادی اور ترقی و خوشحالی کا پیغام لاتیں۔ عوام کو مکمل بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی ضروریات زندگی حاصل ہوتیں۔ غیر مسلموں کو مذہب کی آزادی اور ان کی مذہبی عبادت گاہوں کو تحفظ حاصل ہوتا۔ ہر ایک کے ساتھ بلاامتیاز مذہب و ملت عدل و انصاف کا سلوک ہوتا اور ہر شہری کو ترقی و خوشحالی کے مساوی مواقع حاصل ہوتے۔ چنانچہ اس حسن سلوک مکمل مذہبی آزادی اور عزت و احترام کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں ان تمام ممالک کے عوام از خود دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے اور یہ ممالک جو حضرت عمرؓ نے فتح کیے تھے۔ آج بھی اسلامی تہذیب و تمدن علوم و فنون اور سیاسی قوت و شوکت کے قابل فخر مراکز ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ حامل قرآن اور عاشق قرآن تھے آپ کا قول تھا کہ یہ اللہ کی کتاب ملت اسلامیہ کی انفرادی، اجتماعی اور قومی زندگی کے لئے بہترین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور تمام قوانین، رشد و ہدایات اور علم و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ آپ کا سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور عدالتی نظام قرآن کے قوانین و ہدایات کے مطابق محکم بنیادوں پر قائم تھا اسی لئے

آپ کی حکومت فلاحی اسلامی مملکت تھی بلا امتیاز، مذہب و ملت ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق حاصل تھے۔ بنیادی ضروریات زندگی میسر تھیں اور بہترین نظام عدل انصاف قائم تھا سیاسی نظام کی بنیاد مشاورت یعنی جمہوریت پر قائم تھی۔ کسی کو آمریت وملوکیت قائم کرنے کی اجازت نہ تھی اور اللہ کے بندوں کو غلام بنانے کا کسی کو حق نہ تھا۔ غیر مسلم آبادی کو مکمل مذہبی آزادی اور برابر کے حقوق حاصل تھے۔ حضرت عمرؓ مساوات انسانی کے حامی تھے اور ہر قسم کی اونچ نیچ نسل وقبیلہ اور خاندان کے امتیازات کے شدید مخالف اور ہر قسم کے استحصال اور بے انصافی کے خلاف تھے۔ آپ نے عراق شام اور مصر وغیرہ کی زرخیز اراضیات اپنے سپہ سالاروں مجاہدین اور فاتحین میں تقسیم کر کے ایک جاگیردار طبقہ پیدا کرنے کی بجائے ان پر قابض کاشتکاروں کے پاس رہنے دیں اور صرف لگان وصول کیا اور اس طرح محنت کش طبقہ کو جاگیرداروں کے ظلم واستحصال سے بچالیا۔ آپ کا یہ فیصلہ قرآن حکیم کی سورۃ حشر کے مطابق تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور جو شخص اسے کاشت کرتا ہے وہی اس کی آمدنی اور پیداوار کا حقدار ہے۔

آپ کو ہر وقت عوام کے سامنے جوابدہی اور اللہ تعالیٰ کے محاسبے کا فکر دامن گیر رہتا تھا انصاف اور امور سلطنت کے معاملات میں حضرت عمر فاروقؓ بہت سخت گیر تھے اور ان کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار یا گورنر کو بھی آپ کے حکم کے خلاف آنکھ اٹھانے کی جرات نہ تھی۔ آپ کے جلال و جمال رعب و دبدبہ اور احتساب کے خوف سے دور دراز علاقوں کے عمال حکومت لرزہ براندام رہتے تھے۔ شجاعت، بہادری عدل وانصاف سادگی رواداری، مساوات، برابری اور بہترین انتظامی حکمت عملی میں سیدنا عمر فاروقؓ اپنی مثال آپ تھے آپ کا دور حکومت اسلامی نظام اور اسلامی فلاحی مملکت کی بہترین عملی مثال ہے آپ اسلامی عدل وانصاف کے علمبردار تھے آپ کے نزدیک سب برابر تھے اور آپ عالمگیر انسانی مساوات اور انسانیت کے حامی تھے اس لئے آج بھی اقوام عالم میں عدل فاروقی کی مثال دی جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی اس قدر وسیع و عریض مملکت میں ہمیشہ امن وامان قائم رہا۔ اور تمام لوگ ہمیشہ خوش و خوشحال رہے اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ نظام مملکت عدل و مساوات کے درخشندہ قرآنی اصولوں پر مبنی تھا۔ سربراہ مملکت کا کردار اس قدر مثالی پاکیزہ، بلند اور سادہ تھا کہ کسی کو انگشت نمائی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ کی سیاسی فراست وبصیرت خداداد صلاحیتوں اور بے داغ سیرت و کردار کا نتیجہ تھا کہ کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار یا گورنر کو مجال انکار نہ تھی آپ نے آنحضرتؐ کے جانثار بہادر صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا گشتی سفیر مقرر کر رکھا تھا۔ جو عموماً مملکت کے دورے کر کے آپ کو عوام کے حالات ان کے مسائل وضروریات اور وہاں کے حکمرانوں کے حالات اور کارگزاری کی اطلاعات پہنچاتے رہتے تھے آپ نے بلا امتیاز نسل وقبیلہ یا خاندان و خانوادہ انتہائی دیانتدار محنتی باصلاحیت اور حق دار اہل افراد کو ان کی خدمات اور صلاحیتوں کے مطابق سول اور فوج میں عہدے اور ذمہ داریاں تفویض کر رکھی تھیں۔ کسی سفارش ذاتی یا خاندانی تعلق و واسطہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا آپ کی عظمت و شوکت رعب و دبدبہ، بے لاگ انصاف اور محاسبہ کے خوف سے کسی بڑے سے بڑے والی اور سپہ سالاروں کو اپنے فرائض سے کوتاہی بے انصافی اور غلط کام کرنے کی جرات و حوصلہ ہی نہ تھا اس لئے تمام نظام حکومت حسن و خوبی سے چل رہا تھا۔ بدیانتی، ناانصافی اور ظلم وزیادتی کا نام ونشاں بھی نہ تھا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ بذات

خود انتہائی دیانتدار، محنتی، انصاف پسند انسان ذو بست خداداد صلاحیتوں کے مالک، خدا اور عوام کے سامنے جوابدہی اور محاسبہ کے تصور سے خوف زدہ رہتے تھے بلا مبالغہ چشم فلک نے ایسا بے مثال حکمران اور ایسا کامیاب نظام حکومت جس میں مکمل امن و سلامتی، ترقی و خوشحالی، عدل و انصاف، مساوات و اخوت اور حریت و آزادی کا دور ہو، نہیں دیکھا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے معاشرے کی بنیاد مساوات انسانی اور اخوت اسلامی کے نظریے پر استوار کی تھی۔ اسلام ذات پات کی اونچ نیچ، نسل و قبیلہ، رنگ و زبان علاقائی امتیازات اور قومیت وطنیت کے تعصبات کے خلاف عالمگیر انسانی برادری محبت و رواداری حریت فکر و عمل، امن و سلامتی اور عدل و انصاف کا درس دیتا ہے۔ اسلام فضیلت و عزت اور احترام کا معیار، دولت و اقتدار، نسل و قبیلہ اور خاندان و خانوادہ سے تعلق کو قرار نہیں دیتا۔ بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری، اعلیٰ سیرت و کردار خدمت خلق اور انسانیت کو قرار دیتا ہے۔ تمام انسان پیدائش کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں امتیاز صرف اہلیت و صلاحیت، اخلاق و کردار، انسانیت اور تعمیری و تخلیقی کارہائے نمایاں سے ہوتا ہے آپ احترام آدمیت اور تقویٰ کو ہر بات پر ترجیح دیتے تھے آپ حضرت بلالؓ بن رواح کو بڑے عزت و احترام سے خطاب فرماتے تھے آپ نے وفات سے قبل اپنی نماز جنازہ کی امامت کے لئے حضرت صہیب رومی کو مقرر فرمایا تھا۔ حالانکہ وہ آزاد کردہ غلام تھے اور تمام کبار صحابہ موجود تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شاندار اصلاحات :

حضرت عمر فاروقؓ نے حکومت کے نظم و نسق کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے بہت سی اہم اور دور رس اصلاحات نافذ کیں جن میں انتظامی اصلاحات، محکمہ مال کا قیام، محکمہ عدل کا قیام فوج و پولیس کا نظام، محکمہ جیل، محکمہ رفاہ عامہ، محکمہ تعمیر و ترقی، نئے شہروں کی تعمیر، محکمہ رسد و خوراک، محکمہ خبر رسانی، محکمہ تعلیم و تبلیغ، محکمہ مساجد کی تعمیر و انتظام، سن ہجری کی ابتدا مرکزی دفتر کا قیام، غیر مسلم رعایا کے حقوق کا محکمہ غلامی کا مکمل خاتمہ زرعی اراضیات کا محکمہ، تعمیری کاموں کا محکمہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عمرؓ نمود و نمائش اور اسراف کے خلاف تھے اور سادگی و کفایت شعاری کی تلقین کرتے تھے اور خود بھی انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے۔

تاریخ عالم کا بے مثال حکمران :

حضرت عمرؓ فاروق گلشن اسلام کے گل سر سبز ہیں۔ آپ کا عہد حکومت تاریخ اسلام کا بے مثال سنہری دور ہے۔

دنیا کے نامور غیر مسلم مورخین و سیاسی مدبرین نے بھی آپ کو مثالی حکمران اور فتوحات ''اصلاحات'' عدل و انصاف، نظام حکومت امن و امان اور عوام کی ترقی و خوشحالی کے نقطہ نظر سے آپ کی حکومت کو دنیا کی مثالی حکومت قرار دیا ہے۔ آپ کی عظیم شخصیت و کردار اور خداداد صلاحیتوں کی بناء پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی حکومتوں کو ان کی تقلید کا مشورہ دیا ہے۔

مصر کا نامور مورخ ہیکل رقمطراز ہے کہ "آپ کا پورا وقت اللہ اور اس کے دین کے لئے وقف تھا اپنی ذات اور اپنے اہل داعیال کی انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ان کا دل ان کی عقل اور ان کے اعضاء و جوارح اس بار عظیم کو اٹھانے میں ہر وقت مصروف رہتے تھے جو قضاو قدر نے ان کے شانوں پر رکھ دیا تھا چنانچہ وہ فوج کے سپہ سالار اعظم تھے فقہائے اسلام میں انہیں فقیہہ اکبر کا مرتبہ حاصل تھا وہ ایک مجتہد تھے وہ ایک انصاف پسند اور پاک دامن قاضی تھے وہ تمام مسلمانوں کے شفیق و مہربان باپ تھے وہ بندہ مومن' تجربہ کار سیاستدان اور صاحب فکرو نظر حکمران تھے جن کی عقل و حکمت نے ان کے لئے مختلف النسل مختلف الانساب اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنادیا تھا۔

مصر کا ایک اور ممتاز مورخ طہ حسین لکھتا ہے "میں نہیں جانتا کہ تاریخ انسانی کسی ایسے شخص کی مثال پیش کر سکے جو حضرت عمرؓ کا سازندہ' حساس' محتاط' اور معصیت سے خائف ضمیر رکھتا ہو" میرا خیال ہے کہ "دنیا کی متمدن اور ترقی یافتہ قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جس مقام پر حضرت عمر فاروقؓ اس زمانہ میں پہنچے تھے۔ آپ عبقریت یعنی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

حضرت عمرؓ کا قول تھا کہ اگر قیامت کے روز میں اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا جواب دے سکا کہ "اے عمر تمہارے بیت المال میں کہاں کہاں سے سرمایہ آیا اور آپ نے اس کو کہاں کہاں اور کس طرح خرچ کیا تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کروں گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وفات سے قبل چھ حضرات پر مشتمل ایک کونسل قائم کر دی۔ جس میں حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت زبیرؓ' حضرت طلحہؓ' حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف شامل تھے اور فرمایا کہ میرے بعد یہ حضرات اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ لوگوں کے سوال پر کہ آپ کا بیٹا عبداللہ بن عمرؓ بھی تقویٰ اور علم و فضل میں کسی سے کم نہیں ان کو بھی اس کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ "اگر یہ خلافت ایک اعزاز ہے تو یہ اعزاز میری وجہ سے میرے خاندان کو حاصل ہو گیا ہے۔ اب یہ اعزاز کسی اور کو ملنا چاہئے اور اگر یہ ایک ذمہ داری تھی تو اب اس ذمہ داری کا بوجھ کسی اور کو اٹھانا چاہئے۔ ہم اپنی باری پوری کر چکے۔ ہوس اقتدار میں مبتلا خود غرض لوگوں کے لئے کس قدر سبق آموز درس عبرت ہے حضرت عمر فاروقؓ صبح کی نماز کی امامت فرما رہے تھے کہ ایک ایرانی کے زہر آلود خنجر سے زخمی ہو کر یکم محرم 24ھ کو جام شہادت نوش فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 63 سال تھی۔ یہ اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کی عمر بھی 63 سال اور حضرت ابو بکرؓ صدیق کی عمر بھی 63 سال تھی۔ حضرت صہیب رومی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

وفات سے قبل آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو حضرت عائشہ صدیقہ سے روضہ نبوی میں دفن ہونے کے لئے اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے فرمایا "یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ کی تھی مگر حضرت عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں" حضرت عائشہ کی طرف سے کتنا شاندار خراج تحسین ہے آپ روضہ اطہر میں مدفون ہوئے اور آپ کو آنحضرتؐ کی رفاقت ہمیشہ کے لئے نصیب ہو گئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کا آغاز 24 جمادی الآخر 13ھ بمطابق 23 اگست 632ء

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے 23 جمادی الآخر 13ھ بمطابق 22 اگست 632ء بعد غروب آفتاب وفات پائی۔ رات کے وقت میت کو غسل دیا گیا اور اس تختہ پر جس پر جناب رسول اللہؐ کا جسد اطہر مسجد نبوی میں لایا گیا تھا اس تخت پر حضرت ابوبکرؓ کا جنازہ بھی مسجد نبوی میں لایا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ چنانچہ نماز کے بعد میت روضہ نبوی کی طرف لائی گئی اور ثانی اثنین کو ان کے محبوب کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا سر مبارک شانہ رسالت کے متوازی رکھا گیا اور لحد سے لحد ملا دی گئی۔ تدفین میں حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنی حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حصہ لیا۔ حضرت عمر تدفین کے بعد حضرت عائشہ کے گھر آئے۔ حاضرین کو سلام کیا اور حضرت عائشہ صدیقہ سے اظہار تعزیت کیا۔ قریباً آدھی رات کے قریب اپنے گھر واپس آئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے سب سے اہم ترین مسئلہ حضرت ابوبکرؓ نے شام اور عراق میں جو محاذ جنگ قائم کر رکھے تھے ان کو نا صرف جاری رکھنا تھا۔ دونوں مقامات پر فوجی امداد روانہ کرنا بلکہ دونوں مقامات پر لشکر اسلام کو فتح و نصرت سے ہمکنار کرنا تھا۔ عراق سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد بن ولید کے شام آجانے سے عراق میں مسلمانوں کی پوزیشن بہت نازک ہو چکی تھی۔ مثنیٰ بن حارث شیبانی کو اپنی بہادری اور جنگی فراست و مہارت کے باوجود عراقی مقبوضات کی حفاظت کرنا مشکل نظر آرہا تھا۔ چنانچہ وہ حیرہ جا کر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ اگرچہ انہوں نے شہریران بن اردشیر نے ہرمز جادویہ کی سرکردگی میں جو ایرانی لشکر بھیجا تھا۔ بابل کے کھنڈروں میں زبردست شکست فاش دی تھی۔ لیکن اس فتح کے باوجود ایرانیوں کے اچانک حملہ کے خطرہ سے اپنے سابقہ مورچوں پر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ کیونکہ اب انہیں پیش قدمی تو کیا مدافعت بھی مشکل نظر آرہی تھی۔ چنانچہ حضرت مثنیٰ بن حارث نے حضرت ابوبکرؓ کو لکھا کہ جو مرتدین تائب ہو چکے ہیں ان سے مدد لی جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں سے جنگ میں مدد لینا اپنے اوپر حرام قرار دے چکے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے جواب میں تاخیر ہوئی تو حضرت مثنیٰ بن حارث اپنی جگہ بشیر بن خصامیہ کو نائب مقرر کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں تمام حالات اور اپنی نازک صورت حال بیان کی اور تائبین کے متعلق آپ کی رائے بدلنے کی کوشش کی۔ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ آپ حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر چکے تھے اور حضرت عمرؓ کو مثنیٰ کے روبرو بلا کر تاکید کر چکے تھے۔ کہ مثنیٰ کو امداد دے کر جلد عراق روانہ کر دیا جائے۔ اگلے روز مثنیٰ نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور دلائل و براہین کے ساتھ اصرار کیا۔ کہ تائبین ارتداد کو ان کی سابقہ غلطیوں کو معاف کر کے اس کی امداد کے لئے عراق بھیجا جائے۔ حضرت مثنیٰ نے یہ دلیل بھی دی کہ تائبین ارتداد مال غنیمت پر جان دیتے ہیں یعنی جہاد کی جائے ان کو مال غنیمت کے حصول کا بھی از حد شوق ہے اور وہ عراق میں ایرانیوں کے خلاف مال غنیمت کے لئے بھی جنگ میں سرگرم حصہ لیں گے۔ چنانچہ مثنیٰ نے حضرت عمرؓ کو یقین دلایا کہ اگر وہ تائبین کو ان کے ساتھ عراق جانے کی اجازت دے دیں تو وہ فتح و نصرت کے ساتھ ایرانیوں کو شکست فاش دیں گے۔ حضرت عمرؓ بڑے مدبر سیاستدان تھے وہ مثنیٰ کے دلائل سے مطمئن تھے اور بڑے عزم و استقلال اور جرات و ہمت کے ساتھ تائبین ارتداد کو عام معافی کا اعلان کر کے محاذ عراق پر جانے کا اذن عام دے دیا اور حضرت مثنیٰ کو عراق روانہ

کرتے ہوئے یقین دلایا کہ مجاہدین کی فوجیں بہت جلد ان کے پاس عراق پہنچ جائیں گی۔

حضرت ابو بکرؓ کو یقین کامل تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ تمام مسلمانوں میں اس مقصد عظیم کے اہل اور قابل ہیں۔ جو ان کی جہادی سیاست کو جاری و ساری رکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ اگلے روز حضرت عمر فاروقؓ کی مسجد نبوی میں بیعت عام ہوئی اور نماز ظہر کے بعد آپ نے منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر اپنا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا۔

پہلے حمد و ثناء پھر رسول اللہؐ پر درود اور اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے۔ اور اس کے بعد فرمایا "اے لوگو! میں تمہی میں سے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ کی حکم عدولی گوارا ہو سکتی تو میں ہرگز یہ گراں ذمہ داری قبول نہ کرتا" یہ فقرے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ بیان فرمائے جن کا لوگوں پر بڑا اچھا اثر پڑا اور انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت عمرؓ واقعی حضرت ابو بکرؓ کے قول کے مطابق اب بدل گئے ہیں اور اب ان میں وہ پہلی سی درشتی اور سختی نہیں رہی۔ جب حضرت عمرؓ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ دُعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! میں سخت ہوں تو مجھے نرم کر۔ اے اللہ میں کمزور ہوں تو مجھے قوت دے اے اللہ میں بخیل ہوں تو مجھے سخی بنا حضرت عمرؓ تھوڑی دیر خاموش ہو گئے اور جلسہ پر سکوت چھا گیا۔ پھر فرمایا اللہ نے میرے ساتھیوں کے بعد مجھے تم میں باقی چھوڑا اور ہمیں آزمائش کے لئے چھوڑا ہے چنانچہ آپ نے اپنا مختصر اور دل نشین خطبہ ارشاد فرمایا" خطبہ کے بعد نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین کو عراق و شام کے حالات سے باخبر کیا اور مسلمانان مدینہ کو مثنیٰ بن حارث کی امداد و اعانت کے لئے عراق جانے کا مشورہ دیا۔ مگر مسلمان خاموش رہے اور عراق جانے کے لئے آمادگی کا اظہار نہ کیا لوگ اس وقت شام کی وجہ سے پریشان تھے کہ عرب کے نامور بہادر ان کے مقابلہ پر کئی ماہ سے ڈیرے ڈالے پڑے تھے خالد بن ولیدؓ بھی وہاں اپنی مختصر فوج کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ مگر پھر بھی کامیابی و نصرت کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے اب حضرت عمرؓ ان کو عراق کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے۔ جو شام سے بھی زیادہ مشکل محاذ جنگ تھا۔ کیونکہ ابھی تک عربوں پر ایران کی ہیبت طاری تھی۔ خالد بن ولیدؓ کی محیر العقول کامیابیوں کے باوجود عرب پر ایران کا رعب طاری تھا۔ پھر اگرچہ مثنیٰ بن حارث ایک بہادر اور ماہر حرب و ضرب سپہ سالار تھا اور اس نے ایرانیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی تھی مگر وہ قریشی تھا اور نہ ہی صحابی رسول وہ قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا اور یہ بھی ان کو معلوم تھا کہ خالد بن ولیدؓ کے عراق سے شام جانے کے بعد عراق سے پسپا ہونے کے بعد حیرہ میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور وہاں سے مدینہ امداد حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ خالد نے ایران کو مرعوب کر لیا تھا وہ خالد کے نام سے کانپتے تھے اور خالد نے شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ چنانچہ پہلے روز حضرت عمرؓ اہل مدینہ کو عراق جانے کے لئے آمادہ کرنے میں ناکام رہے اور مایوس ہو کر رات کے وقت اپنے گھر چلے گئے اور تمام رات اس ناکامی پر غور و فکر اور سوچ بچار کرتے رہے کہ لوگوں کو جہاد عراق میں حصہ لینے کے لئے کس طرح راضی کریں۔ صبح ہوئی تو مسجد میں آئے لوگوں سے بیعت لیتے رہے۔ نماز ظہر کے بعد پھر حاضرین کو خطاب کرنے کے لئے منبر کے قریب آگئے اور بلند آواز سے اعلان فرمایا کہ "مرتدین کے غلام ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیے جائیں اور کہا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عربوں میں غلامی کی رسم قائم ہو جائے" لوگ حضرت عمرؓ کے اس اعلان آزادی پر حیران و ششدر رہ گئے۔ کیونکہ مرتدین کو ان کی عورتوں اور بچوں کے غلام بنانے

کا حکم حضرت ابو بکرؓ نے جاری فرمایا تھا اور حضرت عمرؓ ہی اب اس اہم فیصلہ کو کالعدم قرار دے رہے تھے اور تمام غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ عوام کا عام خیال یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے مرتدین کے فوج میں شامل ہونے اور ان کے غلاموں کو آزاد کرنے کا اہم فیصلہ کر لیا ہے۔ تا کہ یہ لوگ مثنیٰ کی امداد کے لئے عراق روانہ ہو جائیں۔ یہ ایک انقلابی 'سیاسی حکمت عملی تھی۔ جس کے ذریعے حضرت عمرؓ نا صرف افرادی توجہ حاصل کر سکتے تھے بلکہ عرب کے ان قبائل اور عوام کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنا چاہتے تھے جن پر حضرت ابو بکرؓ نے پابندی عائد کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ہمت و جرات اور حکمت و فراست سے کام لے کر عوام کی ہمدردیاں حاصل کر لیں کیونکہ آپ کو حضرت مثنیٰ کے یہ الفاظ بھی بڑے معقول نظر آتے تھے۔ کہ مرتدین جہاد سے زیادہ مال غنیمت کے خواہش مند ہیں اور وہ مال غنیمت کے لالچ میں اسلامی لشکر میں کثرت سے شامل ہو جائیں گے اور افرادی کمی پوری ہو جائے گی۔ تیسرے روز حضرت عمرؓ نے نماز ظہر سے فارغ ہو کر فرمایا کہ "عرب کی مثال ایک نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جائے قسم ہے مجھے رب کعبہ کی! میں انہیں راہ راست پر لا کر چھوڑوں گا" حضرت عمرؓ نے چوتھے روز نماز ظہر کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے اور درشتی سے کانپتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عمرؓ آنحضرتؐ کے عہد مبارک اور حضرت ابو بکرؓ کے دور میں بھی سختی سے پیش آتا رہا۔ لیکن اب کیا ہو گا۔ جبکہ تمام معاملات ان کے ہاتھ میں ہیں۔ اے لوگو! اب تمہارے تمام معاملات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے میرے شانوں پر ڈال دی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اب سختی نرمی سے بدل گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ امن و سلامتی سے رہتے ہیں اور قوت ایمانی رکھتے ہیں میں ان کے لئے سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم و زیادتی کرے گا تو اس کے ساتھ تھوڑی سختی اور درشتی کے ساتھ پیش آؤں گا۔ اور ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف کروں گا" لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں بیان کرتا ہوں۔ پہلا حق یہ ہے کہ اللہ جو تمہیں خراج اور مال غنیمت عطا کرے۔ اس میں سے تم سے کوئی چیز ناحق نہ لوں۔ تم میں سے جو شخص اپنا حق لینے کے لئے آئے اس کو اس کا حق ادا کروں۔ میں انشاء اللہ تمہارے عطیات اور وظائف میں اضافہ کروں گا۔ اور ملک میں امن و امان کے قیام کے لئے مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا اور اگر تم کسی جنگ پر جاؤ گے تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہداری کروں گا۔ اللہ سے ڈرو۔ میری امداد کرو تا کہ میں لوگوں کو نیکی کی طرف بلاؤں اور برائیوں سے منع کر سکوں۔ اور جو خدمات اللہ کی طرف سے میرے ذمہ ہیں۔ ان کی ادائیگی میں میری مدد کرو اور تعاون کرو لوگوں پر حضرت عمرؓ کی اس تقریر کا بہت اچھا اثر پڑا۔ وہ جانتے تھے کہ عمرؓ ہر حال میں انصاف پسند ہے۔ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے اور ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ اپنی سختی اور درشتی کے باوجود عدل و مساوات کے حامی ہیں۔ لہذا سب کا فرض ہے کہ ان پر اعتماد کریں اور جب وہ ملک و ملت کی خدمت کے لئے آواز دیں۔ تو لبیک کہتے ہوئے ان کے حکم کی تعمیل کریں اور دلی تعاون کریں۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے پھر لوگوں سے اپیل کی کہ وہ مثنیٰ کے ساتھ عراق جائیں۔ مگر لوگ پھر بھی گرم جوشی کے ساتھ تیار نہ ہوئے مثنیٰ اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ اور حضرت عمرؓ سے اصرار کر رہے تھے کہ تائبین ارتداد کو ان کی مدد کے لئے بھیجا جائے۔ ان کے اصرار میں اس وقت شدت پیدا ہو گئی۔ جب

حضرت عمرؓ نے حکم دے دیا کہ مرتدین کے غلام ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیئے جائیں انہیں یقین پیدا ہو گیا کہ اس حکم سے تائبین زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ مگر لوگ پھر بھی عراق جانے پر آمادہ نہ ہوئے اور ایرانیوں سے مرعوب نظر آرہے تھے۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ خود تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا کہ لوگو! ایران کو ہوا نہ سمجھو! ہم ان کے سبزہ زاروں کے قلب میں بیٹھے ہیں۔ ہم نے ان کے بہترین حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے ہم ان کے آدھے ملک پر قابض ہو چکے ہیں۔ ہم جب بھی ان کے مقابلہ پر آئے کامیاب و کامران ہوئے۔ ان کے خلاف شاندار فتوحات حاصل کر چکے ہیں۔ خالد بن ولیدؓ اور مسلمانوں کی فتوحات سے ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ سے گھبراتے ہیں اور انشاء اللہ اب آئندہ بھی ایرانیوں سے مقابلہ ہوا تو مسلمان فاتح اور کامران ہوں گے حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کی تقریر سنی اور محسوس کیا کہ ان کی باتوں کا حاضرین پر اچھا اثر پڑا ہے اور ان میں حوصلہ و جرات پیدا ہوئی ہے چنانچہ اب دوبارہ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا "حجاز ایک ایسی جگہ ہے جو تمہیں صرف گزارے کے لئے ہی دے سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں یعنی حجاز ایک پس ماندہ اور غریب ملک ہے اس کی پیداوار میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن مجاہد بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو سر سبز و شاداب اور زرخیز علاقے دے گا اور اپنے گھر بار چھوڑنے والوں کو خوشحالی اور عزت وقار سے نوازے گا اللہ نے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو ان کا وارث بنادے گا اللہ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے اور ان کو قوموں کا سردار بنانے والا ہے اٹھو! اور اللہ کی زمین پر قابض ہو کر اللہ کے دین کو وہاں پھیلا دو اب اللہ تمہیں دنیا کی فاتح اور حکمران قوم بنانے والا ہے"

حضرت عمرؓ اور مثنیٰ کی تقریروں سے عام لوگوں میں زندگی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور جہاد کے لئے پس و پیش پر ذلت محسوس کرنے لگے اب وہ سوچ میں پڑ گئے کہ ہمت و جرات جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے کام لیں جس سے نہ صرف مال غنیمت کے ساتھ زرخیز اور ترقی یافتہ علاقے بھی قبضہ میں آئیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت میں بلند مقام بھی حاصل ہو گا۔ اس پر سب سے پہلے ابو عبیدہ بن مسعود بن عمر الثقفی عراق جانے کے لئے آگے بڑھے انہوں نے سب سے پہلے جہاد عراق کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح نیک بندوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو اپنی زمین کے وارث بنائے گا عراق عجم اور عراق عرب ہزاروں سالوں سے دریائے دجلہ و فرات سے سیراب ہوتا آیا ہے یہاں کی مٹی بڑی زرخیز ہے اس لئے یہ علاقہ زرخیز اور سر سبز و شاداب ہے۔ تجارت اور زرعی دولت کی وجہ سے دنیا کا ترقی یافتہ ملک ہے تاریخی لحاظ سے ابتدائے آفرینش سے ہی تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ اسلام کا طوفان اسی جگہ آیا اور حضرت ابراہیمؑ یہاں پیدا ہوئے اور دنیا کی عالمی سلطنتوں کا پایہ تخت رہا ہے بابل اور نینوا کی عظمت و شوکت کا گہوارہ رہا ہے اور اب یہ تاریخی علاقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت مسلمہ کو ودیعت ہونے والا ہے اٹھو! اور اس جنت نظیر علاقہ پر قابض ہو جاؤ۔ اب یہ تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور مثنیٰ بن حارث کی پر جوش اور حقائق پر مبنی تقریروں سے حاضرین پر خاطر خواہ اثر ہوا اور سب سے پہلے ابو عبیدہ بن مسعود بن عمرو الثقفی نے جہاد عراق کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ان کے بعد

مسلیط بن قیس نے اپنے آپ کو پیش کیا اور مجاہدین کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی اس شاندار کامیابی پر حضرت عمرؓ بے حد خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ حضرت عمرؓ نے عام لوگوں کی توقعات کے خلاف کسی صحابی مدنی یا انصار یا اسلام میں سبقت کرنے والوں میں سے کسی کو امیر لشکر اور سپہ سالار بنانے کی بجائے حضرت ابو عبیدہ ثقفی کو امیر لشکر مقرر فرمایا جس نے سب سے پہلے اپنی خدمات پیش کی تھیں اور سب پر سبقت کا امتیاز حاصل کیا تھا پھر سعد بن عبید مسلیط بن قیس کو بلا کر فرمایا "اگر تم ابو عبید ثقفی پر سبقت کرتے تو فوج کی قیادت میں تمہارے سپرد کرتا اور تمہارے تقدم کا صلہ تمہیں ضرور دیتا۔ لیکن یہاں عدل و مساوات ہے۔

مثنیٰ بن حارث کو جب اطمینان ہو گیا کہ مدینہ کا لشکر ان کی امداد کے لئے جانے کو تیار ہو گیا ہے تو آپ حضرت عمرؓ کی اجازت سے حیرہ روانہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کچھ ضروری ہدایات دیں اور فرمایا کہ اس لشکر کے پہنچنے سے قبل ایران کے ساتھ جنگ شروع نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہ ثقفی کو بھی بڑے مفید مشورے دیے اور فرمایا کہ صحابہ رسول اللہؐ سے مشورے لیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کی راہنمائی فرمائی اور چار دن کے اندر اندر عراق کے محاذ کا انتہائی نازک مسئلہ کامیابی کے ساتھ حل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے دیگر اہم مسائل و مشکلات کی طرف توجہ دینی شروع کر دی ان میں محاذ شام کا مسئلہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ تھا رومی سلطنت کے ساتھ مقابلہ تھا جو فوج کی تعداد اس کی تربیت اور سامان حرب و ضرب میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا۔ سلطنت روما ایک عالمی طاقت تھی۔ اس کا مقابلہ اس کے گھر میں جا کر تائید ایزدی مسلمانوں میں نظم و ضبط جذبہ جہاد اور شوق شہادت کے بغیر ناممکن تھا اس کے علاوہ مسلمان مجاہدین کو یقین تھا کہ شام میں فتح و نصرت کی صورت میں انتہائی زرخیز زمینوں مال و سامان تجارت کے علاوہ مال غنیمت بھی کثیر تعداد میں وہاں ہاتھ آئے گا۔ حضرت عمرؓ کا پختہ ایمان تھا کہ وہ حق پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرور امداد فرمائیں گے۔ الغرض تائید ایزدی پر ان کا غیر متزلزل یقین تھا ان کے ہر قول و فعل کی بنیاد عدل و انصاف اور حق و سچائی پر تھی وہ ظلم و جبر اور بے انصافی کو برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایران و عراق میں شاندار فتوحات:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی نصیحت کے مطابق حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانی کی امداد کے لئے حضرت ابو عبید بن مسعود الثقفی کو مدینہ سے ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ روانہ کر دیا جس میں مسلیط بن قیس اور دیگر نامور جنگجو حضرات شامل تھے حضرت عمرؓ نے مثنیٰ بن حارث کو پہلے ہی عراق روانہ کر دیا تھا۔ کہ وہ ایرانیوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کریں۔ لیکن ابو عبید ثقفی کے پہنچنے سے قبل جنگ شروع نہ کریں۔ حضرت مثنیٰ اپنے گھوڑے پر سوار سرعت سے حیرہ کی طرف جا رہے تھے اور عہد صدیقی کے واقعات ان کو یاد آ رہے تھے جب علاء بن حضرمی نے بحرین میں مرتدین کو شکست دی تھی یہ بھی ان کو جا ملے تھے۔ پھر ایرانی دستوں کا مقابلہ کرتے ہوئے خلیج فارس کے کنارے کنارے چلتے ہوئے فرات کے دہانے پر پہنچ گئے تھے اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی مدد کے لئے بھیجا تھا اور حضرت مثنیٰ نے اس عدیم المثال سپہ سالار کی

قیادت میں ایرانی فوجوں کو عبرتناک شکستیں دی تھیں۔ حیرہ انباء اور عین التمر وغیرہ مقامات فتح ہوئے اور حضرت خالد فراض پہنچ گئے جو شمالی عراق میں شام کی سرحد پر واقع ہے مثنیٰ کو ان فتوحات کی بے حد خوشی تھی۔ کیونکہ وہ حضرت خالد کے دست راست تھے حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے مطابق اپنی فوج کا کچھ حصہ ساتھ لے کر شام روانہ ہو گئے۔ اوران کے شام جانے کے بعد مثنیٰ مسلمان فوج کے سپہ سالار تھے اور انہوں نے بابل کے کھنڈروں میں ایرانی سپہ سالار ہرمز جا رویہ کو شکست فاش دی اور اس کے بعد حیرہ واپس آکر قلعہ بند ہو گئے اور مدنی فوج کی امداد کا انتظار کرنے لگے کافی انتظار کے بعد وہ خود مدینہ آئے تمام حالات حضرت ابو بکرؓ کو بیان کئے حضرت ابو بکرؓ کا وہ آخری وقت تھا انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلا کر تاکید کی کہ مثنیٰ کو جلد از جلد امداد ارسال کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے چار دن کی جدو جہد کے بعد حضرت ابو عبیدہ ثقفی کی کمان میں ایک ہزار مجاہدین کا لشکر عراق کے لئے تیار کر لیا۔ جو تقریباً ایک ماہ کی تیاری کے بعد مثنیٰ کی امداد کے لئے حیرہ روانہ ہو گیا۔

ایران کے اندرونی سیاسی حالات سے بھی مثنیٰ خوبی واقف تھے وہاں محلاتی سازشوں اور اقتدار کی جنگ کی وجہ سے خانہ جنگی جیسے حالات پیدا ہو چکے تھے اور سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے اس عظیم الشان عالمی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں ایک وقت تھا کہ شہنشاہ ایران پورے جاہ و جلال کے ساتھ نا صرف ایران پر حکومت کر رہا تھا بلکہ عراق عرب کے خو دمختار حکمران ابو تابوس نعمان بن منذر کو قتل کر کے حیرہ پر قبضہ کر لیا تھا اور لخمی خاندان کا خاتمہ کر دیا تھا اور رومیوں سے جنگ کر کے اور شکست فاش دے کر بیت المقدس اور مصر تک تمام رومی علاقوں پر قبضہ حاصل کر لیا تھا جب ہر قل روم کا بادشاہ بنا تو اس نے ایران کو شکست دے کر اپنے تمام علاقے واپس لے لئے اور ایران کا زوال شروع ہو گیا۔ کسریٰ کے بیٹے شیرو بہ نے اپنے باپ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد امراو وزراء کے دوسرے طبقہ نے شیرو بہ کو قتل کر دیا۔ اور دربار شاہی میں اقتدار کی جنگ زور شور سے شروع ہو گئی۔ اس طرح چار سال کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے نو بادشاہ قتل کر دیے گئے اور ایران کی طاقت بے حد کمزور ہو گئی اور اس عظیم سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور اس خانہ جنگی کی وجہ سے ایران اضطراب اور انتشار میں مبتلا ہو گیا۔ آخر میں شہر یران کا بیٹا شاہ پور بادشاہ ہوا۔ شاہ پور نے فرخ زاد کو اپنا وزیر بنایا اور چاہا کہ کسریٰ کی بیٹی آزر میدخت کی اس سے شادی کر دے۔ لیکن آزر میدخت کو اپنے غلام کی زوجیت میں آنا گوارا نہ ہوا اور اس نے سیاوخشی سے سازش کر کے اسے حجلہ عروسی ہی میں قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کی معیت میں شاہ پور کی طرف چلی اور اسے محصور کر کے قتل کر دیا اس کے بعد کسریٰ کی دوسری بیٹی پوران نے ان کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ جب سیاوخشی نے فرخ زاد کو قتل کر دیا اور آزر میدخت تخت پر بیٹھی تو ایرانیوں میں اختلافات شدید صورت اختیار کر گئے تو شاہزادی پوران نے فرخ زاد کے بیٹے سپہ سالار رستم کو ایک آدمی کے ذریعے اس کے باپ کے قتل کی اطلاع بھیجی اور اسے مدائن پر حملہ کی دعوت دی۔ رستم ایک بہادر اور ممتاز سپہ سالار تھا اور اس وقت خراسان کا حاکم تھا اور اپنا لشکر لے کر فوراً مدائن پہنچا راستہ میں اس کا مقابلہ آزر میدخت کے لشکر سے ہوا مگر اس کو شکست دے کر مدائن کا محاصرہ کر لیا۔ سیاوخش اور آزر میدخت بھی اس وقت مدائن میں موجود تھے۔ سیاوخش مارا گیا اور آزر میدخت کی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ رستم نے پوران کو مدائن کے تخت پر

بٹھادیا اور وہ دس سال تک حکومت کرتی رہی۔ پوران نے رستم کو اپنا وزیر اور سپہ سالار بنالیا اور حکومت کے تمام معاملات اس کے سپرد کر دیے۔ اور وہی فوجوں کا کمانڈر انچیف بھی تھا اور وزیر اعظم بھی حضرت ابو عبید ثقفیؓ کے ایک ماہ بعد مدینہ سے عراق روانہ ہوئے حضرت عمرؓ نے انہیں بہت سی ہدایات اور نصیحتیں کیں۔ خاص طور پر یہ کہ رسول اللہؐ کے صحابہ سے مشورے کرتے رہنا۔ سلیط بن قیس جو ایک بہادر اور مدبر مجاہد تھا اس کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا وغیرہ جب ابو عبید عراق پہنچے تو اس وقت مثنیٰ حیرہ سے نکل کر خفان پہنچ گئے تھے۔ جو صحرا کی حدود پر واقع ہے رستم ایک بہادر اور مغرور آدمی تھا ایرانی اس سے عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ رستم نے ایک فرمان کے ذریعے ایران کے تمام جاگیر داروں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کرنے کا حکم بھیجا۔ جب ایک لشکر تیار ہو گیا۔ تو اس نے مدائن سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دو لشکر روانہ کئے ایک لشکر کی قیادت جابان کر رہے تھے جنہیں حکم تھا کہ فرات کے کنارے کنارے چلتے ہوئے حیرہ پہنچ جائیں اور دوسرے لشکر کی کمان نرسی کے ذمے تھی اور ہدایت تھی کہ دجلہ اور فرات کے درمیان کسکر میں قیام کریں۔ دریں اثنا ابو عبیدہ مدینہ سے چار ہزار کی فوج لے کر روانہ ہوئے تھے۔ مگر راستے میں اور لوگ ملتے گئے اور اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ خفان سے مسلمان جابان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔

معرکہ نمارق :

حیرہ اور قادسیہ کے درمیان نمارق کے مقام پر دونوں فوجوں کا زبردست مقابلہ ہوا اور قیامت خیز معرکہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ جابان اور اس کا ماتحت افسر مردان شاہ گرفتار ہوئے۔ مردان شاہ تو قتل ہو گیا۔ مگر جابان ایک حیلے بہانے سے بچ گیا۔ رستم کو جب جابان کی شکست کا حال معلوم ہوا تو اس نے ایک اور سردار جالینوس کو حکم دیا۔ کہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر اپنی فوج کی مدد کے لئے کسکر کے مقام پر نرسی سے جا ملے۔ اگرچہ جالینوس بڑی تیزی رفتاری کے ساتھ نرسی کو ملنے کے لئے کسکر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر ابو عبید اس سے بھی تیز رفتاری کے ساتھ نرسی سے مقابلہ کے لئے کسکر روانہ ہو گئے۔ اور جالینوس کے نرسی کے پاس پہنچنے سے قبل سقاطیہ کے مقام پر نرسی کے مقابلہ پر صف آرا ہو گئے اور جابان کی طرح نرسی کو بھی زبردست شکست دے کر بے شمار مال غنیمت پر بھی قبضہ کر لیا اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ جالینوس اپنے لشکر کو بار ساء کے مقام پر پہنچ گیا ہے۔ یہ سن کر ابو عبیدہ سیدھا بار ساء پہنچا اور جالینوس کو شکست فاش دی۔ جالینوس اور نرسی اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ سیدھا مدائن رستم کے پاس پہنچ گئے۔

سقاطیہ کی جنگ 13ھ :

سقاطیہ کی جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ان میں ایک قسم کی کھجور تھی۔ جو صرف امراء و بادشاہی کھاتے تھے یہ کھجوریں تمام مسلمانوں اور عام لوگوں میں تقسیم کی گئیں اور حضرت عمرؓ اور مسلمانوں کو مال غنیمت کے ہمراہ مدینہ بھی بھیجی گئیں۔ یہاں کے زمینداروں نے حضرت ابو عبیدہ کو کھانے کی دعوت دی مگر آپ نے یہ فرما کر دعوت

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ جب تک ایک ہی جیسا کھانا تمام فوج کو نہ دیا جائے میں اکیلا پر تکلف دعوت قبول نہیں کروں گا۔ مسلمانوں میں مساوات ہے اور بڑے چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں تمام مسلمان برابر ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔

معرکہ جسر رمضان 13ھ :

معرکہ جسر مروحہ کے مقام پر دریائے فرات کے پل پر رمضان 13ھ بروز ہفتہ واقعہ ہوا جس میں مسلمانوں کو عہد فاروقی کی سب سے نقصان دہ شکست ہوئی۔ جس میں چار ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں نامور صحابہ خصوصاً سلیط بن قیس، ابو زید انصاری، عقبہ، عبداللہ پسران قبطی بن قیس یزید بن قیس انصاری ابو امیہ انفرازی وغیرہ شامل تھے۔

جنگ جسر کے واقعات : رمضان 13ھ

جب جالینوس اور نرسی ابو عبید کی فوجوں سے بار سماء کے مقام پر شکست فاش کھا کر مدائن پہنچے تو رستم نے ان کو بڑا ذلیل کیا اور ایرانی امراء وزراء اور فوجی افسران کے مشورہ سے "ذوالحاجب بہمن جادویہ" کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑی شان و شوکت سے روانہ کیا۔ فوج کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جس میں جنگی ہاتھیوں کا بھی ایک دستہ تھا۔ جالینوس اور دیگر نامور ایرانی افسران کو بھی ساتھ روانہ کیا اور حکم دیا۔ کہ اگر اس بار بھی شکست کھائی تو تم سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار بہمن تھا اور ایرانی سلطنت کا جھنڈا درفش کاویانی جو صدیوں سے کیانی خاندان کا مقدس نشان تھا۔ فتح و نصرت کے نشاں کے طور پر اس کے سر پر سایہ فگن تھا۔ بہمن بڑی شان و شوکت کے ساتھ دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر مروحہ کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ دونوں حریف دریائے فرات کے دونوں طرف صف آرا ہوئے۔ بیچ میں دریائے فرات تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم دریا کو عبور کر کے ہماری طرف آؤ۔ یا ہم عبور کر کے تمہاری طرف آتے ہیں ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر مشورہ دیا کہ ہمیں اس طرف رہنا چاہئے۔ اور دشمن کو دریا عبور کر کے ہماری طرف آنا چاہئے۔ اس میں ہماری کامیابی ہے مثنیٰ بن حارث اور سلیط بن قیس نے بھی بے حد اصرار کیا۔ کہ دشمن کو دریا عبور کر کے ہماری طرف آنا چاہئے مگر ابو عبیدہ نے فیصلہ کر لیا کہ ہم دریا عبور کر کے دشمن کے مقابلہ پر جائیں گے۔ تمام افسران کے اصرار کے باوجود ابو عبیدہ اپنے فیصلے پر بضد رہے۔ اور فوج کو حکم دیدیا کہ کشتیوں کا پل تعمیر کیا جائے اور دریا کو عبور کر کے اس طرف جا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے سپہ سالار کے غلط حکم کے باوجود اطاعت امیر کے جذبہ کے تحت پل تعمیر کر کے ساری فوج دریا عبور کر کے دشمن کے مقابلہ پر صف آرا ہو گئی۔ مسلمانوں کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لئے مسلمان فوج اچھی طرح دشمن کے مقابلہ پر صف آراء نہ ہو سکی۔ سلیط بن قیس نے ابو عبیدہ کے دریا عبور کرنے کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ دشمن زبردست تیاری کر کے آیا ہے اور یہ جگہ جہاں ہم اس وقت خیمہ زن ہیں۔ پناہ لینے حملہ کرنے اور دوسری جنگی ضروریات کے لئے نہایت موزوں ہے مگر ابو عبیدہ نے اس کو بزدلی کا طعنہ دیا۔ سلیط نے جواب دیا میں بزدل نہیں ہوں۔ میں نے اچھی رائے پیش کی ہے افسوس کہ ابو عبیدہ نے اپنے رفقاء کی ایک نہ مانی حالانکہ حضرت عمرؓ نے بھی ان کو تاکید

کی تھی کہ صحابہ کرامؓ کا مشورہ ماننا خاص طور پر سلیط کی بات ماننا۔ مگر وہ اپنے فیصلہ پر بضد رہے۔ سب سے پہلے سلیط نے دریا عبور کیا اور دشمن کے مقابلہ پر جا پہنچے قیس الناطف کی طرف جہاں دشمن کا لشکر تھا مسلمانوں کی تعداد قریباً نو ہزار تھی مگر دشمن نے ان کے لئے جو میدان چھوڑا تھا وہ ناکافی تھا مسلمانوں نے ابھی پل عبور کیا ہی تھا کہ دشمن نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور سنبھلنے کا بھی موقع نہ دیا ایرانیوں کی فوجوں کے آگے ہاتھیوں کی قطار تھی جن کے گلوں میں گھنٹے لٹک رہے تھے۔ عربی گھوڑوں نے جب ان کے گھنٹوں کی ہیبت ناک گرج سنی تو وہ بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایرانی تیر اندازوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ مسلمان مجاہدین گھبرا گئے ابو عبیدہ نے جب یہ خطرناک صورت حال دیکھی تو اپنے گھوڑے سے نیچے کود پڑے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی گھوڑوں سے کود کر دشمن پر حملہ کر دیا اور اتنی بہادری سے لڑے کہ چھ ہزار ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ مگر ہاتھیوں کی قطار جس طرف رخ کرتی صفوں کی صفیں الٹ دیتی۔ ابو عبیدہ نے اپنے ساتھیوں کو للکارا "ہودوں کی رسیاں کاٹ کر سواروں سمیت الٹ دو" مسلمان جانبازوں نے ایسا ہی کیا اور تمام فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا اور تمام ہاتھیوں پر ایک سوار بھی نہ رہا اور ابو عبیدہ کو کچھ اطمینان ہوا۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ ان کے قریب ایک دیو پیکر سفید ہاتھی ہے جو دائیں بائیں مسلمانوں کا صفایا کرتا جا رہا ہے۔ ابو عبیدہ نے سوچا کہ اگر اس سفید ہاتھی کا خاتمہ کر دیا جائے تو مسلمانوں کی ہمت بڑھ جائے گی یہ سوچ کر وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور ہاتھی کی سونڈ پر ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ سنک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے چنگھاڑ ماری۔ اور ابو عبیدہ کی طرف بڑھا اور ان کو اپنے پاؤں تلے کچل دیا ابو عبیدہ وصیت کر چکے تھے کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے قبیلے کے فلاں فلاں سات بہادر فوج کی قیادت کریں۔ ابو عبیدہ کی شہادت کے بعد بنی ثقیف کے ساتوں بہادر باری باری شہید ہوتے چلے گئے۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور مسلمانوں نے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا جب مثنیٰ نے یہ نازک صورت حال دیکھی تو بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے ان کا دفاع کرنے لگے آپ پل کی طرف بڑھے جو عبداللہ بن مرشد ثقفی نے توڑ دیا تھا۔ کہ مسلمان بھاگ نہ سکیں۔ مثنیٰ پل کے سامنے کھڑے ہو گئے اور جلدی سے ٹوٹا ہوا کشتیوں کا پل پھر مرمت کرایا اور مسلمان اس کے اوپر سے گزرنے لگے۔ تاکہ ترتیب کے ساتھ مروحہ پہنچ جائیں۔ مثنیٰ ایرانیوں کو روکے کھڑے رہے اور مسلمان پل عبور کر کے اپنے مرکز میں پہنچتے گئے اور اکثر بھاگ گئے اس ہولناک جنگ میں قریباً چار ہزار مسلمان دریا میں ڈوب کر شہید ہو گئے اور قریباً دو ہزار جنگ میں مارے گئے۔ اس جنگ میں حضرت مثنیٰ کو دشمن کے نیزے سے شدید زخم آیا۔ جس کی وجہ سے چند ماہ بعد تاریخ اسلام کا یہ عظیم بہادر جام شہادت نوش فرما گیا جس سے مسلمانوں کی عسکری قوت کو ناقابل تلافی نقصان ہوا بلا مبالغہ حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانی مسلمانوں کے ممتاز قابل فخر سپہ سالاروں کی صف اول کے مجاہدین میں شامل ہیں۔ جنگی شجاعت اور بہادری کے کارناموں کی فہرست بڑی طویل اور قابل فخر ہے اللہ ایسے عظیم الشان سپہ سالاروں پر ہزاروں رحمتیں نازل کرے۔ اس جنگ میں سلیط بن قیس بھی بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے مسلمانوں کو یہ تباہ کن شکست ابو عبیدہ کی عسکری غلطی اور ضد کی وجہ سے پیش آئی اگر وہ صحابہ مثنیٰ اور سلیط بن قیس کا مشورہ مان جاتے اور دریا عبور کر کے دشمن کے مدمقابل اس طرف نہ جاتے تو ایسی زبردست ناکامی کا منہ دیکھنا

نصیب نہ ہوتا۔ اگر مسلمان فوج کا سپہ سالار مثنیٰ یا سلیط ہوتے تو بھی شکست نہ ہوتی۔ مثنیٰ کو یقین تھا کہ ایرانی اس کا تعاقب کریں گے چنانچہ وہ اپنی بقایا فوج مرؤحہ سے حیرہ لے آیا اور یہاں سے جنوب کی طرف الیس کے مقام پر جا پہنچا۔ یہاں بھی ایرانیوں کے تعاقب کا خطرہ بدستور تھا۔ مگر قدرت نے مثنیٰ کی امداد کی۔ بہمن کو اطلاع ملی کہ مدائن میں ایرانیوں کے دو گروہ ہو گئے ہیں ایک گروہ رستم کے ساتھ اور دوسرا فیروزان کے ساتھ یہ سن کر بہمن اپنی فوج کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لے کر مدائن روانہ ہو گیا اور جاپان اور مردان شاہ کو کچھ فوج دے کر مسلمانوں کے تعاقب کے لئے چھوڑ گیا۔ جاپان اور مردان شاہ نے مثنیٰ کا تعاقب کیا۔ الیس کے مقام پر مثنیٰ اور ایرانیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ جاپان اور مردان شاہ مارے گئے اور ایرانی فوج کا بڑا حصہ قتل ہوا اور بقایا بھاگ گئے۔

معرکہ جسر سے بھاگ کر آنے والے مسلمان چھپتے پھر رہے تھے اور بڑے شرمسار تھے بھاگنے والوں میں عبداللہ بن زید مسجد میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے حالات معلوم کئے تو از حد صدمہ ہوا اور تمام واقعات انتہائی صبر و تحمل سے سنے اور اپنی پریشانی کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ بھاگنے والوں کو تسلی دی اور ان پر طنز و ملامت کرنے سے لوگوں کو روکا۔ بلکہ ان کے گھروں میں جا کر ان کو تسلی دی۔ حضرت عمرؓ نے معرکہ جسر سے شکست خوردہ ہونے والوں کے ساتھ وہی سلوک کیا اور ان کو تسلی دی۔ جو آنحضرتؐ نے جنگ موتہ سے شکست کھا کر آنے والوں کے ساتھ کیا تھا اور ملامت کی بجائے حوصلہ دیا اور آئندہ کے لئے پھر جہاد کی تیاری کا مشورہ دیا۔ الغرض حضرت عمرؓ نے بھی آنحضرتؐ کی طرح شکست خوردہ مجاہدین کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور سب کی تالیف قلب فرمائی اور احساس ناکامی کو دور کیا ادھر شیر دل مثنیٰ نے الیس میں ایرانیوں کو شکست فاش دینے کے بعد ان کے متوقع حملہ کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے بڑی جرات و استقلال کے ساتھ اپنی فوج کو منظم کیا۔ مزید مجاہدین کو اپنے لشکر میں شامل کیا اور تمام حالات و واقعات تحریر کرنے کے بعد حضرت عمرؓ سے اعانت کی درخواست کی۔ اور دوسری طرف گرد و نواح کے عرب قبائل میں اپنے نمائندے بھیجے۔ ان قبائل نے مثنیٰ کی دعوت قبول کر لی اور کثیر تعداد میں ان کے پاس جمع ہو گئے ان لوگوں میں ہو نمر کے عیسائی عرب قبائل بھی شامل تھے۔ جو عرب قومیت کے نام پر ایرانیوں سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔

مثنیٰ نے اپنا لشکر الیس سے سباخ منتقل کر لیا۔ جو قادسیہ اور خفان کے درمیان واقع ہے یہ جگہ عرب کی سرحد کے قریب واقع تھی۔ جہاں کمک بھی پہنچ سکتی تھی اور فتح و نصرت کا سلسلہ جاری رہ سکتا تھا۔ سباخ میں بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا اور مثنیٰ اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔

معرکہ جسر کے بعد مثنیٰ کی طرح حضرت عمرؓ بھی عراق کے معاملات کے متعلق بہت پریشان تھے اور ان کو شدید احساس تھا کہ مثنیٰ کو جلد از جلد بھرپور امداد ارسال کی جائے۔ کیونکہ ان کو امداد و اعانت کی اشد ضرورت ہے۔ تائبین پر سے پابندیاں اٹھائی گئی تھیں۔ وہ کثیر تعداد میں ہر طرف سے لشکر اسلام میں شامل ہونے کے لئے مدینہ آ رہے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو عراق روانہ کر رہے تھے۔ اکثر لوگ عراق کی بجائے شام جانا چاہتے تھے مگر حضرت عمرؓ ان سے فرماتے کہ شام میں ضرورت نہیں۔ عراق میں ایران کے مقابلہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے جریر بن عبداللہ بجلی اس شرط پر اپنے قبیلہ ہو جبیلہ کو

ہمراہ لے کہ عراق جانے کے لئے تیار ہوگئے اپنے حصے کے مال غنیمت کے علاوہ زرِ خمس میں سے مزید چوتھائی حصہ ان کو دینے کا وعدہ کیا اور وہ جریر بجلی کی قیادت میں عراق جانے کے لئے تیار ہو گئے اور ان کو ایک جگہ اکٹھے کرنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ الغرض حضرت عمرؓ ہر حکمت عملی کے ساتھ لوگوں کو عراق کے لئے تیار کر رہے تھے معرکہ جسر سے بھاگ کر آنے والے بھی واپس جانے پر رضامند ہو گئے اور مختلف قبائل کے اور لوگ بھی اپنے بال بچوں سمیت عراق کی طرف کوچ کرنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں عراق میں مثنیٰ کے پاس ایک لشکر جرار تیار ہو گیا۔ جو معرکہ جسر کے انتقامی جذبہ کے تحت ایرانیوں پر بھرپور حملہ کے لئے بے چین تھا۔

جنگ بویب رمضان 14ھ / 635ء:

معرکہ جسر جس میں چھ ہزار مسلمان شہید ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ یہ واقعہ صرف مسلمان سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ کے دریا عبور کرنے کی غلطی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ حالانکہ فوج میں شامل صحابہ کرام اور ممتاز بہادر سرداران فوج حضرت مثنیٰ اور مسلیط بن قیس وغیرہ ان کو دریا عبور کرنے سے منع کرتے رہے۔ مگر وہ اپنے فیصلہ بضد رہے اور اس طرح نقصان عظیم اٹھانا پڑا۔ معرکہ جسر کی زبردست شکست کے بعد مدینہ میں حضرت عمرؓ اور عراق میں مثنیٰ بے حد پریشان تھے ان دونوں ذمہ دار ہستیوں کے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام ہو چکی تھی اور ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ ایرانیوں سے انتقام لینے کے لئے ایک ناقابل تسخیر لشکر جرار تیار کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے تمام عرب سے اور مثنیٰ نے تمام عراق سے مختلف قبائل کو اپنی امداد کے لئے تیار کر لیا اور مسلمان مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے اپنی بھرپور امداد و اعانت مثنیٰ کی طرف روانہ کر دی۔

حضرت عمرؓ نے زیادہ سے زیادہ مجاہدین کو اکٹھا کرنے کے لئے اپنے نقیب تمام ملک میں ہر قبیلہ کی طرف ارسال کر دئے۔ جنہوں نے اپنی تقریروں سے تمام ملک میں جوش و خروش پیدا کر دیا اور لوگ جہاد اور ایرانیوں سے انتقام لینے کے لئے امڈ آئے۔ قبیلہ ازد، بنو تمیم، عدی بن حاتم طائی، قبیلہ باب، بنو کنانہ و خثعم، بنو حنظلہ، بنو حنیفہ، وغیرہ کے سردار اپنی اپنی قوم کے جوانوں کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ قبیلہ نمر اور تغلب کے سردار باوجود عیسائی ہونے کے محض قومی تعصب کے تحت ایرانی قوم کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے اپنے قبائل کی خدمات پیش کیں اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے مذہب کا سوال نہیں ہے۔ دو قوموں کا مقابلہ ہے۔

واقعات جنگ بویب:

فاتح بویب حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانی ملکہ ایران پوران دخت اور رستم نے مہران بن مہرویہ ایک بہادر افسر کو ایرانی فوج کا سپہ سالار بنا کر ایک لشکر جرار کے ساتھ عربوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مسلمان فوج نے کوفہ کے قریب بویب نامی ایک مقام پر آکر اپنے ڈیرے ڈالے اور چاروں طرف سے مجاہدین کے دستے اپنے سرداروں کی زیر کمان یہاں پہنچنے

لگے ادھر مہران مدائن سے روانہ ہو کر اپنے بہت بڑے لشکر کے ساتھ سید ھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر دوسری طرف خیمہ زن ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی مہران نے بڑی ترتیب کے ساتھ صف آرائی کی۔ ادھر مثنیٰ نے بھی بڑے زور و شور کے ساتھ اپنی فوجوں کی صف آرائی کی اور مختلف قبائل کے دستوں پر ان سرداروں کو افسر مقرر کیا۔ چنانچہ میمنہ پر مذعور' میسرہ پر نسیر' پیدل پر مسعود رضاکاروں پر عاصم' اور گشت پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام فوج کا چکر لگایا اور پر جوش تقریریں کر کے بہادروں میں شوق شہادت اور جذبہ جہاد پیدا کر دیا۔ ہر جگہ مجاہدین کو جوش دلاتے ہوئے کہا کہ دیکھنا تمہاری وجہ سے عرب پر بدنامی کا داغ نہ لگ جائے۔ یہ جنگ دراصل مذہب کی جنگ یعنی اسلام اور مجوسیت کی جنگ نہیں بلکہ دو قوموں عرب اور ایران کی جنگ تھی۔ رستم اور ایرانیوں کو جب معلوم ہوا کہ عراق میں مسلمانوں کی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ تو وہ پریشان ہوئے چنانچہ رستم اور فیروزان نے صلح کر لی اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران ہمدانی کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے روانہ کر دیا۔ مہران ہمدانی اپنی فوج کو لے کر روانہ ہوا جس کے آگے آگے ہاتھی تھے۔ وہ ایک ایسی شاندار فتح حاصل کرنا چاہتا تھا کہ ایرانی معرکہ جسر کو بھول جائیں۔ ادھر مثنیٰ اپنی فوج لے کر کوفہ کے قریب بویب کے مقام پر دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن ہو گیا اس طرح مہران بھی اپنی فوج لے کر بویب کے مقام پر دریا کے دوسری طرف خیمہ زن ہو گیا اب فریقین کے درمیان صرف دریائے فرات تھا۔ مثنیٰ نے اپنی فوج پر نظر دوڑائی تو اس کو اطمینان ہو گیا کہ یہ عرب کی بہترین فوج ہے۔ جو بڑے بڑے نامور جنگجو سرداروں کی زیر کمان ایک کامیاب جنگ کے لئے تیار ہے اور عرب کے تمام بہادر قبائل پر مشتمل ہے ان میں عیسائی عرب قبائل بنو نمر اور بنو تغلب بھی شامل تھے جو عرب قومیت کی خاطر جنگ میں ایرانیوں کے خلاف شریک ہوئے تھے۔ ان میں انس بن ہلال اور ابن مردی الفہر کی سرگردگی میں اپنے اپنے گھوڑ سوار دستوں کی قیادت کر رہے تھے اس طرح قومی تعصب کی بنا پر بہت سے عیسائی عرب بھی مسلمانوں کی اعانت کے لئے آ گئے تھے۔

مہران نے مثنیٰ کو پیغام بھیجا "یا تم دریا عبور کر و یا ہمیں عبور کرنے کا موقع دو۔ مثنیٰ حضرت ابو عبیدہ کی غلطی نہیں بھولے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی تاکید کر دی تھی کہ دریا کو عبور نہیں کرنا جب تک فتح حاصل نہ ہو جائے۔ اس لئے مثنیٰ نے ایرانیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ دریا عبور کریں۔ ایرانی دریا عبور کر کے آئے اور اپنی فوج کو تین حصوں میں مرتب کیا۔ ہاتھی ان کی ہر صف میں تھے مثنیٰ اپنے سیماب صفت گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنی پوری فوج کا چکر لگایا۔ سپاہیوں کو ہدایات دیں اور جوش دلایا۔ وہ ایک ایک صف کے پاس جاتے اور کہتے !" مجھے امید ہے کہ تم عرب کے دامن شرافت اور شجاعت پر دھبہ نہیں آنے دو گے۔ مثنیٰ ہر سپاہی کے ساتھ انتہائی خلوص شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ مسلمان فوج روزہ سے تھی۔ مثنیٰ نے ان کو مشورہ دیا کہ آج شجاعت کی ازحد ضرورت ہے مگر روزہ کمزوری پیدا کرتا ہے۔ بہتر ہے روزہ افطار کر لو۔ چنانچہ تمام فوج نے روزہ افطار کر لیا۔

مثنیٰ نے اپنی فوج سے کہا کہ میں تین بار تکبیر کہوں گا تم تیار ہو جانا اور چوتھی تکبیر پر حملہ کر دینا" تمام علم اپنی اپنی جگہ حملے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ مثنیٰ نے ابھی پہلی ہی تکبیر کہی تھی کہ ایرانیوں نے تیزی سے عربوں پر حملہ کر دیا۔ جس

کے جواب میں عرب بھی ان پر ٹوٹ پڑے۔ ابتدا میں بو عجل کچھ پسپا ہوئے۔ مگر مثنیٰ کی حوصلہ افزائی پر ایرانیوں پر شدید جوابی حملہ کر دیا اور مسلمان مجاہدین کی طرف سے بھی کمزوری کے آثار پیدا نہ ہوئے اور مسلمان بنیان مرصوص ہو کر لڑے۔ مثنیٰ عربوں کی فتح کی تجاویز سوچنے لگا اور آخر اس نے فیصلہ کیا کہ ایرانی فوج کے سپہ سالار پر حملہ کر کے یا اس کو قتل کر دیا جائے۔ یا پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا جائے۔ مثنیٰ نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انس بن ہلال نمری اور ابن مردی تغلی کو بلا کر ان سے کہا کہ جب تم مجھے مہران پر حملہ کرتے دیکھو تو میرے ساتھ تم بھی حملہ کر دینا یہ کہہ کر مثنیٰ نے مہران پر بڑے زور کا حملہ کر دیا اور اسے دھکیلتے ہوئے اس کے میمنہ تک لے گئے۔ ایرانیوں نے جب دیکھا تو اپنے سردار کو بچانے کے لئے دوڑے دونوں فوجوں کے قلب آپس میں مل گئے اتنی گرد و غبار اڑی کہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ فریقین میں کون کس پر غالب ہو رہا ہے۔
جب غبار چھٹا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ ایرانیوں کا قلب پھر یکجا ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کہ انہوں نے ایرانیوں کے میمنہ اور میسرہ پر بیک وقت حملہ کر دیا اور انہیں دریا تک لیجاتے چلے گئے اس اثناء میں مثنیٰ لگاتار اپنے لشکر کو عزم و ہمت اور جرات و سرفروشی پر ابھارتے رہے۔ اور کہتے رہے کہ تم اللہ کی مدد کرو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا یہ پیغام مسلمانوں میں جوش جہاد اور شوق شہادت کا ولولہ پیدا کرتا رہا اور وہ شجاعت و بہادری کے ساتھ آگے بڑھ کر دشمن پر زبردست حملے کرتے رہے ایرانی ان شدید حملوں کی تاب نہ لا سکے اور پل کی طرف پسپا ہونا شروع کر دیا مثنیٰ نے دیکھا تو پل پر جا کر ان کا راستہ روک لیا۔ اس سے وہ اور پریشان ہو گئے۔ کچھ پل کی طرف بھاگے اور کچھ دریا میں کود پڑے مسلمانوں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے مسلمان رات گئے تک دشمن کا تعاقب کرتے رہے اور اگلے دن بھی قتل و تعاقب کا سلسلہ جاری رہا۔ مورخین کا خیال ہے کہ جتنی خون ریزی اور قتل و غارت بویب کی جنگ میں ہوئی۔ کسی اور جنگ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قریباً ایک لاکھ ایرانی اس بویب کی جنگ میں مارے گئے۔ مسلمانوں کو بویب میں شاندار فتح نصیب ہوئی۔ اس فتح کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ لشکر اسلام کے ہر فوجی کے دل میں مثنیٰ کی محبت' خلوص اور بے پناہ جرات و بہادری کا دل سے معترف تھا مثنیٰ کی شخصیت حضرت خالد بن ولیدؓ کی طرح جادو اثر تھی اور وہ بے خطر ہو کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے اور اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اسلام کی فتح و نصرت کے لئے ہر قربانی پیش کرتے تھے۔ مثنیٰ کی فوج کے ایک ایک سپاہی اور افسر نے ایسے بہادری اور شجاعت کے کارنامے سرانجام دیے جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو مثنیٰ کا بھائی سعد بن حارث شیبانی دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور بے مثال شجاعت و بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ انس بن ہلال نمرانی بھی بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ بو تغلب کا ایک عیسائی نوجوان مہران پر جھپٹا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر فخر کے ساتھ اعلان کرتا رہا کہ وہ میں ہوں بو تغلب کا جوان جس نے سپہ سالار عجم کو قتل کیا ہے۔
مثنیٰ سے ایک عسکری غلطی سرزد ہوئی جس کا اس نے برملا اعتراف کیا کہ میں نے دشمن کی فوج کی پسپائی کے وقت پل پر جا کر ان کے فرار کا راستہ روک لیا جو ایک غلطی تھی۔ معرکہ ختم ہوا مثنیٰ اپنے بھائی سعد بن حارث اور انس بن ہلال نمرانی کی لاشوں سے چمٹ کر بہت روئے۔ اس کے بعد شہدا کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور مسلمان شہدا کو دفن کیا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مثنیٰ نے جنگ بویب میں شاندار فتح حاصل کر کے مسلمانوں کے دامن سے معرکہ جسر کی شکست کا داغ دھو دیا تھا۔ مثنیٰ فوجی

قیادت اور صف شکنی میں غیر معمولی شجاعت و بہادری کے مالک تھے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں خالد بن ولید اور مثنیٰ بن حارث شیبانی بے مثال بہادر سپاہی اور عسکری سپہ سالار تھے امت مسلمہ اور تاریخ اسلام کو ان دونوں پر بجا طور پر فخر ہے۔

بویب کی جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ خصوصاً بھیڑ بکریاں گیہوں کا آٹا اور سامان خوراک وغیرہ مثنیٰ نے مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر کے خمس میں سے چوتھا حصہ عبداللہ بجلی کے قبیلہ بو جیلہ کو حضرت عمرؓ کے وعدے کے مطابق دے دیا۔ مثنیٰ نے فوجی افسران اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سواد عراق کو طے کرتے ہوئے مدائن کے بالمقابل ساباط کے مقام پر پہنچ جائیں ایرانی فوجیں ان کے آگے بکریوں کی طرح بھاگ رہی تھیں اور ان میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی جب فنافس اور انبار میں میلہ بھرا ہوا تھا۔ تو مثنیٰ نے اپنی فوج کے ساتھ وہاں حملہ کر دیا اور وہاں سے ان کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مسلمان دجیل پہنچے اور بغداد پر غارت گری کرتے ہوئے تکریت پہنچ گئے ان لڑائیوں میں مال غنیمت اور لونڈی غلام قیدی بنا کر ساتھ لیتے گئے اس طرح تمام عراق دوبارہ ان کے ماتحت آگیا۔ اور اب خالد بن ولیدؓ کی طرح عراق میں مثنیٰ کی شجاعت اور بہادری کا آوازہ گونج رہا تھا اور مسلمان عراق کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے اور بے شمار فوائد حاصل کر رہے تھے۔ مثنیٰ نے حیرہ میں قیام کیا اور فوجوں کی از سر نو ترتیب اور تنظیم کرنے لگے۔ ان کو یقین تھا کہ بویب کی شکست سے ایرانیوں کا رعب عربوں کے دل سے ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ عرب ان کے مقابلہ میں زیادہ دلیر ہو گئے تھے۔ ایران کے خلاف عربوں کی ان جنگوں کا مقصد اشاعت اسلام نہیں تھا اور یہ مذہبی لڑائیاں نہیں تھیں بلکہ یہ دو قوموں کے نظریے کے تحت عربوں کے نزدیک ایرانیوں کی صدیوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بویب میں عیسائی عربوں نے بھی بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ ایرانیوں کے خلاف مسلمان عربوں کی امداد و اعانت کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عراق اور ایران میں مسلمانوں کی فتوحات سے اسلام از خود عربوں اور غیر عربوں میں پھیلتا گیا۔ مگر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ان جنگوں سے اشاعت اسلام بذات خود بنیادی مقصد نہیں تھا۔ یہ قومی اور سیاسی جنگیں تھیں۔ جن کا مقصد ایرانیوں کے غلبہ و استحصال سے عراق کے عربوں کو آزاد کرانا تھا۔ ان جنگوں سے یہ مقصد ہرگز نہ تھا۔ کہ عراق میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا جائے اور نہ ہی کسی قسم کے مذہبی جذبہ و تعصب کا عمل دخل تھا۔ صرف عرب قوم کی سیاسی وحدت قائم کرنا اور صدیوں سے ایرانی غلامی سے آزاد کرانا تھا۔ مثنیٰ نے انس بن ہلال گری اور ابن مروی النمر تغلی کو بھی یہی بات کہی تھی۔ کہ ہمارا مذہب مختلف ہے۔ مگر ہمارا دشمن مشترکہ ہے۔ جس نے صدیوں سے ہماری عرب قوم کو سیاسی طور پر غلام بنا رکھا ہے حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ اور دیگر مسلمانوں کا یہ مقصد ضرور تھا کہ تمام بنی نوع انسان جن میں عراق و شام اور دیگر ممالک کے عرب شامل تھے۔ ان سب کو دعوت اسلام کی مکمل آزادی نصیب ہو جائے اور اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ اور اسلام کا یہ بنیادی مقصد ہے کہ تمام دنیا کے تمام لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ نے زبردستی یعنی تلوار اور دباؤ کے تحت اسلام پھیلانے کی سخت ممانعت کی ہے "دین میں کوئی زیادتی نہیں" مذہب کی مکمل آزادی ہے۔

بویب کی ذلت آمیز شکست کے بعد ایرانی قوم نے انتقامی جذبہ کے تحت عربوں کے خلاف تیاریاں شروع کر دیں اور

ان کو سخت تشویش ہوئی کہ اگر ایرانیوں نے اقتدار کی جنگ اور خانہ جنگی کو ختم کر کے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا نہ کیا تو اس داخلی انتشار اور گروہ بندیوں کا نتیجہ ایران کی مکمل تباہی بلکہ غلامی بھی اس کا انجام ہو سکتا ہے مسلمان مدائن پر قبضہ کرلیں گے ایرانی قوم کے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔ رستم و فیروزان میں صلح کرائی جائے۔ اور امراء جاگیرداروں کے درمیان گروہ بندیاں اور اقتدار کی ہوس کا خاتمہ کر کے تمام اختلافات اور انتشار کا خاتمہ کیا جائے ورنہ بویب بغداد ساباط اور تکریت کے بعد اب مدائن کا خاتمہ یقینی ہے امراو وزرائے ایران نے رستم اور فیروزان کو دھمکی دی کہ اگر تم نے تمام اختلافات مٹا کر فوراً صلح نہ کی تو ہم سب سے پہلے تم دونوں کا خاتمہ کر دیں گے اور ایران کو بچانے کے لئے تمام ایرانی قوم کو متحد و متفق کریں گے۔

اس نازک ملکی صورت حال کی اصلاح و بچاؤ کے لئے رستم اور فیروزان نے آپس میں صلح کرلی۔ ذاتی اور گروہی اقتدار کی کشمکش کا خاتمہ کر دیا گیا کسریٰ کے اہل و عیال اور بیویوں کو مدائن لایا گیا اور معلوم ہوا کہ کسریٰ کے خاندان کی صرف نرینہ اولاد میں یزدگرد بن شہریار زندہ بچا ہے جس کی عمر اس وقت قریباً بیس سال کی تھی۔ سب نے متفقہ طور پر اس کو ایران کے تخت پر بٹھادیا اور شہنشاہ ایران تسلیم کر لیا گیا اور صدیوں پرانی عظمت و وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ مثنیٰ کو ایرانیوں کے اتحاد اور جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے مطلع کیا اور امداد و استعانت کے لئے لکھا ایرانیوں کے لشکر جرار کی تیاریوں سے عراق میں پھر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مثنیٰ ایک دفعہ پھر عرب کی سرحدوں کی طرف پسپا ہو گئے اور اپنی فوج کو لے کر ذی قار پہنچ گئے اور ایرانیوں کے حملے کا دفاع کرنے کے لئے فوج اکٹھی کرنے لگے اور خلیفہ کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت مثنیٰ بن حارث اس زخم کی وجہ سے جام شہادت نوش فرما گئے جو آپ کو معرکہ جسر میں لگا تھا اور حضرت مثنیٰ سعد بن ابی وقاص کے ذی قار پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے اور انہوں نے حضرت سعد کے لئے ایک وصیت چھوڑی تھی جس میں ایرانیوں کے ساتھ جنگ کے لئے مفید ہدایات درج تھیں۔

اب کہ مثنیٰ بن حارث وفات پا چکے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اس باب کو ختم کرنے اور واقعات کے تند و تیز دھارے میں بہنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے اس جانباز سپہ سالار کی قبر پر کھڑے ہو کر اسے الوداع کریں اور اس کی عظیم خدمات کا اعتراف کریں اور اسے خراج تحسین پیش کریں۔

اس مرد بزرگ نے ایران کی جنگوں میں مسلمانوں کا بوجھ جس طرح اپنے کندھوں پر لیا۔ اس کی مثال ڈھونڈے نہیں ملتی۔ وہ پہلے مسلمان تھے جو اس علاقے میں آئے اور جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی توجہ فتح عراق کی طرف منعطف کرائی اگر وہ یہاں نہ آتے تو خلیفہ اول ایرانیوں سے نبرد آزما ہونے کے متعلق کبھی نہ سوچتے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ مل کر عراق کا ایک حصہ فتح کیا اور اگر مثنیٰ بن حارث میں غیر معمولی جرات، عسکری مہارت اور رائے کی اصابت نہ ہوتی تو وہ حضرت خالدؓ کے شام چلے جانے کے بعد ایرانیوں کا اتنی ہمت و پامردی کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکتے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو وصیت کی تھی کہ وہ مثنیٰ کی مدد کیلئے لوگوں سے اپیل کریں تو اصولاً اس

کمک کی قیادت مثنیٰ ہی کے سپرد ہونی چاہئے تھی جوان کی درخواست پر عراق روانہ کی جا رہی تھی۔ اس لئے کہ مثنیٰ عراق کے چپے چپے سے واقف تھے اور اہل عراق سے جتنی جرات و بہادری کے ساتھ وہ لڑ سکتے تھے کوئی دوسرا نہیں لڑ سکتا تھا اور اگر حضرت ابوبکرؓ زندہ رہتے تو یقیناً انہیں کو اس لشکر کی امارت سونپتے لیکن حضرت عمرؓ نے یہ منصب ابو عبید کے سپرد فرمایا کہ امیر المومنین کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے وہی تھے وہ حجاز ثقفی تھے اور مثنیٰ کا نسبی تعلق بو بکر بن وائل سے تھا تو کیا مثنیٰ اس بات سے ناراض ہوئے یا ان کے دل میں اس بدگمانی نے راہ پائی کہ ان کے معاملے میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کے خلاف عمل کیا ہے نہیں! بالکل نہیں! مثنیٰ نے اس سطح سے بلند ہو کر سوچا تھا اور اندازہ کر لیا تھا کہ اہل حجاز اپنے ابنائے وطن کے لئے عصبیت رکھتے ہیں وہ ابو عبیدہ سے پہلے ہی عراق روانہ ہو گئے اور جب ابو عبیدہ وہاں پہنچے تو ان کی ماتحتی میں نمارق کی جنگ لڑی اور فتح حاصل کی پھر معرکہ جسر میں ابو عبید اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد اسلامی پرچم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور وہاں سے اسلامی فوج کے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر الیس آ گئے۔ یہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد جب کمک پہنچی تو بویب کا معرکہ پیش آیا اور اس میں انہوں نے فوج کی ایسی ماہرانہ قیادت کی کہ لوگوں کے حافظے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے کارناموں کی یاد تازہ ہو گئی۔

حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانی کے عظیم کارنامے

حضرت عمرؓ کا مثنیٰ پر ابو عبید کو امیر بنانا اسی طبقاتی نظام کی طرف ابتدائی قدم تھا جو امیر المومنینؓ مسلمانوں میں قائم کرنا چاہتے تھے یوں تو حضرت عمرؓ کے پاس اپنے اس اقدام کی ایک اور وجہ جواز بھی تھی اور وہ یہ کہ ابو عبید نے اس وقت عراق جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی جب دوسرے لوگ اس سے پہلو تہی کر رہے تھے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان کا یہ قدم ان کی طبقاتی پالیسی سے پوری پوری مطابقت رکھتا تھا جس کی تصدیق اس واقع سے ہوتی ہے کہ جریر بن عبداللہ بجلی معرکہ جسر کے بعد مثنیٰ کی مدد کو پہنچے اور مثنیٰ کو معلوم ہوا کہ وہ ان کے قریب سے ہو کر گزر گئے ہیں انہوں نے جریرؓ کو ایک خط لکھا کہ آپ میری مدد کو آئے ہیں۔ آپ کو میرے پاس آنا چاہئے جس کا جواب جریرؓ نے یہ دیا کہ جب تک امیر المومنینؓ مجھے حکم نہ دیں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ بھی امیر ہیں میں بھی امیر ہوں۔ مثنیٰ نے اس کی شکایت حضرت عمرؓ کو بھیجی تو دربار خلافت سے جواب آیا" میں رسول اللہؐ کے صحابی پر تمہیں امیر نہیں بنا سکتا۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو عراق بھیجا تو مثنیٰ اور جریرؓ دونوں کو لکھا کہ سعدؓ تمہارا امیر ہوں گے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعدؓ سابقوں اوالون میں سے تھے اور سابقوں اوالوں کو حضرت عمرؓ تمام مسلمانوں سے افضل سمجھتے تھے۔

مثنیٰ اس بات سے آتش بہ دل نہ ہوئے کہ ان پر کسی اور کو امیر کیوں بنایا گیا ہے۔ وہ ایک ایسے مسلمان تھے جس کا ایمان سچا اور بے لوث تھا اس طرح وہ ایک ایسے مجاہد تھے جو نظم واطاعت کے مفہوم سے پوری طرح آشنا تھے اور نظم و ایمان کو ذاتی اغراض سے کہیں بلند سمجھتے تھے اگر ان کو فوج کی امارت سے محروم رکھا گیا تو اس سے ان کی قدر و اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ تحسین وامتیاز کی وہ تحریریں مٹ سکتی ہیں جو ان کے متعلق تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر رکھی ہیں۔ اگر حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ایک عدیم النظیر سپہ سالار اور اللہ کی تلوار ہیں تو مثنیٰ بن حارثہ کی اس اولیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ فتح عراق کی بساط سب سے پہلے انہیں نے بچھائی تھی۔ وہ ایک ایسے آزمودہ کار قائد تھے جنہوں

نے انتہائی نازک موقعوں پر مسلمانوں کی ذمہ داری اپنے سر لی اور وہ ایک ایسے مدبر تھے جنہوں نے مذہبی اختلاف کے باوجود عراق کے تمام عربی النسل قبائل کے دل موہ لئے تھے اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر بویب کی جنگ میں ایرانیوں پر وہ کاری ضرب لگائی تھی جس کی ایرانی ہمیشہ درد محسوس کرتے رہیں گے اور جس کے بعد انہیں فتح کا منہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا۔

یہ بات مثنیٰ کے فخر میں اور اضافہ کرتی ہے کہ یہ سارے کارنامے انہوں نے کم سے کم مدت میں سرانجام دیے۔ ابو عبید 634ء کو ابتدائے خزاں میں عراق پہنچے تھے اس سال اکتوبر کے مہینے میں انہوں نے نمارق کی جنگ فتح کی اور اس مہینے کی آخری تاریخوں میں جسر کے موقع پر وہ شہید بھی ہو گئے ان کے بعد فوج کی کمان مثنیٰ نے سنبھالی اور الیس فتح کر کے نومبر کے مہینے میں بویب کا شاندار معرکہ کیا۔ بویب کی فتح کے بعد اگر انہیں بروقت کمک مل جاتی تو وہ مدائن پہنچ کر سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے اسے بھی فتح کر لیتے۔ لیکن کمک پہنچنے میں دیر ہوئی اور موت پہلے آ پہنچی۔ مثنیٰ کا انتقال ہو گیا اور فتح و نصرت نے فخر و امتیاز کا وہ تاج ان کے سر پر رکھ دیا۔ جس کی جگمگاہٹ ابد الاباد تک نگاہوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

اچھا الوداع! اے قائد توانا! خدا کے حوالے! ہم تیرے میدان کو تیری فتح و نصرت کے غلغلوں سے گونجتا چھوڑ کر تیرے ساتھی حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس شام جاتے ہیں۔ لوگ رہتی دنیا تک یاد رکھیں گے۔ کہ مثنیٰ بن حارث شیبانی اسلامی سلطنت کے بساط گروں کی صف اول میں تھے ان کا شمار اس کے دانش مند اور طاقت ور بانیوں میں کیا جائے گا اور اس کی تعمیر میں ان کے عظیم الشان کارناموں کی عظمت اس بات سے کم نہ ہو گی کہ وہ قرشی نہ تھے صحابی رسولؐ نہ تھے اور حضرت خالدؓ کے بعد انہیں فوج کی امارت نہیں سونپی گئی تھی۔ وہ جنگ بویب کے قائد تھے اور اس معرکہ میں جس جرات و پیش قدمی کا مظاہرہ انہوں نے کیا تھا وہ انہیں حضرت خالدؓ کے برابر لا کھڑا کرتی ہے۔ بلکہ جہاں تک مصلحت و پیش بینی کا تعلق ہے۔ ان کا مرتبہ شاید حضرت خالدؓ سے بھی بلند تھا (محمد حسین ہیکل عمر فاروقؓ ص 156)

مثنیٰ کا بھائی سعد بن حارث شیبانی بڑی بہادری سے لڑتا ہوا گھوڑے سے گرا اور شہید ہو گیا۔ اس طرح انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا۔ وہ بھی بڑی جانبازی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ مثنیٰ نے اس کو بھی خود اٹھا کر اپنے بھائی کے پاس لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اور بھی بڑے بڑے بہادر سردار مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی شجاعت اور ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ بھاری رہا اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح و نصرت عطا ہوئی۔ قبیلہ تغلب کے ایک عیسائی بہادر نوجوان نے ایرانی فوج کے سپہ سالار مہران کو مار ڈالا اس نوجوان نے مہران کے گھوڑے پر سوار ہو کر فخر سے اعلان کیا کہ "میں ہوں تغلب کا نوجوان جو سپہ سالار عجم کا قاتل ہے۔ جنگ بویب سے ایرانیوں کا عربوں پر رعب ختم ہو گیا۔ مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے قبل سو ایرانی ہزار عربوں پر بھاری تھے لیکن آج ایک عرب دس عجمیوں پر بھاری ہے اس معرکہ کے بعد مسلمان تمام عراق میں پھیل گئے اور بے شمار مال غنیمت لوٹا اور قتل و غارت گری کی۔ ایرانی امرا رستم اور فیروزان نے اختلافات ختم کر کے اتحاد قائم کر لیا۔ اور ان دونوں نے وقت کو تخت سے اتار کر کسریٰ خاندان کے آخری نوجوان یزدگرد کو متفقہ طور پر تخت نشین کر لیا۔ تمام سلطنت ایران میں اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم ہو گئی اور مسلمانوں سے انتقام کے لئے جوش و جذبہ پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کے تمام مفتوحہ علاقے باغی ہو کر دوبارہ سلطنت ایران کے ماتحت متحد ہو گئے اور ان میں انتقامی جذبہ بھڑک اٹھا۔ حضرت عمرؓ کو ایرانیوں کے اتحاد 'یزدگرد کو سلطنت کا شہنشا

ہٹ کر کے تخت نشین کرانا اور عراق کے زمینداروں اور مفتوحہ امرا کے سرکش اور باغی ہو کر دوبارہ سلطنت ایران کی وفاداری اختیار کر لینے کی پریشان کن اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ اور حضرت مثنیٰ نے آپ کو تمام حالات و واقعات سے مطلع کر کے زبردست جنگی تیاریوں کا مشورہ دیا۔

جنگ قادسیہ فتح ایران کی تاریخ ساز جنگ 15ھ :

حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کو حکم دیا کہ فوجوں کو ہر طرف سمیٹ کر عرب کی سرحدوں کی طرف لے آئیں۔ ربیعہ اور مضر کے عرب قبائل کو حکم دیا کہ وہ مثنیٰ کے پاس جمع ہو جائیں اور خود بڑے زور شور کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ مملکت میں ہر طرف نقیب دوڑائے گئے کہ جہاں کوئی بہادر امیر' رئیس' صاحب تدبیر' شاعر' خطیب' مدبر' مفکر' ماہر فنون حرب و ضرب اور دشمن کے مقابلہ کا خواہش مند ہو مدینہ پہنچ جائے۔ چونکہ حج کا زمانہ تھا تمام عرب سے عازمین حج مکہ روانہ ہو گئے اور خود حضرت عمرؓ بھی حج کے لئے مکہ پہنچ گئے۔ حج سے فارغ ہو کر قبائل عرب کا ایک طوفان جہاد ایران میں حصہ لینے کے لئے مدینہ پہنچ گیا۔ حضرت سعد بن وقاص نے تین ہزار مجاہد بھیجے۔ حضر موت' صدف' مذحج' قیس' عیلان' بنو تمیم' بنو اسد اور دیگر قبائل کے فوجی بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے اور وہاں ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ جہاں تک نظر جاتی مجاہدین کی فوجوں کے غول نظر آتے تھے حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ لشکر کو اچھی طرح ترتیب دیا جائے اس لشکر کی میں خود قیادت کروں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ میمنہ پر زبیر' میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا گیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ کے سپہ سالار بننے کی وجہ سے تمام فوج میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا ہر شخص جوش جہاد اور شوق شہادت سے لبریز تھا اور ان میں نہ صرف مذہبی جذبہ بلکہ عجم کے مقابلہ پر عرب قومیت اور آزادی کا جوش بھی موجزن تھا۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر صرار کے چشمہ پر جا کر قیام کیا۔ یعنی یہ لشکر اسلام کی پہلی منزل تھی۔ صرار کے مقام پر تمام سرداران قبیلہ صحابہ کرام اور ارباب اہل الرائے سے پھر مشورہ لیا گیا کہ آیا سیاسی عسکری حکمت عملی کے تحت امیر المومنین حضرت عمرؓ کو خود اس لشکر کی قیادت کرنے کے لئے مدینہ سے غیر حاضر ہونا چاہیے یا کسی اور آزمودہ کار بہادر صحابی کو سپہ سالار بنا کر دشمن کے مقابلہ پر بھیجنا مناسب رہے گا۔ چنانچہ طویل بحث و تمحیث اور صلاح و مشورہ کے بعد یہی طے پایا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو مدینہ میں قیام فرماتے ہوئے یہاں سے سرداران فوج کو ہدایات جاری کرتے رہنا اور ان کی راہنمائی کرنی چاہیے خود میدان جنگ میں جا کر فوج کی کمان کرنا قطعاً غیر مناسب اور خطرناک ہے خدانہ کرے ناکامی کی صورت میں مملکت اسلامیہ اور اسلام دونوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ہی رائے سے سب نے اتفاق کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی عظیم خدمات' جنگی تجربہ بہادری اور ماہر عسکری امور پر اتفاق رائے ہو گیا اور آپ کو اسلام کے عظیم الشان لشکر کا سپہ سالار مقرر کرتے ہوئے لشکر کو محاذ جنگ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

حضرت سعدؓ چار ہزار فوج لے کر جو اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائی تھی۔ مدینہ سے عراق روانہ ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی دعوت پر لوگ چاروں طرف سے آ آکر مدینہ میں جمع ہوتے رہے اور حضرت عمرؓ انہیں

حضرت سعدؓ کے پاس بھیجتے رہے۔ اس سے ان کے لشکر کی قوت و تعداد میں اضافہ ہو گیا اس لشکر کا ایک نمایاں امتیاز یہ بھی تھا کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے سورما، شہ سوار، شاعر، خطیب اور رئیس بھی شامل تھے۔ جس میں عمرو بن معدی کرب زبیدی، طلیحہ بن خویلد اسدی اور اشعث بن قیس کندی جیسے زعمائے عرب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ جب حضرت سعدؓ زرود کے مقام پر پہنچے تو ان کے لشکر کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ مثنیٰ کی فوجیں، جو بویب کی جنگ اور یزدگردگی تخت نشینی کے بعد ذی قار میں سمٹ آئی تھیں، تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھیں۔ جن میں آس پاس کے قبیلوں کے پانچ ہزار افراد اور آکر شامل ہو گئے تھے اور جو فوجیں ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں شام سے چلی تھیں ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی اس طرح قادسیہ کی جنگ میں شرکت کے لئے جو فوجیں مختلف اطراف سے آئی تھیں ان کی مجموعی تعداد چھتیس ہزار یا اس کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ اوز یہ سب سے بڑا لشکر تھا جو عہد صدیقیؓ میں مثنیٰ کے عراق جانے سے لے کر اس وقت تک جنگ عراق کے لئے فراہم ہو سکا تھا۔

جب حضرت سعدؓ شراف پہنچے تو شام سے آنے والی فوج کے سوا باقی تمام فوجوں کی تنظیم مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن مثنیٰ اپنی فوج میں نہ تھے معرکہ جسر میں جو زخم انہیں آیا تھا۔ وہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ بشیر بن قصاصیہ کو فوج پر اپنی جگہ مقرر کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

مثنیٰ کے بھائی معنی بن حارثہ بھی اس فوج میں نہ تھے۔ انہیں اطلاع ملی کہ قابوس بن قابوس بن منذر ایرانیوں کے حکم سے عربوں کو ایرانیوں کی مدد پر اکسانے کے لئے قادسیہ گیا ہے اور نعمان بن منذر کی طرح سودابازی کر کے ہو بکر بن وائل کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہا ہے یہ سنتے ہی معنی ذی قار سے بہ عجلت تمام روانہ ہو گئے اور ہو بکر بن وائل میں پہنچ کر اس کی سازش کو ناکام بنا دیا ان کا قبیلہ۔ ہو بکر۔ مسلمانوں کا ساتھ دینے پر کمر بستہ ہو گیا اور معنی ذی قار سے اپنی بھاوج کو ساتھ لے کر شراف پہنچ گئے۔ جہاں حضرت سعدؓ قادسیہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

سلمٰی اور معنی حضرت سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور معنی نے قابوس اور ہو بکر بن وائل کا ماجرا ان کے سامنے دہرا کے مثنیٰ کی وصیت ان سے بیان کی کہ ایرانیوں سے اس وقت جنگ نہ کی جائے جب ان کی شیرازہ بندی ہو چکی ہو اور وہ آپس میں متحد ہو گئے ہوں۔ ان کے ملک میں گھس کر بھی ان سے لڑنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ ان کی سرحدوں پر رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ جہاں سے عرب کی سرزمین عجم کی سرزمین کی نسبت زیادہ قریب ہو۔ پس اگر مسلمانوں کو کامیابی ہو تو آگے بڑھنا مشکل نہیں۔ اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو عرب اپنے راستوں سے زیادہ واقف اور اپنی سرزمین میں زیادہ جری ہوں گے اور ان کے لئے پلٹ کر حملہ کرنا آسان ہو گا۔ مثنیٰ کی یہ وصیت سن کر حضرت سعدؓ کے دل میں ان کی موت کا غم تازہ ہو گیا انہوں نے مثنیٰ کی خدمت معنی کے سپرد فرما دی اور انہیں ہدایت کی کہ مثنیٰ کے اہل و عیال سے بہتر سلوک کریں۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے مثنیٰ کی بیوہ سلمٰی بنت سے نکاح کر لیا۔ عربوں میں یہ رسم تھی۔ کہ جب کوئی عظیم المرتبت ہستی انتقال کر جاتی تھی تو اس کی عزت و تکریم کے طور پر اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا جاتا تھا تاکہ اسے وہی عظمت و بزرگی حاصل رہے جو اس سے پہلے اپنے مرنے والے شوہر کی زندگی میں نصیب تھی۔

حضرت سعدؓ نے قادسیہ کے میدان جنگ میں اپنی فوج کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ جس کی تعداد تیس ہزار تھی۔ پھر میمنہ' میسرہ قلب اور دوسرے عہدوں پر لائق اور قابل افسران کو تعینات فرمایا جس کی تفصیل بقول طبری حسب ذیل تھی۔ جس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ارسال کر دی گئی۔

ہراول۔ زہیر بن عبداللہؓ' میمنہ۔ عبداللہ بن المعتصم' میسرہ' شرجیل بن السمط ساقہ۔ عاصم بن عمرو تمیمی' سواد بن مالک کو شتر سوار دستہ پر انسم عبداللہ السہمی' طیبہ کو منشی' ستر بدری صحابی تھے تین سو وہ صحابی جنہوں نے بیت رضوان میں شرکت کی۔ بے شمار جنہوں نے فتح مکہ میں شرکت کی تھی۔ الغرض بے شمار نامور اور بزرگ شامل تھے۔

حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کرو اور اسی طرح مورچے جماؤ۔ اور صف بندی کرو کہ دشمن یعنی عجمی فوج سامنے اور عرب کے پہاڑ پشت پر ہوں۔ تاکہ فتح کی صورت میں آگے بڑھتے چلے جاؤ ورنہ پہاڑ دفاع ہوگا۔ قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں و پلوں کی وجہ سے سرسبز اور محفوظ مقام تھا۔ حضرت سعدؓ نے پوری تفصیل کے ساتھ موقع محل اور میدان جنگ کا پورا نقشہ ارسال کیا اور کچھ دن عذیب میں قیام کیا اور پھر قادسیہ روانہ ہو گئے۔

حضرت سعدؓ نے قادسیہ پہنچ کر ہر طرف جاسوس روانہ کئے کہ دشمن کے حالات معلوم کریں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ شہنشاہ یزدگرد نے رستم پسر فرخ زار کو جو آرمینیہ کا حاکم تھا۔ سپہ سالار مقرر کر کے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کا حکم دیا ہے۔ جو اس وقت ساباط میں ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔

شہنشاہ یزدگرد نے اپنے سپہ سالار رستم کو بار بار حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے قادسیہ روانہ ہو جائے مگر وہ لیت و لعل کرتا رہا آخر یزدگرد نے مجبور ہو کر رستم کو ساباط روانہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔ حضرت سعدؓ کو رستم کی روانگی کا علم ہوا اور انہوں نے حضرت عمرؓ کو وہ خط لکھا کہ ایرانی سپہ سالار مقابلے کے لئے آ رہا ہے جس پر حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا کہ فرما روائے ایران کے پاس ایک وفد بھیجا جائے جو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔ کیونکہ وہ یزدگرد کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ کو بہر صورت حضرت عمرؓ کے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ اس لئے انہوں نے یزدگرد کے پاس عرب کے عقل مند اور بہادر سیاست دانوں کا ایک وفد بھیجا جن میں نعمان بن مقرن' فرات بن حیان' اشعث بن قیس عمرو بن سعدی کرب' مغیرہ بن شعبہ اور معنی بن حارثہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اسے ہدایت کی کہ پہلے اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول نہ کی جائے تو جزیہ اور جزیہ بھی منظور نہ ہو تو جنگ۔ وفد مدائن پہنچا وہاں کے لوگوں نے جو ان کے ستے ہوئے چہرے کندھوں پر پڑی ہوئی چادریں ہاتھوں میں کوڑے پاؤں میں موزے اور دبلے پتلے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی خاک دیکھی تو کہا! یہ لوگ آخر کس کے بوتے پر ہم سے لڑنے' ہم پر فتح پانے اور ہمارے پایہ تخت میں گھسنے آئے ہیں وفد نے یزدگرد سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ یزدگرد نے اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کے بعد وفد کو ملاقات کی اجازت دی۔ جب وفد اس کے دربار میں پہنچا تو یزدگرد نے انتہائی نخوت و پندار کے لہجے میں اس سے سوال کیا۔ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو کیا یہ جرات تمہیں اس لئے ہوئی کہ ہم اپس کے جھگڑوں میں معروف ہیں؟ اس کے جواب میں نعمان بن مقرن نے رسول اللہؐ کی بعثت اور آپ کی تعلیمات کا ذکر کر کے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد کہا" اگر

تمہیں اس دعوت سے انکار ہے تو جذیہ قبول کرو۔ ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار کرے گی" اپنی بات ختم کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا "اگر تم نے ہمارا دین قبول کر لیا تو ہم کتاب اللہ تمہارے پاس چھوڑ جائیں گے اور تمہیں اپنے فیصلے اس کتاب کے احکام کے مطابق کرنے ہوں گے اس صورت میں ہم تم سے اور تمہاری حکومت سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ اگر تم جزیہ دینا پسند کرو گے تو ہم اسے بھی قبول کر لیں گے۔ لیکن ان دو صورتوں کے سوا تیسری صورت جنگ ہو گی"

یزدگرد کو یہ بات ناگوار گزری لیکن اس نے دانش مندی و تحمل کو تدبر و دور اندیشی سے قریب تر پایا اور کہا میں نے دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت تم سے زیادہ کم سواد اور تم سے زیادہ خستہ حال کوئی قوم نہیں دیکھی۔ جب کبھی تم سرکشی کرتے تھے۔ تو ہم سرحدی بستیوں کے لوگوں سے کہہ دیتے تھے اور وہ تمہاری گوشمالی کے لئے کافی ہوتے تھے ایرانیوں نے کبھی تم پر چڑھائی نہیں کی۔ تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ تم ان کے سامنے ٹھہر سکو گے اگر تمہاری تعداد بڑھ گئی ہے تو اس بات پر تمہیں اکڑنا نہیں چاہئے۔ اگر قحط سالی اور افلاس نے تم کو یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔ تو ہم تمہارے کھانے پینے کا اس وقت تک کے لئے انتظام کئے دیتے ہیں جب تک تمہارے ہاں کچھ پیدا ہو۔ ہم تمہارے سرداروں کی عزت کریں گے تم کو کپڑے پہنائیں گے اور تم پر ایسے بادشاہ مقرر کر دیں گے۔ جو تمہارے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آئے" وفد نے یہ باتیں سن کر سکوت اختیار کیا۔ مگر مغیرہؓ بن شعبہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا "اے بادشاہ! یہ لوگ عرب کے سردار اور وہاں کے معززین ہیں اشراف ہیں اور اشراف سے شرماتے ہیں اشراف کی عزت اور ان کے حقوق کی پاس داری اشراف ہی کرتے ہیں انہوں نے تم سے سب باتیں نہیں کہی ہیں اور نہ تمہاری سب باتوں کا جواب دیا ہے تم مجھ سے بات کرو تا کہ میں صاف صاف جواب دوں اور یہ لوگ اس کی شہادت دیں تم نے ہماری خستہ حالی کا ذکر کیا ہے۔ بے شک ہم ایسے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ خستہ حال تھے"

اس کے بعد انہوں نے عرب کی فاقہ مستی کی تفصیل بیان کی اور نعمان بن مقرن کی طرح رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ تم چاہے جزیہ پسند کر لو یا تلوار یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لو"

یہ سن کر یزدگرد اپنے آپ سے باہر ہو گیا۔ غضب ناک لہجے میں اس نے کہا "اگر قاصدوں کا قتل خلاف اصول نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ جاؤ! تمہارے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے" اس کے بعد مٹی کا ایک ٹوکرا لانے کا حکم دیا اور کہا ان میں جو سب سے زیادہ معزز ہو یہ ٹوکرا اس کے سر پر لاد کے اس کو ہانکتے ہانکتے مدائن سے باہر نکال دو" اور وفد سے مخاطب ہو کر بولا! جاؤ اپنے سردار سے جا کے کہہ دو کہ میں تمہاری سرکوبی کے لئے رستم کو بھیج رہا ہوں وہ اسے اور تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ پھر میں اس کو تمہارے ملک میں بھیج کر تمہیں ایسا مزہ چکھاؤں گا۔ کہ تم شالور کو بھول جاؤ گے!

وفد کے ارکان یزدگرد کے غصے اور دھمکی سے بالکل مرعوب نہ ہوئے بلکہ عاصم بن عمرو کھڑے ہوئے اور مٹی کا ٹوکرا اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے بولے "میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ میں ان سب کا سردار ہوں اور مٹی کا ٹوکرا اٹھائے ایوان کسریٰ سے نکل گئے۔ اپنے گھوڑے کے پاس پہنچ کر اس پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ قادسیہ پہنچ گئے۔

قلعہ قدلیس میں وفد حضرت سعدؓ سے ملا اور عاصم بن عمرو نے سارا ماجرا بیان کر کے کہا "انہوں نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی ہے" پھر بولے "مبارک ہو! خدا! ان کے ملک کی کنجیاں اللہ نے ہمیں عطا فرما دی ہیں۔

رستم کا لشکر جرار ایک لاکھ بیس ہزار فوج پر مشتمل تھا جس میں قریباً تین سو جنگی ہاتھی بھی ہمراہ تھے۔ حالات حرب و ضرب سامان جنگ اور رسد وغیرہ کا کوئی حساب نہ تھا اور قادسیہ کے قریب مقام عتیق میں خیمہ زن ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے رستم کی فرمائش پر حضرت ربعی بن عامر کو سفیر بنا کر مصالحت کی گفتگو کے لئے رستم کے پاس بھیجا۔ طویل گفتگو کے بعد بھی مصالحت نہ ہو سکی اور اب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور قادسیہ کے میدان میں قیامت خیز جنگ ہوئی تین دن کے تاریخی معرکہ کے بعد ایرانی فوجوں کو شکست ہوئی اور رستم مارا گیا۔ قادسیہ کی ذلت آمیز شکست کے بعد ایرانی بھاگ کھڑے ہوئے اور اسلامی فوج نے دور دور تک ان کا تعاقب کیا اور آخر وہ دریائے دجلہ عبور کر کے مدائن پہنچ گئے۔ جنگ قادسیہ ایک تاریخ ساز جنگ تھی۔ اس میں نا صرف مسلمانوں کو شاندار فتح اور ایرانیوں کو ذلت امیز شکست ہوئی بلکہ اس سے تاریخ عالم کے دھارے کا رخ پھر گیا۔

جب میدان کارزار گرم ہوا تو بد قسمتی سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عرق النسا کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے اس لئے آپ نے جنگ میں سرگرم حصہ نہ لیا۔ چنانچہ میدان جنگ کے ایک کونے میں ایک عمارت قلعہ قدلیس میں لیٹے ہوئے فوج کو ہدایات دیتے رہے اور اسی حالت میں تین دن تک اس زبردست معرکہ میں اپنی فوج کو لڑاتے رہے۔ ابو محجن ثقفی ایک بہادر سپاہی جو کسی جرم کی پاداش میں اس عمارت میں قید تھا۔ حضرت سعدؓ کی بیوی سلمی سے اجازت لے کر اور ان کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہنچ گیا اور بڑی بہادری سے لڑتا ہوا شام کو واپس آکر از خود گرفتار ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے اس کی شجاعت کی خوشی میں اس کا جرم معاف کر کے اس کو رہا کر دیا۔

حضرت عمرؓ روزانہ جنگ قادسیہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے قادسیہ کے راستے پر چلے جاتے۔ ایک قاصد خبر لے کر آیا تو قاصد کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کئی میل چلتے رہے اور آخر مدینہ آکر قاصد کو معلوم ہوا کہ وہ تو امیر المومنین تھے۔

جنگ قادسیہ کے تفصیلی حالات

جنگ قادسیہ محرم 14ھ / 635ء فاروق اعظمؓ کی تاریخ ساز فتح :

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا حضرت عمرؓ کو جواب :

حضرت سعدؓ نے اس کے جواب میں لکھا۔ کہ قادسیہ خندق اور نہر عتیق کے درمیان ایک شہر ہے اس کی بائیں جانب بحر اخضر ہے۔ جس کا پھیلاؤ حیرہ تک دو راستوں کے درمیان سے نمودار ہے ان میں سے ایک راستہ بلندی کی طرف جاتا ہے اور دوسرا ایک نہر کے کنارے کنارے جاتا ہے جس کو المخصوص کہتے ہیں اس راستے سے گزرنے والا آدمی خورنق اور حیرہ کے درمیان میں پہنچتا ہے اور قادسیہ کے دائیں جانب وہاں کے دریاؤں کی لڑائی ہے سواد کے جن باشندوں نے مجھ سے قبل مسلمانوں سے مصالحت کی تھی اگرچہ بظاہر وہ لوگ اہل فارس کے طرفدار بن گئے ہیں۔ مگر ہماری امداد کے لئے تیار ہیں ایرانیوں نے ہمارے مقابلے پر رستم کو جوان میں خاص امتیازی درجہ رکھتا ہے بھیجا ہے دشمن ہم پر حملہ آور ہو کر ہم کو زیر کرنا چاہتا ہے اور ہم دشمن پر حملہ آور ہو کر اس کو زیر کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ نتیجہ خدا کے ہاتھ ہے ہماری یہ دعا ہے کہ تقدیر کا فیصلہ ہمارے موافق ہو اور ہماری فتح کا باعث ہو۔

اسلامی سفارت بھیجنے کا حکم :

حضرت سعدؓ نے اہل حیرہ اور صلوبا کی طرف اپنے جاسوس بھیجے تاکہ ان سے اہل فارس کی خبریں معلوم ہوں۔ وہ لوگ یہ خبر لائے کہ شاہ فارس نے رستم بن فرخ زاد ارمنی کو امیر حرب مقرر کیا ہے اور اس کو لشکر آراستہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ سعدؓ نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ بھیجی ۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ایرانیوں کی طرف سے جو کچھ تم سنو یا تم کو پیش آئے تو اس کو برا نہ سمجھنا۔ اللہ سے مدد چاہو۔

اسلامی سفارت کی روانگی :

ابو ضمرہ کی روایت ہے کہ سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ رستم نے ساباط میں لشکر آراستہ کیا ہے اور ایران کے گھوڑوں' ہاتھیوں اور اس کی شان و شوکت کو ساتھ لے کر ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

رستم کی قیادت :

سواد عراق کے باشندوں نے فریاد کے طور پر بادشاہ یزدگرد کے پاس یہ پیغام بھیجا "اہل عرب قادسیہ میں ایسے ارادے کے ساتھ اترے ہیں جو جنگ کرنے کے مشابہ ہے وہ جب سے قادسیہ میں اترے ہیں اس وقت سے انہوں نے کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے اس جگہ سے لے کر دریائے فرات تک انہوں نے سب چیزیں لوٹ لی ہیں۔ قلعوں کے علاوہ اور کہیں آبادی کا نشان نہیں ہے۔ مویشی باقی نہیں رہے ہیں۔ اور کھانے پینے کی چیزیں جو قلعوں میں محفوظ نہیں کی جاسکتی ہیں۔ وہ سب ختم ہو گئی ہیں اب یہی کام باقی رہ گیا ہے کہ وہ ہمیں قلعوں سے نکال دیں۔ اگر فریادرسی میں تاخیر ہوئی تو ہم اپنے ہاتھوں سے یہ قلعے ان کے حوالے کر دیں گے۔ وہ بادشاہ جن کی جاگیریں اس علاقے میں تھیں انہوں نے بھی اس قسم کا مضمون لکھ کر بھیجا کہ اس معاملے میں ان کی تائید وامداد کی جائے انہوں نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رستم کو بھیجے۔

رستم سے خطاب :

جب یزدگرد نے رستم کو بھیجنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ تو اس نے رستم کو بلا بھیجا۔ جب وہ اس کے پاس آیا۔ تو اس نے رستم سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس طرف روانہ کروں۔ کیونکہ میرا کام اس کے اندازے اور اہمیت کے لحاظ سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں تم ہی اہل فارس کے "مرد میدان" ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ان پر ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے جو اردشیر کے خاندان کے دور حکومت سے کبھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بادشاہ کی یہ بات مان لی اور اس کی حمد وثنا کی۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خیالات پر غور کروں۔ تاکہ تمہاری معلومات کا مجھے علم ہو سکے۔ مجھے عربوں کے وہ احوال واعمال بتاؤ جو قادسیہ کے قیام کے دوران ان سے رونما ہوئے ہوں۔ مجھے اہل عجم کا حال بھی بتاؤ کہ وہ کس طرح سے ان کا مقابلہ کریں گے۔

رستم کی معذرت :

رستم بولا اے بادشاہ! مجھے چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ اہل عرب کے دلوں میں اہل عجم کی ہیبت اس وقت تک باقی رہے گی۔ جب تک میرے ذریعے ان کو نقصان نہ پہنچے ممکن ہے کہ سلطنت میرے ذریعے قائم رہے اور اللہ ہمارے لئے کافی ہے اس وقت ہمیں کوئی نئی تدبیر اختیار کرنی چاہئے کیونکہ تدبیر اور جنگی چال فتح مندی سے بہتر ہے۔

بادشاہ نے اس کی بات نہیں مانی اور کہا "کیا چیز باقی رہ گئی ہے ؟" رستم نے کہا جنگ کرنے میں دیر کرنا جلد بازی سے بہتر ہے۔ اس وقت صبر سے کام لینا بہتر ہے۔ بہتر یہ ہے ایک لشکر کے بعد دوسرا لشکر جنگ کرے۔ بجائے اس کے ایک دم مکمل شکست ہو جائے۔ یہ طریقہ ہمارے دشمن پر زیادہ بھاری رہے گا۔ بادشاہ اپنی بات پر اڑا رہا اور

اس نے اس کی ایک بات نہیں مانی۔ لہٰذا اس نے اپنی فوجیں ساباط کے مقام پر جمع کیں۔

جنگ کی تیاری :

جب رستم ساباط پہنچا اور اس نے جنگ کا سازو سامان جمع کر لیا۔ تو اس نے ہر اول دستہ کی حیثیت سے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ جالینوس کو بھیجا اور کہا "تم لشکر کشی کرو۔ مگر میرے حکم کی تعمیل کرنا" اس نے اپنے میمنہ پر ہرمزان کو مقرر کیا اور میسرہ پر مہران بن بہرام رازی کو مقرر کیا اور بیرزان کو سردار بنایا۔ رستم کہنے لگا۔

"بادشاہ کو اس بات سے مطمئن رہنا چاہئے کہ اللہ نے دشمن سے پیش قدمی کرائی اور اس نے اپنے گھر میں ہم کو للکارا ہے۔ تاکہ ہم ان کے ملک ہی میں ان کا مقابلہ کریں آنکہ وہ ہماری بات مانیں یا اسی چیز پر قانع ہو جائیں جس پر وہ پہلے قانع تھے۔

رستم کے لشکر کی تعداد :

لہٰذا رستم نے مقدمتہ الجیش چالیس ہزار سپاہیوں کا لشکر روانہ کیا اور خود ساٹھ ہزار کی تعداد میں نکلا۔ اس کا ساقہ بیس ہزار کی تعداد میں تھا۔

رستم ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا ان کے پیچھے ایک لاکھ سے زیادہ لشکر تھا وہ خود مدائن سے ساٹھ ہزار کی تعداد کے ساتھ روانہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت سعدؓ قادسیہ میں تھے تو رستم ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔

زوال کی پیش گوئی :

جابان نے چشناہ کو لکھا "اہل فارس کی حکومت ختم ہو گئی ہے اور ان کا دشمن ان پر غالب آگیا ہے۔ مجوسیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ عربوں کی سلطنت قائم ہو گئی ہے اور ان کا مذہب رائج ہو گیا ہے۔ لہٰذا تم ان سے معاہدہ کر لو۔ اور موجودہ حالات کے فریب میں نہ آؤ۔ اس سے پہلے کہ تم گرفتار ہو جاؤ بہت عجلت سے کام لو۔

رستم جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا کیونکہ اسکو ستاروں کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان کامیاب ہوں گے ایران کو شکست ہو گی اور ان کا ایران پر قبضہ ہو جائے گا۔ "رستم نے جالینوس کو حکم دیا۔ کہ وہ نجف سے روانہ ہو جائے۔ تو وہ اگلی فوج لے کر روانہ ہوا اور نجف اور سیلحین کے درمیان اس نے قیام کیا۔ رستم نے کوچ کر کے نجف میں قیام کیا اس عرصے میں اس نے چار مہینے گزار دیے۔ کیونکہ مدائن سے نکل کر اس نے ساباط میں پڑاؤ ڈالا۔ وہاں سے وہ مختلف مقامات پر ٹھہرتا رہا۔ نہ تو وہ آگے بڑھتا تھا اور نہ وہ جنگ کرتا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ اہل عرب اس جگہ سے اکتا جائیں گے وہ عربوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کا بھی وہی حشر نہ ہو جو اس سے

پہلے لوگوں کا ہوا ہے۔ وہ جنگ کو طویل کرنا چاہتا تھا مگر بادشاہ جلد جنگ شروع کرنے کا حکم دے رہا تھا اور اسے پیش قدمی کرنے پر مصر تھا تا آنکہ اسے جنگ میں گھسنا پڑا۔

رستم کی پیش قدمی :

"جب رستم سلیحین کے مقام پر فروکش ہوا تو اس نے دوسرے دن جالینوس اور ذوالحاجب کو آگے روانہ کیا۔ جالینوس نے کوچ کر کے زہرہ کے سامنے پل کے قریب قیام کیا۔ ذوالحاجب عسرباز میں اس مقام پر فروکش ہوا۔ رستم خرارہ کے مقام پر ذوالحاجب عسیرباز میں اس مقام پر فروکش ہوا۔ رستم خرارہ کے مقام پر ذوالحاجب کے مقام پر فروکش ہوا۔ پھر اس نے ذوالحاجب کو آگے روانہ کیا۔ جب وہ عتیق کے مقام پر پہنچ گیا۔ تو اس نے بائیں طرف رخ کیا۔ جب وہ قدلیس کے قریب پہنچا تو اس نے خندق کھودی۔ جالینوس نے بھی کوچ کیا اور وہ وہاں فروکش ہوا۔

رستم نجومی تھا اس کو ستاروں کی چال سے عربوں کی فتح کا علم ہو چکا تھا وہ شہنشاہ یزگرد کے حکم کے تحت مجبوراً جنگ پر تیار ہوا تھا اور چار ماہ کے عرصہ میں مدائن سے قادسیہ پہنچا تھا۔

اسلامی لشکر کے سردار :

حضرت سعدؓ کے اگلے لشکر کے سردار زہرہ بن الحویہ تھے ان کے دونوں پہلوؤں پر عبداللہ بن القم اور شرجیل بن السمط الکندری تھے ایک دوسرے لشکر کے سردار عاصم بن عمرو تھے تیر انداز اور پیادہ فوج کے الگ الگ سردار مقرر تھے اور خبر رساں دستے پر سواد بن مالک مقرر تھے۔

رستم کی صف آرائی :

رستم نے فوج کے اگلے حصے پر جالینوس کو سردار مقرر کیا تھا اور اس کے دونوں پہلوؤں کے لشکر پر ہرمزان اور مہران مقرر تھے۔ مجردہ پر ذوالحاجب تھا اور خبر رساں دستے پر بیرزان مقرر تھا اور پیدل فوج پر زازین بھیش مقرر تھا۔

دشمن کے ہاتھیوں کی تعداد :

قیس بن ابی حازم جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ رستم کے پاس اٹھارہ ہاتھی تھے اور جالینوس کے پاس پندرہ ہاتھی تھے شعمی کہتے ہیں کہ رستم کے پاس جنگ قادسیہ میں تیس ہاتھی تھے۔
سعد بن المرزبان ایک دوسرے آدمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رستم کے پاس تینتیس ہاتھی تھے ان

میں سابور کا ایک سفید ہاتھی بھی تھا۔ جس سے تمام ہاتھی مانوس تھے اور وہ سب سے بڑا اور پرانا تھا۔

مصالحت کی کوششیں :

جب رستم عتیق کے قریب فروکش ہوا تو وہ رات وہیں گزاری۔ صبح کے وقت اس نے اس علاقے کا معائنہ شروع کیا وہ عتیق سے خفان تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر کے موڑ تک پہنچ گیا۔ پھر وہ اوپر چڑھ کر پل تک پہنچ گیا اور دشمن کے لشکر کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ایسی جگہ آیا جہاں سے وہ انہیں اچھی طرح دیکھ سکے۔ جب وہ پل پر کھڑا تھا تو اس نے زہرہ کو پیغام بھیجا۔ زہرہ رستم کے پاس آگئے وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں سے صلح کرے رستم نے زہرہ کو انعام کی پیشکش بھی کی بشرطیکہ مسلمان وہاں سے چلے جائیں وہ یہ کہتا تھا "تم ہمارے پڑوس ہو تمہاری ایک جماعت ہمارے ماتحت تھی۔ ہم نے ان کے ساتھ اچھے پڑوسی کا حق ادا کیا ہم ان کی تکالیف دور کرتے تھے اور ان کے لئے بہت سی سہولتیں فراہم کرتے تھے اور ان کی حفاظت کرتے تھے ہم ان کے بدوؤں کو اپنی چراگاہوں میں مویشی چرانے کی اجازت دیتے تھے اور اپنے ملک سے ان کے لئے غلہ فراہم کرتے تھے اور انہیں ہم اپنے ملک کی کسی چیز کی تجارت کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ چنانچہ یہ ان کا ذریعہ معاش بن گئی تھی۔

رستم عربوں پر اپنے احسانات جتا کر مصالحت کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور دل میں وہ صلح چاہتا تھا مگر کھلم کھلا اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔

"رستم نے دریافت کیا آپ کا کیا مذہب ہے ؟"

حضرت زہرہ کا جواب : وہ بولے اس مذہب کا سب سے بڑا ستون جس پر مذہب کا دارومدار ہے وہ یہ ہے کہ اس بات کی شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حضرت محمدؐ جو احکام اللہ کی طرف سے لائے ہیں انہیں تسلیم کیا جائے"

حضرت زہرہ بولے : اس مذہب کا ایک مقصد یہ ہے کہ بندے اپنے جیسے بندوں کی عبادت نہ کریں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں"

وہ بولا : یہ بھی نہایت عمدہ اصول ہے اس کے علاوہ اور کیا ہے ؟" وہ بولے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ "تمام انسان فرزندان آدم و حوا ہیں وہ حقیقی بھائی ہیں" وہ بولا "یہ بات بھی کتنی اچھی ہے"

اسلام کی طرف میلان :

رستم بولا "اگر میں ان باتوں کو تسلیم کر لوں اور تمہاری دعوت قبول کر لوں اور میری قوم بھی میرا ساتھ دے۔ پھر تم کیا کرو گے ؟ کیا تم واپس چلے جاؤ گے۔ وہ بولے "ہاں ! خدا کی قسم پھر تمہارے ملک میں تجارت یا کسی ضرورت کے بغیر ہم قدم نہیں رکھیں گے۔

تین دن کی مہلت :

رستم نے کہا "میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے کیا تم اس کام کو ملتوی کر سکتے ہو۔ تاکہ تم غور کرو اور ہم بھی۔ غور کر لیں انہوں نے کہا ہاں کیا ایک یا دو دن کی ہم مہلت دیں" وہ بولا "نہیں بلکہ ہم اپنے اہل رائے اور اپنی قوم کے سرداروں سے خط و کتابت کریں گے" ربعی نے کہا

ہمارے رسول کریمؐ نے جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں اور مقابلے کے وقت تین دن سے زیادہ مہلت نہ دیں۔ لہذا ہم تمہیں تین دن کی مہلت دیتے ہیں اس عرصے میں آپ اپنے بارے میں اور اپنی قوم کے بارے میں غور کر لیں۔

ایک چیز کا انتخاب :

اس اثناء میں آپ تین چیزوں میں سے ایک چیز کا انتخاب کر لیں (1) آپ اسلام قبول کر لیں اس صورت میں ہم آپ کو چھوڑ دیں گے اور آپ کے ملک پر بھی قبضہ نہیں کریں گے۔

2-یا جذیہ دیں جسے ہم قبول کر لیں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے۔ اور اگر آپ کو ہماری حفاظت اور امداد کی ضرورت نہیں ہو گی تو آپ لوگوں کو ہم اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیں گے اور جب کبھی آپ لوگوں کو ہماری ضرورت وامداد کی ضرورت ہو گی ہم آپ کی امداد کریں گے۔

3-یا اگر آپ کی قوم کو یہ دونوں صورتیں منظور نہ ہوں تو چوتھے دن آپ کے ساتھ جنگ ہو گی درمیانی عرصے میں ہم خود لڑائی کا آغاز نہیں کریں گے۔

مغیرہ بن شعبہ کی رستم سے ملاقات : جب حضرت مغیرہ بن شعبہ آئے تو وہ رستم کے تخت پر اس کی مسند کے پاس بیٹھ گئے۔ لوگ ان کی طرف لپکے اور انہیں تخت سے اتار دیا۔

امیر و غریب کا امتیاز :

ہمیں تمہاری عقلمندی کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ مگر تم سے زیادہ بے وقوف قوم نہیں دیکھی ہے ہم اہل عرب مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو غلام بنائے ہوئے نہیں ہے بجز اس صورت کے کہ وہ کسی سے جنگ کرے لہذا میرا خیال تھا۔ کہ تم لوگوں میں بھی قومی ہمدردی ویسی ہی ہو گی۔ جیسی ہمارے اندر ہے مگر تم نے عملی طور پر بہترین انداز سے مجھے مطلع کر دیا ہے کہ تم میں سے کچھ افراد دوسرے لوگوں کے دیوتا ہیں یہ تمہارا طریقہ کبھی درست نہیں رہ سکتا ہم ایسا نہیں کرتے ہیں۔ میں خود نہیں آیا ہوں۔ بلکہ تم نے مجھے بلایا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ تمہاری حکومت کمزور ہو گئی ہے اور تم ہار جاؤ گے کیونکہ کوئی ملک ان عادات و خصائل کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔

ایرانی عوام یہ سن کر بولے "خدا کی قسم! یہ عربی باشندہ سچ بولتا ہے" زمیندار طبقہ کہنے لگا خدا کی قسم اس نے ایسی بات کہی ہے کہ ہمارے غلام ہمیشہ اس کی طرف مائل رہیں اللہ ہمارے بزرگوں کو غارت کرے وہ کتنے احمق تھے کہ وہ عرب قوم کو ہمیشہ حقیر اور کمزور سمجھتے رہے۔

عبور دریا:

آخر میں رستم نے دریافت کیا "کیا تم دریا کو عبور کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہم آئیں وہ بولے "تمہیں دریا کو عبور کرو" یہ کہہ کر وہ رستم کے پاس سے رات ہوتے ہی آ گئے۔

حضرت سعدؓ نے مسلمانوں کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنے مقامات پر جمے رہیں اور کافروں کو کہلا بھیجا کہ دریا کو عبور کر سکتے ہیں انہوں نے پل کو حاصل کرنا چاہا تو حضرت سعدؓ نے کہلا بھیجا "ہم اس پر قابض ہو گئے ہیں ہم اسے نہیں دیں گے تم پل کے علاوہ اور کوئی ذریعہ تلاش کرو۔

لہذا وہ رات بھر اپنے ساز و سامان سے عتیق پر پل باندھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

یوم ارمات 16ء:

جب رستم نے دریا کو عبور کرنا چاہا تو اس نے حکم دیا۔ کہ فارس کے سامنے دریائے عتیق پر پل باندھا جائے یہ اس زمانے میں آج کل کی نسبت زیادہ نیچا تھا۔ اہل فارس رات بھر صبح تک مٹی بانسوں اور نمدوں سے بند باندھتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے راستہ بنالیا تھا یہ کام دوسرے دن اس وقت مکمل ہوا۔ جب دن چڑھ گیا تھا۔

جنگ کے حالات:

جب رستم بیدار ہوا تو وہ بہت مغموم اور متفکر ہوا اس نے اپنے خاص لوگوں کو بلا کر انہیں یہ قصہ سنایا اور کہا "در حقیقت اللہ ہمیں تنبیہ کر رہا ہے کاش اہل فارس مجھے اجازت دیتے کہ میں اس تنبیہ پر عمل کروں۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ فتح و نصرت ہماری طرف سے اٹھائی گئی ہے اور ہوا کا رخ ہمارے دشمنوں کے موافق ہے اور ہم فعل و قول میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں"

اس کے بعد وہ اپنا بھاری ساز و سامان دریا کے پار لے گئے اور دریائے عتیق کے کنارے فروکش ہوئے۔

بڑا بول:

اس دن رستم دوہری زرہ اور خود پہنے ہوئے پوری طرح مسلح تھا اس کے حکم سے اس کے گھوڑے پر زین کسی گئی اور وہ اسے چھوئے بغیر اور رکاب میں پاؤں رکھے بغیر کود کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"کل ہم انہیں (مسلمانوں) کو پیس کر رکھ دیں گے" ایک آدمی نے کہا اگر اللہ نے چاہا" وہ بولا اگر اللہ نہ

بھی چاہے تواس صورت میں بھی وہ انہیں تباہ کردے گا۔

رستم کی صف آرائی :

جب اہل فارس نے دریا کو عبور کر لیا تو وہ اپنی صفوں میں پہنچ گئے رستم اپنے تخت پر بیٹھا اور اس نے قلب (مرکزی فوج) کے لئے اٹھارہ ہاتھی مقرر کیے جن پر صندوقوں کے ساتھ آدمی سوار تھے دونوں بازوؤں میں بھی سات یا آٹھ ہاتھی تھے جن پر صندوقوں کے ساتھ آدمی سوار تھے اس نے اپنی اور میمنہ (دائیں بازو) کی فوج کے درمیان بیزان کو مقرر کیا۔ پل فریقین جنگ یعنی مسلمانوں اور مشرکوں کی سوار فوج کے درمیان تھا۔

اعلان جہاد :

مسلمانوں نے بھی اپنی صفیں درست کر لی تھیں۔ زہرہ اور عاصم، عبداللہ اور شرجیل کے درمیان تھے ہر اول دستے کا سردار صفوں میں گشت کر رہا تھا اور اس کا اعلان کرنے والا یہ اعلان کر رہا تھا ''اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے مقابلہ کرو۔ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ جہاد کے لئے جوش وغیرت کو کام میں لاؤ۔

حضرت سعدؓ کی معذوری :

جب رستم نے نہر کو عبور کیا تو حضرت زہرہ اور جالینوس کے تبادلے ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت زہرہ کو ابن السمط کی جگہ پر مقرر کیا۔ اور رستم نے جالینوس کو ہرمز کی جگہ پر مقرر کیا۔ حضرت سعدؓ کو عرق النساء (گھٹیا) کا مرض تھا اور پھوڑے بھی نکلے ہوئے تھے وہ اوندھے لیٹے رہتے تھے انہوں نے فوج پر خالد بن عرفطہ کو اپنا نائب بنا دیا تھا۔

حضرت سعدؓ کا خطبہ :

حضرت سعدؓ نے 14ھ محرم کے مہینے میں دوشنبہ کے دن خطبہ دیا۔ آپ نے ان لوگوں کی باتوں کو مسترد کیا۔ جنھوں نے حضرت خالد بن عرخطہ پر اعتراض کیا تھا۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ ''اللہ برحق ہے اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے اس نے خود قرآن شریف میں یہ ارشاد فرمایا ہے''''ہم نے زبور میں لکھ دیا تھا کہ اس سرزمین کے میرے نیک بندے وارث ہوں گے یہ سرزمین تمہاری میراث ہے اور تمہارے پروردگار نے اس کا وعدہ کیا ہے بلکہ تین سال سے اس سرزمین کو تمہارے لئے حلال کر رکھا ہے تم اس زمین سے خوراک حاصل کر کے کھا رہے ہو۔ ان سے خراج وصول کر رہے ہو۔ ان کے باشندوں کو قید کر رکھا ہے اور بعض لوگوں کا کام تمام کیا ہے اور آج تک اسی قسم کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ اور تمہارے مجاہدین نے ان پر فتح

حاصل کی تھی۔ اب ان کی یہ جماعت تمہارے مقابلے کے لئے آئی ہوئی ہے۔

تم شرفائے عرب ہو اور ان کے معزز سردار ہو ہر قبیلہ کے بہترین افراد یہاں موجود ہیں۔ تم اپنے ملک کی عزت و آبرو رکھنے والے ہو۔ اگر تم دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی کا اظہار کرو۔ تو اللہ تمہیں دنیا و آخرت دونوں چیزیں دے گا اگر تم کمزوری اور بزدلی کا اظہار کرو گے تو تمہاری ساکھ جاتی رہے گی اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

تحریری پیغام:

حضرت سعدؓ نے اپنے تمام علمبردار فوجی دستوں کو یہ تحریری پیغام بھیجا میں نے تم پر خالد بن عرفطہ کو نائب بنا دیا ہے میں اپنے درد و تکلیف کی وجہ سے تمہارے سامنے نہیں آسکتا ہوں۔ تاہم میری شخصیت تمہارے سامنے نمایاں ہے۔ لہذا تم خالد بن عرفطہ کی اطاعت کرو اور اس کا حکم مانو۔ کیونکہ وہ میرے احکام پر عمل کرے گا اور اس کا حکم میرا حکم ہے'' آپ کا یہ پیغام لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا اس کا خوشگوار اثر ہوا۔ اور سب نے آپ کی رائے کو تسلیم کیا اور ہر ایک نے دوسرے کو اطاعت اور وفاداری کی تلقین کی۔ سب نے حضرت سعدؓ کے عذر کو قبول کیا اور ان کی کاروائی کی تائید کی۔

ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلے کے سامنے تقریر کی اور انہیں اطاعت اور صبر و استقلال پر آمادہ کیا ہر فوجی افسر اپنے مقرر مقام پر پہنچ گیا حضرت سعدؓ کے اعلان کرنے والے نے ظہر کی نماز کا اعلان کیا۔

''اس وقت رستم بولا حضرت عمرؓ نے میرا کلیجہ کھا لیا اللہ اس کا کلیجہ جلائے''

اہل فارس کی فوج:

اہل فارس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی ان کے ساتھ تیس ہاتھی تھے اور ہر ہاتھی کے ساتھ چار ہزار فوج تھی مسعود بن خراش روایت کرتے ہیں ''مشرکوں کی فوجیں نہر عتیق کے کنارے پر تھیں اور مسلمانوں کی فوجیں قدیسی کی دیوار کے ساتھ ساتھ تھیں۔ اور ان کے پیچھے خندق تھی۔ اس طرح مسلمان اور مشرکین کی فوجیں خندق اور نہر عتیق کے درمیان تھیں۔ ان کے ساتھ تیس ہزار زنجیر سے جکڑی ہوئی فوجیں تھیں اور تیس جنگی ہاتھی تھے اور ایسے ہاتھی بھی تھے جن پر ان کے بادشاہ بیٹھے ہوئے تھے جو جنگی کاموں کے لئے نہیں تھے۔

''حضرت سعدؓ نے فرمایا تھا'' تم لوگ اپنے مورچوں پر ڈٹے رہو اور ذرا بھی حرکت نہ کرو یہاں تک کہ تم ظہر کی نماز نہ پڑھ لو۔ جب تم ظہر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ گے تو میں پہلی تکبیر کہوں گا تم بھی نعرہ تکبیر کہو اور تیار ہو جاؤ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم سے پہلے اور کس کو تکبیر نہیں دی گئی اور تمہیں یہ اس لئے دی گئی ہے کہ تمہیں تقویت و تائید حاصل ہو۔ جب تم دوسری تکبیر سنو تو تم بھی نعرہ تکبیر کہو اور مسلح ہو جاؤ جب میں تیسری تکبیر کہوں

تو تم بھی نعرہ تکبیر کہو اور تمہارے سوار لوگوں کو مستعد رکھیں۔ تاکہ وہ جنگ کیلئے نکل سکیں۔ جب میں چوتھی تکبیر کہوں تو تم سب مل کر حملہ کر دو اور دشمن سے گتھم گتھا ہو جاؤ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو"

نعرۂ تکبیر:

"جب قاری لوگ تلاوت سے فارغ ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو جو لوگ آپ کے قریب تھے انہوں نے تکبیر کہی۔ اور ان کی تکبیر سن کر باقی مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور جمع ہونے شروع ہوئے دوسری تکبیر پر مسلمان تیار ہو گئے تیسری تکبیر پر بہادر سپاہی میدان میں آئے اور انہوں نے لڑائی چھیڑ دی۔
اہل فارس میں بھی ان جیسے افراد نمودار ہوئے۔
اور وہ شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں مشغول ہو گئے۔

جنگ کا آغاز۔ یوم ارماث:

حضرت عاصم بن عمرو بھی مقابلے کے لئے نکلے انہوں نے ایک ایرانی پر حملہ کیا وہ بھاگ نکلا انہوں نے اس کا تعاقب کیا جب وہ دشمنوں کی صفوں میں آئے تو انہیں ایک سوار ملا جس کے ساتھ ایک خچر تھا اس سوار نے انہیں دیکھ کر خچر کو چھوڑا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں سے پناہ کا طالب ہوا انہوں نے اس کو پناہ دی۔ حضرت عاصم خچر اور اس کا ساز و سامان ہنکا کر لے آئے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کا نان بائی تھا اور اس کے پاس بادشاہ کا عمدہ کھانا' حلوہ اور شہد وغیرہ تھا وہ ان چیزوں کو حضرت سعدؓ کے پاس لائے اور اپنے مورچے کی طرف لوٹ گئے حضرت سعدؓ نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو آپ نے فرمایا ان چیزوں کو انہی کے دستے کو دے دو اور کہو کہ امیر نے تمہیں یہ عطا کیا ہے اسے تناول کرو چنانچہ انہیں یہ مال غنیمت مل گیا۔

اس اثنا میں جبکہ مسلمان چوتھی تکبیر کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک بنو نہر کے پیدل دستوں کا سردار قیس بن خذیمہ بن جرثومہ اٹھ کر کہنے لگا "اے بنو نہر تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ تمہیں بنو نہر اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ تم سب سے پہلے اٹھو" اس پر حضرت خالد بن عرفطہ نے فرمایا "خدا کی قسم! تم اس کام سے باز آجاؤ ورنہ میں کسی دوسرے کو تمہاری جگہ پر افسر مقرر کروں گا" اس پر وہ شخص رک گیا۔

سواروں کی جنگ:

جب سوار فوج کی لڑائی شروع ہوئی تو دشمن کا ایک شخص للکارا اور بولا کوئی مرد ہے؟ اس پر حضرت عمرو بن معدیکرب جو اس کے سامنے تھے اس کے مقابلے کے لئے آئے اور اس سے گتھم گتھا ہو گئے پھر اسے زمین پر گرا کر ذبح کر ڈالا۔

عمرو بن معدیکرب کے کارنامے:

قیس بن ابی حازم کی روایت ہے وہ کہتے ہیں حضرت عمرو بن معدیکرب ہمارے پاس سے گزرے وہ صفوں کے درمیان پھرتے ہوئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے اور فرماتے تھے۔

"یہ ایرانی سپاہی جب اپنے نیزے پھینکتے ہیں تو وہ مینڈھوں کی طرح لڑتے ہیں اس اثنا میں جب کہ وہ ہماری ہمت بڑھا رہے تھے کہ اچانک ایک ایرانی سپاہی نکلا وہ دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک تیر چلایا۔ حضرت عمرو بن معدیکرب نے دیکھتے ہی اس پر حملہ کیا اور اس سے بغلگیر ہو گئے پھر اس کا ٹپکا پکڑ کر اسے اٹھایا اور اپنے سامنے لے آئے جب وہ آپ کے قریب آیا۔ تو آپ نے اس کی گردن توڑ دی۔ اس کے بعد اس کے گلے پر تلوار چلا کر اسے ذبح کر ڈالا پھر اس کو باہر پھینک دیا اور فرمایا" تم ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرو۔ ہم نے کہا "اے ابو ثور! جیسا آپ کرتے ہیں دوسرا ایسا کام نہیں کر سکتا ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرو بن معدیکرب نے اس کے پٹکے خود اور دیگر سازوسامان پر قبضہ کر لیا۔

ہاتھیوں کے ذریعے جنگ:

جب سواروں کے مقابلے کے بعد فریقین میں جنگ شروع ہوئی تو ہاتھی والے۔ لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے فوجی دستے منتشر ہو گئے اور ان کے گھوڑے بدکنے لگے قریب تھا کہ قبیلہ بجیلہ کا خاتمہ ہو جائے کیونکہ ان کے گھوڑے ہاتھیوں کے ڈر سے بدک کر بھاگنے لگے اور مورچہ چھوڑ رہے تھے۔ صرف پیادہ فوج اس مورچے پر باقی رہ گئی تھی۔ حضرت سعدؓ نے بنو اسد کو حکم دیا کہ وہ قبیلہ بجیلہ اور ان کے قریب کے لوگوں کی مدد کریں۔ لہذا حضرت طلیحہ بن خویلد حمال بن مالک غالب ابن عبداللہ اور ابیل بن عمرو اپنے فوجی دستوں کو لے کر پہنچے۔ انہوں نے ہاتھیوں کا مقابلہ کر کے انہیں وہاں سے ہٹا دیا۔ ان ہاتھیوں میں سے ہر ایک ہاتھی پر بیس سپاہی سوار تھے۔

حضرت طلحہ کی تقریر:

جب حضرت سعدؓ نے قبیلہ اسد سے مدد طلب کی تو حضرت طلیحہ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔

"اے میری قوم!! امیر نے بھروسے کے لوگوں سے امداد طلب کی ہے اگر انہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے علاوہ کوئی دوسرا قبیلہ بھی ان کی مدد کر سکتا ہے تو وہ ضرور اس سے طالب امداد ہوتے۔ تم ان پر زور کا حملہ کرو اور بہادر شیروں کی طرح آگے بڑھو کیونکہ تمہارا نام اسد اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ تم شیروں جیسے کام کرو آگے بڑھ کر حملہ کرو اور پیچھے نہ ہٹو۔ جنگ کرتے رہو اور راہ فرار اختیار نہ کرو۔ تم اپنے مورچے پر ڈٹے رہو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کا نام لے کر حملہ کرو" معرور بن سوید اور شفیق نے یہ کہا "خدا کی قسم! تم ان پر حملہ کرتے رہو۔

قبیلہ اسد کا مقابلہ :

لہذا قبیلہ بنو اسد نیزہ بازی اور شمشیر زنی دونوں چیزوں سے حملہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے ہاتھیوں کو وہاں سے بھگا دیا اس اثناء میں ایک بہت بڑا سورما سپاہی نکلا اور اس نے دعوت مبارزہ (انفرادی جنگ) دی۔ حضرت طلیحہ نے تھوڑی دیر میں اس کو قتل کر دیا۔

حضرت اشعث کے کارنامے :

حضرت اشعث بن قیس کندی نے اپنے قبیلے کندہ کے سامنے اس موقع پر یہ تقریر کی "اے قبیلہ کندہ! اللہ بنو اسد کا بھلا کرے۔ دیکھو وہ کس طرح بہادری اور بے جگری کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے قریب کی فوجوں کو امداد سے بے نیاز کر دیا ہے۔ مگر تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ کہ کون تمہاری مدد کرتا ہے میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ تم نے عربوں کے سامنے اپنی قوم کا عمدہ نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔ اہل عرب جنگ کر رہے ہیں اور قتل ہو رہے ہیں۔ مگر تم گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہو"

ان کی یہ تقریر سن کر اس قبیلہ کے دس نوجوان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ آپ ہمیں ملامت کر رہے ہیں حالانکہ ہم اچھے کارنامے انجام دیتے رہے ہیں۔ ہم نے عرب قوم سے کب غداری کی اور ان کے سامنے کب برا نمونہ پیش کیا۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں اس کے بعد حضرت اشعث بن قیس انہیں لے کر روانہ ہوئے اور اپنے سامنے کی دشمن کی فوجوں کو مار بھگایا۔

شدید جنگ :

جب ایرانیوں نے دیکھا کہ ہاتھی والی فوج بنو اسد کی فوج سے مقابلہ کر رہی ہے تو انہوں نے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ان کی قیادت ذوالحاجب اور جالینوس کر رہے تھے مسلمان ابھی تک چوتھی تکبیر کا حضرت سعدؓ کی طرف سے انتظار کر رہے تھے ایرانیوں کی تمام فوج ہاتھیوں کو لے کر بنو اسد کے مقابلے پر آ گئی۔

بنو اسد اس صورت میں بھی ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ ایسے موقع پر حضرت سعدؓ نے چوتھی تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اس وقت تمام مسلمانوں نے عام دھاوا بول دیا اور قبیلہ اسد کے محور پر جنگ کی چکی گردش کرتی رہی۔ ایرانیوں کے ہاتھیوں نے مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ سوار فوجوں پر حملہ کر دیا۔ گھوڑے ان سے بدلنے لگے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اس موقع پر سواروں نے پیدل فوج پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر حضرت سعدؓ نے حضرت عاصم بن عمرو کو پیغام بھیجا اور فرمایا۔

ہاتھی والوں کا مقابلہ :

اے قبیلہ ہو تمیم ! کیا تم اونٹوں اور گھوڑے والے نہیں ہو۔ کیا تمہارے پاس ان ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ وہ بولے کیوں نہیں ہے پھر حضرت عاصم نے اپنے قبیلہ کے بہترین تیر اندازوں اور ماہر جنگجو سپاہیوں کو بلوایا اور ان تیر اندازوں سے کہا" اے ماہر تیر اندازو۔ تم اپنی تیر اندازی سے ان ہاتھی والوں کا مقابلہ کرو۔ دوسرے ہوشیار جنگی سپاہیوں سے کہا۔ تم ان ہاتھیوں کے پیچھے جاکہ ان کے ہودوں کے بند کاٹ دو پھر خود بھی ان کی حفاظت کے لئے نکلے اس وقت بھی جنگ کی چکی قبیلہ اسد پر گردش کررہی تھی۔

ہاتھیوں کی تباہی :

اتنے میں حضرت عاصم کے ساتھی ہاتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی دموں اور پچھلے حصوں کو پکڑ کر ان کے ہودوں کے بندوں کو کاٹ دیا۔ اس وقت ہاتھی والوں کی چیخ وپکار بلند ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہاتھی اپنے سواروں اور سازوسامان سے خالی ہو گیا اور ہاتھی والے مارے گئے اس طرح مسلمان مقابلہ کے صحیح مورچوں پر آگئے اور قبیلہ اسد پر جو حد سے زیادہ جنگی دباؤ پڑ رہا تھا وہ بھی دور ہو گیا اور تمام مسلح سوار اپنے اصل مورچوں پر لوٹ آئے۔ یہ جنگ غروب آفتاب تک رہی بلکہ رات کا ایک حصہ بھی گزر گیا اس کے بعد فریقین نے لڑائی بند کردی۔

قبیلہ اسد کے شاندار کارنامے :

جنگ کی اس شام تک قبیلہ اسد کے پانچسو افراد شہید ہوئے بہر حال یہ لوگ مسلمانوں کی بہت مدد کرتے رہے۔ حضرت عاصم نے دشمنوں پر سخت حملے کئے اور مسلمانوں کی مدافعت اور مخالفت یعنی جنگ قادسیہ کا پہلا دن تھا اور اسے یوم ارماث کہتے ہیں۔

یوم اغواث :

طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے حضرت مثنیٰ بن حارثؓ کی بیوہ سلمیٰ بنت خصفہ سے شراف کے مقام پر نکاح کر لیا تھا جب یوم ارماث کی جنگ ہوئی۔ اور مسلح فوج گردش میں آئی تو اس وقت حضرت سعدؓ کی یہ حالت تھی کہ وہ صرف پیٹ کے بل بہ مشکل بیٹھ سکتے تھے اس وقت وہ بہت تلملا رہے تھے اور محل کے اوپر انتہائی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کر رہے تھے۔ جب ان کی بیوی سلمیٰ نے جنہیں وہ اپنے ساتھ جنگ قادسیہ میں لائے تھے اہل فارس کی کارگذاری دیکھی تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا ہائے مثنیٰ ! کاش ان مسلح سواروں کی مدد کے لئے آج کوئی مثنیٰ جیسا ہوتا وہ آج ایسے مرد کے پاس ہے جو اپنے ساتھیوں اور اپنی حالت کو دیکھ کر پریشان ہو رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ نے انہیں ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا حضرت مثنیٰ کا اس فوج سے کیا تعلق ہے جس جنگ کی چکی گھوم رہی

ہے اس سے ان کی مراد قبیلہ اسد' حضرت عاصم اوران کے سوار تھے حضرت سلمی نے کہا کیا آپ رشک وغیرت اور کمزوری کی وجہ سے (یہ فرمارہے ہیں) حضرت سعد بولے "آج اگر تم مجھے معذور نہیں سمجھ رہی ہو تو پھر کوئی بھی مجھے معذور نہیں سمجھے گا حالانکہ تم میری حالت دیکھ رہی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ مجھے معذور نہ سمجھیں۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت سعد بزدل اور کمزور انسان نہ تھے اور اس حالت میں وہ قابل ملامت نہ تھے۔

زخمیوں اور شہدا کا انتظام:

اگلے دن جب صبح ہوئی تو لوگ صف آرا ہو گئے حضرت سعدؓ نے کچھ لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا۔ کہ وہ شہدا اور زخمیوں کو میدان جنگ سے لے آئیں۔ زخمیوں کو انہوں نے مسلم خواتین کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کی خبر گیری اور تیمارداری کریں۔ تا آنکہ اللہ کا کوئی حکم ان کے بارے میں آئے۔ شہدا کو انہوں نے مشرق کے مقام پر دفن کر دیا جو غریب اور عین الشمس کے درمیان ایک وادی ہے۔

شام کی امدادی فوج:

اس موقع پر لوگ جنگ کے لئے زخمیوں اور مردوں کے منتقل ہونے کا انتظام کرتے رہے۔ جب انہیں اونٹوں پر رکھا گیا اور غریب کی طرف جانے لگے تو اس وقت شام کی طرف سے گھوڑ سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ دمشق کی فتح جنگ قادسیہ سے ایک مہینے پہلے ہو گئی تھی اس لئے حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت ابو عبیدہ (سالار لشکر شام) کو لکھ بھیجا کہ وہ خالد کے ساتھی اہل عراق کو لوٹا دیں۔ اس خط میں حضرت خالدؓ کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں تھا لہذا انہوں نے حضرت خالدؓ کو روک لیا اور ان کے لشکر کو روانہ کر دیا یہ لشکر چھ ہزار افراد پر مشتمل تھا ان میں سے پانچ ہزار ربیعہ اور مضر کے قبائل کے افراد تھے اور ایک ہزار اہل یمن اور اہل حجاز تھے۔

شامی لشکر کی ترتیب:

انہوں نے اس پورے لشکر پر ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو امیر بنایا اس کے اگلے حصے پر قعقاع بن عمرو تھے انہیں جلد روانہ کیا گیا اس کے ایک پہلو کے سردار قیس بن ہبیرہ مرادی تھے وہ ان جنگوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ یرموک مقام پر اس وقت پہنچے جب اہل عراق کو واپس بھیجا جارہا تھا۔ لہذا انہیں بھی ان کے ساتھ لوٹا دیا گیا۔ لشکر کے دوسرے پہلو پر ہزبان بن عمرو العجلی تھے اور پچھلے حصہ (ساقہ) پر انس بن عباس مقرر ہوئے۔

ہراول دستے کی تدبیر :

حضرت قعقاع جو اگلے حصے کے سردار تھے بہت جلد سفر طے کر کے یوم اغواث کی صبح عراقی لشکر میں پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ تدبیر سمجھائی کہ وہ اپنے ایک ہزار کے لشکر کو دس حصوں میں تقسیم کر لیں۔ جب دسواں حصہ تا حد نظر دور ہو جائے تو اس کے پیچھے وہ دوسرے دسویں حصے کو روانہ کریں۔ اس پہلے دسویں حصے میں حضرت قعقاع وہاں پہنچے۔ انہوں نے وہاں جا کر سلام کیا اور مسلمانوں کو لشکر کے آنے کی خوش خبری سنائی اور کہا "اے لوگو! تم وہ کرو جو میں کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور مبارزہ (انفرادی جنگ کے لئے) دشمن کو للکارا۔ حضرت قعقاع ایسی شخصیت تھی کہ ان کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کا یہ قول تھا کہ "وہ لشکر نا قابل شکست ہے جہاں ان جیسے شخص موجود ہوں۔

ایرانی سرداروں کا قتل :

جنگ کی للکار سن کر ذوالحاجب نمودار ہوا۔ حضرت قعقاع نے پوچھا "تم کون ہو؟ وہ بولا میں بہمن جاذویہ ہوں" اسپر وہ للکار کر کہنے لگے۔

"حضرت ابو عبید مسلیط اور یوم الجسر کے مقتولوں کا انتقام لیا جائے" پھر دونوں میں جنگ شروع ہوئی۔ حضرت قعقاع نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان کے گھوڑ سوار ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر گھومتے رہے اور رات تک گشت کرتے رہے۔ اور لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل مسلمانوں پر کوئی مصیبت نہیں آئی تھی۔ کیونکہ وہ ذوالحاجب کے قتل اور امدادی دستوں کے آنے سے بہت خوش تھے اور اہل عجم کو بھی شکست ہو گئی تھی۔

حضرت قعقاع دوبارہ للکارے اور کہا۔ کون مبارزہ (انفرادی جنگ) کے لئے نکلتا ہے اس پر دو آدمی نکلے ان میں سے ایک کا نام میرزان تھا اور دوسرے کا نام ہندوان تھا لہذا قعقاع کے ساتھ قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص حارث بن ظبیان بھی شامل ہو گئے حضرت قعقاع نے میرزان سے جنگ کی اور شمشیر زنی کر کے اس کا سر کاٹ دیا ابن ظبیان نے ہندوان سے جنگ کی اور اس کا سر کاٹ دیا اس کے بعد مسلمانوں کے شہسوار دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت قعقاع بار بار یہ تاکید کر رہے تھے اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی تلواروں سے خبر لو کیونکہ تلواروں سے ان کی بیخ کنی ہو گی اس طرح مسلمانوں میں تعاون کا جذبہ کار فرما رہا اور وہ شام تک بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے اس دن اہل عجم نے کوئی موافق کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بلکہ مسلمان انہیں بہت قتل کرتے رہے اس دن وہ ہاتھیوں کے ذریعے جنگ نہیں کر سکے۔ کیونکہ ان کے صندوق گزشتہ روز ٹوٹ گئے تھے اس لئے صبح سے وہ ان کی درستی میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ دن گزر گیا۔

چار بھائیوں کی جنگ :

حضرت شعبی روایت کرتے ہیں "قبیلہ نخ کی ایک خاتون کے چار فرزند تھے جو جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے وہ خاتون اپنے بیٹوں سے کہنے لگی تم مسلمان ہونے کے بعد تبدیل نہیں ہوئے۔ تم نے ہجرت بھی کی۔ مگر تکالیف اور قحط سالی میں مبتلا نہیں ہوئے پھر تم اپنی بوڑھی والدہ کو لے کر آئے ہو اور اسے اہل فارس کے سامنے بٹھا دیا ہے خدا کی قسم! تم ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کے فرزند ہو میں نے تمہارے والد سے خیانت نہیں کی اور نہ تمہیں ذلیل ورسوا کیا تم جاؤ اور جنگ میں ابتدا سے آخر تک شریک رہو"

اس کے بعد وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے جب وہ ماں کی نظر سے اوجھل ہو گئے تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ اور یوں دعا مانگی۔

"اے اللہ تو میرے فرزندوں کی حفاظت کر" چنانچہ یہ فرزند خوب جنگ کرتے رہے ان میں سے کوئی بھی زخمی نہیں ہوا اور وہ صحیح سلامت واپس آگئے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک نے دو دو ہزار کا وظیفہ حاصل کیا اور اپنی والدہ کے پاس جا کر وہ تمام ان کی گود میں ڈال دی ان کی والدہ نے وہ رقم انہیں واپس کر دی اور اسے ان کی بھلائی اور مرضی کے مطابق تقسیم کیا۔

حضرت قعقاع کی سرگرمیاں :

اس دن قبیلہ ہو یربوع کی شاخ رباح کے تین افراد حضرت قعقاع کی مدد کرتے رہے جب کبھی مسلمانوں کا کوئی دستہ نمودار ہوتا تو حضرت قعقاع نعرہ تکبیر بلند کرتے اور ان کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے اور ان کے حملہ کے ساتھ مسلح لشکر بھی نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے قبیلہ ہو یربوع کے ان نامور افراد کے نام یہ ہیں۔

1- نعیم بن عمرو بن عقاب (2) عقاب بن نعیم (3) عمرو بن شبیب

جنگ کا نیا طریقہ :

جنگ کا آغاز ابتدائی دنوں میں سواروں کی جنگ سے ہوا۔ جب حضرت قعقاع آئے تو انہوں نے کہا اے لوگو تم وہ طریقہ اختیار کرو۔ جو میں کرتا ہوں" یہ کہہ کر وہ انفرادی جنگ کے لئے للکارے تو ذوالحاجب نمودار ہوا۔ آپ نے اسے قتل کر دیا پھر زان نمودار ہوا تو اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہر سمت سے لوگ نکل آئے اور جنگ کا آغاز ہو گیا اور نیزہ بازی ہونے لگی حضرت قعقاع کے چچازاد بھائیوں نے اونٹوں پر سوار ہو کر حملہ کیا انہوں نے اونٹوں کو جھول پہنا کر پوشیدہ کر دیا تھا ان کے گھوڑے ان کی حفاظت کر رہے تھے اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ دونوں صفوں کے درمیان دشمن کے گھوڑ سواروں پر حملہ کریں۔ تاکہ وہ ہاتھیوں کے مشابہ معلوم ہوں۔

لہذا انہوں نے جنگ اغواث میں وہی طریقہ اختیار کیا۔ جیسا کہ اہل فارس نے جنگ امارث میں اختیار کیا تھا۔ چنانچہ یہ اونٹ جہاں کہیں پہنچ جاتے تھے وہاں دشمن کے گھوڑے بدک جاتے تھے اور مسلمانوں کے گھوڑ سواران پر غالب آجاتے تھے اور جب ان کی یہ حالت نظر آئی تو اونٹوں نے جنگ اغواث میں اہل فارس کو اس سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ جس قدر نقصان مسلمانوں کو جنگ ارماث میں اہل فارس کے ہاتھوں سے ہوا تھا۔

تیس حملے :

حضرت قعقاع نے اس دن تیس حملے کئے۔ جب کوئی فوجی دستہ نمودار ہوتا تھا تو وہ اس پر حملہ کر کے اسے نقصان پہنچاتے"

حضرت قعقاع نے جنگ اغواث میں تیس حملوں میں تیس افراد قتل کئے۔ ہر حملے میں وہ کسی نہ کسی کو قتل کیا کرتے تھے ان کا آخری مقتول بزرجمہر الہدانی تھا۔

آدھی رات تک جنگ :

اس دن دونوں طرف کے سوار آپس میں صبح سے دوپہر تک جنگ کرتے۔ جب دن گزر گیا تو عام حملہ شروع ہوا جو آدھی رات تک جاری رہا۔ ارماث کی رات پر سکون کہلائی جاتی ہے اور معرکہ اغواث کی شب "سیاہ رات کہلائی جاتی ہے مسلمان قادسیہ یوم اغواث کو فتح کا دن سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس دن انہوں نے اہل عجم کے ممتاز لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس دن مرکزی فوج (قلب) کے سوار بھی خوب لڑتے رہے اور ان کے پیادے بھی ثابت قدم رہے اگر مسلمانوں کے گھڑ سوار لوٹ کر نہ آجاتے تو رستم گرفتار ہو جاتا۔

یوم عماس :

جب جنگ کا تیسرا دن شروع ہوا تو مسلمان اور اہل عجم اپنے اپنے مورچوں پر موجود تھے اس جنگ میں مسلمانوں کے سخت زخمی سمیت دو ہزار سپاہی شہید ہوئے اور مشرکوں کے دس ہزار سپاہی مارے گئے۔

شہداء کی تجہیز و تدفین :

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حکم دیا تھا کہ جو چاہے وہ شہدا کو غسل دے اور اگر لوگ چاہیں تو وہ اپنے شہدا کو انہی کے خون میں غسل دیئے بغیر دفن کر سکتے ہیں۔

لہذا مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کی لاشیں حاصل کر لیں اور انہیں پیچھے کی طرف روانہ کر دیا اور جو لوگ خطرناک طور پر زخمی تھے انہیں مسلم خواتین کے سپرد کیا جارہا تھا شہدا کے نگران صاحب بن زید تھے عورتوں اور

بچوں نے گزشتہ دو دنوں میں قبریں کھودیں۔

حضرت قعقاع کی تدبیر :

حضرت قعقاع رات بھر اپنے ساتھیوں کو ہدایات دیتے رہے کہ وہ اپنے انہی مورچوں کو سنبھالتے رہیں۔ جن پر وہ گزشتہ رات ڈٹے ہوئے تھے۔

حضرت ہاشم کی آمد :

جب حضرت قعقاع کا آخری دستہ میدان جنگ میں پہنچا تو حضرت ہاشم بھی (شام سے) سات سو کی فوج لے کر آپہنچے۔ مسلمانوں نے ان کو حضرت قعقاع کی ان تدبیروں سے مطلع کیا۔ جو انہوں نے ان دو دنوں میں اختیار کی تھیں۔ لہذا انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کو ستر ستر سپاہیوں کے فوجی دستوں میں تقسیم کیا اور جب حضرت قعقاع کا آخری دستہ میدان جنگ میں پہنچ گیا تو حضرت ہاشم نے اپنے ستر سپاہیوں کو قیس بن ہبیرہ کی قیادت میں بھیجا۔ انہوں نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا وہ براہ راست یمن سے یرموک پہنچے تھے اور حضرت ہاشم کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔

ہاتھیوں کی دوبارہ فوج :

مشرکین رات بھر اپنے (ہاتھیوں کے) صندوقوں اور ہودوں کو درست کرتے رہے تا آنکہ انہوں نے انہیں درست کر لیا اور وہ اپنے مورچوں پر آگئے۔ ہاتھیوں کو بھی وہ لے آئے پیدل فوج اس بات کی حفاظت کے لئے سوار تھی۔ جب وہ مسلمانوں کے فوجی دستہ کا قصد کرتے تھے تو وہاں ہاتھی اور ان کی فوج بھیج دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کے گھوڑے بدک جائیں۔ مگر گزشتہ دنوں کی طرح وہ خراب کاروائی نہیں کر سکے۔ کیونکہ جب ہاتھی تن تنہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی نہیں ہوتا ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے مگر جب اس کے چاروں طرف آدمی ہوتے ہیں تو وہ مانوس رہتا ہے۔ بہر حال جنگ اس طرح جاری رہی یہاں تک کہ دن ڈھل گیا۔

گھمسان کا رن :

یوم عماس میں شروع سے لے کر آخر تک نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ اس میں عرب و عجم دونوں کا پلہ بھاری تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ معمولی سے معمولی بات بھی لوگ یزدگرد تک پہنچا دیتے تھے وہ انہیں امدادی کمک بھیجتا تھا جس سے اہل فارس کو تقویت پہنچتی تھی۔ اگر اللہ مسلمانوں کی اس تدبیر سے مدد نہ کرتا جو حضرت قعقاع نے ان دونوں دنوں میں اختیار کی تھی۔ تو مسلمان شکست کھا جاتے۔

شدید ترین جنگ : یوم عماس --- تیسرا دن :

جنگ کا تیسرا دن یوم عماس تھا قادسیہ کی جنگ میں اس سے زیادہ شدید جنگ کوئی نہیں ہوئی اس میں فریقین ہم پلہ تھے اور ہر فریق اپنے نقصانات پر صابر شاکر تھا۔ مسلمانوں کو بھی اس جنگ میں اتنا ہی نقصان پہنچا جس قدر کافروں کو پہنچا تھا۔

ہاتھیوں کی تباہی کا طریقہ :

جب حضرت سعدؓ نے دیکھا کہ ہاتھی مسلمان دستوں کو منتشر کر رہے ہیں اور یوم ارماث کی طرح اپنا کام کر رہے ہیں تو انہوں نے ضخم، مسلم، رافع، عشق اور ان کے ایرانی ساتھیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے بلوایا جب وہ آئے تو انہوں نے ہاتھیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ ہاتھیوں کے قتل ہونے کے مقامات کیا ہیں" انہوں نے کہا "سونڈ اور آنکھیں ہیں ان کے بعد وہ بالکل بیکار ہو جاتے ہیں اس کے بعد حضرت سعدؓ نے عمرو کے دونوں فرزند قعقاع اور عاصم کو یہ پیغام بھیجا "تم دونوں مجھے سفید ہاتھی سے نجات دلاؤ" یہ ہاتھی ان کے سامنے تھا۔ اسی طرح حمال اور ابیل کو کہلا بھیجا کہ وہ دونوں اپنے سامنے کے ہاتھی کا مقابلہ کریں۔

حضرت قعقاع اور حضرت عاصم نے دو سخت نیزے لیے اور گھڑ سواروں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ وہ اس ہاتھی کو گھیر لیں۔ حمال اور ابیل نے بھی اپنے ہاتھی کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا۔ جب وہ دونوں ہاتھی چاروں طرف سے گھر گئے۔ تو وہ دائیں بائیں دیکھنے لگے اس وقت حضرت قعقاع اور عاصم نے سفید ہاتھی کی آنکھوں میں نیزے گھونپ دیئے ہاتھی نے گھبرا کہ اپنے فیل بان کو گرا دیا اور اپنی سونڈ لٹکائی تو حضرت قعقاع نے تلوار مار کر اسے گرا دیا وہ اپنے پہلو کے بل جا گرا۔ ہاتھی پر جو سوار تھے وہ سب مارے گئے اس طرح حمال نے حملہ کیا اور انہوں نے ابیل سے کہا یا تم اس کی سونڈ پر تلوار مارو اور میں اس کی آنکھ میں نیزہ گھونپوں یا تم اس کی آنکھ پر نیزہ مارو اور میں اس کی سونڈ پر تلوار ماروں۔ ابیل نے تلوار کے حملے کو پسند کیا تو حمال نے ہاتھی پر اس وقت حملہ کیا جب وہ اپنے چاروں طرف کے لوگوں کو دیکھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت انہوں نے اس کی آنکھ میں نیزہ گھونپ دیا تو وہ دبک کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ سیدھا ہوا تو ابیل نے تلوار ماری، اس وقت اس نے سونڈ نکالی۔ جب اس کے فیل بان نے انہیں دیکھا تو اس نے کلہاڑی سے ان کی ناک اور پیشانی کو زخمی کر دیا۔

حضرت سعدؓ نے قعقاع اور عاصم کو جو قبیلہ تمیم سے تعلق رکھتے تھے نیز حمال اور ابیل کو جو قبیلہ اسد سے تعلق رکھتے تھے ان دونوں ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

تلواروں کی شدید جنگ :

جب ہاتھی چلے گئے اور صرف مسلمان اور اہل فارس باقی رہ گئے تو اس وقت دن ڈھل چکا تھا اس وقت

مسلمانوں نے پھر شدید حملہ کیا اور ان کی حفاظت انہی شہسواروں نے کی۔ جو دن کے ابتدائی حصے میں جنگ کر رہے تھے۔ ان کی بدولت مسلمانوں نے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ شام تک تلواروں سے جنگ کرتے رہے اور فریقین کا پلہ برابر رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مسلمانوں نے ہاتھیوں کا خاتمہ کیا۔ تو اونٹوں کے دستے قائم ہو گئے تھے اور ان کے ذریعے مقابلہ ہو تا رہا تھا۔

لیلتہ الہریر:

جب لڑائی میں شام ہو گئی تو رات میں بھی نیزہ بازی ہوتی رہی۔ اور گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ فریقین جنگ پر ڈٹے رہے۔ اس لئے دونوں ہم پلہ رہے اس رات کو لیلتہ الہریر کہا جاتا ہے اور اس کے بعد قادسیہ میں رات کے وقت کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

بغیر اجازت حملہ:

جب سواروں نے پیش قدمی کی تو انہوں نے ان پر تیر اندازی کی مگر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار رہے پھر سواروں سے ان کے فوجی دستوں کا مقابلہ ہوا اس رات حضرت خالد بن نعیم التمیمی شہید ہو گئے اس پر حضرت قعقاع نے اس مقام پر حملہ کیا جہاں سے تیر اندازی کی گئی تھی۔ اس کے بعد جنگ چھڑ گئی اور انہوں نے حضرت سعدؓ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا۔ تاہم حضرت سعد نے فرمایا اے اللہ تو انہیں معاف کر اور مدد فرما۔ گو انہوں نے مجھ سے اجازت حاصل نہیں کی۔ تاہم میں نے انہیں اجازت دے دی ہے"

صفوں کی ترتیب:

اس وقت اکثر مسلمان اپنے مورچوں پر موجود تھے سوائے ان چند فوجی دستوں کے جنہوں نے حملہ کیا تھا۔ مسلمانوں کی تین صفیں تھیں ایک صف میں نیزہ باز اور شمشیر زن' پیدل فوج تھی۔ دوسری صف میں تیر انداز سپاہی تھے۔ تیسری صف گھڑ میں سوار تھے جو پیدل فوج سے آگے تھے۔ اس طرح میمنہ اور میسرہ کا دل تھا حضرت سعدؓ نے فرمایا یہ حملہ قعقاع نے خود کیا تھا اور میرا حکم یہ ہے کہ جب تین تکبیریں کہوں تو اس وقت تم لشکر کشی کرو" جب انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو وہ مسلمان تیار ہو گئے اور ان کی رائے کے مطابق عمل کیا۔ اس وقت جنگ حضرت قعقاع اور ان کے ساتھیوں کے گرد گردش کر رہی تھی۔

قیس بن ہبیرہ کی تقریر:

"تمہارا دشمن جنگ کا طلب گار ہے اس معاملے میں امیر کی رائے پر عمل کرو۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ

سواروں کے دستے پیدل فوج کے بغیر حملہ کریں۔ کیونکہ جب دشمن حملہ کرے گا اور اس وقت سواروں کے ساتھ پیدل فوج نہ ہوئی تو وہ ان کے گھوڑوں کو زخمی کر دیں گے اور ان کی طرف پیش قدمی کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ لہذا حملہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور تکبیر کا انتظار کرو اور مل کر حملہ کرو خواہ اہل عجم کے تیر مسلمانوں کی صفوں میں گھس جائیں۔

فتح و نصرت کی دُعا :

ابو طیبہ روایت کرتے ہیں کہ لیلتہ الہریر میں مسلمانوں نے عام حملہ کیا اور حملہ کرنے میں حضرت سعدؓ کے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ حضرت سعد نے فرمایا اے اللہ! تو اس کو معاف فرما اور اس کی مدد کر" اس کے بعد آپ نے فرمایا" میری رائے یہ ہے کہ جب میں تین تکبیریں کہہ چکوں تو اس وقت تم حملہ کرو" جب آپ نے پہلی دفعہ نعرہ تکبیر بلند کیا۔ تو قبیلہ اسد آگے بڑھا اس وقت آپ نے فرمایا" اے اللہ تو مغفرت فرما اور ان کی مدد کر۔ ساری رات قبیلہ اسد کو نصرت حاصل ہو۔ پھر انہیں بتایا گیا کہ قبیلہ نخع نے حملہ کیا تو آپ نے ان کے لئے بھی مغفرت اور نصرت کی دعا مانگی اور پھر بتایا کہ قبیلہ حجیلہ نے حملہ کیا آپ نے فرمایا اے اللہ! تو ان کی مغفرت فرما اور ان کی دستگیری جحیلہ کیا ہی اچھا قبیلہ ہے اس کے بعد قبیلہ کندہ نے حملہ کیا اور بتایا گیا کہ قبیلہ کندہ آگے بڑھا ہے تو آپ نے ان کی بھی تعریف کی۔ اس کے سالاران لشکر جو آخری تکبیر کا انتظار کر رہے تھے آگے بڑھے اور گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ کو لیلتہ الہریر کہا جاتا ہے۔

شدید ترین جنگ :

عمرو بن نویرا اپنے چچا انس بن الحلیس کے حوالے سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ان کے چچا کہتے ہیں میں لیلتہ الہریر میں شریک تھا اس رات ہتھیاروں کے چلنے کی ایسی آواز آ رہی تھی جیسا کہ لوہار اپنے لوہے کی چیزیں بنا رہے ہوں اور ان کے کام کی وجہ سے لوہے کے بجنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ جنگ کا سلسلہ صبح تک رہا۔ ان لوگوں نے زبردست صبر و استقلال کا ثبوت دیا۔ عرب و عجم نے ایسی جنگ پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ بھی رات بھر دعا میں مشغول رہے۔ جب صبح ہو گئی تو فریقین نے جنگ بند کر دی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان سر بلند رہے اور انہیں غلبہ حاصل ہوا۔

لیلتہ الہریر کی وجہ تسمیہ :

مسلمان اس رات آغاز شب سے لے کر صبح تک نہایت بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے وہ زور سے نہیں بول رہے تھے۔ بلکہ بہت آہستہ سے گفتگو کرتے تھے اس وجہ سے اس رات کا نام لیلتہ الہریر مشہور ہو گیا۔

شب قادسیہ :

جب لیلتہ الہریر کے بعد صبح ہوئی تو لوگ بہت تھکے ہوئے تھے ساری رات ان کی آنکھ نہیں جھپکی تھی لہذا حضرت قعقاع مسلمانوں میں گشت کرتے رہے اور یہ کہتے رہے " تھوڑی دیر کے بعد فتح مندی ہے تھوڑی دیر صبر کرو۔ کیونکہ نصرت صبر کے ساتھ ہے۔ لہذا گھبراہٹ پر صبر کو ترجیح دو۔ ان کے پاس سرداروں کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ وہ رستم کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ صبح ہوتے ہی۔ ان کے ساتھ وہ مل گئے جو اس کے قریب تھے قبائل کی یہ حالت دیکھ کر چند بڑے لوگ کھڑے ہو گئے جن میں یہ لوگ شامل تھے (1) قیس بن عبدالیغوث (2) اشعث بن قیس (3) عمرو بن معدیکرب (4) ابن ذوالبمین الخثمی (5) ابن دوابر د بن الہلال ان لوگوں نے تقریریں کیں۔

حوصلہ افزا تقریر :

تمہارے دشمن اللہ کے معاملے میں تم سے زیادہ سرگرم نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ یہ عجمی موت کے مقابلے میں تم سے زیادہ دلیر بن سکتے ہیں اور نہ تم سے زیادہ وہ دنیا کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں نے اپنے قریب کے لوگوں پر حملہ کیا اور یہاں تک کہ وہ دشمنوں سے گتھم گتھا ہو گئے۔ کچھ لوگ قبیلہ ربیع کے پاس پہنچے اور کہنے لگے :

تم لوگ ایرانیوں سے زیادہ واقف ہو اور گزشتہ زمانے میں ان کے خلاف سب سے زیادہ دلیری سے مقابلہ کیا کرتے تھے آج تمہیں اس بات سے کیا چیز روک رہی ہے کہ تم اپنی سابقہ جرات سے بڑھ چڑھ کر دلیری کا ثبوت دو"

دشمن کی پسپائی :

جب دوپہر ہو گئی تو ہرمزان اور بیرزان سب سے پہلے اشخاص تھے جو پیچھے ہٹ گئے اس کے بعد دوسرے بھی پیچھے ہٹ گئے یہ دونوں پیچھے ہٹ کر ایک مقام پر جم گئے اور جب دوپہر ہوئی تو قلب (مرکزی فوج) کا مورچہ خالی ہو گیا تھا۔ اتنے میں گرد و غبار نمودار ہوا اور سخت آندھی چلی جس سے رستم کا تخت رواں اڑ گیا اور وہ نہر عتیق میں گر گیا اور پچھلی ہوا کی وجہ سے ان پر گرد و غبار چھا گیا۔

ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کا عبرتناک انجام :

حضرت قعقاع اور ان کے ساتھی رستم کے تخت تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے رستم کا پتہ چلا لیا۔ جب آندھی اس کا تخت رواں اڑا کر لے گئی تھی۔ تو اس وقت رستم ان خچروں کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ جن پر مال لاد کر ان

دنوں آیا ہوا تھا۔ رستم ایک خچر اور اس کے سامان کے زیر سایہ تھا۔ لہذا ہلال بن علفہ نے اس سامان پر تلوار کا وار کیا جس کے نیچے رستم تھا۔ اس کے وار سے بندھے ہوئے سامان کی رسیاں کٹ گئیں اور سامان کی ایک بوری رستم پر گر پڑی۔ ہلال بن القمہ نے رستم کو نہ دیکھا تھا اور نہ محسوس کیا تھا۔ رستم نے اپنی کمر سے اس سامان کو ہٹایا۔ تلوار کے دوسرے حملے پر انہیں مشک کی خوشبو کی مہک معلوم ہوئی۔ اس وقت رستم نہر عتیق کی طرف بھاگا اور نہر میں کود پڑا ہلال بن القمہ بھی وہاں گھس گئے اور اسے تیرتے ہوئے پکڑا۔ انہوں نے اس کی ٹانگ پکڑی اور اسے خشکی کی طرف نکال لائے اور اس کی پیشانی پر تلوار مار کر اسے قتل کر دیا رستم کے قتل کے ساتھ ہی قادسیہ کی تاریخی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کو عظیم الشان تاریخی فتح نصیب ہوئی اور کسریٰ ایران شہنشاہیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا صدیوں کی پھر اسے لا کر خچروں کی ٹانگوں کے درمیان پھینک دیا اور تخت پر کھڑے ہو کر چلا کر کہنے لگا میں نے خدا رستم کو قتل کر دیا ہے میری طرف آؤ لوگوں نے آکر چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور نعرہ تکبیر بلند کرنے لگے اور زور زور سے چلانے لگے اس کے بعد مشرکوں کی مرکزی فوج ٹوٹ گئی۔ اور وہ شکست کھا کر بھاگنے لگے جالینوس پل پر کھڑا ہو کر اہل فارس کے سامنے اعلان کرتا رہا کہ وہ پل کو عبور کر کے جائیں اس کے بعد گرد و غبار چھٹ گیا۔

دشمن کی شکست :

وہ ایرانی فوج جنہوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس قدر گھبرائی کہ وہ سب نہر عتیق میں گر گئے۔ مسلمانوں نے انہیں نیزوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ وہ لوگ تیس ہزار کی تعداد میں تھے ان میں سے کوئی خبر دینے کے لئے بھی نہیں بچ سکا۔

حضرت ضرار بن الخطاب نے درخش کاویان پر قبضہ کر لیا انہیں اس کا معاوضہ تیس ہزار ملا۔ اس کی اصل قیمت بارہ لاکھ تھی اس معرکہ میں دشمن کے دس ہزار سپاہی کام آئے۔ اس سے پہلے گذشتہ دنوں میں جو مارے گئے تھے وہ اس کے علاوہ ہیں۔

عمرو بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن علفہ نے یوم قادسیہ میں رستم کو قتل کیا۔

مقتولوں کی تعداد :

ابو کعب الطائی اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ کہ لیلتہ الہریر سے پہلے ڈھائی ہزار سپاہی مارے گئے۔ اور لیلتہ الہریر اور یوم القادسیہ (آخری دنوں) میں صرف مسلمانوں کے چھ ہزار سپاہی شہید ہوئے انہیں مشرق کے سامنے ایک خندق میں دفن کیا گیا۔

دشمن کا تعاقب :

اہل فارس بھاگ گئے اور خندق اور نہر عتیق کے درمیان ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔ قدسین اور عتیق کے درمیان کا میدان مقتولوں سے پٹا پڑا تھا اس وقت حضرت سعدؓ نے زہرہ کو حکم دیا کہ وہ ان کا تعاقب کریں۔ چنانچہ حضرت زہرہ آگے کے حصے میں اعلان کرتے رہے اور حضرت قعقاع کو نچلے حصے میں بھیجا اور شرجیل کو اوپر کے حصے کی طرف تعاقب کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ خالد بن عرفطہ کو مقتولوں کا سامان حاصل کرنے اور شہدا دفن کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ لہذا لیلتہ الہریر اور یوم قادسیہ کے شہدا قیس کے ارد گرد دفن کئے اور ڈھائی ہزار عتیق پیچھے مشرق کے سامنے دفن کئے گئے۔

دشمن کے مقتولوں کا سازوسامان اور مال جمع کیا گیا تو وہ اس قدر تھا کہ نہ تو اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد اس قدر زیادہ مال غنیمت جمع ہو سکا۔

رستم کا سامان :

حضرت سعدؓ نے بلال کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا "تمہارا دشمن (رستم کی لاش) کہاں ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے خچروں کے نیچے انہیں پھینک دیا تھا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسے لے کر آؤ وہ اس لاش کو لے کر آئے آپ نے فرمایا تم نے اس کا سازوسامان لے لیا اور کچھ نہیں چھوڑا۔

حضرت قعقاع اور شرجیل واپس آئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ "تم میں ایک اس طرف تعاقب کے لئے روانہ ہو جائے اور دوسرا دوسری طرف سے نکلے۔

جالینوس کا قتل :

حضرت زہرہ بن الحویہ بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اور وہ پل تک پہنچ گئے تھے انہوں نے پل کو توڑ دیا۔ تاکہ ان کا تعاقب نہ کیا جا سکے تاہم حضرت زہرہ نے کہا "اے بجیر آگے بڑھو" چنانچہ وہ پانی میں گھس گئے اور حضرت زہرہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں گھس گئے اس کے بعد تین سو سواروں نے بھی ان کی پیروی کی اس کے بعد حضرت زہرہ نے اس پر حملہ کیا اور آخر کار تلواروں کے دو واروں کے بعد حضرت زہرہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سازوسامان لے لیا بعد ازاں خرارہ سے پہلے لے کر سلیحین اور نجف تک دشمن کا صفایا کر دیا گیا۔ شام کے وقت وہ لوٹ گئے اور رات انہوں نے قادسیہ میں گزاری۔

جنگ کا اختتام :

شفیق بیان کرتے ہیں "ہم دن کے آغاز میں قادسیہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جب ہم واپس آئے تو ظہر کی

نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ موذن شہید ہو گیا تو مسلمان اذان دینے پر جھگڑنے لگے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ تلواریں چلنے لگ جائیں اس لئے حضرت سعد نے قرعہ اندازی کرائی اس کے بعد دن کے باقی حصے اور رات وہیں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت زہرہ واپس آ گئے دوسری صبح کے وقت مسلمانوں کا پورا لشکر یک جا موجود تھا اور کسی لشکر کے واپس آنے کا انتظار نہیں ہو رہا تھا۔ لہٰذا حضرت سعدؓ نے فتح کا حال شہداء کی تعداد اور ان کے نام نیز دشمن کے مقتولوں کی تعداد لکھوا کر یہ خط حضرت عمر فاروقؓ کے نام سعد بن عُمیلہ انفزاری کے ہاتھ بھجوایا۔

رستم کے سامان کی قیمت :

رفیل بیان کرتے ہیں۔ مجھے حضرت سعدؓ نے بلایا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا کہ میں مقتولوں کو دیکھوں اور ان کے سرداروں کے نام انہیں بتاؤں۔ لہٰذا میں آیا اور ان کے نام بتائے میں نے رستم کی لاش کسی جگہ نہ دیکھی تھی لہٰذا آپ نے قبیلہ تیتم کے ایک شخص کو بلوایا اور اس سے فرمایا کیا تم نے رستم کو قتل کیا تھا اس نے کہا ہاں میں نے ہی قتل کیا تھا آپ نے فرمایا:

"پھر تم نے اس کی لاش کے ساتھ کیا کیا" وہ بولا میں نے اسے خچروں کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا تھا آپ نے فرمایا "تم نے اسے کیسے قتل کیا تھا" اس پر اس نے تمام واقعہ سنایا۔ یہاں تک کہ اس نے کہا "میں نے اس کی پیشانی اور ناک پر تلوار ماری تھی۔ اس کے بعد ہم اس کی لاش لائے۔ اور آپ نے اس کا ساز و سامان اُسی کے قاتل کو دے دیا۔ رستم جب پانی میں گھسا تھا تو اس نے بہت سی چیزیں اتار دی تھیں اور ہلکا ہو گیا تھا تاہم اس کا موجودہ ساز و سامان بھی ستر ہزار میں فروخت ہوا اس کا تاج اگر مل جاتا تو اس کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

بچوں کی جنگی خدمات :

مسلمانوں کے لشکر میں جو بچے تھے وہ شہیدوں اور زخمیوں کی طرف گئے ان کے ہاتھوں میں پانی کے مشکیزے تھے وہ ہر اس زخمی مسلمان کو پانی پلاتے تھے جس کے اندر کچھ جان باقی تھی اور جو مشرک سسکتا ہوا نظر آتا تھا اسے مار ڈالتے تھے وہ عشاء کے وقت عذیب سے اترے تھے۔

دشمن کا صفایا :

حضرت زہرہ جالینوس کی تلاش میں روانہ ہوئے حضرت قعقاع ان کے بھائی اور شرجیل ہر بلندی اور پستی کی طرف جانے والے ایرانی سپاہیوں کے تعاقب میں نکلے۔ انہوں نے گاؤں، ہر جنگ اور نہر کے کنارے جہاں کہیں ان کو پایا قتل کیا اور نماز ظہر کے وقت واپس آ گئے لوگوں نے اپنے امیر کو فتح کی مبارک باد پیش کی اور انہوں نے بھی ہر قبیلہ کی بہت تعریف کی اور حمد و ثناء کی۔

جالینوس کا ساز و سامان :

سعید بن مرزبان بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت زہرہ نکلے یہاں تک کہ انہوں نے ایرانیوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ (سردار) جالینوس کو جا پکڑا وہ بہت عمدہ ساز و سامان کے ساتھ تھا حضرت زہرہ نے اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا ان کا ساز و سامان خستہ حالت میں تھا تاہم وہ جالینوس کا سامان لے کر حضرت سعد کے پاس پہنچے وہاں جو قیدی حضرت سعدؓ کے پاس موجود تھے انہوں نے اس کے سامان کو پہچان لیا اور تصدیق کی کہ یہ جالینوس کا سامان ہے۔ پھر حضرت سعدؓ نے دریافت کیا "کیا اس کے بر خلاف کسی نے تمہاری مدد کی ہے ؟ انہوں نے کہا ہاں اس کے بعد آپ نے حضرت زہرہ کو اس کا سامان دے دیا۔

ابراہم روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے جالینوس کے ساز و سامان کا بہت زیادہ خیال کرتے ہوئے اس کے بارے میں حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب میں لکھا "میں نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ جس شخص نے کسی دشمن کو قتل کیا۔ تو اس کا ساز و سامان اس کو بخش دیا جائے"

لہذا حضرت سعدؓ نے وہ تمام ساز و سامان انہیں دے دیا انہوں نے اسے ستر ہزار میں فروخت کیا۔

مسلمان کی شہسواری :

مسلمان یوم قادسیہ کے شہسوار تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جنہوں نے ایرانیوں کی شکست کے بعد ان کی قائم رہنے والی فوج کا صفایا کیا۔ ان کے ساتھ کے دوسرے افسر عبدالرحمٰن بن ربیعہ ذوالنور تھے انہوں نے بھی ان ایرانی دستوں کا صفایا کیا تھا۔ جو مسلمانوں کے مقابلے کے لئے رہ گئے تھے اور انہیں اپنے سواروں کی مدد سے پیس ڈالا تھا۔

حضرت سعدؓ کا حضرت عمرؓ کو فتح کا پیغام :

حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح نامہ لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے ہی مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے ادھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا۔ بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لے کر آیا تھا جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے۔ اس نے کہا خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا حضرت عمرؓ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص سامنے آتا ہے ان کو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ "حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا" فرمایا "نہیں کچھ حرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی

خوشخبری سنائی اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں۔ نہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بھار میرے سر پر رکھا گیا ہے اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے "

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں قیام کیا تھا اور چونکہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزان کو سر لشکر قرار دیا تھا۔ سعدؓ نے ان کے استیصال کیلئے 36ء 15ھ میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں چنانچہ مقام برس میں بصیری سد راہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا۔ صلح کر لی اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار ہرمزان مہراں مہرجان وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں قیام کیا اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا زہرہ کوثی سے جب گزرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جب تیرا یہ دعوی ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائے گا یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا اس نے گھوڑا آگے بڑھایا شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا۔ نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہریار عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دی۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا نابل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے چنانچہ شہریار کے زرق برق اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر جب مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی "تلک ایام نداولھا بین الناس" کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔ یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لئے اس کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہر اول دستے کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعدؓ نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔ آگے بڑھ کر سعدؓ نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس

تھا سعدؓ سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعدؓ نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے برابر کا جواب دیا زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو آکر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا۔ کہ جب تک یہ بدن میں ہے اس وقت تک زندہ بھی ہوں" چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھے تلوار سے مارا تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔

رات کے ابتدائی حصے میں حضرت سعدؓ نے مدائن کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ انہیں فوج کی فاتحانہ اولوالعزمی اور مدائن پر ہجوم کرنے کے شوق بے تاب سے فائدہ اٹھا کر فوراً حملہ کر دینا چاہئے یا کچھ دن ستانے کے بعد آگے بڑھنا چاہئے لیکن مدائن اب دور ہی کتنا رہ گیا ہے اگر خواہ مخواہ توقف کیا گیا تو اہل مدائن کا جذبہ مدافعت قوی ہو جائے گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلی فرصت میں حملہ کر دیا جائے چنانچہ تھوڑی رات گئے لشکر کو روانگی کا حکم دیا اور بہرہ شیر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا

کسریٰ ایران کے دار السلطنت مدائن کی شاندار فتح 15ھ:

بہر شیر مدائن ہی کا ایک حصہ تھا وہ دریائے دجلہ کے دائیں کنارے واقع تھا اور مدائن اس کے بالکل سامنے بائیں کنارے اور اس طرح اگرچہ دریا ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رہا تھا۔ پھر بھی تھا وہ مدائن کا ایک حصہ ہی مدائن بغداد کے جنوب میں بیس میل کی مسافت پر آباد تھا اور بغداد کی حیثیت ان دنوں محض ایک بستی کی سی تھی۔ جسے دجلے کی دوسری بستیوں پر کوئی امتیاز حاصل نہ تھا۔

مدائن مدتوں سے ایران کا دار السلطنت چلا آرہا ہے۔ وہ اگرچہ بابل کے بہت بعد آباد ہوا تھا لیکن حسن و رونق اور عظمت و جلال میں اس سے کہیں آگے نکل گیا تھا۔ کئی بار رومیوں نے اس پر قبضہ کیا اور کئی بار اندرونی بغاوتوں نے اس کے امن و سکون کو بدامنی و بے چینی سے بدلا۔ لیکن اس کے جلال و جمال میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تمام دنیا کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

حضرت سعدؓ بہر شیر کی طرف روانہ ہوئے ان کا لشکر شجاعت و جواں مردی کے جذبات سے سرشار تھا۔ چنانچہ جب وہ بہر شیر کے قریب پہنچ کر رکا تو فضا تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگی۔ لیکن شہر والے فصیل کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے حملے کی کوئی صورت اور محاصرے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تھا۔

حضرت سعدؓ نے محاصرہ کر لیا اور اس اندیشے سے بے پرواہ ہو کر کہ ایرانی پشت کی طرف سے حملہ نہ کر دیں۔ فوج کو دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے میں غارت کا حکم دے دیا۔ ایک لاکھ کسان گرفتار کر کے لائے گئے جن سے مسلمانوں نے اپنے چاروں طرف خندق کھدوائی۔ لیکن یہ کسان تیغ آزمائی اور تیر اندازی سے ناآشنائے محض تھے اس لئے انہیں قید کرنے سے کوئی فائدہ نہ چھوڑ دینے میں کوئی نقصان۔ یہ چنانچہ حضرت سعدؓ نے ساباط کے جاگیردار شیرزاد کے مشورے سے انہیں ان کی زمینوں پر واپس بھیج دیا۔ تاکہ وہ کھیتی باڑی کر کے زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کریں۔ اس کی اطلاع حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں بھیجی اور امیر المومنین نے شیرزاد کے مشورے کو توثیق فرما دی۔ اہل سواد کو ساحل دجلہ سے سرزمین عرب تک امان دے دی گئی اور وہ کھیتی باڑی کرنے لگے۔ زمینداروں نے مسلمانوں کو جذیہ و خراج ادا کر کے کسانوں کے امن و سکون میں اور اضافہ کر دیا۔ حضرت سعدؓ نے بہر شیر کا محاصرہ جاری رکھا۔ پشت کی طرف سے حملے کا انہیں کوئی اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اپنی فوج کی قوت کی طرف سے وہ مطمئن تھے۔

مسلمان منجنیقیں نصب کر کے اندرون شہر پتھراؤ کرنے لگے لیکن ایرانی اس سے پریشان نہ ہوئے انہیں یقین تھا کہ اگر حملہ آوروں کو شہر سے پسپا نہ کیا گیا تو ان کے لئے دار السلطنت کے راستے کھل جائیں گے اور مدائن مزید خطرے میں پڑ جائے گا۔ پھر بہر شیر کی مدافعت ایسی دشوار بھی نہ تھی۔ اس کے قلعے مضبوط اور دیواریں مستحکم تھیں۔ دجلے کا پل اسے مدائن سے ملاتا تھا اور اس پل کے راستے ایران کے مختلف گوشوں سے بے شمار امداد اور بے

اتنا سامان غذا اہل شہر کو پہنچ رہا تھا اس لئے وہ کئی مہینے تک محاصرہ برداشت کرتے رہے۔ محاصرہ کی مدت میں مورخین کا اختلاف ہے اس اثناء میں کبھی کبھی ایرانی شہر پناہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ بھی کرتے رہے۔ کہ شاید وہ شکست کھا کر الٹے پاؤں واپس ہو جائیں۔ لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ ان کے حملوں کو ناکام بنا کر انہیں دوبارہ شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ بالا آخر جب محاصرے نے طول کھینچا تو ایرانیوں نے تنگ آ کر ان فوجی افسروں کی سرکردگی میں جن کی شجاعت اور جنگی مہارت پر انہیں پورا پورا بھروسہ تھا ایک لشکر مرتب کیا اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے نکلے۔ لیکن پہلے کی طرح اس لشکر کو بھی اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ اور وہ بھی شکست کھا کہ شہر واپس ہو گیا۔ اس شکست نے ایرانیوں کی ہمت توڑ دی اور یہ خوف ان کے دل میں بیٹھ گیا کہ جو بھی ان مسلمانوں کے مقابلے میں جائے گا۔ شکست کھائے گا۔

محاصرے اور جنگ کی خبریں یزدگرد کے پاس روزانہ بلکہ ساعت بہ ساعت پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ غم اس پر چھا گیا اور مایوسی اس کے دل میں رینگنے لگی یہ دیکھ کر اس کے رنج و نومیدی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ کہ اتنے مہینے گزر جانے کے باوجود مسلمانوں میں بے دلی کے آثار بالکل نہیں پائے جاتے۔ پھر اس نے دیکھا کہ مسلمان کھانے پینے کا سامان سرزمین عراق سے جتنا چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن ایرانی روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اسے یقین ہو گیا کہ بہر شیر اب کسی قیمت پر بھی مسلمانوں سے نہیں بچایا جا سکتا۔ مجبور ہو کر اس نے حضرت سعدؓ کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی اور دجلے کو ایران و عرب کے درمیان حد فاصل قرار دیتے ہوئے ایلچی کے ہاتھ کہلوایا۔ "دجلے کے اس طرف جو کچھ ہے وہ ہمارا اور اس طرف پہاڑ تک جو کچھ ہے وہ تمہارا" لیکن حضرت سعدؓ نے یزدگرد کی شرائط صلح نامنظور کر دیں اور ایلچی واپس چلا گیا وہ صلح کر بھی کیسے سکتے تھے۔ جبکہ حضرت عمرؓ نے غیر مبہم اور واضح الفاظ میں مدائن فتح کرنے کا حکم دے رکھا تھا اور وہ ایرانی لشکر کو شکست دینے اور ان کے سپاہیوں کو قیدی بنا لینے کے بعد اب بہر شیر پر قابض ہونے ہی والے تھے ابھی قاصد حضرت سعدؓ کا جواب لے کر یزدگرد کے پاس پہنچا بھی نہ تھا کہ حضرت سعدؓ نے محاصرہ شدید کر دینے کا حکم دیا اور مسلمانوں نے پہلے سے کہیں زیادہ سنگ باری شروع کر دی۔ لیکن جواب میں بہر شیر سے کوئی ایک تیر بھی نہ آیا اس سے حضرت سعدؓ کو یقین ہو گیا کہ محافظوں نے شہر خالی کر دیا ہے انہوں نے فوج کو شہر میں داخل ہو جانے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے فصیل پر چڑھ کے دروازے کھول دیے۔ شہر پر موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی اور کوئی متنفس وہاں نہ تھا صرف ایک شخص امان طلب کرتا ہوا ان کے پاس آیا اور اس سے معلوم ہوا کہ بہر شیر کے محافظ یزدگرد کے حکم سے مدائن چلے گئے ہیں۔ انہوں نے پل کو آگ لگا دی ہے اور دجلے میں چلنے والی ساری کشتیاں اپنے قبضے میں کر لی ہیں۔ تاکہ دریا اپنی تند و تیز موجوں کے ساتھ دفاعی خط کا کام دے اور غازیان اسلام کو مدائن میں داخل ہونے سے روکے رکھے۔

مسلمان آدھی رات کے وقت بہر شیر میں داخل ہوئے اور اسی وقت دریائے دجلہ کو عبور کر کے مدائن پر حملہ آور ہونے کے متعلق سوچنے لگے لیکن وہاں نہ پل تھا نہ کشتیاں؟ مجبوراً وہ کنارے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ مدائن

کا بارونق شہر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا اور وہ حیرت و استعجاب کی تصویر بنے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اسے دیکھ رہے تھے انہیں یقین نہ آتا تھا کہ جو کچھ ان کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے دوسرے کنارے پر ایک شان دار عمارت 'عظمت و شوکت کے جلال آفریں مرقع کی صورت میں انہیں دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ ایسی بلند عمارت مسلمانوں نے آج تک نہ دیکھی تھی۔

اتنے میں فرار بن خطاب بھی وہاں پہنچ گئے اور منظر دیکھ کر بلند آواز میں کہنے لگے "اللہ اکبر! یہ کسریٰ کا قلعہ سفید ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے تم سے وعدہ کیا ہے" یہ سن کر چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے بلند ہوئے اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس ایوان کے سامنے ہیں جس کا ذکر مدتوں سے شاعروں کے اشعار اور افسانہ طرازوں کے افسانوں میں سنتے چلے آرہے تھے اس حقیقت کا اعلان کیا جائے کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ کفر کا پرچم سرنگوں اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔

اسے کسریٰ نوشیرواں نے 550 میں بنوایا تھا اور اس کی تعمیر میں رومی اور یونانی فن تعمیر کی تمام نزاکتیں صرف کرا دی تھیں اس کے سامنے کا حصہ ایک سو پچاس میٹر سے بھی زیادہ چوڑا تھا اور بلندی چالیس میٹر تھی۔

ادھر مسلمانوں کے دل میں یہ خیالات آرہے تھے اور مدائن کا منظر ان میں نئی زندگی پیدا کر رہا تھا ادھر یزدگرد اپنے ایوان میں پراگندہ خاطر بیٹھا تھا اور طرح طرح کے وسوسے اس کے دل و دماغ سے کھیل رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ دجلے کا پاٹ اور تیز و تند موجیں ایک قدرتی قلعے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لیکن یزدگرد کے اضطراب نے اس کے دل کو یہ مشورہ دیا کہ وہ بھاگ کر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچا لے! اس نے شاہی خدام کو حکم دیا کہ قیمتی سامان 'خزانہ 'حرم شاہی اور شہزادے شہزادیوں کو لے کر حلوان چلے جائیں۔ چنانچہ ایرانیوں کی قوت مقابلہ جواب دے گئی۔ اور دجلے کے سوا کوئی سہارا نہ رہا۔ جو انہیں غازیان اسلام کے حملے سے بچا سکتا۔ اس طرح دجلہ دو لشکروں کے درمیان بہہ رہا تھا ایک وہ لشکر جس کی قوتیں مضمحل ہو گئی تھیں اور اس کے لئے کوئی عزم کوئی ارادہ باقی نہ رہا تھا اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے تھے اور انجام قسمت کے حوالے کر دیا تھا اور دوسرا وہ لشکر جس کی معنوی روح بلندی کے نقطہ کمال پر تھی۔ جسے ایمان کی قوت نے فتح و کامرانی کا یقین دلایا تھا۔

دوسرے دن انہیں اطلاع ملی کہ یزدگرد نے اپنا خزانہ حلوان منتقل کرنے کا حکم دے دیا ہے اس وقت انہوں نے لوگوں کو جمع کیا اور تقریر کرنے کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا "دشمن نے اس دریا کو اپنی سپر بنایا ہے تم اس میں سے گزر کر اس کی طرف نہیں جا سکتے لیکن وہ جب چاہے کشتیوں میں بیٹھ کر تم پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ میری رائے میں تم قدم بڑھا کے دشمن پر حملہ کر دو۔ میں عزم کر چکا ہوں۔ کہ دریا پار کر کے ان تک پہنچوں گا"

چنانچہ حضرت سعدؓ اپنی بات پوری بھی نہ کرنے پائے تھے کہ سب نے یک زبان ہو کر کہا اللہ ہماری اور آپ

کی راہنمائی کا فیصلہ فرما چکا ہے اپنے ارادے کو روبہ عمل لایئے"

لیکن دریا کیسے عبور کیا جائے۔ چلیے! وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر اسے پار کر سکتے ہیں۔ لیکن ایرانی لشکر دوسرے کنارے پر کھڑا ہے وہ انہیں دریا سے کیوں کر نکلنے دے گا۔ آخر حضرت سعدؓ کے ذہن میں ایک بات آگئی اور انہوں نے صلائے عام کے طور پر فرمایا "کون ہے جو پہلے اس کنارے پر جا کر دشمن کو روکے رکھے تاکہ وہ لشکر کو دریا پار کرنے سے باز نہ رکھ سکیں" قوت و شجاعت کے پتلے عاصم بن عمرو نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا ان کے ساتھ چھ سو جاں باز اور تیار ہو گئے حضرت سعدؓ نے عاصم کو ان کا افسر بنا دیا۔ اور جب یہ لوگ دجلے کے ساحل پر پہنچے تو عاصم نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا "دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لئے سب سے پہلے میرے ساتھ دریا میں کون اترے گا؟ ساٹھ سوار آگے بڑھے۔ انہوں نے ہچکچانے والوں سے مخاطب ہو کر کہا" تم اس ذرا سے پانی سے ڈر گئے"

پھر قرآن پاک کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے

"اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کا حکم نہ ہو اس نے لکھ رکھا ہے وقت مقررہ پر"

یہ کہہ کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور ان کے ساتھی بھی ان کے پیچھے پانی میں اتر گئے قعقاع بن عمرو نے دیکھا کہ مجاہدین اسلام کی یہ پہلی ٹکڑی تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے اور دریا کے دوسرے کنارے پر ایرانی ان سے مقابلے کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے چھ سو ہمراہیوں کو حکم دیا اور عاصم بن عمرو اور ان کے ساتھیوں کی طرح ان جان بازوں نے بھی اپنے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ یہ دیکھ کر ایرانی حیران و ششدر رہ گئے یہاں تک کہ بعض کی زبان سے بے اختیار نکل گیا "دیوانے ہیں دیوانے" اور بعض نے کہا۔ تم لوگ انسانوں سے نہیں جنوں سے لڑ رہے ہو"

تھوڑی دیر تک تو ایرانی ان موج بلا سے کھیلنے والوں کو تکتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ عاصم اور ان کے ساتھی دریا کے وسط میں پہنچ گئے ہیں تو مقابلے کے لئے اپنے چند سوار دریا میں اتار دیے۔ یہ لوگ جب عاصم کے قریب پہنچے تو وہ دوسرے کنارے سے کچھ ہی فاصلے پر تھے عاصم نے اپنے ساتھیوں سے کہا تیر چلاؤ تیر! اور ان کی آنکھیں پھوڑ دو جب تیر ایرانی گھوڑوں کی آنکھوں میں ترازو ہونے لگے تو وہ گھبرا کر پلٹے اور ان کے سوار کوشش کے باوجود مسلمانوں کے قریب نہ پہنچ سکے جو ہنستے کھیلتے دریا کی مرگ آفریں موجوں کا سینہ چیرتے چلے جا رہے تھے جب عاصم اپنے تمام ساتھیوں سمیت دوسرے کنارے پر پہنچے تو ایرانی بھاگ کھڑے ہوئے پیچھے پیچھے قعقاع بھی اپنے دستے کو لے کر عاصم سے جا ملے۔ اس وقت مشرقی کنارے پر ایک بھی ایرانی باقی نہ رہا تھا۔

حضرت سعدؓ نے جب یہ دیکھا کہ دجلے کے مدائن والے کنارے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے تو باقی گھڑ سواروں کو بھی دریا پار کرنے کا حکم دے دیا اور عاصم کے دستے کی طرح ان بہادروں نے بھی دریا کی تیز و تند لہروں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اس وقت سارا دریا گھوڑوں سے اس طرح پٹ گیا تھا کہ پانی نظر نہ آتا تھا عاصم نے ایرانی

ملاحوں کو حکم دیا کہ بہر شیر کی طرف کشتیاں لے جائیں چنانچہ جو پیادہ فوج ادھر رہ گئی تھی وہ کشتیوں میں بیٹھ کر آ گئی۔
جس وقت حضرت سعدؓ نے دریا پار کیا مدائن والے فرار ہو چکے تھے صرف وہی لوگ باقی رہ گئے تھے۔ جو قلعہ سفید میں پناہ گزین تھے ان لوگوں نے مقابلہ نہ کیا بلکہ جذیہ دینے پر آمادگی ظاہر کر کے قلعے کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے۔

واقعی کتنا بڑا معجزہ ہے کہ عاصم اور قعقاع کے دستے دریا میں گھوڑے ڈال دیتے ہیں اور انہیں موجوں کی بلا خیزیاں ڈراتی ہیں۔ نہ دشمن کی تیر اندازیاں! لیکن فتح کا یقین انسان کو اس بلندی پر پہنچا دیتا ہے۔ جہاں نصب العین کی راہ میں زندگی اور موت کے معنی ایک ہو جاتے ہیں مسلمان مدائن فتح کرنے کے لئے بے تاب تھے اور اسے ہر قیمت پر یہاں تک کہ جان کی بازی لگا کر بھی حاصل کر لینا چاہتے تھے اسی لئے انہیں دیکھ کر ایرانیوں نے کہا تھا "ہم انسانوں سے نہیں جنوں سے لڑ رہے ہیں" وہ جنوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے جو بھری ہوئی موجوں کا منہ پھیر کر آئے تھے۔
گویا قضاؤ قدر کی وہ قوت ہیں جو زمین کو ہلا کر اور پہاڑوں کو پیس دیتی ہے کیا آتش فشاں پہاڑ اور جلیاں فطرت کی قوتیں نہیں ہیں یہی حال ان دونوں دستوں کا تھا اور یہی حال حضرت سعدؓ اور ان کے تمام لشکر کا تھا۔ جب وہ دریا میں اترے اور اس کی برق آسا لہروں سے گزر کر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ دنیا کی کونسی قوت اس غیبی طاقت کے سامنے ٹھہر سکتی تھی۔

مسلمانوں کا لشکر دریا سے نکلا تو حضرت سعدؓ مدائن میں داخل ہوئے لیکن ان لوگوں کے سوا جو قلعے میں چھپے ہوئے تھے وہاں کوئی نہ تھا یہ اس لئے کہ یزدگرد اپنے اہل و عیال اور اس سامان کو لے کر جو بہ آسانی لے جا سکتا تھا۔ جلوان بھاگ گیا تھا جو لوگ قلعے میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے انہیں نکل آنے کا حکم دیا اور وہ نکل آئے اس کے بعد وہ اپنے لشکر کو لے کر قلعے میں داخل ہوئے اور کسریٰ کے عظیم الشان محل کے عجائب و نوادر کا یک نظری جائزہ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت کی جس کا ترجمہ ہے۔
"وہ بہت سے باغ چشمے، کھیت، پاکیزہ مقام اور نعمتیں چھوڑ گئے جس میں وہ عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا۔ پس نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی"
چنانچہ حضرت سعدؓ نے فتح کے شکرانے کے آٹھ نفل ادا کیے اور حکم دیا کہ مسلمان حیرہ اور عراق کے دوسرے تمام شہروں اور بستیوں سے اپنے اہل و عیال کو لا کر مدائن میں آباد کریں۔

حضرت سعدؓ نے کسریٰ کے محل میں قیام فرمایا اور ایوان شاہی کو مسجد بنا دیا۔ اس کی مورتیوں کو جوں کا توں رہنے دیا گیا۔ اور انہیں چھیڑا بھی کیوں جاتا۔ جب وہ محل اور خاص طور پر ایوان کی سجاوٹ کے لئے وہاں رکھی گئی تھیں۔ محل کی اندرونی دیواریں نقش و نگار اور دوسرے سامان آرائش سے لیس ہوئی تھیں۔ لیکن ان کا بیرونی رخ سادہ و سفید چھوڑ دیا گیا تھا۔

مسلمانوں نے کسریٰ کے خزانوں کے مال و دولت نفیس پوشاکوں بیش قیمت برتنوں اور اعلیٰ قسم کی

خوشبوؤں سے لبریز پایا۔ جن کی قیمت بیان کرنے سے زبان اور قلم دونوں عاجز ہیں۔ حضرت سعدؓ نے یزدگرد اور اس کے ساتھ حلوان فرار ہونے والوں کے تعاقب میں فوج بھیجی ۔ اس فوج نے انہیں جالیا اور وہ سامان بھی ان سے چھین لائی۔ جو وہ مدائن سے لے کر بھاگ گئے تھے اور جس کی قیمت محل کے سازوسامان کی قیمت سے بھی زیادہ تھی۔ مدائن کے گھروں میں مسلمانوں کو ایسی ایسی نادر نفیس چیزیں ملیں کہ وہ ہکا بکا رہ گئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دنیا کی کوئی قوم ایرانیوں سے زیادہ خوشحال نہ تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کو کسریٰ کے خزانوں سے تیس کھرب دینار ملے اور محل میں جو سامان تھا۔ اس کی قیمت کا تو اندازہ ہی نہ تھا۔

حضرت سعدؓ نے مدینے بھیجنے کے لئے مال غنیمت کا خمس علیحدہ کیا اور چھانٹ چھانٹ کر اس میں ایسی چیزیں رکھیں جنہیں دیکھ کر عرب حیران ہو جائیں۔

حضرت سعدؓ نے ہزاروں میں مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک ایک سوار کے حصے میں بارہ بارہ ہزار آئے اس کے بعد ہتھیلی پر جان رکھ کر لڑنے والوں کو ان کی دلیری و شجاعت کے مطابق مزید حصہ دیا گیا مدائن کے سارے مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے اور ان کے اہل و عیال ان مکانوں میں آباد ہو گئے۔ مسلمان مدائن میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ جب ایرانی فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا تو ان میں سے کچھ لوگ مدائن سے چلے گئے۔

بشیر بن خصاصیہ خمس لے کر مدینے پہنچے اور اسے امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو حضرت سعدؓ کے خط سے فتح مدائن کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ اپنے اس خط میں حضرت سعدؓ نے واقعات اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے تھے۔ گویا حضرت عمرؓ خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے مال غنیمت کی کثرت و نفاست اور مسلمانوں کی امانت و دیانت دیکھی تو حیران رہ گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ جن لوگوں نے یہ سب چیزیں لا کے حاضر کر دیں۔ واقعی وہ بڑے امانت دار ہیں حضرت علیؓ نے جواب دیا "چونکہ آپ کا دامن پاک ہے اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک دامن ہے۔ اگر آپ کی نیت ٹھیک نہ ہوتی۔ تو ان کی نیت میں بھی فتور آجاتا"۔

حضرت عمرؓ نے خمس لوگوں میں ان کی حیثیت کے مطابق تقسیم کر دیا اور سر سے کفن باندھ کر لڑنے والوں میں سے ہر غائب و حاضر کا حصہ پہلے نکال لیا۔ فرش اپنی ساخت کے لحاظ سے ناقابل تقسیم نظر آیا اس لئے اہل مجلس سے فرمایا اس فرش کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے۔ بیشتر لوگوں نے کہا فوج نے یہ آپ کو دیا ہے آپ جو مناسب سمجھیں کریں" اور کچھ لوگ بولے "یہ صرف امیر المومنین کے لئے ہے اس میں کسی کا حصہ نہیں! لیکن حضرت عمرؓ نے اس بات کو قبول کرنے یا اس کے متعلق کوئی رائے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علیؓ بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ نے آپ کے علم کو جہل اور آپ کے یقین کو شک نہیں بنایا۔ دنیا میں آپ کی وہی چیز ہے جو آپ کسی کو دے دیں۔ یا پہن کے پھاڑ ڈالیں یا کھا کے ختم کر دیں آج اگر آپ اس کو رہنے دیں گے تو کل اس پر وہ شخص قبضہ کرے گا۔ جو کسی طرح اس کا مستحق نہیں ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا اور مجھے نیک

مشورہ دیا۔ اس کے بعد اس فرش کو پھاڑ پھاڑ کے بانٹ دیا۔ حضرت علیؓ کے حصے میں جو ٹکڑا آیا اگرچہ وہ کوئی خصوصیت نہ رکھتا تھا پھر بھی وہ بیس ہزار میں فروخت ہوا۔

جس وقت حضرت عمرؓ مدینے میں فے تقسیم کر رہے تھے۔

اور مسلمان اس مال غنیمت کو جو اس سے پہلے انہیں نصیب نہیں کیا گیا تھا اللہ کا ایک خاص انعام سمجھ رہے تھے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مدائن کے قصر سفید میں راحت واطمینان کے ساتھ اقامت فرماتے۔ انہوں نے ایوان شاہی کو مسجد بنالیا تھا جہاں اللہ کا نام پکارا جارہا تھا۔

جب حضرت سعدؓ مدائن میں آئے تو وہ مکمل فریضہ نماز ادا کرنے لگے تھے اور روزے رکھتے تھے انہوں نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ایوان کسریٰ میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں اسے عید گاہ بھی بنادیا گیا اور وہاں ایک ممبر بھی نسب کر دیا گیا تھا وہ خود بھی نماز وہیں پڑھتے تھے حالانکہ اس میں تصاویر تھیں بلکہ جمعہ کی نماز بھی وہیں پڑھتے تھے۔

جب عید الفطر کا دن آیا تو لوگوں نے کہا کہ باہر نکل کر نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ باہر نکل کر پڑھنا مسنون ہے مگر سعدؓ نے فرمایا یہیں نماز پڑھو کیونکہ بستی کے اندر نماز پڑھنا یا باہر پڑھنا یکساں ہے چنانچہ یہیں (ایوان کسریٰ) میں نماز بڑھی گئی اور ہر جمعہ کو مسلمان حضرت سعدؓ کا خطبہ سنتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے جمع ہوتے تھے لیکن یزدگرد اس زمانے میں رنجیدہ غمگین حلوان میں پڑا تھا۔

اس شکست خوردہ بادشاہ یزدگرد نے حلوان میں پہنچتے ہی کچھ نہ سوچا اور مسلمانوں کو صلح کا پیغام بھیج دیا۔ کہ دجلے کو حد فاصل قرار دے کر جنگ بند کر دی جائے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ مدائن فتح کرنے کے بعد مسلمان فتح و ظفر کے قدم روک لیں اور آگے نہ بڑھیں؟ اگر ایسا ہو جائے تو اس کی کچھ امیدیں پوری ہو سکتی ہیں۔ آئندہ وہ اپنے لئے کوئی تدبیر سوچ لے گا۔ لیکن فاتح رعایت کرنی نہیں جانتا اسکے مقابلے میں اس کی کثیر فوجیں اپنی جان بچانے کے لئے ہر طرف ماری ماری پھر رہی ہیں۔

سن ہجری کا اجراء:

اسی سال ماہ ربیع الاول 16ھ میں حضرت عمرؓ نے سن ہجری کی تاریخ مقرر کی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کون سے دن سے ہم اپنی تاریخ لکھنے کا آغاز کریں۔ حضرت علیؓ اور دوسروں نے رائے دی کہ اس دن سے جب رسول اللہؐ نے ہجرت فرمائی تھی اور شرک کی زمین کو چھوڑا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا۔

اس سال حضرت ماریہ قبطیہ جو آنحضرت کی زوجہ محترمہ تھیں نے وفات پائی۔ ان کے بطن سے مدینہ میں آنحضرت کا اکلوتا بیٹا ابراہیم پیدا ہوا۔ جو ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا تھا حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کا مزار بقیع میں ہے اور تاریخ وفات محرم 16ھ ہے۔

سلطنت کسریٰ کا خاتمہ :

جب حضرت سعدؓ نے مدائن میں قیام کیا تو اس کے بعد انہوں نے اہل عجم کے تعاقب میں فوجی دستے روانہ کئے یہ لوگ تعاقب کرتے ہوئے نہروان تک پہنچ گئے۔ پھر وہ سب واپس آگئے۔ مشرکین حلوان کی طرف چلے گئے تھے حضرت سعدؓ نے خمس نکالنے کے بعد مال غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اس وقت کوئی مسلمان سواری کے بغیر نہیں تھا اس لئے ہر سوار کو بارہ ہزار کی رقم ملی۔ مدائن میں مسلمانوں کو بہت سے سواری کے جانور ملے۔

مدائن میں قیام :

ایک روایت ہے کہ جب حضرت سعدؓ مدائن مقیم ہوئے اور وہاں کے گھروں کو لوگوں میں تقسیم کیا۔ تو انہوں نے اہل و عیال کو بلوا لیا اور انہیں گھروں میں ٹھہرایا۔ وہ مدائن میں اس وقت تک رہے جب تک کہ مسلمان جلولاو۔ تکریت اور موصل جنگوں سے فارغ نہیں ہوئے۔ پھر وہ کوفہ کی طرف منتقل ہو گئے۔

اہل قادسیہ کی فضیلت :

جب (فرش بہار) لوگوں میں تقسیم کیا گیا تو مسلمانوں نے اہل قادسیہ کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی اُس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا عرب کے ممتاز اور مایہ نازوہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے خطروں کا مقابلہ کیا۔ وہ جنگ قادسیہ کے بہادر انسان ہیں"

عراق کا انتظام :

حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو اپنے مفتوحہ علاقے کے لئے نماز پڑھانے اور جنگ کرنے کا اختیار دیا اور عمرو بن مقرن کے دونوں فرزندوں نعمان اور سوید کو عراق کا خراج وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ سوید دریائے فرات سے سیراب شدہ اراضی کے نگران تھے۔ اور نعمان بن عمرو بن مقرن دریائے دجلہ سے سیراب شدہ اراضی کے نگران تھے انہوں نے پل بنائے جب ان دونوں نے استعفیٰ دیا تو ان کے کاموں پر حذیفہ بن سعید اور جابر بن عمرو مزنی کو مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف کو (ان کے عہدوں پر) مقرر کیا گیا۔

جنگ جلولاء 16ھ :

حضرت سعدؓ کو یہ خبر ملی۔ کہ مہران نے جلولاء میں اپنا لشکر جمع کر رکھا ہے اور وہاں خندق بھی کھودی ہے۔ نیز اہل موصل نے تکریت میں لشکر جمع کر لیا ہے۔

جنگی ہدایات :

ایک روایت ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اس بارے میں تحریر کیا تو انہوں نے جواب میں یہ

لکھا۔

"ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ جلولاء بھیجو۔اس کے ہراول دستے پر قعقاع بن عمرو کو بھیجو اس کے میمنہ پر سعد بن مالک ہو اور میسرہ پر عمرو بن مالک بن عتبہ ہو اور اس کے پچھلے حصہ پر عمرو بن مرہ جھنی مقرر کیا جائے۔

جنگ کی وجہ :

جنگ جلولاء کی اصل وجہ یہ ہے کہ اہل عجم مدائن سے بھاگ کر جلولاء پہنچے' یہاں سے اہل آزربائیجان' باب'اہل حیال اور فارس کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔لہذا انہوں نے متفق ہو کر یہ کہا۔

"اگر تم یہاں سے جدا ہو گئے تو پھر کبھی نہیں اکٹھے ہو سکو گے کیونکہ یہ مقام ہمیں ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔اس لئے ہم سب کو مل کر عربوں کے خلاف جنگ کرنی چاہئے۔اگر جنگ ہمارے حق میں رہی تو یہ ہماری انتہائی آرزو ہے۔اگر دوسری صورت ہوئی تو ہم اپنا فرض ادا کر سکیں گے۔اور دنیا کے سامنے اپنی معذرت پیش کر سکیں گے"

یہ فیصلہ کر کے انہوں نے خندق کھودی اور وہاں مہران رازی کے زیر قیادت اکٹھے ہو گئے۔بادشاہ یزدگرد حلوان کی طرف چلا گیا۔اور وہاں رہنے لگا مگر وہاں آدمی چھوڑ گیا اور ان کی امداد کرتا رہا۔وہ خندقوں میں رہنے لگے اور اس کے چاروں طرف خاردار لکڑی کی باڑ لگادی گئی تھی۔صرف اپنے راستے انہوں نے چھوڑ رکھے تھے۔

طویل محاصرہ :

حضرت ہاشم بن عتبہ مسلمانوں کو لے کر مدائن سے ماہ صفر 16ھ میں بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے ان میں جلیل القدر مہاجرین وانصار اور عرب کے مشہور سردار شامل تھے وہ مدائن سے چل کر جلولاء پہنچے تو دشمن کا محاصرہ کر لیا اور خندقوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اہل فارس نے محاصرہ کو طویل دیا وہ صرف ضرورت کے وقت باہر نکلتے تھے۔

اسی حملے :

جلولاء میں مسلمانوں نے اسی دفعہ حملے کیے اور ہر موقع پر اللہ مسلمانوں کو دشمن کے خلاف فتح ونصرت عطا فرماتا تھا۔وہ مشرکین کی لکڑی کی خاردار باڑ پر بھی غالب آگئے تھے اور انہوں نے لوہے کی باڑیں لگالی تھیں۔

ترغیب جہاد :

جب حضرت ہاشم جلولاء میں مہران کے مقابلے کے لئے آئے تو انہوں نے ان کی خندق کا محاصرہ کر لیا۔ دشمن مسلمانوں کا نہایت خوف ووحشت سے مقابلہ کرتا تھا۔حضرت سعدؓ مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ فرماتے تھے"یہ وہ منزل ہے جس کے بعد ایک اور منزل آئے گی۔حضرت سعدؓ انہیں سواروں کو بھیج کر ان کی مدد فرما

رہے تھے آخر کار وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے اور جنگ کے لئے نکلے۔ حضرت ہاشم نے کھڑے ہو کر یہ فرمایا "تم اللہ کے لئے بہادری کے ساتھ جنگ کرو تمہیں ثواب بھی ملے گا اور مال غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ تم اللہ کے لئے کام کرو۔

دوبارہ حملہ :

جب مسلمان دوبارہ حملہ کرنے کے لئے آئے تو اہل فارس نے مسلمانوں کے قریبی حصہ کے اردگرد لوہے کی باڑیں لگادیں۔ تاکہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر پیش قدمی نہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنی آمدورفت کے لئے ایک راستہ چھوڑ رکھا تھا۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے اور بہت سخت جنگ کرنے لگے۔ مگر یہ جنگ زیادہ اہم ہوگئی اور وہ ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ لیلتہ الہریر کے سوا کسی جنگ میں اس طرح نہیں لڑے تھے۔

خندق پر حملہ :

حضرت قعقاع نے اس راستے سے حملہ کیا کہ ان کی خندق کے دروازے کی طرف پہنچ گئے وہ وہاں پھنس گئے تھے انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے"

"اے مسلمانوں تمہارا امیر دشمنوں کی خندق میں داخل ہو گیا ہے اور وہاں پھنس گیا ہے تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ وہاں آنے سے تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ انہیں اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ حضرت ہاشم وہاں ہیں۔ لہذا ان کے حملے کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ تاآنکہ وہ خندق کے دروازہ پر پہنچ گئے وہاں (حضرت قعقاع بن عمرو تھے۔)

ایک لاکھ آدمیوں کا قتل :

مشرکین اب دائیں بائیں بھاگنے لگے تو وہ باڑوں میں پھنس کر ہلاک ہونے لگے۔ جو انہوں نے مسلمانوں کے لئے تیار کر رکھے تھے ان کے گھوڑے زخمی ہونے لگے اور وہ پا پیادہ واپس جانے لگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ تو جو واپس آیا وہ نہیں بچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن ان کے بے شمار آدمی قتل کرادیے۔ اور پورا میدان جنگ نیز اس کے سامنے اور پیچھے کا حصہ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔

سخت معرکہ :

مسلمانوں نے بھی حضرت سعدؓ سے امداد طلب کی۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے۔ دو دو سو سواروں کے ذریعے تین دفعہ امداد بھیجی جب مشرکوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو امداد پہنچ رہی ہے تو انہوں نے جلدی سے مسلمانوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی اس دن مسلمانوں کے سواروں کے سردار طلیحہ تھے۔ جو قبیلہ عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل عجم کے سواروں کا سردار خرزاد تھا۔ یہ لڑائی بہت سخت تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ایسی

گھمسان کی جنگ کی کہ کسی مقام پر نہیں لڑی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے تیر ختم ہو گئے اور نیزے ٹوٹ گئے اور انہیں تلواریں کلہاڑے استعمال کرنے پڑے یہ حالت دن کے شروع ہونے سے لیکر ظہر تک برقرار رہی۔

حضرت قعقاع کا کارنامہ :

یہ کہہ کر انہوں نے حملہ کیا تو دشمن کی صفوں میں رخنہ پیدا ہو گیا اور انہیں خندق کے دروازے کی طرف جانے سے کسی نے نہیں روکا اتنے میں رات نے اپنا پردہ ڈال دیا اور وہ دائیں بائیں ہو گئے۔ مسلمانوں کی امداد کے لئے طلیحہ قیس بن مکشوم عمرو بن معدیکرب اور حجر بن معدیکرب آئے وہ اس وقت پہنچے جب مسلمان رات ہونے کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

جلولاء کی فتح ماہ ذوالقعدہ 16ھ :

جلولاء کی فتح ماہ ذولقعدہ میں ہوئی مدائن کی فتح اور جلولاء کی فتح کے درمیان نو مہینے کا فرق ہے۔

بادشاہ کا فرار :

حضرت ہاشم نے حضرت قعقاع بن عمرو کو اہل عجم کے تعاقب کا حکم دیا وہ ان کی تلاش میں خانقین تک پہنچ گئے۔ جب یزدگرد کو شکست کی خبر موصول ہوئی تو وہ حلوان سے نکل کر پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

حلوان میں قیام :

حضرت قعقاع حلوان میں آئے ان کے ساتھ مختلف قبائل کا لشکر تھا وہ وہاں خیمہ زن ہوئے۔ تا کہ سواد' عراق اور پہاڑ کے درمیان مساوی فاصلے پر رہیں۔ وہ وہیں مقیم رہے تا آں کہ مسلمان مدائن سے کوفہ کی طرف منتقل ہوئے جب حضرت سعدؓ مدائن سے کوفہ آئے تو حضرت قعقاع بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ سرحد کا حاکم قباذ کو مقرر کیا گیا۔ جس کا خاندان خراسان کا تھا۔

تعاقب کی ممانعت :

مسلمانوں نے جلولاء کی فتح کا حال حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ حضرت قعقاع حلوان میں خیمہ زن ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے اہل عجم کا تعاقب کرنے کی اجازت مانگی۔ مگر انہوں نے یہ بات منظور نہیں کی اور فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ سواد' عراق اور (ایران کے) پہاڑ کے درمیان دیوار حائل ہوتی تا کہ نہ ایرانی ہماری طرف آتے اور نہ ہم ان کے علاقوں میں جاتے ہمارے لئے سواد عراق کا دیہاتی علاقہ کافی ہے۔ میں مال غنیمت حاصل کرنے پر مسلمانوں کی سلامتی کو ترجیح دیتا ہوں"

مال غنیمت کی تقسیم :

جب جلولاء کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا تو ہر سوار کو نو ہزار کی رقم ملی۔

جلد تقسیم :

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ مسجد میں آئے مال غنیمت پر سے چادریں اٹھائی گئیں تو آپ نے یاقوت زمرد اور جواہرات دیکھے۔ انہیں دیکھ کر آپ رونے لگے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے پوچھا "اے امیر المومنین آپ کیوں روتے ہیں؟ خدا کی قسم یہ تو شکر کا مقام ہے۔

کثرت مال کے نقصانات :

حضرت عمرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم مجھے اس بات پر رونا آیا ہے کہ اللہ جس قوم کو یہ (مال) عطا کرتا ہے۔ تو ان میں باہمی بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے اور جب ان میں بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے تو ان میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کو قادسیہ کے خمس کے بارے میں دقت پیش آئی یہاں تک کہ آپ نے اس مال غنیمت کو اس کے باشندوں میں تقسیم کر دیا اسی طرح آپ نے جنگ جلولاء کا خمس بھی قادسیہ کے خمس کی طرح مسلمانوں کے مشورہ اور اتفاق رائے سے تقسیم کیا۔ آپ نے بعض اہل مدینہ کو بھی عطیات دیئے۔

کسریٰ کی اراضی :

کسریٰ کے خاندان کی اور ان کی اراضی جو ان کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ مال غنیمت میں شامل ہو گئی۔ چنانچہ (عجم) سے لے کر جبل عرب تک اراضی کی فروخت ممنوع ہو گئی اور جنہیں مال غنیمت نہیں حاصل ہوا ان کے درمیان اس اراضی کی فروخت نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ فاتحین اور مال غنیمت کے حق داروں کے درمیان ان کی بیع و فروخت جائز تھی۔

ناقابل تقسیم :

مسلمانوں نے اس اراضی کو تقسیم نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی تقسیم ممکن نہیں تھی۔ ان میں جنگل دلدل زمین، آتش کدے اور کسریٰ کی زمین مل جل گئیں اور ان لوگوں کی اراضی بھی تھی۔ جو مقتول ہو گئے تھے یا جو ان کے رشتہ دار تھے۔ چنانچہ جب کبھی حکام ان کی تقسیم کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ جمہور مسلمان تقسیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ لہذا ان کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوا تھا وہ کہتے تھے اگر فتنہ فساد کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم تقسیم کر دیتے۔

کسانوں کے فرائض :

کسانوں کا یہ کام تھا کہ وہ راستوں' گلیوں بازاروں اور کھیتوں کی حفاظت کریں اور مسلمانوں کو راستہ بتائیں اور حسب حیثیت اپنے ہاتھ سے جذیہ ادا کریں بڑے زمینداروں کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جذیہ ادا کریں اور تعمیر کا کام برقرار رکھیں۔ ان تمام لوگوں کے لئے یہ ضروری تھا۔ کہ وہ راستہ بتلائیں اور مہاجرین کے مسافروں کی ضیافت کریں۔ فاتحین کی خدمت خاص میراث ہوگئی تھی۔

زمیوں کا صلح نامہ :

"اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ غداری کر کے دشمن سے مل گئے تو ان کی ذمہ داری جاتی رہے گی اور اگر انہوں نے کسی مسلمان کو قید کر لیا تو وہ سزا کے مستحق ہوں گے اور اگر انہوں نے کسی مسلمان سے جنگ کی تو انہیں قتل کیا جائے گا۔ تاہم حضرت عمرؓ (تمام حالات میں) ان کی حفاظت کریں گے۔ تاہم وہ لشکروں کی زیادتی سے بری الزمہ ہیں۔

حلوان کی فتح :

خسرو شنوم بھاگ گیا اور مسلمان حلوان پر غالب آگئے حضرت قعقاع نے وہاں چند قبیلوں کو بسایا اور ان پر قباز کو حاکم بنایا خود حضرت قعقاع بھی سرحد پر رہے اور وہاں کے باشندوں کو جذیہ دینے کی دعوت دیتے رہے تا آنکہ وہ لوگ واپس آگئے اور انہوں نے جذیہ دینا قبول کیا جب حضرت سعدؓ مدائن سے کوفہ کی طرف منتقل ہوئے۔ تو حضرت قعقاع بھی وہاں چلے گئے اور سرحد پر قباز کو جانشین بنایا۔ جو دراصل خراسانی تھا۔

ایرانی فتوحات میں توسیع :

حضرت عمرؓ کی سیاست یہ تھی کہ فتوحات کے قدم عراق و شام کی حدود میں رک جائیں ان سے آگے نہ بڑھیں اور اس طرح عرب ایک ایسی وحدت میں منسلک ہو جائیں جو جزیرہ نما عرب کے جنوب سے صحرائے ساوہ کے شمال تک پھیلی ہوئی ہو۔ چنانچہ فتح مدائن کے بعد جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان سے پہاڑوں کے اس طرف ایرانیوں کا تعاقب کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا۔ کاش! سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے کہ نہ وہ ہماری طرف آسکیں اور نہ ہم ان کی طرف جا سکیں ہمارے لئے سواد کی شاداب زمینیں کافی ہیں میں مسلمانوں کی سلامتی کو مال غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں! حضرت عمرؓ اپنی اس سیاست میں بالکل پر خلوص تھے اور در حقیقت یہ اسلامی سیاست میں ایک نیا قدم تھا۔

بحرین کے گورنر علاء بن حضرمی نے فارس پر حملہ کرنے کے لئے جہازوں کے ذریعے خلیج فارس عبور کی۔ وہ اپنے لشکر سمیت خشکی پر اترے اور راستے میں جو ایرانی فوجیں ملیں انہیں شکست دیتے ہوئے فارس کے عظیم الشان دار السلطنت اصطخر کی طرف بڑھتے چلے گئے لیکن غلطی یہ ہوئی کہ عقب کی حفاظت کرنی بھول گئے جس سے

فائدہ اٹھا کر ایرانیوں نے ساحل کی واپسی کا رستہ کاٹ دیا۔ علاء جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ سمندر کے سفر کو پسند نہیں فرماتے اس لئے انہوں نے امیر المومنینؓ سے اجازت لئے بغیر ہی یہ حملہ کر دیا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب حضرتؓ سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن فتح کیا تو علا کو رشک ہوا اور انہوں نے سوچا کہ اصطخر فتح کر کے فخر و امتیاز میں حضرت سعدؓ کے ہم دوش ہو جائیں لیکن جب انہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی اور گھر گئے تو مدد کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے بصرہ اور کوفہ کی فوجوں کو حکم دیا کہ علاء اور ان کے ساتھیوں کو اس مصیبت سے نکالیں اور علاء کو اس غلطی کی پاداش میں بحرین کی ولایت سے معزول کر کے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ماتحت کر دیا جو ان کے لئے سب سے بڑی سزا تھی۔

ان اسباب نے ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے پر جرات دلائی' انہوں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔

جسے پہلے وہ منظور کر چکے تھے اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اگر مسلمان خاموش ہو جاتے تو اندیشہ تھا کہ ان کی بغاوت زور پکڑ لیتی۔ پھر ایرانی مزاحمت کی سوچتے اور سرحد پار کر کے عراق عرب کے وقار کو صدمہ پہنچا دیتے۔ اس لئے حضرت ابو موسیٰؓ نے اپنی فوجیں جمع کر کے اہواز کی طرف روانہ کیں اور منازوار نہر تیری کو فتح کرنے کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔

مورخ طبری نے منازو اور نہر تیری کی فتح اور مسلمانوں سے ہرمزان کے تعلقات کے بیان میں دراز نفسیٰ سے کام لیا ہے ان کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہرمزان قادسیہ سے بھاگ کر اہواز پہنچا اور وہاں کے باشندوں کو ملیسان اور دست ملیسان پر حملہ کرنے کے لئے ابھارنے لگا۔ جو عراق کے قریب واقع تھے حملے کے لئے دو رستے تجویز کئے گئے ایک منازوں کا رستہ اور دوسرا نہر تیری کا رستہ۔

عتبہ بن غزوان نے ہرمزان کے خلاف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے کمک طلب کی۔ حضرت سعدؓ نے سلمی بن قیس اور حرملہ بن ربط کو بھیج دیا۔ یہ دونوں ملیسان اور دست ملیسان کی سرحدوں پر آکر اترے اور غالب وکلیب سے مدد چاہی جو عربی النسل قبیلے تھے اور اہواز میں آباد ہو گئے تھے ان دونوں قبیلوں نے اپنے قومی بھائیوں کی دعوت پر لبیک کہی اور ایرانیوں سے قیامت آسا مقابلے کے بعد منازو اور ہر تیری پر قبضہ کر لیا اس کے بعد دجیل پہنچے اور اسے طے کر کے سوق اہواز کی طرف بڑھے۔ ہرمزان کو ایرانیوں کی اس ابتداء کا حال معلوم ہوا تو مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی جسے مسلمانوں نے اس شرط پر قبول کر لیا۔ کہ خورستان کا جو علاقہ اسلامی فوجوں نے فتح کر لیا ہے وہ ایرانیوں کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد ہرمزان اور غالب وکلب میں سرحدوں پر جھگڑا ہو گیا۔ ہرمزان نے نہ صرف یہ کہ سلمی اور حرملہ کے حکم سے انحراف کیا بلکہ کردوں سے مدد طلب کر کے بے شمار فوج جمع کر لی اور مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا اسے توڑ دیا۔ ان واقعات کی اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیجی گئی۔ حضرت عمرؓ نے حرقوص بن زہیر السعدی کو جو صحابی رسول تھے ایک فوج دے کر ہرمزان کے مقابلے پر روانہ کیا حرقوص نے ہرمزان کو اہواز سے نکال باہر کیا اور

ہرمزان بھاگ کر رامہرمز میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔اس کے بعد حرقوص نے جزبن معاویہ کو ہرمزان کے تعاقب کا حکم دیا اور جب ہرمزان نے یہ دیکھا۔کہ مسلمانوں سے مفر کی کوئی صورت نہیں تو دوبارہ صلح کی درخواست کی جو حضرت عمرؓ کے حکم سے منظور کرلی۔امیر المومنینؓ جز اور حرقوص کو لکھا کہ جن مقامات پر تم قابض ہو وہاں کی حکومت تمہارے ہی قبضہ میں رہے چنانچہ جرمذ کو شہر بسانے کی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ جرمذ نے نہریں کھدوائیں اور غیر آباد زمینوں کو آباد کر دیا۔

لیکن مختلف روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی سیاست کے لحاظ سے اسلامی فتوحات کو عراق عرب کی حدود سے آگے بڑھانا نہ چاہئے تھا۔یہی وجہ ہے کہ شکست کھانے کے بعد جب ایرانی صلح کی درخواست کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اسے قبول فرمالیتے تھے۔علاقوں کے متعلق انہوں نے ہر بار یہی حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور صرف خراج پر بس کیا جائے پھر وہ اپنے آدمیوں کے نام بستیاں بسانے 'نہریں کھدوانے' بنجر زمینوں کو قابل زراعت بنانے اور رعایا کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کے فرمان جاری فرماتے رہتے تھے۔اور اگر ایرانی حقیقت کے سامنے سر جھکا دیتے۔اس سیاست پر رضامند ہو جاتے اور مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدوں کا احترام کرتے تو ایران کے اقتدار کی باگ ڈور یزدگرد ہی کے ہاتھوں میں رہتی اور عہد فاروقیؓ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ ان حدود تک ہرگز وسیع نہ ہوتا۔جن حدود تک وہ وسیع ہو گیا۔

یزدگرد کو اپنے اہل وطن کی اس مقاومت کا حال معلوم ہوا تو اپنے ملک کے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کی خواہش اس کے دل میں ابھری اپنی گزشتہ ہزیمتوں اور اعراب کی فتح یابیوں پر رنج والم کا اظہار کر کے اس نے ایرانیوں کو غیرت دلائی۔اور ان کے جوش کو بڑھانا شروع کیا۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ میرد میں تھا لیکن بعض اسے اصطخر یا قم میں بتاتے ہیں۔اس نے اہل فارس کے نام ایک خط لکھا جس میں کینہ و بغض کے جذبات کو ہوا دیتے ہوئے۔ملامت کے انداز میں تحریر کیا"اے اہل فارس!تم نے سوار اور رہواز میں عربوں کا اقتدار تسلیم کیا لیکن وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے اور اب تمہارے گھروں میں گھسے چلے آرہے ہیں۔اٹھو!اے اہل فارس!دشمن پر فتح پاؤ۔ساتھ ہی اہل فارس اور اہل اہواز نے بھی خطوط لکھے اور ایرانی عربوں پر فتح پانے کے لئے متحد و متفق ہو گئے۔

یہ خبریں مرقوس بن زہیر اور دوسرے سپہ سالاران اسلام کو ملیں۔اور انہوں نے بارگاہ خلافت میں ارسال کر دیں۔حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر فوراً اہواز کی طرف بھیجو اور چند مسلمان جانبازوں کے نام بھی تحریر فرما دیئے۔کہ وہ ہرمزان کے مقابلے کے لئے اس لشکر کے ساتھ روانہ کئے جائیں۔ساتھ ہی حضرت ابوموسیٰؓ کو فرمان بھیجا کہ سہیل بن عدی کی امارت میں ایک بڑی فوج رہواز روانہ کرو اور شجاعان اسلام کی ایک جماعت کو نامزد فرمایا۔کہ وہ اس فوج کے ساتھ جائیں۔

بصرہ کی فوج کا ایک وفد بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا جس میں احنف بن قیس بھی تھے حضرت عمرؓ نے وفد سے گفتگو فرمائی۔اس کے بعد احنف بن قیس کی طرف رخ کر کے کہا"مجھے تم پر اعتماد ہے کہ میں نے تمہیں صادق

القول پایا ہے بتاؤ ذمیوں پر زیادتی تو نہیں کی گئی وہ ظلم سے تنگ آکر بھاگے ہیں یا کسی اور وجہ سے ؟" احنف نے جواب دیا" وہ ظلم سے نہیں بھاگے۔ رعایا کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ جیسا آپ چاہتے ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "اچھا! تو اب تم لوگ جاؤ اس کے بعد فاروق اعظمؓ کو یزدگرد کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ وہ ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ تو غداروں کو ایک ایسا سبق دینے کا ارادہ فرمایا جسے وہ زندگی بھر نہ بھول سکیں۔ چنانچہ نعمان بن مقرن اور سہیل بن عدی کو ان کی گوشمالی کے لئے بھیج دیا۔

رامہرمز میں ہرمزان کا مقابلہ کرنے کے لئے نعمان سرزمین اہواز سے گزرتے چلے گئے۔ ہرمزان کو جب ان کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ایک بہت بڑا ایرانی لشکر لے کر اربک کے مقام پر پہنچا اور چھوٹتے ہی مسلمانوں پر شدت کا حملہ کر دیا۔ اسے امید تھی کہ مسلمان اس حملے کی تاب نہ لاسکیں گے۔ فریقین جان توڑ کر لڑتے رہے۔ ہرمزان نے جو مسلمانوں کی قوت دیکھی تو اربک سے ارمہرمز اور وہاں سے تستر چلا گیا۔ اس اطمینان کے تحت کہ تستر کی فصیلوں اور برجیوں میں وہ قلعہ بند ہو سکے گا۔ ادھر نعمان نے رامہرمز پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیا۔

سہیل بن عدی بصرہ سے ہرمزان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ نعمان نے رامہرمز پر قبضہ کر لیا ہے اور ہرمزان تستر بھاگ گیا ہے تو سوق راہواز سے اپنا رخ اس مستحکم شہر کی طرف کر لیا اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ نعمان بن مقرن پہلے ہی سے دشمن کے مورچوں کے سامنے اپنی فوج لئے موجود ہیں۔ سلمیٰ، حرملہ، حرقوس اور جز نکلے اور سب کے سب فصیلوں کے قریب جا پہنچے، مسلمانوں کی ان تمام فوجوں نے اس مستحکم شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہرمزان اور اس کی فوجیں جو فارس و اہواز کے باشندوں پر مشتمل تھیں۔ خندقیں کھود کر مورچہ بندی کر چکی تھیں وہ دشمن کے سامنے کھڑی تھیں کہ انہیں اپنے قلعوں کی مضبوطی پر ایمان تھا اور وہ جانتی تھیں۔ کہ ہمارے مورچوں میں کوئی نہیں گھس سکتا جو کوئی آگے بڑھے گا اسے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔

ہرمزان اپنے اندازے میں غلط نہ تھا۔ مسلمانوں نے شہر کی فصیلوں پر چڑھائی کرنی چاہی لیکن انہیں پسپا کر دیا گیا ایرانیوں نے بھی کئی بار حملے کئے جن میں کبھی تو انہیں الٹے پاؤں واپس ہونا پڑا اور کبھی انہوں نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ لڑائی یوں ہی طول کھینچتی رہی جس میں کبھی ایک فریق کو غلبہ ہو جاتا کبھی دوسرے فریق کو بالا آخر جب اندرون شہر ہرمزان کے پاس غیر معمولی لشکر جمع ہو گیا۔ جو کسریٰ کی نفیر کے جواب میں ملک کے مختلف گوشوں سے آیا تھا۔ تو مسلمانوں نے دشمن کی قوت کا پوری طرح اندازہ کر لیا اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ کمک طلب کر کے اپنی قوت بڑھائیں اور شہر پر حملہ کر دیں چنانچہ ابو سعیدہ نے جو کہ کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کے سالار تھے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ جس میں تستر کے استحکام اور قلعہ بند ایرانی فوجوں کا حال بیان کر کے بارگاہ خلافت سے مدد طلب کی۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حکم بھیجا کہ بصرہ کی تمام فوج لے کر ابو سعیدہ کی مدد کو جائیں اور ان کی ماتحتی میں دشمن سے لڑیں حضرت ابو موسیٰؓ اپنا لشکر لے کے روانہ ہوئے جسے ایسے ایسے نامور بہادروں کی اعانت حاصل تھی۔ جو اکثر معرکوں میں ہتھیلی پر سر رکھ کے لڑے اور فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔

محاصرہ جاری رہا اور جنگ شدت اختیار کر گئی۔ ایرانی شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے اور فریقین کی بڑی تعداد کھیت رہ جانے کے بعد اپنے مورچوں میں واپس آجاتے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ پوری تفصیل بارگاہ خلافت میں لکھ بھیجی اور امیر المومنین نے حضرت عمار بن یاسر کو جو کوفہ کے حاکم تھے حکم دیا کہ عبداللہؓ بن مسعود کو اپنا قائم مقام بنا کر ابو سعیدہ کی مدد کے لئے روانہ ہو جائیں۔

حضرت عمار اور ان کی فوجوں کے پہنچ جانے کے بعد مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اب فصیل کا گھیر اڈالے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ محاصرہ کئی مہینوں سے جاری تھا اس لئے اب شہر پر حملہ کر ہی دینا چاہئے۔ ہر مزان نے قلعوں کی بلندی سے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کرتے دیکھا تو اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر سے نکل کر ایک دم دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ اسے کامل یقین تھا کہ فتح اس کے نصیب میں آئے گی اور وہ مسلمانوں کو الٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔ چنانچہ وہ خود بھی مقابلے کے لئے نکلا۔ جنگ شہر کے دروازوں پر ہو رہی تھی۔ کہ براء بن مالک کی نظر ہر مزان پر پڑی۔ وہ پہچان گئے اور اسے قتل کرنے کے لئے اس کی طرف دوڑے براء نے اپنے آپ کو فریب نہیں دیا تھا وہ ایک آزمودہ کار سورما اور نامور شہسوار تھے مسلمانوں نے ارتداد کی جنگوں اور عراق و شام کی معرکہ آرائیوں مین ان کے شجاعت آفریں کارنامے دیکھے تھے اور گواہ تھے کہ وہ کہیں مغلوب نہیں ہوئے۔ تستر کے میدان میں انہوں نے سو سواروں کو ہلاک کیا تھا جو ان کی شجاعت و جوانمردی کو زیر کرنے نکلے تھے۔ لیکن ہر مزان بھی طاقت اور بہادری میں ان سے کسی طرح کم نہ تھا۔ چنانچہ اس نے دشمن کا وار خالی دیا اور ایک ہی ضرب میں براء کو موت کی نیند سلا دیا۔ براء کا انتقام لینے کے لئے مجزاۃ بن ثور نکلے لیکن انہیں بھی براہ سے زیادہ کچھ نہ ملا اور وہ بھی مسلمانوں کے بہترین سورما کی طرح شہادت پا گئے۔

مسلمان جانتے تھے کہ تستر خودستان کا دار السلطنت اور اس کے تمام شہروں سے زیادہ مضبوط ہے اگر اس پر قبضہ ہو گیا تو ایرانیوں کی شان خاک میں مل جائے گی اور ان کی ہمتیں جواب دے جائیں گی۔ اس لئے اپنے دو قابل فخر بھائیوں کی شہادت بھی ان کے حوصلے پست نہ کر سکی۔ بلکہ جنگ کی محبت' پیش قدمی کے شوق' مصیبتوں سے کھیلنے کی تڑپ اور حصول فتح کے لئے موت پر جھپٹنے کی تمنا نے ان کے جذبات شہادت طلبی کو اور تیز کر دیا۔ جب شام ہو گئی اور سورج ڈوبنے لگا تو ایرانیوں پر تکان کے آثار طاری ہو گئے اور ان کے لئے شہر واپس ہو کر اس کے قلعوں اور فصیلوں میں جا کر بیٹھ رہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔ دوسرے دن صبح کوئی جنگ کے لئے باہر نہ نکلا جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا مسلمان زندگی سے زیادہ موت پر جان دیتے ہیں اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک ان کا ایک متنفس بھی زندہ ہے وہ تستر سے نہیں جائیں گے۔

سارہ شہر فوجوں سے پٹا پڑا تھا اور لڑائی طول کھینچ چکی تھی۔ ایک دن ایک ایرانی شہر والوں سے آنکھ بچا کر شہر سے نکلا اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے امان چاہی۔ انہوں نے اس شرط پر امان دے دی کہ وہ شہر میں داخل ہونے کا کوئی ایسا راستہ بتائے جس سے شہر فتح ہو سکے۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر اللہ مسلمانوں کو دشمن پر فتح یاب کر دے گا تو وہ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کریں گے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے اشرس بن عوف شیبانی

کو اس کے ساتھ کر دیا۔ وہ انہیں ساتھ لے کر نہر وجیل میں اتر گیا اور ایک سرنگ کے رستے شہر میں نکلا جو آب در کے پہلو سے گزرتی تھی۔ اور اشرس کو نوکروں کا لباس پہنا کر تستر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پھروایا۔ اس کے مخفی استحکامات اور ہرمزان کو دیکھایا اور اس کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بھیج دیا۔ اشرس نے اس ایرانی کے سچے ہونے کی تصدیق کی۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے چالیس آدمی اشرس کے ساتھ کیے اور دو سو آدمی ان کی کمک پر بھیجے۔ یہ لوگ رات کے آخری حصے میں روانہ ہوئے شہر میں داخل ہو کر پہرہ داروں کو قتل کر دیا اور فصیلوں پر چڑھ کے نعرہ تکبیر بلند کیا ان کی آوازیں سن کر ہرمزان پر دہشت سی طاری ہوگئی۔ وہ اپنے قلعہ میں بھاگ گیا اور ہمراہیوں سے کہنے لگا وہ عربوں کو ہمارے بھید بتانے والا ہو نہ ہو کوئی ہمارا ساتھی ہے جس کی رائے میں عربوں کی قسمت عروج پر ہے اور ہمارا ستارہ ڈوب چکا ہے۔ اپنے سردار کو بھاگتے اور عربوں کو شہر کے دروازے کھول کر اندر گھستے دیکھ کر ایرانیوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ اتنے بدحواس ہوئے کہ حملہ آوروں کے خوف سے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر کے دجیل میں پھینکنے لگے کیا انہوں نے یہ نہیں سنا تھا کہ شہر ناقابل تسخیر ہے اور ان کا سپہ سالار اپنی شوکت و قوت کے لحاظ سے ہر جنگ آزما پر فوقیت رکھتا تھا اب وہی امیر بھاگ رہا ہے وہ شہر اپنے دروازے کھول رہا ہے اور عرب اس پر بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد ننگ وذلت اور غلامی وانکساری کی زندگی میں کون سی بھلائی ہے اور جب ایسے ہی موقع پر موت کو زندگی سے زیادہ محبوب نہ سمجھا جائے گا۔ تو کب سمجھا جائے گا۔

ہرمزان اپنے قلعے میں جا کر بیٹھ گیا۔ جو مسلمان پانی کے رستے شہر میں داخل ہوئے تھے انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہرمزان نے جھانک کر دیکھا اور کہنے لگا۔ میرے ترکش میں سو تیر ہیں خدا! جب تک میرے پاس ایک بھی تیر باقی رہے گا۔ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے اور میرا کوئی تیر خطا نہیں کرتا۔ پھر میرے گرفتار کرنے میں کیا لطف رہے گا اگر تم میں سے سو مقتول یا مجروح ہو گئے؟ اس نے یہ بات ان سے کہہ تو دی مگر یہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر وہ مقابلہ کرتے ہوئے پکڑا گیا تو یقیناً مار دیا جائے گا۔ اور اب صلح کے سوا بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں۔ مسلمانوں نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو" بولا میں اس شرط پر اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ پر دے سکتا ہوں۔ کہ تم مجھے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا دو۔ وہ میرے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ مسلمانوں نے اس کی شرط قبول کر لی۔ ہرمزان نے کمان پھینک کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ وہ اس کی مشکیں کس کر حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس لے گئے اور پورا واقعہ انہیں سنا دیا۔ ہرمزان کو انسؓ بن مالک اور احنفؓ بن قیس کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔

ہرمزان کا اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دینا ہی تستر کی شکست کا اعلان تھا۔ چنانچہ باقی ماندہ اہل شہر نے مقاومت سے ہاتھ روک لیا اور سپر انداز ہو گئے مسلمانوں نے شہر کا انتظام سنبھال کر اس کے سارے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور خمس امیر المومنین کے لئے نکال کر باقی آپس میں بانٹ لیا اس دن سوار کے حصے میں تین ہزار اور پیادے کے حصے میں ایک ہزار درہم آئے۔

تستر خوزستان کا دارالسلطنت تھا جسے ایران کا مستحکم ترین شہر اور قوی ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر یزدگرد

نے ہرمزان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خوزستان اور فارس کے جنوبی علاقوں کا اقتدار اس کے حوالے کر دے گا۔ چنانچہ یہی سب سے قوی محرک تھا جس نے ہرمزان کی مقاومت میں بے جگری پیدا کی اور وہ مہینوں مسلمانوں کے سامنے ڈٹا رہا اس کے باوجود تستر کے ایک شخص کے دل نے اسے کیسے گمراہ کیا کہ اس نے عربوں کو شہر میں داخل ہونے کا رستہ بتایا اور اپنے تمام اسرار ان پر منکشف کر دیے؟ بلکہ روایات تو یہ کہتی ہیں کہ امرائے عجم کی ایک جماعت اپنے آدمیوں سمیت تستر کا محاصرہ کرنے والے مسلمانوں سے مل گئی اور لڑائی میں اپنے ابنائے وطن کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دے کر معنوی ضعف وانتشار کے گہرے غار میں گر پڑی پھر اس مضبوط و مستحکم شہر کی مدافعت میں اتنی مصیبتیں جھیل چکنے کے بعد ہرمزان آخر کار اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر کیوں رضامند ہوا اور اس نے خلیفۃ المسلمینؓ کو اپنی زندگی اور موت کا اختیار کیوں دے دیا؟

آپ نے امرائے عجم کی پراگندگی اور سازشیں دیکھی ہیں ایرانی فوجوں اور سپہ سالاروں بلکہ خود یزدگرد کو مدائن اور حلوان سے بھاگتے دیکھا ہے پھر جب کسی قوم کی معنوی زندگی کا یہ حال ہو تو کیا تعجب ہے اگر اس کے افراد جو یہ بھول چکے ہیں کہ وہ اسی قوم کے فرزند ہیں اور اس کے ان پر بڑے احسانات ہیں اس سے غداری کریں اور کیا تعجب ہے اگر قومی رشتوں کے انتشار واضمحلال کے بعد اس کا ہر فرزند زندگی اور عزت بزرگی اور اقتدار جو کچھ تلاش کرے' صرف اپنے لئے ہی تلاش کرے۔

تستر' اہواز کے کنارے شمال میں اس سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر نہر کاروں کے کنارے آباد ہے اور سوس تستر کے مغرب میں چند میل کی مسافت پر واقع ہے۔ تستر کے محاصرے کے دوران میں مسلمانوں اور اہل سوس کے درمیان اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں اس لئے لازمی امر تھا کہ مسلمان تستر سے فارغ ہو کر سوس کا ہی رخ کرتے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سوس کی لڑائی نے طول کھینچا اور مسلمانوں کو اچھی خاصی دقت اٹھانی پڑی۔ یہاں تک کہ شہر میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا اور اہل سوس کے لئے صلح کے سوا موت سے بچنے کا اور کوئی رستہ نہ رہا۔ انہوں نے رئیس شہر سے درخواست کی کہ مسلمانوں سے صلح کی بات چیت کرے۔ رئیس شہر نے حضرت ابو موسیٰؓ سے اس شرط پر صلح چاہی کہ اس کے سو رشتہ داروں کی جان بخش دی جائے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ رئیس شہر نے سو آدمیوں کے نام گنوا دیے۔ لیکن اپنا نام بھول گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ رئیس شہر بوکھلا گیا اور کہا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں بہت سامان دوں گا لیکن حضرت ابو موسیٰؓ نے انکار کر دیا اور اس کی گردن سر سے الگ کر دی۔

فتح سوس کی روایات کے سلسلے میں علامہ طبری نے لکھا ہے کہ یزدگرد کے حکم سے سیاہ اسواری مسلمانوں سے لڑنے اصفہان سے نکلا مگر جب اس نے دیکھا کہ صوبہ اہواز کے بعد مسلمانوں نے تستر پر بھی قبضہ کر لیا ہے تو ان کے سرداروں کو جمع کر کے جو اس کے ساتھ آئے تھے مسلمانوں کے کارنامے بیان کیے اور کہا "جو لشکر ان کے مقابلے پر آتا ہے وہ اسے شکست دے دیتے ہیں اور جس قلعے پر وہ حملہ کرتے ہیں اسے فتح کر لیتے ہیں اب اپنے بارے میں تم سوچ لو" سب نے اس سے اتفاق کیا اور حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس پیغام بھیجا "ہمیں تمہارے دین سے دلچسپی

ہے اور ہم اس شرط پر اسلام قبول کر سکتے ہیں کہ تمہارے ساتھ ایرانیوں سے لڑیں گے عربوں سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی عرب ہم سے لڑے گا تو تم ہماری حفاظت کرو گے ہم پر کوئی روک ٹوک نہ ہو گی۔ جیسے ہمارا جی چاہے گا رہیں گے تم ہمیں امتیازی عطیے دو گے اور اس کی ضمانت ہم اس امیر سے لیں گے جو تم سب کا افسر ہے حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا نہیں ہمارے حقوق و فرائض برابر برابر ہوں گے لیکن وہ اس پر رضامند نہ ہوئے حضرت ابو موسیٰؓ نے پورا واقعہ بارگاہ خلافت میں لکھ بھیجا جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا "وہ جو کچھ مانگتے ہیں انہیں دے دو چنانچہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے ان میں سے سو آدمیوں کے دو دو ہزار اور چھ آدمیوں کے جوان کے سردار تھے۔ ڈھائی ڈھائی ہزار وظیفے مقرر کر دیے۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا۔ سوس میں دانیال نبی کی قبر ہے۔ ان کی لاش عریاں ہے اور لوگ اس سے مرادیں مانگتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو کفنا کر دفن کر دیا جائے۔ حضرت دانیال کا مزار آج بھی اس شہر میں عظمت و جلال کا مرکز بنا ہوا ہے انیسویں صدی عیسوی میں اس کے گرد ایک عمارت بنوا دی گئی ہے۔ جہاں لوگ زیارت و برکت کے لئے حاضری دیتے ہیں۔

سوس سے فارغ ہو کر مسلمان جندی شاپور کی طرف بڑھے۔ جو سوس کے شمال مشرق میں اس کے قریب ہی واقع ہے کئی دن محاصرہ ایک دن شہر کے دروازے خود بخود کھل گئے اہل شہر اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو چکی ہے مسلمانوں نے اس خوف سے کہ یوں اس میں کوئی چال نہ ہو۔ لوگوں کو دریافت حال کے لئے بھیجا شہریوں نے کہا تم نے جزیے کی شرط پر جو امان بھیجی تھی وہ ہم نے قبول کر لی۔ سب کو حیرت تھی کہ یہ کیا ہوا۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ ایک غلام نے اہل شہر کو امان کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو واقع کی اطلاع دی گئی اور انہوں نے صلح کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس امان نامے کا احترام کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو وقتاً فوقتاً ان فتوحات کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اور جب کوئی خبر آپ کو ملتی' آپ مسلمانوں کی توفیق اور راست قدمی پر اللہ کے حضور سجدہ شکر بجا لائے ان کا جذبہ تشکر اور بھی بڑھ جاتا' جب انہیں مفتوحہ شہروں کی اہمیت معلوم ہوتی اور مسلمانوں کے ایلچی ان شہروں کی خوبیاں بیان کرتے۔ چنانچہ رہواز (ایرانیوں کی زبان میں ہرمز شیر) ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو مدائن کی طرح سات پرگنوں کو شامل تھا۔ ہر پرگنا آباد اور تجارتی گہما گہمیوں کا مرکز تھا ایران کے مختلف گوشوں میں اس شہر کی عظمت و شان کے چرچے تھے تستر خوزستان کا دارالسطنت تھا جسے اس زمانے میں غیر معمولی شہرت حاصل تھی یہ ایران کے میدانی علاقے کے جنوب مغرب میں ایک ناقابل تسخیر قلعے کی حیثیت رکھتا تھا سوس جس کا پرانا نام شوسان ہے اور جو مدت دراز تک میڈیا کا دارالسلطنت رہا اپنے حسن و رونق کے اعتبار سے ہر شخص کے دل کی دھڑکن بنا ہوا تھا۔ اور خوزستان وہ وسیع و عریض صوبہ جو عراق عرب اور عراق عجم کے درمیان پھیلا ہوا تھا اکاسرہ کے تاج کا ایک گراں بہا موتی تھا۔ اللہ نے ان شہروں میں ہر جگہ مسلمانوں کو عزت و نصرت سے نوازا تو کیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رکھیں اور اسلامی فوجوں کو مشرقی

ایران کے آخری سروں تک پہنچ جانے کا حکم دے دیں۔یا فتوحات کا دامن مفتوحہ علاقوں سے آگے پھیلنے نہ دیں اور ایرانیوں کو ان کے علاقے میں پریشان نہ کریں ان کے دلوں میں انتقام کی آگ نہ بھڑکائیں کہ وہ اسلامی فوجوں کی مقاومت پر ڈٹ جائیں۔ جس کے نتائج اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوں گے ؟

ادھر حضرت عمرؓ اس مسئلے پر غور فرما رہے تھے اللہ سے اپنے آئندہ اقدام کے لئے ہدایات طلب کر رہے تھے اور ادھر حضرت انسؓ بن مالک اور احنیف بن قیس اپنے آدمیوں کے ہمراہ مال غنیمت کا خمس اور ہرمزان کو ساتھ لے کر تستر سے امیر المومنین کی خدمت میں روانہ ہو رہے تھے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر ہرمزان نے دیبازر کی پوشاک زیب بدن کی موتیوں اور جواہر سے مرصع تاج' سر پر رکھا اور خالص سونے کا عصائے شاہی جس میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں لیا کہ حضرت عمرؓ اور اسلامی دارالخلافہ کے باشندے وہ ٹھاٹ دیکھیں جو امرائے عجم کا شعار ہے مدینہ میں داخل ہو کہ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے مکان کا رخ کیا لیکن معلوم ہوا کہ امیر المومنینؓ کوفہ کے وفد سے بات چیت کرنے مسجد میں تشریف لے گئے ہیں ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر تلاش شروع کی۔ لیکن حضرت عمرؓ نظر نہ آئے۔ مدینہ کے چند لڑکوں کی نگاہ ان پر پڑی وہ ان کا مقصد سمجھ گئے اور انہیں بتایا کہ امیر المومنینؓ مسجد کی دائیں طرف اپنے چغے پر سر رکھے سو رہے ہیں حضرت عمرؓ کوفہ کے وفد سے ملاقات کرنے کے لئے چغہ پہن کر تشریف لائے تھے جب وفد رخصت ہو گیا تو آپ نے چغہ اتار کر اسے تکیہ بنایا اور اس پر سر رکھ کر سو گئے احنفؓ انسؓ اور ہرمزان واپس ہوئے۔ پیچھے پیچھے مدینہ کے لڑکے اور وہ تماشائی تھے جن کی آنکھوں میں اس عجمی رئیس کے شاہانہ لباس نے چکا چوند پیدا کر دی تھی۔ یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں مسجد میں حضرت عمرؓ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ خاموشی سے بیٹھ گئے کہ امیر المومنین کے آرام میں خلل نہ پڑے ہرمزان لوگوں کے بار بار آنے جانے سے بھی ان کا مقصد نہ سمجھ سکا کہ ان کی باتیں اس کے لئے ناقابل فہم تھیں جب اس نے یہ دیکھا کہ مسلمان اطمینان سے مسجد میں بیٹھ گئے ہیں اور وہاں اس سونے والے شخص کے سوا اور کوئی نہیں تو یہ خیال کیا۔ کہ یہ لوگ شاید نماز پڑھنے کے بعد اپنے بادشاہ سے ملیں گے۔

لوگ ان کی سادہ زندگی کی کتنی ہی باتیں کریں۔ لیکن یہ سادگی اس وسیع ملک کو مختلف محکموں سے بے نیاز نہیں کر سکتی جو اس کا انتظام چلائیں ہیں! امیر المومنین کے لئے ایوان اور دربان ہونے ہی چاہئیں جن کے ذریعے سے وہ اپنے وقت اور کام کی تنظیم کر سکیں۔ ہرمزان نے دیکھا کہ احنف بن قیس ہر باتیں کرنے والے کو خاموش کر رہے ہیں کہ خلیفہ المسلمین کی نیند پریشان نہ ہو۔ پاس بیٹھے ہوؤں میں جو لوگ اس کی زبان سمجھتے تھے۔ ہرمزان نے ان سے پوچھا عمرؓ کہاں ہیں۔ سونے والے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ وہ رہے" یہ بات رئیس عجم کے سان گمان میں نہ تھی۔ اس نے شدت حیرت سے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیا۔ اور اس کے بعد پوچھا ان کے دربان اور پہرے دار کہاں ہیں۔ جواب ملا "ان کا نہ کوئی پہردار اور نہ کوئی دربان ہے نہ کوئی کاتب اور ایوان" ہرمزان کو یہ سن کر اور بھی تعجب ہوا اس نے اپنے دل سے کہا "اس شخص کو پیغمبر ہونا چاہئے اور اگر یہ پیغمبر نہیں ہے تو اس کا عمل ضرور پیغمبروں کا سا ہے"

سرگوشیوں نے حضرت عمرؓ کو بیدار کر دیا اور آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اپنے پہلو میں رئیس عجم کو بیٹھے دیکھ کر جس کے لباس اور عصائے شاہی کے جواہر آنکھوں کو خیرہ کئے دیتے تھے آپ نے پوچھا "یہ ہرمزان ہے؟" لوگوں نے عرض کی "ہاں فاروق اعظمؓ نے اسے اور اس کے طمطراق کو غور سے دیکھتے ہوئے فرمایا میں آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں ہزار ہزار شکر ہے اس خدا کا۔ جس نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اسلام کے مقابلے میں ذلیل و خوار کیا۔ مسلمانو! اس دین کو مضبوطی سے پکڑلو اور اپنے رسولؐ کی ہدایت پر چلو۔ دنیاداروں کی دلفریبیوں میں نہ آؤ۔ دنیا بڑی دھوکے باز ہے" تستر سے آئے ہوئے وفد نے عرض کی "یہ شاہ اہواز ہیں ان سے گفتگو فرمایئے" حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں! جب تک اس کے جسم پر اس لباس میں سے ایک تار بھی باقی ہے میں اس سے گفتگو نہیں کروں گا اور امیر المومنین اس شخص سے بات کر بھی کیسے سکتے تھے جس نے مسلمانوں کے بے مثال بہادروں کو شہید کیا تھا اور اب وہ بارگاہ خلافت میں شاہی لباس پہنے بیٹھا تھا وہ تو اس کی بے عزتی اور قتل کا حکم دینے والے تھے۔

لوگوں نے ستر پوش کے سوا ہرمزان کی ساری پوشاک اتار دی اور موٹا چھوٹا لباس پہنا دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب اسے اس حال میں دیکھا تو فرمایا "کیوں اے ہرمزان تو نے سرکشی کا وبال اور حکم الٰہی کا نتیجہ دیکھا ہرمزان نے جواب دیا اے عمرؓ جاہلیت کے زمانے میں جب خدا نے ہمیں اور تمہیں ٹکرایا تھا تو ہم تم پر غالب آئے تھے اس لئے کہ خدا نہ ہماری طرف تھا نہ تمہاری طرف۔ لیکن جب وہ تمہارے ساتھ ہوا تو تم ہم پر غالب آگئے" حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جاہلیت میں ہم پر اپنے اتحاد اور ہماری پراگندگی کی وجہ سے غالب آئے تھے۔ لیکن اب اپنی پے در پے شکستوں کے لئے تمہارے پاس کون سا عذر اور کون سی دلیل ہے ہرمزان نے دیکھا کہ یہ سوال کرتے وقت حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے غیظ و غضب کی چنگاریاں نکل رہی ہیں اس نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ یہ بتانے سے پہلے ہی آپ مجھے قتل کر دیں گے" حضرت عمرؓ نے فرمایا اس سے نہ ڈرو" ہرمزان نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ ایک بے ہنگم سے پیالے میں پانی لایا گیا۔ ہرمزان نے کہا "اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں تو بھی ایسے پیالے میں پانی نہیں پی سکتا" چنانچہ دوسرے گلاس میں پانی لایا گیا جسے اس نے قبول کر لیا لیکن جب گلاس لیا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور وہ بولا مجھے خوف ہے کہ میں پانی پیتے ہی قتل نہ کر دیا جاؤں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "جب تک تم پانی نہ پی لو تمہیں کوئی خطرہ نہیں" ہرمزان نے یہ سن کر سارا پانی انڈیل دیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا۔ اس کے لئے دوبارہ پانی لاؤ اسے بہ یک وقت قتل اور پیاس کی مصیبت میں مبتلا نہ کرو" ہرمزان نے کہا مجھے پانی کی ضرورت نہیں میں تو اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں میں گفتگو شروع ہوئی جس میں حضرت عمرؓ کی طرف سے شدت اور سختی دیکھ کر احنف بن قیس اور انس بن مالک کو دخل دینا پڑا۔ علامہ طبری اور ابن کثیر نے یہ گفتگو اس طرح نقل کی ہے۔

حضرت عمرؓ: میں تمہیں قتل کروں گا۔

ہرمزان: لیکن آپ مجھے امان دے چکے ہیں۔

حضرت عمرؓ: تو جھوٹ بولتا ہے۔

انس بن مالک : یہ سچ کہتا ہے امیر المومنینؓ آپ اسے امان دے چکے ہیں۔
حضرت عمرؓ افسوس اے انس! میں مجزاۃ اور براء کے قاتل کو امان دے سکتا ہوں خدا کی قسم یا تو مجھے یہ بتاؤ کہ یہ مفہوم تم نے میرے کن الفاظ سے اخذ کیا۔ ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔
انس بن مالک : آپ نے اس سے فرمایا تھا جب تک تم میری بات کا جواب دے رہے ہو تمہیں خوف نہیں کرنا چاہئے اس کے بعد آپ نے اس سے فرمایا تھا۔ جب تک تم پانی نہ پی لو اندیشے کی کوئی بات نہیں۔

احنف بن قیس اور دوسرے حاضرین نے بھی انسؓ کے قول کی تائید کی اور کہا کہ امیر المومنین ہرمزان کو امان دے چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان پر ایک غضب ناک نگاہ ڈالی اور فرمایا "تو نے مجھ سے فریب کیا۔ خدا کی قسم میں صرف ایک مسلمان کی خاطر دھوکا کھا رہا ہوں" اس کے بعد ہرمزان نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ اور اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی۔

حضرت عمرؓ نے اس وفد کی طرف رخ کیا۔ جو تستر سے آیا تھا اور کہا شاید مسلمان ذمیوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ عہد شکنی کرتے ہیں وفد نے عرض کیا "ہمارے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے مسلمانوں کے حسن سلوک اور وفائے عہد پر حرف آتا ہو" حضرت عمرؓ نے فرمایا "پھر وہ عہد شکنی کیوں کرتے ہیں! ارکان وفد نے بہت چاہا کہ مسلمانوں کی خوش سلوکی کے باوجود ذمیوں کی عہد شکنی کا سبب ظاہر کریں لیکن حضرت عمرؓ کو ان میں سے کسی کی بات میں قابل اطمینان پہلو نظر نہ آیا۔ اس وقت احنف بن قیسؓ نے کہا امیر المومنینؓ اس کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ آپ نے ہمیں ملک میں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے اور حکم دے رکھا ہے کہ جو علاقے ہمارے قبضے میں ہیں ہم انہیں میں محدود رہیں لیکن ایران کا بادشاہ زندہ ہے اور ان کی پشت پر موجود ہے جب تک وہ رہے گا ایرانی ہم سے لڑتے رہیں گے کیونکہ ایک جگہ دو بادشاہ کبھی اتفاق سے نہیں رہ سکتے تاوقتیکہ ان میں سے ایک دوسرے کو نکال باہر نہ کرے اور یہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ ہم نے یکے بعد دیگرے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے وہ انہیں کے طغیان و سرکشی کی بنا پر کیا ہے۔ دراصل یہ ایرانیوں کا بادشاہ ہی ہے جو انہیں ابھار ابھار کر ہمارے مقابلے میں بھیجتا ہے اور ان کی یہ حرکتیں جاری رہیں گی۔ تا آنکہ آپ ہمیں آگے بڑھنے کا حکم نہ دیں۔ جس وقت ہم ان کے ملک میں گھس کر شاہ ایران کو اس کی مملکت سے نکال دیں گے۔ ایرانیوں کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی اور ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے صبر و سکون کے ساتھ احنف کی توجیہات سنیں۔ پھر بڑی دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا خدا تم نے سچ کہا اور شرح و تفسیر کا حق ادا کر دیا" ہرمزان کو جب احنفؓ کی تقریر کا مطلب معلوم ہوا تو اس نے بھی تائید کی۔ جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو اس پر اور بھی اعتماد و اطمینان ہو گیا اس کے بعد خبریں پہنچیں کہ اہل نہاوند مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اب امیر المومنینؓ کے لئے اس تقریر کی صداقت میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور وہ تردد و کشمکش کی حالت سے نکل گئے انہوں نے سمجھ لیا کہ فتوحات کو

عراق کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دینا ناممکن ہو گیا ہے اور واقعات انہیں طوعاً و کرہاً ان کی سیاست سے ہٹا کر ایرانی فتوحات میں توسیع کی طرف لے جا رہے ہیں۔ تا آنکہ یزدگرد کو سرزمین ایران ہی سے نکال دیا جائے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو ارض ایران میں بڑھنے اور ایرانیوں سے لڑنے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہونے کا حکم دے دیا۔

معرکہ نہاوند 16ھ :

حضرت عمرؓ نے احنفؒ بن قیس کی تقریر سنی اور ان سے فرمایا "تم نے سچ کہا اور شرح و تفسیر کا حق ادا کر دیا" اور اس کے بعد جب نہاوند کی خبریں پہنچیں تو ذہن فاروقیؓ میں شک تردد کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

بالکل فطری تھا کہ یہ خبریں حضرت عمرؓ کے دل سے شک و تذبذب کی کیفیت دور کر دیں۔ اس لئے کہ جب ہرمزان اور اس کے لشکر کی شکست کی اطلاعات مختلف صوبوں میں پہنچیں تو امرائے عجم پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اگر باہمی بے اعتمادی اور پراگندگی کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو ہرمزان کا سا حشر ان کا بھی ہوگا انہوں نے ایک دوسرے کو خط لکھے اور ایلچی بھیجے کہ ان حملہ آوروں کے خلاف ہمیں متحد ہو جانا چاہئے۔ جو آج سے چند سال پہلے تک ایران کی قوت و سطوت سے لیس تھے اور ان میں سے کسی کی جرات نہ تھی کہ اس کی ہیبت کے سامنے آنکھ اٹھا سکتا۔ لیکن آج وہ ایرانیوں کے گھروں میں گھس کر لڑ رہے ہیں۔ ان کا اقتدار ایران کے وسیع صوبوں میں پھیلتا جا رہا ہے اور ان کی پیش قدمیاں اس طرح ہیں گویا روئے زمین پر کوئی نہیں ہے جو ان کی طاقت کے سامنے ٹھہر سکے۔

سب سے پہلے جو قدم ان امراء نے متفقہ طور پر اٹھایا وہ یہ تھا کہ اس تحریک کی قیادت کے لئے یزدگرد کو خط لکھا تاکہ عوام ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ملک کے مختلف گوشوں میں عوام اس کی اطاعت کا دم بھرتے تھے اور ایران کا کوئی چھوٹا بڑا اس کے حکم سے سرتابی نہ کرتا تھا مدائن سے فرار ہونے کے بعد یزدگرد ایران کے مختلف دارالسلطنتوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حوادث نے اسے حلوان سے رے پہنچایا۔ وہاں سے وہ اصفہان بھاگا۔ اصفہان سے اصطخر اور اصطخر سے مرو۔ اس دوران میں مسلمانوں کی خبریں اس کی پریشانیوں کو اور بڑھاتی رہیں۔ لیکن جب امرائے عجم کا خط اسے ملا اور اس خط میں اس نے دشمن کے خلاف ان کا جذبہ غیرت و اتحاد دیکھا تو اس میں جوانی کی ایک لہر اٹھی۔ جس نے اس کی مایوسی کو امید اور بے چینی کو اطمینان سے بدل دیا۔ اس نے تمام اہل ایران کو ایک پیغام دیا۔ جس میں ان کی غیرت و حمیت کو اکسایا اور باب' خراسان' حلوان' سجستان' طبرستان' جرجان' ماوند' رےؔ' اصفہان' ہمدان غرض اپنی سلطنت کے تمام صوبوں اور شہروں میں ایک فرمان جاری کیا جس میں اہل ایران کی شجاعت کو ابھار کر انہیں بتایا کہ عربوں کا حملہ ایک چڑھتی ہوئی آندھی ہے جو بہت جلد اتر جائے گی۔ عارضی بادل جو آنا فانا پھٹ جائیں گے۔ لیکن اس آندھی کا اترنا اور ان بادلوں کا پھٹنا ایرانیوں کے شانہ بشانہ چلنے اور دشمن کے مقابلے میں آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جانے پر موقوف ہے۔ اگر وہ ثابت قدم رہے تو اس کو اپنے ملک سے نکال دیں گے اور وہ ناکام و دل شکستہ ان کے کارناموں کو دہراتا ہوا الٹے پاؤں واپس ہو جائے گا۔

معرکہ نہاوند کے حالات وواقعات:

خوزستان اور ہرمزان کی خبریں تمام ایران میں پھیل گئیں جن سے ہر چھوٹا بڑا سہم گیا اور جب کسریٰ کا فرمان پہنچا تو سب کے سب لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف دوڑے چنانچہ تمام امیروں نے اپنے اپنے لشکر نہاوند کی طرف بھیج دیے۔ یہاں تک کہ ڈیڑھ دو لاکھ کا جم غفیر فیروزان کے جھنڈے تلے آ گیا۔ جب یہ تمام فوجیں جمع ہو گئیں اور ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے لشکروں کے سالار فیروزان کے پاس پہنچے تو اس نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ محمدؐ نے جو عربوں کے پاس نیا دین لے کر آئے۔ ہمارے ملک سے تعرض نہیں کیا ان کے بعد ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے بھی ہمارے ملک سے غرض نہیں رکھی۔ سواد سے متصل صرف انہیں بستیوں اور شہروں پر چڑھائی کی۔ جن میں عرب آباد تھے۔ لیکن جب سے ملک کی باگ دوڑ عمرؓ بن خطاب کے ہاتھ آئی ہے۔ وہ ہماری بے حرمتی کر رہا ہے۔ ہمارا ملک ہم سے چھین رہا ہے یہی نہیں وہ ہمارے گھروں میں گھس کر ہم پر حملہ کر رہا ہے۔ حکومت کا صدر مقام اس نے لے لیا ہے اور سواد و اہواز کے اکثر علاقوں پر اس کا قبضہ ہو گیا ہے پس اگر تم اس کی طرف نہ بڑھے تو وہ تمہاری طرف آئے گا اور یہ خطرہ اس وقت تک دور ہونے والا نہیں جب تک تم اس کی فوج کے ایک ایک سپاہی کو اپنے ملک سے نہ نکال دو۔ ان دو شہروں بصرہ اور کوفہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دو! اور اس کے بعد اسے اپنے فرار اور اپنے ملک کے بچاؤ کی فکر میں نہ الجھا دو"

سالاران لشکر نے یہ بات فوج کے سامنے دہرائی تو ان کے جذبہ شجاعت میں آگ سی لگ گئی۔ وہ اس دن کا انتظار کرنے لگے جب انہیں دشمن کے سامنے صف آرائیوں کا موقع ملے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک نے قسم کھائی کہ جب تک کسریٰ اور اس کی فوجوں کو فتح نصیب نہ ہو گی وہ اپنے وطن میں نہیں جائے گا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کو پیہم یہ خبریں ملیں تو انہیں احنف بن قیس کی صداقت رائے کا یقین ہو گیا۔ اور اس امر میں کوئی شک باقی نہ رہا کہ جب تک ایرانیوں پر کاری ضرب نہ لگائی جائے گی وہ اس طرح برسرپیکار رہیں گے اور اگر کہیں تقدیر ان پر مہربان ہو گی تو ان کے گھوڑے عراق و عرب کو دوبارہ پامال کر دیں گے اس وقت یہ عربی حکومت جس کے قیام کی طرف سے وہ مطمئن ہو گئے ہیں اضطراب و انتشار ہی نہیں زوال و ہلاکت کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔

اس امر میں حضرت عمرؓ کو کوئی شبہ نہ تھا کہ ایرانی مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر ان پر دھاوا نہ بولا گیا تو ان کی قوت و جرات میں اضافہ ہو جائے گا۔ جو عین ممکن ہے کہ خورستان اور عراق عرب کے اسلامی مقبوضات کے لئے خطرہ بن جائے۔ پھر تو واقعی معاملہ سنگین ہے اور ایرانیوں سے مقابلہ کرنے کی تیاری ایک مقدس فرض!

حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کا ارادہ کیا جو ایسے معاملات میں ان کا معمول تھا چنانچہ شورہ کے بعد اعلان کرا دیا کہ وہ مدینہ میں قیام فرمائیں گے اور ایرانیوں کے مقابلے کے لئے پیہم لشکر بھیجتے رہیں گے اس کے بعد فرمایا "اب مجھے یہ بتاؤ کہ اس جنگ کا سپہ سالار کس کو بنایا جائے حاضرین نے کہا۔ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے آپ کی رائے سب سے افضل اور فوج پر آپ کی نظر سب سے گہری ہے آپ کے پاس عراق کے شہریوں اور فوجیوں کا وفد آیا تھا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے اور آپ ان کے متعلق جانتے ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "بخدا!

میں یہ خدمت جس شخص کے سپرد کروں گا اس کا سینہ سب سے پہلے نیزوں کے لئے سپر بنے گا۔ اور وہ شخص نعمان بن مقرن ہے" لوگوں نے کہا بالکل صحیح انتخاب ہے"

بلاشبہ نعمان ہی اس کے مستحق بھی تھے مسلمان انہیں ایک ایسے بے جگرے شہسوار کی حیثیت سے جانتے تھے جو پس و پیش اور فرار کے نام سے نا آشنائے محض تھا وہ جنگ میں بڑے استقلال و تحمل سے کام لیتے تھے۔ اچھی طرح موقع و محل نہ دیکھ لیتے جلد بازی کو مصلحت جنگ کے خلاف سمجھتے تھے جس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ منکرین زکوۃ سے جہاد فرمانے تشریف لے گئے ہیں اور ذوالقصہ کے مقام پر انہیں شکست دی ہے یہ اسلامی فوج کے میمنے پر تھے اس طرح جس دن سے حضرت خالدؓ عراق کی مہم پر تشریف لے گئے یہ ان کے پہلو بہ پہلو عراق کی تمام معرکہ آرائیوں میں داد شجاعت دیتے رہے اور حضرت خالدؓ کی طرف فتح و نصرت ان کے رکاب میں بھی چلتی رہی۔ اس کے بعد جب حضرت سعد بن ابی وقاص عراق فوج کے سپہ سالار مقرر کئے گئے تو نعمان ان کے ساتھ بھی اسلامی لشکر کے ہر اول میں رہے۔ قادسیہ اور عراق عرب کی فتح میں انہوں نے امتیازی کارنامے سرانجام دیئے اور خوزستان کے معرکوں میں اپنی جان بازی و سرفروشی کی دھاک بٹھا دی۔ کہا جاتا ہے یہ کسکر کے عامل تھے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شکایتی خط لکھا کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ان سے خراج جمع کرنے کی خدمت لینی چاہتے ہیں لیکن انہیں جہاد پسند ہے۔

امیر المومنینؓ نے حضرت سعدؓ کو تحریر فرمایا "نعمان نے مجھے لکھا ہے کہ تم ان کو جمع خراج پر مامور کرنا چاہتے ہو لیکن وہ اسے پسند نہیں کرتے اور جہاد کو محبوب رکھتے ہیں انہیں کسی اہم خدمت پر بھیجو اجب حضرت عمرؓ نے نعمان کو ان ایرانی فوجوں کے مقابلے پر بھیجنے کا فیصلہ فرما لیا۔ جو فیروزان کی قیادت میں جمع ہوئی تھیں تو انہیں لکھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ کے بندے:

امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے نعمان بن مقرن کے نام! تم پر سلامتی ہو۔ میں اس معبود کا سپاس گزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایرانیوں کی ایک بڑی فوج تم سے لڑنے نہاوند میں جمع ہوئی ہے جب میرا یہ خط تمہیں ملے اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے' ان مسلمانوں کو لے کر جو تمہارے پاس ہیں روانہ ہو جاؤ۔ انہیں پتھریلے اور دشوار گزار رستوں سے نہ لے جاؤ۔ نہ ان کو کسی جائز حق سے محروم کرو۔ جس کے زیر اثر وہ اسلام سے بدظن ہو جائیں اور نہ انہیں نشیبی جنگلوں سے لے کر گزرنا مجھے ایک مسلمان کی جان ایک لاکھ دینار سے زیادہ پیاری ہے پس اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ اور واہ میں جا کر پڑاؤ ڈالو۔ میں نے اہل کوفہ کو لکھا ہے کہ وہ ایک لشکر تمہارے پاس بھیجیں۔ جب یہ لشکر تم سے آ ملے تو ساری فوج کو لے کر فیروزان اور اس کی ایرانی فوجوں سے لڑنے نکلو۔

والسلام

دوسرا خط حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عتبان کو لکھا جو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بعد کوفہ کے والی بنائے گئے تھے۔ کوفہ سے اتنی اتنی فوج نعمان بن مقرن کی مدد کو بھیجو میں نے نعمان کو لکھا ہے کہ اہواز سے ماہ کی طرف

پیش قدمی کریں۔

کوفہ کی فوج کو چاہئے کہ ماہ میں نعمان سے جا ملے اور نعمان اس فوج کو لے کر نہاوند روانہ ہو جائیں۔ کوفہ کی فوج پر میں حذیفہ بن یمان کو سالار مقرر کرتا ہوں۔ کل فوج کے سالار اعلیٰ نعمان ہوں گے میں نے نعمان کو یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آئے تو کل فوج کے سالار حذیفہ ہوں گے اور اگر حذیفہ کو کوئی گزند پہنچے تو امیر لشکر نعیم بن مقرن ہوں گے۔

اسی دن حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا "بصرہ والوں کو لے کر ماہ پہنچو۔ سپہ سالار اعلیٰ نعمان بن مقرن ہوں گے" اور سلمی بن قیس حرملہ بن ریطہ اور سالاران فوج کو جو فارس اور اہواز کے درمیان تھے حکم دیا "ایرانیوں کی توجہ اپنے بھائیوں کی طرف سے ہٹائے رکھو۔ اور اس طرح اپنی قوم اور اپنی زمین کی حفاظت کرو۔ جب تک میرا حکم نہ پہنچے۔ فارس واہواز کی درمیانی حدود میں رہو" اس حکم سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ اہل نہاوند کو فارس کی امدادی فوجوں سے محروم کر دیا جائے اور فیروزان کی قوت میں مزید اضافہ نہ ہونے پائے۔

یہ تمام پیش بندیاں اس خطرے کے مقابلے کے لئے تھیں۔ جس کی خبریں متواتر حضرت عمرؓ کو پہنچ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے گرد ایک ایسی فضا تیار کی کہ مسلمان بغیر کسی تساہل اور پس و پیش کے ایرانیوں کے مقابلے پر ڈٹ جائیں۔ فوجیں ماہ کی طرف روانہ ہوئیں اور نعمان بن مقرن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئیں۔ ان میں ایسے ایسے جانباز شہ سوار تھے۔ جو موت سے کھیلنا ہی اپنی زندگی سمجھتے تھے اس جنگ میں قادسیہ اور مدائن جیسے معرکوں میں شریک ہونے والے مجاہدین بھی اپنی تاریخ پر فخر میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنے کے لئے آئے تھے اور جو سر فروش قادسیہ کی لڑائی میں داد شجاعت نہ دے سکے تھے وہ بھی اس خیال سے نبرد آزمائی کے لئے نکل آئے تھے۔ نہاوند کا فخر کسی اور کے حصے میں نہ آئے۔ اس معرکہ میں جانبازی و سرفروشی میں کوئی اوران پر بازی نہ لے جائے۔

اسلامی لشکر طلوان پہنچا۔ نعمان نے ایرانیوں کی سرگرمیوں کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ اپنے جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق احتیاطی تدابیر عمل میں لائے انہوں نے طلیحہ بن خویلد اسدی' عمرو بن معدی کرب زبیدی اور عمرو بن ابی سلمی مزنی کو اس خدمت پر مامور کیا۔ یہ تینوں سارے دن گرم سفر رہے۔ جب رات ہوئی تو عمرو بن ابیسلمی واپس آئے اور مسلمانوں کو بتایا۔ کہ دشمن کا کہیں پتا نہیں ہے طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب رات بھر چلتے رہے۔ اس کے بعد عمرو بن معدی کرب بھی واپس آ گئے۔ لوگوں نے پوچھا "پلٹ کیوں آئے ہو۔ بولے "ہم ایک دن اور ایک رات چلتے رہے۔ لیکن ہمیں کچھ نظر نہ آیا۔ مجھے ڈر ہوا کہیں ہم کو رستے ہی میں نہ پکڑ لیا جائے۔ طلیحہ نے اپنے ساتھیوں کی کوئی پروانہ کی اور سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ نہاوند پہنچ گئے وہاں ایرانیوں کی خبریں حاصل کیں اور واپس آکر نعمان کو بتایا کہ یہاں سے نہاوند تک کوئی خطرہ نہیں ہے یہ سن کر نعمان نے فوج کو روانگی کا حکم دیا اور چلتے چلتے دشمن کے قلعوں کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے تین بار تکبیر کے نعرے بلند کئے جس سے ایرانی لرز اٹھے اوران کے دل خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔

فیروزان کو معلوم ہوا کہ مسلمان تیس ہزار کی تعداد میں ایرانیوں سے لڑنے آئے ہیں لیکن اس نے اس تعداد کو نا قابل اعتناء سمجھانہ یہ سوچ کر اپنے آپ کو دھوکا دیا کہ مسلمان ان ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں کے مقابلے پر ہیں جو اپنے آخری سانس تک لڑنے کی قسم کھا چکے ہیں اور مضبوط و مستحکم برجیوں میں قلعہ بند ہیں وہ قادسیہ کی لڑائی میں موجود تھا اور ان عربوں کی جرات و شجاعت کی دھاک اس کے دل پر بیٹھ چکی تھی۔ جنہوں نے ہرمزان کو میدان جنگ سے بھگا کر ایرانیوں کو عبرتناک شکست دی تھی۔ چنانچہ اس نے اسلامی لشکر میں کہلوایا کہ اپنا کوئی آدمی بھیجو جس سے ہم بات چیت کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے مغیرہ بن شعبہؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ انہوں نے نہاوند کے اردگرد کا میدان طے کیا اور فصیلوں کو عبور کر کے فیروزان کے پاس پہنچے۔ نہاوند ایک بہت بڑا شہر تھا جو عراق عجم میں حلوان و ہمدان کے درمیان حلوان سے نوے میل جانب مشرق اور ہمدان سے تیس میل جانب غرب واقع تھا اس میں کشادہ سبزہ زار' نہریں اور نظر فریب باغ تھے جو اس کے باشندوں کی راحت و فارغ البالی کے ضامن تھے وسط شہر میں ایک مستحکم قلعہ تھا جس کی مضبوط دیواریں اور بلند فصلیں گویا اس کی محافظ تھیں حضرت مغیرہ بن شعبہ فیروزان کے پاس پہنچے تو وہ ایک طلائی تخت پر تاج پہنے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف پہرے دار تھے گویا شیطان ہیں۔ جن کے نیزوں کی چمک نگاہوں کو اچک لینا چاہتی ہے۔

جب نعمان کو سفارت کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلسل دو دن تک عربوں اور ایرانیوں مین لڑائی ہوتی رہی۔ ایرانی اپنے قلعوں سے موقع دیکھ کر ہی نکلتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے فصیل کے چاروں طرف لوہے کے گھر گھرو بچھادیے تھے اور صرف اتنی جگہ خالی رکھی تھی کہ جس وقت حملے کے لئے نکلنا چاہیں۔ نکل سکیں مسلمانوں کے گھوڑے ان گھر کھروؤں کو پار نہ کر سکتے تھے یہ بات مسلمانوں پر بہت گراں گزری۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ جنگ طول کھینچے گی اور اس کا نتیجہ خراب ہوگا۔ چند اہل الرائے مل کر نعمان کے پاس گئے اور ان سے اپنے اندیشے کا اظہار کیا نعمان خود یہی سوچ رہے تھے ان کی بات سن کر بولے ذرا صبر کرو یہ کہہ کر فوج کے تجربہ کار تیغ آزماؤں کو بلوایا اور جب وہ آگئے تو ان سے کہا "تم دیکھ رہے ہو کہ مشرکین اپنے قلعوں میں پناہ لئے بیٹھے ہیں اور جس وقت چاہتے ہیں اسی وقت نکلتے ہیں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ اس صورت حال سے مسلمان کتنے دل تنگ ہیں۔ پھر بتاؤ کہ اس طوالت سے بچنے اور اس بے چارگی سے نکلنے کی کیا صورت ہے بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ محاصرہ اور تنگ کر دیا جائے۔ جتنی تم پر لڑائی میں طوالت گراں ہے۔ اس سے زیادہ ان پر قلعہ بندی گراں ہوگی عمرو بن سعدی کرب نے کہا ان سے لڑو اور ان پر غالب آؤ۔ انہیں خوف زدہ نہ کرو"۔ لیکن حاضرین نے یک زبان ہو کر اس رائے کو مسترد کر دیا اور کہا "دیواریں ہمارے لئے روک ہیں اور ہمارے مقابلے میں ان کا ساتھ دیں گی آخر میں طلیحہ بن خویلد نے اپنی رائے ظاہر کی "میرے نزدیک بہتر یہ رہے گا کہ آپ ایک مسلح دستہ ان کی طرف بھیجئے جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے اور ان میں لڑائی کا جوش پیدا کرنے کے لئے ان پر تیر برسائے اور جب وہ جوش میں آکر باہر نکلنے کا ارادہ کریں۔ تو ہماری طرف اس طرح پلٹے گویا شکست کھا کر

پیچھے ہٹ رہا ہے چونکہ ہم نے آج تک کسی جنگ میں ایسا نہیں کیا ہے اس لئے جب وہ ہمیں پیچھے ہٹتا دیکھیں گے تو انہیں کوئی شبہ نہ ہو گا اور وہ ہم پر فتح پانے کے لالچ میں باہر نکل آئیں گے۔ اس وقت وہ ہم سے اور ہم ان سے سمجھ لیں گے اور اللہ اپنی مشیت کے مطابق ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا"

اس رائے کو سب نے پسند کیا اور مطمئن ہو گئے نعمان نے قعقاع بن عمرو کو حکم دیا کہ کل صبح اپنی فوج لے کر شہر پر حملہ کریں اور جب ایرانی نمودار ہوں تو اس طرح پیچھے ہٹیں گویا بھاگ رہے ہیں ان کے ارادے سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا فصیل پر دھاوا بول رہے ہیں وہ اتنی ہمت اور بے جگری سے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایرانیوں کو ان کا حملہ روکنے کے لئے سنبھل کے اٹھنا پڑا۔ جو ایرانی آگے بڑھتا تھا مسلمان اس طرف جھپٹتے تھے تا آنکہ ان کا خون جوش میں آگیا۔ اور وہ شہر سے باہر نکل آئے انہوں نے دیکھا مسلمانوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ ان پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے چنانچہ فصیلوں اور گوگھروؤں کو پار کر کے وہ مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ قعقاع تھوڑی دیر تک جم کے لڑتے رہے کہ ان پر چال نہ کھل جائے۔ اس کے بعد اپنی فوج کو لے کر پیچھے ہٹنے لگے۔ ایرانیوں نے جو مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا تو ان کا قصہ پاک کرنے کے لئے تعاقب میں چلے نعمان پہلے ہی اپنے لشکر کو اتنا پیچھے ہٹ جانے کا حکم دے چکے تھے کہ شہر کے قلعوں اور فصیلوں سے پھینکے جانے والے تیر ان تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ اسلامی فوجیں اپنی جگہ سے ہٹ کر 'ٹیلوں کے پیچھے' دشمن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ قعقاع الٹے پاؤں بھاگتے اور ایرانی ان کا پیچھا کرتے رہے۔ لیکن اس خوف سے کہ مسلمان کہیں پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔ بچاؤ کے لئے اپنے آگے لوہے کے گوکھرو بچھاتے تھے قعقاع کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا لشکر پیچھے ہٹ جانے کی بنا پر ان سے دور ہو گیا ہے اس لئے وہ اور تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے اور ایرانیوں نے بھی اسی شدت سے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ انہیں مسلمانوں کی شکست کا یقین ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اب مزید احتیاط کی ضرورت نہیں سمجھی اور لوہے کے گوکھروؤں کو پیچھے چھوڑ کر تیزی سے دوڑے کہ ان بھاگنے والوں کا نام و نشان تک باقی نہ چھوڑیں۔ فیروزان کی سرکردگی میں سارا ایرانی لشکر سرزمین ایران کو ان "کمینے حملے آوروں" سے پاک کرنے کے لئے باہر نکل آیا اور دروازوں کے پہرے داروں کے سوا نہاوند میں اس کا کوئی محافظ باقی نہ رہا۔ جب وہ شہر سے بہت آگے نکل گئے اور شہر کی برجیوں اور فصیلوں کی حفاظت ان کی دسترس میں نہ رہی تو گھبرا گئے انہوں نے دیکھا کہ مسلمان کھڑے ہیں اور قعقاع بھی اب اپنی فوج سمیت اب ان کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ان کا یہ خوف جاتا رہا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ ایک چال ہے جس کے ذریعے قعقاع نے اپنی شکست خوردہ فوج کے عقب کی حفاظت کرنی چاہی ہے تاکہ ایرانی انہیں تلوار کے گھاٹ نہ اتار دیں اور اس طرح مسلمانوں کی قوت کا بالکل ہی خاتمہ نہ ہو جائے۔

قعقاع اپنی فوج سمیت اسلامی لشکر سے جا ملے اور سرفروشان اسلام کے ساتھ یہ انتظار کرنے لگے کہ نعمان حملے کا حکم کب دیتے ہیں؟ اس دن جمعہ تھا اور نعمان نے اپنے لشکر کو تاکید کر دی تھی کہ دن ڈھلنے سے پہلے ایرانیوں پر دھاوا نہ بولیں اس کے بعد وہ انہیں حکم دیں گے۔ لیکن زوال سے کچھ پہلے ہی مسلمان زخمی ہو گئے۔

لوگوں نے نعمان کو حملے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ خاموش رہے۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا۔ مجھے حکم ملنا چاہئے کہ میں کیا کروں" نعمان نے سکون و تحمل کے لہجے میں جواب دیا۔ ذرا صبر کرو ابھی حکم ملتا ہے اور جب تمہیں حکم ملے اسے اچھی طرح انجام دینا۔ مجھے یقین ہے اللہ نہ ہمیں مایوس کرے گا نہ تمہیں جو بات تم جرات و بے صبری سے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ وہ ہم صبر و استقلال سے جب سورج ڈھلنے کو ہوا نعمان اپنے ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک ایک علم کے پاس جا کر مجاہدین کی ہمت بڑھانے اور ان میں جوش پیدا کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا پورا کر دیا ہے صرف تھوڑی سی کسر باقی رہ گئی ہے بتایا کہ ان کی ذلت و بدبختی کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب وہ عزت و سربلندی سے نوازے جا رہے ہیں ان کا دشمن اپنی زمین کے لئے لڑ رہا ہے اور وہ اللہ کے دین کی حفاظت کریں گے نعمان کے ان الفاظ نے مجاہدین اسلام کی صفوں میں ایک آگ سی لگا دی۔

"تم میں سے ہر شخص اپنے گردو پیش چھایا ہوا ہے جب میرا حکم ملے تیار ہو جاؤ! میں تین تکبیریں کہوں گا پہلی تکبیر پر تم اپنی صفیں درست کر لینا۔ دوسری تکبیر پر ہتھیار کس کے حملے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہو جانا! اور تیسری تکبیر پر میں انشاء اللہ حملہ کر دوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑنا یا اللہ اپنے دین کو عزت دے! اپنے بندوں کی مدد کر اور نعمان کو اپنے دین کی سربلندی اور اپنے بندوں کی نصرت کے لئے آج سب سے پہلے شہادت کے مقدس خون سے سرخرو فرما!

نعمان ایک ایک علم کے پاس سے گزرتے اور اس قسم کی باتوں سے سرفروشان اسلام کا دل بڑھاتے رہے۔ مجاہدین میں اچھی طرح جوش پیدا کر چکنے کے بعد وہ اپنی جگہ واپس آئے۔ سارے لشکر کی آنکھیں ان پر لگی تھیں۔ کہ اپنی سفید قبا اور سفید ٹوپی کی وجہ سے وہ الگ پہنچانے جاتے ہیں۔ نعمان نے پہلی دوسری اور پھر تیسری تکبیر کہی۔ مسلمان جنگ کے لئے اتنے بے تاب تھے کہ چاہتے تھے کسی طرح اڑ کے دشمن کے پاس پہنچ جائیں اور اسے فنا کر دیں۔ ان میں ایک مجاہد بھی ایسا نہ تھا۔ جو شہادت یا فتح حاصل کئے بغیر اپنے گھر کو لوٹ جانا چاہتا ہو۔ تکبیریں ختم کرتے ہی نعمان پرچم بدست دشمن کی طرف بڑھے اور ایرانیوں پر اس طرح جھپٹے جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے ان کی تلواریں سروں کا صفایا کرنے لگیں دوسرے مسلمان بھی تیزی سے ان کے گرد جمع ہو گے کیونکہ ان میں ہر ایک قوت و شجاعت میں نعمان تھا ایرانیوں نے جو مسلمانوں کو اس لئے بے جگری سے حملہ کرتے دیکھا وہ بھی ٹوٹ پڑے اب دنوں طرف تلواریں نکل آئیں اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لڑائی نے اس دن اتنی شدت پکڑی کہ اس سے پہلے کسی معرکے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اپنی کثرت اور مسلمانوں کی جانبازی کے سبب ایرانی اتنے قتل ہوئے کہ زمین ان کے خون سے لالہ زار ہو گئی۔ لڑائی زوروں پر تھی اور زمین پر خون اتنی کثرت سے بہہ رہا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے آفتاب مغرب کی طرف مائل ہوا نعمان گھوڑے پر سوار جھنڈا ہاتھ میں لئے دائیں طرف رخ کرتے تو مسلمانوں کی تلواریں ایرانیوں کے سروں کا صفایا کرنا شروع کر دیتیں

اور بائیں طرف پلٹتے تو ایرانیوں کا میمنہ خاک وخون میں لوٹتا نظر آتا۔ نعمان دشمن کے قلب میں تلوار چلا رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر آ رہے اللہ نے اس وقت ان کی وہ دعا قبول فرمائی جس میں انہوں نے راہ حق میں شہادت سے سرفراز ہونے کی تمنا کی تھی اور ایک تیر آ کر ان کی ران میں ترازو ہو گیا ان کے بھائی نعیم نے انہیں دیکھا تو دوڑ کر پہنچے۔ ان کی لاش کو انہیں کپڑوں میں کفنا دیا اور ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر حذیفہ بن یمان کو دے دیا۔ حذیفہؓ نے نعیم کو ان کے بھائی کی جگہ مقرر کیا۔ اور انہیں تاکید کر دی کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس سے مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جانے کا اندیشہ ہے اس کے بعد جھنڈا لے کر چلے اور جہاں نعمان تھے وہاں پہنچ کر اسے بلند کر دیا رات ہو گئی لیکن لڑائی اسی شدت سے جاری تھی۔ مسلمان دشمنوں پر اس طرح حملے کر رہے تھے انکے قلب لشکر کو اس طرح چیر رہے تھے کہ ایرانیوں کی روح کانپ کانپ جاتی تھی جب تاریکی چاروں طرف پھیلی تو ایرانیوں کے حوصلے جواب دے گئے ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن لوہے کے گوکھروؤں نے ان کے قدم روک لئے یہ دیکھ کر مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ بھاگنے والوں نے گوکھروؤں سے بچ کے نکلنا چاہا لیکن پیچھے خندق تھی۔ جسے ایرانیوں کے خوف اور رات کی تاریکی نے ان کی نظروں سے چھپا دیا اور وہ گھوڑوں سمیت اس میں جا پڑے۔ خندق میں گر کے ہلاک ہونے والے ایرانی اتنے تھے کہ بعض مورخین کے اندازے میں ان کا شمار اسی ہزار تک پہنچتا ہے اور یہ ان تیس ہزار ایرانیوں کے علاوہ ہیں۔ جو لڑائی میں کام آئے۔

اپنی جان بچا کر بھاگنے والوں میں فیروزان تھا وہ تنہا اپنے گھوڑے پر سوار ہمدان کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا کہ نعیم بن مقرن نے اسے دیکھ لیا اور قعقاع بن عمرو کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ فیروزان ابھی ہمدان کی سرحد پر پہنچا ہی تھا کہ قعقاع نے اسے جا لیا۔ ہوا یہ کہ شہد سے لدے ہوئے گدھوں اور خچروں کا ایک قافلہ پہاڑ کی گھاٹی سے گذر رہا تھا۔ جس نے بھگوڑے سپہ سالار کا راستہ روک لیا وہ گھوڑے سے اتر گیا اور پہاڑ میں کہیں پناہ لینے کے لئے پیدل چل پڑا قعقاع نے ان کا پیچھا کیا اور پکڑ کر انہیں قتل کر دیا۔

ایرانی فوج کے مفرورین بھاگتے بھاگتے ہمدان جا پہنچے۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا وہ ان کا پیچھا کرتے کرتے ہمدان پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر کے قسم کھالی کہ جب تک شہر کے دروازے نہیں کھلیں گے واپس نہیں جائیں گے۔ حاکم شہر کو جب فیروزان اور اس کے لشکر کا حشر معلوم ہوا تو مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی جو قعقاع نے اس شرط پر قبول کر لی کہ ہمدان مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے گا اس کے سوا مسلمان ان سے اور کچھ طلب نہ کریں گے اور انہیں امان دے دی جائے گی اس معاہدے سے امن حاصل ہو گیا جو بھاگ گئے تھے واپس آ گئے۔ اور ہمدان میں امن وامان قائم ہو گیا۔

قعقاع اپنے ساتھیوں سمیت واپس ہوئے تو دیکھا کہ حذیفہؓ جنگ کے بعد اپنی فوج کو لے کر نہاوند میں داخل ہو چکے ہیں اور ایرانیوں کے مال واسباب اور مویشیوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

مال غنیمت سائب بن اقرع کے حوالے کر دیا گیا۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے اس خدمت پر مامور فرمایا تھا۔ یہ غنیمت مسلمانوں کی توقعات سے کہیں زیادہ تھی۔ جو حذیفہؓ بن یمان نے فاتحین میں تقسیم کر دی۔ پھر وہ سپاہی بھی اس تقسیم میں شریک کیے گئے۔ جو عقب فوج کی حفاظت پر مامور تھے اور ان لوگوں کو بھی اس میں حصہ دیا گیا جو لڑائی میں شامل ہونا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود اس دن سوار کے حصے میں چھ ہزار درہم آئے اور پیدل کے حصے میں دو ہزار۔

سائب بن اقرع خمس اور ان صندوقچوں کو لے کر مدینہ روانہ ہوئے کہ فتح کی خبر کے ساتھ ساتھ یہ بے بہا خزانہ بھی بارگاہ خلافت میں پیش کر دیں۔ ادھر نہاوند میں یہ کچھ ہو رہا تھا اور ادھر مدینے میں حضرت عمرؓ مجاہدین اسلام کے لئے بے چین تھے انہیں ڈر تھا کہ کہیں بری خبر سننے میں نہ آئے اور اس خوف نے ان کی نیند اڑا دی تھی وہ رات رات بھر جاگتے رہتے اور اللہ سے اپنے لشکر کی فتح کے لئے دعائیں مانگتے رہتے معرکے کی رات جب وہ حصول خبر کے لئے نکلنے لگے تو ان کا خوف ایک دم اطمینان سے بدل گیا۔ اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ اللہ نے ان کے لشکر کو فتح یاب کر کے اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے۔

حضرت عمرؓ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جو تفصیلی خبر سننے کے آرزو مند تھے۔ مدینہ کے باہر تشریف لے گئے اور ایران کے رستے پر ہو لئے دور سے ایک سوار نظر پڑا جسے حضرت عثمانؓ بن عفان نے پہچان کر بتایا" یہ سائب بن اقرع ہے" جب وہ سوار قریب آیا اور اس نے ان لوگوں کو سلام کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہو کیا خبر لائے؟ بولا نوید فتح" حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا" نعمان کیسے رہے؟" کہا زمین ایرانیوں کے خون سے لتھڑی ہوئی تھی ان کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا وہ گرے اور شہید ہو گئے یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ کانپ گئے اور لرزتی ہوئی آواز میں فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" انہوں نے بہت چاہا مگر آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکے۔ جب غم کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو سائب سے شہداء کے نام پوچھے سائب نے سربر آوردہ مسلمانوں کے نام گنوانے کے بعد کہا ان کے علاوہ جو مسلمان شہید ہوئے ہیں امیر المومنینؓ انہیں نہیں جانتے حضرت عمرؓ نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا" عمرؓ نہیں جانتا تو کیا ہوا خدا تو انہیں جانتا ہے۔"

سب لوگ واپس ہوئے۔ سائب ان کے ساتھ تھے مدینہ پہنچ کر خمس مسجد میں رکھ دیا گیا حضرت عمرؓ نے چند لوگوں کو جن میں حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف اور حضرت عبداللہ بن ارقم بھی تھے رات کے پہرے پر مقرر فرمایا کہ صبح ہوتے ہی یہ مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

بہر حال نہاوند کی فتح واقعی "فتح الفتوح" تھی کہ اس کے بعد ایرانیوں کے قدم کہیں نہ جم سکے۔ بلکہ مسلمانوں نے ان کے گھروں میں گھس گھس کے انہیں مارا تمام ایرانی صوبوں میں ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا اور پھر ایرانیوں کا اتحاد بھی مسلمانوں کے اس تند و تیز دھارے کو نہ روک سکا جو ان کے ملک میں امڈا چلا آ رہا تھا۔ انجام کار کسریٰ کو اپنے ملک سے بھاگ کر غیروں سے مدد کی بھیک مانگنا پڑی۔ اس نے دوسرے ملک میں سر چھپایا اور اس کے بعد اپنے وطن سے دور اس طرح بے کسی کی موت مر گیا۔ گویا وہ کبھی ایران میں رہا ہی نہ تھا۔ گویا اس ملک میں

کبھی اس کی حکومت ہی نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نہاوند کی کامیابی پر اہل کوفہ سے بھی زیادہ خوش تھے۔ ان کے دل میں غازیان اسلام کی عزت و توقیر اتنی بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جانبازی کا مظاہرہ کرنے والوں کو مزید انعامات عطا کئے۔ چنانچہ ان لوگوں کو قدر افزائی کے طور پر فے کے علاوہ ایک ایک ہزار درہم اور ملے۔ آخر حضرت عمرؓ اتنے خوش کیوں نہ ہوتے۔ انہیں معلوم تھا کہ نہاوند کی ایرانی فوج میں مملکت کے سارے بہادر جمع ہو گئے تھے اور فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سپاہ پر مشتمل تھی۔

آپ دیکھ چکے ہیں کہ جونہی اہل ہمدان کو نہاوند اور فیرزنؔ ان کا حشر معلوم ہوا وہ صلح کے لئے دوڑے۔ بصرہ کی جو فوج نہاوند میں لڑی تھی۔ اس کے سالار حضرت ابو موسیٰ الشعریؓ تھے جب وہ نہاوند سے واپس ہوئے تو دینور سے گزرے پانچ دن محاصرہ جاری رہا۔ آخری دن لڑائی ہوئی۔ سورج ڈوبنے سے پہلے ہی دینور والوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور خراج و جزیہ کے عوض اپنے جان و مال اور اولاد کی امان چاہی جو قبول کر لی گئی۔ حضرت ابو موسیٰ نے دینور ہی کی شرائط صلح پر اہل سہروان سے بھی صلح کر لی۔ ان کے ایک عامل نے صمیرہ والوں سے مصالحت کی اور قرار پایا کہ ان کا خون نہیں بہایا جائے گا ان کے غلام چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کے معاملات سے کوئی غرض نہ رکھی جائے گی اس کے بدلے وہ مسلمانوں کو جزیہ و خراج ادا کریں گے اور اس صلح نامے کو مرجان قذق کے تمام علاقوں پر حاوی سمجھیں گے۔ حذیفہؓ بن یمان نے دینار ایرانی سے شہر "ماہ" کے متعلق صلح کی اور شہر والوں کو یہ معاہدہ لکھ دیا۔ ان کی جان مال اور زمین محفوظ ہے۔ انہیں تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کی جائے گی۔ جب تک وہ ہر سال مسلمانوں کے مقرر کردہ حاکم کو جزیہ ادا کرتے رہیں گے اور جزیہ بقدر استطاعت ہر بالغ شخص اپنی جان اور مال کے دے گا۔ مسلمانوں کے جو لشکر ان کے پاس سے گزریں گے۔ انہیں ایک دن اور ایک رات اپنے پاس ٹھہراتے رہیں گے اور خلوص و وفا کو اپنا شعار بناتے رہیں گے۔ ان کی حفاظت کی جائے گی۔ لیکن اگر انہوں نے دھوکا دیا اور معاہدے سے پھر گئے تو پھر ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہو گی"

نہاوند کی شکست نے ایرانیوں کو اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ ان کا اضطراب بڑھ گیا اور ان کی معنوی قوتوں کے زوال کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لئے ضروری تھا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی فوجیں ایران کے تمام صوبوں میں پھیلا دیں تاکہ پورا ملک بے جان ہو کر اسلامی اقتدار کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور کوئی ایرانی سردار پہلے کی طرح اپنے متعلق کہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ چنانچہ ایران میں فوجیں بھیجنے کا کام حضرت عمرؓ نے خود سنبھال لیا۔ خراسان کا علم احنف بن قیس کو دیا اور اردشیر و شاپور کا علم مجاشع بن مسعود سلمی کو۔ اصطخر کے لئے عثمان بن ابی العاص ثقفی کا انتخاب کیا۔ اور درالجبرو کے لئے ساریہ بن زنیم کنانی کا۔ کرمان کے محاذ پر سہیل بن عدی کو مقرر فرمایا اور سجستان کے محاذ پر عاصم بن عمرو کو۔ مکران کی مہم حکم بن عمرو تغلبی کے سپرد کی اور ان سب سپہ سالاران افواج کو حکم دے دیا۔ کہ اپنے اپنے علاقے میں جانے کے لئے تیار رہیں۔

عراق عرب کی فتح میں جو حیثیت قادسیہ کی جنگ کو حاصل تھی۔ وہی حیثیت فارس کی فتح میں نہاوند کے

معرکے کو حاصل ہو گئی۔ جس طرح قادسیہ کی شکست کے بعد یزدگرد نے مدائن میں مسلمانوں کے مقابلے کی کوشش کی تھی۔ اسی طرح اب نہاوند کی شکست کے بعد اس نے رمی، مرو اور اصطخر میں مسلمانوں کی پیش قدمی روکنا چاہی۔ آزربائیجان خراسان، مکران اور فارسی کے صوبہ داروں نے اس کی مدد کی۔

کسروی اقتدار کا خاتمہ :

نہاوند اور ہمدان عراق عجم میں اتنی اہم جگہ واقع ہیں کہ اگر انہیں ایرانی سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جائے تو بے جانہ ہو گا یہاں کے باشندے نسلی، لسانی اور مذہبی اعتبار سے خالصتاً ایرانی تھے جن کا عراق عرب سے کوئی نسبی تعلق نہ تھا نہ وہ عربی زبان کا ایک لفظ جانتے تھے اس لئے نہاوند میں ایرانیوں کی شکست دراصل سلطنت کسریٰ کی شکست تھی۔

اس طرح ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ عراق عجم ایرانی صوبوں کے قلب میں واقع تھا اس کے شمال میں آزربائیجان، طبرستان اور جیلان تھے اور مشرق میں سمان اور صحرائے ایران، جنوب میں فارس و کرمان تھے اور مغرب و جنوب میں عراق عرب اور خوزستان، پھر عراق عجم میں اصفہان، ہمدان اور رمی جیسے بڑے بڑے شہر تھے جن کی اہمیت و مرکزیت نے ان میں دارالسلطنت کی سی شان پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے عراق عجم پر حملہ کر کے ان بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا تو ان کے لئے پورے ایران کے دروازے کھل گئے اور وہ اس میں پھیل گئے۔

حضرت عمرؓ کو جونہی اپنے لشکر کی نہاوند میں کامیابی اور اہل ہمدان سے مصالحت کی طرف سے اطمینان ہوا۔ آپ کو احنف بن قیس کا یہ قول یاد آیا "جب تک یزدگرد ایرانیوں کی پشت پر موجود ہے وہ مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے جس ملک میں دو بادشاہ ہوں ان میں کبھی اتفاق کی صورت نہیں نکلتی۔ تاوقتیکہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو نکال باہر نہ کرے۔ اس اعتبار سے ایرانیوں کا ایران میں اس وقت تعاقب کرنا اشد ضروری ہے جب تک کسریٰ کو وہاں سے نکال نہ دیا جائے اور تمام ملک بلاشرکت غیرے مسلمانوں کے قبضے میں نہ آجائے۔ تو پھر اس مقصد کے حصول کی بہترین راہیں کیا ہو سکتی ہیں ؟

جس وقت عرب نہاوند اور ہمدان میں داخل ہوئے ہیں۔ یزدگرد رمی میں مقیم تھا۔ اس نے جو یہ دیکھا کہ مسلمان اس کے مستقر کی طرف بڑھ رہے ہیں تو اصفہان بھاگ کر وہاں کے باشندوں کو جنگ پر ابھارنے لگا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ملی تو مسلمانوں کو اصفہان کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ فاروق اعظمؓ کو توقع تھی۔ کہ یزدگرد مقابلہ کرے گا اور گرفتار کر لیا جائے گا اور اس کی گرفتاری سے پورے ایران کی قوت مقاومت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ عبداللہؓ بن عتبان کو روانگی کا حکم دیا اور عبداللہؓ کوفہ کی اس فوج کو جو ان کے ساتھ تھی اور نعمان بن مقرن کے اس لشکر کو جو نہاوند میں تھا ساتھ لے کر رمی کی طرف بڑھ گئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مشورۃ ہرمزان سے فرمایا۔ تمہاری کیا رائے ہے حملہ فارس سے شروع کیا جائے یا آزربائیجان سے یا پھر اصفہان سے ؟" ہرمزان نے جواب دیا فارس اور آزربائیجان دو بازو ہیں اصفہان

سر اگر ایک بازو کٹ جاتا ہے۔ تو اس کی جگہ دوسرا بازو کام کرتا ہے۔ لیکن اگر سر کٹ جائے تو بازو بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پہلے سر سے شروع کیجئے حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوجوں کو اصفہان فتح کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

اصفہان ایک بہت بڑا شہر اور عراق عجم کے اس صوبے کا صدر مقام تھا۔ جس کا نام ہی اس کے نام پر رکھا گیا تھا۔ زمین بڑی شاداب' ہوا بے حد خوشگوار اور پانی نہایت شیریں اسی لئے شاہان عجم نے اسے اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ اصفہان کوہستانی سلسلے کے جنوبی سرے پر واقع تھا۔ جس کی زمین کشادہ اور زرخیز تھی۔ ملک کی مختلف گوشوں کی شاہراہیں یہاں آکر ملتی تھیں۔ اصفہانی سے رمی جانے والا راستہ قاشان اور اس کے بعد قم سے گزرتا تھا۔

ابن اعتبانؓ فوج لے کر روانہ ہوئے۔ اصفہان کے باہر ان کی مڈ بھیڑ ایک بہت بڑے ایرانی لشکر سے ہوئی جس کے سپہ سالار نے فوراً ہی جنگ شروع کر دی۔ قیامت کا رن پڑا۔ ایرانیوں کے مقدمتہ الجیش پر شہریار بن جادو یہ تھا۔ اس کا شمار ایرانیوں کے ان گنے چنے بہادر جنگ آزماؤں میں تھا' جن کے مقابلے میں دشمن کو میدان چھوڑ کر بھاگتے ہی بن پڑتی تھی۔ اس نے جب اپنی فوج کا پلہ ہلکا پڑتے دیکھا اور ایرانی مقتولوں کی کثرت پر اس کی نظر گئی تو وہ پہلی صف میں آگیا اور مسلمانوں سے مبارزت طلب ہوا عبداللہ بن ور قاءریاحی مقابلے کو نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ ایرانیوں نے جو اپنے نامور شہ سوار کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور وہ اس گاؤں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ مسلمانوں نے وہاں چھاؤنی بنائی اور اس جگہ کا نام استاق الشیخ رکھ دیا۔ ایرانی جبی کی طرف پسپا ہو کر اصفہان کی فصیلوں میں پناہ تلاش کر رہے تھے اور عین اسی وقت مسلمان اس مضبوط و مستحکم شہر پر حملہ کرنے کی تجویز سوچ رہے تھے۔

یزدگرد کو جب استاق الشیخ میں ایرانیوں کا حشر معلوم ہوا تو وہ اصفہان سے کرمان بھاگ گیا۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان نے جبی کی طرف بڑھ کر اصفہان کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی قلعہ بند ہو گئے وہ کبھی کبھی نکلتے مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرتے اور پھر اپنے مورچوں میں گھس جاتے۔ جب جھڑپوں کا سلسلہ طویل ہو گیا تو ایرانی تنگ آکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے میدان میں نکل آئے۔ دونوں لشکروں نے صفیں آراستہ کیں۔ لڑائی شروع ہونے ہی والی تھی کہ اصفہان کے حاکم فاذوستان نے عبداللہؓ بن عتبان کو پیغام بھیجا "نہ تم میرے ساتھیوں کو قتل کرو اور نہ میں تمہارے ساتھیوں کو آؤ ہم آپس میں مبارزت کر لیں۔ اگر میں تمہیں قتل کر دوں تو تمہارے ساتھی واپس ہو جائیں گے اور اگر تم مجھے مار ڈالو تو میرے ساتھی تمہاری حفاظت کریں گے۔ بشرطیکہ ان کی طرف ایک بھی تیر نہ جائے تھوڑی دیر تک دونوں میں زور آزمائی ہوتی رہی۔ آخر فاذوستان نے عبداللہ سے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ میں نے تمہیں واقعی جواں مرد پایا ہے میں تمہارے ساتھ تمہارے لشکر میں چلتا ہوں اور تم سے صلح کر کے اس شرط پر شہر تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں کہ جو یہاں رہنا چاہے گا جزیہ ادا کر کے رہے گا اور اس کا مال محفوظ ہو گا جن کی زمینیں تم نے جبراً لے لی ہیں وہ بھی اس شرط میں شامل ہوں گے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس آجائیں گے جو کوئی ہمارے اس معاہدے میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا وہ جہاں چاہے گا چلا جائے گا اور اس کی زمین تمہاری ہو گی۔

عبداللہ نے یہ صلح منظور کر لی اور اہل اصفہان ذمی بن گئے صرف تیس آدمیوں نے اپنی قوم سے اختلاف کیا اور کرمان جا کر اپنے عزیز و اقارب سے مل گئے۔

جس وقت مسلمان اصفہان فتح کرنے کے لئے معرکہ آزما تھے بلاد شمال جو بحیرہ قزوین کے جنوب میں واقع تھے اسفندیار رازی کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ اسفندیار اسی رستم کا بھائی تھا جو قادسیہ کی جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا تھا وہ اس وقت مسلمانوں کو رمی سے نکالنے کی تیاریاں کر رہا تھا اہل ہمدان کو یہ معلوم ہوا تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے معرکہ نہاوند کے بعد جو صلح مسلمانوں سے کی تھی وہ توڑ دی۔

حضرت عمرؓ کو شکست عہد کی اطلاع ملی اور بارگاہ خلافت سے نعیم بن مقرن کے نام یہ حکم نامہ جاری ہوا کہ وہ ہمدان جائیں اور بہ زور شمشیر شہر میں داخل ہو کر انہیں ایسی عبرتناک سزا دیں کہ وہ آئندہ ایسی جرات نہ کر سکیں اور دوسروں میں بھی مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدے توڑنے کی جرات نہ رہے۔ اہل ہمدان نے جب نعیم کا نام سنا اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ ان کی طرف آ رہے ہیں تو انہیں نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ فیروزان اور شہد کی گھاٹی'' میں اس کے انجام نے انہیں بوکھلا دیا۔ ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور رعب چھا گیا انہیں اپنے محصور و مقہو ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ اور جب انہیں یہ خبریں ملیں کہ نعیم نے ہمدان کے آس پاس کے شہر فتح کر لئے ہیں تو ان کے خوف و دہشت میں اور اضافہ ہو گیا جب نعیم نے ہمدان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا تو انہوں نے صلح کی درخواست بھیجی لیکن اس کے قبول ہونے میں انہیں شبہ تھا اور شبہ کیوں نہ ہوتا۔ جب کہ وہ معاہدہ توڑ چکے تھے لیکن ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ ان سے اس شرط پر جزیہ قبول کر لیا گیا ہے کہ اہل شہر کو معاہدہ یاد دلاتے رہنے کے لئے مسلمان فوج کا ایک دستہ ہمدان میں رہے گا اور اس کا افسر ان سے جزیہ وصول کرے گا کیا نعیم نے صلح کی درخواست اس لئے قبول کی تھی۔ کہ وہ شہر پر حملہ کر کے اپنے سپاہیوں کی جانیں ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے یا اس کا سبب یہ تھا کہ اسفندیار کی تیاریوں کی خبریں انہیں برابر پہنچ رہی تھیں اور انہوں نے بہتر یہ سمجھا تھا کہ اپنی پوری قوت کو محفوظ رکھیں اور اس بڑھتی ہوئی طاقت سے نبرد آزما ہوں جو انہیں رمی سے دور رکھنا اور ہمدان سے نکالنا چاہتی تھی اور جس کا مقصد یہ تھا کہ جو علاقے نعیم اور ان کے بھائی نعمان نے فتح کئے ہیں وہ ان سے واپس لے لے؟

نعیم نے خواہ کسی وجہ سے اہل ہمدان کی درخواست قبول کی ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ جو فوجیں اسفندیار کے پاس جمع ہو رہی تھیں۔ ان کی تعداد اور قوت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی نعیم ہمدان میں بارہ ہزار مجاہدین اسلام کی قیادت کر رہے تھے۔ کہ انہیں خبر ملی۔ ایرانی فوجیں مختلف سمتوں سے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں اور ورج روز مرکز؟ قرار دیا۔ دبتی ورج روز کے بالکل قریب ہی واقع تھا اس لئے نعیم نے ایرانی فوجوں کی خبریں حاصل کرنے کے لئے اپنے جاسوس اس طرف روانہ کئے۔ سب سے پہلے دیلمی ورج روز پہنچے اور جاسوسوں نے نعیم کو ان کی آمد کی اطلاع بھیجی۔ نعیم نے یزید بن قیس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اور خود ہمدان سے نکل کر ان ایرانی فوجوں کے بالمقابل جا اترا جو ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوئیں تھیں۔ ان فوجوں کی تعداد پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے جونہی مسلمان آکر اترے۔

انہوں نے بغیر کسی تاخیر کے اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی قوت مسلمانوں کو شکست دینے ہی کے لئے نہیں بلکہ ان کے استحصال کے لئے بھی کافی ہے فریقین اس شدت سے لڑے کہ نہاوند کی یاد تازہ ہو گئی۔ مسلمان چونکہ فتوحات کے عادی ہو چکے تھے اس لئے ان پر غالب آنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے برعکس دیلم اور ایران کی فوجیں چونکہ ایسے کسی جھنڈے کو نہ جانتی تھیں۔ جس کے نیچے وہ جمع ہوں اور جس کی سربلندی کے لئے وہ اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ اس لئے جب شام ہوئی تو اپنی بے شمار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔

عروہ نعیم کے نام حضرت عمرؓ کا خط لے کر ہمدان پہنچے جس میں لکھا تھا۔

''امابعد! ہمدان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود رمی کی طرف کوچ کرو! دشمن سے لڑو پھر وہیں قیام کر لو! اس لئے کہ یہ شہر دوسرے شہروں کے وسط میں واقع ہے اور تمہارے مقصد کے لئے اور تمام شہروں سے زیادہ کار آمد بھی یہ خط پڑھتے ہی نعیم نے یزید بن قیس کو ہمدان میں اپنی جگہ مقرر کیا اور خود فوج لے کر رمی کی طرف بڑھے انہیں یقین تھا کہ اللہ مسلمانوں کو فتح یاب کرے گا اور ان کو اس میں شک ہوتا بھی کیوں۔ جب وہ رمی کی فوجوں سے جن میں دیلم اور آذربائجان کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ لڑ کر انہیں شکست دے چکے تھے اور شاید نعیم کو خوش فہمی کچھ زیادہ ہی تھی۔ اس زمانے میں رمی کا بادشاہ بہرام چوبین کا پوتا 'سیاوخش بن مہران تھا ورج روز کی لڑائی کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا۔ کہ مسلمان اب اس کے پایہ تخت کا رخ کئے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ اس نے نہاوند طبرستان قوس اور جرجان والوں سے مدد طلب کی۔ اور ان سے کہا تم جانتے ہو کہ اگر مسلمانوں نے رمی پر قبضہ کر لیا تو پھر تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ان سب نے سیاوخش کی مدد کی۔ اور اس کے پاس اتنی فوج جمع ہو گئی جو سامان اور تعداد کے لحاظ سے نعیم کی فوج کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ یہ ساری فوجیں رمی میں قلعہ بند ہو گئیں جسے سیاوخش نے ہر طرح مضبوط کر رکھا تھا۔ سیاوخش نے جب رمی میں جمع ہونے والی فوجوں کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر غالب نہیں آ سکتے۔ نہ رمی کے مستحکم قلعوں پر حملہ کر سکتے ہیں رمی کی مدافعت میں اہل شمال کا متحد ہو جانا تعجب انگیز نہیں ہے اس لئے کہ رمی اس علاقے کا بہت بڑا شہر تھا جسے اپنے استحکام کی بنا پر ایک جائے پناہ کی سی حیثیت حاصل تھی اس میں آتش کدوں کے ارد گرد بڑی بڑی عبادت گاہیں تھیں۔ جو مذہبی اجتماع کے موقعوں پر زیارت گاہ خاص و عام ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے اس شہر پر حملہ گویا ایرانی تقدس پر حملہ تھا جس کی مدافعت مذہبی فریضے کا درجہ رکھتی تھی۔ پھر یہ شہر اپنے محل وقوع کی بنا پر ایک وسیع تجارتی مرکز تھا۔ جہاں مشرق و مغرب کا مال آکر فروخت ہوتا اور یہاں کے باشندوں کو دولت و آسودگی سے مالا مال کر دیتا۔ یہاں کے رہنے والے اور گردونواح کے لوگ چونکہ شہر کی مضبوطی کی طرف سے مطمئن تھے۔ اس لئے اس شہر یا اس کے آس پاس کی اقامت کو اپنے لئے امن و راحت کی ضمانت سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس شہر کو خطرے میں دیکھا تو اس کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حملہ آوروں کو روکنے ورج روز پہنچ گئے۔ لیکن ورج روز میں انہیں شکست ہوئی۔ تاہم انہوں نے ہمت نہ ہاری اور یہ ہزیمت انہیں دوبارہ جمع ہو کر شہر کی مدافعت کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔

نعیم اور ان کے ساتھیوں کے اندازے بھی کہیں کم قیمت میں حاصل ہوگئی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمی کا بادشاہ سیاوحش راج روز کی لڑائی کے بعد زیبنی ابوالفرقان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کرنے پر اسے برا بھلا کہا۔ اس کا عہدہ اس سے چھین لیا۔ یہ بات زیبنی کے دل میں بیٹھ گئی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ نعیم شہر فتح کرنے کے لئے آرہے ہیں تو رمی سے نکلا اور شہر سے باہر نعیم سے ملاقات کر کے سیاوحش کے خلاف ان کا ساتھ دینے کی پیش کش کی۔ مسلمانوں نے جبل رمی کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں مدافعین شہر سے مڈبھیڑ ہوئی اور دن ڈوبنے تک کسی فریق کے حق میں فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب رات ہوئی تو زیبنی نے نعیم سے کہا۔ ان کی تعداد زیادہ ہے اور آپ کی کم میرے ساتھ ایک سوار دستہ بھیجئے میں شہر میں ایسے رستے سے داخل ہونگا کے انھیں پتہ نہ چل سکے۔ ادھر آپ ان پر حملہ کر دیجئے۔ جب وہ آپ سے مقابلہ کرنے نکلیں گے تو ان کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ نعیم کو ان کی یہ تجویز خوش آئی۔ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی منذر بن عمرو کی قیادت میں ایک سوار دستہ اس کے ساتھ کر دیا۔ جسے زیبنی شہر میں اس طرح لے گیا۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی نعیم نے شہر کے محافظوں کو رات بھر تیروں اور نیزوں سے الجھائے رکھا اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے صبح ہوئی تو مسلمانوں کا دستہ شہر میں نمایاں ہو گیا اور سواروں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ جسے سن کر ایرانیوں کو یقین ہو گیا کہ ان پر پشت سے حملہ کر دیا گیا ہے وہ پریشان ہو کر بھاگے اور مسلمانوں نے انہیں تلوار کی باڑ میں رکھ لیا۔ نعیم شہر میں داخل ہوئے سیاوخش شکست کھا کے بھاگ گیا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا۔ رمی میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ قدر و قیمت میں مدائن کے مال غنیمت سے کم تھا۔ نعیم نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور خمس کے ساتھ بارگاہ خلافت میں بھیج دیا۔

فتح کے بعد رمی کا انجام کیا ہوا وہاں کوئی تھا جس سے مسلمان صلح کرتے۔ ہاں تھا۔ نعیم نے زیبنی کو اہل رمی کا نمائندہ قرار دے کر اس سے صلح کر لی اور شہر کی برجیاں اور مورچے مسمار کرنے کے بعد سیاوخش کی جگہ اسے رمی کا حاکم بنا دیا۔

رمی میں مسلمانوں کی فتح بڑی شاندار فتح تھی۔ اس لئے آس پاس کے شہر اور صوبے دوڑ دوڑ کے ان سے جذیے پر صلح کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے جب سوید بن مقرن نے قومس پر چڑھائی کی تو کوئی مقابلے پر نہ آیا اور بغیر لڑے بھڑے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ سوید نے وہاں فوج ڈال دی اور شہر والوں سے مصالحت ہو گئی۔ اسی طرح رمی میں شکست ہو جانے اور تمام خلیفوں کے اپنی اپنی جگہ واپس چلے جانے کے بعد اہل دنباوند نے بھی ان کے بھائی نعیم سے صلح کر لی۔

دنباوند ایک شہر تھا۔ جو رمی کے قریب ایک پہاڑ پر آباد تھا اس کے باشندے رمی کی مدافعت کے لئے اس کے قلعوں میں چلے گئے تھے۔ لیکن جب شہر نے اپنے دروازے کھول دیئے اور اس کے مدافعین اہل دنباوند سمیت اپنی اپنی فرودگاہوں کی طرف پسپا ہوئے تو دنباوند والوں کے لئے صلح کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ انہوں نے دو لاکھ درہم سالانہ جذیے پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ قرار پایا کہ جب تک وہ اپنے وعدے پر قائم ہیں ان کے علاقے میں

لوٹ مار نہیں مچائی جائے گی نہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی سرحدوں میں داخل ہو گا۔ البتہ قومس ایک بہت بڑا اور وسیع علاقہ تھا۔ جس میں بہت سے گاؤں اور کھیت تھے یہ طبرستان کے پہاڑوں کے جنوب میں رمی اور نیشاپور کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ جسے طبرستان بحیرۂ قزوین سے جدا کرتا تھا۔

رمی کی فتح اور قومس دنیاوند کی صلح کے بعد مملکت ایران میں سے جرجان' طبرستان اور آذربائیجان کے سوا مسلمانوں اور ساحل قزوین کے درمیان اور کچھ باقی نہ رہا۔ اگر مسلمان انہیں فتح کر کے ان کے باشندوں سے صلح کر لیں تو مملکت کسریٰ کا یہ حصہ انتہائی شمال تک ان کے قبضے میں آجائے۔ صلح قومس کے بعد سوید بن مقرن نے بسطام میں پڑاؤ ڈالا اور جر۔ ان کے فرمان روا کو لکھا کہ یا تو وہ صلح کر لے ورنہ اسلامی فوجیں اس کی طرف آرہی ہیں اس ایرانی بادشاہ نے فوراً دہستان اور جرجان کی طرف سے صلح کر لی کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان ان کے جان و مال اور مذاہب و رسوم کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس صلح نامے میں ایک ایسی واضح شق رکھی گئی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی "تم میں جس کسی سے ہم کوئی مدد لیں گے یہی اس کا جزیہ ہو گا۔ اس سے اور کچھ وصول نہ کیا جائے گا" اس نص سے بڑھ کر اور کوئی چیز اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ جزیہ دراصل کسی مغلوب قوم کی حفاظت کا معاوضہ تھا لیکن اگر وہ قوم اپنی حفاظت خود کرے یا مسلمانوں کا ساتھ دے تو اس سے جذیہ نہیں لیا جائے گا۔

جرجان' ساحل فروین کے جنوب مشرق میں طبرستان' جرجان کے قریب اس ساحل کے جنوب میں اور آذربائیجان طبرستان کے بادشاہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے رمی پر قبضہ اور اہل قومس سے صلح کر کے اسے جنوب کی طرف سے گھیر لیا ہے اور اہل جرجان سے صلح کر کے اس کی مشرقی راہیں مسدود کر دی ہیں اور اب اس کے لئے سرزمین ایران کا اگر کوئی رستہ رہ گیا ہے تو وہ صرف آذربائیجان کا رستہ ہے جو خود جنگ کا اکھاڑہ بننے والا ہے تو اس نے صلح کو ترجیح دی اور اس سلسلے میں سوید سے مراسلت شروع کی جس کے نتیجے میں طبرستان اور جیلان کی پہاڑیوں کی طرف سے صلح ہو گئی کہ ان دونوں علاقوں کے باشندے ہر سال جزیہ ادا کریں گے اور اس کے بدلے مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے نہ انہیں غارت گری کا نشانہ بنایا جائے گا۔ نہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی حدود میں داخل ہو گا۔

مغربی جانب سے آذربائیجان' طبرستان کا ہمسایہ ہے اس کی سرحدیں شمال میں دیلم اور جنوب میں عراق عرب اور جزیرے سے ملتی ہیں۔ اس زمانے میں اردبیل' ایرانی مملکت کے اس حصے کا ایک بہت بڑا شہر تھا اور جہاں آج کل تبریز آباد ہے۔ اس کے قریب واقع تھا۔ آذربائیجان سطح بحر سے ڈیڑھ ہزار میٹر کی بلندی پر ایک پہاڑی ملک ہے جس کی بعض چوٹیاں چار چار ہزار میٹر اونچی ہیں۔ آذربائیجان ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں آگ کی زمین یا آتش کدے اس ملک کا یہ نام اس لئے پڑ گیا۔ کہ اسلامی حملے کے وقت تک یہاں آتش کدوں کی بہتات تھی۔ لیکن جب ایران میں آتش پرستی ختم ہوئی اور اس کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو آذربائیجان کا نام بدل کر ماژندران،

کر دیا گیا۔

جس وقت سوید بن مقرن جرجان و طبرستان میں پیش قدمی کر کے ان کے باشندوں سے پیمان صلح باندھ رہے تھے ان کے بھائی رمی میں بیٹھے زیبنبی کی مدد سے جس کو انہوں نے شہر کا حاکم بنایا تھا حکومت کا انتظام مکمل کر رہے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر انہوں نے سماک بن خرشہ اور بکیر بن عبداللہ کی کمک بھیجی تھی۔ حضرت عمرؓ نے آذر بائیجان فتح کرنے کی خدمت تفویض فرمائی تھی۔ بکیر بن عبداللہ اپنی فوجوں کو لے کر جا رہے تھے کہ رستے میں اسفند یار بن فرخ زاد سے ٹکر ہو گئی۔ جو ورج زور سے شکست کھا کر اپنے لشکر سمیت واپس آ رہا تھا۔ فریقین ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ شدید لڑائی کے بعد اسفندیار کو ہزیمت ہوئی اور گرفتار کر لیا گیا۔ بکیر نے اسے قتل نہیں کیا۔ قید رکھا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اسفندیار نے بکیر سے پوچھا "آپ کو صلح پسند ہے یا جنگ؟" بکیر نے جواب دیا "صلح" ایرانی سپہ سالار نے کہا تو مجھے اپنے پاس قید رکھئے کیونکہ اگر میں نے اہل آذر بائیجان کی طرف سے صلح نہ کی یا ان کے پاس نہ گیا تو وہ پہاڑوں میں بھاگ جائیں گے اور نہ جانے پھر کب تک وہاں مورچہ بند رہیں لیکن جب عتبہ بن فرقد نے اسفندیار کے بھائی بہرام کے پڑاؤ کی طرف پیش قدمی کر کے اسے شکست دی اور وہ فرار ہو گیا تو آذر بائیجان کی قوت مقابلہ بے جان پڑ گئی۔ اس وقت عتبہ نے اسفندیار سے صلح کر لی اور پورے آذر بائیجان کے لئے عہد نامہ لکھ دیا کہ "اس ملک کے باشندے مسلمانوں کو حسب استطاعت جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان ان کے جان و مال اور مذاہب و رسوم کی حفاظت کے ضامن ہوں گے۔

ایران کی عام تسخیر کا فیصلہ :

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے بیچ آگ کا پہاڑ ہوتا۔ تاکہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے"

شاہ ایران کو نکالنے کا فیصلہ :

سیف کی روایت ہے جب حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا کہ شاہ یزدگرد ہر سال اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرتا ہے اور انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ جب تک اسے اس کی سلطنت سے نکال نہیں دیا جائے گا وہ یہی طرز عمل اختیار کرتا رہے گا۔ تو انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سرزمین عجم میں گھس جائیں تا آنکہ وہ شاہ یزدگرد پر غالب آ جائیں اور اس کے مقبوضات کو فتح کر لیں۔ اس مقصد کے لئے آپ نے کوفہ اور بصرہ کے سرداروں کو جنگ نہاوند کی فتح کے بعد روانہ کیا۔

اس بناء پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو۔ ساپور وار دشیر کا مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا عثمان ابن العاص الثقفی کو' افساء کا ساریہ بن زہم اکنانی کو کرمان کا سہیل بن عدی کو سیناں کا عاصم بن عمرو کو مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذربائیجان کا عتبان کو عنایت کیا۔ 21ھ میں یہ افسر اپنے اپنے تعین کردہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔

حکام کوفہ :

حضرت سعد بن وقاص اور حضرت عمار بن یاسر کی حکومت کے درمیانی عرصہ میں دو حاکم (کوفہ) مقرر ہوئے تھے۔ پہلے حاکم عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان تھے ان کے زمانے میں جنگ نہاوند ہوئی۔ دوسرے حاکم زیاد بن حظلہ تھے۔ جو قبیلہ عبد بن قصی کے حلیف تھے اور ان کے زمانے میں پیش قدمی کا حکم دیا گیا تھا۔

(پہلے حاکم) عبداللہ بن عبداللہ کو معزول کر کے انہیں دوسری جگہ بھیجا گیا۔ اور ان کی جگہ پر زیاد بن حظلہ کو مقرر کیا گیا۔ جو مہاجرین میں سے تھے انہوں نے بہت کم کام کیا۔ بلکہ وہ سبکدوش ہو جانے پر اصرار کرتے رہے۔ اس لئے انہیں سبکدوش کر کے حضرت عمار بن یاسر کو زیاد کے بعد حاکم (کوفہ) مقرر کیا گیا۔

آپ نے اہل بصرہ کی امداد کے لئے عبداللہ بن عبداللہ کو مقرر کیا اور اہل کوفہ کی امداد کے لئے حضرت ابو موسیٰ کو مقرر کیا۔ اور ان کی جگہ عمر بن سراقہ کو متعین کیا۔

جنگوں کے سپہ سالار :

زیاد بن حظلہ کے عہد حکومت ہی میں حضرت عمرؓ کی طرف سے جھنڈے اہل کوفہ کے سرداروں کے لئے آگئے تھے۔ چنانچہ ایک علم حضرت نعیم بن مقرن کو پیش کیا گیا۔ چونکہ اہل ہمدان نے صلح کرنے کے بعد عہد شکنی کی تھی اس لئے انہیں اہل ہمدان کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ آپ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ اگر ہمدان تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائے تو تم اس سے آگے اپنے راستے خراسان تک چلے جاؤ"

آپ نے عتبہ بن فرقد اور بجیر بن عبداللہ کو آذربائیجان کی مہم پر روانہ فرمایا مگر ان کے راستوں میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔ آپ نے ان دونوں میں سے ایک کو یہ حکم دیا کہ وہ حلوان سے دائیں سمت گزرے اور دوسرے کو یہ حکم دیا کہ وہ موصل سے بائیں طرف کا راستہ اختیار کرے۔ چنانچہ پہلا اپنے ساتھی کے دائیں سمت چلا اور دوسرا اپنے ساتھی کے بائیں سمت سے روانہ ہوا۔

اصفہان کے سپہ سالار :

آپ نے عبداللہ بن عتبہ کو بھی ایک علم دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اصفہان جائیں وہ اشراف صحابہ میں سے

بہت بہادر اور دلیر تھے۔ وہ انصار کے معزز فرد تھے اور بنو اسعد کے حلیف تھے ان کی مدد کے لئے بصرہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا گیا اور عمر بن سراقہ کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ آپ نے اس وقت قرآن مجید کی جو آیت پڑھی اس کا ترجمہ۔

''ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور ہیں اور انہیں رہنما بنائیں (اور زمین کا) وارث بنائیں''

روایات میں اختلاف :

واقدی کی روایت یہ ہے کہ فتح ہمدان ورے 23ھ میں ہوا واقدی کے مطابق ''کہا جاتا ہے کہ رے کو حضرت قرظہ بن کعب نے فتح کیا۔ ربیعہ ابن عثمان کی روایت ہے کہ ہمدان کی فتح ماہ جمادی الاول میں ہوئی جبکہ حضرت عمرؓ کی شہادت میں چھ مہینے باقی تھے۔ اس کے سپہ سالار مغیرہ بن شعبہ تھے۔ عمرؓ شہید ہوئے تو ان کی فوجیں وہاں لڑ رہی تھیں۔

صلح نامہ آذربائجان :

یہ معاہدہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حاکم عتبہ بن فرقد اہل آذربائجان کے ساتھ ان کے تمام میدانوں پہاڑوں مضافات اور تمام اقوام کے لئے کیا ہے ان کے جان مال' مذہب و ملت اور رسوم و قوانین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے بشر طیکہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جزیہ ادا کریں یہ جزیہ بچے عورت اور ایسے مفلس واپاہج پر عائد نہیں ہے جس کے پاس دنیاوی مال و متاع کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ ایسے عابدوں راہب پر ہے جس کے پاس دنیاوی مال و متاع نہ ہو اور جو ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے مگر عوام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی لشکر کے کسی شخص کی ایک دن اور ایک رات مہمانداری کریں اور اسے راستہ بتائیں جو قحط سالی کا شکار ہو گا۔ تو اس سے اس سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

جو کوئی یہاں آکر رہے گا تو اس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس سے پہلے کے باشندوں کو حاصل ہیں۔ اور جو یہاں سے نکلنا چاہے تو اسے پناہ دی جائے گی تا آنکہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے۔

اسے جندب نے 18ھ میں تحریر کیا اور بجیر بن عبداللہ اور سماک بن خرشہ انصاری اس کے گواہ ہیں۔

فتح باب :

سیف کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو واپس بصرہ کر دیا اور سراقہ بن عمرو کو جو ذوالنور کے لقب سے مشہور ہیں باب کی طرف بھیجا ان کے ہراول دستے پر حضرت عبدالرحمان بن ربیعہ کو مقرر کیا وہ بھی ذوالنور کے لقب سے مشہور تھے اس لشکر کے ایک بازو کا سردار حضرت حذیفہ بن اسیر غفاری کو مقرر کیا اور دوسرے بازوں کا سردار حضرت بجیر عبداللہ بعثی کو مقرر کیا۔ جو باب کے مقابلے پر تھے اس سے پہلے کہ وہاں

حضرت سراقہ بن عمرو جائیں آپ نے انہیں لکھا تھا کہ وہ ان کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔

تقسیم مال پر آپ نے حضرت سلمان بن ربیعہ کو مقرر کیا۔

صف آرائی :

حضرت سراقہ نے عبدالرحمان بن ربیعہ کو آگے بھیجا اور خود ان کے پیچھے روانہ ہوئے جب وہ آذربائیجان سے باب کی طرف روانہ ہوئے تو وہ باب کے قریب حضرت بکیر کے پاس پہنچ گئے اور باب کے علاقہ میں اس صف آرائی کے ساتھ داخل ہوئے جس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے ہدایات بھیجی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی امداد کے لئے جیب بن مسلمہ کو بھی جزیرہ سے تبدیل کر کے بھیجا اور ان کی جگہ حضرت زیاد بن حنظلہ کو مقرر کیا۔

شہر براز کی ملاقات :

جب عبدالرحمان بن ربیعہ باب کے بادشاہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے اس سے رجوع کیا۔ اس زمانے میں باب کا بادشاہ شہر براز تھا۔ جو اہل فارس سے تعلق رکھتا تھا اور اس سرحد پر مقرر تھا وہ قدیم بادشاہ شہر براز کی نسل سے تھا جس نے بنو اسرائیل کو تباہ کیا اور شام کو ان سے خالی کرا دیا تھا۔

شہر براز نے ان سے خط و کتابت کی اور آنے کے لئے پناہ طلب کی۔ انہوں نے پناہ دی تو وہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"میرا نہ تسبیح قوم سے تعلق ہے اور نہ میں ارمن قوم سے ہوں تم میرے ملک و قوم پر غالب آگئے ہو۔ اس لئے آج سے میرا تعلق بھی تم سے ہے اور میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میری دوستی آپ کے ساتھ ہے اللہ ہمیں اور آپ کو برکت دے۔ ہمارا جزیہ یہ ہے کہ ہم اپ کی جنگی مدد کریں۔ فتح و نصرت آپ کے قدم چوم رہی ہے اور جو آپ چاہیں گے وہ پورا ہو گا۔ مگر جزیہ عائد کر کے ہمیں ذلیل نہ کریں اس طرح آپ اپنے دشمن کے سامنے ہماری توہین کریں گے"

جنگی خدمات کی منظوری :

حضرت عبدالرحمان بن ربیعہ نے فرمایا "میرے اوپر ایک اور شخص ہے تم اس کے پاس جاؤ اور منظوری حاصل کرو" چنانچہ وہ سراقہ کے پاس گیا اور ان کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ حضرت سراقہ نے فرمایا۔ "میں نے یہ بات تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے منظور کر لی۔ بشر طیکہ وہ اس پر قائم رہیں (ہماری جنگی مدد کرتے رہیں) مگر جو جنگی خدمت کے لئے روانہ نہیں ہو گا۔ اور اپنے وطن میں رہے گا۔ اسے جزیہ ادا کرنا ہو گا" اس نے یہ بات تسلیم کر لی۔ چنانچہ اس کے بعد یہ رواج قائم ہو گیا کہ مشرکوں میں سے جو لوگ مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کرتے تو ان کا اس سال کا جزیہ معاف ہوتا تھا اور ان کا جزیہ یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ حضرت

سراقہ نے حضرت عمر بن الخطاب کو اس بارے میں تحریر کیا تو حضرت عمرؓ نے اس معاملے کی منظوری دیدی اور اس تجویز کو مستحسن سمجھا۔

اہل آرمینیہ کا معاہدہ :

"امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حاکم سراقہ بن عمرو شہر براز اور باشندگان آرمینیہ کو پناہ دیتے ہیں ان کے جان و مال اور مذہب و ملت کی حفاظت کی جاتی ہے۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔ اگر یہ لوگ جنگ میں شریک ہوئے تو ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا اور اگر نہ شریک ہوئے تو جزیہ عائد ہوگا"

اس معاہدہ کے گواہ یہ ہیں۔ عبدالرحمان 2- سلمان بن ربیعہ 3- بکیر بن عبداللہ 'معرضی بن مقرن نے اس معاہدہ کو لکھا اور وہ بھی اس کا گواہ ہے۔

کوہستانی مہمیں :

حضرت سراقہ بن ربیعہ نے اس کے بعد بکیر بن عبداللہ حبیب بن مسلمہ 'حذیفہ بن اسد اور سلمان بن ربیعہ کو ان پہاڑوں کے باشندوں کی طرف بھیجا جو آرمینیہ کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بکیر کو موقان کی طرف بھیجا گیا اور حبیب کو تفلیس کی طرف روانہ کیا گیا اور حذیفہ بن اسد کو ان لوگوں کے بر خلاف بھیجا گیا جو کوہ لان میں رہتے تھے۔ سلمان بن ربیعہ کو دوسری طرف بھیجا گیا۔

ترکوں سے جنگ :

جب حضرت عمرؓ کو سراقہ کی وفات کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمان ان کے جانشین ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے حضرت عبدالرحمان کو باب کی سرحد کی حکومت پر حال رکھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ترکوں سے جنگ کریں۔

عبدالرحمان کی پیش قدمی :

حضرت عبدالرحمان مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے جب انہوں نے باب کو عبور کرنا چاہا تو شہر براز نے ان سے پوچھا "تم کیا کرنا چاہتے ہو" "میں بلنجر جانا چاہتا ہوں" شہر براز نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں باب کے قریب ہی دعوت جنگ دیں "حضرت عبدالرحمان نے فرمایا۔ ہم یہ نہیں چاہتے ہیں بلکہ ہم ان کے گھر پہنچیں گے اور خدا کی قسم ہمارے ساتھ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہمارے امیر آگے بڑھنے کی اجازت دیں تو میں انہیں لے کر روم پہنچ جاؤں۔

صحابہؓ کی برکات :

یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے اور وہ خلوص نیت کے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں وہ عہد جاہلیت میں بھی حیادار اور شریف تھے مسلمان ہونے کے بعد ان کی حیا اور شرافت میں اضافہ ہو گیا۔ اس لئے یہ فتح ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی۔ یہاں تک کہ مفتوح اقوام انہیں تبدیل نہ کر دیں۔ اور انہیں اپنے رنگ میں نہ رنگ لیں۔

ترکوں پر رعب:

جب عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے ترکوں پر حملہ کیا تو ترک یہ کہا کرتے تھے "اس شخص نے ہمارا مقابلہ کرنے کی اس وجہ سے جرات کی ہے کہ اس کے ساتھ فرشتے ہیں جو انہیں موت سے بچاتے ہیں" وہ قلعہ بند ہو گئے اور بھاگ گئے چنانچہ حضرت عبدالرحمان مال غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ واپس آ گئے یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا ہے اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی کئی مجاہدانہ حملے کئے اور حسب معمول فتح و نصرت حاصل کرتے رہے۔

مفتوحہ علاقوں کی تقسیم:

معاہدہ تفلیس:

"تمہارے جان و مال، گرجوں، عبادت خانوں اور مذہبی رسومات کا ذمہ لیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ تم جزیہ ادا کرنے کا اقرار کرو۔ جو ہر گھرانے پر ایک مکمل دینار ہے نیز یہ کہ تم ہماری خیر خواہی کرو اور ہمارے اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف ہماری مدد کرو اور اہل کتاب کے حلال کھانے پینے کی چیزوں سے مسلمان مسافروں کی ایک رات مہمان نوازی کرو اور اسے راستہ بتاؤ جس سے تمہارے کسی شخص کو نقصان نہیں پہنچے گا"

اگر تم اسلام قبول کر لو۔ نماز قائم کرو اور زکوۃ دو تم ہمارے دینی بھائی اور ہمارے دوست بن جاؤ گے اور جو اللہ اس کے رسولؐ اس کی کتابوں اور اس کے گروہ سے کنارہ کشی کرے گا تو ہم اس کے ساتھ برابر کی جنگ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اس کے گواہ عبدالرحمان بن خالد حجاج اور عیاض ہیں اسے رباح نے تحریر کیا میں اللہ اس کے فرشتوں اور ایمان والوں کو شہادت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ تاہم گواہی کے لئے کافی ہے۔

معزولی:

مختار ثقفی کا چچا سعد بن مسعود ثقفی اور جریر بن عبداللہ ان کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے ان کی شکایت کی

اور ان کے بارے میں ایسی باتیں بتائیں جنہیں حضرت عمرؓ ناپسند کرتے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا اور پھر انہیں حاکم نہیں بنایا۔ جب عمار سے دریافت کیا گیا۔

''کیا یہ معزولی تمہیں بری نہیں لگی؟ وہ بولے ''خدا کی قسم جب مجھے حاکم بنایا گیا تھا اس وقت مجھے خوشی حاصل نہیں ہوئی تھی مگر جب مجھے معزول کیا گیا تو مجھے اس کا رنج ہوا۔

کوفہ اور مدائن کا مقابلہ :

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ سے دریافت کیا۔ تمہیں کوفہ اور مدائن میں سے کون سا مقام زیادہ پسند ہے؟ اگرچہ میں ایک دوسرے کی فضیلت کو جانتا ہوں۔ تاہم میں تم سے تمہاری رائے معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کر رہا ہوں۔ جریرہ نے کہا ''ہمارا یہ قریبی مقام (کوفہ) سواد عراق کا ایسا مقام ہے۔ جو خشک علاقہ سے زیادہ قریب ہے مگر دوسرا مقام (مدائن) سمندر کے قریب ہے مرطوب مقام ہے اور مچھروں سے بھرا ہوا ہے۔

اہل کوفہ کی پریشانی :

جب کوفہ آباد ہوا تھا تو اس وقت بھی ایک لاکھ جنگجو سپاہی وہاں رہتے تھے۔ اس عرصے میں دیگر صحابی بھی آگئے اور پوچھنے لگے۔ ''اے امیر المومنین! کیا معاملہ ہے'' آپ نے فرمایا میں اہل کوفہ کی الجھن میں پھنسا ہوا ہوں۔ انہوں نے مجھے بہت تنگ کر رکھا ہے'' اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا سوال مشورہ کے طور پر دہرایا۔ اس پر حضرت مغیرہ نے جواب دیا۔

حضرت مغیرہ کا جواب :

کمزور مسلمان کی کمزوری سے آپ کا اور مسلمانوں کا نقصان ہے اور اس کی خوبیوں سے صرف اس کا ذاتی فائدہ ہے مگر طاقت ور اور سخت حاکم کی طاقت سے آپ کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اور اس کی سخت مزاجی سے اس کی ذات کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور فائدہ بھی ہو سکتا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں حاکم مقرر کیا۔

حضرت مغیرہ کو نصیحت :

چنانچہ حضرت مغیرہ کوفہ کے حاکم رہے تا آنکہ حضرت عمرؓ شہید ہوئے۔ ان کی مدت حکومت دو سال سے کچھ زیادہ ہے۔ جب کوفہ جانے کے لئے آپ رخصت ہونے کے لئے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا ''اے مغیرہ! شریف انسان کو تم سے مطمئن رہنا چاہئے اور بدکاروں کو تم سے ڈرنا چاہئے پھر حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت مغیرہ کے بجائے سعد کو مقرر کریں مگر اس سے پہلے آپ شہید ہو گئے تاہم آپ نے ان کے بارے میں

وصیت فرمادی تھی۔

فتح خراسان 18ھ :

اس سال ایک روایت کے مطابق حضرت احنف بن قیس نے خراسان پر حملہ کیا اور شاہ یزدگرد سے جنگ کی۔ سیف کی روایت کے مطابق حضرت احنف بن قیس نے 18ھ میں خراسان پر حملہ کیا تھا۔

جب اہل جلولہ کو شکست ہوئی تو ایران کا بادشاہ یزدگرد شہریار رے کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے لئے ایک محل بنایا گیا جو اس کے اونٹ کی تمام پشت پر چھایا ہوا تھا اور وہ اپنے اس محل میں سوتا تھا اس کا سفر لگاتار جاری رہا اور درمیان میں قیام نہیں کیا۔ جب بادشاہ اپنے محل میں سویا ہوا تھا ایک منزل پر اسے جگایا گیا کیونکہ اسے ایک دریائی مقام عبور کرنا تھا اس وجہ سے اس کے ملازموں نے اسے اس خیال سے جگایا کہ وہ اونٹ کے دریا پار کرنے پر گھبرانہ جائے۔

حاکم رے کی بغاوت :

جب بادشاہ رے پہنچا تو وہاں کا حاکم آبان جازویہ تھا اس نے اس پر حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ بادشاہ نے کہا "اے آبان جازویہ کیا تم میرے ساتھ غداری کرنا چاہتے ہو" اس نے کہا چونکہ تم نے اپنا ملک چھوڑ دیا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے قبضے میں چلا گیا ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میں (تم سے) وہ چیزیں لکھوالوں جو پہلے میرے قبضے میں تھیں اور وہ چیزیں بھی حاصل کروں جو حاصل کرنا چاہتا ہوں"

یہ کہہ کر اس نے یزدگرد کی مہر پر قبضہ کر لیا اور اپنی پسند کے مطابق دستاویز لکھوائیں اور ان پر مہر لگوا کر بادشاہ کی مہر کی انگوٹھی اسے واپس کر دی۔

خراسان میں قیام :

جب آبان جازویہ شاہ یزدگرد سے اپنی تمام کاروائی مکمل کر چکا تو شاہ یزدگرد رے سے اصفہان کی طرف روانہ ہوا۔ آبان جازویہ نے وہاں اس کا قیام ناپسند کیا۔ اس لئے وہاں پناہ نہیں مل سکی۔ اس لئے بادشاہ کرمان کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ کرمان پہنچا تو (مقدس) آگ اس کے ساتھ تھی۔ اس نے اسے وہاں منتقل کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر اس نے خراسان کا قصد کیا اور مرو میں آکر مقیم ہو گیا۔ اس نے (مقدس) آگ کو بھی وہاں منتقل کر لیا اور اس کے لئے آتش کدہ تعمیر کرایا اور باغ لگایا اور وہ باغ مرو سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔

خراسان کی مہم :

حضرت احنف بن قیس خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے مہرجان قزق پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہ اصفہان کی طرف روانہ ہوئے اس وقت اہل کوفہ جبی کے شہر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اس لئے وہ طبین کی راہ سے خراسان میں داخل ہوئے اور ہرات پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا اور وہاں صحار العبدی کو اپنا جانشین بنایا۔ پھر وہ مرو شاہجہان کی طرف روانہ ہوئے۔ درمیان میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس لئے نیشاپور کی طرف مطرف بن عبداللہ بن الشخر کو بھیجا اور سرخس کی طرف وارث بن حسان کو روانہ کیا۔ جب حضرت احنف بن قیس مرو شاہجہان کے قریب پہنچے تو شاہ یزدگرد مرو روز چلا گیا اور وہاں رہنے لگا حضرت احنف مرو شاہ جہاں میں فروکش ہو گئے۔

امداد کی درخواست :

جب شاہ یزدگرد مرو روز پہنچا تو اس نے خاقان سے امداد کی درخواست کی نیز شاہ صغد کو بھی تحریر کیا۔ کہ وہ بھی فوج کے ذریعے ان کی مدد کرے چنانچہ اس کے دونوں قاصد خاقان اور شاہ صغد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس نے شہنشاہ چین سے بھی امداد کی درخواست کی۔

مسلمان سپہ سالار :

حضرت احنف نے مرو شاہ جہان پر حارثہ بن نعمان باہلی کو اپنا جانشین بنایا اس عرصہ میں مندرجہ ذیل چار سرداروں کی قیادت میں اہل کوفہ کی فوجیں ان کے پاس پہنچ گئیں تھیں۔

1-علقمہ بن نفر نفری 2-ربعی بن عامر تمیمی 3-عبداللہ بن ابی عقیل ثقفی 4-ابن ام غزال ہمدانی۔

فوجی لشکر سے مقابلہ :

جب وہ تمام فوجیں آ گئیں تو حضرت احنف مرو شاہ جہاں سے روانہ ہو گئے اور مرو روز کی طرف فوج کشی کی۔ جب شاہ یزدگرد کو یہ خبر ملی تو وہ بلخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت احنف مرو روز میں مقیم ہو گئے۔ جب کوفہ کی فوجیں آئیں تو وہ براہ راست بلخ روانہ ہوئیں حضرت احنف بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

یزدگرد کو شکست :

بلخ میں اہل کوفہ اور شاہ یزدگرد کی فوجوں کا مقابلہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے یزدگرد کو شکست دے دی اور وہ ایرانیوں کو لے کر دریا کی طرف روانہ ہوا اور دریا پار کر کے بھاگ گیا۔

بلخ کی فتح :

اتنے میں حضرت احنف بھی کوفہ کی فوجوں کے ساتھ آکر شامل ہو گئے۔ اس وقت اللہ نے بلخ کو ان کے ہاتھوں فتح کرادیا اس لئے بلخ اہل کوفہ کی فتوحات میں شامل تھا۔

اہل خراسان کی مصالحت :

اس کے بعد اہل خراسان میں سے جو بھاگ گئے تھے یا قلعہ بند ہو گئے تھے صلح کے لئے آنے لگے ان میں شاہ ایران کی مملکت میں سے نیشاپور سے لے کر طخارستان کے علاقے تک جتنے باشندے تھے سب شامل تھے حضرت احنف مرورود واپس چلے گئے اور وہاں رہنے لگے۔ انہوں نے طخارستان کے علاقہ پر ربعی بن عامر کو اپنا جانشین بنایا۔ جو عرب کے شرفا میں سے تھے۔

فتح کی خبر :

حضرت احنف بن قیس نے حضرت عمرؓ کو فتح خراسان کی خبر لکھ کر بھجوائی اس وقت آپ نے فرمایا "میں چاہتا تھا کہ ان کے خلاف کوئی لشکر نہ بھیجتا اور میری تمنا تھی کہ ہمارے اور ان کے درمیان آگ کا سمندر حائل ہوتا"

حضرت احنف کو ہدایت :

جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت احنف بن قیس مرو کے دونوں شہروں پر قابض ہو گئے اور بلخ بھی فتح کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا "احنف اہل مشرق کے سردار ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت احنف کو یہ تحریر کیا۔

"تم دریا کو عبور نہ کرنا۔ بلکہ اس سے پہلے کے علاقے میں مقیم رہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم کن خصوصیات کے ساتھ خراسان میں داخل ہوئے تھے۔ اس لئے آئندہ بھی تم ان عادات پر قائم رہو۔ اس طرح تمہیں ہمیشہ فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ تم دریا عبور کرنے سے پرہیز کرو ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گے۔

ترکوں کی امداد :

جب شاہ یزدگرد کے دونوں قاصد خاقان اور غوزک کے پاس پہنچے تو وہ دونوں اس وقت تک اس کی فوجی امداد نہیں کر سکے۔ تاآنکہ وہ شکست کھا کر دریا عبور کر کے خود ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت اس کی فوجی امداد کی تکمیل ہوئی۔ ترک اور اہل فرغانہ و صغد اس کی مدد کے لئے جمع ہو گئے۔ کیونکہ وہ سلاطین کی امداد کو ضروری سمجھتے تھے۔

پہاڑ کے دامن :

یہ بات سن کر حضرت احنف بن قیس لوٹ آئے۔ چونکہ رات تاریک تھی۔ اس لئے یہی مشورہ ان کے لئے کافی ثابت ہوا۔ جب صبح ہوئی۔ تو آپ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا۔

"تمہاری تعداد کم ہے اور تمہارے دشمن کی تعداد زیادہ ہے مگر تمہیں اس بات سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ کے حکم سے ایک چھوٹی جماعت اکثر بڑی تعداد کی جماعت پر غالب آجاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم اس مقام سے کوچ کرو اور اس پہاڑ کا سہارا حاصل کرو۔ یہ پہاڑ تمہاری پشت کی طرف ہونا چاہئے اور یہ دریا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان رہے اور تم صرف ایک سمت سے جنگ کرو"

مسلمانوں کی تعداد :

انہوں نے ہدایات پر عمل کیا اور مناسب طریقے سے اپنے آپ کو تیار کیا۔ بصرہ کی فوج دس ہزار تھی اور کوفہ کی فوج بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ ترک سپاہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے لگے۔ یہ صبح شام جنگ کرتے تھے اور رات کے وقت جنگ بند کر دیتے تھے۔

خبر رسانی :

حضرت احنف بن قیس یہ چاہتے تھے کہ ان دشمنوں کے رات کے ٹھکانے کا علم ہو جائے اس لئے ایک رات معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ خبر رسانی کے لئے نکلے۔ جب وہ خاقان کے لشکر کے قریب پہنچے تو وہ ٹھہر گئے۔ جب صبح کا وقت قریب آیا تو ایک ترک سوار اپنا طوق لے کر نکلا۔

ترک سواروں کا قتل :

وہ اپنا طبلہ بجانے لگا۔ پھر وہ اپنے لشکر کے ایک مقرر مقام پر جا کر ٹھہر گیا۔ حضرت احنف نے اس پر حملہ کیا دونوں نے دو دفعہ نیزے کے وار کئے آخر کار حضرت احنف نے نیزہ مار کر مار ڈالا۔ پھر اس ترک سوار کے مقام پر کھڑے ہو گئے اور اس کے طوق (تگل) پر قبضہ کر لیا۔ پھر دوسرا ترک سوار نکلا۔ اس کے ساتھ بھی انہوں نے وہی سلوک کیا اور نیزہ کے دو دفعہ کے واروں کے بعد حضرت احنف نے اسے بھی قتل کر دیا اور پھر وہ دوسرے سوار کے مقام پر جا کر کھڑے ہو گئے اور اس کا طوق بھی لے لیا اور اس کے بعد تیسرا ترک سوار نکلا اور اس نے بھی وہی کام کیا۔ جو پہلے دونوں اشخاص نے کیا تھا اور وہ بھی دوسرے سوار کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت احنف بن قیس نے اس پر بھی حملہ کیا اور نیزے کے دو دفعہ کے حملوں کے تبادلے کے بعد حضرت احنف نے اسے بھی نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔

قتل کی بدشگونی :

ترکوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اس وقت تک جنگ کے لئے نہیں نکلتے تھے۔ جب تک کہ مذکورہ بالا سواروں کی طرح تین سوار نکل نہیں جاتے تھے وہ تیسرے سوار کے بعد نکلا کرتے تھے چنانچہ اس رات بھی ترک فوج تیسرے سوار کے بعد نکلی تو انہوں نے اپنے سواروں کو دیکھا کہ وہ مرے پڑے ہیں۔ خاقان نے اس واقعہ کو بدشگونی خیال کیا اور اس بات کو منحوس سمجھا وہ کہنے لگا۔

خاقان کی واپسی :

"ہمارا یہاں قیام طویل ہو گیا ہے اور یہ سوار ایسے مقام پر مارے گئے ہیں جہاں کبھی انہیں نقصان نہیں پہنچا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اس لئے ہمیں لوٹ جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔

جب دن چڑھ گیا تو مسلمانوں نے ان کا کوئی آدمی نہیں دیکھا اور انہیں یہ اطلاع ملی کہ خاقان بلخ کی طرف لوٹ گیا ہے۔

خزانہ نکالنا :

شاہ یزدگرد نے خاقان کو مروروز میں چھوڑا تھا اور خود مرو شاہجہان کی طرف روانہ ہوا تھا وہاں حارث بن نعمان اور ان کے ساتھی قلعہ بند ہو گئے تھے اس نے ان کا محاصرہ کیا اور اپنا خزانہ مقررہ مقام سے نکال لیا۔ خاقان واپس آکر بلخ میں مقیم ہو گیا تھا۔

تعاقب کی ممانعت :

اس وقت مسلمانوں نے احنف سے کہا۔ آپ کا ان کا تعاقب کرنے میں کیا خیال ہے وہ بولے "تم اپنے مقام پر رہو۔ اور ان کا تعاقب نہ کرو"

اہل فارس کی مزاحمت :

جب یزدگرد نے وہ خزانہ جمع کر لیا۔ جو اس نے مرو میں رکھا تھا اس نے چاہا کہ اسے جلد لے جائے وہ اسے مستقل طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا کیونکہ یہ ایران کا بہت بڑا خزانہ تھا وہ اسے لے کر خاقان کے پاس جانا چاہتا تھا۔ تو اہل فارس نے اس سے دریافت کیا۔ "اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں وہ بولا میں چاہتا ہوں کہ میں خاقان کے پاس چلا جاؤں گا اور اس کے ساتھ رہوں۔ یا چین چلا جاؤں ایرانیوں نے اس سے کہا" آپ ٹھہر جائیے یہ بری تجویز ہے اس

طرح آپ دوسری قوم کے ملک جائیں گے اور اپنی قوم اور اپنے وطن کو چھوڑ دیں گے آپ اس کے بجائے ہمیں اس قوم (مسلمانوں) کے پاس لے جائیں یہ باوفا اور دیندار قوم ہے اور یہ ہمارے ملک کے قریب رہتے ہیں ایسا دشمن جو ہمارے ملک کے قریب رہتا ہو ہمیں اس دشمن سے زیادہ محبوب ہے جو دور کے ملک میں رہتا ہو۔ اور جس کا کوئی دین اور ایمان نہ ہو اور ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ لوگ کہاں تک باوفا ہیں۔ جب اس نے ان کی بات نہیں مانی تو وہ کہنے لگے۔

"آپ ہمارے خزانے چھوڑ جائیں تاکہ وہ ہمارے ملک میں رہیں۔ آپ اسے نکال کر دوسرے ملک میں نہیں لے جاسکتے"

مخالفت اور جنگ :

جب بادشاہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کیا تو وہ اس سے الگ ہو گئے۔ صرف اس کے ملازمین اور نوکر اس کے پاس رہ گئے تھے اس کی رعایا نے اس سے جنگ کر کے اسے شکست دیدی۔ اور اس کے خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے اس کی اطلاع حضرت احنف بن قیس کو بھی دے دی تھی۔ چنانچہ مرو کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکوں دونوں نے اس سے جنگ کی۔

یزدگرد کا فرار :

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب سامان اور خزانے وغیرہ سے محروم ہو کر فرار ہو گیا اور دریا کو عبور کر کے فرغانہ چلا گیا اور وہاں ترکوں کے پاس رہنے لگا وہ حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ تک وہیں رہا۔ تاہم وہ ان (اہل خراسان) سے خط و کتابت کرتا رہا اور وہ بھی اس کے ساتھ خط و کتابت کرتے رہے۔ تاآنکہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اہل خراسان نے عہد شکنی کی۔

صلح کا معاہدہ :

(یزدگرد کے چلے جانے کے بعد) ایرانی حضرت احنف کے پاس آئے ان کے پاس صلح کا معاہدہ کیا اور تمام خزانے اور دولت حضرت احنف کے حوالے کر دی اور خود اپنے وطن میں اپنے شہروں کی طرف چلے گئے۔ وہ سلاطین ایران کے عہد سے زیادہ خوشحال ہو گئے کیونکہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ مطمئن ہو گئے اور خوش وخرم ہو کر زندگی بسر کرنے لگے یزدگرد کی جنگ میں ہر سوار کو اسی قدر حصہ ملا تھا جس قدر جنگ قادسیہ میں ایک سوار کو حصہ ملا تھا۔

اہل خراسان کی عہد شکنی :

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اہل خراسان نے عہد شکنی کی اور ان کی دعوت پر شاہ یزدگرد وہاں پہنچا۔ اور مرو میں مقیم ہو گیا۔ پھر یزدگرد اور اس کے ساتھیوں کا اہل خراسان سے اختلاف ہو گیا۔ اس وقت شاہ یزدگرد بھاگ کر ایک چکی کے پیچھے روپوش ہو گیا۔ لوگوں نے اس کو وہاں سے پکڑ لیا اور مار ڈالا پھر اسے دریا میں پھینک دیا۔

یزدگرد کا انجام :

یزدگرد جب مروؔ میں گرفتار ہوا تھا اس وقت وہ ایک چکی میں پوشیدہ تھا وہ کرمان میں پناہ لینا چاہتا تھا اس کے مال غنیمت پر مسلمانوں اور مشرکوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

بلخ کی طرف روانگی :

اس سے پہلے جب حضرت احنف کو اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً مسلمانوں کی فوج لے کر بلخ کی طرف روانہ ہو گئے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ خاقان اور یزدگرد کے ساتھیوں کا مقابلہ کریں کیونکہ خاقان اور ترک بلخ میں تھے۔

خاقان کا فرار :

خاقان کو جب یزدگرد کا حال معلوم ہوا تو یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت احنف بن قیس کے ساتھ مسلمان فوجیں اس کی طرف روانہ ہو گئی ہیں۔ تو اس نے بلخ کو چھوڑ دیا اور دریا عبور کر کے چلا گیا۔

فتح کی خبر :

جب احنف بن قیس وہاں پہنچے تو وہ بلخ میں مقیم ہو گئے اور کوفہ کی فوجیں اس کے چاروں طرف مقیم ہو گئیں پھر حضرت احنف مرورود واپس آ گئے۔ اور خاقان اور یزدگرد پر فتح حاصل کرنے کی خبر حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کی نیز مال خمس بھی ایک وفد کے ساتھ بھیجا۔

شاہ ایران یزدگرد کا عبرت ناک انجام :

شاہ یزدگرد اور شاہی خاندان خاقان کے ساتھ فرغانہ چلا گیا اور وہیں رہنے لگا اس نے شاہ حسین سے بھی امداد کی درخواست کی مگر اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ مسلمانوں سے مصالحت کر لیں اور مصالحت کرنے کو عزت سمجھیں مگر اس نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ تک وہیں رہا۔ مگر اہل فراسان سے خط و کتابت کرتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اہل خراسان نے عہد شکنی کی اور ان کی دعوت پر شاہ یزدگرد خراسان آکر

مرو میں مقیم ہو گیا۔ پھر یزدگرد اور اس کے ساتھیوں کا اہل خراسان سے اختلاف ہو گیا۔ اس وقت شاہ یزدگرد بھاگ کر ایک چکی کے پیچھے روپوش ہو گیا۔ چکی کے مالک نے اس کو قتل کر کے اس کے تاج اور کپڑوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ سر دھڑ سے جدا کر کے لاش دریا میں پھینک دی۔

ساسانی سلطنت ایران کا دور زوال:

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا دو عالمی طاقتوں میں منقسم تھی۔ ایک ایران کی وسیع و عریض سلطنت جو ساسانی خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کا سب سے بڑا حکمران نوشیروان عادل تھا۔ اس کی سلطنت بڑی مضبوط طاقتور اور خوشحال تھی۔ نہ صرف اس کے ملک میں امن وامان تھا بلکہ اس نے کئی فتوحات بھی حاصل کیں۔ اس کے بعد اس سلطنت کے انحطاط کا دور شروع ہو گیا۔ آنحضرتؐ کے وقت میں نوشیروان کا پوتا پرویز شہنشاہ ایران تھا اس بدبخت نے آنحضرتؐ کا دعوت اسلام کا نامہ مبارک پھاڑ دیا تھا۔ اور اس کے بعد ایران کی حکومت کا زوال شروع ہو گیا اور صرف چار سال کے اندر اندر ایران کے تخت پر دس حکمران بیٹھے۔ مگر تھوڑے تھوڑے عرصہ کے اندر محلاتی سازشوں اور اقتدار کی کشمکش کی وجہ سے قتل ہوتے رہے۔ یا حکومت سے محروم ہوتے چلے گئے اور سلطنت ایران انتہائی کمزور ہوتی گئی کسریٰ پرویز کے عہد میں بھی ایران کی حکومت اتنی طاقتور تھی کہ اس نے رومن امپائر پر حملہ کر کے اس کے اہم مقبوضات شام، مصر اور فلسطین پر قبضہ کر لیا اور بیت المقدس سے حضرت عیسیٰ کی صلیب بھی اپنے ہمراہ ایران لے گئے۔ مگر چند سال بعد قیصر نے فوکس شاہ روم کو قتل کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ تو چند سال کے اندر فوجی طاقت کو منظم کر کے ایران کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ روم کو فتح نصیب ہوئی۔ اس نے دوبارہ اپنے مقبوضات شام، مصر وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور ایران سے صلیب مقدس بھی واپس لے گیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے ایران کے خلاف جہاد شروع کر دیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں ایرانیوں کے خلاف محیر العقول کامیابیاں حاصل کیں۔ ان شاندار فتوحات کی تفصیل حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ یہ تاریخ ساز کامیابیاں سیف اللہ، حضرت خالد بن ولیدؓ کی مرہون منت ہیں۔ اس زمانہ میں ایران میں خانہ جنگی اور ہوس اقتدار کا دور تھا اور ملک کا امن وامان تباہ ہو چکا تھا۔ کسریٰ پرویز نے نعمان بن منذر کو قتل کر کے لخمی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر کے حیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اس سے ایران کے امراء وزراء میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایک طبقہ شیرویہ کے خلاف ہو گیا۔ اور انہوں نے شیرویہ کو قتل کر دیا۔ اس طرح کئی بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور قتل کر دیے جاتے۔ الغرض چار برس میں نو بادشاہ تخت ایران پر بیٹھے صورت حال خراب ہو گئی۔ اور ملک کی فوجی قوت کمزور اور حکومت کا نظم ونسق تباہ ہو گیا۔ ایرانیوں نے محسوس کیا کہ وہ زوال پذیر ہو گئے۔ اگر ملک میں امن وامان قائم نہ ہوا اور اس انتشار اور جنگ اقتدار کا خاتمہ کر کے قوم میں اتحاد

واستحکام پیدا نہ کیا گیا۔ تو مسلمان ایران پر قبضہ کر کے ایرانی قوم کو اپنا غلام بنالیں گے۔ شیرویہ کے قتل کے بعد اس کی بہن دخت زناں تخت نشین ہوئی۔ مگر جلد ہی تخت سے اتار دی گئی۔ اس کے بعد شیرویہ کا بیٹا شاہ پور بادشاہ ہوا۔ اس نے فرخ زاد کو اپنا وزیر بنالیا اور اس کی خواہش تھی۔ کہ کسریٰ پرویز کی بیٹی آزرمیدخت اس سے شادی کر لے۔ لیکن آزرمیدخت اس پر رضامند نہ ہوئی۔ اور اس نے سیاؤخش سے سازش کر کے فرخ زاد کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد آزرمیدخت نے شاہ پور بادشاہ کو بھی قتل کرا دیا۔ اس کے بعد کسریٰ کی دوسری بیٹی پورن کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اس نے رستم کو جو ایک بہادر اور مدبر فوجی افسر تھا۔ کو اطلاع بھیجی کہ تمہارے باپ کو سیاؤخش نے قتل کروا دیا۔ فوراً مدائن پہنچ جاؤ رستم ممتاز سپہ سالار تھا۔ وہ فوراً مدائن پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ آخر آزرمیدخت اور سیاؤخش کا خاتمہ کر دیا۔ اور مدائن پر قبضہ کر لیا۔ اب ایران کا اقتدار پوران کے ہاتھ میں تھا اور وہ چند سال تک حکمران رہی پوران نے رستم کو اپنا وزیر بنا کر حکومت کے تمام معاملات اس کے سپرد کر دیئے اور فوجوں کا سپہ سالار بھی اس کو بنا دیا۔

رستم نے پوران دخت کے مشورہ سے کسریٰ کی تمام بیوگان اور اہل و عیال کو مدائن بلایا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کسریٰ کی کوئی نرینہ اولاد موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ کسریٰ کا بیٹا جس کا نام یزدگرد تھا عمر 21 سال زندہ بچ گیا تھا۔ اس کو بلایا گیا اور سب کے مشورہ سے یزدگرد بن شہریار کو ایران کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ اب حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ایران کے ساتھ تمام لڑائیاں یزدگرد شاہ ایران کے عہد میں لڑی گئیں۔ جن کی تفصیل اب بیان کی جا رہی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی فقید المثال فتوحات

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ساڑھے دس سالہ عہد خلافت میں اس وقت دنیا کی دو عالمی طاقتوں قیصر روم اور کسریٰ ایران کے گھروں میں جا کر ان کو ذلت آمیز شکستیں دیں۔ حالانکہ ان کی فوجوں کی تعداد' تربیت اور اسلحہ کے لحاظ سے مسلمان مجاہدین کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تھیں۔ ان مفتوحہ ممالک میں پورا ایران۔ فارس' عراق عرب و عجم' شام' فلسطین۔ بیت المقدس اور مصر کا ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل رقبہ کو سلطنت مدینہ میں شامل کیا گیا۔ اور ان کی قریباً تمام آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور آج بھی یہ ممالک دنیائے اسلام کے قابل فخر سیاسی۔ مذہبی۔ معاشی اور معاشرتی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی عدیم المثال فتوحات تاریخ عالم میں بے مثال ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

شام کی فتوحات کی ابتداء

آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی قیصر روم کے ساتھ شام میں محاذ آرائی شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ سریہ موتہ جمادی الاول 8 ستمبر 629ء واقعہ ہوا۔ اس کی وجوہات وواقعات مندرجہ ذیل تھے۔

8ھ میں رسول اللہؐ نے 15 مجاہدین کو تبلیغ اسلام کے لئے شام روانہ کیا۔ لیکن ان قبائل نے سوائے حضرت کعب بن عمر کے سب کو بے رحمی سے قتل کر دیا اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے حارث بن امیر ازدی کو قیصر روم کے عامل شرجیل بن عمرو حاکم شام کے پاس دعوت اسلام کا نامہ مبارک دے کر قاصد بھیجا مگر شرجیل نے ان کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔ چنانچہ ان مجاہدین کا انتقام لینے اور وہاں کے عرب قبائل میں تبلیغ اسلام کے لئے اور آنحضرتؐ نے جنگ موتہ کے لئے تین ہزار مجاہدین کا لشکر حضرت زید بن حارث کی سپہ سالاری میں روانہ فرمایا۔ جس میں عبداللہ بن رواحہؓ خالد بن ولیدؓ اور جعفرؓ طیار وغیرہ بھی شامل تھے۔

حضرت جعفرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس لشکر کا سپہ سالار مجھے بنایا جائے مگر حضورؐ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ زیدؓ سب سے اہل اور قابل ہیں لہذا وہی سپہ سالاری کا مستحق ہے اگرچہ خاندانی وجاہت اور حسب و نسب کے لحاظ سے حضرت جعفرؓ عبداللہ اور خالد بن ولیدؓ جیسے لوگوں کی موجودگی میں ایک آزاد کردہ غلام کو سپہ سالار مقرر کرنا۔ عرب کی روایات میں ایسا انقلابی واقعہ ہے جس کا تصور بھی جاہلی وجود کے تمدن پر لرزہ طاری کر دیتا ہے لیکن اسلام کی اصلاحی تحریک کی نگاہ میں دشمن کی سرکوبی اور استیصال سے بڑھ کر دوستوں کی تہذیب واخلاق کی تکمیل مقدم تھی۔ اسلام کی قائم کردہ اس مساوات واخوت کا نتیجہ تھا کہ تین ہزار جانثار ایک لاکھ فوج کا مقابلہ پورے جوش و جذبہ سے کرتے تھے اور اس حیرت انگیز قوت کا راز محض اس حقیقت میں مضمر تھا کہ ان میں اب جاہلیت کے دور کی نسلی عصبیت ختم ہو چکی تھی۔ اب ذات پات کی اونچ نیچ اور نسل وقبیلہ کا امتیاز مٹ چکا تھا۔ اب سب آپس میں بھائی بھائی اور ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے مساوی تھے۔ سپہ سالاری

کی بنیاد اہلیت قابلیت 'خلوص و قربانی' خداداد صلاحیتوں سیرت و کردار اور کارہائے نمایاں کی بنیاد پر ملتی تھی نہ کہ خاندان خانوادہ حسب ونسب قریش ایک آزاد کردہ غلام اور حضورؐ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثؓ کے زیر کمان عام سپاہیوں کی حیثیت سے لڑ رہے تھے اس صورتحال سے اس نظریاتی انقلاب کا صحیح اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اسلام کی انقلابی تحریک نے عرب جیسے نسل وقبیلہ پرست ملک میں پیدا کر دکھایا تھا یہی زید ہیں جن کے ساتھ آنحضرتؐ نے اپنی پھوپھی زاد زینب کا نکاح کر دیا احترام آدمیت 'مساوات انسانی اور عالمگیر انسانی برادری کے عملی مظاہرے کی تاریخ عالم میں یہ واحد مثال ہے۔

جنگ تبوک رجب 9ھ اکتوبر 630ء :

تبوک مدینہ اور دمشق کے وسط میں 16 منزل تقریباً 200 میل کے فاصلہ پر واقع ہے آنحضرت کو اطلاع ملی کہ قیصر نے سریہ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے شام کی سرحد پر فوجی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے قیصر روم کے ساتھ شام جا کر مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا اور ایک مجاہدین کا لشکر ساتھ لے کر تبوک پہنچ گئے۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ قیصر روم میدان میں نہیں آیا۔ مسلمان تبوک کے علاقے میں بیس دن کے قریب ٹھہرے۔ رومی لشکر نہ آیا۔ چنانچہ اس اجتماعی اعصابی اور نفسیاتی جنگ میں مسلمان فتح یاب ہو کر واپس مدینہ آگئے۔ یہ آنحضرت کا آخری غزوہ تھا۔

آنحضرتؐ نے اپنی وفات سے چند روز قبل شام پر لشکر کشی کے لئے ایک فوج تیار کی۔ جس میں کبار صحابہ بھی شامل تھے۔ اس لشکر کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ بن حارث کو مقرر کیا۔ مگر ابھی لشکر روانہ نہیں ہوا تھا۔ کہ حضورؐ وفات پا گئے۔ آپ کے وصال کے بعد ابو بکرؓ خلیفہ رسولؐ نے یہ لشکر حضرت اسامہؓ کی قیادت میں شام روانہ کیا۔ جو وہاں سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر آیا۔

الغرض حضرت عمرؓ کے خلیفہ مقرر ہونے سے قبل ہی مسلمانوں کا رومیوں کے ساتھ مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق کی شام کی فتوحات کے لئے اسلامی لشکروں کی روانگی :

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تمام جزیرۃ العرب میں بغاوتوں اور مخالفتوں کو ختم کر کے عراق اور شام میں اسلام کی اشاعت عربوں کے اتحاد اور عرب قوم کو ایرانیوں اور رومیوں کی غلامی سے آزاد کرانے کا مکمل فیصلہ کر لیا۔ پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایران کے مقابلے پر عراق عرب کی فتوحات کے لئے ایک مجاہدین کے لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا وہاں ان کو مثنی بن حارثؓ شعبانی جیسا عظیم مجاہد مل گیا اور انہوں نے ایک سال کے عرصہ میں ایرانیوں کو ذلت آمیز شکستیں دے کر محیر العقول کامیابیاں حاصل کیں اور تمام عراق مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہو گیا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ابو بکرؓ کی عسکری حکمت عملی کی تائید وحمایت کر دی۔

سے صدیق اکبرؓ نے حج سے آنے کے بعد شام کی جانب پہلا لشکر 12ھ کے آخر میں روانہ کیا۔ جس کے سربراہ خالد بن سعید بن آصؓ تھے اس کا مقصد محض سرحدوں کی حفاظت تھا۔ رومیوں سے جنگ کرنا نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے خالد بن سعیدؓ کی سپہ سالاری پر شدید اعتراض کیا۔ کیونکہ وہ قبیلہ پرست تھا اور مساوات اخوت اسلامی کا حامی نہیں تھا حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن سعیدؓ کو ہٹا کر اس کی جگہ یزید بن ابو سفیان کو شامی لشکروں کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ جب خالد بن سعیدؓ نے رومیوں کی جنگی تیاریوں اور جوش وخروش کو دیکھا تو انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کی اطلاع دی آپ نے حکم بھیجا کہ تم صرف مسلمانوں

اور اپنی سرحدوں کا دفاع کرو۔ رومی علاقے میں پیش قدمی نہ کرو۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عکرمہ بن ابو جہل کو خالد بن سعید کی مدد کے لئے روانہ کیا اس کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ نے عمرو بن العاص ولید بن عقبہ ذوالکاع حمیری کو بھی شام جانے کا حکم دیا۔ رومی سردار باہان نے خالد بن سعیدؓ کو ایک چکر دے کر اس کے عقب سے اس کے لشکر پر حملہ کر دیا جس سے خالد بن سعیدؓ کو شکست ہوئی۔ اس کا بیٹا مارا گیا اور وہ مدینہ کی طرف بھاگ گیا عکرمہ بن ابو جہل اور ذوالکلاع حمیری اسلامی لشکر کو رومیوں کے چنگل سے بچا کر واپس شام کی سرحد پر لے آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو امداد کی درخواست بھیجی حضرت ابو بکرؓ نے شرجیل بن حسنہ کو فوج کا ایک دستہ دے کر عکرمہ کے پاس روانہ کیا اس کے بعد ایک بھاری لشکر جمع کیا اور اس کا سردار یزید بن ابو سفیان کو بنایا اور انہیں شام روانہ ہونے کا حکم دیا اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان کو بھی ایک لشکر کا امیر بنا کر شام بھیجا اس کے علاوہ ابو عبیدہ بن جرح کو بھی ایک بھاری لشکر کے ہمراہ شام کی طرف روانہ کیا حضرت ابو بکرؓ نے اس امید کا اظہار کیا کہ اگر خالد بن ولیدؓ ایران پر غالب آ سکتے ہیں تو کیا عکرمہ ابو عبیدہ بن جرح' عمرو بن العاص اور یزید بن ابو سفیان وغیرہ اور مدینہ کے مشہور بہادروں کے ذریعے رومی سلطنت کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔

عمرو بن العاصؓ اپنے لشکر کے ہمراہ عربہ میں مقیم رہے ابو عبیدہ بلقاء کو عبور کر کے جابیہ پہنچ گئے شرجیل اردن پہنچ گئے اور یزید بن ابی سفیان نے بلقاء میں قیام کیا اس موقع پر مسلمان فوجیوں کی کل تعداد تیس ہزار کے قریب تھی۔ لیکن ان کے مقابلے میں رومی افواج دو لاکھ چالیس ہزار افراد کے قریب تھیں۔ عکرمہ کے لشکر کی تعداد چھ ہزار تھی اور ابو عبیدہ یزید' اور عمرو بن العاصؓ کے لشکروں میں سے ہر ایک کی تعداد سات اور آٹھ ہزار کے قریب تھی۔

رومی افواج میں سب سے بڑا لشکر ہرقل کے بھائی تذارق کا تھا۔ جو نوے ہزار سپاہ پر مشتمل تھا یہ لشکر عمرو بن عاصؓ کے بالمقابل صف آراء تھا ابو عبیدہؓ کے بالمقابل ضیقار بن نسطوس کا لشکر تھا جس کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ شرجیلؓ بن حسنہ کے مقابلے کے لئے دارقص آیا تھا اس کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ یزید بن ابی سفیان سے لڑائی کے لئے جرجہ بن تدرا کو بھیجا گیا۔ ہرقل خود حمص میں مقیم تھا اور تمام حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا پل پل کی خبریں اسے مل رہی تھیں اور اس کی تمام تر کوشش سلطنت کو عربوں کے قبضے میں جانے سے بچانے پر صرف ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے بھائی تذارق کو اس عظیم مہم پر مامور کیا تھا۔ تذارق ہی نے اس سے قبل ایرانیوں کے لشکر جرار کو شکست دی تھی۔ اس تذارق کے ذریعے سے عربوں کو نیست و نابود کرنے اور انہیں ایسا سبق دینے کا تہیہ کیا جا رہا تھا۔ جسے وہ عمر بھر فراموش نہ کر سکیں۔

رومیوں کی بے پناہ فوج کو دیکھ کر مسلمان پریشان ہو گئے۔ تمام فوجی سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے صدیق اکبرؓ کو صورتحال سے مطلع کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے سالاروں کو لکھا کہ تمام اکٹھے ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر کے اور متحد ہو کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکلو۔ اللہ تمہارا مددگار اور حافظ و ناصر ہو گا چنانچہ اسلامی لشکروں نے یکجا ہو کر دمشق کے راستے میں یرموک کے بائیں کنارے پر معسکر قائم کر لیا۔ رومی سپہ سالار تذارک نے یہ دیکھا تو اپنی پوری طاقت دریا کے دائیں کنارے پر لا کر جمع کر دی۔ رومیوں نے دریائے یرموک اور دریائے اردن کے مقام اتصال سے تیس چالیس میل اوپر دریائے یرموک ایک طویل و عریض میدان کے گرد چکر کاٹتا ہے جسے تین اطراف سے اونچی اونچی پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں یہ میدان اس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس میں ایک عظیم الشان فوج آسانی سے خیمہ زن ہو سکتی ہے رومیوں نے یہ جگہ پسند کی

اور وہاں ڈیرے ڈال دیئے لیکن اس انتخاب میں رومیوں سے سخت غلطی ہوئی۔ کیونکہ یہ میدان تینوں طرف سے پہاڑیوں میں محصور ہونے کے باعث باہر نکلنے کا صرف ایک راستہ تھا جس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور رومی بالکل گھیرے میں آگئے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی کثرت تعداد کی بنا پر دشمن کو شکست نہیں دی تھی بلکہ اعلیٰ قیادت اور ایمانی قوت کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ کامیاب و کامران ہوتے تھے حضرت ابو بکرؓ ایک عظیم سپہ سالار کی تلاش میں تھے ان کی نظر خالد بن ولیدؓ پر پڑی جس میں ایک کامیاب سپہ سالار کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ چنانچہ آپ نے خالد بن ولیدؓ کو حکم بھیجا کہ تم یہاں سے روانہ ہو کر شام میں مسلمانوں کی افواج سے مل جاؤ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے ہیں۔

اے ابو سلیمان! میں تمہیں تمہارے خلوص خوش قسمتی اور بہادری پر مبارک باد دیتا ہوں اس مہم کو پایا تکمیل تک پہنچاؤ اللہ تمہاری مدد فرمائے۔ آپ نے خالد بن ولیدؓ کو شامی فوج کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا۔ خالدؓ کو اس بارے میں کوئی شک نہ تھا کہ اللہ انہیں شام میں فتوحات جلیلہ سے نوازے گا۔ اگرچہ انہیں وہاں کی تمام خبریں مل رہی تھیں۔ لیکن وہ مطمئن تھے ان کا دل اس یقین سے بھرپور تھا کہ وہ سیف اللہ ہیں اور اللہ کی تلوار بندوں کے ہاتھوں کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے مطابق شام روانہ ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں خالدؓ نے مثنیٰ بن حارث کو عراق میں اپنا جانشین مقرر کیا اور جب اس نے مثنیٰ کا اصرار دیکھا کہ آدھے صحابہؓ میرے پاس رہنے دیں تو ان کی منت و سماجت کر کے جلیل القدر اور بہادر صحابہؓ کو اپنے ساتھ لے جانے پر رضامند کر لیا عراق سے شام جانے کے لئے دو راستے تھے ایک چھوٹا لیکن بڑا خوفناک مگر دوسرا طویل راستہ تھا جس میں بڑا وقت ضائع ہوتا تھا لیکن انہوں نے خطرناک راستہ اختیار کیا اور بہر صورت شدید مصائب برداشت کر کے شام کی سرحد میں داخل ہو گئے اور اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ابو عبیدہ بن جراح، شرجیل بن حسنہ اور یزید بن ابو سفیان وغیرہ فوجیں لئے پڑے تھے عمرو بن عاصؓ بھی ان کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح تمام اسلامی فوجیں یرموک کے مقام پر جمع ہو گئیں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ بھی عراق سے چھ ہزار فوجی آئے تھے۔

جنگ یرموک رجب 13ھ :

13ھ میں خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے سب سے پہلا خط حضرت ابو عبیدہ کو لکھا۔ کہ میں تم کو خالدؓ کے لشکر کا جو شام میں ہے امیر مقرر کرتا ہوں یعنی شامی فوجوں کے آپ سپہ سالار اور خالد بن ولیدؓ تمہارے ماتحت نائب امیر ہوں گے جو لوگ شام میں ابو بکرؓ کی وفات کی اطلاع لے کر گئے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ شداد بن اوس بن ثابت انصاری۔ محمیہ بن جزء اور یرقاء جنگ میں فتح کے بعد ابو عبیدہ کو حضرت عمرؓ کا خط دیا۔ جس میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کی خبر اور آپ کو شام کی فوجوں کا سپہ سالار بنانے کا فرمان اور خالدؓ کو معزول کرنے کا حکم تھا۔ فتوحات شام کے متعلق مختلف مورخین کے درمیان بہت اختلافات ہیں۔ ان میں طبری، ابن آثیر، ابن خلدون، واقدی، ازدی، بلاذری وغیرہ شامل ہیں۔ بہر حال ہم نے ان روایات کو تسلیم کر کے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ جو درائت اور حقائق و واقعات کے مطابق نظر آتی ہیں۔

جنگ یرموک رجب 13ھ:

مسلمانوں کے لئے یہ موقع بے حد نازک تھا ایک تو رومیوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ دوسرے سازوسامان اور جنگی تیاریوں کے لحاظ سے بھی مسلمانوں اور رومیوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو شامی فوج کا سپہ سالار بنایا تھا یرموک کی جنگ میں مسلمان اور رومی فوجیں تین ماہ تک ایک دوسرے کے بالمقابل جنگ کے لئے تیاریاں کرتے رہے۔ خالدؓ نے رومیوں کی ترتیب اور صف بندی کا بغور مطالعہ کر لیا تھا انہوں نے ان کے مقابلے کے لئے ایک ایسا طریقہ استعمال کرنا چاہا جو نہ صرف رومیوں پر رعب ڈالنے والا ہو بلکہ اس کے ذریعے سے فتح بھی حاصل ہو سکے۔ انہوں نے اسلامی لشکر کو اڑتیس دستوں میں تقسیم کیا (ہر ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا) اور فرمایا۔

"تمہارے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ کثرت تعداد پر نازاں ہے اس کے مقابلے میں یہی تدبیر مناسب ہے کہ ہم اپنی فوج کے بہت سے دستے بنالیں تاکہ دشمن کو ہماری تعداد اصل سے بہت زیادہ نظر آئے" قلب میں انہوں نے اٹھارہ دستے رکھے اور ابو عبیدہ کو ان کا سردار بنایا۔ ان دستوں میں عکرمہ بن ابو جہل بھی شامل تھے۔ میمنہ پر دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار عمرو بن العاصؓ تھا میمنہ پر دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار قعقاع بن عمروؓ کو نامزد کیا۔

ان دستوں میں شرجیل بن حسنہ بھی تھے میسرہ پر دس دستے متعین کئے اور ان کا سردار یزید بن ابی سفیان کو مقرر کیا ہر دستے کا علیحدہ سردار بھی تھا جو میمنہ، میسرہ اور قلب کے سرداروں سے احکام حاصل کرتا تھا ان دستوں کے سردار وہ لوگ تھے جو بہادری جواں مردی اور شجاعت میں اپنی نظیر آپ تھے مثلاً قعقاع بن عمرو۔ عکرمہ بن ابو جہل صفوان بن امیہ وغیرہ۔

خالد نے ایک شخص کو کہتے سنا۔

"اوہو رومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کتنے کم!"

"یہ سن کر خالدؓ کو سخت طیش آیا اور وہ چلا کر بولے

"اوہو رومی کتنے کم ہیں اور مسلمان کتنے زیادہ!

یاد رکھو! فوجیں اللہ کی مدد کی بدولت زیادہ ہوتی ہیں اور ناکامی بزدلی کی وجہ سے ہوتی ہے فتح و شکست کا انحصار آدمیوں کی کثرت و قلت پر نہیں ہوتا"

پھر فرمایا "کاش (میرے گھوڑے) اشتر کا پاؤں اچھا ہوتا۔ پھر چاہے دشمن تعداد میں ہم سے کتنے گنا زیادہ کیوں نہ ہوتے مجھے ان کی مطلق پروانہ ہوتی"

خالدؓ کے یہ الفاظ سارے لشکر میں پھیل گئے۔ ہر شخص کے سینے میں غیرت و حمیت کے جذبات بھڑکنے لگے اور ہر دل میں شہادت کی تمنا جوش مارنے لگی۔ ہر زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

"فوجیں اللہ کی مدد کی بدولت زیادہ ہوتی ہیں اور ناکامی و بزدلی کی وجہ سے کم ہوتی ہیں"

مسلمانوں میں اس وقت اتنا جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا کہ شام آنے کے بعد سے اب تک پیدا نہ ہوا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ خالدؓ نے آج فتح حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جب خالدؓ کسی کام کا ارادہ کر لیں۔ تو کوئی طاقت

انہیں باز نہیں رکھ سکتی۔ ادھر انہوں نے رومیوں کو پوری طاقت و قوت سے میدان جنگ میں صفیں باندھے ہوئے دیکھا۔ وہ مسلمانوں کی طاقت کلیتہ ختم کر دینے کے ارادے سے میدان میں آئے تھے اس وقت انہیں خالدؓ کے یہ الفاظ یاد آئے۔

"آج کا دن اللہ کے اہم دنوں میں سے ہے اللہ نے جنت کے دروازے مومنوں کے لئے کھول دیئے ہیں۔ آج جو شخص موت قبول کرتا ہے اسے ہمیشہ کی زندگی عطا فرمائی جائے گی"

ان الفاظ نے ان کے عزم و حوصلہ میں بے پناہ زور پیدا کر دیا اور وہ انتظار کرنے لگے کہ کب حملے کا حکم ملتا ہے اور وہ میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہیں۔

عکرمہ خالدؓ کے خیمے کے سامنے اپنا دستہ لئے کھڑے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان رومیوں کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے لگے تو غیرت و حمیت ان کی رگ رگ میں سرایت کر گئی اور انہوں نے چلا کر رومیوں سے کہا۔

"میں رسول اللہؐ جیسے مقدس انسان سے ہر میدان میں لڑتا رہا ہوں کیا آج کی لڑائی میں تم سے ڈر کر بھاگ جاؤں گا واللہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

یہ کہہ کر وہ ساتھیوں کی طرف مڑے اور کہا۔

"آؤ موت کے لئے کون بیعت کرتا ہے ؟"

یہ سن کر فرار بن ازور حارث بن ہشام ان کے لڑکے عمروؓ بن عکرمہ اور چار سو دوسرے بہادر معزز مسلمانوں اور شہسواروں نے عکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور عکرمہ انہیں لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے رومیوں کے پاؤں اس ناگہانی حملے کی وجہ سے لڑکھڑا گئے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ عین اس وقت جرجہ نے خالدؓ سے گفتگو کے نتیجے میں اسلام قبول کر لیا اور اپنا دستہ لے کر مسلمانوں سے مل گیا۔ یہ امر رومیوں میں مزید بدحواسی اور ابتری پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

فتح یرموک رجب 13ھ :

جب خالدؓ نے رومی لشکر کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو انہوں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے اور رومیوں پر زبردست حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عکرمہ کے دستے کا زور کیا کم تھا۔ جواب خالدؓ کے لشکر نے قیامت ڈھائی شروع کی۔ رومیوں کے لئے اب کوئی جائے فرار نہ تھی۔ پیچھے واقوصہ کی ہولناک گھاٹی اور گہرے کھڈ ان کا راستہ روکے ہوئے تھے اور سامنے سے مسلمانوں کا لشکر انہیں بے دریغ قتل کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ خالدؓ تلوار ہاتھ میں لئے سب سے آگے آگے تھے۔ اس موقع پر مسلمان عورتیں بھی اپنے مردوں سے کم نہ رہیں اور انہوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔

رومی بھی اپنی مدافعت میں جان توڑ کر لڑے۔ جو مسلمان ان کے قابو میں آگیا زندہ نہ بچ سکا۔ رومیوں کی شجاعت اور جواں مردی کی وجہ سے خاصی دیر تک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا شام ہو گئی۔ مگر لڑائی جاری رہی۔ عکرمہ اور ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔ یہ لوگ معرکے کے آغاز سے انجام تک انتہائی جواں مردی سے دشمن کے سامنے ڈٹے رہے۔ اور بڑھ چڑھ کر حملے کرتے رہے۔ سورج غروب ہونے پر رومیوں میں ضعف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ان کے سواروں کے چہروں سے شدید تھکاوٹ کے آثار ہویدا تھے اور وہ بھاگنے کے لئے

کسی راستے کی تلاش میں تھے لیکن اس وقت ان کے لئے کوئی راہ فرار نہ تھی۔ واقوصہ کی گھائی ان کے پیچھے تھی اور مسلمان ان کے آگے۔

خالدؓ نے اندازہ کر لیا تھا کہ رومی سواروں کا فرار ان کے ساتھیوں کے لئے مزید کمزوری کا باعث ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جب ان سواروں نے راستہ کھلا دیکھا تو بے تحاشہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس راستے سے نکلے چلے گئے اور سر زمین شام میں منتشر ہو گئے۔ جب میدان رومی سواروں سے خالی ہو گیا تو خالدؓ اپنے سوار اور پیدل دستے لے کر رومیوں کے پیدل دستوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ رومی اپنی خندقوں میں گھس گئے۔ خالدؓ وہاں بھی پہنچ گئے۔ تو انہوں نے واقوصہ کی گھائی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں وہ دھڑا دھڑ اس گھائی میں گرنے لگے۔ اگر ایک گرتا تو دس کو ساتھ لے کر گرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کوئی دیوار مع بنیاد زمین بوس ہو گئی ہے۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ کھڈ کو نہ دیکھ سکے۔ جو رومی بھاگ کر ادھر آتے انہیں خبر نہ ہوتی کہ آگے والوں پر کیا گزری وہ بھی اس کھڈ میں گرتے جاتے۔ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی واقوصہ کی گھائی کی نذر ہوئے۔ ان میں سے اسی ہزار نے اپنے آپ کو بیڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ یہ تعداد ان سواروں اور پیدل کے علاوہ ہے۔ جو میدان جنگ میں کام آئے۔ یہ لڑائی دن اور رات کے اکثر حصے میں جاری رہی۔ صبح ہونے سے پہلے ہی خالدؓ رومی لشکر کے سپہ سالار اعظم کے خیمے تک پہنچ چکے تھے۔ ہرقل کا بھائی تزارق بھی اسی معرکے میں قتل ہوا فیقار اور اس کے ساتھی جن کا شمار رومیوں کے سرکردہ اور معزز اشخاص میں ہوتا تھا۔ جنگ میں مارے جانے سے بچ گئے تھے لیکن وہ اس عبرتناک شکست کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کے لئے ٹوپیوں سے منہ چھپا لئے اور میدان کے ایک جانب بیٹھ کر کہا۔ کہ اگر ہم مسرت کا دن دیکھنے اور عیسائیت کی حمایت کرنے کے قابل نہیں۔ تو ذلت و بدبختی کا یہ دن بھی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ لوگ اس حالت میں قتل کر دیے گئے اور موت انہیں عار سے بچانے کا موجب ہوئی۔ باہان نے بھاگ کر جان بچائی اور بعد کی جنگوں میں دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے پر آیا۔ لیکن اس کا حشر ہمیشہ یرموک سے کم نہ ہوا۔

رومیوں کو کامل شکست ہو چکی تھی۔ مسلمان ان کی لشکر گاہ میں داخل ہوئے۔ خالدؓ نے ہرقل کے بھائی تذارق کے خیمے میں رات گزاری صبح کو جب انہوں نے میدان میں نگاہ دوڑائی تو حد نظر تک کسی رومی کا نشان دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر خالدؓ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور انہوں نے اللہ کے اس عظیم الشان احسان کا شکر ادا کرنے کے لئے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

جنگ یرموک میں مسلمان شہداء کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ اس لڑائی میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ جن میں جلیل القدر صحابہ اور بڑے بڑے بہادروں اور شہسواروں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ معرکے کے دوران عکرمہ بن ابو جہل اور ان کے بیٹے عمروؓ بن عکرمہ کے جسم تلواروں اور نیزوں سے چھلنی ہو چکے تھے۔

فتح کے بعد انہیں تذارق کے خیمے میں خالدؓ کے پاس لایا گیا۔ خالدؓ نے عکرمہ کا سر اپنی ران پر اور عمروؓ بن عکرمہ کا سر اپنی پنڈلی پر رکھ لیا اور ان کے چہروں سے مٹی پونچھنے اور حلق میں پانی ٹپکانے لگے اسی عالم میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ابو سفیان کی آنکھوں میں ایک تیر لگ گیا۔ جسے ابو حشمہ نے نکالا۔

اس جنگ کا انجام رومیوں کے لئے بہت خسرت ناک تھا ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئی تھیں۔ تمام منصوبے ملیامیٹ ہوگئے تھے ہر قل ان دنوں حمص میں مقیم تھا۔ جونہی اس نے اپنے لشکر کی عبرتناک شکست کی خبر سنی وہ ایک شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر خود وہاں سے بھاگ گیا۔ ادھر مسلمانوں نے جنگ یرموک سے فراغت حاصل کرتے ہی دمشق کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت ابو عبیدہ نے فتح یرموک کی خوشخبری کے ساتھ دربار خلافت میں خمس روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ میں بشیر بن سعد بن ابی حمیری کو یرموک میں اپنی جگہ چھوڑ کر ان شکست خوردہ فوجوں کے تعاقب میں فحل کے مقام پر جمع ہو رہی ہیں۔ جارہا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہر قل حمص میں مقیم ہے اور وہاں سے دمشق فوجیں روانہ کر رہا ہے لیکن یہ فیصلہ کرنا میرے لئے دشوار ہے کہ پہلے دمشق پر حملہ کروں یا فحل پر حضرت ابو عبیدہ کا یہ خط پڑھتے ہی حضرت عمرؓ نے انہیں جواب لکھا۔

فتح دمشق 13ھ :

حضرت عمرؓ کا جو خط حضرت ابو عبیدہ کو ملا تھا اس میں حکم تھا کہ پہلے دمشق پر حملہ کرو کیونکہ دمشق شام کا قلعہ اور دشمنوں کا دارالحکومت ہے اور فحل والوں کے مقابلے میں اپنا دستہ چھوڑ کر ان کو الجھائے رکھو۔ تاکہ وہ لوگ تمہاری طرف توجہ نہ کر سکیں۔ اسی طرح اہل فلسطین اور اہل حمص کو بھی مصروف کر دو' اگر یہ مقامات دمشق سے پہلے فتح ہو گئے تو تمہاری مراد بر آئے گی اور اگر خدا نے دمشق کو ان سے پہلے فتح کرا دیا تو اس کی حفاظت کے لئے ایک امیر کو چھوڑ دینا اور باقی امراء اور تم جا کر فحل پر حملہ کرنا۔ جب فحل فتح ہو جائے۔ تو تم اور خالدؓ حمص کی طرف مڑ جانا اور شرجیل اور عمرو بن عاصؓ کو اردن اور فلسطین میں چھوڑ دینا اور ہر شہر اور فوج کے امراء تا حکم ثانی اپنی اپنی خدمات پر برقرار ہیں۔

فحل کا محاصرہ :

ابو عبیدہ نے فحل کی طرف دس قائد روانہ کئے ابو الاعور ان کے سردار تھے یہ سب لوگ قائد تھے اور ان میں سے ہر ایک کی ماتحتی میں پانچ پانچ قائد اور تھے سرداری کے لئے جہاں تک ہو سکا صحابہ ہی میں سے لوگ منتخب ہوتے تھے یہ سب لوگ صفر سے روانہ ہو کر فحل کے قریب ٹھہر گئے۔ مگر جب رومیوں کو مسلمانوں کی فوجوں کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ ان کے ارادے سے آرہی ہیں تو رومیوں نے فحل کے اطراف کی ندیوں کے بند توڑ دیئے جس سے تمام زمین میں پانی پھیل گیا اور وہ دلدل بن گئی۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی اور اسی ہزار شہ سوار ان کے حملے سے محفوظ رہ گئے۔

اسلامی فوجیں جب غوطہ دمشق میں داخل ہوئیں تو تمام مکان خالی تھے اور مکیں حملہ آوروں سے جان بچا کر شہر بھاگ گئے تھے۔ دمشق کی فصلیں جن کی تعمیر میں بڑے بھاری بھاری پتھر صرف کئے گئے تھے۔ اپنی استواری کے اعتبار سے

ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں ان کی بلندی چھ میٹر اور بالائی سطح تین میٹر سے بھی زیادہ تھی اوپر تیر اندازوں منجنیق چلانے والوں کے لئے برجیاں تھیں اور ان برجیوں میں بہت سی کھڑکیاں بنائی گئی تھیں۔ ایرانیوں کے حملے کے بعد ہرقل نے ان فصیلوں کو اور زیادہ مستحکم کرا دیا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب ان فولادی فصیلوں کو باآسانی فتح نہیں کیا جا سکتا۔ ان فصیلوں میں بڑے بڑے دروازے تعمیر کئے گئے تھے جن کے بند ہو جانے کے بعد نہ کوئی اندر جا سکتا تھا۔ نہ باہر آ سکتا تھا۔ فصیل کے چاروں طرف تین میٹر چوڑی خندق تھی۔ جس میں برف کا ساٹھنڈا پانی بھرا رہتا تھا اور اس طرح دمشق ایک ایسا قلعہ بن گیا تھا جس کے ہر طرف حفاظتی برجیاں تھیں اور جس پر قبضہ کرنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ محاصرے کو طول دے کر اس کے باشندوں کی کمر توڑ دی جائے اور ان کے ارادوں کی پستی سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنی شکست مان لینے پر مجبور کر دیا جائے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے دمشق جیسے مستحکم شہر پر فتح پانے کے لئے اس طویل محاصرے کا اندازہ کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ وہ غوطہ کے عبادت کدوں اور گھروں کے دروازے کھول کر ان میں سکونت پذیر ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انہیں اس کا بھی یقین تھا۔ کہ ہرقل حمص یا فلسطین سے فوجیں بھیجے گا اور اسلامی لشکر دمشق کی آہنی فصیلوں اور رومی فوجوں میں گھر کے رہ جائے گا۔ اسی خیال سے انہوں نے ذوالکلاع حمیری کو دمشق و حمص اور علقمہ ابن حکیم اور مسروق عل کو دمشق و فلسطین کے درمیان پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اس طرف سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد وہ اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور شہر کے ایک ایک دروازے پر ایک ایک افسر مقرر کر دیا۔ چنانچہ وہ خود باب جابیہ پر حضرت عمروؓ بن العاصؓ باب تومار' حضرت شرجیل بن حسنہ باب فرادیس پر اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ باب صغیر یا باب کیسان پر اترے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے حصے میں مشرقی دروازہ آیا۔ جس کے قریب دیر صلیبا نام کا ایک گرجا تھا چونکہ حضرت خالدؓ نے اس گرجے میں قیام فرمایا تھا۔ اس لئے بعد کو اس کا نام "دیر خالد" پڑ گیا۔

مسلمانوں نے شہر کے چاروں طرف منجنیق اور توپیں نصب کر کے رومی مورچوں پر حملے کا آغاز کر دیا۔ لیکن یہ مورچے اتنے مستحکم تھے کہ عربوں کی قلت تعداد معمولی سامان جنگ اور محاصرے کے فن سے ناآشنا سپاہی انہیں فتح کرنے سے عاجز تھے چنانچہ توپوں اور منجنیقوں کے حملوں کو رومیوں نے تیروں اور نیزوں سے ناکام بنا دیا دمشق کے گورنر نسطاس اور سپہ سالار باہان کو یقین تھا کہ ہرقل جوان کے قریب حمص میں ایک لشکر جرار کے ساتھ مقیم ہے دمشق کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا کبھی گوارہ نہ کرے گا۔ اور وہ بھی یہ سمجھتے تھے کہ دوسرے حملہ آوروں کی طرح ان فولادی فصیلوں کو توڑ دینا عربوں کے بھی بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ اسی یقین نے ان کے پاؤں جمار کھے تھے اور مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ ہرقل نے ان کی توقعات کو غلط ثابت نہ ہونے دیا اور حمص سے دمشق کے لئے امدادی فوجیں روانہ کر دیں۔ لیکن راستے میں ان فوجوں کی مڈبھیڑ ذوالکلاع حمیری سے ہوئی۔ اور زبردست مقابلے کے بعد یمن کے سرفروشوں نے ان فوجوں کو حمص کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ نسطاس اور باہان کو یہ خبر ملی تو بہت پریشان ہوئے لیکن دمشق کی قوت مقابلہ کو دیکھ کر ان کی ہمت پھر بندھ گئی انہوں نے سوچا عنقریب سردی شدید ہو جائے گی اور یہ گرم صحراؤں

کے رہنے والے اس کی تاب نہ لا کر اپنے ملک واپس ہو جائیں گے۔

سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید، جو دمشق کے مشرقی دروازے پر متعین تھے نہ خود سوتے تھے نہ کسی اور کو سونے دیتے تھے انہوں نے دمشق کے حالات معلوم کرنے کا ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ پل پل کی خبر انہیں پہنچتی تھی۔ ایک دن انہیں اطلاع ملی کہ دمشق کے بطریق (یعنی بڑا پادری) کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جس کی خوشی میں اس نے ایک شاندار دعوت کی ہے اور اس دعوت میں تمام فوجوں نے اتنی کثرت سے کھایا پیا ہے کہ بے سدھ پڑے ہیں، یہ سن کر حضرت خالدؓ نے رسیوں کی سیڑھیاں تیار کرائیں اور جب رات ختم ہونے کو آئی تو وہ اور عراق سے ان کے ساتھ آئے ہوئے سپاہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے کہا "جب تم فصیل پر سے ہماری تکبیر سنو تو اوپر چڑھ آنا۔ یہ کہہ کر حضرت خالدؓ نے قعقاع بن عمرو، مذعور بن عدی اور اسی مرتبے کے دوسرے بہادروں کو ساتھ لیا اور مشکیزوں پر بیٹھ کر خندق عبور کی۔ اس کے بعد رسیوں کی سیڑھیاں بنا کر انہیں فصیل کے کنگروں سے اٹکا دیا اور اوپر چڑھ گئے۔ پھر وہی سیڑھیاں دوسری طرف لٹکا دیں اور قلعے کے اندر اتر کے تلواروں سے دروازے کی زنجیریں کاٹ ڈالیں۔ جو لوگ فصیل کے اوپر کھڑے تھے انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور حضرت خالدؓ کے سپاہیوں نے تیزی سے خندق عبور کر کے فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا۔

مشرقی دروازہ دمشق کے تمام دروازوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھا۔ اس کے سامنے چونکہ خندق زیادہ چوڑی اور گہری تھی۔ اس لئے اس دروازے پر پہرے کا بھی غیر معمولی انتظام نہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے پہرے داروں پر دفعتاً حملہ کر دیا اور ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تلواروں سے دروازے کے قفل کھول دیئے۔ اس طرح جو سپاہی فصیل پہ نہ چڑھ سکے تھے۔ وہ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے اس رستے سے شہر میں داخل ہو گئے۔ دمشق والوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا اور یہ خبر اس سرے سے اس سرے تک تمام شہر میں پھیل گئی۔

کہ مسلمان مشرقی دروازے سے شہر میں داخل ہو گئے ہیں اور جو کوئی ان کے سامنے آتا ہے۔ اسے گاجر مولی کی طرح کاٹ کے پھینک دیتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے فوراً شہر کے سارے دروازے کھول دیئے اور حضرت ابو عبیدہؓ سے صلح کر لی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں امان دے دی۔ اور باب جابیہ سے شہر میں داخل ہو گئے اس وقت انہیں یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ حضرت خالدؓ شہر میں کس در سے آئے ہیں جب ان کو اس خون ریزی کا علم ہوا تو حضرت خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ صلح ہو چکی ہے قتل و غارت سے ہاتھ روک لو! اس پر خالدؓ نے اعتراض کیا کہ وہ شہر میں بہ زور شمشیر داخل ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ لشکر کے امیر تھے اس لئے حضرت خالدؓ پر ان کے حکم کی تعمیل فرض تھی چنانچہ چار و ناچار انہوں نے بھی صلح تسلیم کر لی۔

فتح دمشق کی یہ سب سے مشہور روایت ہے۔ جسے واقعات کے انوکھے پن کے باوجود مورخین عرب اور مستشرقین کی تائید محض اس لئے حاصل ہے کہ اس کے ہیرو حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں اور اگر اس عدیم النظیر سپہ سالار کے سوا جس کے جنگی کارنامے معجزوں سے آنکھ ملاتے ہیں۔ یہ روایت کسی اور کی طرف سے منسوب ہوتی تو مورخین اسے تسلیم ہی نہ کرتے بلکہ سرے سے اس کو بیان ہی نہ کرتے۔ بھلا حضرت خالدؓ کے سوا اور ہو بھی کون سکتا ہے جو نہ خود سوئے اور نہ دوسروں کو سونے دے۔ جو دمشق کے اندرونی حالات کی اتنی خبر رکھے کہ اسے یہ تک معلوم ہو کہ بطریق کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جس

کی خوشی میں اس نے شاندار دعوت کی ہے اور اس دعوت میں رومی سپاہیوں نے اتنی کثرت سے شراب پی ہے کہ وہ بے سدھ پڑے ہیں اور مقابلہ نہیں کر سکتے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر کے اندر داخل ہو گئے اور کسی خطرہ کی پرواہ نہ کی۔ دشمن پر غالب آکر فتح حاصل کر لی اور فاتح دمشق تسلیم کئے گئے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے جنگ میں واقعی بڑے بڑے معجز نما کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ جن کی جھلکیاں ہم ارتداد کی جنگوں' عراق کی فتح اور یرموک کے معرکے میں دیکھ چکے ہیں۔ اس بنا پر کوئی تعجب نہیں اگر ان کا یہ کارنامہ بھی ان ہی معجزوں کا ایک حصہ ہو جو ہر جنگ میں ان کے لئے فتح و کامرانی کی ضامن رہی ہیں اور جن کی وجہ سے مورخین عرب اور مستشرقین نے اس روایت کو بالکل صحیح قرار دیا ہے۔ ان روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک طرف حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ باب جابیہ سے شہر میں صلح کے ذریعے داخل ہوئے اور دوسری طرف عین اسی وقت حضرت خالدؓ نے بذریعہ شمشیر دمشق کے ان باشندوں سے صلح کر لی جو مشرق دروازے کے قریب تھے اور جب یہ دونوں سردار وسط شہر میں ایک دوسرے سے ملے۔ تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن جرح کی صلح کو تسلیم کر لیا اور اس کی شرطیں تمام شہروں پر نافذ کر دی گئیں۔

دمشق زمانہ قدیم سے مشرق و مغرب کی تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی آبادی کثیر اور اس کے باشندے خوشحال تھے ایک سیدھی سڑک شہر کو قطع کرتی ہوئی دور تک چلی گئی تھی اور اس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو آپس میں ملاتی تھی اس کا سلسلہ باب جابیہ سے شروع ہو کر باب مشرقی پر ختم ہوتا تھا۔ اس کے دونوں طرف ایسی ایسی شاندار دوکانیں تھیں کہ نہ عربوں نے اپنے ملک میں دیکھی تھیں نہ عراق میں۔ دمشق کے مسیحی عبادت کدے بھی بڑے حسین تھے اور ان میں سب سے بڑا گرجا یوحنا معمدان کا تھا۔ مسیح عقائد قبول کرنے سے پہلے رومیوں نے اس گرجے کو ایک بت خانے کی حیثیت سے تعمیر کیا تھا۔ لیکن جب وہ عیسائی ہو گئے تو انہوں نے بت خانے کو حضرت مسیح اور کنواری ماں مریم کی عبادت گاہ بنا دیا ان کلیساؤں' محلوں اور دوکانوں کے ارد گرد رومیوں نے اپنے مذاق کے مطابق تفریح گاہیں' تھیٹر اور حمام بنائے تھے عرب ان سب چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

جس طرح فتح دمشق کے سلسلے میں روایات باہمی طور پر مختلف ہیں اس طرح صلح کے متعلق بھی ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلاذری کی روایت ہے کہ صلح حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس خط پر ہوئی تھی۔ جو انہوں نے دمشق کے اسقف کو لکھا تھا اس خط کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ مسلمان صرف جذیہ لیں گے اور اس کے بدلے رومیوں کی جان و مال' ان کی عبادت گاہوں اور فصیلوں اور ان کے مکانوں اور محلوں سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ بلاذری نے اپنی تائید میں واقدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے خالدؓ بن ولید کا خط پڑھا ہے۔ مجھے اس میں مکانوں اور کلیساؤں کی آدھی آدھی تقسیم کا ذکر کہیں نہیں ملا۔ واقدی نے اس پر یہ اور اضافہ کیا ہے کہ دمشق کے مکانوں میں مسلمانوں کے ٹھہرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے باشندے شہر فتح ہونے کے موقع پر مکان خالی کر کے چلے گئے تھے اور ہرقل سے جا ملے تھے جو ان دنوں انطاکیہ میں مقیم تھا چونکہ ان مکانوں کا مالک اب کوئی نہ رہا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے انہیں اپنی اقامت گاہ بنا لیا۔

لیکن طبری کی روایت یہ ہے کہ دمشق کی صلح منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی تقسیم کے علاوہ ہر فرد کے ذمہ ایک دینار

کی ادائیگی پر ہوئی تھی۔ ابن کثیر نے مال و متاع کی تقسیم پر وضاحتی نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ شہر کا ایک حصہ چونکہ بہ زور شمشیر فتح کیا گیا تھا۔ اس لئے تقسیم مسلمانوں کا جائز حق تھی اور شہر کا دوسرا حصہ چونکہ صلح کے ذریعے از خود مفتوح ہو گیا تھا اس لئے اس حصے پر محض جذیہ عائد کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آدھے شہر کے عبادت کدوں مکانوں اور مال و متاع کو مسلمانوں نے اپنے قبضے میں کر لیا کہ وہ طاقت کے بل پر فتح کیا گیا تھا اور باقی شہر پر جذیہ عائد کر دیا گیا کہ وہ صلح کے ذریعے مفتوح ہوا تھا۔

کلیساؤں' مکانوں اور اموال کی تقسیم کا ذکر کرنے والے مورخ لکھتے ہیں کہ دمشق کے چودہ گرجوں میں سے مسلمانوں نے سات گرجوں پر تو قبضہ کر لیا تھا اور سب سے بڑی عبادت گاہ یوحنا ملد ان کا گرجا تقسیم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے نصف اول میں تو عیسائی اپنی عبادت کرتے اور انجیل پڑھتے تھے اور نصف آخر میں مسلمان نماز پڑھتے قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اس کے اوپر چڑھ کے اذان دیتے تھے۔

یہ تقسیم اسی برس تک قائم رہی۔ اس دوران میں پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ان کے بعد عبدالملک بن مروان نے مسجد کی توسیع کے ارادے سے گرجا والے حصے کو مسجد میں شامل کرنا چاہا۔ اور اس کے بعد عیسائیوں کو ایک بھاری رقم کی پیشکش کی لیکن عیسائیوں نے ان دونوں کی پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے دمشق کے معاہدہ صلح کا حوالہ دیا۔ اس کے بعد جب عنان خلافت ولید بن عبدالملک کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے بھی عیسائیوں سے یہی مطالبہ کیا اور حسب سابق ایک کثیر رقم معاوضے کے طور پر پیش کی لیکن عیسائی اب بھی رضامند نہ ہوئے اس پر خلیفہ نے انہیں تہدید کی کہ اگر انہوں نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا تو گرجا منہدم کرا دیا جائے گا۔ عیسائیوں نے خلیفہ کو اللہ کے غضب سے ڈرایا۔ لیکن وہ ہراساں نہ ہوئے اور گرجا کا حصہ ڈھا کر مسجد میں شامل کر لیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ تو عیسائیوں نے ان سے شکایت کی کہ ولید نے ان کا گرجا منہدم کرا کے ان پر ظلم کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دمشق کے گورنر کو حکم دیا کہ عیسائیوں کا حصہ انہیں واپس کر دیا جائے۔ یہ حکم دمشق کے فقیہوں اور مسلمانوں پر گراں گذرا۔ انہوں نے کہا "ہم مسجد کو کیسے منہدم کرا سکتے ہیں جبکہ ہم نے اس میں اذان دی ہے۔ نماز پڑھی ہے اور عبادت کی ہے" اور عیسائیوں سے درخواست کی ہے کہ اگر وہ کلیسائے یوحنا کے مطالبے سے دست بردار ہو جائیں تو مسلمان انہیں غوطہ کے وہ تمام گرجے واپس کر دیں گے۔ جو بہ زور شمشیر حاصل کئے گئے تھے۔ عیسائی اس پر رضامند ہو گئے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس باہمی فیصلے کو منظور فرما لیا۔

اگر دمشق کی صلح تقسیم پر نہ ہوتی تو کلیسائے یوحنا کے ایک حصے کو مسجد بنایا جاتا نہ حضرت معاویہؓ اور عبدالملک مسجد کی توسیع کے لئے عیسائیوں سے ان کا حصہ طلب فرماتے۔ ولید کے حکم سے کلیسا منہدم کرایا جاتا نہ عیسائی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے اس کی شکایت کرتے۔ یہ دلیل ہے ان لوگوں کی جن کے نزدیک دمشق کی صلح جذیے تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ تقسیم کی شرط بھی اس میں شامل تھی۔ اس کا جواب اس روایت کے مخالف یہ دیتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کے صلح نامے کی رو سے نہ کلیسائے یوحنا تقسیم ہوا نہ اس کے علاوہ دمشق کے دوسرے کلیسا اور مکانات و اموال وغیرہ۔ اس صلح نامے میں تو صرف جذیہ ہی عائد کیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان اور عبدالملک بن مروان نے کلیسا کو مسجد بنانے کی

خواہش اس وقت کی تھی۔ جب اسلامی سلطنت کا دار الخلافہ قرار پانے کی وجہ سے دمشق میں مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں سے زیادہ ہو گئی تھی اور حکومت کے تمام معاملات صرف خلیفہ کی مرضی پر منحصر ہو کے رہ گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جب عیسائیوں نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔ تو یہ دونوں اموی خلفاء اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے اور انہوں نے گرجا کو چھیڑا تک نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں رواداری کا صحیح مفہوم کیا ہے اور حالات کی تبدیلی کے باوجود وہ معاہدہ صلح کا احترام کس حد تک کرتا ہے حالات کی تبدیلی سے ہماری مراد یہ ہے کہ دمشق اب وہ پہلا سا دمشق نہیں رہا تھا۔ پہلے وہ روم کے عیسائیوں کا شہر تھا۔ لیکن اب عرب کے مسلمانوں کا مرکز بن گیا تھا۔ چنانچہ حالات کی یہی تبدیلی تھی جس نے ولید بن عبدالملک کو گرجا منہدم کرا دینے کی جرات دلائی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ خلافت میں عیسائیوں کو اس پر رضامند کر دیا۔ کہ وہ کلیسائے یوحنا کو مسجد کے لئے چھوڑ دیں اور اس کے بدلے اسلامی دار السلطنت کے باہر غوطہ دمشق کے گرجے قبول کر لیں۔ تقسیم کے سلسلے میں راوی باہم مختلف ہیں۔ لیکن اس پر ان سب کا اتفاق ہے کہ از روئے صلح نامہ اہل دمشق پر جذیہ فرض کیا گیا تھا جو وہ اپنے جان و مال کی حفاظت اور عقیدہ و رائے کی آزادی کے بدلے مسلمانوں کو ادا کرتے تھے۔ جذیے کی تفصیل یہ تھی کہ ہر شخص ایک دینار ایک معین مقدار میں گیہوں اور مسلمانوں کے کھانے پینے کے لئے زیتون کا تیل دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اہل دمشق جو ٹیکس اس سے پہلے رومی حکام کو دیتے تھے اب مسلمانوں کو دینے لگے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے عہد نامہ صلح سے حضرت عمرؓ بن خطاب کو مطلع کیا۔ حضرت عمرؓ نے شرائط ذرا نرم کرنے کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ اہل دمشق کو دو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے دولت مندوں سے چار دینار فی کس اور ان کے علاوہ باقی آبادی سے چالیس درہم فی کس جذیہ وصول کیا جائے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دمشق والے تین طبقوں میں تقسیم کئے گئے تھے۔ مال دار غریب اور متوسط اور ان سب سے ان کی حیثیت کے مطابق جذیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے کھانے پینے کے لئے گیہوں زیتون کے تیل' چربی' شہد کی فراہمی بھی رومیوں پر عائد کی گئی تھی یہ تھا صلح دمشق کے جذیے کا نصاب اور یہ تھیں وہ روایات جو تقسیم کے سلسلے میں بیان کی گئیں ہیں ایک طویل محاصرے کے بعد اس منصفانہ صلح کی بنیاد پر مسلمان شام کے پایہ تخت میں اقامت پذیر ہو گئے اور ہرقل کے حامیوں کے ساتھ رومیوں کو بھی شہر بدر کر دیا گیا۔

دمشق کے نظم و نسق کی اساس اس سیاست کو بنایا گیا۔ جو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ بن ولید کو فتح عراق کے لئے بھیجتے وقت مرتب فرمائی تھی۔ یعنی مسلمانوں نے دمشق کا نظم و نسق اہل دمشق کے ہاتھوں میں رہنے دیا۔

فحل کی فتح ذوالقعدہ 14ھ مطابق 636ء :

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور آور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بلیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجی

تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھی وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکار نام کا ایک رومی افسر تھا۔ موقع جنگ سمجھنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم تھا۔ جن میں سے دمشق، حمص، اردن فلسطین مشہور اضلاع ہیں اردن کا صدر مقام طبریہ تھا جو دمشق سے چار منزل پر ہے۔ طبریہ کے مشرق کی جانب 12 میل کی لمبی ایک جھیل ہے جس کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر فحل ہے یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔

دمشق میں مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ کو ان اسلامی فوجوں کی فکر ہوئی۔ جو اردن میں فحل کے قریب اقامت پذیر تھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے چند ساتھیوں نے جو کامیابی کے نشے میں چور تھے انہیں حمص فتح کرنے کا مشورہ دیا۔ جہاں محاصرہ دمشق کے دوران میں ہرقل مقیم تھا۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا۔ اس کی فوجیں شام کے پایہ تخت کی حفاظت کے لئے وہاں نہیں پہنچ سکتیں تو حمص سے انطاکیہ چلا گیا۔ سیف کی روایت ہے کہ مسلمانوں نے دمشق فتح کر کے یزید بن ابی سفیان کو مع ان کی فوج کے دستے کے دمشق میں چھوڑ دیا اور سب لوگ فحل کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کے سپہ سالار شرجیل بن حسنہ تھے۔ انہوں نے خالدؓ کو مقدمے پر ابو عبیدہؓ اور عمروؓ کو بازوؤں پر ضرارؓ بن الازور کو سواروں پر اور عیاضؓ کو پیدلوں پر مامور کیا تھا ان لوگوں نے ہرقل کی طرف بڑھنا مناسب خیال کیا کیونکہ اسی ہزار رومی ان کے عقب میں موجود تھے اور یہ معلوم تھا کہ فحل کی فوجیں رومیوں کے لئے سپر کا کام دے رہی ہیں اور انہیں سے رومیوں کی توقعات وابستہ ہیں۔ اگر یہ معرکہ سر ہو گیا تو سارا شام مسلمانوں کے زیر اقتدار آجائے گا۔

طبریہ کا محاصرہ :

جب مسلمان ابو الاعور کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کو طبریہ کی طرف آگے بڑھایا۔ طبریہ پہنچ کر مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور باقی تمام لشکر نے فحل پر جو علاقہ اردن میں واقع ہے پڑاؤ ڈالا۔ ابو الاعور فحل کی طرف آئے تو وہاں کے لوگ پسپا ہو کر بلیسان چلے گئے۔ شرجیلؓ اسلامی فوجوں کو لے کر فحل میں مقیم ہوئے۔ رومیوں نے بلیسان میں قیام کیا۔ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان وہ پانی اور دلدل حائل تھیں جن کا اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے۔

ذات الروغہ :

مسلمانوں نے محاذ جنگ کی اطلاعات حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کیں' خلیفہ کے پاس سے جواب آنے تک ان لوگوں کا ارادہ ٹھہرے رہنے اور فحل پر حملہ نہ کرنے کا تھا۔ نیز اس وقت دشمن پر پیش قدمی کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ کیونکہ سامنے کیچڑ اور دلدلیں موجود تھیں عرب اس جنگ کو فحل ذات الروغہ اور بلیسان کے ناموں سے موسوم کرتے تھے یہاں کے قیام کے زمانے میں مسلمانوں کو علاقہ اردن کی نفیس ترین پیداوار سے مشرکین سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ان کا سلسلہ رسد برابر قائم تھا اور بہت فارغ البالی سے گزر رہی تھی۔ اس وجہ سے دشمنوں نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بالکل بے خبر ہے

ہوئے ہیں۔

حضرت شرجیل بن حسنہ نے ابن الاعور کو طبریہ کے محاصرے کے لئے بھیج دیا اور خود فحل جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ مقدمتہ الجیش پر حضرت خالد بن ولیدؓ میمنہ و میسرہ پر حضرت ابو عبیدہ و حضرت عمرو بن عاصؓ اور سوار دستوں پر ہزار بن آزور کو مقرر کیا۔ تیاری کے بعد لشکر روانہ ہوا اور ام قنیس کے قریب سے جو دریائے اردن کے دھانے پر واقع ہے۔ یرموک عبور کرتا ہوا وادی غور میں قدم زن ہوا وہاں سے فحل پہنچا اور بلیسان میں رومی فوجوں کے سامنے خیمہ زن ہو گیا لیکن دلدل کی وجہ سے پیش قدمی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس فوج کے سرداروں نے باہمی مشورے کے بعد حضرت عمرؓ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔

سقلار بن مخراق کا اسلامی سپاہ پر اچانک حملہ :

رومیوں کا سپہ سالار سقلار بن مخراق تھا ان کو توقع تھی کہ ہم لوگ مسلمانوں کو اچانک جالیں گے۔ چنانچہ رومیوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مگر مسلمان بے خبر نہ تھے وہ ہر وقت ہوشیار اور چوکنے رہتے تھے۔ شرجیلؓ رات دن صف آرائی میں مصروف رہتے تھے جب مشرکوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ تو انہوں نے مشرکین کو ایک دم اپنی تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا اور ان کو ذرا مہلت نہ لینے دی۔ فحل میں یہ معرکہ زور و شور سے پیش آیا کہ اس سے قبل اس شدت کی جنگ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ رات بھر اور اگلے روز رات تک میدان کارزار گرم رہا۔ دشمنوں کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ وہ سخت حیران و پریشان تھے۔ انہوں نے فاش شکست کھائی اور ان کا سپہ سالار سقلار بن مخراق اور دوسرے بڑے بڑے سردار جن میں سے ایک نسطور بھی تھا۔ قتل ہوئے مسلمانوں کو نہایت شاندار فتح نصیب ہوئی۔

رومیوں کا فرار :

مسلمانوں نے پسپا ہونے والوں کا تعاقب کیا وہ سمجھتے تھے کہ دشمن ابھی تک مدافعت کے لئے جمنا چاہتا ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ سخت حیران و پریشان اور اپنے ٹھکانے سے بالکل ناآشنا ہیں۔ شکست اور پریشانی نے ان کو دلدل اور کیچڑ میں دھکیل دیا۔ مسلمانوں کی فوج کے آگے کے دستوں نے جو دشمن سے قریب تھے ان کا تعاقب کیا۔ رومی دلدل میں دھنس دھنس گئے ان کی یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ کوئی ان کو چھو تا تور کتے نہیں تھے مسلمانوں نے ان کو اپنے نیزوں سے کچو کے دیئے۔ دشمنوں کو ہزیمت تو فحل میں ہوئی اور دلدل میں قتل ہوئے اس روز اسی ہزار رومی قتل ہوئے تھے۔ بہت تھوڑے لوگ جان بچا کر بھاگ سکے تھے۔

حضرت خالدؓ کی مراجعت حمص :

مسلمان اس دلدل کو بہت ناپسند کر رہے تھے۔ مگر خدا نے اسی دلدل کو اپنی قدرت سے دشمنوں کے لئے مصیبت اور

مسلمانوں کے حق میں کار آمد اور مفید بنا دیا۔ تاکہ مسلمانوں کو بصیرت حاصل ہو اور ان کی جدوجہد میں ترقی ہو جائے۔ مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا اس کے علاوہ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل سے حمص کو واپس ہو گئے اور سمیر بن کعب کو اپنے ہمراہ لے کر ذوالکلاع اور ان کی فوج کے پاس پہنچے اور شرجیل اور ان کی فوجوں کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

محاصرہ بلیسان اور فتح:

جب شرجیل فحل کی جنگ سے فراغت پا چکے وہ اپنی فوج اور عمرو بن عاصؓ کو لے کر اہل بلیسان کی طرف بڑھے اور ان کا محاصرہ کر لیا اس وقت ابوالاعور اور چند اور سردار طبریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اردن کے علاقوں میں دمشق کے واقعات اور فحل اور دلدلوں میں رومیوں اور سقلار کے انجام کی کیفیت پھیل چکی تھی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ شرجیل اور ان کے ساتھ عمرو بن العاصؓ اور حارث بن ہشام اپنی افواج کو لے ہوئے بلیسان کے ارادے سے جا رہے ہیں۔ اس لئے ہر جگہ کے لوگ قلعہ گیر ہو گئے تھے شرجیل نے بلیسان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ جو چند روز تک جاری رہا۔ مگر بعد میں وہاں کے کچھ لوگ مقابلے کے لئے باہر نکلے مسلمان ان سے لڑے اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ باقی لوگوں نے مصالحت کی درخواست کی جس کو مسلمانوں نے دمشق کی شرائط پر منظور کر لیا۔

اہل طبریہ کی اطاعت:

جب اہل طبریہ کو اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابوالاعور سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کو شرجیل کی خدمت میں پہنچا دیا جائے۔ ابوالاعور نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ چنانچہ اہل طبریہ اور اہل بلیسان سے دمشق کی شرائط پر مصالحت ہو گئی اور یہ بھی طے ہوا کہ شہروں اور اس کے مضافات کی آبادیوں کے تمام مکانات میں سے نصف مسلمانوں کے لئے خالی کر دیے جائیں اور باقی نصف میں رومی خود سکونت اختیار کریں اور فی کس سالانہ ایک دینار فی جریب زمین سے ایک جریب گیہوں یا جو جس چیز کی کاشت کریں ادا کی جائے اس کے بعد مسلمان قائدین اور ان کی فوجیں آبادی میں مقیم ہو گئیں اور اردن کی فتح پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور تمام امدادی دستے اردن کے علاقے میں مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے اور فتح کی بشارت حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دی گئی۔

فتح حمص 14ھ۔ 635:

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو حمص پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ساتھ لے کر دمشق کی راہ اپنی منزل کی طرف گام زن ہو گئے۔ شام کے دارالسلطنت میں پہنچ کر انہوں نے ہاشم بن عتبہ کو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی مدد کے لئے عراق جانے کا حکم دیا۔ جو اس وقت قادسیہ میں ایرانیوں سے مقابلہ کرنے کو تیار بیٹھے تھے اور خود حمص کے ارادے ہرقل کو ان کی (نقل و حرکت کی) خبر مل گئی تھی اس لئے اس نے توذر بطریق کو بھیجا وہ مرج الروم و دمشق اور اس

کے مغرب میں فروکش ہوا۔ حضرت ابو عبیدہ نے مرج الروم اور ان کی اس جماعت کا قصد کیا۔ موسم سرما ان پر ٹوٹ پڑا تھا اور زخم ان میں پھیلے ہوئے تھے۔ جب وہ مرج الروم میں ان کے لئے آئے تو ان کے آتے ہی رومی بھی توذرا کے برباد گھڑ سواروں کے ساتھ فروکش ہوا وہ توذرا کی امداد اور اہل حمص کی حمایت کے لئے آیا تھا وہ ایک علیحدہ مقام پر اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔ جب رات ہوئی تو وہ مقام توذرا کے جانے کی وجہ سے ویران ہو گیا۔

حضرت خالدؓ کا تعاقب :

حضرت خالد بن ولیدؓ توذرا کے مقابلے پر تھے اور حضرت ابو عبیدہ شنس کے مقابلے پر تھے حضرت خالدؓ کو یہ اطلاع ملی توذرا دمشق کی طرف کوچ کر گیا تو حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہ دونوں اس امر پر متفق ہو گئے کہ حضرت خالدؓ اس کا تعاقب کریں لہذا حضرت خالدؓ ایک لشکر لے کر اسی رات اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔

رومیوں کو شکست :

شنس کا قتل (مرج الروم) :

حضرت خالد بن ولیدؓ کے جانے کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے شنس کا مقابلہ کیا۔ یہ جنگ مرج البروم میں ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ نے شنس کی فوج کا صفایا کیا اور شنس کو بھی قتل کر دیا۔ میدان جنگ رومیوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا اور وہاں ان (لاشوں کے سڑنے کی وجہ) سے بدبو آ رہی تھی۔ جو بھاگ گئے وہ بچ گئے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں زندہ بچ سکا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے فحل کے تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے حضرت عمرؓ نے مناسب جواب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا مددگار ہے۔

فتح فحل 15ھ :

حضرت ابو عبیدہؓ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالدؓ میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ حضرت خالدؓ کی طرف باگیں اٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا۔ کہ دوسری فوج نکلی خالدؓ نے ہبیرہ بن مسروق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابل ہو۔ تیسرا لشکر بڑے سازو سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار اس کا سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود پہنچ گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالدؓ کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالدؓ نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال کے ساتھ سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں۔ دیر

تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالدؓ نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے۔ اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالدؓ ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہؓ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے۔ چنانچہ اس وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا۔ فوج سازو سامان سے تیار رہے رات پچھلے پہر حضرت ابو عبیدہؓ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی معاذؓ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا' ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالدؓ کی ماتحتی میں دیئے گئے فوج آراستہ ہو چکی' تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو۔ کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔

رومیوں نے جو تقریباً پچاس ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں۔ جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو تیر انداز میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں اس ترتیب سے نقارہ دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے حضرت خالدؓ چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی تیر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا خالدؓ ادھر سے پہلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سوار ہی سوار تھے۔ تیر انداز نہ تھے۔ رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالدؓ پر حملہ آور ہوا۔ خالدؓ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالدؓ نے موقع پر اس زور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے۔ علم ہلا کر کہا۔ خدا کی قسم جب تک اس کو قلب میں جا کر نہ گاڑوں گا۔ پھر کر نہ آؤں گا" یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیرو خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواس ہو کر بھاگے حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح نامہ لکھا۔ اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے۔ اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکہ کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان' مال' زمین' مکانات' گرجے' عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لی جائے گی۔

جزیرہ نمائے عرب سے غیر مسلم اقوام کا انخلاء

حضرت عمر فاروقؓ نے سیاسی اور قومی حکمت عملی کے تحت نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہودیوں کو ان کے گھروں سے باہر نکال دیا۔ آپ کا یہ فیصلہ کسی مذہبی تعصب، نفرت یا عداوت کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ آپ کی اس مذہبی اور قومی پالیسی کا بنیادی مقصد تھا کہ جزیرہ نمائے عرب صرف عرب قومیت اور دین اسلام کے لئے مختص کر دیا جائے۔ یعنی یہاں عربی زبان عرب قوم اور صرف دین اسلام ہو۔

آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں دو دفعہ نجران کے پادریوں کے وفود مدینہ میں مذہبی امور پر بحث و تمحیص اور مناظرہ کے لئے حاضر ہوئے اور حضورؐ سے مفصل بحث ہوئی اور آپ نے ان کو اسلام کی حقانیت کا قائل کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ آخر آپ نے ان کو ایک معاہدہ تحریر کر دیا کہ نجران کے عیسائیوں کو مذہب کے معاملہ میں مکمل آزادی ہو گی اور مذہبی عبادت گاہوں کو تحفظ حاصل ہو گا اور وہ نجران میں امن و امان سے آزاد زندگی گزاریں گے۔ صرف اس بات کی تاکید کی کہ خنزیر کا گوشت نہ کھائیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں بھی اسی معاہدہ کے مطابق نجران کے عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہی اور کسی طرح ان کی آزادی سلب نہ کی گئی صرف دیگر اقلیتوں کی طرح ان سے جزیہ وصول کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس سیاسی و قومی پالیسی کے تحت کہ جزیرہ نمائے عرب کو اسلام کے سوا دیگر تمام مذاہب اور عرب قومیت کے علاوہ دیگر تمام اقوام سے پاک کر دیا جائے یعنی عرب میں دین صرف اسلام ہو گا اور قومیت صرف عرب ہو گی۔ اس لئے دیگر تمام مذاہب اور قومیتوں کے لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب سے خارج کر دیا جائے اس پالیسی سے حضرت عمرؓ کو غیر عرب اور غیر مسلمانوں کے خلاف کوئی تعصب، نفرت یا عداوت نہ تھی بلکہ یہ آپ کی سیاسی حکمت عملی تھی۔ کہ جزیرہ نمائے عرب میں صرف ایک مذہب اسلام رہے اور یہ ملک صرف عرب قوم کا وطن ہو۔ ان میں مذہبی اختلافات اور مختلف قومیتوں کے درمیان فتنہ و فساد اور قومیتوں کی تقسیم نہ ہو۔ بلکہ یہاں قومی یکجہتی اور سیاسی استحکام رہے۔ اور انہیں عرب قومیت کا شعور اور وطن سے محبت کا جذبہ پیدا ہو چنانچہ نجران کے عیسائیوں کو عراق اور خیبر کے یہودیوں کو شام میں آباد کر دیا اور ان کے مالی نقصان کی تلافی کر دی گئی حضرت عمر فاروقؓ نے نجران کے عیسائیوں کے پاس بھیجا کہ جو عیسائی اسلام قبول کر لیں وہ نجران میں رہ سکتے ہیں جو اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے ہیں وہ عراق چلے جائیں وہاں ان کی زمینوں اور جائیداد کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ عیسائیوں پر دین کے معاملہ میں زبردستی نہ کی جائے۔ لیکن جو عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہیں انہیں نجران سے نکال دیا جائے اور جتنی اور جیسی زمین اس نے چھوڑی ہے ویسی اور اتنی ہی زمین ان کو عراق میں دے دی جائے اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا جائے۔ یہی کچھ ان یہودیوں کے ساتھ کیا جائے جن کو خیبر اور فدک سے نکال کر شام کی طرف بھیجا گیا تھا ان زمینوں کی قیمت ان کو دے دی گئی اور ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی اور بے انصافی نہ کی گئی اس طرح جزیرۃ العرب اسلام کے سوا بہر

مذہب سے خالی ہو گیا اور عرب وحدت اور اسلام کی بنیادیں وہاں مضبوط ہو گئیں۔ جو امیر المومنین کا مقصد تھا۔

حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کے فیصلوں کے خلاف یعنی نجران سے عیسائیوں اور خیبر سے یہودیوں کو بدلتے ہوئے حالات کے تحت سیاسی مصلحتوں کے تحت کیا۔ یہ سنت رسول اللہؐ کی مخالفت نہ تھی بلکہ بدلے ہوئے حالات اور قومی مفاد کے تحت نئی سیاسی حکمت عملی کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا اگر آنحضرتؐ زندہ ہوتے تو شاید آپ بھی یہی سیاسی پالیسی اختیار کرتے جس طرح آپ نے مدینہ سے میثاق مدینہ کے باوجود یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ تمام مورخین بھی اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا کہ "جزیزۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے" حضرت عمرؓ نے عربوں میں یہ شعور پیدا کر دیا کہ عربوں میں کوئی کسی قسم کا امتیاز نہیں اور صحیح مساوات ہی ہماری سلامتی کی ضامن ہے۔ حضرت عمرؓ نے عربوں کو اتحاد و استحکام اور آزادی اور فتوحات کے ذریعے دنیا کی سب سے باعزت و باوقار قوم بنا دیا۔ حضرت عمرؓ نے 16ھ کو سن ہجری کی ابتدا واقعہ ہجرت سے کی عہد فاروقی میں مدینہ کا نظام حکومت آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ کی طرح اس کی بنیاد شوریٰ پر تھی۔ یعنی تمام معاملات صحابہ کے مشورہ سے طے پاتے تھے۔ یعنی یہ جمہوری مشاورتی نظام تھا۔ حضرت عمرؓ نے کبار صحابہ اور ارباب الرائے حضرات کو مدینہ سے باہر جہاد کے لشکروں یا نظم و نسق حکومت کے کاموں کے لئے عمال وغیرہ بنا کر عموماً نہ بھیجا کیونکہ ان کا نظام حکومت شورائی تھا جس میں اہم معاملات میں ان کے صلاح و مشوروں کی ضرورت تھی۔ خصوصاً سیاسی و عسکری معاملات اور مملکت کے اہم معاملات میں حضرت عمرؓ ان کے اجلاس طلب کر کے آزادانہ بحث و تمحیص سے ان کی رائے معلوم کرتے تھے ان کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ لیکن آخری فیصلہ خلیفہ کا ہوتا تھا اور ہر معاملہ میں اس کو مکمل اختیارات حاصل تھے اور اس کی رائے قول فیصل تھی سارا اقتدار اس کے ہاتھ میں تھا وہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

فتح حمص 15ھ:

جب ہرقل کو مرج الروم کے باشندوں کے قتل کی خبر موصول ہوئی تو انہوں نے امیر حمص کو حمص جانے کا حکم دیا وہ اپنے لشکر سے رخصت ہو کر آیا اور اس کے حاکم کو بھی حمص بھیجا حضرت ابو عبیدہؓ بھی حمص پہنچ گئے اور وہاں خیمہ زن ہوئے ان کے بعد حضرت خالدؓ بھی وہاں آکر مقیم ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہاں شدید سردی محسوس کی۔ رومیوں نے محاصرے کو طول دے دیا۔ تاہم مسلمانوں نے سردی کی شدت پر صبر کیا اور مستقل مزاجی سے جمے رہے اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر و استقلال عطا کیا اور موسم سرما کے خاتمے پر فتح و نصرت کی۔ دشمن شہر میں اس لئے محصور ہو گیا کہ انہیں یہ توقع تھی کہ موسم سرما مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دے گا۔

ایک رات حضرت خالدؓ توزر سے مقابلے کے لئے فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے کہ توزر کا لشکر رات کے اندھیرے میں دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔ خالدؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ دمشق میں یزید بن ابی سفیان پر حملہ کر کے دمشق پر قبضہ کرنے کے لئے گیا ہے یزید بن ابی سفیان کو توزر اور اس کے لشکر کی آمد کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے شہر کے دروازے بند کر کے مدافعانہ جنگ شروع کر دی۔ تاکہ وہ مدد کے انتظار میں لڑائی کو طول دے سکے لیکن توزر نے ابھی حملہ کیا ہی تھا کہ حضرت خالدؓ اپنے دستے کو لے کر اس کے عقب میں پہنچ گئے اور سارے دستے نے مل کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت

یزیدؓ اور ان کے ساتھیوں نے جو یہ نعرہ سنا تو انہیں مدد پہنچنے کا یقین ہو گیا اور ان کے دل بڑھ گئے اس کے برعکس رومیوں نے جونہی نعروں کی آواز سنی اور محسوس کیا۔ کہ حضرت خالدؓ آپہنچے ہیں تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ چنانچہ سامنے سے جناب یزیدؓ اور پیچھے سے حضرت خالدؓ نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور ان میں وہی بچ سکا جو کسی طرح بھاگ نکلا۔ رومیوں کے گھوڑے بار برداری کے جانور' ہتھیار اور بہت سا سامان جو وہ چھوڑ گئے مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جسے جناب یزیدؓ نے اپنی اور حضرت خالدؓ کی فوج میں تقسیم کر دیا اور فتح و کامرانی کے پھریرے اڑاتے دمشق واپس ہوئے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر مسلمانوں نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ثابت قدم رہے اور دنیا پر آخرت کو مقدم رکھا تو اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

شہر بعلبک کی فتح:

حضرت خالدؓ اس معرکے سے جس میں توزر مارا گیا تھا۔ مرج الروم واپس ہوئے تو حضرت ابو عبیدہؓ شنس پر فتح پا چکے تھے شنس قتل ہو چکا تھا اور اس کی فوجیں تلوار کے گھاٹ اتاری جا چکی تھیں۔ اب اسلامی لشکر حمص کی طرف روانہ ہوا۔ ہرقل کو یہ ساری خبریں ملیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے بعلبک کا محاصرہ کر لیا ہے اہل حمص سے مدد کا وعدہ کر کے اور انہیں مقابلے کی ہمت دلا کر وہ چلا گیا۔ حمص والے آخر مقاومت کیوں نہ کرتے۔ جاڑے کا موسم تھا اور حمص کی قاتل سردی عربوں کے صبر و برداشت سے باہر تھی بعلبک میں زیادہ وقت نہ لگا اور وہاں کے باشندوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے صلح کر لی۔ یہاں سے حضرت ابو عبیدہؓ حمص کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید آگے آگے تھے حمص والے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے وہ اسی دن مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلتے تھے۔ جس دن جاڑا تیز ہوتا تھا ادھر سردی مسلمانوں کے حواس گم کئے دیتی تھی ادھر رومی محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ ہرقل کی مدد پہنچے یا مسلمان سردی سے عاجز آ کر بھاگ جائیں۔ لیکن مسلمانوں نے ثبات و صبر سے کام لیا اور ہرقل کی مدد نہ پہنچی۔ جب سردی بھی گزر گئی تو اہل حمص کو یقین ہو گیا کہ اب ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان کی جان نہیں چھوڑیں گے اور ان کے گلے کا پھندا روز بروز کستے چلے جائیں گے اس پر ان میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا بعض مسلمانوں سے صلح کرنے کے حق میں تھے اور بعض صلح کو ایسی ذلت سمجھتے تھے کہ اس پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ اچانک زلزلہ آیا۔ جس سے شہر کی فصیلیں شق ہو گئیں اور بہت سے مکان مٹی کا ڈھیر بن گئے شہر والے خوف سے کانپ اٹھے اور اس زلزلے کو عذاب الٰہی کا الارم سمجھے۔ چنانچہ دوڑے دوڑے اپنے سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے صلح کا مطالبہ کیا۔ کہ اس کے سوا نجات کا کوئی رستہ نہیں۔ اگر اس وقت مسلمان حمص پر حملہ کر دیتے۔ تو کوئی ان کی مزاحمت نہ کرتا۔ اور شہر بزور شمشیر فتح ہو جاتا لیکن محاصرے کی طوالت سردی کی شدت اور زلزلے کی دہشت ان کے حواس پر ایسی چھا گئی کہ وہ اہل شہر کے خوف و ہراس کا اندازہ نہ کر سکے۔ چنانچہ جب حمص کے سرداروں نے صلح کی پیشکش کی تو مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا اور شہر کے سارے مکان اہل شہر کے لئے چھوڑ دیے گئے اور دمشق کی طرح خراج اور جذیے پر صلح کر لی گئی۔ البتہ چند عمارتیں مسلمانوں نے اپنے قیام کے لئے ان سے لے لیں۔ اس کے بعد حضرت ابو

عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو تمام واقعات کی اطلاع بھیجی جس کے جواب میں حضرت عمرؓ کا حکم آیا۔ تم ابھی وہیں ٹھہرے رہو اور شام کے طاقت ور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرو۔ میں بھی انشاء اللہ برابر کمک بھیجتا رہوں گا"

انطاکیہ اور حلب کی فتح :

حضرت ابو عبیدہؓ حمص میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ 15ھ کا آدھا موسم بہار گزر گیا۔ جب جاڑے کی شدت کا اثر فوج پر سے زائل ہو گیا تو فتح کی امنگ پھر چٹکیاں لینے لگی۔ اسی دوران شام کے طاقت ور عرب قبائل بھی ان سے آملے جس کی وجہ سے ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ اب حضرت ابو عبیدہؓ نے شمالی شام کی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے کے متعلق پھر سوچنا شروع کیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے ساتھی فلسطین میں ہرقل کی فوجوں سے برسرپیکار تھے اس کی خبریں حضرت ابو عبیدہؓ کو اور بھی سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے مشورہ کیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ شمال میں ایک طرف سے انطاکیہ اور دوسری طرف سے حلب پر حملہ کیا جائے انطاکیہ کا راستہ دریائے ارند کے کنارے ہو کر جاتا تھا اور حماۃ و شیزر اس کے بیچ میں پڑتے تھے لاذقیہ کی فوجی چوکیاں اس کی حفاظت کرتی تھیں اور حلب کے رستے میں قنسرین کا قلعہ تھا جسے چاروں طرف سے پہاڑ نے گھیر رکھا تھا اور اس مضبوط و مستحکم قلعے تک پہنچنے کے لئے پہلے اس پہاڑ کو طے کرنا ضروری تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عبادہ بن صامت کو حمص میں چھوڑا اور خود فوج لے کر حماۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے اوستان نے اپنے دروازے ان کے لئے کھول دیے اس کے بعد اہل حماۃ نے ان کے آگے سر اطاعت خم کر دیا اور مسلمانوں نے حمص کی شرائط صلح پر ان سے بھی صلح کر لی۔ شیزر والوں کو جو معلوم ہوا کہ غازیان اسلام ان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ تو صلح کے لئے دوڑے اور حماۃ والوں کی طرح سے ان سے بھی صلح ہو گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے سلمیہ فتح کیا اور اس کے بعد لاذقیہ کے سرحدی علاقے پر پہنچ گئے۔ لاذقیہ والوں نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے اور شہر کے دروازے بند کر کے مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔

انہیں اطمینان تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو وہ مقابلہ کر سکیں گے اور اتنے میں سمندر کے راستے انہیں مدد پہنچ جائے گی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے شہر کا استحکام دیکھ کر محسوس کر لیا کہ اسے سر کرنا دشوار ہے اگر وہ اس کے بالمقابل خیمہ زن ہو جاتے ہیں تو قیام طول پکڑ جائے گا اور اگر اس دوران میں دشمن کو مدد پہنچ گئی۔ تو یہاں سے ناکام جانا پڑے گا یا پھر شہر کا محاصرہ کرنا ہو گا اور اس صورت میں انطاکیہ جانا ناممکن ہو جائے گا اس لئے حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک جنگی چال چلنی پڑی انہوں نے شہر سے دور پڑاؤ ڈالا اور حکم دیا کہ غار نما گڑھے۔ اتنے گہرے کھودے جائیں کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا سوار ان میں چھپ جائے جب گڑھے کھد گئے تو ایسا ظاہر کیا گویا حمص واپس جا رہے ہیں۔ لاذقیہ والوں نے انہیں جاتے دیکھا تو اطمینان کے ساتھ اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے رات ہونے پر مسلمان واپس آ کر ان گڑھوں میں چھپ گئے۔ صبح کو اہل لاذقیہ شہر کے دروازے کھول کر باہر آ گئے۔ مسلمان اچانک گڑھوں سے نکلے اور شہر پر ہلہ بول دیا۔ کچھ مسلمانوں نے شہر کے دروازے پر قبضہ کر کے ایک طرف تو اہل شہر کو اندر جانے سے روک دیا اور دوسری طرف قلعہ بند رومی فوجوں کو گھیرے میں لے لیا۔ جو لوگ

شہر سے نکل آئے تھے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے ان پر خوف طاری ہو چکا تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک نجات کی راہ تلاش کرنے لگا۔ جو لوگ شہر میں تھے ان کے لئے تسلیم واطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ سپر انداز ہو گئے اور بھاگنے والوں نے امان چاہی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جذیے پر ان سے صلح کر لی۔ ان کا گرجا انہیں کے قبضے میں رہنے دیا گیا اور بعد کو مسلمانوں نے اس کے قریب اپنی ایک مسجد بنالی۔

حضرت ابو عبیدہؓ لاذقیہ سے معرہ حمص پہنچے اور اسے فتح کر لیا۔

فتح قنسرین 16ھ :

وہاں سے خالد بن ولیدؓ کو قنسرین بھیجا جو صوبہ حلب کا بڑا پر رونق شہر تھا۔ قنسرین کا استحکام حضرت خالدؓ کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس شہر کو بچانے کے لئے ہر قسم کی مدد بھی بھیجی جائے گی۔ لیکن قلعے کی فوجی قوت اور شہر کی مضبوطی حضرت خالدؓ کو بھلا کیا ڈراتی اور دشمن کی آہنی صفیں سیف اللہ جیسے صف شکن کو بھلا کیا باز رکھتیں۔ اس لئے وہ اللہ کی نصرت وحمایت پر یقین رکھتے ہوئے۔ منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ قنسرین کے جنوب میں باہر کی طرف ہو تنوخ اور بیج کے عرب خیمہ انداز تھے۔ گویا وہ اس مستحکم شہر کے ہراول ہیں۔ عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ شہر کی حفاظت کے لئے شہر سے باہر نکل کر خیمے ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بھی اپنے عرب بھائیوں کے اسی دستور پر عمل کیا تھا رومیوں کو جب یہ علم ہوا کہ حملہ آور قاہر و جابر' زیرک فاتح ہے تو انہوں نے محض ان عربوں کو غازیان اسلام کے مقابلے میں کافی نہ سمجھا۔ چنانچہ میناس' جو ہرقل کے بعد روم کا سب سے بااثر شخص تھا ایک بھاری لشکر لے کر شہر سے باہر نکلا۔ تاکہ انہیں قیصر کے ملک میں درانے سے روکے۔ اس نے معتبر آدمیوں کو دشمن کی خبریں لانے پر مامور کیا کہ ان کی روشنی میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی پالیسی مرتب کرے۔ لیکن ابھی وہ خبروں کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ کہ صبح ہوتے ہی حضرت خالدؓ کسی نامعلوم سمت سے اچانک جا پہنچے۔ میناس نے بہت چاہا۔ کہ کسی نہ کسی طرح ناگہانی حملے کو روکے لیکن حضرت خالدؓ نے اس کی ہر تدبیر خاک میں ملادی اور پوری قوت سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ رومی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور وہ تاب لا بھی کیسے سکتے تھے جب کہ حضرت خالدؓ کا نام سن کر دل دہلنے لگتے تھے اور ارادے مسمار ہو جاتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے سامنے کس طرح ٹھہر سکتے تھے۔ جب کہ دمشق' حمص حماۃ اور لاذقیہ میں اسلامی فتوحات کی خبریں ان کے کانوں تک پہنچ چکی تھیں پھر وہ فوج ثابت قدم رہ بھی کیسے سکتی ہے جس کی معنوی قوت فنا ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس نے بھاگنا چاہا لیکن حضرت خالدؓ نے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں اور کشتوں کے پشتے لگادیے میناس کو بھی مسلمانوں نے اس کے خون میں نہلا دیا۔ کچھ رومی بھاگ کر قنسرین میں قلعہ بند ہو گئے حضرت خالدؓ نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن جب وہ قنسرین پہنچے تو رومی شہر کے دروازے بند کر چکے تھے یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے ان کے پاس یہ تہدیدی پیغام بھیجا کہ "اگر تم بادلوں میں بھی جا کر چھپو گے تو اللہ ہم کو تمہارے پاس پہنچادے گا۔ یا تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا" کچھ دن تک تو وہ یوں ہی قلعہ بند رہے آخر کار قنسرین والوں کو یقین ہو گیا کہ میناس تذریق اور روم کے تمام سپہ سالاروں کو کچل دینے والے قائد کے سامنے جانے کے سوا نجات کی اب کوئی راہ نہیں۔

چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ حمص کی شرائط صلح پر انہیں امان دے دی جائے لیکن حضرت خالدؓ ان کو حکم عدولی کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے شہر کو تباہ کرنے کے سوا اور کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور اہل قنسرین اپنے مال و متاع اور اہل و عیال کو تقدیر کے حوالے کر کے انطاکیہ بھاگ گئے۔

حضرت ابو عبیدہؓ جب اپنے لشکر کو لے کر پہنچے تو حضرت خالدؓ فتح یاب ہو چکے تھے۔ آخر کار اہل قنسرین کو امان دے دی گئی اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ وہ جذیہ ادا کریں گے اور ان کی فصیلیں اور قلعے منہدم کر دیے جائیں گے جو عرب شہر کے باہر خیمہ زن تھے انہوں نے جب یہ دیکھا تو اطاعت قبول کر لی۔ ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے اور جو نصرانیت پر قائم رہے ان پر جذیہ عائد کر دیا گیا حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ جس میں حضرت خالدؓ کے کارناموں، نمایاں اور اس کے لشکر پر ان کی فتح اور قنسرین میں اس کے تمام تر استحکام کے باوجود ان کے داخلے کی تفصیل بیان کرنے کے بعد حضرت خالدؓ کی وہ بات بھی نقل کی جو انہوں نے اہل قنسرین سے کہی تھی کہ "اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو گے تو اللہ ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا۔ یا تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا۔

حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ کی بہادری پر جو قنسرین کے کارناموں میں پوری طرح نمایاں تھی۔ بڑا تعجب ہوا اور آپ نے فرمایا۔ خالدؓ نے اپنے آپ کو امیر بنا لیا۔ اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔

حضرت خالدؓ کے ان کارناموں کا حضرت عمرؓ کے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ فتح قنسرین کے چند ماہ بعد جب وہ بیت المقدس میں حضرت خالدؓ سے ملے تو قنسرین کی امارت ان کے سپرد فرما دی۔

۔ شام کی دوسری فتوحات میں طبری، بلاذری اور ان کے مقلدین واقعات و حالات میں بڑے اختصار سے کام لیتے ہیں۔ جو عراق کی فتوحات کی تفصیل کی طرح نہیں ہیں۔ البتہ شام کے واقعات میں معرکہ یرموک فتح دمشق اور فتح بیت المقدس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ وہ قادسیہ کی جنگ کو عراق کی کنجی سمجھتے ہیں اسی طرح یرموک کی جنگ کو شام کی کنجی قرار دیتے ہیں اور اس لئے کہ دمشق شام کا مرکز تھا۔ اور بیت المقدس مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں کا مذہبی شہر تھا۔ لیکن اس کے باوجود اہل شہر کے دلوں میں کینہ و غضب کی چنگاری سلگتی رہی اور جب مسلمان حلب کی طرف بڑھے تو بغاوت و سرکشی کا شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی جس نے محاصرہ کر کے ان کے مویشی چھین لئے اس فوج کو وہیں چھوڑ دیا گیا کہ اہل شہر دوبارہ سرکشی نہ کر سکیں اور ظفر مند لشکر کی حفاظت ہو سکے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ آگے بڑھے اور حلب کے باہر جا کر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں جو عرب تھے انہوں نے جذیے پر صلح کر لی۔ اور اس کے بعد ان میں سے اکثر مسلمان بھی ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عیاض بن غنم کو آگے بھیجا اور انہوں نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ ہر چند کہ قلعے بڑے مضبوط تھے۔ لیکن اہل حلب نے فوراً صلح کر لی۔

ان دنوں انطاکیہ مشرق میں رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا رومی سردار اس کے نزدیک ہونے کی بنا پر اسے سکندریہ سے بہتر سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ مصری پایہ تخت کے مقابلے میں جس کی راہ میں سمندر حائل ہے اور جو بار بار ان کے خلاف بغاوت بھی کر چکا ہے۔ یہ شہر ان سے زیادہ مضبوط رابطہ رکھتا ہے۔ اس لئے ان کی توجہ انطاکیہ پر زیادہ رہتی تھی چنانچہ انہوں

نے اس شہر میں ایسی ایسی عبادت گاہیں ایسی ایسی عمارتیں اور ایسے ایسے تفریح کدے بنائے تھے جنہوں نے اس شہر کو دمشق اور دمشق کے علاوہ مشرق کے تمام شہروں سے زیادہ بارونق بنادیا تھا۔ یونانی اور رومی بت پرستی کے زمانے میں بھی اس کی یہی شان تھی اور اس کے بعد مسیحیت کے دور میں بھی اس کی یہی شان رہی۔ بڑے بڑے عالیشان مندر اس کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ جنہیں کئی بار زلزلوں نے مسمار کیا اور ہر بار وہ پہلے سے بھی زیادہ عظمت وشان کے ساتھ تعمیر کئے گئے۔ مسیحی کلیسا بعد کے زمانے میں تعمیر کئے گئے۔ جو بہ اعتبار جلال و قار ان مندروں سے کسی طرح کم نہ تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انطاکیہ کو سب سے پہلے مسیحیت قبول کرنے کا فخر حاصل تھا اور اس کے باشندوں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو مسیحی کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس کے بعد بطریق کہتے ہیں کہ سینٹ پیٹرس نے ان بزرگوں کو نصرانی بنایا تھا۔ ان میں انجیل برناباس کو رواج دیا تھا اور اس کی تعلیمات ان میں پھیلائی تھیں۔ اس شہر میں سینٹ پیٹرس کے اتنے شاگرد اور چیلے تھے کہ مسیحیت کے ابتدائی دور میں یہ شہر مذہبی سرگرمیوں کا ایک عظیم مرکز اور ایشائی بطریق کا مستقر تھا۔

انطاکیہ بحر روم کے ساحل پر ارنط کے دھانے کے قریب واقع تھا جہاں اس کے باشندوں کی ضرورت کی تمام اشیاء سلطنت کے مختلف ملکوں سے جہازوں پر لاد کر پہنچادی جاتی تھیں۔ اسی طرح وہ قافلوں کے حلب جانے والے راستے پر بھی واقع تھا۔ جو حلب سے عراق اور ایشائے کوچک کی طرف جاتا تھا۔ اس محل وقوع نے اسے تجارت کا ایک عظیم مرکز بنادیا تھا۔ جو مشرق و مغرب کا نقطہ اتصال تھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ انطاکیہ کے استحکام اور اس کی فوجی قوت سے بے خبر نہیں تھے۔ اس لئے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ انطاکیہ پر حملہ آور ہوئے انطاکیہ والوں نے شہر سے نکل کر سخت مقابلہ کیا اور حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک زبردست معرکے کے بعد انہیں شکست دے کر چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا آخر انطاکیہ والوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی اور حضرت ابو عبیدہؓ نے جذیے پر ان سے صلح کر لی۔ جن لوگوں نے جذیہ دینا قبول نہ کیا۔ انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ اانطاکیہ والوں کو یہ شرم ناک شکست باعث ذلت محسوس ہوئی۔ اس لئے انہوں نے صلح کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عیاض بن غنم کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جنہوں نے بغاوت فرو کر کے سابقہ شرائط پر نیا معاہدہ کر لیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ پوری تفصیل حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کی جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ انطاکیہ میں حفاظتی دستے متعین کر دیے جائیں۔

انطاکیہ کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جذیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہؓ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمتہ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد مال' شہر پناہ' مکانات' قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آکر امن وصلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہؓ نے چاروں طرف فوجیں پھیلادیں۔ بوقا۔ جومہ' سرمین' توزی' قورس' مل عزاز' لوک' عبان یہ چھوٹے چھوٹے

مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے چلے گئے۔ کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا۔ اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے ہلہ میں فتح ہو گئے۔ جومہ والوں نے جذیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جذیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراض ایک مقام تھا۔ جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی۔ یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ، ایاد، رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی۔ کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

فتح قیساریہ :

جب ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل سے حمص کی طرف لوٹے تو عمروؓ اور شرجیلؓ بلیسان کی طرف گئے اور ان دونوں نے اسے فتح کر لیا اردن نے اس سے مصالحت کر لی۔ رومیوں کا لشکر اجنادین، بلیسان اور غزہ میں اکٹھا ہوا۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کو دشمن کے منتشر ہونے کا حال تحریر کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے یزید کو تحریر فرمایا کہ وہ معاویہؓ کو قیساریہ کی طرف روانہ کر دیں۔ انہوں نے عمرو کو لکھا کہ وہ ارطبونی کا مقابلہ کریں اور علقمہ کو تحریر کیا کہ وہ فیقار کا مقابلہ کریں۔

حضرت معاویہؓ کے نام خط :

حضرت عمرؓ نے معاویہؓ کے نام خط تحریر کیا۔

''حمد و ثناء کے بعد واضح ہو کہ میں نے تمہیں قیساریہ کا حاکم بنا دیا ہے۔ تم وہاں جاؤ اور ان کے برخلاف اللہ سے مدد مانگو اور اس دعا کا ورد زیادہ کرتے رہو۔ اللہ ہی کے ذریعے قوت و اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے۔ ہمارے بھروسہ اور امید (کا مرکز) ہے۔ وہی ہمارا آقا کیا ہی اچھا مولا اور مددگار ہے''

اہل قیساریہ کو شکست 16ھ :

(مذکورہ بالا) دونوں اشخاص وہاں پہنچے جہاں انہیں حکم دیا گیا ہے اور حضرت معاویہؓ بھی اپنا لشکر لے کر اہل قیساریہ کے پاس پہنچے انہیں شکست دے کر شہر کے اندر محصور کر دیا۔ پھر انہوں نے لشکر کشی کی اور شکست کھائی بلکہ جب کبھی وہ حملہ کرتے تھے۔ شکست کھا کر اپنے قلعے کے اندر واپس چلے جاتے تھے۔ آخری مرتبہ جب وہ اپنے قلعے سے نکلے تو نہایت جوش و خروش اور جانثاری کے جذبے کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں ان کے دس ہزار سپاہیوں کی لاشیں گریں اور آخری شکست کھانے تک ان کے مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ ہو گئی۔

فتح کے قاصد :

انہوں نے فتح کا حال خاندان ضبیت کے دو افراد کے ذریعے بھیجا۔ پھر انہیں ان دونوں سے ضعف و کمزوری کا اندیشہ

ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن علقمہ فراس اور زہیر ابن الحلاب خشقمی کو روانہ کیا اور ان دونوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے پیچھے جا کر ان سے آگے بڑھ جائیں۔ چنانچہ ان دونوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا۔ وہ سوئے ہوئے تھے اس لئے یہ دونوں ان سے آگے بڑھ گئے۔

فتح کی خوشی :

جب حضرت علقمہ غزہ کی طرف متوجہ تھے اور حضرت معاویہؓ قیساریہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت عمرو بن العاصؓ ارطبون کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ہراول دستے پر شرجیل بن حسنہ تھے انہوں نے اردن کے انتظام کے لئے ابوالاعور کو اپنا جانشین بنایا اور اپنے لشکر کے دونوں بازوؤں پر عبداللہ بن عمروؓ اور قبادہ ابن تمیم مالکی کو سردار مقرر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس ارادے سے کوچ کیا کہ اخبادین کے مقام پر روم کے خلاف صف آرائی کریں۔ رومی لشکر اپنے قلعوں اور خندقوں میں تھا اور ان کا (سپہ سالار) ارطبون تھا۔ جو رومیوں کا سب سے بڑا سیاست دان' بہت گہرا مدبر اور چالاک سپہ سالار تھا۔ اس نے رملہ کے مقام پر بہت بڑا لشکر بھیج رکھا تھا اور ایلیاء کے مقام پر بھی اس کا لشکر جرار موجود تھا۔

حضرت عمرؓ کے جنگی انتظامات :

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ تمام اطلاعات بھیج دی تھیں۔ جب ان کے پاس حضرت عمرؓ کا خط آیا تو وہ فرمانے لگے۔

"ہم نے روم کے ارطبون کا عرب کے ارطبون سے مقابلہ کرایا ہے۔ دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے" حضرت عمر فاروقؓ شام کے علاقے کے ہر امیر لشکر کے لئے فوجی امداد بھیجا کرتے تھے۔

اطربون سے گفتگو :

جب حضرت عمرو بن العاصؓ کو لگاتار فوجی امداد ملی تو انہوں نے محمد بن عمروؓ کو علقمہ اور مسروق کی مدد کے لئے اور عمارہ ابن عمرو بن امیہ ضمری کو ابوایوب کی امداد کے لئے بھیجا اور خود عمرو بن العاصؓ اخبادین میں مقیم ہوئے وہ اطربون سے کوئی معاملہ طے نہیں کر سکے اور نہ وہ قاصدوں کے ذریعے مراسلت کرنے سے مطمئن ہوئے۔ وہ خود ایک قاصد کی حیثیت سے اس کے پاس گئے اسے اپنا پیغام پہنچایا اور اس کی گفتگو سنی اس کے ساتھ انہوں نے اس کے قلعوں کا بغور مشاہدہ کیا اور جو وہ چاہتے تھے وہ تمام باتیں معلوم کر لیں۔

اطربون کی بدنیتی :

اطربون نے اپنے دل میں خیال کیا۔ خدا کی قسم! یہ عمروؓ ہے یا وہ شخص ہے جس کی رائے پر عمرؓ عمل کرتا ہے۔ لہذا میں اسے قتل کر کے اپنی قوم کے لئے بہت بڑا کارنامہ انجام دوں گا"

پھر اس نے محافظ کو بلایا اور ان کے قتل کے بارے میں پوشیدہ طور پر بات کہی "تم یہاں سے نکل کر فلاں مقام پر کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ شخص تمہارے پاس سے گزرے تو تم اسے قتل کر دو" حضرت عمروؓ یہ بات سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا۔

حضرت عمروؓ کا تدبر :

"آپ کی اور ہماری گفت و شنید ہو گئی ہے۔ آپ کی باتوں کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا ہے۔ ان دس آدمیوں میں سے ایک ہوں جنہیں حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس حاکم کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ ہم اس کی امداد کریں اور اسے مشورہ دیں۔ میں لوٹ کر انہیں بھی لاتا ہوں۔ اگر انہوں نے وہ باتیں منظور کر لیں۔ جو آپ نے میرے سامنے پیش کی ہیں۔ تو سمجھ لو کہ امیر نے اور اہل لشکر نے وہ باتیں منظور کر لیں اور اگر انہوں نے وہ باتیں منظور نہیں کیں تو آپ انہیں حفاظت ان کے ٹھکانے پر پہنچا دیں گے۔ اس وقت آپ کو اپنے معاملے کا اختیار ہوگا"

اطربون نے یہ بات مان لی اور ایک آدمی کو بلا کر چپکے سے کہا کہ وہ فلاں آدمی کے پاس جائے اور اسے میرے پاس بھیج دے" اس طرح وہ آدمی اس کے پاس لوٹ آیا۔ پھر اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا۔

آپ جا کر اپنے ساتھیوں کو لے آئیں حضرت عمروؓ نکل آئے اور فیصلہ کیا کہ پھر وہ واپس نہیں آئیں گے۔ رومی (اطربون) کو بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دھوکے میں آگیا ہے۔ چنانچہ وہ بولا "اس آدمی نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ یہ سب سے بڑا سیاست دان ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کی تعریف :

جب حضرت عمر فاروقؓ کو یہ بات معلوم ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا "عمروؓ (بن العاص) اس پر غالب آگیا۔ اللہ عمروؓ کا بھلا کرے" اس کے بعد حضرت عمروؓ نے اس کا مقابلہ کیا۔ انہیں اس کے تمام راز کی باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔ لہٰذا جنگ شروع ہوئی۔

اجنادین کی جنگ 16 :

اجنادین کے مقام پر شدید جنگ ہوئی۔ جیسا کہ یرموک کی جنگ تھی۔ اتنی گھمسان کی لڑائی تھی کہ مقتولوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ آخر کار اطربون اپنے لشکر کو لے کر بھاگا اور ایلیاء جا کر اس نے پناہ لی۔ حضرت عمروؓ اجنادین میں فروکش رہے۔

ایلیاء میں پناہ :

جب اطربون ایلیاء پہنچا تو مسلمانوں نے اس کے لئے راستہ کھول دیا یہاں تک کہ وہ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے

مسلمانوں کو اجنادین بھجوا دیا۔ چنانچہ علقمہ مسروق اور ابو ایوب' حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس اجنادین پہنچ گئے۔

جب دمشق فتح ہو گیا۔ تو حضرت ابو عبیدہؓ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت شرجیل بن حسنہ نے وہاں سے فحل پہنچ کر رومیوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کو شکست دی۔ اس کے بعد طبریہ اور بلیسان پر چڑھائی کی اور فلسطین کے دروازے پر جا کر کھڑے ہوئے اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق حمص چلے گئے۔

فلسطین پر حملہ کرنے والی فوجوں کی قیادت حضرت عمروؓ بن العاص حضرت شرجیل کے سپرد کر گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ رومی فوجوں سے جنگ میں مصروف ہو گئے جو فلسطین میں جمع تھیں اور انہیں شکست دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن یہ مشکل کام تھا۔ کیونکہ یہ فوجیں کثرت تعداد اور سامان جنگ کے اعتبار سے بہت طاقتور تھیں اور ان کی قیادت روم کا سب سے بڑا سپہ سالار اطربون کر رہا تھا۔ جو بڑا بہادر سیاست دان تھا اس نے رملا اور ایلیاء پر ایک بھاری لشکر متعین کیا۔ اور ان کی حمایت کے لئے بہت سی فوجیں بھیجیں اور عربوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے موقع کی نزاکت کو محسوس کر لیا۔ انہوں نے سوچا۔ کہ اگر وہ اپنی تمام فوجوں کے ساتھ اطربون کے مقابلے میں صف آراء ہوتے ہیں۔ تو رومی فوجیں ایک دوسرے سے مل جائیں گی اور وہ ان پر فتحیاب نہ ہو سکیں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ رومی ان پہ فتح پالیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور خلیفۃ المسلمین نے یزیدؓ بن ابی سفیان کو حکم دیا۔ کہ اپنے بھائی معاویہؓ کو قیساریہ فتح کرنے بھیجو تا کہ بحری راستے سے اطربون کو مدد نہ پہنچ سکے۔ قیساریہ ایک بہت مضبوط اور خطرناک سرحدی قلعہ تھا۔ جس کی حفاظت پر ایک بہت بڑا رومی لشکر متعین تھا۔ حضرت معاویہؓ نے قیساریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک دن رومی پوری طاقت کے ساتھ شہر سے نکل کر مسلمانوں کے مقابلے پر آئے مگر حضرت معاویہؓ کی فوجوں نے انہیں تباہ کن شکست دی اور قیساریہ فتح ہونے سے سمندر کے راستے رومیوں کی کمک کا سلسلہ ختم ہو گیا اس طرح غزہ بھی فتح ہو گیا۔ اور جب ہر دونوں سرحدی مقام مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ تو حضرت عمرو بن العاصؓ کو سمندر کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے صرف اس پر اکتفانہ کیا بلکہ جب دیکھا کہ اطربون اپنی فوج لے کر اجنادین کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تو علقمہ ابن حکیم اور مسروق عکی کو ایلیاء کی طرف بھیجا اور انہوں نے ایلیاء کی فوجوں کو الجھا لیا۔ ساتھ ہی ابو ایوب مالکی کو رملہ کی طرف روانہ کیا اور اس کے حامیوں کو چاروناچار اس کی حفاظت کرنی پڑی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا۔ جس میں ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد اطربون کی سوجھ بوجھ اور حیلہ کاریوں کا ذکر کیا۔ اپنے اس خط میں حضرت عمرؓ بن العاص نے رومی فوجوں کی کثرت و طاقت کا بیان ایسے پیرائے میں کیا تھا کہ خلیفہ المسلمینؓ نے ان کی مدد کے لئے ایک عظیم لشکر بھیجنے کا حکم دیا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی امداد کے لئے ایک فوج بھیجی جس میں کچھ فوج انہوں نے ایلیاء اور رملہ میں دشمن کا مقابلہ کرنے والی فوج کی امداد کے لئے بھیج دی اور خود ایک بڑا لشکر لے کر اطربون کے مقابلے کے لئے اجنادین روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو رومی قلعہ بند ہوئے۔ بیٹھے تھے اور چاروں طرف خندقیں کھود کر اچھی طرح اپنی حفاظت

کر رکھی تھی۔

جب مسلمان فوجوں نے اجنادین کی جنگ میں اطربون کو زبردست شکست دی تو وہ اپنی بقایا فوج لے کر بیت المقدس میں آکر قلعہ بند ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ، علقمہ بن حکیم، مسروق مکی اور ابوایوب مالکی کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجیں لے کر اجنادین آجائیں۔

بیت المقدس کی شاندار فتح 16ھ / 637ء:

اور جب یہ تمام فوجیں جمع ہو گئیں۔ تو بیت المقدس میں اطربون پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ حملہ کرنے سے پہلے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا جائے اور سمندر کی طرف سے اس کا راستہ منقطع کر دیا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں نے رفح، غزہ، سبطیہ، نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین اور یافا فتح کر لیے۔ ان میں سے کچھ شہروں پر تو بزور شمشیر قبضہ کیا گیا اور بعض شہروں نے بغیر لڑے جزیے پر صلح کر لی۔ اس طرح بیت المقدس اور رملہ دو ہی قلعہ بند شہر تھے۔ جن کے گرد مسلمانوں کو گھیرا ڈالنا پڑا۔ اجنادین کے معرکے میں مسلمانوں کا خاصا جانی نقصان ہوا تھا۔ اس لئے حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مدد اور ہدایت چاہی اور اپنے خط میں لکھا "میں سخت دشمن کا تدارک کر رہا ہوں اور ایسے شہروں میں ہوں۔ جو آپ کے لئے تیار کر دیئے گئے ہیں۔ آگے آپ کی رائے"

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیت المقدس کے باشندوں پر اجنادین کے معرکے کا خوف طاری ہو گیا تھا۔ اور یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ بیت المقدس کا شہر ایک نہ ایک دن عربوں کے قبضے میں جا کر رہے گا۔ چنانچہ ان سب نے جن میں اسقف صفرنیوس بھی شامل تھا۔ متفقہ طور پر صلیب اعظم اور کلیساؤں کے تمام قیمتی ظروف ساحل سمندر پر منتقل کر دیے اور جہاز میں لاد کر دار السلطنت قسطنطنیہ بھیج دیے۔ جہاں بعد کو صلیب، آیا صوفیہ کے کلیسا میں رکھ دی گئی۔ اور اس سے پہلے کہ حضرت عمرؓ اور مقدس شہر کے نمائندوں میں صلح کی بات چیت شروع ہوتی اطربون اپنی فوجوں کو لے کر بیت المقدس سے مصر بھاگ گیا۔

ایلیاء کی جنوبی سمت کوہستانی علاقے میں واقع ہے جس کے محل وقوع نے قدیم ہی سے ایک عظیم الشان اور جنگی نقطہ نظر سے مستحکم قلعہ بنا رکھا تھا۔ قدیم اہل مصر نے اپنے ان دشمنوں کی مدافعت میں جو اس سمت سے مصر پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ اس پر اعتماد کرتے تھے ایک دفعہ ایلیاء والوں نے مصری اقتدار کے خلاف بغاوت کی اور اس کی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا۔ لیکن اس کے بعد بھی کئی بار مصر کے حلقہ نفوذ میں آیا۔ آخر کار حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کے عہد میں اس نے مصری اثر سے بالکل آزادی حاصل کر لی اور حضرت سلیمانؑ نے یہاں اپنا ہیکل تعمیر کیا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں جب ایرانیوں نے چڑھائی کی تو ایلیاء اور اس کا ہیکل نذر آتش ہو گئے۔ بعد کو یہ ہیکل دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے اسے اپنا معبد اور دینی شعائر کے لئے مقدس مقام بنا لیا۔ انہوں نے اس کی عمارت کو پختہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کی حیثیت ایک مضبوط قلعے کی سی ہو گئی۔ جس نے پہلی صدی قبل مسیح میں رومی حملے کو سہارا۔ رومیوں سے پہلے جب ہیرودس فلسطین کا فرماں روا ہوا تو اس نے ہیکل کو گرا کر اس کی بنیادوں پر پہلے سے زیادہ بلند مضبوط اور عظیم الشان عمارت بنوائی۔ اس کے بعد جب مسیحیت کے قدم فلسطین میں جمے اور اس پر ایک اچھی خاصی مدت گزر گئی۔ تو اس ہیکل کو فراموش کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ قریب قریب

کھنڈر ہو کر رہ گیا۔ اس کے باوجود بیت المقدس کا شہر اپنے محل وقوع اور قلعوں کے استحکام کی بناء پر ایک خاص اہمیت کا حامل رہا۔ چنانچہ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب ایرانیوں نے اس پر حملہ کیا۔ تو اس کے دروازے فوراً ان کے لئے نہیں کھولے گئے بلکہ اٹھارہ دن کے محاصرے کے بعد بیت المقدس والے اطاعت کے لئے مجبور ہوئے۔ اس کے بعد جب ہرقل نے دوبارہ اس پر قبضہ کیا۔ تو یہودیوں پر یہ الزام لگا کہ جب ایرانیوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔ تو انہوں نے حملہ آوروں کے ساتھ ہمدردی اور اپنے ملک کے خلاف جاسوسی کی تھی۔ انہیں طرح طرح سے سزائیں دی گئیں اور بعض کو قتل کیا اور بعض کو جلاوطن تاریخ بیت المقدس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا گیا۔ جیسے اطربون کو معلوم ہوا کہ مسلمان محاصرے کے لئے آرہے ہیں۔ تو وہ مصر بھاگ گیا اور صلح کی پیشکش سے پہلے مسلمانوں کو بیت المقدس کا کئی مہینے محاصرہ کرنا پڑا اور عیسائیوں نے بغیر مقاومت کے صلح کی درخواست نہیں دی تھی اور اسقف صفرینوس نے اس شرط پر مسلمانوں سے صلح کی درخواست بھیجی کہ حضرت عمرؓ خود تشریف لاکر معاہدہ مرتب فرمادیں۔ یہ محاصرہ صرف عمرو بن العاصؓ نے کیا تھا۔ یہ تمام واقعات بیت المقدس کے محاصرے کے متعلق 16ھ بمطابق 637ء کے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بیت المقدس کا محاصرہ صرف حضرت عمروؓ نے کیا تھا۔ جو طویل مدت تک جاری رہا اور بیت المقدس والوں نے بڑے جوش و جذبہ سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ امن اور جنگ دونوں میں اپنی ذہانت شجاعت اور تدبیر کے لحاظ سے بے مثال شہرت رکھتے تھے۔ آپ فلسطین کے اسلامی لشکر کے سپہ سالار اور اس ملک اور معرکے میں بھی فاتح تھے۔ انہوں نے ہی بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور اہل شہر سے صلح کی بات چیت کی۔ الغرض جب محاصرہ طویل ہو گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے خود بیت المقدس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کر کے رجب 16ھ میں مدینہ سے بیت المقدس کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ گھوڑے پر سوار چند مہاجر و انصار ساتھیوں کے ساتھ بڑی سادگی سے روانہ ہوئے۔ سرداروں کو اطلاع دی جاچکی تھی۔ کہ جابیہ میں آکر ان سے ملیں جابیہ صحرائے شام اور سرزمین اردن کے درمیان واقع ہے اس دوران میں حضرت ابو عبیدہ اور حضرت خالدؓ بھی شام کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔

اطربون اور پادری صفرینوس کو حضرت عمرؓ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ بیت المقدس کی مقاومت اب زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی چنانچہ اطربون تو مصر بھاگ گیا اور بوڑھے پادری صفرینوس نے مسلمانوں سے صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ چونکہ اسے معلوم تھا کہ حضرت عمرؓ جابیہ آچکے ہیں۔ اس لئے اس نے معاہدہ صلح لکھنے کے لئے یہ شرط لگا دی۔ کہ وہ خود تشریف لائیں جابیہ اور بیت المقدس میں زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے پادری صفرینوس کی اس درخواست کو قبول کر لیا۔

سپہ سالاروں سے ملاقات:

حضرت عمرؓ نے روانہ ہونے سے پہلے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپ روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنی روانگی کی اطلاع تمام سپہ سالاروں کو دے دی تھی۔ کہ وہ جابیہ کے مقام پر آپ سے ملاقات کریں۔ آپ نے دن بھی مقرر کر دیا تھا اور یہ بھی ہدایت کی تھی کہ تمام سپہ سالار اپنے جانشین مقرر کر کے آئیں۔ چنانچہ جابیہ کے مقام پر پہنچے۔ سب سے

پہلے یزید بن ابی سفیانؓ نے آپ سے ملاقات کی پھر حضرت ابو عبیدہؓ آئے پھر حضرت خالدؓ آئے وہ گھوڑوں پر سوار اور ریشم اور قیمتی لباس میں ملبوس تھے۔

حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی :

آپ اترے اور پتھر لے کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمانے لگے۔ "کتنی جلدی تم لوگوں نے اپنا طریقہ بدل دیا ہے۔ تم اس لباس میں میرا استقبال کر رہے ہو۔ تم دو سال کے اندر شکم سیر ہو گئے۔ اور اپنے آپ سے باہر ہو گئے ہو۔ خدا کی قسم! اگر تم دو سو سال کے بعد بھی یہ کام کرتے تو تمہارے بجائے میں دوسروں کو مقرر کر تا۔" وہ بولے ہم ہتھیاروں سے بھی مسلح ہیں آپ نے فرمایا "تو پھر یہ بات درست ہے" اس کے بعد آپ جابیہ میں داخل ہوئے۔

آپ جابیہ فروکش تھے کہ ایک دن سپہ گران اسلام نے شمشیر بدست سواروں کا ایک دستہ اپنی طرف آتے دیکھ کر گھبرا کے ہتھیار سنبھالے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا "گھبراؤ نہیں! یہ لوگ امان طلب کرنے آرہے ہیں" آنے والے بیت المقدس کے اسقف صفرینوس کے ایلچی تھے۔ جو امیر المومنین سے صلح کرنے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دمشق کی شرائط صلح پر ان سے صلح کر لی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کشادہ دلی کا ثبوت دیا۔ معاہدہ صلح جو طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے یہ ہے! "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ وہ امان ہے۔ جو خدا کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیاء کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ ان کے گرجاؤں کو مسکن نہیں بنایا جائے گا۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے انہیں یا ان کے احاطے کو کچھ نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی جائے گی۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جذیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا۔ اس کی جان و مال کو امن ہے تا آنکہ وہ پناہ گاہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء ہی میں رہنا پسند کرے اسے بھی امن ہے لیکن اسے جذیہ دینا ہو گا اور ایلیاء والوں میں سے جو لوگ جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلے جانا چاہیں انہیں اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پناہ گاہ تک پہنچ جائیں۔ ایلیاء میں دوسرے مذہب کے جو لوگ ہیں ان میں سے اگر کوئی یہاں رہنا چاہئے تو رہ سکتا ہے اسے بھی ایلیاء والوں کی طرح جذیہ ادا کرنا ہو گا۔ اگر کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہئے تو چلا جائے اور اگر کوئی اپنے اہل و عیال میں واپس ہونا چاہئے تو ہو جائے ان سے کوئی چیز نہیں لی جائے گی۔ یہاں تک کہ ان کی کھیتیاں کٹ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا' رسولؐ خدا' خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جذیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ معاہدے کے خاتمے پر حضرت عمرؓ نے مہر ثبت فرمائی اور حضرت خالد بن ولیدؓ' حضرت عمرو بن العاصؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان نے گواہی لکھی۔

صفرینوس کے ایلچی معاہدہ لے کر بیت المقدس پہنچے جسے پڑھ کر اسقف اور اہل شہر بے انتہا خوش ہوئے اور وہ خوش کیوں نہ ہوتے۔ مسلمانوں نے ان کے جان و مال اور عقائد کو امان دی تھی کہ کسی کو اس کے مذہب کی بنا پر کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی اور نہ اس سلسلے میں اس پر کوئی جبر کیا جائے گا۔ انہیں خوشی کیوں نہ ہوتی۔ اس عہد نامے نے انہیں اجازت دی

تھی کہ شہر والوں میں سے جو چاہے رومیوں کے ساتھ جا سکتا ہے اور اس کی طرف سے اذن عام تھا کہ بیت المقدس میں رہنے والے رومی اور دوسرے غیر ملکی اگر چاہیں تو امن و اطمینان سے یہاں رہ سکتے ہیں۔ پھر جذیے کے سوا جو وہ اپنی حفاظت اور امن کے بدلے ادا کریں گے اور کوئی فرض ان پر عائد نہیں کیا گیا تھا۔ بھلا کہاں یہ فراخ دلانا سلوک اور کہاں وہ ہرقل کا مذہبی تعصب اور ظلم جب اس نے اہل شہر کو سرکاری مذہب قبول کرنے کے لئے اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ جس نے انکار کیا۔ اس کے ناک کان کاٹ دیئے اور اس کا گھر ڈھا دیا۔ بلاشبہ یہ صلح ایک نئے عہد کی نوید ہے۔ جس کے دروازے اللہ نے بیت المقدس کے عیسائیوں پر کھول دیئے اور یہ ایک ایسا عہد نامہ ہے جو تاریخ نے کبھی فراہم نہیں کیا اور جس کی انہیں کوئی امید نہ تھی۔ اس صلح کی خبریں جب اہل رملہ کو ملیں تو وہ امیر المومنین سے اس قسم کا معاہدہ کرنے کے لئے بے چین ہو گئے۔ یہی حال فلسطین کے دوسرے لوگوں کا تھا لد والوں کو حضرت عمرؓ کی طرف سے ایک مکتوب وصول ہوا جس کے دائرہ نفاذ میں وہ شہر بھی شامل کر لئے گئے جنہوں نے اس کے بعد مسلمانوں کی اطاعت قبول کی۔ اس خط میں حضرت عمرؓ نے لد کے باشندوں کے جان و مال 'گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور تمام مذاہب کو امان دی۔ اور کہا کہ اگر وہ شام کے شہروں کی طرح جذیہ ادا کریں گے تو ان کے مذہب پر جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ اختلاف عقائد کی بنا پر کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر امیر المومنین نے فلسطین پر دو حاکم مقرر فرمائے اور ملک کا آدھا آدھا حصہ ان دونوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ علقمہ بن حکیم کا مرکز حکومت رملہ قرار پایا اور علقمہ بن مجزز کا ایلیاء

حضرت عمر فاروقؓ کا بیت المقدس میں ورود مسعود 17ھ :

معاہدہ بیت المقدس کی تکمیل کے بعد حضرت عمر فاروقؓ جابیہ سے بیت المقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کا گھوڑا لنگڑا رہا ہے۔ آپ اس پر سے اتر گئے پھر آپ کے لئے ایک اچھا ترکی گھوڑا پیش کیا گیا۔ آپ اس پر سوار ہوئے تو وہ اکڑ کر چلنے لگا۔ آپ اس پر سے اتر گئے اور اس کے منہ پر اپنی چادر مارتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تجھے غارت کرے کس نے تجھے یہ چال سکھائی ہے" پھر آپ نے اپنے گھوڑے کو طلب فرمایا اور اسے ٹھیک کر کے اس پر سوار ہوئے اور روانہ ہو کر بیت المقدس پہنچ گئے۔ فلسطین آپ کے دست مبارک پر فتح ہوا۔ اجنادین حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں' قیساریہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔

ابو مریم بیان کرتے ہیں کہ "میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایلیاء کی فتح میں شریک تھا۔ آپ روانہ ہوئے یہاں تک آپ ایلیاء آئے۔ پھر وہاں سے چل کر مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ پھر چلے تو محراب داؤد میں پہنچ گئے۔ ہم اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے حضرت داؤد کے سجدہ کرنے والی آیت تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد سجدہ کیا۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔

بیت المقدس میں نماز :

جب حضرت عمرؓ جابیہ سے ایلیاء تشریف لائے تو مسجد کے دروازے کے قریب آپ نے فرمایا" میرے پاس کعب کو

لاؤ جب آپ دروازے پر پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ "لبیک اے اللہ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور اس طرح آیا ہوں جس طرح تجھے پسند ہے۔ پھر آپ نے حضرت داؤد کے محراب کارات کے وقت قصد کیا۔ اور وہاں نماز پڑھی تھوڑی دیر کے بعد فجر نمودار ہوئی تو آپ نے موذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی اور نماز میں سورۃ ص پڑھی اور اس میں سجدہ تلاوت ادا فرمایا۔ پھر آپ نے دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں پھر رکوع کیا۔

قبلہ کا رخ :

جب آپ لوٹنے لگے تو آپ نے فرمایا "میرے پاس کعب کو لاؤ جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا "تمہاری رائے میں ہم کس طرف مصلی مقرر کریں۔ وہ بولے "صخرہ کی طرف" آپ نے فرمایا "اے کعب! تمہارے اندر ابھی تک یہودیت کا شائبہ ہے میں نے دیکھا کہ تم نے اپنے جوتے اتار دیے تھے" وہ بولے "میں چاہتا ہوں کہ میں یہاں براہ راست اپنے قدم رکھوں" آپ نے فرمایا "میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا ہم اس کا قبلہ شروع میں رکھیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے ہماری مساجد کا قبلہ اس کے ابتداء میں رکھا تھا۔ کیونکہ ہمیں صخرہ کی طرف (نماز پڑھنے کا) حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ہمیں کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے" لہذا آپ نے قبلہ آگے رکھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین عمرو بن العاصؓ کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاصؓ نے بعض مقامات حضرت ابو بکرؓ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک نابلس 'لد' عمواس' بیت جرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔

جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہؓ سے جاملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے یہاں تک کہ اس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے اس وقت ابو عبیدہؓ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے۔ چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ حضرت عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھ سے لکھا جائے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کر کے رجب 15ھ میں مدینہ سے بیت المقدس کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ گھوڑے پر سوار چند مہاجر و انصار ساتھیوں کے ساتھ بڑی سادگی سے روانہ ہوئے سرداروں کو اطلاع دی جاچکی تھی۔ کہ جابیہ میں آکر ان سے ملیں اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ خالد بن ولیدؓ استقبال کے لئے جابیہ پہنچ گئے۔

کچھ دن آپ نے جابیہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ کا گھوڑا ٹھیک ہو گیا اور آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ بطریق صفرینوس اور شہر کے معززین نے استقبال کیا۔ فاروق اعظمؓ ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ انہیں اپنے قرب سے نوازا اور ایسی باتیں کیں جن سے آپ کی محبت ان کے دل میں پیدا ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ نے ان

کی جانوں اور ان کے عقائد و معابد کو جو امان دی ہے اس میں صداقت پائی جاتی ہے اور محسوس کیا کہ آپ کو حق و انصاف سے جو محبت ہے اس کی عہد قیصری کے ظلم و جبر میں کہیں جھلک تک نظر نہیں آتی۔ دن ڈھل گیا اور لوگ دوسرے دن صبح حاضر ہونے کی اجازت لے کر رخصت ہو گئے جب حضرت عمرؓ تنہا ہوئے تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور اس سے بڑی کون سی نعمت ہو سکتی ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کے شہر کے فاتح اور وہاں نماز پڑھنے میں رسول اللہؐ کے نائب ہوں اللہ نے اپنے بندے اور رسولؐ پر انعام فرمایا تھا اور ایک رات اسے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی تھی جب رسول اللہؐ مسجد میں پہنچے تو آپ نے ہیکل سلیمانی کے کھنڈروں پر نماز ادا فرمائی جس میں حضرت ابراہیمؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ مقتدی تھے اور آپ امام اور اس دن کے بعد سے جس دن اللہ کے حکم سے یہ معجزہ رونما ہوا رسول اللہؐ فلسطین تشریف نہ لے گئے۔ نہ مسجد اقصیٰ میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کی خلافت ابو بکرؓ نے سنبھالی اور اللہ نے انہیں بھی۔ یہاں آنے کا موقع نصیب نہیں کیا۔ لیکن اب یہ سعادت حضرت عمرؓ کو ارزانی فرمائی گئی ہے۔ بیت المقدس نے ان کے لئے اپنے دروازے کھولے اور ایک ایسے ظفر مند کی صورت میں ان کا استقبال کیا جس کے انصاف رواداری اور مذہب کے معاملے میں کسی پر جبر نہ کیے جانے کی شدید خواہش نے اسے محبوب بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ بیت المقدس مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے وہ عیسائیوں کے حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش اور یہودیوں کے لئے ارض معاد ہے کیا اس سے بڑی بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے حضرت عمرؓ اپنے پروردگار کا شکر ادا کریں۔ پس اگر وہ تمام رات نماز پڑھتے ہیں۔ تو بھی پورا حق ادا نہیں کرتے (عمر فاروق محمد حسن ہیکل)

صبح ہوئی تو صفرینوس خدمت حضرت عمرؓ میں حاضر ہوئے اور آپ کو شہر کے آثار اور زیارت گاہیں دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے آپ نے تمام شہر کی تاریخی یادگاریں اور مقدس مقامات کی سیر کرائی اور ان کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ حضرت عمرؓ اور صفرینوس کلیسائے قیامت میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ بطریق نے عرض کی۔ کہ آپ یہاں نماز پڑھ لیجیے یہ بھی خدا کا گھر ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے معذرت فرمائی اور ہیکل کے کھنڈروں میں مقدس پتھر کے قریب ایک جگہ نماز ادا فرمائی اور یہ وہ جگہ ہے جہاں بعد کو مسلمانوں نے ایک نہایت عالی شان مسجد تعمیر کی جو مسجد اقصیٰ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ مسجد اتنی ہی سادہ تھی۔ جتنی سادہ اپنی تعمیر کے وقت مدینہ میں مسجد نبویؐ تھی۔

ایک دن نماز کے وقت حضرت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو۔ حضرت بلالؓ نے کہا ''میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہؓ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی ہچکی لگ گئی۔ دیر تک یہ اثر رہا۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی زیارت کے موقع پر عیسائیوں کے مقدس مقامات اور عبادت گاہوں کلیسائے قیامت اور کلیسائے مہد میں جس مذہبی رواداری فراخ دلی اور مذہبی آزادی کا مظاہرہ کیا۔ اس پر پادری صفرینوس اور ایلیاء کے تمام باشندوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور تمام انصاف پسند مورخین متفقہ طور پر حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف اور مذہبی رواداری اور غیر مذاہب کے جذبات کے احترام کرتے ہوئے۔ جو طرز عمل اختیار کیا اس کی مثال نہیں ملتی طبری کی روایت ہے

کہ حضرت عمرؓ نے کعب سے پوچھا تو اس نے کہا کہ صخرہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ تم میں ابھی تک یہودیت کا اثر باقی ہے جبھی تم صخرا کے پاس آکر جوتی اتار دی تھی۔ ہماری مسجدوں کے قبلہ کا رخ صخرا کی طرف نہیں بلکہ کعبے کی طرف ہے۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے ہماری مسجدوں کا قبلہ ان کے صدر کو بنایا ہے ہمیں صخرا کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ کعبہ کا حکم دیا گیا ہے لہذا حضرت عمرؓ نے قبلہ کعبے کو بنایا صخرا کو نہیں۔ کتاب اللہ (قرآن) میں کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اس کے احترام میں کوئی کمی نہ کی۔ بلکہ صخرا کی انہوں نے اتنی تعظیم کی کہ جب آپ نے کوڑے کا انبار صخرا پر دیکھا جو کہ رومی وہاں لا لا کر ڈالا کرتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے ساتھیوں کے ساتھ وہ کوڑا وہاں سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس دن سے صخرا مسلمانوں کی نگرانی میں آگیا۔ عبدالملک بن مروان نے اس پر ایک شاندار گنبد تعمیر کرایا۔

بیت المقدس تشریف لانے سے حضرت عمرؓ کا مقصد پورا ہو گیا اور آپ جس راستے سے تشریف لائے تھے اسی راستے سے مدینہ واپس روانہ ہو گئے جب مدینہ والوں کو حضرت عمرؓ کے بیت المقدس کے شاندار اور کامیاب دورے کی تفصیلات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کی مدینہ واپسی پر آپ کا شاندار اور پرتپاک استقبال کیا۔

جزیرہ کی فتح 17ھ :

محل وقوع : جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے۔ جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اس کا حدود اربعہ یہ ہے مغرب ارمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشائے کوچک جنوب شام' مشرق عراق' شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔

تکریت جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی جلی ہے دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے چھ منزل پر ہے۔

17ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا یا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت سعدؓ نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہاء کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا۔ ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جذیہ پر صلح کر لی۔ رہاء کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف لڑائیاں پیش آئیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ رقہ' جران' نصیبین' میاد فارقین' سمساط' سروج' قرقیا' زوزان' عین الوردۃ وغیرہ۔

فتح جزیرہ 17ھ :

اہل جزیرہ جو عراق اور شام کے درمیان آباد تھے اور جن کے بھائیوں کی بستیاں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے آدمیوں نے ہیت تکریت موصل اور قرقیساء میں مسمار کر دی تھیں اپنے بھائیوں کی بربادی کے بعد سے آتش بجاں تھے۔ بلکہ انہیں نظر آ رہا تھا۔ کہ اگر عراق کی طرح مسلمان شام میں بھی شہر پر شہر فتح کرتے قبائل کو اپنا اطاعت گذار بناتے اور اسلام قبول

نہ کرنے والوں پر جذیہ عائد کرتے ہوئے یوں ہی آگے بڑھتے رہے تو ایک نہ ایک دن ان کی اپنی آبادیاں بھی غازیان اسلام کی زد میں آجائیں گی۔ یزدگرد کے ری فرار ہو جانے کے بعد وہ اس کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہرقل کو لکھا کہ اگر وہ مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں ان کے مقبوضات سے نکال باہر کرنے کے لئے بحری راستے سے لشکر بھیجے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔

ہرقل نے اپنے خط میں ان قبائل کو جوش دلایا۔ ان کی ہمتیں بڑھائیں اور لکھا کہ جہازوں کو حکم دے دیا گیا ہے وہ فوج اور سامان جنگ لے کر اسکندریہ سے انطاکیہ پہنچ رہے ہیں ہرقل کا خط ملنے پر یہ قبائل اپنی تمام فوجیں لے کر جزیرے سے حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو ان تمام باتوں کی اطلاع ملی انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مشورے کے لئے قنسرین سے بلایا اور ان دونوں سپہ سالاروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا۔ کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے تمام اسلامی فوجیں شمالی شام میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ انطاکیہ، حماۃ، حلب اور قریب کی تمام فوجی چھاؤنیوں کے لشکر حمص میں اکٹھے کر دیئے گئے ادھر سارے ملک میں خبر پھیل گئی کہ ہرقل کی فوجیں بحری رستے سے آرہی ہیں۔ اور جزیرے کے قبائل حملے کے لئے حمص کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔

جب ہرقل کے جہاز انطاکیہ پہنچے تو شہر کے دروازے فوج کے لئے کھل گئے۔ رعایا مسلمانوں کے خلاف ہو گئی اور تمام شمالی شام میں بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے آپ کو حمص میں محصور پایا جسے باغیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور دشمنوں کو سمندر اور صحرا دونوں طرف سے اپنی سمت بڑھتے دیکھا اب وہ کیا کریں؟ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے امیر المومنین کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا ہے۔ جس میں امداد کی درخواست کی ہے اور یہ کہ مسلمان دشمن سے باہر نکل کر مقابلہ کریں۔ یا مدینہ سے آنے والی کمک کے انتظار میں قلعہ بند ہو کر لڑیں؟ صرف حضرت خالد بن ولیدؓ نے میدان میں نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا۔ باقی تمام فوجی افسروں کی یہ رائے ہوئی کہ قلعہ بند ہو کر جلد سے جلد کمک طلب کرنی چاہئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان لوگوں کی رائے قبول کر لی اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے مشورے سے اختلاف کیا۔ چنانچہ مورچوں کو اور مضبوط کر کے بارگاہ خلافت میں اپنے ساتھیوں کی رائے لکھ بھیجی۔

جب حضرت ابو عبیدہؓ کا خط حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کا یہ عظیم سپہ سالار ایک بہت بڑے خطرے میں گھر گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے مملکت اسلامیہ کے دفاع اور تحفظ کے لئے تمام مسلمان فوجوں کو پورے جوش و خروش کے ساتھ میدان عمل میں آنے کا اور حمص میں حضرت ابو عبیدہؓ کی امداد و عیانت کا حکم دے دیا۔ آپ خود بھی جزیرہ کے قبائل اور قیصر کی مشترکہ فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مکہ مدینہ اور اس کے اطراف سے جتنی فوجیں جمع ہو سکتی تھیں انتظام کر کے اور انہیں لے کر دمشق کے راستے میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو فوری حکم روانہ کیا کہ جس دن تمہارے پاس یہ خط پہنچے اسی دن قعقاع بن عمروؓ کو امدادی فوج کے ساتھ حمص بھیج دو۔ حضرت سعدؓ نے حکم کی تعمیل کی اور قعقاع کی سرکردگی میں چار ہزار بہادر سواروں کی فوج فراہم کر کے کوفہ سے حمص روانہ کر دی۔ لیکن یہ فوج کافی نہ تھی کیونکہ جزیرے سے حمص آنے والے عربوں کی تعداد تیس ہزار تھی اور وہ فوج اس کے علاوہ تھی جو ہرقل نے

جہازوں کے ذریعے انطاکیہ بھیجی تھی۔

سہیل بن عدی عبداللہ بن محتبان ولید بن عقبہ اور عیاض بن غنم اہل جزیرہ کی سرکوبی کے لئے جزیرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور حضرت عمرؓ نے حمص کے ارادے سے مدینہ چھوڑا اور جابیہ پہنچ گئے۔ یہ خبریں جزیرہ نمائے عرب کی طرح عراق و شام میں بھی پھیل گئیں اور جزیرے کے ان قبائل کے ساتھ جو محاصرے کے لئے آئے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے ساتھیوں کو بھی ملیں حضرت ابو عبیدہؓ کو ان خبروں سے اطمینان ہو گیا لیکن قبائل نے یقین کر لیا کہ جو حرکت انہوں نے کی ہے اس کے بعد مسلمان ان کی بستیوں کا کوئی لحاظ نہیں کریں گے اور ان کا بھی وہی حشر ہو گا جو اس سے پہلے موصل، ہیت اور قرقیسا کا ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان کے دل اکھڑ گئے اور انہوں نے جہاں سے آئے تھے وہیں واپس ہو جانا بہتر سمجھا کہ شاید ان کی واپسی ہی ان کے قصور کی کچھ تلافی کر دے۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ بھی حکم بھیجا کہ عیاض بن غنم کو جزیرہ کی طرف ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجو۔ جس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری، آسان بن ابو العاص ثقفی اور حضرت سعدؓ کے بیٹے عمر بن سعدؓ بھی شامل تھے۔

حضرت عیاضؓ کی فتوحات :

حضرت عیاض جزیرہ کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے لشکر کے ساتھ رہاء پہنچے وہاں کے باشندوں نے جذیہ دینے پر صلح کر لی۔ جب اہل رہاء نے صلح کی تو اہل جران نے بھی جذیہ ادا کرنے پر صلح کر لی۔ پھر انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو نصیبین کی طرف بھیجا اور عمر بن سعدؓ کو سواروں کے دستے کے ساتھ مسلمانوں کی فوجی امداد کے لئے رائس العین بھیجا اور خود بنفس نفیس باقی فوج کو لے کر دار القام کی طرف گئے وہاں پہنچ کر اس کو فتح کر لیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بھی نعیبین کو فتح کر لیا۔

پھر حضرت عیاض نے عثمانؓ بن ابو العاص کو آرمینیہ کی طرف بھیجا وہاں کچھ جنگ ہوئی جس میں حضرت صفوان بن المعطل شہید ہو گئے۔ پھر وہاں کے باشندوں نے حضرت عثمان بن ابو العاصؓ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ہر گھر والے کو ایک دینار جذیہ ادا کرنا ہو گا۔

اہل جزیرہ کی روایت :

جب اہل جزیرہ نے یہ سنا کہ اہل کوفہ روانہ ہو گئے ہیں تو وہ حمص سے اپنے علاقے میں چلے گئے تھے حضرت عیاض نے وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا تا آنکہ انہوں نے مصالحت کر لی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے آپس میں یہ کہا "تم اہل عراق اور اہل شام کے درمیان ہو۔ اس لئے تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے حضرت عیاضؓ کو جب کہ وہ جزیرہ کے درمیانی مقام پر تھے۔ پیغام (صلح) بھیجا انہوں نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ (ان کی مصالحت) قبول کر لی جائے۔ چنانچہ ان کی مصالحت تسلیم کر لی گئی۔ مصالحت کے یہ فرائض سہیل بن عدی نے (حضرت

عیاضؓ) کے حکم سے انجام دیے۔ کیونکہ سپہ سالار وہی تھے۔ آخر کار یہ لوگ ذمی بن گئے۔

بعد ازاں حضرت عیاضؓ نے سہیل اور عبداللہ کو رہاء کی طرف بھیجا وہاں کے باشندے بھی جذیہ ادا کرنے پر رضامند ہو گئے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی انہی کی طرح (ذمی رعایا) قرار دیے گئے۔ یوں جزیرہ سب ممالک سے زیادہ آسانی سے فتح ہو گیا۔ چنانچہ فتح کی یہ آسانی اہل جزیرہ کے لئے باعث ننگ و عار بن گئی۔

تغلب کا معاہدہ :

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو ان سے عیسائیوں نے کہا۔ کہ انہیں خراج کے لفظ سے نفرت نہ دلاؤ البتہ تم وہ صدقہ دوگنا کر دو۔ جو تم ان کے مال سے لیتے ہو۔ یہ بھی (ایک قسم کا) جذیہ ہوگا تاہم وہ جذیہ کے لفظ سے ناراض ہوتے ہیں البتہ یہ شرط رکھو کہ وہ کسی بچے کو عیسائی نہ بنائیں جب کہ ان کے والدین مسلمان ہو چکے ہوں"

جذیہ کے لفظ سے انکار :

چنانچہ ان کا یہ وفد یہ بات طے کر کے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم جذیہ ادا کرو" انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا "آپ ہمیں امن کی جگہ پہنچا دیں" خدا کی قسم! اگر ہم پر جذیہ مقرر کیا جائے گا تو ہم رومیوں کے علاقے میں چلے جائیں گے۔ کیا آپ ہمیں عربوں کے درمیان ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم نے خود اپنے آپ کو ذلیل رسوا کیا ہے۔ اور اپنی قوم کی (اسلام نہ لاکر) مخالفت کی ہے۔ تمہیں جذیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر تم رومی علاقے میں بھاگ گئے تو میں تمہارے بارے میں لکھ کر (بلوالوں گا) اور پھر تم سب کو قیدی اور اسیر بنا لیا جائے گا"

وہ بولے آپ ہم سے جو چاہیں رقم لیں مگر اس کو جذیہ نہ کہا جائے آپ نے فرمایا "ہم تو اسے جذیہ کہیں گے۔ تم جو چاہو اس کا نام رکھو"

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ گفتگو اتنی شدت اختیار کر گئی تو فرمایا۔ امیر المومنین! کیا سعد بن مالک نے اس سے دگنا صدقہ نہیں لیا تھا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ہاں اور جذیے کی بجائے ان سے صدقہ لینے پر راضی ہو گئے تھے۔

بنو تغلب کے عیسائیوں نے جذیہ نہ دینے پر اس لئے اصرار کیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں عزت و اعتبار کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور جذیہ دینے کو ایک ایسی ذلت و پستی کی بات سمجھتے تھے۔ جو ان کے لائق نہ تھی اور نہ اس عظمت و شان ہی سے میل کھاتی تھی۔ جو اپنی قوم میں انہیں حاصل تھی ان کی عظمت اور ان کی قوت یہی دو باتیں تھیں۔ جن کی بنا پر ولید بن عقبہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں اور مسلمان ان کی قوت و طاقت سے فائدہ اٹھائیں۔ جذیے کے معاملے میں حضرت عمرؓ کا ان کے ساتھ شدت سے پیش آنا۔ پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے مشورے سے ان کا دوگنا صدقہ قبول کر لینا۔ فاروق اعظمؓ کی ایک ایسی سیاست ہے جو مرتدین کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ اور ایران و روم جیسے دو قوی ترین دشمنوں کے مقابلے میں خود ان کے اپنے موقف سے مختلف ہونے کے باوجود تعریف و تحسین کی مستحق ہے۔ بنو تغلب عرب تھے اور حضرت عمرؓ عرب کی عزت کے

شدید خواہش مند۔ اگر ان میں سے کچھ لوگ عیسائیت پر قائم بھی رہتے ہیں تو کیا ہوا کچھ دن کے بعد ہی سہی' وہ سب کے سب اسلام کی طرف آئیں گے اس مرحلے پر ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا انتہائی درجے کی بالغ نظری تھی۔ زمانے نے حضرت عمرؓ کے حسن فراست اور دور اندیشی کی تائید کر دی جب اس کے بعد بنو تغلب نے مسلمانوں کی قابل قدر مدد کی۔ اور بہت سے موقعوں پر دشمنوں کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی شام میں عدیم المثال فتوحات اور معزولی کے اسباب

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ تم عراق سے شام روانہ ہو جاؤ اور وہاں کی فوج کی امداد کرو کیونکہ وہاں دشمن کے نرغہ میں ہمارے دستے گھر گئے ہیں۔ آپ نے خالد کو شامی فوج کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا اور اس کی کامیابی کی دعا بھی کی۔ چنانچہ انہوں نے شام جانے کی تیاریاں شروع کر دیں خالد نے مثنی بن حارث کو عراق میں اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ عراق سے شام جانے کے دو راستے تھے ایک چھوٹا لیکن بڑا خوفناک مگر دوسرا طویل راستہ جس میں بڑا وقت ضائع ہوتا تھا۔ لیکن انہوں نے چھوٹا راستہ اختیار کیا اور شدید مصائب برداشت کرتے ہوئے شام کی سرحد میں داخل ہو گئے اور اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ابو عبیدہ بن الجرح، شرجیل بن حقہ اور یزید بن ابو سفیان وغیرہ فوجیں لئے۔ مقیم تھے۔ عمرو بن العاص بھی ان کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح تمام اسلامی فوجیں یرموک کے مقام پر جمع ہو گئیں۔ خالد کے ساتھ بھی عراق سے چھ ہزار فوج آئی تھی۔

جنگ یرموک رجب 13ھ :

تاریخ اسلام کے سنہری دور میں دو جنگیں بڑی زبردست تاریخ ساز نوعیت کی ہیں۔ جنگ قادسیہ جو کسریٰ کے خلاف حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں لڑی گئی اور دوسری جنگ یرموک جو حضرت خالد کی سپہ سالاری میں قیصر روم کے خلاف لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عظیم جنگوں میں مسلمانوں کو شاندار کامیابیاں عطا کیں۔

مسلمانوں کی فوج کی تعداد 38 ہزار تھی اور رومیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ جو دریائے یرموک کے کنارے وقوصہ کی گھاٹی میں مسلح تیار کھڑے تھے اور ان کا سپہ سالار قیصر کا بھائی تذارق تھا۔ خالد نے عسکری حکمت عملی کے مطابق اپنی فوج کو 38 حصوں میں تقسیم کیا اور ہر دستے کا سالار کسی نہ کسی بہادر کو مقرر کیا اور تمام منصوبہ بندی مکمل کر لی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو طبری کی روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی وقوصہ کی گھاٹی کی نذر ہو گئے۔ مسلمانوں کو تاریخ ساز شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ شام میں خالد کی یہ پہلی عظیم کامیابی تھی۔ قیصر کا بھائی تذارق اور بہت سے رومی جرنیل بھی اس جنگ میں مارے گئے۔

2- دمشق کی فتح 13ھ :

یرموک کی فتح کے بعد خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ بن جرح دمشق کی طرف روانہ ہو گئے اور دمشق کا محاصرہ کر

لیا۔ کچھ فوج محل کی طرف روانہ کر دی گئی۔ دمشق کا محاصرہ کر لیا گیا۔ دمشق کی فصیل کے چاروں طرف تین میٹر چوڑی خندق بھی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد ایک حکم کے ذریعے خالد بن ولیدؓ کی جگہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو تمام شامی فوج کا سپہ سالار نامزد کر دیا تھا اور خالد کو ان کا نائب امیر مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ اب شامی فوج کے سپہ سالار اگرچہ ابو عبیدہ بن الجراح تھے مگر عسکری حکمت عملی خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی اور حضرت ابو عبیدہ کوئی فوجی کاروائی خالد کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے دمشق کے ہر دروازے کے باہر ایک ایک بہادر سالار کو اس کے دستے کے ساتھ تعینات کر دیا اور خالد کو مشرقی دروازے کے باہر تعینات کیا۔ یہاں دیر صلیبا تھا بعد میں اس کا نام امیر خالد پڑ گیا۔ ایک رات خالد کو اطلاع ملی کہ دمشق کے بطریق یعنی سب سے بڑے پادری کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے دمشق کے تمام لوگ خصوصاً فوجی اسی کا جشن منا رہے ہیں رات کی دعوت میں ان لوگوں نے خوب کھایا پیا اور اب نشے میں مدہوش پڑے ہیں اور شہر کے دفاع سے غافل ہیں۔ خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی محیر العقول عسکری حکمت عملی اور بے پناہ شجاعت اور بہادری کے ذریعے دمشق کو فتح کر لیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات 13ھ میں کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ ثانی منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے حکم میں جو آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے نام جاری کیا۔ حضرت خالد بن ولید کو شام کے اسلامی لشکر کے سپہ سالار کے منصب سے معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ بن جرح کو تمام شامی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا اور حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالاری سے معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ کا نائب سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔ لہذا دمشق کے محاصرہ کے وقت حضرت خالد بن ولید سپہ سالار نہ تھے اس کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ فاتح دمشق بھی خالد بن ولید تھے اور جنگ یرموک کے فاتح بھی حضرت خالد بن ولید ہی تھے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ شام کے تمام بڑے بڑے اہم شہروں کی فتوحات میں حضرت خالد بن ولید نے اپنی عسکری مہارت اور بے مثال شجاعت و بہادری سے سب سے اہم کردار ادا کیا اور آپ کو بلا مبالغہ فاتح عراق کی طرح فاتح شام بھی قرار دے سکتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید کی شامی فتوحات کی تفصیلات کا مطالعہ آپ تاریخ اسلام کے سنہری دور میں مطالعہ فرما سکتے ہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صحیح فرمایا تھا کہ آپ عرب کی عورتیں خالد بن ولید جیسا بیٹا پیدا نہیں کر سکتیں" واقعی خالد بن ولید اسلام کی عسکری تاریخ میں عدیم المثال ہیں۔

حضرت خالد بن ولید کو 17ھ کو معزول کر دیا گیا۔
بیعت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروقؓ مدینہ روانہ ہو گئے۔

حضرت ابو عبیدہ حمص روانہ ہو گئے۔ یزید بن ابو سفیان دمشق اور حضرت خالد بن ولید قنسرین کو امارت پر روانہ ہو گئے۔ اور سب والیان صوبہ جات اپنے اپنے فرائض یعنی امن و امان کی بحالی۔ عدل و انصاف، عوام کی ترقی و خوشحالی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ اہل جزیرہ نے دیکھا کہ ہم عراق اور شام کے درمیان میں ہیں اور مسلمان یہ دونوں ممالک فتح کر چکے ہیں۔ بلکہ الجزیرہ کے چند شہر جن میں ہیت۔ تکریت موصل اور قرقیسیا بھی فتح کر چکے ہیں۔ اب وہ بھی مسلمانوں کی

یلغار سے نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے قیصر روم کے ساتھ معاہدہ کر کے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ مگر حضرت عمرؓ کی سیاسی منصوبہ بندی اور تمام مسلمان صوبوں کے والیان کی فوری امداد سے الجزیرہ والوں کو شدید ناکامی ہوئی اور الجزیرہ پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور قیصر ان کی کوئی امداد نہ کر سکا۔ دیگر والیان شام و عراق کی طرح حضرت خالد بن ولید نے بھی الجزیرہ والوں کو شکست فاش دینے میں اہم کردار ادا کیا اور جب فتوحات مکمل ہو گئیں تو حضرت خالد بن ولید مع مال غنیمت ایک فاتح کی حیثیت سے اپنی ولایت قنسرین میں پہنچ گئے۔ اور یہاں انہوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے بہادر مجاہدین کو انعام واکرام سے نوازا۔ ان میں کندہ کے امیر حضرت اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم بطور انعام عطا فرمائے۔ جنہوں نے تمام جنگوں میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ الجزیرہ والوں کی شکست اور واپسی کے بعد شمالی شام کے بعض شہروں کے رومیوں نے جنگ جاری رکھی۔ ان میں حلب جماۃ اور انطاکیہ وغیرہ کے قبائل نے بغاوت کی اور حضرت خالد بن ولید اور عیاض بن غنم اور دوسرے سالاروں نے ان کا استیصال کیا۔ شام کی بغاوت کے خاتمہ کے بعد حضرت خالد بن ولید وہاں سے آرمینیہ پہنچے۔ وہاں عیاض بن غنم بھی ان سے آملے اور دونوں نے مل کر ارد گرد کے تمام علاقے فتح کر لئے اور بے شمار مال غنیمت حاصل کر کے واپس لوٹے اور رہاء سے جب خالد قنسرین پہنچے تو ان کے پاس بے شمار مال غنیمت جمع ہو گیا تھا اور ارد گرد سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس پہنچے اور حضرت خالد بن ولید نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ لوگوں کو انعام واکرام دیے۔ ان میں حاکم کندہ اشعث بن قیس بھی شامل تھا۔ جس کو حضرت خالد نے دس ہزار درھم انعام میں دیے۔ خالدؓ بن ولید کے انعامات اور سخاوت کی بڑی شہرت ہوگئی اور لوگ ان کی فراخ دلی اور جود و سخا کی تعریفیں کرنے لگے۔ ان کے کارنامے ہی غیر معمولی اور محیر العقول تھے اور بہادروں اور شاعروں کو انعامات بھی بڑی فراخدلی اور جود و سخا کا عظیم مظاہرہ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے خالد بن ولیدؓ سے اختلافات اشعث بن قیس کو خالد کا دس ہزار درہم کا انعام دینا بھی حضرت عمرؓ کی ناراضگی کا باعث ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے تمام اخراجات کی تفصیل طلب کی۔ مگر حضرت خالدؓ حضرت عمرؓ کو مطمئن نہ کر سکے۔ حضرت خالدؓ ایک سرمایہ دار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ان کا معیار زندگی بڑا امیرانہ تھا۔ جسے حضرت عمرؓ ناپسند کرتے تھے اور اسے فضول خرچی پر محمول کرتے تھے۔

جب حضرت عمرؓ نے خالد سے جواب طلبی کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ٹھیک کر رہا ہوں۔ "مجھے اپنا کام کرنے دیں ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام" حضرت عمرؓ کو حضرت خالد پر بے حد غصہ تھا۔ اور آپ نے فرمایا "بخدا! میں خدا کے سامنے سچا نہیں ہونگا۔ اگر جس حکم کا مشورہ ابو بکرؓ کو دیتا تھا اسے خود نافذ نہ کروں خالدؓ میری طرف سے ہرگز کسی صوبے کے والی نہیں ہوں گے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ خالد کو بلا کر ان کے عمامے سے ان کی مشکیں کسو اور ان کی ٹوپی اتار کر پوچھو کہ "اشعث بن قیس کو انعام انہوں نے اپنے پاس سے دیا ہے۔ یا جہاد کی غنیمت سے؟ اگر جہاد کی غنیمت سے دیا ہے تو خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اپنے پاس سے دیا ہے۔ تو فضول خرچی کی ہے اور انہیں حکم دیا۔ دونوں صورتوں میں انہیں معزول کر کے ان کے علاقے کو اپنی ولایت میں شامل کر لیں۔ حضرت ابو عبیدہ کو خط ملا تو حیران رہ گئے اور فیصلہ کیا کہ خالد کو بلا کر امیر المومنین کے حکم کی تعمیل ان کے قاصد پر چھوڑ دینی چاہئے جب حضرت خالدؓ آئے تو لوگوں کو جمع کر کے خود منبر پر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کا بھیجا ہوا قاصد جو حضرت بلال بن رواح تھا کھڑا ہوا۔ اور حضرت خالدؓ سے پوچھا "تم نے دس ہزار درہم اپنے پاس سے دیے تھے یا جہاد کی غنیمت سے؟ حضرت خالدؓ یہ سن کر حیران ہو گئے اور انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ قاصد نے اپنا سوال دہرایا۔ لیکن خالدؓ پھر بھی خاموش کھڑے رہے۔ حضرت ابو عبیدہ منبر پر خاموش بیٹھے تھے۔ جب قاصد کے سوال اور حضرت خالدؓ کی خاموشی کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ تو حضرت بلال اٹھے اور فرمایا "امیر المومنین کا حکم ہے کہ تمہارے عمامے سے تمہاری مشکیں کی جائیں اور تمہارے سر سے تمہاری ٹوپی اتار لی جائے۔ یہاں تک کہ تم اس سوال کا جواب دو۔ جو تم سے پوچھا جا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت خالدؓ کی حیرت اور بڑھ گئی۔ لیکن جواب پھر بھی نہ دیا۔ اس پر قاصد نے آپ کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کے ہاتھ ان کی پیٹھ کی طرف لے جا کر عمامے سے باندھ دیئے اس کے بعد پوچھا کیا کہتے ہو! انعام اپنے پاس سے دیا یا جہاد کی غنیمت سے؟ حضرت خالدؓ بن ولید کا اس وقت کیا حال ہوگا۔ جو اللہ اور مسلمانوں کے دشمنوں پر کامیابی و کامرانی کے نقطہ کمال پر تھا۔ جس کے نام سے قیصر و کسریٰ کے حکمران' افواج اور عوام کانپتے تھے۔ جو تاریخ عالم کا بے مثال جنگجو فاتح سپہ سالار تھا۔ بلاشک و شبہ یہ حضرت خالدؓ کی انتہائی توہین تھی۔ وہ سیف اللہ تھا۔ آنحضرتؐ اور ابو بکر صدیقؓ کا محبوب تھا اور تمام امت اور افواج اسلام اس پر فخر کرتے تھے وہ عدیم المثال مجاہد جس نے عراق و شام کو فتح کیا تھا۔ صرف دس ہزار درھم کی وجہ سے ان کو یہ ذلت آمیز سزا' عام مسلمانوں کے اجتماع میں دی جا رہی تھی۔ یہ دس ہزار درھم کی حقیر رقم انہوں نے ایک بہادر مجاہد کندہ کے امیر اشعث بن قیس کو ان کی بہادری کی وجہ سے بطور انعام دی تھی۔ کوئی خیانت نہیں کی تھی۔

ابھی چند روز ہوئے حضرت عمرؓ نے معرکہ قنسرین کے بعد جس میں حضرت خالدؓ کو عظیم فتح حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے خالد کی تعریف میں فرمایا تھا۔ کہ "اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرماوے۔ وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے" اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو انہوں نے افواج اسلام کا سپہ سالار بنایا اور ہمیشہ ان پر اعتماد کیا"۔

آخر جب حضرت بلالؓ نے یہ سوال دہرایا کہ "تم نے یہ انعام اپنے پاس سے دیا ہے یا جہاد کے مال غنیمت سے؟ تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا" اپنے پاس سے" جب حضرت بلالؓ نے یہ جواب سنا تو مشکیں کھول دیں اور انہیں ٹوپی پہنا دی۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا اور فرمایا" ہم اپنے حاکموں کا حکم سنتے اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ نے خالد بن ولید کی توہین کی ہے۔ وہ حضرت خالدؓ کی ہر دلعزیزی' مقبولیت اور عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے ان سے حسد کرنے لگے ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے دور سے ہی حضرت خالد بن ولیدؓ کے خلاف تھے۔

موجودہ انتقامی کاروائی کا عدل و انصاف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت خالدؓ حیران تھے۔ کہ میرے ساتھ اتنا برا سلوک کس وجہ سے کیا گیا ہے۔ جس سے ان کا وقار اور اعتماد بری طرح مجروح ہوا ہے۔ وہ اپنی بہن فاطمہ بنت ولید کے پاس مشورہ کے لئے گئے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اے خالد! "عمرؓ تمہارے ذاتی دشمن بن چکے ہیں وہ کبھی تم سے راضی نہ ہوں گے وہ چاہتے ہیں کہ تم اقرار جرم کر لو۔ پھر وہ تمہیں فوج سے سبکدوش کر دیں گے" خالد نے اپنی بہن کی رائے کو تسلیم کر لیا۔ یہ

سب واقعہ حمص میں ہوا تھا۔ جو حضرت ابو عبیدہ کی ولایت کا صدر مقام تھا۔ پھر خالد حمص سے قنرین گئے اپنے اہل وعیال اور سامان کو لیا اور براستہ حمص حضرت ابو عبیدہؓ کو مل کر مدینہ روانہ ہو گئے اور حالت معزولی میں حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو گئے اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اور یہ سب ذاتی انتقامی کاروائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ یہ نرمی اور معذرت کرنے کا موقع نہیں۔ بلکہ سختی اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کا موقع ہے۔ چنانچہ آپ نے سخت رویہ اختیار کیا اور فرمایا کہ "تمہارے پاس یہ دولت کہاں سے آگئی۔ کہ اشعث کو دس ہزار بطور انعام دیدئے۔ اور بار بار یہی سوال دہراتے رہے کہ تم اتنے مالدار کہاں سے بن گئے اور اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دیدیا۔" حضرت عمرؓ کے اصرار سے تنگ آکر حضرت خالدؓ نے جواب دیا کہ "مال غنیمت کے حصوں میں سے جو مجھے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ملے تھے۔ ساٹھ ہزار میں سے جو زائد ہو وہ آپ کے عہد کا مال غنیمت کا حصہ ہے وہ آپ لے سکتے ہیں" حضرت عمرؓ نے حساب کیا تو کل مالیت اسی ہزار درہم نکلی۔ ان میں سے ساٹھ ہزار چھوڑ دیے اور باقی بیس ہزار ان سے لے کر بیت المال میں داخل کرا دیے۔

مدینہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کے ساتھ ظلم کیا ہے عدل وانصاف نہیں۔ حضرت خالدؓ عزت و احترام اور عظیم الشان اعزاز کے مستحق تھے۔ بقول طبری (گویا عمرؓ نے یہ سمجھا کہ خالدؓ سے یہ سلوک کر کے ان کا جی خوش ہو گیا) حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے کہ لوگوں کی ہمدردیاں حضرت خالدؓ کے ساتھ ہیں۔ اگر حضرت خالدؓ فتنے کی آگ بڑھانا چاہتے اور فساد پیدا کرنا چاہتے یا ملک میں بغاوت کرانا چاہتے تو وہ سب کچھ کرا سکتے تھے۔ کیونکہ لوگ خالدؓ کو مظلوم اور بے گناہ اور اسلام کا بے مثال ہیرو تصور کرتے تھے۔ جن کو بے گناہ انتقامی جذبہ کے تحت معزول کیا گیا تھا۔ مگر خالدؓ کسی قسم کی انتقامی کاروائی بغاوت یا فتنہ وفساد نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے لوگوں کو پر امن رہنے کی تاکید کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب حضرت خالدؓ کو تنہائی میں ملتے تو عزت واحترام اور ہمدردی سے پیش آتے۔ مگر لوگوں میں شدت اور سختی سے خالدؓ پر الزام لگاتے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ بے انصافی اور ظلم وزیادتی کی ہے۔ انصاف نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم! خالدؓ! میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور تمہیں محبوب رکھتا ہوں۔ آج کے بعد تم مجھ سے کسی بات پر ناراض نہ ہوں گے اس جواب سے خالدؓ کو اطمینان ہو گیا۔ اور ان کا غصہ وناراضگی ختم ہو گئی اور بادل ناخواستہ اپنی موجودہ زندگی پر مطمئن ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی یہ قسم پوری ہو گئی۔ کہ خالدؓ میری طرف سے ہرگز کسی صوبے کے والی نہیں ہوں گے۔ خالد کی معزولی پر کوئی بغاوت نہ ہوئی اور نا ہی خالدؓ نے کسی شورش یا بدامنی پر مشتعل کیا۔ ان سب چیزوں کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی درشتی وسختی اس کے جذبات ہمدردی اور انصاف پر غالب آگئے۔ اور انہوں نے تمام ملک میں اعلان کرا دیا کہ "میں نے خالدؓ کو کسی ناراضگی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ لوگ ان کے کارناموں کی وجہ سے ان کے مداح اور گرویدہ ہو گئے تھے۔ اور یہ یقین کر رہے تھے۔ کہ مسلمان مجاہدین کی تمام کامیابیاں محض خالد بن ولیدؓ کی مرہون منت ہیں اور ان کی بہادری اور زور بازو کی وجہ سے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت اور فتح ونصرت پر ایمان کمزور پڑتا جا رہا تھا۔

اس لئے میں نے حضرت خالدؓ کو معزول کر کے یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور مسلمانوں کی تمام فتوحات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرام کا نتیجہ ہیں اور جو کرتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ لہذا ہمیں ہر حال میں اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی معزولی کے چار سال بعد وفات پائی اور اپنی ملکیت میں ایک گھوڑا' ایک غلام اور ہتھاروں کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ لوگ حضرت عمرؓ کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور اس اعلان کو حضرت خالدؓ کی معزولی کا صحیح جواز تسلیم نہ کیا۔ بلکہ اسے انتقامی کاروائی قرار دیا۔ حضرت خالدؓ کے عدیم المثال کارنامے سے اور عراق و شام کی فتوحات نے ان کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ بیشک حضرت خالد بن ولیدؓ تاریخ اسلام کا عدیم المثال بہادر' فاتح اور کامیاب جنگجو سپہ سالار تھا اور اس نے اسلام کی فقیہہ المثال خدمات سرانجام دی ہیں اور اسلام کا عظیم ہیرو ہے۔

مدینہ پہنچ کر خالد بن ولید نے حضرت عمرؓ کے تمام شکوک و شبہات رفع کر دیئے تو حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"خدا کی قسم خالد! تم مجھے بہت محبوب ہو۔ میں دل سے تمہاری قدر و منزلت کرتا ہوں" اس کے بعد خلیفہ نے تمام صوبوں کے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ خالد کی معزولی کسی رنجش یا بد دیانتی کی وجہ سے نہ تھی۔

حضرت خالدؓ کی معزولی کے اسباب:

یہ واقعہ کیوں وقوع پذیر ہوا؟ جب اس اہم سوال پر غور کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل جوابات نظر آتے ہیں۔

1- حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت سے ہی حضرت خالدؓ کے خلاف تھے اس لئے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد خالدؓ کو معزول کر دیا پہلے شام کی امارت سے حضرت ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ 13ھ میں۔ پھر 17ھ میں عہدہ سے ہی معزول کر دیا۔ اس مخالفت کی وجوہات مالک بن نویرہ کا قتل اور اس کی بیوی سے نکاح وغیرہ شامل ہیں۔

2- حضرت خالدؓ فوجی اخراجات کا حساب پیش نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی حسابات پیش نہیں کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی پیش نہ کئے۔

3- حضرت خالدؓ نے اپنی تعریف میں قصیدہ سن کر دس ہزار درہم ایک شاعر اشعث بن قیس کندی کو عطا کر دئے۔

4- حضرت عمرؓ حضرت خالدؓ کی عظیم الشان فتوحات کی وجہ سے ان کی ہر دلعزیزی کو ناپسند کرتے تھے ان محیر العقول عسکری کارناموں نے اسے تمام مسلم دنیا اور بیرونی دنیا میں بھی بہت مقبول اور ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔

5- عوام میں یہ تاثر پیدا ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کی یہ بے مثال کامیابیاں اسلام کی تعلیمات کی بجائے حضرت خالدؓ کی بہادری اور شجاعت کی مرہون منت ہیں۔

6- حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کے نظریات میں ایک بنیادی اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا سر مو انحراف برداشت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہر حال میں پوری طرح شدت کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہتے تھے۔ مگر حضرت خالدؓ اگرچہ قران کے احکام اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سب کچھ کر رہے تھے وہ انتہا پسند نہیں بلکہ اعتدال پسند تھے۔ آپ مکہ کے سب سے مالدار تاجر اور زمین و باغات کے مالک ولید

بن مغیرہ مخزومی کے بیٹے تھے اور 8ھ میں اسلام لانے سے قبل آپ کی انفرادی زندگی شاہانہ طور پر گزری تھی۔ اور ان کا طرز زندگی امیرانہ تھا۔ یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کے درمیان معاشرتی معاملات میں افراط و تفریط تھا اور یہ معاشرتی طرز زندگی ہی دونوں کے درمیان بنیادی اختلاف کا سبب بنا۔ بہر حال تاریخ اسلام اور تاریخ عالم میں دونوں کا مقام عدیم المثال ہے۔

تاریخی حقائق وواقعات کی روشنی میں صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور خالد بن ولیدؓ نا صرف تاریخ اسلام میں تاریخ ساز شخصیتیں ہیں بلکہ تاریخ عالم میں بھی اپنے عظیم الشان کارہائے نمایاں کی وجہ سے عدیم المثال ہیں۔

تاریخ اسلام کا ابتدائی چھتیس سالہ سنہری دور حکومت قرآن حکیم کی تعلیمات، قوانین، احکام اور ہدایات کے عین مطابق تھا اس نظام انسانیت کی بنیاد مساوات واخوت، عدل وانصاف حریت وآزادی محبت ورواداری اور اس میں بلا امتیاز مذہب و ملت، ذات پات، نسل وقبیلہ اور قومیت کے تعصبات کے ہر انسان کو بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی ضروریات زندگی حاصل تھیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی مصر میں فتوحات

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فتح مصر کا منصوبہ بنایا اور حضرت عمر فاروقؓ کو اس عظیم مقصد کی ابتدا کے لئے رضامند اور متفق کرنے کے بعد 19ھ میں پہلا قدم سرزمین مصر پر رکھا۔ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی امدادی فوجیں حضرت عمرو بن العاص کے پاس محاذ جنگ پر پہنچیں تو رفتار تیز کر دی اور فتح و ظفر نے ان کے قدم چومے اگر کمک میں تاخیر ہو جاتی تو جنگ اور پیش قدمی میں تاخیر ہو جاتی۔ فتح بیت المقدس کے وقت حضرت عمرو بن عاص نے خلیفۃ اسلام کے سامنے مصر کی فتح کی تجویز پیش کی تھی۔ جب رومی سپہ سالار اطربون مصر بھاگ گیا تھا۔ اور آپ نے اس کے تعاقب کا بھی اظہار کیا تھا۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ نے صرف اس مسئلہ پر غور و خوض کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو مصریوں کی حالت زار کا نقشہ بھی پیش کیا۔ کہ مصر پر رومیوں کی حکومت ہے وہ اسی طرح مصریوں کا جبر و استحصال کرتے ہیں جس طرح ایرانی عربوں کا کرتے تھے۔ ان کی زرخیز زمینوں کی پیداوار رومی حکمران اور سردار لے جاتے ہیں اور مصریوں کی معاشی حالت بڑی قابل رحم ہے مذہبی لحاظ سے بھی مصریوں کو مذہب و عقیدہ کی آزادی نہیں ہے اور عیسائی پادریوں نے ان کی مذہبی آزادی سلب کر رکھی ہے۔

الغرض معاشی' سیاسی مذہبی اور معاشرتی لحاظ سے مصریوں کی حالت غیر انسانی ہے۔ ہر قسم کی آزادی سے محروم ہیں اور ملوکیت' جاگیرداری اور مذہبی ظلم و استبداد کی وجہ سے ان کی حالت زار ہر قسم کی انسانی ہمدردی اور جبر و استحصال سے نجات کی مستحق ہیں۔ اگر ہم نے مصر پر حملہ کیا تو وہاں کی غیر رومی مصری قوم ہمارے ساتھ تعاون کریگی۔ عراق اور شام کی طرح مصریوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو چکا ہے۔ کہ مسلمان نا قابل شکست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی امداد ان کے ساتھ ہے وہ رومیوں کو شام سے ذلت آمیز شکستوں کے بعد نکال چکے ہیں اسلام انسانیت کا دین ہے۔ اس کی تعلیم آفاقی ہے ان میں مساوات واخوت' محبت و رواداری' عدل و انصاف' سچائی دیانت داری' وعدے کی پابندی' سیاسی و مذہبی آزادی اور ہر انسان کی جان و مال اور عزت و آزادی کا تحفظ ہے۔ لہٰذا نہ صرف یہ کہ مصر انتہائی زرخیز اور سرمایہ دار ملک ہے وہاں زراعت اور صنعت عام ہے لوگ خوشحال ہیں اور وہاں دنیا کی کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ حملہ کی صورت میں عوام ہم سے تعاون کریں گے اور حکمران شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اور اللہ کی مشیت شامل حال ہوئی تو مسلمانوں کو مصر میں رومیوں کے خلاف شاندار کامیابیاں اور فتوحات حاصل ہوں گی۔ مسلمان مجاہدین مال غنیمت سے مالا مال ہو جائیں گے اور امت اسلامیہ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو جائے گا اور سلطنت کی حدود وسیع و عریض ہو جائیں گی۔ حضرت عمرو بن العاص نے قحط اور طاعون کے زمانہ میں یہ رائے دی۔

کہ مسلمانوں کے قبضہ میں متبادل علاقے ہونے ضروری ہیں۔ کہ وہ ان حوادث کے وقت ان مصیبت زدہ ممالک کی امداد و اعانت کر سکیں۔ اطربون جیسے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے بھی مصر کو فتح کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہمارے علاقے ان ازلی دشمنوں کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ حملہ مدافعت سے بہتر ہے بشرطیکہ تم دشمن کا سر کچل سکو۔ اس کے گھر میں جاکر رومیوں کو بھی خوف پیدا ہوگا۔ کہ مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ طاقت حاصل ہے۔ جو عرب سے آکر مصر پر حملہ کرتے ہیں اور وہ خوفزدہ ہو کر مدافعت پر مجبور ہوں گے۔ مصر پر حملہ کرنے سے شام کے لوگوں کو بھی تحفظ واستحکام ملے گا اور رومی ان پر حملہ نہیں کر سکیں گے۔ مصر کے مقامی باشندوں کو امن وامان ملے گا۔ کیونکہ اب ان کے ساتھ عدل وانصاف ہوگا۔ مذہبی آزادی ہوگی۔ معاشی خوشحالی ہوگی اور انسانی حقوق حاصل ہوں گے اور ہر ایک کے ساتھ مساوات واخوت اور رواداری کا سلوک ہوگا۔ اس وقت مصر کے باشندے رومیوں کے اقتدار اور طرز حکومت' ان کی سیاسی' معاشی اور مذہبی پالیسیوں سے سخت بیزار ہیں۔

مصر زمانہ قدیم سے بحری تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہاں سے بحری جہاز تجارتی سامان لے کر دنیا کے مختلف ممالک میں جاتے اور وہاں کا مال تجارت لاتے تھے۔ بحری تجارت کے علاوہ مصر کے بری راستوں سے بھی بڑی تجارت تھی اور مصر سے قافلوں کی صورت میں فلسطین شام حجاز نجد' عراق اور ہندوستان کے ساتھ بھی تجارت تھی۔ بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کے ذریعے بحری تجارت تھی۔ اور قافلوں کی صورت میں شاہراہوں کے ذریعے ایشیاء اور افریقہ کے ممالک سے بھی تجارت ہوتی تھی اور اس طرح مصر دنیا کی بحری اور بری تجارت کا سب سے بڑا مرکز۔ زرعی پیداوار اور مصنوعات کی دولت سے مالا مال تھا۔

مصریوں کا عربوں خصوصاً اہل حجاز یعنی مکہ کے ساتھ نسلی تعلق اور صلہ رحمی بھی تھا۔ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسماعیلؑ کی والدہ تھیں۔ اس لئے مکہ اور مصر کو اپنا یہ رشتہ یاد تھا اور تمام عرب خصوصاً مکہ کے قریش حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کی اولاد تھے اور مصری ان عربوں کے ننھیال تھے۔

اس طرح عربوں اور مصریوں کے صدیوں پرانے تجارتی' نسلی اور سیاسی تعلقات تھے اور یہ دونوں قومیں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ مصر اور عرب کے درمیان بحری' بری تجارتی راستہ تھا اور وہ ایک دوسرے کے متعلق بہت سی معلومات رکھتے تھے قرآن حکیم میں مصر کے بہت سے تاریخی و مذہبی واقعات کا ذکر تفصیل سے ہے فرعون مصر' حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف کے واقعات اور بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف جن کے حالات قرآن میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ان سے اس ملک کی تاریخ' طبعی حالات ان کی خوشحالی معاشی' معاشرتی اور سیاسی زندگی' ان کے اخلاق وعادات طرز حکومت اور معاشرتی زندگی کے حالات ملتے ہیں اور عرب قرآن کی وجہ سے اور خود اپنے تجارتی سفروں کی وجہ سے ان حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور مصر کی فتح دنیا میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ ایران اور روم کی جنگ کی وجہ سے عرب نہ صرف ان دونوں متحارب فریقوں کے حالات سے دلچسپی رکھتے بلکہ جب 616ء میں ایرانیون نے روم کو شکست دے کر مصر شام اور فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ تو عربوں کا ایک طبقہ ایرانیوں سے ہمدردی رکھتا تھا

مگر مسلمانوں کی ہمدردی روم سے تھی۔ کیونکہ وہ توحید پرست عیسائی تھے لیکن چند سال بعد رومیوں نے ایران کو شکست دے کر اپنے تمام مقبوضات واپس لے لئے تو مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ یہ اس زمانہ کے بین الاقوامی حالات تھے۔ اور جہالت اور پسماندگی کے باوجود عرب بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے تمام مہذب دنیا کے حکمرانوں کو دعوت اسلام کے پیغام ارسال فرمائے تھے ان میں مقوقس حاکم مصر بھی تھا۔ جو رومیوں کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ مقوقس نے نہ صرف انتہائی ادب واحترام سے آنحضرتؐ کی خدمت میں جواب ارسال کیا۔ بلکہ دو نوجوان لڑکیاں ماریہ اور ساریہ قبطیہ ایک سفید رنگ کا خچر' ایک گدھا بہت سی مصری مصنوعات اور تحائف بھیجے۔ ان میں سے ماریہ قبطیہ سے حضورؐ نے نکاح کر لیا۔ جس سے ایک لڑکا ابراہیم پیدا ہوا۔ مگر ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اور ساریہ قبطیہ کی شادی شاعر اسلام حضرت حسان سے کر دی۔ آنحضرتؐ کو مصر سے بڑی دلچسپی تھی۔ جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو اس سے قبل ایرانی مصر پر روم کو شکست دینے کے بعد دس سال تک حکومت کرتے رہے تھے اور ان کو مصر کے اندرونی حالات معلوم تھے۔ ان سے بھی حضرت عمرؓ نے مصر کے حالات معلوم کئے۔ الغرض اس وقت حضرت عمرؓ اور دیگر مسلمانوں کے ذہن میں واضح تصویر موجود تھی۔ اجنبی ملک نہ تھا۔ مصر کی زرخیزی' شادابی اور کھانے پینے کی بہترین اشیاء وافر مقدار میں تھیں۔ یہ خوشحال ترقی یافتہ ملک تھا۔ جس میں ہر قسم کی مصنوعات بے حساب تھیں۔

سکندریہ مصر کا دارالسلطنت صنعت و تجارت علوم و فنون اور حسین نظاروں کا مرقع اور گنجان آباد شہر تھا اس کی آبادی لاکھوں پر محیط تھی۔ اور ہر قوم و ملک اور ہر علم و فن کے لوگ یہاں آباد تھے۔ عالیشان عمارات اور تفریح گاہیں' بڑے بڑے بازار اور بڑی بڑی کشادہ سڑکیں تھیں سکندریہ دنیا کا سب سے بڑا شہر اور یہاں کی بندرگاہ دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور سب سے بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اور دنیا میں سب سے بڑا جہاز سازی کا مرکز تھا۔ ہر قسم کے علوم و فنون اور علمی و عقلی ارتقاء کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ جب سے اس شہر کو سکندر اعظم نے تعمیر کیا تھا۔ ترقی وارتقاء کی منازل طے کرتا رہا۔ خواہ وہ صنعت و تجارت ہو۔ علوم و فنون ہوں یا تعمیر و ترقی۔ تہذیب و تمدن فلسفہ و حکمت ایجادات و اختراعات' شعر و ادب' فکر و دانش اور مذہب و اخلاقیات و انسانیت کی منازل طے کرتا رہا۔ سکندریہ ہر مکتبہ فکر کے دانشور ماہرین فن و ثقافت۔ کتب خانوں' لائبریریوں' مدرسوں درس گاہوں' کالجوں اور علم و فن کے سرچشموں کا مرکز تھا۔ یہاں کا طبی مدرسہ یعنی میڈیکل کالج دنیا کا سب سے عظیم الشان مرکز صحت تھا۔ سکندریہ کے ادیب' شاعر' مصنف اور علماء دنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

قیصر نے کوشش کی کہ عیسائیت کے مختلف عقائد کو ایک مذہب میں جمع کر دیا جائے۔ جب ہرقل نے ایرانیوں پر فتح پائی) تمام فرقوں کے مذہبی پیشواؤں اور بطریقوں کو خلقدونیہ کے اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔ وہاں سب نے ایک مسیح مذہب کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا۔ ہرقل نے سکندریہ کی مذہبی پیشوائی قیرس کے سپرد کی جو کوہ قاف کا اسقف تھا اور اسے کہا کہ مصر کو سرکاری مذہب کا حلقہ بگوش بنائے۔ ہرقل نے مصر اور شام میں یہی مذہب رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں مصریوں کا سب سے بڑا اسقف بنیامین تھا۔ جس کے لئے عوام کے دلوں میں بڑی محبت اور عزت تھی۔ وہ ایک نیک پاک عقلمند انسان تھا اور عوام کا خیر خواہ تھا۔ اس کا مذہب یعقوبی فرقے کا مذہب تھا۔ مصری اس پر ایمان رکھتے تھے۔ ان کا

عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ میں الوہیت اور بشریت دونوں جمع ہو گئی تھیں۔ جب قیصر اس مذہب کے لئے سکندریہ پہنچا تو بنیامین پہاڑوں میں جاکر چھپ گیا۔ قیرس کے بعد صفرینوس بیت المقدس سے سکندریہ پہنچ گیا۔ اس کا فرقہ ملکانی تھا۔ مصریوں اور قبطیوں نے ملکانی فرقہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کی غالب اکثریت نے بنیامین کے فرقہ یعقوبی چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اب حکومت نے مذہبی ظلم و تشدد شروع کر دیا۔ یعقوبی ملکانی' قیرس' بنیامین' صفرینوس اپنے اپنے فرقے کے مذہبی پیشوا تھے۔

فتح مصر 20ھ :

حضرت عمرو بن العاص نے 19ھ کے شروع میں چار ہزار مجاہدین کے ساتھ مصر کی فتح کے لئے پہلا قدم سرزمین مصر میں رکھا۔ ابتدا میں تو احتیاط سے کام لیا۔ لیکن بعد میں جب حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے امدادی فوجیں پہنچنے لگیں۔ تو پیش قدمی کی رفتار تیز کر دی گئی۔

حضرت عمرو بن عاص کی رائے سے اس لئے اور بھی اتفاق کیا۔ کہ وہ ان کی جنگی مہارت اور سیاسی بصیرت سے واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر ابن عاصؓ مصر کی مہم پر روانہ ہوئے تو اپنی خوبیوں کے سبب اللہ کے حکم سے کامیاب رہیں گے اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ امیر المومنینؓ کا اندازہ غلط نہ تھا۔ حضرت عمرو بن عاص کی شخصیت نے جو ذہانت و دلیری کی جامع تھی۔ انہیں فتح مصر کا ہیرو بنا دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص حضرت خالدؓ بن ولید کی طرح آتش جنگ میں بے دھڑک کود پڑنے کا نام بہادری نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی دلیری بڑی سوجھ بوجھ کی دلیری تھی۔ جو عجلت و بے صبری کے مقابلے میں استقلال و تحمل کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ اور صبر و تاخیر کا دامن اس وقت تک ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ جب تک حالات ہی جرات واقدام کے متقاضی نہ ہوں اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ فتح اس جرات واقدام کا لازمی نتیجہ ہو گی۔ اس کے علاوہ ان کی ذہانت جنگ میں عملاً حصہ نہ لینے والوں کو بھڑکانا پسند نہ کرتی تھی۔ اور وہ جبر و تشدد کی بجائے ان لوگوں کو لطف و مہربانی کے سلوک کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ لیکن جہاں کہیں اپنے آپ کو تشدد پر مجبور پاتے تھے۔ وہاں اس میں تکلف بھی نہیں کرتے تھے۔ تاہم حد سے زیادہ سختی ان کے اصول کے خلاف تھی۔ پھر دوسرے اسلامی سپہ سالاروں کے مقابلے میں وہ اس نکتے پر زیادہ ایمان رکھتے تھے کہ جنگ دھوکے اور فریب کا نام ہے اس لئے اس کے دوران اعلیٰ اخلاقی قدروں سے چمٹے رہنا چنداں ضروری نہیں۔ جس سپہ سالار کی خصوصیات یہ ہوں وہ اگر مصر فتح کرنے چلے تو بلاشبہ توفیق الٰہی کا زیادہ سے زیادہ مستحق ہو گا۔

جس وقت حضرت عمروؓ بن عاص کے دل میں مصر فتح کرنے کا خیال آیا تھا۔ ان کی عمر پچاس یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ قد چھوٹا سر بڑا سیاہ چمکیلی آنکھیں جن سے خوشی کے وقت خوشی اور غصے کے وقت غصہ جھانکتا رہتا تھا۔ گھنی بھویں۔ بڑا دھانہ' لمبی داڑھی اور ان کے اردگرد بشاشت و خندہ روئی کی لہریں سینہ چوڑا' ہتھیلیاں اور پاؤں بڑے بڑے اور سراپا سے ایک ایسی قوت نمایاں جس میں شدت نہ ہو۔ وہ ایک ایسے بہادر تھے جن کی شہ سواری اور شمشیر زنی کی شہرت عام تھی۔ ان کی کاٹھی

مضبوط اور اعضاء چست و چالاک تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مشقتیں اٹھانے کے عادی ہیں۔ اس کے علاوہ ذہانت فطانت' وقار و تمکنت' زیرکی و دانائی اور زبان آوری و سخن فہمی میں ان کا ایک خاص مرتبہ تھا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے پہلے پہل حبشہ کی طرف ہجرت کی تو قریش نے انہیں کو رئیس وفد بنا کر نجاش کے دربار میں بھیجا تھا کہ یہ اپنے زور استدلال سے کام لے کر مسلمانوں کو مکہ واپس بھیج دیں اور اگرچہ ان کی سفارت اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ لیکن انہوں نے مقدمہ پیش کرنے میں زور بیان اور قوت استدلال کا حق ادا کر دیا۔

جب حضرت محمدؐ نے حدیبیہ کے مقام پر قریش سے صلح کا معاہدہ کیا۔ جس کی رو سے فریقین نے دس سال کے لئے جنگ بند کر دی تھی۔ اور اس امر پر متفق ہو گئے تھے۔ کہ حضرت محمدؐ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہوں گے البتہ آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے۔ تو حضرت عمروؓ بن العاص کو یقین ہو گیا۔ کہ حضرت محمدؐ کا ستارہ اقبال ترقی پر ہے اس لئے ابھی حبشہ سے مکہ واپس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہ سال بھی گزر گیا اور انہیں عمرہ قضا کی اطلاعات پہنچیں کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبے کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے تو ان کے دل نے تسلیم کر لیا کہ محمدؐ حق پر ہیں اور وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انہیں حضرت خالدؓ بن ولید ملے جو قبول اسلام کے لئے مدینہ جا رہے تھے۔ یہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ مدینے پہنچ کر پہلے حضرت ابن ولیدؓ نے دست رسالت پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت ابن عاصؓ قریب آئے اور عرض کی "یا رسول اللہؐ میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میرے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ آئندہ کی بات میں نہیں کرتا؟ رسول اللہؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا

عمرو!

بیعت کر لو! اسلام پچھلے سارے گناہ دھو دیتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمروؓ بن عاص کی ذہانت و صلاحیت دیکھ کر حضورؐ کو ان پر اور بھی زیادہ اعتماد ہو گیا۔ جناب رسول اللہؐ کے وصال کے وقت حضرت عمرو بن العاصؓ عمان میں تھے۔

جنگ و سیاست میں حضرت عمروؓ بن عاص کی ان صلاحیتوں کے اظہار نے ان میں حد سے زیادہ خود اعتمادی اور اقتدار کی خواہش پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے کی امارت بادل نخواستہ ہی قبول کرتے تھے۔

شاید امارت کی یہ خواہش اور تڑپ محض ان کی خود اعتمادی ہی کی وجہ سے نہ تھی۔ ان کے حسب و نسب اور قریش میں ان کی بلند مرتبے کو بھی اس میں بہت کچھ دخل تھا۔ ان کا قبیلہ 'بنو سہم' قریش کا معزز قبیلہ تھا جو قریش کے دیوتاؤں کے خاص اوقات کا نگران تھا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے 43ھ مطابق 6 جنوری 664ء کو مکہ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ستر برس کی تھی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کی مصر پر حملہ کے لئے روانگی :

حضرت عمروؓ بن العاص جب مصر کی فتح کے لئے روانہ ہو پڑے تو آپ کو حضرت عمر فاروقؓ کا ایک پیغام قاصد کے ذریعے "رفح" کے مقام پر ملا اس میں حضرت عمرؓ نے ابن عاص کو لکھا تھا کہ "اگر میرا یہ خط سرحد مصر پار کرنے سے پہلے وصول ہو تو جہاں سے چلے ہو وہیں لوٹ جاؤ۔ اور اگر سرحد پار کر چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو میں تمہارے لئے کمک بھیجوں گا۔

قاصد جب حضرت عمرؓو بن عاص کے پاس پہنچا' وہ رفح کے مقام پر تھے اس نے کمک کا کوئی ذکر نہ کیا۔ جس کا ابن عاص کو انتظار تھا۔ بلکہ انہیں خلیفۃ المسلمینؓ کا خط دینا چاہا۔

حضرت عمرؓو بن عاص کو حضرت عثمانؓ اور ان لوگوں کا خیال آیا۔ جو مصر پر حملے کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے اور انہوں نے اندازہ کر لیا کہ اس خط میں واپسی کا حکم ہو گا۔ وہ چلتے رہے اور قاصد سے مدینہ کی خبریں معلوم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے جو رفح اور عریش کے درمیان تھا وہاں پہنچ کر ابن عاص نے پوچھا "یہ گاؤں کس ملک میں ہے لوگوں نے جواب دیا "مصر میں" اس وقت وہ سواری سے اترے اور قاصد نے انہیں خط دیا۔ ابن عاصؓ نے خط پڑھ کر حاضرین سے کہا۔ امیر المومنینؓ نے حکم دیا ہے کہ اگر یہ خط مجھے مصر کی سرحد پار کرنے سے پہلے ملے تو میں واپس ہو جاؤں۔ لیکن یہ مجھے اس وقت ملا ہے جب ہم مصر میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے اللہ کی برکت وامانت پر بھروسہ کرتے ہوئے بڑھے چلو!" اس طرح یہ بھی کہا کہ "ان کے یہ کلمات" پہلی فتح ہیں اس لئے ان کا خیال تھا رومی شام کی طرح مصر میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مصر دنیا کا سب سے دولت مند ملک ہے اگر مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا تو پھر کوئی قوت 'ان کی قوت کے برابر نہ ہو گی۔

18ھ 639ء میں حضرت عمروؓ بن لعاص چار ہزار مجاہدوں کے ساتھ عریش پہنچے لیکن وہاں رومیوں کی کوئی فوج نہ تھی۔ اس لئے ان کا ارادہ اور پختہ ہو گیا۔ اور پیش قدمی کی ہمت بڑھ گئی۔ امیر المومنین کا قاصد مدینہ واپس ہوا اور بتایا کہ ابن عاصؓ مصر کی سرحدوں میں داخل ہو گئے ہیں اور رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ قضاء قدر نے حضرت عمروؓ بن عاص کے نصیب میں کامیابی لکھی تھی اور مشیت الٰہی یہی تھی کہ مصر ملت اسلامیہ کا ایک قابل فخر حصہ بن جائے۔ حضرت عمروؓ بن عاص عریش پہنچے لیکن وہاں مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے وہ اس راستے پر چل پڑے جس سے گذر کر پچیس برس پہلے ایرانیوں نے مصر پر حملہ کیا تھا۔ راستے میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی اور وہ "فرما" پہنچ گئے۔ جہاں رومی فوج ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ عریش سے "فرما" تک یہ راستہ تقریباً ستر میل لمبا ہے۔ فلسطین سے مصر جانے والا یہ راستہ قدیم زمانے سے جاری ہے حضرت ابراہیمؑ' حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یوسفؑ' سکندر اعظم اور حضرت عیسیٰؑ کا خاندان سب اسی راستے سے مصر پہنچے تھے۔ مصر اور بیت المقدس کے درمیان حاجیوں اور تجارتی قافلوں کا بھی یہی رستہ تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص بھی تجارت کے سلسلے میں کئی بار اس سے گذرے تھے۔

فرما کی فتح 20 جنوری 640ء :

فرما مصر کا ایک مشہور شہر تھا۔ جو قبطیوں کے زمانے میں ہر مون کہلاتا تھا اور فراعنہ کے دور میں اس کا نام ''پلوز'' تھا یہ بحیرہ روم اور ''پلوزی'' کے دھانے کے قریب جو دریائے نیل کی سات شاخوں میں سے ایک شاخ تھی ایک پہاڑی پر آباد تھا۔ حضرت ابن عاصؓ جب فرما پہنچے تو اس مثلث کے شمال مشرقی زاویے کے سرے پر تھے۔ جب سے وہ مصر کی سرحدوں میں داخل ہوئے تھے ان کی پیش قدمی کی خبریں رومیوں کو برابر مل رہی تھیں۔ اب رومی کیا کریں؟ جس وقت حضرت عمرؓ بن عاص عریش اور فرما کا درمیانی ریگستان طے کر رہے تھے۔ رومیوں نے ان کے مقابلے پر آنے کا خیال تک نہ کیا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے۔ صحرا کی لڑائی میں عربوں کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ پھر عریش کے آس پاس کا علاقہ فلسطین کے قریب ہے وہاں بیت المقدس اور اس کے گردونواح سے مسلمانوں کو بہ آسانی کمک پہنچ سکتی ہے چنانچہ مصر کے حاکم مقوقس نے یہی بہتر سمجھا کہ حضرت عمرؓ بن عاص کو آگے بڑھنے دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جائیں۔ جہاں انہیں خود بھی کمک پہنچنے کی امید نہ رہے۔ اس مصلحت کے پیش نظر اس نے پہلا میدان فرما کے مستحکم قلعوں کو قرار دیا اور یہ تک سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کہ اس معرکے میں یا تو اسے خود شرکت کرنی چاہیے یا پھر روم کے سپہ سالار اعظم اطربون کو بھیجنا چاہیے۔

رومیوں نے عربوں سے لڑنے کے لئے مورچہ بندی کر لی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ شہر کی مدافعت کر سکیں گے اور دشمن کو الٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ بن عاص کے ساتھ قلیل التعداد فوج ہے اور محاصرے کا سامان بھی اتنا نہیں جتنا ان ایرانیوں کے پاس تھا۔ جنہوں نے اس سے پہلے فرما کو کوئی خاص تکلیف اٹھائے بغیر فتح کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ بن عاص کو بھی رومیوں کی قوت و تعداد کا پتا چل گیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی فوج میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے فرما پہنچ کر لڑائی چھیڑنے میں کسی تکلف و تامل سے کام نہ لیا۔ پڑاؤ ڈالنے سے پہلے انہوں نے فوج کے سامنے ایک تقریر کی اور اسے یاد دلایا کہ روم اور ایران میں جہاں کہیں مسلمانوں نے دشمنوں سے مقابلہ کیا ہے۔ ان کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے۔ لیکن وہ ہر لڑائی میں دشمن پر فتح یاب ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ ان کے ساتھ تھا اور اس نے ان کی مدد کی اور یہ بات کوئی جھوٹی بات نہ تھی' مسلمانوں نے ایک مہینے تک محاصرہ جاری رکھا اور آخر کار رومیوں کو نہایت شرمناک شکست دے کر شہر پر قابض ہو گئے۔

بعض مورخین اسے عجیب خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی اتنی کم فوج نے رومیوں کی اتنی بڑی فوج کو ان کے گھر میں آکر شکست فاش دے دی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسکندریہ میں قبطیوں کا ایک اسقف تھا۔ جسے بنیامین کہتے ہیں جب اسے حضرت عمرؓ بن عاص کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے سارے قبطیوں کو مشورہ دیا کہ اب حکومت رومیوں کے پاس نہ رہے گی۔ اس لئے تم عمرؓ بن عاص کے ساتھ ہو جاؤ اس لئے اس وقت فرما میں جتنے قبطی تھے ان سب نے حضرت عمرؓ بن عاص کی مدد کی لیکن بعض مورخین کا خیال ہے۔ اسقف بنیامین عربوں کے مصر پر حملہ کے وقت اسکندریہ میں موجود نہ تھا بلکہ رومیوں کے ظلم سے فرار ہو کر پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتح تائید ایزدی اور ان کے اپنے زور

بازو کی مرہون منت تھی۔

ابھی مصر کو سلطنت میں شامل ہوئے کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے۔ کہ ایک نیا عنصر پیدا ہوا جس نے دنیا کے تصورات بدل دیے۔ اور حصول شرف کو فتوحات کی وسعت کے دائرے سے نکل کر ایک ایسے بلند میدان میں پہنچا دیا جو انسانی ضمیر کے پختہ ہو جانے کے بعد انسان کے لئے سب سے بہتر اور موزوں تر مقام ہے۔ یہ عنصر مسیحیت تھی۔ یعنی مصر کے لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

فرما میں مصریوں نے حضرت عمرؓ بن عاص کی مدد نہیں کی۔ پھر انہوں نے اپنی معمولی فوج کے ساتھ اتنے مضبوط شہر کا محاصرہ کر کے رومیوں کو کس طرح شکست دی اور ان کے مستحکم قلعے کیسے فتح کئے۔ مشہور روایت کے مطابق ایک مہینے اور دوسری روایت کے پیش نظر دو مہینے تک مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس دوران میں رومی فوجیں وقتاً فوقتاً شہر سے نکلتیں اور چند جھڑپوں کے بعد واپس ہو جاتیں۔ اس اثناء میں حضرت ابن عاصؓ آس پاس کے علاقوں میں چھاپے مار دستوں کو بھیج بھیج کر فوج کی غذائی ضروریات پوری کرتے رہے۔ محاصرہ طویل ہو جانے کے بعد مدافعین شہر یہ توقع کر رہے تھے۔ کہ عربوں کو مصر سے نکالنے کے لئے مرکزی حکومت ان کی مدد کرے گی۔ لیکن نہ کمک پہنچی نہ اس کے پہنچنے کی کوئی خوشخبری انہیں ملی۔ اب رومی سالار نے عربوں پر فتح پانے کے لالچ میں یہ فیصلہ کیا کہ شہر کی چار دیواری سے نکل کر دشمن سے دست بدست جنگ کرے۔ لیکن لڑائی شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ مسلمان بپھرے ہوئے شیر ہیں جو موت سے نہیں ڈرتے۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر کی طرف سمٹ کر قلعوں میں پناہ لے لیں۔ انہیں پسپا ہوتے دیکھ کر مسلمان ان پر جھپٹ پڑے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جس سے رومی فوج میں عام افراتفری پھیل گئی۔

مسلمانوں نے تیزی سے بڑھ کر شہر کے دروازے پر قبضہ کر لیا۔ اور فصیلوں سے گزر کر قلعوں پر مسلط ہو گئے۔ اب رومیوں کے لئے تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ بن عاص نے شہر پر قابض ہو کر مضبوط قلعوں کو منہدم کرا دیا۔ ان تمام جہازوں میں آگ لگوا دی۔ جو قریب کی بندرگاہ میں لنگر انداز تھے اور سارے کلیسا اور تمام دیر مسمار کر دیے۔ جس میں رومی قلعہ بند ہو سکتے تھے اس کے بعد اس شہر کو ایک ایسا قلعہ بنا دیا۔ جس سے فلسطین اور بلاد عرب کے رستے پر امن ہو گئے۔ اب وہ یہ سوچ رہے تھے۔ کہ مصر کی اس فتح اولین کے بعد آئندہ کے لئے راہ عمل کیا ہو؟

مقوقس کے فرما کے مدافعین کی مدد نہ کرنے کے بہت اسباب تھے۔ جن میں سے پہلا سبب مصر کے رومیوں کا یہ احساس تھا۔ کہ مصری عوام ان سے زبردست عداوت رکھتے ہیں۔ اگر انہوں نے مصر یا اسکندریہ کی فوجیں فرما بھیج دیں اور مصریوں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تو ان کی طاقت جواب دے جائے گی اور فرما کی امداد انہیں بڑے شہروں کی بغاوت کے برے اثرات سے نہ بچا سکے گی۔ پھر وہ ان شکستوں کو بھی نہ بھولے تھے۔ جو شام اور فلسطین میں انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھانی پڑی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ کھلے میدانوں میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کو تیار نہ ہوئے اور یہی بہتر سمجھا کہ مصر اور منصف کے قریب بابلیون میں قلعہ بند ہو جائیں۔ جہاں نیل ان کے اور دشمن کے درمیان خندق کا کام دے اور فرما اور دوسرے چھوٹے چھوٹے قلعہ بند شہر مسلمانوں کی پیش قدمی کو اتنی دیر تک روکے رکھیں۔ کہ انہیں بڑے بڑے مرکزی

مقامات کو مضبوط و مستحکم کرنے کا موقع مل جائے۔اس کے بعد اگر عربوں نے آگے قدم بڑھایااور شہر مصر تک پہنچ گئے۔ تو اس کے قلعے ان کے لئے روک بن جائیں گے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ان کا قصہ بھی پاک کر دیں۔اس طرح سے مسلمانوں کو مصر سے نکالا جاسکے گا اور وہ دوبارہ مصر پر چڑھائی کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لاسکیں گے۔

فرما فتح ہو جانے کے بعد وہ بدو جو صحرائے مصر کی سرحدوں پر آباد تھے۔مال غنیمت کے لالچ میں حضرت عمرؓو بن عاص سے مل گئے۔اور اس طرح وہ نقصان پورا ہوگیا۔جو مسلمانوں کو اپنے پہلے محاصرے میں اٹھانا پڑا تھا اس کے بعد ابن عاصؓ ان سرحدوں کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور قدیم شہر مجدل سے گزر کر اس مقام پر پہنچے جہاں آج کل ''قطرہ آباد ہے یہاں سے انہوں نے مغرب کی طرف قصا حسین کارخ کیااور جنوب مغرب کی سمت اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے بلبلیس جا پہنچے۔ سرزمین مصر کی اس طویل مسافت میں جو اسلامی شہ سواروں نے طے کی۔اس میں ابن عاصؓ کو صرف معمولی مزاحمت پیش آئی۔ یہاں تک کہ وہ بلبلیس پہنچ گئے۔یہاں سے مصر کے شہر اور قلعوں کا فاصلہ صرف تئیس میل تھا۔

بلبیس کی فتح فروری 20ھ :

مورخین اس پر متفق ہیں کہ مسلمان بلبلیس میں ایک مہینے تک رہے اس دوران میں لڑائی ہوتی رہی اور آخر میں فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ لیکن اس امر میں ان کا اختلاف ہے کہ یہ جنگ شدید تھی۔یا اس میں بھی مسلمانوں کو اتنی ہی مزاحمت پیش آئی۔جو فرما سے کوچ کرنے کے بعد رستے میں پیش آئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب ابن عاصؓ بلبلیس پہنچے تو مقوقس نے مسلمانوں کی مصر سے واپسی کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے اپنے نمائندے ان کے پاس بھیجے۔ حضرت عمرؓو بن عاص نے پادریوں کے اس وفد کے سامنے بعثت نبوی کا حال بیان کیا اور رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دہرانے کے بعد کہ اتمام حجت کے طور پر لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرنا۔ مسلمانوں کا فرض ہے ان سے کہا ''ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔جو کوئی ہماری اس دعوت کو قبول کرلے گا۔اس میں اور ہم میں کوئی فرق نہ رہے گا۔لیکن جو انکار کرے گا۔ہم اس سے جذیہ لیں گے اور اس کے معاوضے میں اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے ہمیں بتایا جا چکا ہے کہ ہم تم پر فتح پائیں گے اور ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ اگر تم ہماری دعوت قبول کر لو تو قرابت داری کے احترام میں ہم تمہاری بطور خاص حفاظت کریں گے'' پادری سمجھ گئے کہ ابن عاصؓ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ کے رشتے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور بولے ''اتنی دور کی رشتہ داری کو صرف پیغمبر ہی زندہ کر سکتے ہیں۔ پھر کہا ہم واپس آکر ایمان لائیں گے'' حضرت عمرؓو بن عاص نے فرمایا'' مجھ جیسے شخص کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ تم خود بھی سوچ لو اور اپنی قوم سے بھی مشورہ کر لو۔اس کے بعد میں تم سے جنگ کروں گا انہوں نے مزید مہلت چاہی۔ تو پہلے ایک دن بڑھایا کہ چار دن اور آخر کار پانچ دن کر دیے گئے۔پادریوں نے ساری گفتگو مقوقس کو سنائی۔ سپہ سالار اطربون نے لوگوں کو سراسیمہ پا کر ان سے کہا''ہم تمہارے بچاؤ کے لئے انتہائی کوشش کریں گے اور ان کے پاس نہیں جائیں گے ابھی چار دن باقی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اس دوران میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔امن وامان رہے گا۔

اس گفتگو کے بعد اطربون بارہ ہزار کیل کانٹے سے لیس فوج لے کر روانہ ہوا اور بلبلیس پہنچ کر اچانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن ابن عاصؓ بھی حد درجہ محتاط تھے۔ ان کی تمام فوج گنے چنے شہسواروں پر مشتمل تھی۔ اس لئے قیامت کا رن پڑا اور جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اس میں کام آئی۔ رومیوں کے ایک ہزار سپاہی قتل اور تین ہزار سپاہی گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد اطربون میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اطربون اس معرکے میں قتل کر دیا گیا تھا۔

بٹلر نے عربی فتوحات کی تاریخوں کے متعلق جو چھان بین کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاص عیدالاضحیٰ 18ھ مطابق 12 دسمبر 639ء کو عریش میں تھے۔ انہوں نے فرما ایک مہینے کے محاصرے کے بعد قریباً 20 جنوری 640ء کو فتح کیا اور اسی سال اپریل کی آخری تاریخوں میں بلبوبولیس پہنچے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بلبلیس وہ فروری میں پہنچے تھے اور مارچ کا بیشتر مہینہ انہوں نے وہیں گزارا لیکن ان تاریخوں میں ہمارے سوال کا جواب نہیں ملتا۔ آپ ازراہ استنباط کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمروؓ بن عاص کے بلبلیس پہنچتے ہی مصری نمائندے ان کے پاس آ گئے تھے اور اطربون سے مسلمانوں کی جنگ ان کے ابتدائی زمانہ قیام میں ہو گئی تھی۔ فتح پانے کے بعد مسلمانوں نے فوراً وہاں سے کوچ نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہیں ٹھہر کے آس پاس کے علاقوں کی حمایت حاصل کرتے رہے تھے اور ایک مہینے کی مسلسل جدوجہد کے بعد انہیں مصریوں کا تعاون حاصل ہوا تھا۔ لیکن اسی طرح آپ یہ بھی استنباط کر سکتے ہیں کہ ابن عاصؓ مصری نمائندوں کی آمد سے پہلے بلبلیس میں ایک ماہ تک مقیم رہ کر خلیفۃ المسلمینؓ کی موجودہ کمک کا انتظار کرتے رہے اور جب اطربون فوج لے کر آیا۔ تو اسے شکست دے دی۔ پھر اس فتح نے مسلمانوں کے دل میں جو ہمت و جوش اور رومیوں کے دل میں غالب نہ آسکنے کا جو رعب و یقین پیدا کیا تھا اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہوں نے اس امید میں شہر کا رخ کیا۔ کہ اللہ وہاں بھی مسلمانوں کو اپنی نصرت سے نوازے گا۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امدادی فوج بلبلیس کی فتح اور وہاں سے اسلامی لشکر کی روانگی کے بعد پہنچی تھی بلبلیس پہنچ کر وہ تقریباً ایک مہینے تک رومیوں سے لڑتے رہے اور آخر کار اللہ نے انہیں فتح عنایت فرمائی۔ یہاں سے معمولی مزاحمتوں کا سامنا کرتے ہوئے وہ ام دنین پہنچے اور شدید جنگ کے بعد ظفر مند ہوئے ام دنین سے انہوں نے حضرت عمرؓ کو کمک کے لئے لکھا اور حضرت عمرؓ نے چار ہزار مجاہدین اسلام کی ایک فوج روانہ کر دی۔ جس سے ابن عاصؓ کے لشکر کی تعداد آٹھ ہزار ہو گئی۔ اس بیان سے صراحت ہو جاتی ہے کہ ابن عاصؓ نے کمک پہنچنے سے پہلے اطربون پر فتح پائی تھی اور اس کے بعد ہی بلبلیس سے روانہ ہو گئے تھے۔ اطربون اور اس کی بارہ ہزار فوج کو انہوں نے چار ہزار کے اس لشکر سے شکست دی تھی۔ جو عربوں اور مصر کے بدویوں پر مشتمل تھا۔

ابن عاصؓ بلبلیس سے صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے۔ ام دنین کی بستی کی طرف جا پہنچے۔ جو دریائے نیل پر خلیج تراجان کے منبع کے پاس واقع تھی۔ یہ خلیج سویز کے قریب شہر مصر کو بحیرہ روم سے ملاتی تھی۔ جہاں آج کل قاہرہ ہے وہیں اس زمانے میں ام دنین کی بستی تھی جسے رومیوں نے قلعہ بند کر رکھا تھا۔ اس کے قریب دریائے نیل کا گھاٹ تھا اور اس گھاٹ پر بہت سی کشتیاں کھڑی رہتی تھیں یہ بستی بابلیون کے شمال میں تھی جو شہر مصر کا سب سے بڑا قلعہ تھا اس لحاظ سے

ام دنین کو مصریوں کے اس علاقے کی۔ جو فراعنہ متقدمین کا دارالحکومت بھی رہ چکا تھا۔ سب سے پہلی دفاعی چوکی کہا جاسکتا ہے۔ بابلیون کا قلعہ رومیوں کا ناقابل تسخیر قلعہ تھا اور اس جگہ واقع تھا۔ جہاں آج کل قدیم مصر آباد ہے۔ اس کی بنیادیں ٹھوس اور دیواریں بے حد مضبوط تھیں۔ مسمار ہو جانے کے باوجود آج بھی اس شہر کے کھنڈر ہماری نگاہوں کے لئے سامان عبرت بنے ہوئے ہیں اس قلعے کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر منف کا تاریخی شہر آباد تھا۔ جو اس زمانے میں مصر کا دارالسلطنت تھا۔

رومیوں نے قلعہ بابلیون میں اپنی بہترین فوج پہنچادی تھی اور ام دنین کے قلعے کو خوب اچھی طرح مضبوط کر کے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ انہیں اس میں کوئی شک نہ رہا تھا کہ یہ جنگ زندگی اور موت کی جنگ ہے۔ جس کے نتیجے میں یا تو وہ عربوں کو پسپا کر دیں گے یا خود الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے اسی قسم کے الفاظ دہرائیں گے جو شام کو آخری بار الوداع کہتے وقت ہرقل کی زبان سے بے اختیار نکل گئے تھے اور کہیں گے تجھ پر سلامی ہو! اے مصر! اب ہم آپس میں کبھی نہیں ملیں گے۔

حضرت عمرؓو بن عاص نے موقع کی نزاکت اور خطرے کو محسوس کیا کہ قلعہ بابلیون کو فتح کرنے کی ابھی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے ام دنین کے قلعے کا محاصرہ کر کے اس کی فتح کے لئے پوری قوت صرف کر دینی چاہئے اگر وہ اس پر قابض ہو گئے تو اس کی بندرگاہ کے سارے جہاز ان کے اشارے پر ہوں گے اور وہ اطمینان سے آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کر سکیں گے۔

احتیاط کا تقاضہ یہ تھا کہ حضرت عمرؓو بن عاص اپنے لشکر کو ہلاکت میں نہ ڈالیں اور امیر المومنین سے فوجی امداد حاصل کریں۔ تاکہ اس کی آمد سے ان کی فوج کے حوصلے بڑھ جائیں گے چنانچہ انہوں نے قاصد کے ہاتھ ایک خط مدینہ بھیجا اور اس میں اپنے سفر مصر کے حالات قلعوں کی تفصیلات اور ان پر حملہ کرنے کے لئے کمک کی ضرورت کا اظہار کیا۔ ادھر فوج میں یہ اعلان کرادیا۔ کہ امدادی فوجیں بہت جلد پہنچنے والی ہیں اس کے بعد ام دنین کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر کے قلعے میں غذائی اور فوجی ضروریات کے سامان کی رسد روک دی۔ قلعہ بابلیوں میں جو رومی تھے۔ انہوں نے ادھر آنے کی کوشش نہ کی۔

ام دنین قلعے کا محاصرہ 20ھ :

اسی اثناء میں خبر ملی کہ بارگاہ خلافت سے پہلی امدادی فوج روانہ کر دی گئی ہے اور وہ فوج آج کل میں پہنچا ہی چاہتی ہے اس خبر سے مسلمانوں کی ہمت و طاقت میں اضافہ ہو گیا جب یہ امدادی فوج پہنچی اور ہرقل کی ان فوجوں نے جو قلع کی حفاظت کر رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور انہوں نے قلعے سے نکل کر مقابلہ کرنا کم کر دیا۔ حضرت عمرؓو بن عاص نے جو قلعے کے اندرون و بیرون سے واقف تھے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو ایک وقت مقرر کر کے مجاہدین کو حکم دیا کہ یک جان ہو کر قلعے پر دھاوا بول دیں اور بہ زور شمشیر اسے فتح کر لیں۔ خود ابن عاصؓ مقدمتہ الجیش کے ساتھ قلعے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ اللہ نے انہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا اور دشمن کی بڑی فوج کو تلوار کے گھاٹ اتارنے اور جو زندہ بچے انہیں گرفتار کرنے کے بعد وہ قلعے پر قابض ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ ام دنین پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے میں کمک کی آمد کو بہت بڑا دخل تھا۔ جب کہ اس فتح میں

دیر ہوتی جارہی تھی۔ یہاں سے حضرت عمروؓ بن عاص نے کشتیوں پر دریائے نیل عبور کیا اور اہرام جزیدہ سے گزر کر صحرا میں داخل ہو گئے۔

وہ تو اصل میں فیوم جانا چاہتے تھے تاکہ وہاں کے باشندوں میں خوف و ہراس پیدا کریں اور مصریوں کو یقین دلا دیں۔ کہ رومی حکومت بالآخر ختم ہونے والی ہے فیوم اور بابلیون کے درمیان جو صحرائی رستہ تھا اس میں کوئی دشواری بھی نہ تھی۔ جزیرہ نمائے عرب کے صحرازادے اس پر باآسانی سفر کر سکتے تھے۔ پھر وہ قریب کا رستہ تھا جسے گھڑ سوار چند گھنٹوں میں طے کر لیتا تھا۔ اگر عمروؓ بن عاص اس صوبے میں خوف و ہراس پھیلانے میں کامیاب ہو گئے تو ان کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اور انہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ وہ امیر المومنین کی اس نئی کمک کا انتظار کر سکیں۔ جس کی مدد سے وہ فتوحات کا پروگرام مکمل کر کے مصر میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔

لیکن فیوم کی سرحد پر پہنچتے ہی حضرت عمروؓ بن عاص کو معلوم ہوا کہ رومی اس صوبے کی مدافعت کے لئے کمر بستہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے ان کے رستوں پر فوج متعین کر دی ہے یہ خبر سنتے ہی ابن عاصؓ نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا۔ یہاں تک کہ حنا اور اس کے رستے سے دور ہو گئے۔ اس کے بعد پلٹے اور اسے گھیر کر اس کے ایک ایک آدمی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کارنامے نے یہاں کے باشندوں پر رعب طاری کر دیا۔ فیوم کے رومی سپہ سالار کو جب حنا کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو بہت غمگین ہوا اور اس کی لاش ڈھونڈنے کا حکم دیا۔ جب دریا سے اس کی لاش ملی تو اسے حنوط کر کے بابلیون پہنچایا گیا جہاں سے وہ ہرقل کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی گئی۔ اسے دیکھ کر ہرقل کو بے حد صدمہ ہوا اور اس نے قسم کھائی۔ کہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مصر کی مدافعت کرے گا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابن عاصؓ ان سے ڈر کے صحرا کی طرف نہیں ہٹے تھے۔ بلکہ پوری تیزی کے ساتھ ام دنین واپس جارہے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک قاصد ان کے پاس آیا تھا اور اس نے یہ اطلاع دی تھی کہ امیر المومنین نے تازہ کمک روانہ کر دی ہے۔ جو فرماسے بلبلیس اسی رستے سے آرہی ہے۔ جس رستے سے ابن عاصؓ آئے تھے اور رومیوں کے قلعے کے پاس پہنچا ہی چاہتی ہے اب حضرت عمرو بن عاصؓ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ کمک کی طرف واپس ہوں ورنہ اندیشہ تھا کہ رومی انہیں دریا پار نہ کرنے دیں گے اور وہ ابن عاصؓ تک نہ پہنچ سکے گی۔ سچ یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاص نے اس سلسلے میں انتہائی ذہانت و بصیرت کا ثبوت دیا تھا۔ رومی نیل کے کنارے قلعہ بابلیون میں موجود تھے اور ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ قلعے سے نکل کر دریا عبور کرتے اور اس کمک کو مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیتے۔ لیکن رومیوں نے ایسا نہ کیا اور ابن عاصؓ کو موقع مل گیا کہ وہ فوج کو لے کر نیل کے مشرقی کنارے پر اتر جائیں اور اس کمک سے جا ملیں جو رومی قلعے کے قریب ہلیوپولیس میں خیمہ زن ہوئی تھی۔

اس سپہ سالار سے یہ جنگی معجزہ کیسے ظہور پذیر ہوا کیا اس نے رات کی تاریکی کے پردے میں دریا عبور کیا؟ بہر حال حضرت عمروؓ بن عاص نے دریا عبور کر لیا چاہے طاقت کے بل پر چاہے رومیوں کو دھوکا دے کر۔ بٹلر نے لکھا ہے "گمان غالب یہ ہے کہ ابن عاصؓ نے ام دنین کے شمال میں نچلی طرف سے دریا عبور کیا۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی کمک دو حصوں

میں تقسیم ہو کر عین شمس یعنی ہلیو پولیس کی طرف جا رہی ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مغربی سمت خطرے سے خالی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عاصؓ ڈرتے تھے یہ رومی ان کے ارادے کو بھانپ کر کہیں ان کے اور اس امدادی فوج کے درمیان حائل نہ ہو جائیں جو زبیرؓ لے کر آئے تھے۔ لیکن رومی سپہ سالار تھیوڈور نے حسب عادت اس موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا اور مسلمانوں پر فیصلہ کن ضرب نہ لگائی۔ چنانچہ ابن عاصؓ کے لئے امدادی فوجوں کی طرف بڑھنا ممکن ہو گیا اور وہ ہلیو پولیس میں اپنے ان ساتھیوں سے جا ملے جو ان کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اس طرح ان کی فوج کے حوصلے بڑھ گئے اور اپنی اس شاندار کامیابی پر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا"۔

یہ امدادی فوج آٹھ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ جس کی کمان حضرت زبیرؓ بن عوام کے ہاتھ میں تھی۔ اور عبادہؓ بن صامت، مقدادؓ بن اسود اور مسلمہؓ بن مخلد ان کے ساتھ تھے۔ ابن عاصؓ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ دلوں میں یقین پیدا کر لیا۔ کہ رومی اس قوم کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ جس نے کسریٰ کی طاقت کے پرخچے اڑا دیئے اور قیصر کی قوتوں کو کچل کے رکھ دیا۔ کیا انہوں نے فرما بلبلیس ام دنین اور فیوم میں رومی لشکروں کا مقابلہ نہیں کیا۔

لیکن رومی ان پر ایک بار بھی غالب نہ آسکے۔ اور وہ ہر بار رومیوں پر غالب آئے۔ اس دوران میں حضرت عمرؓ کے پاس ان کے خطوط مسلسل پہنچتے رہے جس میں جلد سے جلد کمک کی درخواست ہوتی تھی۔ پہلی کمک جو بارگاہ خلافت سے روانہ کی گئی۔ بہت کم تھی۔ لیکن اس سے ابن عاص کے ارادے میں کوئی ضعف پیدا نہ ہوا۔ نہ انہوں نے مایوسی کو اپنے دل میں راہ پانے دی۔ بلکہ وہ اس بلند معنوی قوت کو قائم و برقرار رکھنے کی کوششوں میں لگے رہے جو مجاہدین اسلام کی رگوں میں شجاعت و جواں مردی کا خون بن کر دوڑ رہی تھی۔ پھر انہیں یہ بھی یقین تھا کہ امیر المومنینؓ مزید کمک ارسال فرمائیں گے جس سے وہ اپنے تمام حوصلوں کو جامہ عمل پہنا سکیں گے۔

لیکن جب انہیں یہ اطلاعات ملیں کہ ابن عاصؓ فرما فتح کر کے بلبلیس کی طرف روانہ ہو گئے ہیں اور عنقریب فراعنہ کے پایہ تخت میں رومیوں سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں تو انہوں نے عوام کو مدد کے لئے پکارا اور اس کے بعد جب ام دنین میں ابن عاصؓ کے ظفر مند ہونے کی خبر پہنچی تو حضرت زبیرؓ بن عوام کی سرکردگی میں مزید کمک روانہ کی؟ بات چاہے کچھ ہو اس وقت حضرت زبیرؓ رسول اللہؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور صحابی تھے ان کا شمار عرب کے گنے چنے بہادروں میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب ان کے ارادے سے آگاہی ہوئی تو انہیں بلا کر فرمایا "ابو عبداللہ! کیا مصر کی امارت چاہتے ہو" حضرت زبیرؓ نے جواب دیا نہیں! مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو جہاد اور مسلمانوں کی اعانت کے لئے جا رہا ہوں۔ اگر میں دیکھوں گا کہ عمروؓ نے مصر فتح کر لیا ہے تو ان کے کام میں دخل نہیں دوں گا اور بعض ساحلی علاقے فتح کر کے ان سے جا ملوں گا۔ لیکن اگر وہ جہاد میں مصروف ہوئے تو ان کا ساتھ دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور انہیں رخصت کیا۔ حضرت زبیرؓ فوج لے کر روانہ ہوئے اور مصر میں داخل ہو کر عین شمس کا رخ کیا۔

حضرت زبیرؓ بن عوام کی آمد :

ایک روایت ہے

نوٹ :۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کو ابن عاصؓ خطرے میں نظر آئے۔ آپ نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ ان کی مدد کو بھیجا اور ابن عاصؓ نے حضرت زبیرؓ کی اعانت سے فتح پائی" دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عاصؓ کی مدد کے لئے چار ہزار کی کمک بھیجی اور لکھا" میں تمہاری مدد کو چار ہزار مجاہدین بھیج رہا ہوں۔ ایک ایک ہزار مجاہدین پر ایک ایک امیر ہے اور ہر امیر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے امیر یہ ہیں۔ زبیرؓ بن عوام' مقداد بن اسود' عبادہ بن صامت اور خارجہ بن حذافہ۔ تم یہ سمجھو کہ تمہارے ساتھ بارہ ہزار سر فروش ہیں اور بارہ ہزار سر فروش قلت تعداد کی بنا پر مغلوب نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت زبیرؓ کو انتخاب کرنا اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی توفیق تھی۔ یہ مرد شجاع اپنی قوت اور عزم واستقلال کے لئے ابتدا ہی سے مشہور تھا۔ اور لوگ اس کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کی عمر سولہ برس تھی۔ کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل تھے اور جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو رسول اللہؐ کے غزوات میں برابر شریک رہے۔ جنگ احد میں انہون نے رسول اللہؐ سے موت پر بیعت کی تھی اور غزوہ خندق میں جب آنحضرتؐ نے صلائے عام فرمائی کہ احزاب اور بنو قریظہ کی خبر کون لائے گا تو حضرت زبیرؓ نے اپنے تئیں پیش کیا۔ پھر دوسری اور تیسری صلائے نبوت پر لبیک کہنے والے بھی یہی تھے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے۔ میرے حواری زبیرؓ بن عوام ہیں فتح مکہ کے دن مہاجرینؓ کے تین علموں میں سے ایک علم حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ ان خصوصیات کی بنا پر وہ رسول اللہؐ کے مقرب اور محبوب تھے۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے دریا عبور کر کے عین شمس کا رخ کیا اور حضرت زبیرؓ اور ان کی امدادی فوج سے جا ملے زمانے کی گردشوں نے عین شمس کی عظمت کو پامال کر دیا تھا اور ان کے آثار مٹ چکے تھے جو عظیم فرعونی عہد کا مدینۃ الشمس تھا۔

عین شمس کا معرکہ ام دنین :

حضرت عمرو بنؓ عاص نے عین شمس کے کھنڈرات منتخب کیے اور حضرت زبیرؓ بن عوام کی سرکردگی میں آئی ہوئی امدادی فوج کے ساتھ وہاں پڑاؤ ڈال دیا یہ جگہ زمین سے کچھ اونچی اور دفاعی سہولتوں کے لئے موزوں تھی۔ یہاں پانی بھی بکثرت تھا اور غذائی سامان کی بھی قلت نہ تھی۔ ان قیام گاہ کی طرف سے مطمئن ہو کر ابن عاصؓ نے دیکھا کہ ساڑے پندرہ ہزار مجاہدین ان کے گرد و پیش ہیں اور سمجھ لیا۔ کہ ان کے اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن گھڑی قریب آ پہنچی ہے چنانچہ انہوں نے جنگی معاملات میں بصیرت رکھنے والوں کو جمع کیا اور ان کے مشورے سے جنگ کا پروگرام بنایا۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ رومی قلعہ بابلیون سے نکل کر میدان میں شمشیر آزما ہوں۔ اسی اثناء میں ان کے جاسوسوں نے یہ خوشخبری سنائی۔ کہ

اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کی یہ خواہش پوری کرنے والا ہے۔ رومی سپہ سالار تھیوڈر نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور ان سب نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس طرح قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہنے سے مصری ہمیں کمزور و بزدل سمجھ رہے ہیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے جا ملنے اور ان کی اعانت کرنے کی خواہش چٹکیاں لینے لگی ہے اس کے علاوہ رومی تعداد و سامان دونوں کے لحاظ سے مسلمانوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے میدان میں نکل کر عربوں سے لڑنے کا فیصلہ کیا کہ عین شمس کی طرف بڑھ کر مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں۔ ابن عاصؓ کو جب ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو ان سے مقابلہ کرنے اور ان پر فتح پانے کی یہ تدبیر سوچی کہ پانچ سو جانبازوں کا ایک دستہ رات کی تاریکی میں پہاڑ کے عقبی حصے کی طرف روانہ کیا۔ کہ پہاڑی قلعے کے قریب ہو وائل کے غاروں میں جا چھپے اور پانچ سو مجاہدین کا دوسرا دستہ خارجہ بن حذافہ کی سرداری میں، صبح سے کچھ پہلے ام دنین کی طرف بھیجا اور ان دونوں دستوں کو خاص خاص احکام دے دیئے۔ صبح کی کرن پھوٹی تو ابن عاصؓ اپنی پوری فوج کو لے کر عین شمس سے چلے اور اس جگہ پہنچے اس زمانے میں عباسیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں وہ ٹھہر گئے۔ اور قلعہ بابلیون سے آنے والے رومی لشکر کا انتظار کرنے لگے۔ رومی علے الصبح اپنے قلعے سے نکلے اور شمال مشرقی جانب ان باغوں اور مکانوں سے گزرتے ہوئے جنہوں نے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ عین شمس کی طرف بڑھنے لگے اتنے میں خبر ملی کہ ابن عاصؓ رومیوں سے لڑنے کے لئے اپنی فوج لے کر وہاں سے چل پڑے ہیں۔ اس خبر سے رومیوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور انہیں اپنی فتح کا یقین ہو گیا۔ سب نے مل کر مرتے دم تک لڑنے کی قسم کھائی۔ ان کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ اگر آج وہ فتح حاصل نہ کر سکے تو اس زرخیز و دولت مند ملک میں ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ دونوں فریق ٹکرا گئے اور اس گھمسان کا رن پڑا۔ کہ فریقین کو غبار نے ڈھانپ لیا ان میں سے کوئی اس وقت تک پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ جب تک جنگ ہی کسی کے حق میں فیصلہ نہ کر دے۔ لڑائی زوروں پر تھی۔ کہ ہو وائل کے غارون میں چھپا ہوا دستہ نمودار ہوا آندھی کی طرح رومیوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ رومی اس چال سے بے خبر تھے ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا اور وہ ام دنین کی طرف پسپا ہونے لگے۔ اس اثنا میں دوسرا دستہ اپنی کمین گاہ سے نکلا اور رومیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا رومی سمجھے کہ عربوں کے تین لشکر تین مختلف سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اور اب مفاہمت کی کوئی صورت نہیں ہے ان کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا اور اکثر و بیشتر رومی سپاہی عربوں کی تلوار سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مفرورین کا ایک گروہ قلعے تک پہنچ گیا۔ اور اس میں جا چھپا۔ دوسرا گروہ مارے خوف کے دریا کی طرف دوڑا اور کشتیوں میں بیٹھ کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جو لوگ معرکے میں کام آئے ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ عربوں نے جو دشمن کو اس قدر خوف زدہ پایا۔ تو ام دنین کی طرف جھپٹے اور دوبارہ اس پر قابض ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے اس معرکے میں جسے مورخین معرکہ عین شمس کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ شاندار اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔

وہ مصر کو اپنے قبضے میں کیوں نہ محسوس کرتے جبکہ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قلعہ بابلیوں میں پناہ لینے والی فوجوں کو جونہی اس معرکے میں کام آنے والے رومی سپاہیوں کی تعداد کا پتا چلا وہ اپنی جائے پناہ سے بھاگ کھڑی ہوئیں اور کشتیوں میں بیٹھ کر نیل کی مغربی شاخ نہر رشید کے راستے منوف کی شمالی جانب قلعہ نقیوس میں پہنچ گئیں۔ لیکن اس کے باوجود قلعے میں اتنی

مسلح فوج موجود ہے جو اس کی مدافعت کر سکے۔ مسلمانوں کی کامیابی نے لوگوں پر اتنا رعب طاری کر دیا تھا کہ وہ غازیان اسلام کی فتح کو یقینی سمجھنے لگے تھے۔ اس معرکے کے بعد ابن عاصؓ نے جو طریق عمل اختیار کیا۔ اس نے ان لوگوں کے اس یقین کو اور بھی پختہ کر دیا۔ ابن عاصؓ شہر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ کئے بغیر اس پر قابض ہو گئے۔ قلعے کی فوج اپنے معمول کے خلاف شہر مصر کی کوئی اعانت نہ کر سکی۔ اس کے بعد ابن عاصؓ نے عین شمس سے اپنی فوج بلا کر قلعے کے شمال مشرق میں ان باغوں اور کلیساؤں کے درمیان منتقل کر دیا۔ جہاں بعد کو فسطاط کا شہر آباد ہوا۔

اس فتح نے ابن عاصؓ کو اتنا متکبر نہ کر دیا کہ وہ قلعہ بابلیون فتح کرنے سے پہلے اسکندریہ کی طرف بڑھ جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو انہیں اپنی قوت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا۔ ایک حصے کو وہ قلعے کے محاصرے کے لئے چھوڑتے اور دوسرے حصے کو ساتھ لے کر شمالی جانب روانہ ہوتے اور نہر نیل کے رستے لڑتے بھڑتے اسکندریہ پہنچتے اور فوج کی اس طرح تقسیم کر دینے میں جو خطرہ تھا ان سے پوشیدہ نہ تھا۔ قلعے میں جو رومی فوج پناہ لئے بیٹھی تھی۔ اس میں اتنا اضافہ ہو گیا تھا کہ وہ قلعے کی حفاظت کر سکتی تھی اور اس وقت تو وہ اور بھی جان توڑ کر لڑتی جب عرب قلعے کے دروازے کھول کر زبردستی اس میں داخل ہوتے۔ ہر چند ان کی معنوی روح کمزور پڑ چکی تھی۔ پھر بھی یہ آس لگائے بیٹھے تھے۔ کہ محاصرہ طویل ہونے کی صورت میں ہرقل یا اسکندریہ کے رومی سپہ سالار ان کی مدد کو پہنچ کر انہیں اس مصیبت سے نجات دلائیں گے۔ ان فوجوں کو محاصرے کی طوالت میں کوئی شک نہ تھا۔ گرمیوں کا موسم آ رہا تھا۔ اور نیل کی سطح بلند ہوتی جا رہی تھی۔ مسلمان چونکہ دریا عبور کر کے قلعے پر حملہ آور نہیں ہو سکتے اس لئے انہیں پانی کی سطح کم ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ایسے میں قلعے کے محافظوں کو صبر و سکون سے کام لینا چاہئے۔ اس لئے کہ اکثر ناگہانی واقعات لڑائی کا رخ بدل دیتے ہیں اور ہر لڑائی میں فتح اس فوج کو نصیب ہوتی ہے۔ جس میں صبر و برداشت کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

ابن عاصؓ نے محاصرے کی ٹھان لی اور قلعے میں پناہ لینے والے مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔ اس زمانے میں یہ رومیوں کا سب سے مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔

چنانچہ اس کے استحکام اور کشتیوں کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے اس پر حملہ کرنا بہت دشوار تھا ابن عاصؓ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ وہ جانتے تھے کہ دریا کی طغیانی اور قلعے کی مضبوطی کی وجہ سے محاصرہ طول کھینچے گا۔ محاصرے کے آغاز ہی سے مقوقس قلعے میں موجود تھا اور قلعے کی فوجوں کا سپہ سالار ایک رومی تھا اور قلعے کی ساری فوج رومی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ قبطی صرف گنتی کے تھے اور وہ بھی شاید رومیوں کی خدمت پر معمور تھے۔ رومی قلعے سے عربوں پر منجنیقوں کے ذریعے پتھراؤ کرتے تھے اور اس کے جواب میں عرب ان پر پتھر اور تیر پھینکتے تھے۔ اس طرح محاصرے پر ایک مہینہ گزر گیا لیکن عربوں کے حوصلے میں کوئی فرق نہ آیا نہ انہوں نے صبر و استحکام کا دامن ہاتھ سے چھوڑا۔ مقوقس اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دریائے نیل کا پانی اترنا شروع ہو گیا ہے۔ یہ ماہ اکتوبر 640 کے آغاز کی بات ہے اور ایک خفیہ اجلاس بلایا جس میں مشورے کے بعد مقوقس نے اپنی رائے بھی تفصیل کے ساتھ پیش کی۔ اس کا خیال تھا کہ محاصرہ اٹھوانے کے لئے ابھی چند مہینے اور مدد نہیں ملے گی اور اس مدت میں عرب ان کا ناطقہ بند کر دیں گے۔ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں گے اور آخر وہ ایسا کیوں نہ

کریں گے جب کہ اس سے پہلے فرمابلبیس ام دنین فیوم اور عین شمس میں رومی فوجوں کو شکست دے چکے ہیں اور اب ان کا محاصرہ کئے بیٹھے ہیں اس نے کہا" یہ بہتر نہ ہوگا کہ عربوں کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا جائے تاکہ مصر دوبارہ رومیوں کے قبضے میں آجائے مقوقس نے اپنے دلائل ایسے دلکش اسلوب میں پیش کئے کہ حاضرین اس سے متفق ہو گئے۔ لیکن مناسب یہی قرار پایا کہ عربوں سے بات چیت ایسے خفیہ طریق پر کی جائے کہ قلعے کی فوج میں سے کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہو۔ اور مقوقس اس بات چیت میں بہ ذات خود حصہ لے۔ مقوقس اور اس کے ساتھی رات کے سیاہ پردے میں چھپ کر قلعے سے نکلے اور کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ روضہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بابلیون کے پادری کے ساتھ کچھ آدمی کئے اور اسے یہ مراسلہ دے کر حضرت عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔

مقوقس کو انتظار تھا کہ اسکے ایلچی ابن عاصؓ کا جواب لے کر اسی دن لوٹ آئیں گے۔ کہ اسی جواب پر گفتگو کے ردو قبول کا انحصار تھا۔ اگر انکار ہوا تو فریقین حسب معمول جنگ جاری رکھیں گے اور آمادگی ظاہر کی گئی تو بہ شرط امکان صلح کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن مقوقس کے قاصد پورے دو دن تک واپس نہ آئے۔ اب اسے تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا" معلوم ہوتا ہے انہوں نے قاصدوں کو گرفتار کر لیا ہے یا جان سے مار دیا ہے بہت ممکن ہے ان کا مذہب انہیں اس کی اجازت دیتا ہو" لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ نے انہیں مسلمانوں کی ہمت اور حوصلہ مندی دکھانے کے لئے روکا تھا۔ دو دن کے بعد جب یہ لوگ واپس ہوئے تو رئیس وفد کے پاس مقوقس کے نام ابن عاصؓ کا یہ مکتوب تھا۔

"ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تین صورتیں ہیں یا تم اسلام قبول کر لو اور اس صورت میں تم ہمارے بھائی ہو گے۔ ہمارے تمہارے حقوق یکساں ہوں گے یا زیردست بن کر جذیہ ادا کرو ورنہ ہم صبر و استقلال کے ساتھ تم سے لڑیں گے۔ یہاں تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور خدا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے مقوقس یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا یہ اس شخص کا جواب نہ تھا۔ جو بات چیت کرنا چاہتا ہو۔ بلکہ اس فاتح کا جواب تھا۔ جو احکام نافذ کر رہا ہو۔ کیا اس قوم کا اعتماد نفس یا غرور اس حد کو پہنچ چکا ہے۔ کہ اسے دولت یا کسی اور چیز کا لالچ نہیں دیا جا سکتا؟ اس نے وفد سے ان کا حال پوچھا۔ رئیس وفد نے جواب میں کہا" ہم نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جس کا ہر فرد زندگی سے زیادہ موت اور غرور سے زیادہ خاکساری پر جان دیتا ہے ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو دنیا سے کوئی دلچسپی یا غرض رکھتا ہو۔ وہ زمین پر بیٹھتے ہیں۔ گھٹنوں پر رکھ کر کھاتے ہیں ان کا امیر گویا انہیں میں سے ایک ہے ان میں شریف اور کمینے آقا اور غلام کی کوئی تمیز نہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو کوئی پیچھے نہیں رہتا۔ سب وضو کرتے ہیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے لگتے ہیں۔

مسلمانوں کے یہ اوصاف سن کر مقوقس سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے بعد سر اٹھا کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا" قسم ہے اس ذات کی! جس کی قسم کھائی جاتی ہے یہ لوگ چاہیں تو پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ اگر ہم آج ان سے صلح نہ کر سکے جب کہ نیل نے انہیں گھیر رکھا ہے۔ تو کل اس خطرے سے نکل جانے کے بعد انہیں صلح پر کیسے آمادہ کر سکیں گے؟

اس وقت تو انہوں نے اپنے قاصدوں کے ہاتھ مسلمانوں کو یہ پیغام بھجوایا کہ اپنے نمائندے ہمارے پاس بھجو ہم ان

سے گفتگو کریں گے۔ بہت ممکن ہے کوئی ایسا پہلو نکل آئے جس میں ہم تم دونوں کی بھلائی ہو!

حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ درخواست مسترد نہیں کی اور دس افراد پر مشتمل ایک وفد بھیج دیا جس کے سردار عبادہؓ بن صامت تھے۔ عبادہؓ دلیر انسان تھے جن کے نزدیک موت ہنسی کھیل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ انہوں نے رومی جمعیت کے ذکر کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے مقوقس کے سامنے اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا۔

"بہت سی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

اور اسے بتایا کہ ہر مسلمان صبح و شام اپنے پروردگار سے شہادت کی دعا مانگتا ہے۔ اس لئے انہیں معاش کی تنگی یا دوسری ضروریات کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتیں۔ اس کے بعد کہا تم خوب اچھی طرح سوچ لو اور ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کر دو۔ صرف تین شرطیں ہیں۔ جن پر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے ان میں سے جو شرط چاہو قبول کر لو اور اپنے تئیں فضول باتوں میں نہ الجھاؤ۔ یہ حکم مجھے میرے امیر نے اور میرے امیر کو امیر المومنین نے دیا ہے اور یہی اس سے پہلے رسول اللہ کا طرز عمل تھا۔ ختم کلام کرتے ہوئے انہوں نے کہا "اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے تو عرب واپس چلے جائیں گے۔ لیکن اگر اسلام اور جذیہ دونوں سے انکار کیا تو پھر فریقین میں فیصلہ تلوار کرے گی"

مسلمانوں کی ان تین شرطوں کے سوا مقوقس نے عبادہؓ کے سامنے جو تجویز بھی رکھی۔ مسترد کر دی گئی۔ مجبور ہو کر مقوقس نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کیا اور ان کی رائے معلوم کرنی چاہی۔ انہوں نے مسلمانوں کی شرطیں ماننے سے انکار کر دیا اور عبادہؓ اپنے مطالبات میں سے ایک حرف کم کئے بغیر اسلامی وفد کو لے کر چلے گئے۔

مقوقس نے موقع کو ہاتھ سے گنوانا مناسب نہ سمجھا اور اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ جذیے کے عوض عربوں سے صلح کرے۔ اس میں اس کی بہتری ہے قوم نے بادل ناخواستہ اس کی بات مان لی اور اس نے ابن عاصؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ ابھی تک مصالحت پر آمادہ ہے اور کہلوایا مجھے امان دیجئے کہ میں آپ سے ملاقات کروں۔ میرے چند رفقاء میرے ساتھ ہوں گے اور آپ کے چند رفقاء آپ کے ساتھ اگر ہمارے درمیان کوئی فیصلہ ہو گیا تو بہتر ہے ورنہ معاملات پھر اپنی سابقہ صورت پر بحال ہو جائیں گے۔ ابن عاصؓ کے ساتھیوں نے مقوقس کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ کو ترجیح دی کہ مصر کی پوری مملکت ان کے لئے غنیمت بن جائے لیکن ابن عاصؓ نے ان سے کہا "تمہیں معلوم ہے امیر المومنین نے مجھے کیا ہدایات دی ہیں؟ ان کا حکم ہے کہ اگر وہ ان تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط قبول کر لیں تو پھر ہمیں ان سے نہیں الجھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ تم دیکھ رہے ہو کہ پانی ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہے جس کی وجہ سے جنگ میں بڑی دقت پیش آئے گی"

حضرت عمرو بن عاصؓ کی یہ رائے ایک تجربہ کار سیاست دان اور بالغ النظر سپہ سالار کی رائے تھی۔ پانی نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہ ان کے علاقے یا دوسرے شہروں اور بستیوں کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی حالت میں جنگ شروع کرنا سخت غلطی تھی اور پانی اترنے کا انتظار کرنا گویا دشمن کو تیار ہونے اور سکندریہ سے امداد حاصل کرنے کا موقع دینا تھا۔ علاوہ ازیں قلعے میں جو رومی فوجیں تھیں۔ ان کے ارادے پست ہو چکے تھے ان کی توتیں جواب دے گئی تھیں

اور یہ ان سے بات چیت کرنے کا بہترین نفسیاتی لمحہ تھا۔ تاکہ مایوسی ان میں ضد اور بے باکی پیدا نہ کر دے۔ پناہ کے لئے ان کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا ہی جس میں وہ طویل مدت تک قیام کر سکتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن عاص اور مقوقس کے درمیان صلح اس پر ہوئی۔ کہ پورے مصر میں ہر بالغ قبطی بلا امتیاز دو دینار بطور جذیہ ادا کرے گا۔ نابالغ بچے عورتیں اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مسلمانوں کی ہر جماعت جہاں چاہے گی قیام کر سکے گی۔ ایک یا ایک سے زائد مسلمان جس مصری کے ہاں ٹھہریں گے وہ تین دن تک ان کی مہمان نوازی کرے گا۔ مصریوں کی زمین' مال کلیسا صلیبیں اور خشکی و تری سب انہیں کے رہیں گے اور ان کی درآمدی و برآمدی تجارت میں کوئی رخنہ پیدا نہ کیا جائے گا۔

یہ صلح نامہ طے تو ہو گیا۔ لیکن اس کا نفاذ شہنشاہ کی منظوری تک ملتوی رکھا گیا اور اسے ہرقل تک پہنچانے کا کام مقوقس نے خود اپنے ذمے لیا۔ قرار یہ پایا کہ قیصر کا جواب آنے تک دونوں فوجیں جہاں ہیں وہیں رہیں گی اور رومی قلعے کا قبضہ نہیں چھوڑیں گے۔ مقوقس دریا کے رستے اسکندریہ روانہ ہوا اور وہاں سے پوری تفصیلات قسطنطنیہ لکھ بھیجیں۔ ان تفصیلات کے ساتھ ایک یادداشت بھی تھی۔ جس کے آخر میں یہ درخواست کی گئی تھی۔ کہ صلح کر کے مصر کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچا لیا جائے۔ ہرقل کو یادداشت اور معاہدہ پڑھ کر بہت غصہ آیا۔ وہ اس کی عبارت سے یہ معلوم نہ کر سکا کہ صلح صرف بابلیون سے متعلق ہے یا سارا مصر عربوں کے قدموں میں ڈال دیا گیا نیز یہ کہ جذیہ وصول کرنے کے بعد عرب' مصر میں رہیں گے یا چلے جائیں گے۔ اپنے شبہات کی وضاحت کے لئے اس نے مقوقس کو طلب کیا۔ عندالملاقات مقوقس نے مسئلے کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی اور ہرقل سے کہا۔ کہ عرب اس کے بعد مصر سے چلے جائیں گے۔ لیکن جب شہنشاہ نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تو اس نے اظہار حقیقت کو بہتر سمجھتے ہوئے کہا "اگر آپ عربوں اور ان کی بے جگری کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کو مغلوب کرنا غیر ممکن ہے۔ پس ہمارے لئے صلح سے بہتر اور کوئی رستہ نہیں ہے۔ اگر انہوں نے قلعہ بابلیون بزور شمشیر فتح کر لیا تو سارا ملک ان کی عضمت میں جائے گا"

ہرقل عربوں کی طاقت سے ناآشنا نہیں تھا۔ وہ کئی سال تک شام میں ان کے ناقابل فراموش کارنامے دیکھ چکا تھا۔ تاہم اسے یہ توقع نہ تھی کہ مصر میں بھی اس کی فوجوں کو اسی بلائے بے درماں کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر اتنی جلدی وہ نسلی اور جغرافیائی محرکات جو شام میں عربوں کے لئے سرمایہ اعانت بنے تھے وادی نیل میں ان کا کہیں وجود نہ تھا وہ قلعہ بابلیون کے استحکام سے اچھی طرح واقف تھا اور حقیقت بھی اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی کہ اگر مدافعین کی قرار واقعی طور پر قیادت کی جائے تو اسے فتح کرنا محال ہے۔ مصر میں اس کی ایک لاکھ فوج تھی۔ جس میں صرف بارہ ہزار سپاہی برسرپیکار تھے۔ پھر مسلمانوں کے یہ مٹھی بھر جنگ آزما' جو صحرا کی خاک چھان رہے ہیں۔ اس ٹڈی دل لشکر پر کیسے غلبہ پا سکتے ہیں۔ جو آہن صفت ناقابل تسخیر قلعوں میں محفوظ ہیں۔ ہو نہ ہو اس میں کوئی راز ہے اور وہی اس شرمناک صورت حال کا ذمہ دار ہے۔ جو اس کے قلب مملکت میں پیدا ہو گئی ہے یہ سوچ کر ہرقل بھڑک اٹھا اور مقوقس پر الزام لگایا کہ اس نے حکومت سے غداری کر کے مصر کو عربوں کے لئے خالی کر دیا ہے۔ اس کے بعد اسے بزدلی و نافرمانی کے جرم میں حاکم شہر کے حوالے کر دیا۔ جس نے پہلے

اس کے جرم کی تشہیر اور پھر اسے انتہائی ذلت واہانت کے ساتھ ملک سے باہر نکال دیا۔

ہر قل نے صلح نامہ منسوخ کر دیا اور مصر میں اس کی اطلاع مسلمانوں کو دسمبر 640 کی آخری تاریخوں میں ملی۔ مہلت ختم ہو گئی۔ پھر کسی طرف سے انہیں کمک بھی نہ پہنچی تھی۔ اور حالات عربوں کے حق میں سازگار تھے۔ نیل میں طغیانی نہ رہی تھی اور اس خندق میں بھی پانی کم ہو گیا تھا جس نے قلعے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اس بنا پر عربوں کو قلعے پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اب رومیوں نے پانی کے بدلے خندق میں لوہے کے نوکیلے تار بچھا دیے۔ قلعے کے دروازوں کے سامنے یہ تار نسبتاً زیادہ تھے۔ جس کی وجہ سے عرب قلعے پر دھاوا نہ بول سکے اور محاصرے کو کئی مہینے لگ گئے اس دوران میں فریقین تیروں اور منجنیقوں سے لڑتے رہے۔ قلعے کے مدافعین اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہ سکتے تھے اور اگر وہ کبھی لڑنے کے لئے باہر نکلتے بھی تھے تو عرب انہیں پسپا کر دیتے تھے۔ سرمائی مہینے گذر گئے اور قلعے والے مقاومت کرتے رہے اگر انہیں نقیوس یا سکندریہ سے مدد مل جاتی اور ہر قل اپنے کسی کار آزمودہ سپہ سالار کو فوج دے کر بھیج دیتا تو جنگ کی حالت مختلف ہوتی اور عربوں کو اس مستحکم علاقے کی تسخیر میں غیر معمولی مشقتیں اٹھانی پڑتیں۔ لیکن ایک طرف تو کمک نہ پہنچی اور دوسری طرف قلعے میں بیماری پھیل گئی رومی روزانہ برجیوں پر چڑھ چڑھ کے دیکھتے لیکن دور دور تک کمک کے آثار نہ دکھائی دیتے۔ علاوہ ازیں آئے دن انہیں یہ خبریں ملتیں کہ عرب آس پاس کی زمینوں پر قبضہ کرتے جارہے ہیں اور آبادی ہلاک ہو رہی ہے۔ 641ء کا مارچ کا مہینہ شروع ہوا اور نیل کا پانی یا تقریباً خشک ہو گیا۔ اسی اثناء میں خبر آئی کہ گیارہ فروری 641ء میں ہر قل کا انتقال ہو گیا۔ رومی اس خبر سے سخت پریشان ہوئے لیکن اس کے باوجود قلعے والے مقابلہ کرتے رہے اور اپنے دلوں کو اس امید سے بہلاتے رہے کہ کمک آکر انہیں اس طوفان بلا سے نکال لے گی۔

جو مصیبت مصر میں ہر قل پر آئی تھی اس نے اس کی موت کو قریب تر کر دیا۔ مقوقس کی ملاقات کے بعد اسے بخار آنا شروع ہوا اور پریشانی نے اس کے دماغ کو اس درجہ گھیر لیا کہ وہ بابلیون کے دفاع واعانت کے متعلق کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ اس کے سوا کسی اور نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ جب سے عربوں نے دمشق اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے رومیوں کو شام سے نکالا تھا اور وہ مصر میں پناہ لے کر ہر طرف خوف و ہراس پھیلا رہے تھے۔ رومی حکومت شرمناک شکست کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ تاہم قلعے کی دیواروں اور برجیوں کے استحکام نے اپنے ان محافظوں کو جو موت کے منہ سے بچے ہوئے تھے۔ مارچ کی آخری اور اپریل کی ابتدائی تاریخوں تک غازیان اسلام کے مقابلے میں ثابت قدم رکھا۔

قلعہ بابلیون کی فتح 641 :

عرب سات مہینے کے طویل محاصرے سے تنگ آگئے تھے کہ انہیں اپنی زندگی اور اپنا وجود دونوں بے حقیقت نظر آنے لگے تھے۔ بالخصوص حضرت زبیرؓ بن عوام میں سب سے زیادہ جری اور اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ سرفروشی کے جذبے سے سرشار تھے۔ انہوں نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میں اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کرتا ہوں اور میری تمنا ہے کہ اللہ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا سبب بنائے اس کے کچھ دن بعد وہ ایک دستے کے ساتھ رات کی تاریکی میں

آگے بڑھے اور ایک خاص جگہ سے خندق عبور کی۔ حضرت زبیرؓ نے فصیل پر سیڑھی لگادی اور اپنے ساتھیوں کو حکم دے کر سیڑھی پر چڑھ گئے۔ کہ جب میں تکبیر کہوں تو اسے دہراتے ہوئے اوپر چڑھ آنا حضرت زبیرؓ قلعے کی دیوار پر پہنچ گئے اور تکبیر کے نعرے بلند کرنے شروع کیے۔ تلوار ان کے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ ان کے ساتھیوں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ فصیل پر چڑھ کے ان کے پہلو میں کھڑے ہوگئے اور سب نے مل کر "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا۔ جو مسلمان قلعے کے باہر تھے انہوں نے یہ نعرہ دہرایا اور رومیوں کو یقین ہوگیا۔ کہ عربوں نے قلعے پر دھاوا بول دیا ہے ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر قلعے کا دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں نے اندر داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔

ایک روایت تو یہ ہے۔ لیکن دوسری روایت جو بٹلر نے طبری کے حوالے سے نقل کی ہے۔ ظاہر کرتی ہے۔ کہ حضرت زبیرؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر فصیل پر چڑھ گئے اور قلعے کے جو محافظ وہاں تھے ان کے سر قلم کر کے قلعے میں اترنا چاہا۔ لیکن دیکھا کہ رومیوں نے وہاں ایک دیوار بنا رکھی ہے اور اس طرف سے قلعے میں نہیں اترا جاسکتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ جب صبح ہوئی۔ تو قلعے کے سالار نے ابن عاصؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر قلعے کے محافظین کو امان دے دی جائے تو قلعہ مسلمانوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ حضرت زبیرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور ابن عاصؓ سے کہا اگر آپ تھوڑی دیر اور صبر کرلیں تو ہم قلعے میں اتر جائیں گے۔ اور سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق طے ہو جائے گا" لیکن حضرت عمرو بنؓ عاص نے ان کی بات نہ مانی اور سالار قلعہ سے اس شرط پر صلح کرلی کہ تین دن کے اندر اندر قلعے کی فوج چند روز کا سامان رسد لے کر قلعہ خالی کر دے گی اور دریا کے رستے روانہ ہو جائے گی۔ قلعے میں جو اسلحہ اور ذخائر ہیں وہ مسلمانوں کے ہوں گے علامہ طبری نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ حالانکہ تمام مسلمان مورخین نے لکھا ہے کہ قلعے پر مسلمانوں کے دھاوا بولنے کے بعد حضرت عمرو بنؓ عاص نے صلح کی اس درخواست کو قبول کر لیا تھا جو مقوقس کی طرف سے جذیے کے عوض بھیجی گئی تھی۔ اگر صحیح یہ ہے کہ مقوقس قلعے میں موجود نہ تھا اور ہرقل سے ملنے کے بعد ملک بدر کرا دیا گیا تھا۔ تو بٹلر کی روایت کے مطابق ہو سکتا ہے کہ محافظین قلعہ کے سالار ہی نے ابن عاصؓ سے صلح کی ہو۔ رومی فوج نے 6 اپریل 641ء کو قلعہ خالی کیا تھا۔

رومیوں کے نکل جانے کے بعد قلعے پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا اور اس طرح مصر میں عربی فتوحات کا پہلا مرحلہ اختتام کو پہنچا۔ اس باب میں جو واقعات و حوادث پیش کیے گئے ہیں۔ وہ اس مرحلے کی اہمیت پر شاہد ہیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کے علم و تدبر اور دوراندیشی و اصابت رائے نے اس مرحلے کی نزاکت کا اندازہ کر لیا تھا اور وہ بڑے پس و پیش کے بعد فتح و نصرت کا علم آگے بڑھانے پر آمادہ ہوئے تھے۔

قبطی، عربوں کی طاقت کا اندازہ کر کے اور ان کا طرز عمل دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور ان کے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا۔ مسلمانوں نے انہیں مساوی حقوق دیئے اور جذیہ معاف کر دیا۔ ان نو مسلم قبطیوں نے جذیے کی وصولی اور ان عیسائیوں کے مال و متاع کی نگرانی میں، جو لڑائی کی وجہ سے اپنے گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اپنے عرب بھائیوں کے ساتھ تعاون کیا جس سے ابن عاصؓ کی حکومت کے قدم اچھی طرح جم گئے اور وہ اس قابل ہوگئے کہ جس وقت امیر المومنین انہیں اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت دیں تو وہ اطمینان سے روانہ ہو جائیں۔

منف کے آثار کی عظمت اور اس کے گرد و پیش پھیلے ہوئے وسیع سبزہ زاروں نے عربوں کے دل پر گہرا اثر کیا۔ وہ عراق و شام میں بھی ایسے ہی سبزازاروں سے لطف اندوز ہو چکے تھے اور جب سے مصر میں داخل ہوئے تھے انہیں دیکھ دیکھ کر خالق کائنات کی قدرت پر ان کا ایمان پختہ ہو رہا تھا۔ لیکن منف میں جو کچھ ان کی آنکھوں نے دیکھا' اسکندریہ بھی اس کی یاد ان کے دل سے نہ بھلا سکا۔ منف میں آثار تھے ان کی مثال دنیا کے تختے پر کہیں نہ ملتی تھی۔ اور وہ قدیم فراعنہ کی تہذیب و عبادت کے متعلق عجیب و غریب معلومات بہم پہنچاتے تھے۔ اس شہر میں ایک بہت بڑا معبد تھا جسے "فتاح" کے نام سے پکارا جاتا تھا اس میں سورج کی پوجا کی جاتی تھی۔

چنانچہ منف کا حسن و جمال بھی ان کے پاؤں کی بیڑی نہ بن سکا اور اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کا شوق ان کے دلوں میں بھی وہی جوش و حرارت پیدا کرتا رہا۔ جس سے ان کے سپہ سالار کا دل معمور تھا اور جس کی بنا پر وہ امیر المومنین کی اجازت کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس اجازت میں دیر نہ لگی۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ تین مہینے کے بعد نیل میں پھر طغیانی آجائے گی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پانی چڑھنے سے پہلے اسلامی لشکر' مصر کے پایہ تخت کی طرف روانہ ہو جائے۔ اجازت ملتے ہی ابن عاصؓ نے قلعہ بابلیون کی نگرانی ایک مسلح اسلامی دستے کے سپرد کی جس کے سردار خارجہ بن حذافہ سہمی تھے اور خود اپنے لشکر کو لے کے حسن و جمال اور علم و فن کے عظیم مرکز اسکندریہ کا رخ کیا۔

فتح اسکندریہ :

11 فروری 641ء کو ہرقل فوت ہو گیا۔ شام اور مصر میں رومیوں کی پے در پے شکستوں نے رومی سلطنت میں بے چینی کی لہر دوڑا دی تھی۔ ہرقل کی موت نے اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا۔ جاہ پسندوں اور شاہی محل کے کارندوں نے سازشوں کا جال پھیلا دیا اور سلطنت کا کوئی گوشہ اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ہرقل کے بعد حکومت کسی ایسے بادشاہ کے ہاتھ میں نہ آئی جو قوت و تدبیر سے کام لیتا۔ بلکہ ہرقل کے دو سوتیلے بیٹوں' قسطنطین اور ہرقلیوناس اور ہرقل کی ملکہ مرتینا۔ جو ہرقلیوناس کی ماں بھی تھی' کے سپرد کی گئی۔ مرتینا نے حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور یہ کوشش وہ ایک دفعہ ہرقل کی زندگی کے آخری دنوں میں بھی کر چکی تھی۔ لیکن قسطنطین اس کی راہ کا بھاری پتھر تھا۔ اس لئے کہ ایک تو وہ اپنے بھائی سے بڑا تھا اور دوسرے عوام میں ہر دلعزیز ہونے کی بنا پر ایک طاقت ور گروہ کی ہمدردیاں اسے حاصل تھیں۔ چنانچہ سلطنت میں ایک کشمکش کی حالت پیدا ہو گئی اور اس کشمکش کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

بٹلر لکھتا ہے کہ قیرص اسکندریہ میں اپنا مذہبی اقتدار مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کی خاطر اس کے اور عمروؓ بن عاص کے درمیان خفیہ تعلقات تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیرص اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمان اپنے مفتوحہ علاقوں کے عوام کو عقیدہ و خیال کی پوری پوری آزادی دیتے ہیں اور اس کا ان معاہدوں میں صریحی طور پر ذکر ہوتا ہے۔ جو مسلمان مفتوحہ علاقے کے باشندوں سے کرتے ہیں عہد صدیقیؓ اور عہد فاروقیؓ میں عراق و شام کے معاہدے بھی اسی حقیقت کے شاہد ہیں۔ پھر وہ مصر میں اپنی روایت کو کیوں کر بدل لیتے؟ مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر انہوں نے جزیہ صرف اس لئے عاید کیا تھا۔ کہ ان کے

جان و مال اہل و عیال اور عقائد و معابد کی حفاظت کریں۔ ہٹلر کا یہ خیال صحیح تھا کہ قیرص عربوں سے مصالحت کرنے کا ارادہ لے کر مصر آیا تھا۔ یہ ارادہ کسی مذہبی یا سیاسی غرض کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ عربوں سے لڑنے کا نتیجہ رومیوں کی شکست اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ رومیوں کی حکومت سازشوں کے ہجوم میں گھری ہوئی تھی اور اس سے ملک میں کمزوری اور مملکت میں زوال شروع ہو گیا تھا۔

مئی 641ء میں ابن عاصؓ بابلیون سے روانہ ہوئے انہوں نے سفر کے لئے وہ رستہ پسند کیا جو دریائے نیل کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ بابلیون کے دوران قیام میں ابن عاصؓ نے مفتوح علاقوں کے قبطیوں سے یہ تعاون حاصل کر لیا تھا۔ کہ وہ رستوں کو درست کر دیں گے اور جہاں جہاں ضرورت ہو گی۔ پل بنا دیں گے اس سفر میں ابن عاص نے قبطیوں کے چند معززین کو جس سے ان کے تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ تاکہ رستے میں جو شہر پڑیں ان کے باشندوں کو یہ معززین مسلمانوں سے قریب کرنے کا وسیلہ بنیں۔ ابن عاصؓ کا پروگرام پہلے نقیوس اور اس کے مضبوط قلعے پر قبضہ کرنا تھا۔ نقیوس مانوف سے چند میل جانب شمال دریا کے دائیں کنارے پر واقع تھا۔ رومیوں نے سوچا کہ نقیوس پہنچنے سے پہلے ہی ابن عاصؓ کو دریا عبور کرنے سے روک دیں چنانچہ رومی طرفوط کے قریب صف آرا ہوئے۔ یہاں فریقین میں مقابلہ ہوا اور ابن عاصؓ نے آسانی کے ساتھ ان کو شکست دے دی ابن عاصؓ نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ نقیوس اور اس کے مضبوط قلعے کے سامنے پہنچ گئے۔ اور دریا پار کرنے کے ذرائع سوچنے لگے۔ لیکن ان کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ نقیوس کو پیچھے چھوڑ کر مصر کے دار الخلافہ کی طرف بڑھ جائیں تو اس صورت میں خطرہ تھا کہ قلعے کی فوج عقب سے ان پر حملہ کر دے گی اور ان کے تمام منصوبے ناکام ہو جائیں گے۔ چنانچہ سالار قلعہ اپنی پوری فوج لے کر باہر نکلا اور عربوں کا رستہ روکنے کے لئے ان کشتیوں پر سوار ہو گیا۔ جو شہر کے دفاع کی غرض سے تیار کھڑی تھیں ابن عاصؓ نے ان کشتیوں اور ان سپاہیوں کو دیکھا جو کنارے پر اتر کے ان کی راہ میں حائل ہونا چاہتے تھے اور مجاہدین اسلام کو ان پر تیر برسانے کا حکم دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو سپاہی کنارے پر اتر آئے تھے واپس کشتیوں میں پناہ لینے لگے۔ لیکن مسلمان سواروں نے انہیں آسانی سے بھاگنے نہ دیا مارتے ہوئے پانی تک لے آئے اور جو رومی دریا میں تھے ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ رومی سپہ سالار نے خیال کیا۔ کہ مسلمان ان پر پانی میں بھی حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنی کشتی کے ملاح کو اسکندریہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا اور بھاگ گیا۔ اس کے بعد فاتحین بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہو گئے۔ کہ شہر اپنے محافظوں سے خالی ہو چکا تھا۔

حضرت عمروؓ بن عاص نقیوس میں ٹھہرے اور اس کے اطراف کو رومی اثرات سے پاک کر دیا۔ جو لوگ نقیوس سے اسکندریہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔ ان کے تعاقب میں شریک بن سمی کو روانہ کیا اور شریک بن سمی نے ان لوگوں کو جا لیا۔

ابن عاصؓ اپنی فوجوں سمیت شریک سے آملے اور نہر رشید کو دائیں طرف چھوڑتے ہوئے نہر کالونی کے ساتھ ساتھ اسکندریہ روانہ ہو گئے۔ انہیں اطلاع ملی کہ رومی سپاہ منہدر سے چھ میل جنوب کی طرف سلطنیں کے قریب ان کی آمد کا انتظار کر رہی ہیں۔ ابن عاصؓ نے باگیں ان کی طرف موڑ دیں اور جاتے ہی ان سے ٹکرا گئے۔ شدید جنگ کے بعد رومیوں نے شکست کھائی اور ایسے بھاگے کہ دمنہو امیں بھی نہ رکے بلکہ کریون کے قلعوں میں جا کے سانس لیا جو اسکندریہ سے ادھر کے

قلعوں کے سلسلے کی آخری کڑی تھی۔ یہاں وہ اس رومی فوج کے ساتھ مل گئے۔ جو تھیوڈور کی کمان میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار تھی۔

کریون کی شاندار فتح :

تھیوڈور نے جو مصر میں رومی افواج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ اندازہ کر لیا تھا کہ اگر اسے کریون میں شکست ہو گئی تو عربوں کے لئے پایہ تخت کے دروازے کھل جائیں گے اپنی اس فتح کے زور میں وہ اسکندریہ کا شدید محاصرہ کر لیں گے۔ حالانکہ اسکندریہ کے محافظین قوی اور اس کا دفاع آسان ہے۔ تاہم بہتری اسی میں ہے کہ ہر قیمت پر حملہ آوروں اور پایہ تخت کی فصیلوں کے درمیان کوئی دیوار حائل کر دی جائے۔ چنانچہ وہ خود ایک بڑی فوج لے کر جس کی قوت سے اسے اطمینان تھا۔ کریون پہنچا اور یہ دیکھ کر اس کا حوصلہ اور بڑھ گیا کہ رومیوں نے کریون کے قلعوں کی مرمت کر کے ان کو مستحکم کر دیا ہے ان قلعوں کے سامنے ثعبان کا جو نالہ تھا وہ بھی مدافعین کی حفاظت کے لئے ہموار تھا۔ جس کے ذریعے ضرورت کے وقت زیادہ سے زیادہ کمک بہ آسانی پہنچ سکتی تھی۔

ابن عاصؓ جو فوج کریون لے گئے تھے۔ اس کی تعداد کیا تھی حضرت عمرؓ نے مختلف میدانوں میں اپنے سپہ سالاروں کی مدد سے کبھی تغافل نہیں برتا اور انہوں نے ابن عاصؓ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ مصر میں داخل ہونے کے بعد ان کی مدد کی جائے گی تو بجا طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ مصر میں اسلامی فتوحات کے قدم تیز ہو جانے کے بعد بارگاہ خلافت سے برابر کمک بھیجی جاتی رہی اور ابن عاصؓ کے اسکندریہ کی طرف روانہ ہوتے وقت اگر بیس ہزار سے زیادہ نہیں تو پندرہ ہزار سے زیادہ فوج یقیناً ان کے پاس تھی۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ مصریوں اور بدویوں سے سڑکوں کی تعمیر نگرانی اور فوج کو رسد پہنچانے کا کام لیا گیا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے جن لوگوں پر ابن عاصؓ کو اطمینان واعتماد تھا۔ انہیں اس فوج میں بھی شامل کر لیا ہو جو امن وانتظام کی نگرانی پر مامور تھی۔ لیکن لڑنے والی فوج جو عرصہ ہائے جنگ میں رومیوں سے بزد آزما تھی۔ سب کی سب اسلامیان عرب پر مشتمل تھی۔

کریون کی شاندار فتح :

ابن عاصؓ اور رومی کریون میں صف آرا ہوئے اور فریقین اتنی بے جگری سے لڑے کہ پہلے کی لڑائیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آخر کار رات کے اندھیرے نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ لیکن اگر رومیوں کی کثرت تعداد اور دفاع وطن کے لئے جانبازی وسر فروشی کا لحاظ رکھا جائے۔ تو پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ کریون کے قلعے ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ ان کے حوصلے بڑھا رہے تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس دن پلا انہیں کا بھاری رہا۔ دوسرے دن صبح ہی سے گھمسان کا رن پڑا۔ اور رات ہونے پر پہلے دن کی طرح دونوں فوجیں اپنے اپنے مورچوں میں واپس

چل گئیں۔ غرض یہ کہ دس دن تک یوں ہی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان معرکوں میں رومیوں نے جس شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا اس کی پہلی جنگوں میں مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ایک دن ابن عاصؓ کو اپنی فوج کے ایک دستے کے ساتھ ایک ایک رکعت اور دو دو سجدوں کی صلوۃ خوف ادا کرنی پڑی تاہم رومیوں کی یہ قوت مسلمانوں کے عزائم پست نہ کر سکی بلکہ ان کی شجاعت میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ پہلے سے زیادہ موت کے پیچھے بھاگنے لگے۔

اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ انہوں نے رومیوں کو بری طرح قتل کیا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچ گئے ابن عاصؓ نے مسلمانوں کا ایک کثیر لشکر اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر نے کریون پر قبضہ کر لیا اور وہاں جو رومی سپاہ تھی وہ اپنے سپہ سالار تھیوڈور کے ساتھ اسکندریہ چلی گئی۔

شروع شروع میں رومیوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اسکندریہ سے انہیں ہر قسم کی مدد پہنچ رہی تھی۔ پھر یہ انہیں کیا ہوا کہ آخری دن انہوں نے ہمت ہار دی۔ حالانکہ ان کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی۔ ان کے پاس مضبوط قلعے بھی تھے اور سکندریہ کی امداد بھی انہیں حاصل تھی۔ کیا ان کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قیادت بے جان اور ان کے دشمن کی قیادت بہادر تھی۔ یا اس کا سبب رومی پایہ تخت سے آنے والی وہ تشویش ناک خبریں تھیں۔ جو کریون پہنچیں تو فوج کا دل ٹوٹ گیا؟ مورخین نے کوئی ایسی روایت نقل نہیں کی جس کی بنا پر ان اسباب و عوامل کے متعلق کوئی اطمینان بخش بات کہی جا سکے' جو کریون میں رومیوں کی شکست اور عربوں کی فتح کے ذمہ دار تھے۔

کریون میں عربوں نے رومیوں کو شکست دے کر پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ابن عاصؓ وہاں بس اتنے ہی دن ٹھہرے کہ ان کی فوج تازہ دم ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اس بہادر لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور کسی مزاحمت کا سامنا کئے بغیر اسکندریہ پہنچ گئے۔ شہر کی فصیلوں کے قریب پہنچ کر فوج رک گئی۔ ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہیں روک سکتے۔

ابن عاصؓ نے فوج کا ولولہ و جوش دیکھا اور اپنی معلوم و مشہور احتیاط کو چھوڑ کر شہر کی فصیلوں اور برجیوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ان کا خیال تھا کہ کریون کی شکست نے اسکندریہ کے مدافعین کے دلوں میں اسلامی فوجوں کا رعب بٹھا دیا ہو گا اور انہیں یہ یقین ہو گیا ہو گا۔ کہ ان کا انجام بھی ان رومیوں سے بہتر نہیں ہو گا جو کریون سے بھاگ کر ان کے پاس پہنچے تھے۔ ادھر مسلمانوں کو بھی اس میں کوئی شک نہ تھا کہ یہ خوبصورت شہر ان کے لئے اپنے دروازے کھول دے گا۔ چنانچہ انہوں نے ابن عاصؓ کے حکم کی تعمیل کی اور تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے اسکندریہ پر دھاوا بول دیا۔

انہیں صرف ان بڑے بڑے پتھروں سے ڈر لگ رہا تھا۔ جو فصیلوں پر نصب کی ہوئی منجنیقوں سے برسائے جا رہے تھے۔ رومیوں کے اس اہتمام و انتظام کی وجہ یہ تھی کہ کریون سے پسپا ہونے کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ عرب جلد سے جلد اسکندریہ پہنچیں گے اور فتح کے نشے میں سرشار ہو کر بے سوچے سمجھے آتے ہی حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ تھیوڈور نے فوج سے تمام نواحی علاقے خالی کرا کے اسے قلعے میں مورچہ بند ہو جانے کا حکم دے دیا اور فصیلوں پر منجنیقیں نصب کرا دیں۔ کہ عرب حملہ کریں تو ان پر بھاری بھاری پتھر برسائے جا سکیں۔ یہ دیکھ کر ابن عاصؓ نے سمجھ لیا کہ دشمن پوری طرح تیار ہو چکا ہے۔ انہوں نے پھر احتیاط کا دامن پکڑ لیا اور فوج کو منجنیقوں کی زد سے پرے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ یہاں انہوں نے ڈیرے

ڈالے اور جنگ کے منصوبے سوچنے لگے۔

ابن عاصؓ شہر کی مشرقی جانب حلوہ اور قصر فاروس کے درمیان خیمہ زن ہوئے تھے بہت جلد انہوں نے اندازہ لگالیا کہ شہر پر حملہ کرنا آسان نہیں ہے شہر کے شمال میں سمندر اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس حصے پر صرف رومی قابض تھے اور عربوں کا یہاں کوئی زور نہ چل سکتا تھا۔ جنوب میں عیرہ مربوط اس کی نگرانی پر مامور تھا۔ جسے پار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا اور مغربی سمت کو ثعبان کے نالے نے گھیر رکھا تھا اب صرف شہر کا ایک ہی رستہ رہ گیا تھا اور وہ مشرقی رستہ تھا جو کریون اور اسکندریہ کے درمیان چلتا تھا دوسری سمتوں کی طرح یہ سمت بھی فصیلوں اور قلعوں سے مستحکم تھی۔ سمندر کے رستے اسکندریہ کو ہر قسم کی مدد مل سکتی تھی۔ اس لئے کہ مصر کے تمام ساحلی شہر رومیوں کے قبضے میں تھے اور وہاں سے جہازوں کے ذریعے شہری باشندوں اور فوجی سپاہیوں کے لئے تمام ضروریات کی چیزیں بھیجی جاسکتی تھیں۔ اسکندریہ کے محافظ جن کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر انہیں یہاں شکست ہوگئی۔ تو مصر میں رومی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر قیصر کا یہ پیغام بھی ان تک پہنچ گیا تھا کہ اگر عرب اسکندریہ میں فتح یاب ہو گئے تو رومی ہلاک ہو جائیں گے اور ملک ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ رومیوں کے پاس اسکندریہ سے بڑے کلیسا اور کہیں نہیں ہیں اس پیغام نے ان کی غیرت و شجاعت میں اضافہ کر دیا تھا اور وہ اسکندریہ کے دفاع میں جانیں لڑانے کو تیار ہو گئے۔ ایسی صورت میں جب تک محافظین فصیلوں اور برجیوں میں قلعہ بند ہیں اور کھلے میدان میں نکل کر عربوں سے جنگ نہیں کرتے' شہر پر حملہ کرنے اور رومیوں کو شکست دینے کی کوئی امید نہیں۔ کیا رومی میدان میں نکلیں گے؟ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ تو مسلمان سپہ سالار کون سی تدبیر اختیار کرے گا؟ کیا صرف اسکندریہ پورے مصر کو مسلمانوں سے بچالے گا؟ اس طرح رومی قلعہ بند رہے۔ کبھی کبھی باہر نکل آتے۔ مسلمانوں نے اپنا محاصرہ جاری رکھا۔ ان کی غذائی ضروریات آس پاس کے شہروں سے پوری ہو جاتی تھیں۔ اس دوران میں ابن عاصؓ نے قلعوں پر حملہ کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس طرح کامیابی ناممکن ہے۔

بالآخر ان کی قوت فکر نے انہیں ایک ایسی راہ دکھائی جس سے بیک وقت یہ دونوں مقصد پورے ہو سکتے تھے۔ یعنی ان کی فوج اکتانے بھی نہ پائے اور محافظین اسکندریہ کے حوصلے بھی پست ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ڈیلٹا کے شہروں کی طرف فوجی دستے روانہ کئے جنہوں نے وہاں سے رومیوں کو بھگانا شروع کر دیا اور خود فوج کی اکثریت کے ساتھ اسکندریہ کا محاصرہ کئے بیٹھے رہے۔

ہرقل کی موت کے کچھ دن بعد اسکندریہ رومی امداد سے محروم ہو گیا اور ان کی توجہ مصر و اسکندریہ کی طرف سے ہٹ گئی۔ چنانچہ مسلمان مورخین ہرقل کی موت کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کی موت پر رومیوں کی شوکت وسطوت کا خاتمہ کر دیا مدد کا سلسلہ رک جانے سے محافظین شہر بھی کمزور پڑ گئے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ عرب کہیں ان پر حملہ نہ کر دیں۔ یا ساحلی شہروں پر قبضہ کر کے ان کی رسد نہ روک دیں۔ ان خبروں سے ان کے اندیشے اور بڑھ گئے کہ عرب صعید مصر اور زیریں مصر میں پھیلتے جارہے ہیں اور انہوں نے قلعہ بند شہروں میں حامیان روم کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر اسکندریہ رسد سے محروم ہو گیا اور اس میں قحط پھوٹ پڑا تو کیا ہوگا؟ جس پایہ تخت کا حال یہ ہو رومی فوجیں اس میں کیسے ٹھہر سکیں گی۔ یہ

سب ایسے اسباب و عوامل ہیں۔ جو ہر لڑنے والی فوج کی معنوی قوت کو ختم کر دیتے ہیں اسکندریہ کی دفاعی فوج کی معنوی روح بھی کمزور پڑ چکی تھی اور وہ چو طرفہ فصیلوں اور مستحکم قلعوں کے باوجود یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اگر محاصرین نے ان پر حملہ کر دیا تو کونسی طاقت انہیں شکست سے بچائے گی۔

حضرت عمرو بن عاصؓ اسکندریہ کا محاصرہ کئے بیٹھے تھے۔ انہیں اپنے غذائی ذخیروں کی طرف سے بھی اطمینان تھا اور ان مجاہدین اسلام کی طرف سے بھی جو صعید اور ڈیلٹا میں رومیوں سے لڑ رہے تھے ادھر حضرت عمرؓ بن خطاب مدینہ میں مصر کی خبروں کے منتظر تھے۔ خصوصاً سقوط اسکندریہ کی خبر کا انہیں شدید انتظار تھا۔ لیکن یہ خبر کئی مہینے تک نہ پہنچی۔ امیر المومنین تو اس تاخیر کے اسباب تلاش فرمانے لگے۔ مصر کی اسلامی فوج وہ ہے جو بڑے بڑے مستحکم شہر اور ناقابل تسخیر قلعے فتح کر چکی ہے۔ پھر انہوں نے عمرؓو بن عاص کی مدد کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ رومیوں کے ملک کی بے چینی اور بدامنی امیر المومنین کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔ پھر ابن عاصؓ اس نادر موقع کو اپنے ہاتھ سے کیوں گنوا رہے ہیں۔

چنانچہ فتح کی خبر میں جتنی تاخیر ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کا غصہ بڑھتا جاتا۔ آخر جب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو اپنے رفقاء سے مصر پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دن فرمانے لگے "کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جو مصر کی فتح میں اتنی دیر لگ رہی ہے" اس کے بعد ابن عاصؓ کو یہ خط لکھا "امابعد! میں حیران ہوں تم دو سال سے لڑ رہے ہو اور مصر ابھی تک فتح نہیں ہوا۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں تو یہ آتی ہے کہ تم میں وہ پہلی سی لگن نہیں رہی اور تم بھی اپنے دشمن کی طرح دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گئے ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ صرف اسی قوم کی مدد کرتا ہے۔ جس میں سچی لگن ہو۔ میں نے چار بہادر تمہاری مدد کو بھیجے تھے اور تم کو مطلع کیا تھا۔ کہ ان میں سے ہر ایک ہزار مرد کے برابر ہے میں تو ان کے بارے میں یہی جانتا تھا یہ بات اور ہے کہ وہ بھی اسی محبت میں پھنس گئے ہوں۔ جس میں دوسرے مبتلا ہیں۔ میرا خط پا کر لوگوں میں تقریر کرو اور انہیں ترغیب دو کہ سچی لگن اور پامردی سے لڑیں مذکورہ چار بہادروں کو فوج کے سامنے رکھو اور فوج کو حکم دو کہ تن واحد کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔

اسکندریہ کا محاصرہ آخر کتنے مہینے تک جاری رہا تھا کہ حضرت عمرؓ کو اس طوالت نے غضب ناک کر دیا اور آپ یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گئے؟ ابن عبدالحکم کہتے ہیں "محاصرے کی مدت چودہ مہینے' پانچ مہینے ہرقل کی موت سے پہلے اور نو مہینے اس کی موت کے بعد تھی۔ علامہ بلاذری کی روایت ہے کہ ابن عاصؓ اسکندریہ پہنچے اور دیکھا کہ اہل شہر جنگ کے لئے مستعد ہیں۔ انہوں نے مقوقس کو ایک پیغام بھیجا جس میں دھمکی کے ساتھ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں اور رومیوں کا جہاں کہیں مقابلہ ہوا ہے مسلمان ان پر غالب آئے ہیں مقوقس نے اپنی قوم کو صلح کا مشورہ دیا" لیکن انہوں نے جنگ کے سوا دوسری بات سے انکار کر دیا۔ معرکے کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ جو تین مہینے رہا پھر عمرو بن عاصؓ نے اس کو تلوار سے فتح کر لیا۔ اس میں جو کچھ تھا لوٹ لیا مگر باشندوں کو باقی رکھا۔ نہ انہیں قتل کیا اور نہ لونڈی غلام بنایا۔ بلکہ الیونہ کے باشندوں کی طرح ذمی بنا لیا۔ بٹلر اپنی کتاب "تواریخ" فتح عربی کے چوتھے حصے میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ اواخر جون 641ء میں شروع کیا تھا اور 8 نومبر 641ء کو اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیے" جس کا مطلب یہ ہے کہ محاصرہ ساڑھے چار مہینے جاری رہا اور بٹلر کا یہ قول ابن عاصؓ کے نام حضرت عمرؓ بن خطاب کے خط کے اس فقرے کی تائید کرتا ہے کہ "تم دو سال سے لڑ رہے ہو"

چنانچہ ابن عاصؓ کے دسمبر 639ء میں عریش پہنچے اور نومبر 641ء میں اسکندریہ پر فتح پانے کی مدت دو قمری سالوں کے برابر ہوتی ہے اور یہ مدت بلاشبہ حضرت عمرؓ کے غضب ناک ہونے اور انہیں اس بات پر مجبور کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ مصر میں اپنی فوجوں کے قائد سے ناراضگی کا اظہار کریں۔ ابن عاصؓ نے امیر المومنین کا مکتوب پڑھا اور فتح اسکندریہ کا پروگرام سوچنے لگے۔ ایک روایت میں ہے مدینہ کا مکتوب ملنے سے پہلے ہی انہوں نے یہ لائحہ عمل بنانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبادہؓ بن صامتؓ کو بلا کر انہیں علم دیا اور اللہ نے ان کے ہاتھوں اسی دن اسکندریہ فتح کرا دیا"

محرم 20ھ کے پہلے جمعے کو عمرو بن عاصؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے اسکندریہ پر حملہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے دیکھا۔ قبطیوں کو چھوڑ کر باقی اسکندریہ کے سارے باشندے جنگ کے لئے تیار ہیں۔ عمرؓ صلح کو پسند کرتے تھے۔ مقوقس نے صلح اور التوائے جنگ کی درخواست کی۔ عمرؓ نے اس سے انکار کیا مقوقس نے حکم دیا کہ عورتیں شہر پناہ پر داخل شہر کی طرف منہ کر کے کھڑی ہوں اور مرد مسلح ہو کر خارج شہر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں۔ تاکہ مسلمان خوف زدہ ہو جائیں۔ عمرؓ نے اس کے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ تم نے جو کچھ کیا۔ ہم نے دیکھا لیکن ہم جس پر غالب ہوئے ہیں۔ اپنی کثرت سے غالب نہیں ہوئے۔ ہم تمہارے بادشاہ ہرقل سے لڑ چکے ہیں اور اس کا حشر جو ہونا تھا ہو چکا ہے مقوقس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ بالکل سچ ہے یہ قوم ہمارے بادشاہ کو شام سے نکال کر قسطنطنیہ پہنچا چکی ہے اس لئے ہمارے حق میں اطاعت ہی بہتر ہے "اس پر لوگوں نے اسے سخت سست کہا اور جنگ کے سوا دوسری بات سے انکار کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی۔ قیامت کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ جو تین مہینے رہا۔ پھر عمرؓ نے اسے بہ زور شمشیر فتح کر لیا۔ لیکن بٹلر نے فتح اسکندریہ کی جو تصویر کھینچی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے گویا رومیوں نے شکست کھا کر عربوں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ ازراہ مصالحت ہتھیار ڈالے تھے۔ چنانچہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ کہتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓو بن عاص نے ان دستوں کی قیادت خود کی۔ جو بلاد ڈالٹا میں خوف و ہراس پھیلانے کے لئے اسکندریہ سے روانہ ہوئے تھے اور مختلف علاقوں میں غارت گری کرتے ہوئے نیل کی طغیانی کے وقت بابلیون پہنچ کر رک گئے۔ وہ قلعہ بابلیون میں تھے کہ قیرص تسلیم واطاعت کا پروانہ لے کر اسکندریہ سے ان کے پاس آیا اور عرب امیر سے بولا "اللہ نے تمہیں یہ زمین عطا کر دی ہے۔ آج کے بعد رومیوں کے خلاف تلوار نہ اٹھانا اور بات چیت کے بعد معاہدہ صلح قرار پا گیا"

قیرس صلح کا یہ معاہدہ لے کر اسکندریہ واپس ہو گیا۔ وہاں کے باشندے اس کی اس حرکت سے بالکل بے خبر تھے سرداران فوج سے اس صلح کے منوانے اور اپنے احکام کی تکمیل کرانے میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ ہوتے ہوتے یہ بات عوام تک بھی پہنچ گئی اور وہ بھڑک اٹھے۔ لیکن وہ ذرہ ہراساں نہ ہوا اور اپنی خوش گفتاری' قوت استقلال اور بڑھاپے کے جلال کا سہارا لے کر نہ صرف مجمع کا جوش ٹھنڈا کر دیا۔ بلکہ اپنی رائے کی سچائی بھی واضح کر دی۔ اس کی مدلل تقریر سے بھرے ہوئے عوام اس درجہ متاثر ہوئے کہ اس پاک باز عالم دین کے خلاف اپنے غیظ و غضب کے اظہار پر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ انہیں اپنی اس حماقت پر شرم آنے لگی کہ نیک دل قیرص نے تو انہیں غازیان اسلام کی تلواروں سے

بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی اور وہ قتل کرنے کے لئے اس پر جھپٹ پڑے ہیں۔

یہ ہے بٹلر کی روایت جو فتح اسکندریہ کے سلسلے میں مسلمان مورخوں کے بیان سے بالکل مختلف ہے لیکن اس کی بے تعصبی کا تقاضہ تھا کہ جب اس فاضل محقق پر اس کی رائے کی غلطی واضح ہو جاتی تو وہ اپنا زاویہ نظر بدل دیتا اور تسلیم کر لیتا کہ ابن عاصؓ اور مقوقس کے درمیان صرف ایک ہی معاہدہ ہوا تھا جس کی شرطیں قلعہ بابلیون کے محاصرے کے وقت وضع کی گئی تھیں۔ اس کے بعد ہرقل نے اس معاہدے کو مسترد اور اس کی پاداش میں مقوقس کو ملک بدر کر دیا۔ قیصر کی وفات کے بعد یہی معاہدہ حضرت عمرؓ بن عاص اور قیرس اسقف اور مقوقس کے ذریعے فریقین کے درمیان طے پایا اور اسکندریہ کی فتح مکمل ہوئی اور مقوقس کو جو معاہدہ بابلیون کا مسودہ لے کر قیصر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس کو مصر کی حکومت سے سبکدوش کر دیا تھا۔

بٹلر کی روایت کو تنقید کی کسوٹی پر کس لینے کے بعد ہمارے لئے ممکن ہو گیا۔ ہے کہ ہم مسلمان مورخین کی روایت سے اس کے ایجاز و اختصار کے باوجود پوری طرح مطمئن ہو جائیں اور تسلیم کر لیں کہ اسکندریہ تلوار کے زور سے فتح ہوا اور اس کے بعد مقوقس اور عرب سپہ سالار کے درمیان صرف وہ طریق کار مرتب کیا گیا۔ جس کے تحت مصر کے پایہ تخت بلکہ تمام مصر سے رومی فوجوں کا انخلاء عمل میں آنا تھا۔

مسلمان اسکندریہ میں بہ زور شمشیر داخل ہوئے۔ انہوں نے اس شہر کی فصیلوں پر حملہ کر کے اس کے دروازے کھول دیے اور رومی صحرا اور سمندر کی طرف بھاگ گئے۔ پایہ تخت کے رہنے والوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی اور شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ جزیرہ نمائے عرب کے اندر بدویوں نے اسکندریہ کے کوچہ بازاروں میں سیر و تفریح شروع کر دی۔ اسکندریہ کی عظیم الشان عمارات اور فقید المثال تاریخی عمارات کو دیکھ کر عرب حیران رہ گئے تھے۔

اسکندریہ میں ایک بڑا مقبرہ ہے جس میں سکندر کی میت دفن ہے اور اس پر ایک طلائی چادر پڑی ہے یہ عجائب گھر ہے جس کے جوار میں وہ عدیم المثال کتب خانے ہیں جو تمام دنیا میں علم کا تنہا مرکز شمار کئے جاتے تھے اور یہ بڑا ایوان ہے جس کے گرد ستونوں کی چار قطاریں ہیں شہر والے اسے ترا پیلوس کے نام سے پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سکندر اعظم نے اس میں ارمیاء پیغمبر کو دفن کیا تھا چنانچہ وہ اس کا بہت احترام کرتے ہیں اس زیارت گاہ کے پہلو میں کلیسائے اعظم۔ قدیس مرقص کا کلیسا ہے جس کی عمارت دیکھنے دکھانے کے قابل ہے۔

قدیس مرقص کے کلیسا میں محراب کے سامنے اس پیغمبر کی لاش ایک مرمریں تابوت میں رکھی تھی اور یہ کلیسا اپنے امتیاز اور شان دار عمارت کی بنا پر تمام لوگوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ بن عاص نے اسکندریہ کے متعلق حضرت عمرؓ فاروق کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا۔ جس میں اسکندریہ کے متعلق تحریر کیا کہ امابعد! میں نے ایک ایسا شہر فتح کیا ہے جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں نے یہاں چار ہزار عمارتیں اور اتنے ہی حمام پائے۔ اس شہر میں چالیس ہزار یہودی آباد ہیں جن پر جذیہ عائد کر دیا گیا ہے۔

فتح اسکندریہ کے بعد ابن عاصؓ اور مقوقس کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی شاید دار السلطنت اور پورے مصر سے رومی

فوجوں کے انخلاء کے طریق کار ہی تک محدود تھی۔ علامہ بلاذری فرماتے ہیں "کہا جاتا ہے تیرہ ہزار دینار کے عوض مقوقس نے ابن عاصؓ سے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ جو اسکندریہ سے جانا چاہے گا وہ چلا جائے گا اور جو وہاں رہنا چاہے گا رہے گا ہر بالغ قبطی دو دینار جذیہ ادا کرے گا چنانچہ ابن عاصؓ نے رومیوں کو یہ عہد نامہ لکھ دیا کہ گیارہ مہینے کی مہلت ہو گی۔ اس دوران میں عرب اپنی اپنی قیام گاہ میں مقیم رہیں گے اور اسکندریہ کی رومی فوجیں اپنا مال واسباب لے کر سمندر کے رستے چلی جائیں گی۔ جو کوئی خشکی کے رستے جانا چاہے گا۔ جب تک قیصر کی سرزمین میں داخل نہ ہو گا ہر مہینے جذیہ ادا کریگا۔ اس کے بعد بٹلر نے چند ایسی شرطوں کا اضافہ کیا ہے جو بابلیون کے اس صلح نامے کی شرائط سے ملتی جلتی ہیں۔ جس کی تکمیل عربی سالاروں اور بطریق کے درمیان ہوئی تھی اور یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ شرطیں اس معاہدے میں تھیں۔ جو عربوں کے محاصرہ بابلیون کے زمانے میں کیا گیا تھا اور یہ وہی معاہدہ تھا جسے ہرقل نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب اسکندریہ بزور شمشیر فتح ہوا تو بات صرف اس حد تک رہ گئی کہ اسکندریہ اور مصر کے دوسرے علاقوں سے رومی فوجوں کا انخلاء کیسے عمل میں آئے۔

مقوقس اسکندریہ سے جانے والے رومیوں کے ساتھ نہیں گیا بلکہ اپنے محل ہی میں مقیم رہا وہیں مرا اور وہیں کے ایک قبرستان میں دفن ہوا اسکندریہ چھوڑنے کا خیال بھی اسے نہ آیا۔

جب اسکندریہ فتح ہوا تو بہت سے مصریوں اور رومیوں کو جو سقوط بابلیون کے بعد اسکندریہ میں پناہ گزین ہو گئے تھے امید تھی کہ انہیں اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت مل جائے گی چنانچہ انہوں نے مقوقس سے کہا کہ وہ اس مسئلے پر ابن عاصؓ سے گفتگو کرے لیکن ابن عاصؓ نے یہ درخواست قبول نہ کی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک بعض قلعہ بند شہر فتح نہ ہوئے تھے اور اندیشہ تھا کہ یہ لوگ کہیں ان سے مل کر ان کے بازو مضبوط نہ کر دیں۔ مقوقس نے ابن عاصؓ کے اس انکار کو اپنے اقتدار کے زوال پر محمول کیا اور اس غم نے اسے بہت جلد موت کے منہ میں پہنچا دیا۔ آخر مقوقس 21 مارچ 642ء کو فوت ہو گیا اور اسکندریہ میں دفن کیا گیا۔

قیرس مر گیا اور رومی مصر کے پایہ تخت سے نکل گئے۔ مسلمانوں نے اسکندریہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کاروبار حکومت چلانے لگے۔ اس طرح مصر میں رومی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

مصر کا نظم ونسق :

اسکندریہ کی فتح گویا اعلان تھا کہ پورا مصر مسلمانوں کے ہاتھ آگیا ہے چنانچہ خارجہ بن حذیفہ نے طیبہ کی حدود تک بلاد صعید پر قبضہ کر لیا اور رومیوں کی صرف معمولی سی تعداد باقی رہ گئی جس نے فاتحین کا مقابلہ بے فائدہ تصور کرتے ہوئے کوئی مخالفت نہ کی۔ رومی جنگ و پیکار کی ہمت کر بھی کیسے سکتے تھے۔ جب وہ جانتے تھے کہ ان کے مذہبی اور اقتصادی مظالم نے قبطیوں کے دلوں میں ان کے خلاف ایک مستقل نفرت بٹھا رکھی ہے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی غصہ نہ تھا بلکہ جو کچھ رنج اور جو کچھ دشمنی تھی، وہ ان رومیوں کے خلاف تھی۔ جنہوں نے مدتوں ان کو ہدف ستم بنائے رکھا تھا۔ جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ فتح کر لیا تو ان شہروں میں سے اکثر نے اپنے دروازے کھول دیے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عرب ان پر قبضہ کر لیں گے۔ لیکن جو شہر خیرہ روم کے ساحل سے قریب تھے انہوں نے مقاومت جاری رکھی۔ نہ اطاعت

قبول کی نہ دوسروں کی طرح مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کیا۔

ابن عاصؓ کو امیر المومنین کا ایک مکتوب پہنچا جس میں حکم تھا کہ قیدیوں کو اختیار دیا جائے۔ ان میں سے کوئی اسلام قبول کرے گا۔ تو مسلمانوں کا بھائی بن جائے گا۔ قیدیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا اور قبول اسلام کی وجہ سے ان کی عزت و تکریم کرنے لگے۔ عرب ہرش سے دمیاط پہنچے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح عریش سے اسکندریہ تک کا سارا ساحلی علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس کے باوجود تنیس نے اطاعت قبول نہ کی اور مسلمانوں کے لئے اپنے دروازے نہ کھولے بلکہ ان کے مقابلے پر آیا اور مختلف مقامات پر ان سے جنگ کی۔ تا آنکہ بہ زور شمشیر فتح کیا گیا اور مسلمانوں نے اس کا مال غنیمت آپس میں تقسیم کر لیا۔ تنیس کی مقاومت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ایک گنجان اور بڑا صنعتی شہر ہی نہ تھا۔ بلکہ اسے ایک خاص مذہبی اہمیت بھی حاصل تھی۔ اس طرح ان رومیوں اور مصریوں کی مقاومت ختم کر دی گئی جو مسلمانوں کے مقابلے پر آئے یا جنہوں نے اس جنگ سے اپنے اپنے ملک کی آزادی کے لئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور بحیرہ روم کے ساحلوں سے بلاد نوبہ تک سارے مصر میں خالصۃ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تینتیس کا مرحلہ طے کرنے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کو چاہئے تھا کہ آرام کرتے اور اس سے آگے نہ بڑھتے لیکن انہوں نے سوچا کہ برقہ اور طرابلس میں جو رومی فوجیں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قلعہ بند ہو جائیں اور موقع پا کر مصر پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ وہ مصر کے انتظامات کی طرف سے مطمئن ہو کر اسکندریہ سے برقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور مجاہدین اسلام آسانی کے ساتھ برقہ پہنچ گئے اور وہاں بھی انہیں کوئی قابل ذکر مزاحمت پیش نہ آئی اور معمولی سے مقابلے کے بعد اہل برقہ نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور تیرہ ہزار دینار سالانہ جذیہ دینے پر رضامند ہو گئے۔

برقہ، طرابلس کا ایک صوبہ ہے جس کا نام اس کے ایک شہر کے نام پر تھا یہ شہر اس مقام پر آباد تھا جہاں آج بن غازی ہے ابن عاصؓ برقہ سے طرابلس کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ ایک مسلح بندرگاہ تھی جس کی حفاظت رومیوں کا ایک لشکر کرتا تھا لشکر اسلام نے طرابلس بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص کو اطمینان ہو گیا کہ پورے مصر سے رومی اثر و اقتدار اٹھ چکا ہے تو وہ مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر اسکندریہ واپس چلے گئے۔

چنانچہ ابن عاصؓ کو ان کی طرف سے کوئی خوف نہ رہا اور وہ مصر کی جنوبی سرحدوں کی طرف سے بھی اسی طرح مطمئن ہو گئے۔ جس طرح برقہ اور طرابلس میں رومیوں کو شکست دینے کے بعد مغربی سرحدوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے۔ اب کہ امن و سلامتی کی فکر ان کے لئے وجہ تشویش نہ رہی تھی۔ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ مصر کے نظم و نسق اور حکومت کے استحکام پر مبذول کر دی۔

حضرت عمرؓ نے ابن عاصؓ کے خط کے جواب میں لکھا "مال تقسیم نہ کرو اور قیدیوں کو چھوڑ دو! ان کا خراج مسلمانوں کے لئے فے ہو گا اور دشمن کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کرے گا" ابن عاصؓ نے اس حکم کی تعمیل میں اہل اسکندریہ پر خراج عائد کر دیا۔ شمار ہوا تو خراج دینے والوں کی تعداد چھ لاکھ تھی اس طرح مصر از راہ مصالحت فتح کیا گیا مصر میں سرمایہ داروں پر چار دینار، درمیانہ درجہ پر دو دینار اور غربا پر ایک دینار فی کس جذیہ عائد کیا گیا مصر بیک وقت صلح و شمشیر سے فتح ہوا۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ سرزمین مصر میں جو لڑائیاں ہوئیں۔ وہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہوئیں۔ مسلمانوں اور مصریوں کے درمیان نہیں اہل مصر غیر جانبدار رہے رومیوں کے مذہبی استبداد اور اقتصادی استحصال نے قبطیوں کو ان کی طرف سے حد درجہ متنفر کر رکھا تھا۔ جب عربوں نے رومیوں پر فتح پائی۔ تو انہیں مصر سے نکال کر ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اس حقیقت کے پیش نظر ان رومیوں کے مقابلے پر جو عربوں سے لڑے اور شکست کھائی۔ مصر بہ زور شمشیر فتح ہوا لیکن ان مصریوں کے مقابلے میں جو عربوں سے جنگ آزمانہ ہوئے ان کی تسخیر طاقت و قوت کا نتیجہ قرار نہیں دی جا سکتی یہ مصالحت اور جذبہ کی ادائیگی پر ذمی بن گئے۔

بہر حال جب مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہو گئی اور رومی شکست کھا کر سرزمین مصر سے نکل گئے۔ تو سپہ سالار کی مہم ختم ہو کر سیاست دان کی مہم شروع ہوئی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ ہر مرحلے پر ایک تجربہ کار سیاست دان ثابت ہو چکے تھے حضرت عمرؓ بن خطاب ان کی اس بے نظیر صلاحیت سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے ابن عاصؓ کو مصر کا والی بنا دیا اور ابن عاصؓ نے مصر کی سیاست اور اس کے انتظام میں وہ نمایاں کارنامے سرانجام دیئے جن کے سامنے فتح مصر بھی ماند پڑ گئی۔ حالانکہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ جنگی مقاصد میں بھی انہوں نے محیر العقول کامیابیاں حاصل کیں۔

1- مذہبی آزادی :

چنانچہ سب سے پہلا حکم جس کا اعلان حضرت عمرو بن عاصؓ نے نوبہ سے اسکندریہ تک تمام لوگوں میں کرا دیا تھا یہ تھا کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے اور عقیدے کی آزادی ایک مقدس چیز ہے اس لئے کسی شخص کی آزادی اور مال و دولت کو اس کے دین یا مذہب کی وجہ سے نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اور جو کوئی ایک مذہب سے دوسرے مذہب یا ایک فرقے سے دوسرے فرقے میں جانا چاہے جا سکتا ہے اور اسے کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی۔ البتہ جو کوئی اسلام قبول کرے گا وہ مسلمانوں کے حقوق و فرائض میں برابر کا شریک ہو جائے گا۔ اس پالیسی کو ایسی حکمت عملی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

2- ٹیکسوں اور مراعات کے معاملات میں مساوات :

چنانچہ جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے غیر منصفانہ ٹیکس ختم کئے اور ان کی ادائیگی میں کسی قسم کا امتیاز باقی نہ رکھا تو یہ مساوات اور یہ بوجھ کی کمی ابن عاصؓ کی سیاست کی مقبولیت کا سبب بن گئی۔ ٹیکسوں کے معاملہ میں عدل و مساوات کو بنیاد بنایا گیا۔

3- عدل وانصاف :

بلا امتیاز ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں عدل وانصاف ہو گا۔

شہر فسطاط کی تعمیر :

عمرو بن عاصؓ حضرت عمرؓ سے اسکندریہ کو اپنا پایہ تخت بنانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے پوچھا

میرے اور مسلمانوں کے درمیان دریا تو حائل نہیں ہوگا۔ قاصد نے جواب دیا "امیر المومنین طغیانی کے وقت دریائے نیل حائل ہوگا۔ انہوں نے ابن عاصؓ کو لکھا "میں مسلمانوں کا کسی ایسی جگہ قیام پسند نہیں کرتا۔ جہاں گرمی یا سردی میں میرے اور ان کے درمیان دریا حائل ہو۔ جب یہ مکتوب ابن عاصؓ کے پس پہنچا تو امیر المومنین کی مرضی کے مطابق اس سے بہتر کوئی جگہ نہ پائی جو قلعہ بابلیون کے جوار میں تھی یہ مقام دریا کی اہم گزرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ نیل کی ان شاخوں کے سنگم پر واقع تھا جو ڈیلٹا میں پھیلی ہوئی تھیں وہ منف کے بھی قریب تھا جو فراعنہ کے عہد میں مصر کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ پھر اس کے اور حجاز کے درمیان کوئی دریا بھی حائل نہ تھا اور حضرت عمرؓ جب چاہتے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر دریا عبور کئے بغیر اس تک پہنچ سکتے تھے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے قلعہ بابلیون کے اثنائے محاصرہ میں اس کے قریب ایک خیمہ نصب کر لیا تھا۔ جسے ان کے ساتھی "قبہ فسطاط" کے نام سے پکارتے تھے۔ جب ابن عاصؓ نے اسکندریہ پر کمر باندھی تو خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا۔ لیکن وہاں ایک کبوتری نے بچے دے رکھے تھے ابن عاصؓ نے کہا۔ "اس نے ہمارے ساتھ رہ کر حرمت قائم کر دی ہے" اور حکم دیا کہ جب تک بچے نہ اڑ جائیں۔ خیمہ نہ اکھاڑا جائے اس کے بعد جب وہ اسکندریہ سے واپس ہوئے تو فوج کو خیمے کے قریب پڑاؤ ڈالنے اور اس کے گرد مکان بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح شہر کی بنیاد پڑھی اور وہ مختلف عربی محلوں میں تقسیم ہو گیا جس کی تعمیر قبطیوں نے کی۔ ابن عاصؓ نے خیمہ کی جگہ اور اس کے چاروں طرف باغوں اور انگور کی بیلوں کے درمیان ایک مسجد ہوائی۔

ابن عاصؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے لئے بھی ایک مکان بنوایا اور حضرت عمرؓ کو لکھا ہم نے مسجد جامع کے قریب آپ کے لئے ایک مکان بنوایا ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا حجاز میں رہنے والے ایک آدمی کا مکان مصر میں کیسے ہو سکتا ہے؟ اور حکم دیا کہ اسے مسلمانوں کے لئے بازار بنا دیا جائے ابن عاصؓ نے اس حکم کی بھی فوراً ہی تعمیل کر دی۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے یہ کھلی جگہ پسند کر کے فسطاط کا شہر آباد کر دیا۔ تاکہ مسلمان اہل مصر کو ان کے گھروں سے نکال کر ان پر خود قبضہ نہ کر لیں اور اس طرح ہر اس زیادتی سے دامن بچا لیا۔ جو مصری عوام کے لئے بے چینی اور ناراضگی کا سبب بن سکتی تھی ہو سکتا ہے اس سے ان کی مراد یہ بھی ہو کہ ایک اسلامی شہر بسا کر مسلمانوں کے لشکر سے رابطہ پیدا کیا جائے اور مسلمانوں کے خاندان اس شہر میں آباد ہو کر ایک ایسا ماحول بنا لیں۔ جس میں وہ اپنے معاشرے کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بصرے اور کوفے کو آباد کر کے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کیا تھا لیکن ابن عاص مصر کے والی تھے۔ انہوں نے جب اس شہر کو اپنا مستقر حکومت بنایا تو رونق و آبادی تیزی سے بڑھنے لگی۔ اہل مصر کے بہت سے گروہ مختلف گوشوں سے سمت سمت کے یہاں آئے اور جائیدادیں بنا کر رہنے لگے۔ اس طرح شہر فسطاط سارے ملک کا دار الخلافہ بن گیا۔ چنانچہ اس کی وسعت و آبادی میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور آبادی کی کثرت نے اسے مرکز تجارت بنا دیا۔ یہ دیکھ کر اسکندریہ اور منف کے سربر آوردہ لوگوں نے بھی فسطاط کا رخ کیا۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے شہر فسطاط میں قیام فرمایا اور اپنی سیاسی پالیسی کے متعلق سوچ بچار کرتے رہے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے عقیدے کی آزادی کو اپنی سیاست کا سنگ بنیاد بنایا تھا۔ چنانچہ جب قبطی راہبوں کو اس پالیسی کا علم ہوا اور اس کی صحت و صداقت میں انہیں کوئی شک و شبہ نہ رہا تو ان کی ایک بہت بڑی تعداد ان کلیساؤں سے نکل کر جہاں مذہبی استبداد

کے زمانے میں انہوں نے پناہ لی تھی۔ اطاعت کا اعلان کرتی ہوئی ابن عاصؓ کی طرف آئے۔

حتانے مصریوں کا یہ قول بھی نقل کیا ہے "رومی سرزمین مصر سے اس لئے نکالے گئے اور مسلمان ان پر اس لئے فتح یاب ہوئے کہ ہرقل نے انسانیت سوز گناہوں کا ارتکاب کیا تھا اور قیرس کے ذریعے سے قبطیوں اور ان کے مذہب پر بے انتہا ظلم ڈھائے تھے۔ مصر میں رومیوں کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامرانی کا یہی بڑا سبب ہے۔

اس مذہبی آزادی کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے رومی اور مصری دانش مندوں کو مختلف مذاہب پر غور کرنے کا موقع مل گیا اور ان میں سے اکثر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ انہوں نے مسیح فرقوں کے باہمی جھگڑے اور عیسائیوں کی ایک دوسرے پر دست درازیاں دیکھیں اور مسیحیت سے بیزار ہو کر عقلی آزادی کی روشنی میں ایک ایسے عقیدے کی راہ تلاش کرنے لگے۔ جسے وہ اپنی مرضی سے اختیار کر سکیں اور اپنے اس ابتدائی دور میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب تھا جو کائنات کو ہر قید سے آزاد ہو کر دیکھنے کی دعوت دیتا تھا اور اس وقت تک ہر قسم کی گروہ بندیوں سے پاک تھا۔ اس کے ماننے والے اس نفرت انگیز تعصب سے بالکل ناآشنا تھے جو ایک فرقے کو دوسرے فرقے کا دشمن بنا دیتا ہے۔ اس کے برعکس ہر صاحب عقل و بصیرت کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا تھا اور قرآن کریم کی ارفع و اعلیٰ تعلیمات دلوں کو اپنی طرف کھینچ کر انہیں ایمان و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیتی تھیں۔

حضرت عمرؓ بن عاص نے عقیدے کی آزادی کے تحفظ و احترام اور ٹیکسوں کی وصولی' اصلاحی کاموں کی تکمیل اور عدل و انصاف کی اقامت کے سلسلے میں ایک پالیسی مرتب فرما کر اپنے ماتحت افسروں کو بہ طور خاص تاکید کر دی کہ اسے ہر قیمت پر روبہ عمل لائیں۔

جب وقت کے ساتھ ساتھ وہ از خود نئے زمانے کے سانچے میں نہ ڈھل جائے چونکہ فتح مصر کے وقت صوبائی نظم و نسق رومی افسروں کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے ضرورت و مصلحت یہی تھی کہ انہیں ان کی خدمات پر بحال رہنے دیا جائے اور عرب فاتح دیدہ وری کے ساتھ حالات کا مطالعہ اور موقع و محل کے اعتبار سے نظام حکومت میں مناسب اور معتدل تبدیلیاں کرتا رہے۔ تاکہ اہل ملک کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حصہ بھی مل جائے اور نظام میں بھی کوئی ایسی برہمی پیدا نہ ہو۔ جو حاکم و محکوم دونوں کے لئے یکساں پریشانی و نقصان کا سبب بنے۔

ابن عاصؓ مصر کے ہر واقع اور اپنے ہر اقدام کی اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیجتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ بنیامین اپنی قوم میں بڑی حیثیت و منزلت رکھتا ہے تو انہوں نے ابن عاص کو لکھا کہ وہ مصر کی حکومت اور اس کے باشندوں کی آسائش کے لئے قبطیوں کے اس بطریق کی رائے سے فائدہ اٹھائیں۔ بنیامین نے بھی مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لیا اور ابن عاصؓ نے اس کا کھویا ہوا سارا اثر و نفوذ اسے بخش دیا۔ بنیامین کا مشورہ یہ تھا کہ زمین کی پیداوار کا خراج اس وقت وصول کیا جائے جب لوگ اناج کاٹنے اور انگور نچوڑنے سے فارغ ہو جائیں۔ مصر میں جگہ جگہ نہریں کھودی جائیں۔ پلوں کی مرمت کی جائے اور ہر سال نہروں کی درستی ہو۔ عمال کو تنخواہیں وقت پر دی جائیں کہ وہ رشوت نہ لیں حکومت کے ملازموں کو تاکید کی جائے کہ وہ لوگوں کے کاموں میں بے جا رکاوٹیں ڈال کر انہیں نہ ستائیں اور عوام پہ کوئی ستم پیشہ حاکم مسلط نہ کیا جائے۔ ابن عاصؓ اس

مشورے سے بہت خوش ہوئے اور ملک کے مختلف گوشوں میں اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ وہ اس پر عمل کریں۔

اور شاید بنیامین کے مشورے سے پہلے ہی ابن عاصؓ اصلاحی کاموں کے متعلق سوچ رہے تھے سب سے پہلے جس اہم ترین کام کا خیال ان کے دل میں آیا۔ وہ خلیج تراجان کی کھدائی تھی جو دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملاتی تھی اور جس سے مصر اور جزیرہ نمائے عرب کے ساحلی شہروں کے درمیان آمدورفت میں بڑی سہولت پیدا ہوسکتی تھی۔ (یہ خلیج تراجان کے عہد (غیر انسانی ظالمانہ رسم کا مصر سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔)

عروس نیل کا افسانہ:

جب مصر میں اسلامی حکومت کا دور شروع ہوا تو ان کو معلوم ہوا کہ وہاں دریائے نیل کے متعلق ایک بے بنیاد افسانوی کہانی مشہور بھی جو سراسر وہم اور تخیل کی پیداوار تھی یہ کہانی یہ تھی کہ دریائے نیل میں ہر سال اس کی طغیانی یعنی پانی کے بہاؤ کے وقت عید کی تقریب منائی جاتی تھی اور دریائے نیل کے دیوتا حاجی اور اس کی بیوی ربیت دیوی کے لئے کاہن پادری اور ان کے مذہبی پیشواؤں نے یہ قصہ مشہور کر رکھا تھا کہ نیل کے بہاؤ کے وقت جب اس میں پانی کا سیلاب آتا تھا اور نیل کے ساحل پر آباد زمینوں کو کاشت کے لئے وافر پانی مہیا ہو جاتا تھا جس سے مصر میں زرعی پیداوار ہوتی تھی اور لوگ خوشحال ہو جاتے تھے اس نیل کو طغیانی کے لئے ہر سال ایک نوجوان عورت کو دلہن بنا کر دریائے نیل کی نذر کر دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے نیل کا دیوتا حاجی اور اس کی بیوی ربیت خوشی ہو کر دریائے نیل کو پانی سے بھر دیتے تھے اور اردگرد کا علاقہ سیراب ہو جاتا تھا اس بے بنیاد وہمی قصہ کو مصری عروس نیل کی قربانی قرار دیتے تھے اور ایک معصوم نوجوان لڑکی کی جان ضائع کرتے تھے اس ایک تقریب کی صورت میں عید عروس نیل قرار دیتے اور مناتے تھے جب حضرت عمرو بن عاصؓ کو اس ظالمانہ رسم کا علم ہوا تو آپ نے مصریوں کو حکم دیا کہ اسلام اس قسم کے غیر انسانی ظالمانہ رسم ورواج کی اجازت نہیں دیتا یہ توحید اور انسانیت اور عقل وشعور کا دین ہے چنانچہ حضرت عمروؓ نے حضرت عمرؓ کو اس غیر انسانی رسم ورواج کے متعلق تحریر فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو مشرکانہ غیر انسانی اور غیر اسلامی وہم کی پیداوار قرار دے کر دریائے نیل کے نام ایک رقعہ تحریر فرمایا جس کا مضمون حسب ذیل تھا "ہم تم کو ایک رقعہ بھیج رہے ہیں۔ آپ اس کو دریائے نیل میں اس دن ڈال دیں جس روز اس میں طغیانی کا وقت آگیا ہو" حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصریوں کو مطلع کر دیا کہ اس سال عروس نیل کی غیر انسانی قربانی نہیں ہوگی بلکہ ہمارے امیر المومنین کا حکم نامہ دریائے نیل کو پہنچا دیا جائے گا اور نیل حسب سابق پانی سے بھر جائے گا۔ چنانچہ اس رقعے کو کھول کر پڑھا گیا تو اس میں نیل کے نام حکم تھا کہ "اللہ کے بندے امیر المومنین عمر فاروقؓ کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو نہ بہہ لیکن اگر تم میں روانی پیدا کرنے والا۔ اللہ تعالی ہے تو ہم اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ میں روانی پیدا کر دے حضرت عمروؓ نے عید صلیب سے ایک دن قبل اس رقعہ کو دریا میں ڈال دیا اور جب مصری صبح کو سو کر اٹھے تو دریا پوری طرح پانی سے بھرا ہوا بہ رہا تھا اور یہ سے ہزاروں برس پہلے فراعنہ نے کھدوائی تھی۔ تراجان نے تو اسے صرف درست کرایا تھا۔ یعنی صفائی کے بعد اسے اور گہرا کرا دیا تھا پھر جب مصر پر روم وایران کی مسلسل چڑھائیاں

ہوئیں اور ہر طرف ظلم واستبداد کی آگ بھڑکنے لگی تو یہ نہر بے توجہی کا شکار ہو کراٹ گئی۔
آخر کار ابن عاصؓ نے پھر اسے پہلے کی طرح جاری کرانا چاہا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مصر کی عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے انہوں نے اس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا اور بہت ہی قلیل مدت میں جو پورا ایک سال بھی نہ تھا اسے پایہ تکمیل کو پہنچادیا۔ حالانکہ نہر کی لمبائی ساٹھ میل سے بھی کچھ زیادہ ہی تھی۔

کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا افسانہ :

کتب خانہ اسکندریہ دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ تھا اور اس میں ہر علم وفن کی ایسی ایسی نفیس کتابیں تھیں۔ جن کی مثال دور حاضر کے کتب خانوں میں بھی مشکل ہی سے ملے گی یہ کتب خانہ بطالسہ نے اسکندریہ کے اس عجائب خانے کے مختلف کمروں میں قائم کیا تھا جو شاہی محلوں کے قریب واقع تھا اور اس میں سات لاکھ کتابیں جمع کی تھیں۔ ایسے کتب خانے کو جلانا ناقابل معافی جرم اور انسانیت کے حق میں ایک ایسا بدترین گناہ ہے جس کا ارتکاب وحشی قبائل ہی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ قبطیوں کا ایک پادری جس کا نام حنا نحوی تھا فتح مصر کے بعد حضرت عمرؓو بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ رومیوں کے کتب خانے میں جو فلسفے کی کتابیں ہیں وہ ہمیں عنایت فرما دیجئے ابن عاص نے فرمایا کہ میں امیر المومنین کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا میں ان کی رائے معلوم کرتا ہوں چنانچہ عمرؓو بن عاص نے اس معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے معلوم کی جس کا جواب مدینے سے یہ آیا کتابوں کے بارے میں جو تم نے لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان میں سے وہ وہی کچھ ہے جو کتاب اللہ میں ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس کے خلاف ہے تو ہمارے کس کام کی انہیں جلادو۔ جب یہ خط ابن عاص کے پاس پہنچا تو انہوں نے کتابوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے حکم کی تعمیل کی اور اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دی گئیں۔ جہاں ان سے چھ مہینے تک آگ روشن کی جاتی رہی۔ یہ ہے قبطی کی روایت کا خلاصہ۔ بعض

مسلمان مورخین نے اس عجیب قصے کو اپنی کتابوں میں جوں کا توں درج کر دیا۔ لیکن مغربی مصنفین نے قصے کی تحقیق کی تو یہ سراسر جھوٹا اور بے بنیاد ثابت ہوا۔ کیونکہ حنا نحوی تو مسلمانوں کے مصر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مر چکا تھا اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ جب عربوں سے مصر فتح کیا تو اسکندریہ کا یہ کتب خانہ موجود تھا۔ مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ کتب خانہ 48ء میں اس وقت جل گیا تھا۔ جب سیزر اسکندریہ پہنچا اور بندرگاہ کو گھیر کر جہازوں کو آگ لگادی آگ کے شعلے بلند ہو کر پھیلے اور اس کتب خانے کو جلا کر راکھ بنادیا یعنی کہ یہ کتب خانہ عربی فتح سے چھ صدی پہلے جل چکا تھا۔ بد قسمتی سے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے درمیان اختلافات مصر کی آمدنی جذیہ اور خراج وغیرہ کے متعلق شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے اگر حضرت عمرؓ شہید نہ ہو جاتے تو ممکن ہے کہ وہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیتے۔ جیسا کہ بعد میں حضرت عثمان غنی خلیفہ سوم نے حضرت عمرؓو کو معذول کر دیا۔ اس تنازعہ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرو بن عاصؓ مصر کی آمدن کا بیشتر حصہ مصر کے تعمیر وترقی کے کاموں پر خرچ کر دیتے تھے آپ کو مصر کی ترقی خوشحالی اور عوام کی فلاح وبہبود کا بہت خیال تھا اس لئے رقم یہاں ترقیاتی کاموں پر خرچ ہو جاتی تھی اور بہت کم رقم مدینہ بھیجتے تھے ادھر حضرت عمر فاروقؓ کو

سلطنت اسلامیہ اس کے ترقیاتی کام دفاع' اصلاح اور عوام کو وظیفوں کی ادائیگی اور دیگر اہم منصوبوں کے لئے کثیر رقم کی ضرورت تھی اور حضرت عمرؓ کی طرف سے مطلوبہ رقم نہیں پہنچ رہی تھی۔ دونوں بزرگوں کے درمیان تلخ مراسلات ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا اور حالات دن بدن کشیدہ ہوتے گئے یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ شہید کر دئے گئے ان دنوں حضرت عمرو بن عاصؓ بھی مدینہ میں موجود تھے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا اپنے دونوں عظیم الشان تاریخ ساز فاتحین حضرت خالد بن ولیدؓ فاتح عراق و شام اور حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کے ساتھ تعلقات کا کشیدہ ہونا تاریخ اسلام کا افسوسناک باب ہے بلاشک و شبہ تینوں بزرگ ہستیاں اسلام کے قابل فخر تاریخ ساز فاتح سیاستدان ہیں جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں بھی نقید المثال ہیں جن پر امت مسلمہ جس قدر بھی فخر و ناز کرے کم ہے ہم تینوں کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں اور کسی کو بھی ہدف تنقید بنانے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ فیصلہ اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے حضرت عمروؓ بن عاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا والی بنا دیا لیکن وہ مصریوں پر اسلامی حکومت کا اعتماد بحال نہ رکھ سکے۔ اور مصریوں نے قیصر کو قسطنطینہ ایک خط بھیجا کہ انتقام لینے کا اچھا موقع ہے۔ قیصر نے اپنے سپہ سالار مانویل کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ جو تین سو جہازوں کے بیڑے پر مشتمل تھا۔ اسکندریہ روانہ کر دیا اور اس نے ساحل پر اترتے ہی اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کی جتنی فوج وہاں تھی سب کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن سعد اس حملے کا مقابلہ نہ کر سکے اور امیر المومنین کو مدد کے لئے تحریر کیا۔ حضرت عثمانؓ نے عمرو بن عاصؓ کو بلا کر ان سے کہا کہ وہ مصر جا کر رومیوں کا مقابلہ کرے۔ انہوں نے کوئی انکار نہ کیا۔ بلکہ فوراً روانہ ہو گئے بابلیون پہنچے اور نقیوس کے مقام پر ابن عاصؓ کا رومیوں سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے رومی فوجوں کو شکست دے کر مصر سے نکال دیا اور اسکندریہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور امن و امان بحال کرنے کے بعد حکومت عبداللہ بن سعدؓ کے حوالے کر کے واپس آ گئے۔ جب حکومت حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے ابن عاص کو دوبارہ مصر کا والی بنا دیا۔ ابن عاصؓ نے بڑی سیاسی حکمت عملی سے مصر پر حکومت کی اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ مصر ہی میں ان کا انتقال ہوا اور وہاں ہی دفن کئے گئے۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے مصر کو فتح کیا۔ صرف چار ہزار کا لشکر لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور رومیوں کو شکست فاش دے کر پورے مصر میں قبضہ کر لیا۔ اسلامی مصر اپنے وجود کے لئے حضرت عمروؓ بن عاص کا احسان مند ہے اور صحیح معنوں میں حضرت عمروؓ بن عاص فاتح مصر ہیں۔

فاروق اعظمؓ کی عدیم المثال کامیابی کے اسباب

آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور تحریک اسلامی اور دین اسلام کے پیغمبر ہیں۔ آپ پر قرآن حکیم نازل ہوا۔ اور قرآن پاک کی تعلیمات پر حضورؐ نے پہلے خود عمل کیا اور پھر امت مسلمہ کو اس کی تعلیم دی۔ احکام اور ہدایات پر عمل کرنے کا درس حیات دیا۔ اسلام ایک عدیم المثال حیات افروز انسانی واصلاحی انقلاب تھا جس سے انسان مکمل طور پر اندر سے بدل گیا۔ اس کا ذہن اور نظریہ حیات بدل گیا۔ وہ مجسمہ انسانیت اور فرشتہ سیرت انسان بن گیا۔ ہر طرف مساوات واخوت' عدل و انصاف' حریت و آزادی' امن و سلامتی' محبت ورواداری' اور اخلاقی اقدار پر مبنی انسانیت کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ اس انقلابی جدوجہد کے دوران آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کرام کی ایسی تعلیم وتربیت کی کہ وہ سیرت و کردار اور انسانیت کے لحاظ سے مجسمہ شرافت ونجابت بن گئے۔ ان مشاہیر اسلام میں جذبہ جہاد شوق شہادت حق وصداقت ایثار و قربانی' عدل و مساوات عوام دوستی' احترام انسانیت اور لا اکراہ فی الدین کی آفاقی صفات پیدا ہو گئیں جو قرآن حکیم کی آفاقی تعلیم تھی آنحضرتؐ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام نے قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا کہ طاغوتی طاقتوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور دنیا کی پہلی عظیم اسلامی مملکت مدینہ قائم کر کے دس سال کے قلیل عرصہ میں جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل رقبہ پر مشتمل اس سلطنت کی تقریباً تمام آبادی کو تبلیغ اور جہاد کے ذریعے حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔ جو تاریخ عالم کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ چونکہ اس حیات افروز انقلاب کا ایک بنیادی مقصد حصول تعلیم' مشاہدہ فطرت' مطالعہ تاریخ' کائنات کے اسرار و رموز کی تحقیق و تدقیق اور تسخیر کائنات بھی تھا۔ تاکہ نوع انسانی اپنے ارتقاء ترقی اور عروج و کمال کے بلند ترین مقام کی شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔ لہٰذا اس انسانی انقلاب کے بعد نوع انسانی اپنے اس عظیم الشان نصب العین کی طرف بسرعت تمام سرگرم عمل ہو گئی۔ اور آج تہذیب و تمدن علم و حکمت سائنس و ٹیکنالوجی اور ترقی خوشحالی کی معراج کمال تک پہنچ چکی ہے۔

آنحضرتؐ کی زیر قیادت حضرت عمر فاروقؓ بھی اس تحریک اسلامی کے ایک سرگرم ہمہ وقت کارکن تھے۔ اس لئے انہوں نے حضورؐ پاک کی تعلیم و تربیت اور رفاقت سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا اور عمر بن الخطاب سے شاہکار رسالت اور فاروق اعظمؓ بن گئے اور آنحضرتؐ کی شفقت اور فیض سے آپ کے مشیر اور معاون خصوصی بن گئے اور وہ بلند مقام پایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمر فاروقؓ ہوتے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے دور خلافت میں جو فقید المثال کامیابیاں حاصل ہوئیں اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قبول

اسلام کے بعد آپ آنحضرتؐ کے انتہائی مخلص ہمہ وقت کارکن اور ساتھی بن گئے۔ آپ کی نظر کرم اور تعلیم وتربیت اور تجربات سے اپنی شخصیت کی ترقی وارتقا کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا۔ اپنوں اور غیروں میں بلند مقام حاصل کر لیا آنحضرتؐ کی وفات کے وقت امت مسلمہ اور مدینہ میں آپ کو عزت ووقار کا عظیم مرتبہ اور اعتماد حاصل ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سقیفہ بنو ساعدہ میں آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفۃ الرسولؐ منتخب کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

لہذا حضرت عمر فاروقؓ کی اپنے عہد خلافت میں فقید عدیم المثال کامیابی کا حقیقی راز یہ ہے کہ آپ قرآن حکیم کی تعلیمات اور آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوئے اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر غیر متزلزل ایمان و عمل آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔

ا- اسلام ایک بین الاقوامی انسانی انقلابی تحریک تھی جس کا نصب العین وحدت دین کی اساس پر وحدت انسانیت اور خلافت آدم کا قیام تھا یہ دونوں مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک معاشرے کی بنیاد خالص توحید الٰہی اور عدل و مساوات انسانی پر استوار نہ ہو۔ جس میں متضاد معاشی معاشرتی' سیاسی اور قومی طبقات نہ ہوں تمام بنی نوع انسان کے حقوق و فرائض یکساں ہوں ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق حاصل اور بنیادی ضروریات زندگی فراہم ہوں۔ ذات پات کی اونچ نیچ نسل و قبیلہ اور رنگ وزبان کے امتیازات اور قومیت ووطنیت کے تعصبات نہ ہوں۔ کسی قسم کا جبر واستحصال اور طبقاتی کشمکش نہ ہو۔ ایسا نظام حیات قرآن حکیم کی تعلیمات اس کے احکام قوانین اور ہدایات پر عمل پیرا ہو کر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ ایسا آفاقی نظام حیات حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ مدینہ میں نافذ کیا جسے صحیح معنوں میں اسلامی انسانی نظام حکومت کہا گیا جو آپؓ کے بعد نا صرف مملکت اسلامیہ بلکہ دنیا کے اور کسی ملک و قوم میں بھی نافذ نہیں ہوا۔ یہ خالص اسلامی نظام کا نفاذ حضرت فاروق اعظمؓ کی کامیابی کا سب سے اولین سبب تھا۔

اا- حضرت عمر فاروقؓ عاشق قرآن مفسر قرآن اور مفکر اسلام تھے آپ مجتہد اور اسلام میں سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ تمام امور سلطنت اور دیگر انفرادی اور اجتماعی معاملات کا فیصلہ قرآن حکیم کے عین مطابق کرتے تھے جب آپ نے اپنی قوم کے سامنے قرآن پیش کر دیا کہ عدل وانصاف اس کی تعلیم کے مطابق ہو گا اور دینی ودنیاوی معاملات میں یہی ہمارا رہنما اور قول فیصل ہے۔ تو ملت اسلامیہ میں ایک عظیم اخلاقی انقلاب پیدا ہو گیا۔ انہوں نے اپنی انفرادی اجتماعی اور قومی زندگیاں قرآن کے احکام کے مطابق تبدیل کر لیں۔ ان کی سیرت وکردار اور مقصد حیات اسلام کی تبلیغ واشاعت خالص انسانیت کا لائحہ عمل خدمت خلق جذبہ جہاد شوق شہادت اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول بنا لیا اور اپنے خلیفہ وقت کے ہر فیصلے ہر پروگرام اور ہر حکم کی تعمیل اپنا دینی ودنیاوی فرض قرار دے لیا۔ تو نا صرف ملک کے اندر مکمل امن وامان اور عدل وانصاف کا ماحول قائم ہو گیا بلکہ پوری قوم حضرت عمر فاروقؓ کے ہر پروگرام ہر فیصلے اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے کمربستہ ہو گئی تو حضرت عمر فاروقؓ اپنے ہر فیصلے پر پورے اعتماد اور یقین محکم کے ساتھ کہ ساری قوم میرے ہر فیصلہ پر بنیان موصوص بن کر عمل پیرا ہو گی تو قوم کی ترقی فتوحات' معاشی و معاشرتی اصلاحات کے لئے جرات مندانہ فیصلے کئے اور کسی کو مخالفت کا تصور بھی پیدا نہ ہوا۔ حضرت خالد

بن ولیدؓ فاتح عراق وشام اور حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر جیسے عظیم جرنیلوں اور فاتحین کو بھی مجال انکار نہ تھی اور ان کو بھی حضرت فاروقؓ کا ہر فیصلہ تسلیم کرنا پڑا۔ یہ آپ کی مضبوط پالیسی کا نتیجہ تھا کہ کسی کو مجال انکار نہ تھی۔

3- مدینہ سے دور دراز علاقوں کے والی اور عمال حکومت اور فوجوں کے سپہ سالاران کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے آپ کا حکم تھا کہ سادہ زندگی اختیار کرو۔ ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں انصاف کرو۔ لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو حل کرو کسی کو شکایت کا موقع نہ دو۔ امن وامان قائم رکھو اور عوام کے ترقیاتی کاموں کی طرف خاص توجہ دو۔ انہوں نے اپنے عمال حکومت اور مختلف علاقوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے محکمہ اطلاعات قائم کر رکھا تھا جس کی وجہ سے آپ کو تمام مملکت کے حالات کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں آپ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ جیسے مدبر اور بہادر شخص کو محکمہ اطلاعات کا سربراہ مقرر کر رکھا تھا جو مملکت کے دورے کر کے اور موقع پر جا کر حالات معلوم کر کے حضرت عمرؓ کو خبریں مہیا کرتے تھے۔ حج کے موقع پر تمام عمال حکومت مکہ میں جمع ہوتے تھے ان سے ان کے علاقوں کے تعمیری و ترقیاتی کاموں کی تفصیلات اور امن وامان اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق اطلاعات حاصل کرتے تھے اور ان کے خلاف لوگوں کی شکایات سنتے اور موقع پر ہی فیصلہ صادر فرماتے تھے عمال کی مشکلات مسائل اور تجاویز کو سنتے اور ان کی ضروریات مہیا کرنے اور مشکلات حل کرنے کا اہتمام کرتے۔ الغرض حضرت عمر فاروقؓ عوام اور عمال حکومت دونوں کی شکایات اور مسائل کے حل کے لئے پورے عدل وانصاف اور انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت اپنے فرائض ادا کرتے جس کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف عمال حکومت بلکہ مجاہدین اسلام بھی جو میدان جہاد میں دور دراز علاقوں میں جذبہ جہاد سے سرشار اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے ان کو حضرت عمرؓ پر پورا پورا اعتماد تھا کہ وہ ان کے اہل و عیال کی ایک باپ کی طرف دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کی تمام ضروریات اور مسائل کو حل کرتے ہیں لہذا وہ اپنے گھر کی طرف سے بے فکر تھے۔ لہذا تمام قوم پورے خلوص وجانثاری کے جذبہ کے تحت اپنے فرائض ادا کرتی تھی اور حضرت عمرؓ کی ذات پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ قوم کا اعتماد بھی آپ کی کامیابی کا ضامن تھا۔

4- عدل وانصاف :

حضرت عمر فاروقؓ کا حکم تھا کہ ہر حالت میں عدل وانصاف کرو خواہ عدل کا فیصلہ تمہارے اپنے ہی خلاف جاتا ہو۔ آپ ہمیشہ عدل کرتے تھے خواہ یہ فیصلہ ان کی اپنی ذات یا خاندان وقبیلہ کے افراد کے خلاف ہی کیوں نہ جاتا ہو۔ عدل فاروقی آج بھی بطور ضرب المثل دنیا میں مشہور ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کر دیا اور ان کے عہد خلافت میں قاضی رہے مگر اس تمام عرصہ میں ایک بھی مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں برائے فیصلہ نہ آیا۔ کیونکہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ وہ ہر حال میں انصاف کریں گے لہذا ان کی عدالت سے ہمارا ناجائز مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ قرآن کے نظام سے معاشرے کی اصلاح ہو چکی تھی اور لوگ دوسروں کا حق غصب کرنا گناہ عظیم تصور کرتے تھے۔ لہذا مقدمہ بازی ختم ہو چکی تھی اور حکومت کی طرف سے ہر غریب امیر کے ساتھ انصاف ہوتا تھا اور بلا امتیاز ہر شخص کو اس کے حقوق حاصل ہوتے تھے۔

5-مذہبی آزادی :

تمام غیر مسلم اقلیتوں کی جان و مال اور عزت و آبرو بھی محفوظ تھی۔ ان کی مذہبی عبادت گاہوں کی حفاظت اور مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ فتح بیت المقدس کے وقت حضرت عمر فاروقؓ نے جو معاہدہ صلح یعنی عہد نامہ ایلیا اور بیت المقدس کے نمائندگان اور وہاں کے بطریق یعنی سب سے بڑے پادری کو لکھ کر دیا وہ مذہبی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کا شاہکار ہے۔ جو بطور مستند یادداشت مندرجہ ذیل ہے :

یہ معاہدہ فتح بیت المقدس کے وقت خود حضرت عمر فاروقؓ کی موجودگی میں عیسائیوں کے معززین اور بطریق صفرینوس کو تحریر کر کے دیا اور اس طرح کے معاہدے دیگر شہروں کے غیر مسلمانوں اور ذمیوں کو بھی تحریر کر کے دیئے اور ان کے مطابق سختی سے عمل بھی ہوتا رہا۔

بیت المقدس کا معاہدہ 15ھ :

یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان مال، گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے خدا کو اور نہ ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائیگی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جذیہ دیں اور چوروں اور یونانیوں کو نکالدیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امن ہے۔ تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہائش اختیار کرے تو ان کو بھی امن ہے اور اس کو جذیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہئے تو ان کو اور ان کی گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا رسولؐ خدا کے خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشر طیکہ یہ لوگ جذیہ مقررہ ادا کرتے رہیں اس تحریر پر گواہ ہیں۔ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ مورخہ 15 ہجری تحریر شد اس معاہدہ میں واضح طور پر یہ قانون بنا دیا گیا کہ عیسائیوں اور دیگر ذمیوں کی جان، مال مذہب اور مذہبی عبادت گاہوں کو پور تحفظ حاصل ہو گا اور مسلمانوں کی طرح دیگر تمام بنیادی حقوق بھی حاصل ہوں گے۔ غیر مسلم حکومتوں میں ان کے مخالف مذاہب کے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل نہ تھی اور نا ہی جان و مال کا تحفظ اور کسی قسم کی آزادی حاصل تھی اور نا ہی انسانی حقوق حاصل تھے بلکہ ان کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر تھی۔ یہ صرف اسلام کی فراخدلی رواداری اور انسانیت اور اخلاقی اقدار تھیں کہ وہ تمام بنی نوع انسان کو مساوات اور احترام آدمیت کا حقدار تسلیم کرتے تھے مسلمان حکومت غیر مسلموں سے صرف جذیہ وصول کرتے تھے جو ان کی جان و مال کے تحفظ کے لئے ایک معمولی سا ٹیکس تھا اور اس کی ادائیگی سے عورتیں بچے بوڑھے مذہبی لوگ اور نادار غریب مستثنیٰ تھے حضرت عمر فاروقؓ نے بوڑھے اور ضعیف لوگوں سے نا صرف جذیہ وصول کرنے سے منع کر رکھا تھا بلکہ ان کو بوڑھاپے میں مسلمانوں کی

طرح وظیفہ بھی ملتا تھا تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنا آخری وقت گزار سکیں۔ الغرض حضرت عمرؓ کا دور انسانیت اور انصاف کا دور تھا اور وہ بلا امتیاز ذات پات نسل و قبیلہ 'مذہب و ملت ہر ایک کے ساتھ ہر حال میں عدل و انصاف اور مساوات و انسانیت کے سلوک کا حکم دیتے تھے حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو ان کی اہلیت و قابلیت کے مطابق ان کو حکومت کے مختلف محکموں میں ملازمتیں دیں۔ مفتوحہ ممالک کے کاشتکاروں کو ان کی زمینوں پر جو وہ جاگیرداروں اور زمینداروں کی ملکیت زمینوں پر مزارعین کی حیثیت سے کاشت کرتے تھے فاتح سپہ سالاروں اور مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے ان زمینوں کو ان کے قابض کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق عنایت کر دئے اور ان سے صرف مالیہ یا خراج وصول کرتے تھے اس طرح بے مالک کاشتکاروں کو جو عموماً غیر مسلم تھے سب کو زمینوں کے مالک بنا دیا اور ان کے سابقہ مالکوں کے جبر و استحصال سے نجات دلا دی یہ اتنا بڑا انسانیت کا کارنامہ ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ ہے عدل و مساوات فاروقیؓ اقتدار میں کرپشن بد دیانتی اور خود غرضی نہ تھی لوگ ان کی سیرت و کردار ایثار و قربانی خلوص و ہمدردی سے متاثر ہو کر خود بخود اسلام میں داخل ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ زمیوں پر ظلم و زیادتی نہ کی جائے اگر کوئی شخص غربت یا ناداری کی وجہ سے جذیہ ادا نہیں کر سکتا تو اس کو معاف کر دو۔ سختی نہ کرو مذہبی رسم و رواج میں زمینوں کو مکمل آزادی تھی وہ اپنے مذہبی جلوس نکالتے ناقوس بجاتے صلیب نکالتے اور ان کے مذہبی پیشوا اپنے مذہب کے مطابق تمام تقریبات منعقد کرتے۔ وعظ و تبلیغ اور اپنے مذہب کی اشاعت کرتے ان کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو اپنے مذہبی امور کے متعلق مکمل آزادی حاصل تھی زمیوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی بلکہ ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات رسم و رواج اور نشر و اشاعت کی مکمل آزادی اور رواداری کا سلوک ہوتا تھا الغرض مذہب کے معاملہ میں حضرت عمر فاروقؓ کا عہد خلافت مکمل عدل وانصاف کا دور تھا۔ بعض مستشرقین یا غیر مسلم مورخین کا یہ الزام سراسر حقائق وواقعات کے خلاف ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلایا اکثر غیر مسلموں نے جذیہ سے بچنے کے لئے یا ذاتی مفاد اور مراعات حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کیا لیکن تاریخ و روایات سے ظاہر ہے کہ اسلام اپنی حقانیت۔ انسانیت قرآن حکیم کی تعلیمات مساوات واخوت عدل وانصاف 'حریت و آزادی محبت و رواداری تبلیغ و اشاعت اور اس وقت کے مسلمانوں کی سیرت و کردار اخلاق و انسانیت اتحاد و اتفاق اور امن و سلامتی کی وجہ سے پھیلا اس وقت کے مسلمانوں میں مذہبی فرقہ بندی دولت کی ہوس نہ تھی حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں شام اور مصر کے لوگوں کو نہ صرف رومیوں کے معاشی جبر و استحصال سیاسی غلامی اور مذہبی ظلم و استبداد سے نجات دلائی بلکہ ان میں اسلام کی روشنی پھیلائی اور ان کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اس طرح ایران و فارس اور عراق کے لوگوں کو ایرانی شہنشاہیت کی خاندانی غلامی سے آزادی معاشی استحصال اور معاشرتی پس ماندگی سے نجات دلائی الغرض اسلام کی تعلیم اور اس وقت کے مسلمانوں کی سیرت و کردار اور اخلاق ہی ایسا تھا کہ لوگ خود بخود اسلام کی طرف چلے آتے تھے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں جتنے ممالک فتح کئے یعنی ایران عراق عجم 'فارس 'شام مصر اور فلسطین وغیرہ ان تمام ممالک کے لوگ دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے اور آج بھی اسلام کے قابل فخر مضبوط مراکز ہیں۔ اس کی اصلی بنیادی وجہ قرآن حکیم کی آفاقی تعلیم آنحضرتؐ کا اسوہ حسنہ اور حضرت عمرؓ کا عدل وانصاف مکمل مذہبی آزادی انسانی حقوق اور انسانی ہمدردی کی تعلیم تھی۔ اسلام ایک آفاقی اصلاحی انسانی

تحریک تھی جو تاریخ عالم میں خالق کائنات کے منشاء اور پروگرام کے مطابق معرض وجود میں آئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع اور مشکل کے وقت اس کی تائید و رہنمائی فرمائی اور چند ہی سال کے اندر اندر اسے فتح و نصرت اور محیر العقول کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا اس دور کے سیاسی' معاشی' معاشرتی' مذہبی' انسانی اور اخلاقی حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کے مندرجہ ذیل مقاصد اپنے منشور یعنی قرآن حکیم میں اپنے آخری نبی کی معرفت نازل فرمائے۔ اس کائنات اور بنی نوع انسان میں عظیم الشان انسانی انقلاب کے ذریعے ان کی سیرت و کردار کی تعمیر و ترقی باہمی محبت و رواداری مساوات واخوت' عدل وانصاف' حریت و آزادی' انسان دوستی اور احترام آدمیت انسانیت اور اعمال صالح جنت کی بشارت مکافات عمل یعنی نیک و بد اعمال کی جزا سزا پر ایمان کی تعلیم دی 2- اسلام کا اجتماعی معاشرتی نظام اس کے روحانی نظام کی طرح سادہ اور آسان ہے اللہ تعالیٰ کی خالص توحید جناب رسول اللہ کی نبوت پر ایمان اور ان کے احکام قوانین اور ہدایات کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے لئے ضابطہ حیات بنانا' 3- آنحضرتؐ نے مکہ میں تیرہ سال تک پر امن زبانی تبلیغ واشاعت اور رشد وہدایت کا راستہ اختیار کیا۔ آپ نیک اعمال اور انسانیت کا حکم اور برائیوں سے منع فرماتے تھے۔ آنحضرتؐ کے مخالفین خصوصاً قریش مکہ جو آپ کے ہم قبیلہ اور رشتہ دار بھی تھے وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ آپ ایک بلند پایہ نیک انسان ہیں جنہوں نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا آپ دیانتدار امین اور انسان دوست عظیم شخصیت ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ آپ اور آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے والوں پر انسانیت سوز مظالم اور زیادتیاں کرتے تھے آنحضرتؐ خود بھی صبر اور برداشت کرتے اور اپنے صحابہ کو بھی صبر و برداشت کا سبق دیتے۔ آخر جب قریش نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنالیا تو آپ اور آپ کے صحابہ اللہ کے حکم سے مکہ سے مدینہ ہجرت فرما گئے۔ مدینہ میں دس سال تک صبر آزما جدوجہد اور تبلیغ و جہاد کے ذریعے جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل رقبہ پر اپنی مملکت مدینہ قائم کرتے اور تمام آبادی کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے بعد 63 سال کی عمر میں وفات فرما گئے لیکن اپنے مشن یعنی اسلامی انقلاب کی عدیم المثال کامیابی کا تاریخ ساز کارنامہ انجام پذیر کر گئے جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

عقیدہ کی آزادی :

اسلام کی کامیابی کا راز اسلام نے دنیا میں ایک انسانی انقلاب برپا کر دیا اس کا برپا ہونا لازمی تھا کیونکہ اسلامی تعلیمات ایک انقلاب انگیز قوت اپنے اندر رکھتی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ یہ قوت انقلاب پیدا نہ کرتی۔ اسلام کو طاقت و قوت بخشنے والے عوامل میں عقیدہ کی آزادی کو بہت بڑا دخل تھا۔ اسلام آزادی ضمیر کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور دین کے معاملہ میں کسی شخص پر جبر کا روادار نہیں۔ وہ کسی کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور نہیں کرتا۔ البتہ وہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور عقل سلیم اس کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ اسلام نے آزادی ضمیر یعنی عقیدہ کی آزادی کا جو اصول دنیا کے سامنے پیش کیا اس پر عام مسلمانوں نے پوری طرح عمل کیا انہوں نے اسلام کے اس حکم پر کہ "لا اکراہ فی الدین" یعنی مذہب کے معاملہ میں جبر نہیں ہے۔ انہوں نے بے شمار دیگر ممالک اور علاقے فتح کئے لیکن کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا۔ بلکہ دیگر مذاہب کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی دی جو شخص اپنی آزاد رائے اور

مرضی سے اسلام قبول کر لیتا اسے وہی حقوق مل جاتے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہوتے تھے۔ وہ مساوات اور اخوت کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں کا بھائی اور ملت اسلامیہ کا ایک فرد بن جاتا اور اس کے حقوق و فرائض دیگر مسلمانوں کے برابر اور مساوی تھے جو شخص اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتا تھا اسے جذیہ ادا کرنا ہوتا تھا جو ایک قسم کا ٹیکس تھا جو ان کی جان و مال اور عزت و آزادی کے تحفظ کے لئے حکومت کو ادا کرنا ہوتا تھا یہ ٹیکس غیر مسلموں سے نفرت و حقارت یا ان کے شہری حقوق سے محرومی کا ثبوت نہیں تھا۔ غیر مسلمانوں کو مسلمانوں کی طرح مکمل سیاسی معاشی اور معاشرتی حقوق حاصل تھے یعنی تمام شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوتے تھے۔ مسلمان حکمرانوں یا فاتحین کی طرف سے غیر مسلمانوں سے کئے گئے معاہدات جو کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں گرجوں' معبدوں' مندروں' مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کی حفاظت اور مکمل مذہبی آزادی کی شقیں موجود ہیں۔ حضرت خالد اور حضرت عمر فاروقؓ نے بعض ایسے غیر مسلموں سے جذیہ وصول کرنا منسوخ کر دیا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے یا اسلامی سلطنت کے کسی حصہ کا دفاع کرتے تھے۔ اسلامی سلطنت کی بنیاد سب کے لئے عدل و انصاف مساوات و اخوت حریت و آزادی' اتحاد و اتفاق' امن و امان' محبت و رواداری اور بنیادی انسانی حقوق پر استوار تھی۔ یہی وجوہات تھیں کہ خالص عربی دور اقتدار اور ان کی عالمگیر فتوحات میں حکومت کی توسیع کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ بھی جاری رہی اور تمام مفتوحہ ممالک میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیلتا گیا۔ مگر خاندان بنو عباس جو بنو ہاشم یعنی حضرت عباس بن عبد المطلب کی نسل و قبیلہ سے تھا جس کا دار الخلافہ بغداد تھا وہاں پیشہ ور علماء کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا جو زیادہ تر عجمی تھے انہوں نے تبلیغ اسلام کی بجائے اسلام کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور فرقہ وارانہ محاذ آرائی کے دور کا آغاز ہو گیا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو چھوڑ کر فضائل و مناقب کی جھوٹی سچی روایات اور شخصیت پرستی کی بنیاد پر فرقہ بندی پیدا ہو گئی اسلام کی خالص توحید' اعمال صالح اور انسانیت کے آفاقی اصولوں کو فراموش کر دیا گیا۔ اسلام روبہ انحطاط اور ملت اسلامیہ زوال پذیر ہو گئی۔

ہندوستان میں قریباً پانچ سو سال تک مسلمانوں کے مختلف خاندانوں کی حکومت رہی۔ مگر دہلی اور اس کے گرد و نواح کے علاقے میں بھی مسلمانوں کی تعداد بیس فیصد سے زیادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ مسلمان حکمرانوں اور مختلف فرقوں کے علماء مشائخ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی طرف توجہ نہ دی۔ حکمران تو اپنے اقتدار کے تحفظ و توسیع میں لگے رہے اور دکن و شمالی ہند کے بعض علاقوں میں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہے۔ مگر علماء کرام اپنی مذہبی فرقہ بندی کی کشمکش میں مصروف رہے ان کی غالب اکثریت کم علم تنگ دل' تنگ نظر اور متعصب تھی عربوں والی فراخدلی انسانی ہمدردی اور اشاعت اسلام کا جذبہ نہ تھا۔ اس لئے ہندوستان کے پیشہ ور علماء نے یہاں کے لوگوں کو جو شرک اور بت پرست تھے ان کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہ کی۔ ورنہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے بہترین مواقع تھے کیونکہ ہندو مذہب کی بنیاد ذات پات کی اونچ نیچ پر تھی اور یہاں کی کثیر آبادی اچھوت تھی۔ ان کا معاشرہ میں کوئی انسانی مقام نہ تھا اور وہ ہندوؤں کی دوسری ذاتوں کے غلام اور خدمت گذار تھے۔ اگر ہندوستان کے علماء ہندو آبادی کے ان اچھوتوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے ان کو اسلام کی مساوات انسانی اور اخوت اسلامی کی تعلیم دیتے اور ان کا مرتبہ و مقام دیگر مسلمانوں کے برابر ہو جانے کا یقین دلاتے ان کو اسلامی عدل و انصاف' معاشرتی

اصلاح، محبت ورواداری اور انسانیت کے بلند مقام اور احترام آدمیت کا پیغام دیتے تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں کی غالب اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو جاتی۔ انسانوں کی غلامی پس ماندگی اور ذلت کی زندگی سے آزاد ہو کر مساوات واخوت اور اسلامی اتحاد و اتفاق کی باعزت اور باوقار زندگی سے بہرہ ور ہو جاتی اور آج پورا ہندوستان پاکستان ہوتا مگر افسوس کہ اس پانچ چھ سو سال کے طویل عرصہ میں ہمارے پیشہ ور علماء ومشائخ نے اپنا فرض ادا نہ کیا۔ ہوس دنیا اور مذہبی فرقہ بندیوں کے غیر اسلامی انتشار انگیز فتنہ وفساد میں مبتلا رہے۔ محبت ورواداری احترام آدمیت "لا اکراہ فی الدین" مذہب وعقیدہ کی آزادی کی بجائے غیر مسلمانوں سے نفرت و عداوت تنگ نظری تنگ دلی اور مذہبی تعصب ہمارے علماء کرام کی بھاری اکثریت کے نظریات ثانیہ ہیں انسان دوستی اور بنیادی انسانی حقوق کے آفاقی اصولوں سے قطعاً ناواقف ہیں۔

عقیدے کے معاملے میں ضمیر کی آزادی کو جبر واستبداد نہیں دبا سکتا۔ مذہبی آزادی انسانی زندگی کی بنیاد ہے۔ مذہبی تشدد کی وجہ سے ہی شام اور مصر کے لوگوں نے ہرقل کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ مسلمانوں کی امداد کی۔ شام اور عراق میں عرب قومیت نے بھی عرب فاتحین کا ساتھ دیا۔ ظاہرہ یا خفیہ مذہبی آزادی انسانی حقوق عدل وانصاف اور انسانیت کے جذبات نے بھی مسلمانوں کی امداد کی۔ کائنات ہستی میں اللہ تعالیٰ کا قانون فطرت ہے جو غیر متبدل ہے جس کے مطابق اقوام عالم میں عروج و زوال کا عمل اٹل ہے اسی سنت اللہ کے مطابق مسلمانوں کی فقید المثال فتوحات حاصل ہوئیں۔ مسلمانوں کو حریت فکر و عمل اور عقلی آزادی نے اتنی بلندی پر پہنچایا تھا کہ مختصر مدت میں ان کی سلطنت اتنی وسیع و عریض ہو گئی اور عربوں میں خود اعتمادی عزت نفس قومی اتحاد و مساوات کا جذبہ پیدا کر دیا جو ترقی کے آغاز سے ہی ان کی فطرت کا جزو بن گیا اور قیصر و کسریٰ کا عروج، وقار اور عزت و عظمت ان کی نظروں سے گر گئی۔ بقول اقبال۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

عربوں نے تعداد اور اسلحہ کی کمی کے باوجود ایرانیوں اور رومیوں کے بڑے بڑے لشکروں کو شکست فاش دی۔ قرآن حکیم کے نزول کے دوران ہی جب آنحضرتؐ کی قیادت میں اس کی تعلیم پر عربوں نے قبول اسلام کے بعد عمل کیا۔ تو ان میں ناقابل تسخیر عقابی روح پیدا ہو گئی تھی اور ان کے ذہنوں میں تمام دنیا "ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است" کا حقیقی جذبہ اور یقین محکم پیدا ہو گیا تھا اور میدان جنگ میں موت ان سے بھاگتی تھی اور دشمن موت سے بھاگتا تھا۔ مجاہدین کے نزدیک فوجوں کی تعداد کی کمی بیشی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ ان کا ایمان تھا کہ جنگ میں فتح فوجوں کی کثرت سے نہیں بلکہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کی امداد سے ہوتی ہیں کیونکہ قرآن کی تعلیم کے مطابق ان میں مساوات واخوت عدل وانصاف حریت و آزادی محبت و رواداری اور قانون مکافات عمل پر ایمان کی وجہ سے جذبہ جہاد شوق شہادت اور حصول جنت اور مال غنیمت کا حصول یقینی تھا اس لئے اب ان کی معنوی قوت اور عقابی روح ناقابل تسخیر اور ان کا اتحاد اور جوش و جذبہ بنیان مرصوص بن چکا تھا لہذا اسلام کے سنہری دور میں عرب کے مسلمان قرآن حکیم کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر چھتیس سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف فاتح عالم یعنی

دنیا کی عالمی طاقت بن گئے بلکہ سیرت کردار اخلاقی اقدار اور انسانیت کی وجہ سے فرشتہ سیرت انسان بھی بن گئے تھے۔ بلا مبالغہ حضرت عمرؓ کا دور غزوات اور فتوحات کا دور تھا۔ جس نے ہمیشہ مجاہدین کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ اور وہ مظفر و منصور واپس آئے۔ ان کی حکومت مشرق میں افغانستان اور چین شمال میں اناطولیہ اور قزوین مغرب میں طرابلس اور جنوب میں بلاد نوبہ سے جاملی تھی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا ارادہ اپنی حکومت کو اتنا وسیع و عریض کرنا نہ تھا حضرت عمرؓ کا منصوبہ یا پالیسی یہ تھی کہ عربوں کو ایک قوم میں ضم کر کے جو جنوب میں عدن سے لے کر شمال میں صحرائے ساوہ تک پھیلی ہوئی ہو اور شام اور عراق اس وحدت کے اندر آجائیں۔ کیونکہ یہاں عرب آباد تھے۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ اتنی فتوحات کا نہ تھا۔ بلکہ چاہتے تھے کہ ہمارے اور ایرانیوں کے درمیان آگ کا پہاڑ ہو۔ نہ ہم ادھر جاسکیں۔ اور نہ وہ ادھر آسکیں۔ اسی طرح ہمارے اور رومیوں کے درمیان ایک دیوار ہو اور ہم ایک دوسرے کے ملک میں نہ آجاسکیں۔

لیکن حالات وواقعات نے مجبور کر دیا کہ یہ جنگیں اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اسلامی احکام کے مطابق کچھ تبدیلیاں کر کے نظام حکومت وہی برقرار رہنے دیا گیا جو ابتدا سے ہی آنحضرتؐ کے عہد میں تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی بغاوت کے خلاف کامیابیوں نے مدینہ کا اقتدار حال کر دیا اور بلاد عربیہ میں سیاسی اتحاد اور استحکام مضبوط ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عظیم معنوی انقلاب پیدا کر دیا۔ جس کی بنیاد قرآن حکیم کے آئین اور تعلیمات کے مطابق استوار کی گئی اسلام نے ترقی واستحکام کا راستہ اختیار کر لیا۔ جو آنحضرتؐ کی مقدس سیرت و کردار اسلام کے روحانی نظام کے مطابق ایک نیا تمدن معرض وجود میں آگیا۔ اور سیاسی وحدت کا آغاز ہو گیا کہ عرب قوم ایک منظم مرکزی حکومت کے تحت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی۔ جس کا مرکز مدینہ تھا اور سربراہ مملکت منتخب خلیفہ تھا اور مملکت کا آئین قرآن حکیم تھا جب عربوں نے اسلام قبول کیا۔ عقائد و عادات کا اتحاد مکمل ہو گیا۔ تو ان کے نسلی اور لسانی رشتوں میں اتحاد مکمل ہو گیا۔ اور ان میں عرب قومیت کا شعور پختہ ہو گیا۔ جنگ اور فتح میں اشتراک اور مال غنیمت اور وظائف کی تقسیم نے ان میں اتحاد واستحکام پیدا کر دیا اور ایک مضبوط عرب قوم کا وجود قائم ہو گیا جس کے اتحاد عزت و وقار اور مفاد کے لئے عرب قومیت کا جذبہ اور تعصب پیدا ہو گیا اور حضرت عمرؓ جیسے مدبر انسان بھی پکے عرب قوم پرست بن گئے اور اعلان کر دیا کہ عرب غلام نہیں بن سکتا اور عربوں سے غلامی کی رسم ختم کر دی۔ مگر دیگر دنیا خواہ غیر عرب مسلمان ہی کیوں نہ ہوں ان سے غلامی کے رواج کو ختم نہ کیا آنحضرتؐ کی رسالت عرب قوم کا سرچشمہ اور اساس تھی۔ جسے خلیفہ اول اور دوم نے اس کو مضبوط بنیادیں مہیا کیں۔ وہ تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ عرب قومیت پر زیادہ زور دیتے اور مستحکم کرتے تھے ان کا یہ مقصد تھا کہ جس طرح عربوں کی زبان ایک ہے اس طرح ان کا وطن اور دین بھی ایک ہونا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کی نظر میں حکومت کی مصلحت کا تقاضا تھا کہ تمام جزیرۃ العرب میں صرف ایک ہی مذہب رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی خلافت کے آغاز میں ہی نجران کے عیسائیوں کو جزیرہ العرب سے نکال دیا۔ معلی بن امیہ کو یہ حکم دے کر نجران بھیجا۔ کہ جب اسلام کا نزول ہوا۔ تو اس وقت دنیا میں دو عالمی سپر طاقتیں کسریٰ ایران اور قیصر روم تھیں اور تمام مہذب دنیا ان دونوں عظیم حکومتوں کے درمیان منقسم تھیں۔ دونوں حکومتیں تہذیب و تمدن علوم و فنون اور مذہبی عقائد کی حامل تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ہولناک صحرائے شام واقع تھا یہ دونوں شخصی حکومتیں تھیں اور ہمیشہ برسرپیکار یعنی

جنگ وجدل میں مصروف رہتی تھیں۔ اور قریباً سات سو سال تک ایک دوسرے کے خلاف رہیں۔

قانون فطرت کے مطابق مشیت ایزدی سے صحرائے عرب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو اپنا نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اس پسماندہ عرب قوم کی اصلاح و تربیت اور انسانیت کے جوہر پیدا کرنے کے لئے اپنے قانون اور ضابطہ حیات کی کتاب قرآن حکیم کی صورت میں نازل فرما کر اور ان بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرانے والے خانہ بدوش قبائل کو دنیا کی مہذب ترین فاتح اور سپرپاور بنادیا۔ یہ عدیم المثال ترقی و عروج قرآن حکیم کی تعلیمات پر اپنے یقین محکم، عزم راسخ، عمل پیہم عقیدہ کی پختگی اور ایمان کامل کی وجہ سے مومن حقہ اور انسانیت کی اقدار پر عمل کرنے سے پیدا ہوئی۔ ایران اور روم کی عالمی طاقتوں میں اقتدار کی جنگ، مذہبی فرقہ بندی اور عوام کو حریت و آزادی اور عدل وانصاف سے محرومی آزادی فکر و عمل اور بنیادی انسانی حقوق سے محرومی مذہبی فرقہ بندی اور باہمی کشمکش کی وجہ سے یہ قومی اور انفرادی زوال نازل ہوا آزادی فکر و نظر سے انسان اور اقوام تسخیر کائنات کر سکتے ہیں قدرت کے اسرار و رموز معلوم کر سکتے ہیں۔

محیر العقول ایجادات واختراعات کر سکتے ہیں۔ اور پسماندہ و زوال پذیر اقوام پر حکومت کر سکتے ہیں ان کو اپنا غلام بنا سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بت پرستی آتش پرستی، شخصیت و نسل پرستی میں مبتلا اقوام کو توحید پرستی کا درس حیات پڑھا کر اقوام عالم کی سب سے ترقی یافتہ قوم بنادیا۔

ابتدائے آفرینش سے ہی حق وباطل کے درمیان آویزش چلی آرہی ہے مساوات واخوت عدل وانصاف حریت و آزادی فکر و نظر کی آزادی انسانیت اور توحید و حق پرستی کی فتح و کامیابی تھی۔

الغرض آنحضرتؐ کے دور میں دونوں سپرپاورز انتہائی کمزور ہو چکی تھیں اور ان میں عرب کی ابھرتی ہوئی نئی طاقت جس کو قرآن حکیم کی حیات افروز تعلیم اور آنحضرتؐ کی قیادت نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط کر دیا تھا اور جذبہ جہاد شوق شہادت اور مال غنیمت کے حصول کی خاطر ناقابل تسخیر بنادیا تھا حضرت عمر فاروقؓ کی زیر قیادت فاتح عالم بنادیا۔

اسلام کا اجتماعی معاشرتی نظام اس کے روحانی نظام کی طرح سادہ تھا ان کے نظام کی بنیاد مساوات واخوت انسان دوستی عدل وانصاف فضیلت کا معیار تقویٰ تھا مرد و عورت کے حقوق برابر تھے اور عورت کو عزت واحترام اور آزادی اور برابر کے حقوق حاصل تھے اور اللہ کی نظر میں دونوں برابر تھے اور اعمال کی جزا اور سزا دونوں کے لئے برابر تھی غریبوں کو برابر کے حقوق اور سب کو ترقی کے برابر کے مواقع حاصل تھے اسلام کی تعلیم سے عربوں میں اتحاد اور اخوت کا جذبہ پیدا ہوا اور ان کی معنوی قوتوں اور انسانی اقدار میں بے پناہ اضافہ ہوا اور صحیح معنوں میں ترقی پذیر قوم بن گئے۔ آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں ہی یمن کے ایرانی گورنر بازان شہنشاہ ایران کے تسلط سے آزادی کا اعلان کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور حضورؐ نے اس کو اس کی حکومت پر قائم رکھا اسی طرح غزوہ تبوک کے دوران جب آنحضرتؐ لشکر اسلام کے ساتھ شام کی سرحد پر پہنچے۔ تو رومی فوجوں نے مقابلہ نہ کیا۔ بلکہ پیچھے ہٹ گئیں۔ لیکن ایلہ جربا اور اذرح نے جو روم کے زیر اقتدار عیسائی حکمران تھے روم کے تسلط سے آزاد ہو کر جذیہ ادا کرنے کی شرط پر حضورؐ کی اطاعت قبول کر لی یہ شام میں مسلمانوں کی پہلی شاندار فتح تھی۔ جو حضورؐ کے دست مبارک سے حاصل ہوئی آنحضرتؐ کے عہد میں ہی جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے ان کے دل اسلام کی بنیادی تعلیم عقیدہ توحید و

انسانی وروحانی اقدار کے اصول اور نظریات سے راسخ ہو چکے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں جو بغاوت کا طوفان اٹھا قرآن کی تعلیمات نظریہ توحید اور وحدت عرب کے خلاف کسی نے انکار نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے مختصر دور خلافت میں اسلامی فتوحات اور اسلامی سلطنت کے فروغ کا راستہ ہموار کر دیا۔ آپ کے دوسرے سال میں مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں عراق میں شاندار فتوحات حاصل کیں اور دریائے فرات کے اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور دوسرے سال میں شام میں رومی فوجوں کو ذلت آمیز شکستیں دیں ایران اور روم کی فوجوں کو ان کے گھروں میں جاکر شکستیں دیں۔ جنگ میں فتح اسی کی ہوتی ہے جس کا عقیدہ مضبوط اور ایمان راسخ ہو اور لڑائی میں فتح و ظفر کی بنیاد معنوی قوت پر ہوتی ہے۔

آنحضرتؐ نے اسلامی سلطنت کی بنیاد عقیدے پر رکھی اور ابتدائی شاندار کامیابیوں کو پورے جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل رقبہ پر مشتمل مملکت مدینہ قائم کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے تحریک اسلامی اور عرب قومیت کو عراق اور شام تک پہنچا دیا اور وہاں محیر العقول کامیابیاں حاصل کیں حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام کی اس عدیم المثال عمارت کو نا صرف پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ بلکہ تاریخ عالم کی عظیم الشان سلطنت کو ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل رقبہ پر محیط دنیا کی واحد سپر پاور بنا دیا۔ جس کی بنیاد نظریہ توحید قرآن حکیم کے آئین وضابطہ حیات پر قائم تھی۔

آنحضرتؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے مملکت مدینہ اور مفتوحہ ممالک میں جو سیاسی حکمت عملی اختیار کی اس کے بھی دور رس نتائج برآمد ہوئے اس سیاست کے بنیادی قواعد واصول اسلام کے مطابق تھے۔ یعنی جمہوری نظام حکومت جس میں سب کے بنیادی حقوق اور مساوات واخوت' عدل وانصاف وغیرہ شامل ہیں۔ اسلامی فتوحات کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ اس وقت شام اور عراق میں عربوں کی کثیر تعداد آباد تھی اور انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ حیرہ بن لخمی خاندان اور شام میں غسانی خاندان کی حکومت تھی۔ جو ایران اور روم کے ماتحت تھے ان عربوں نے مسلمان حملہ آور عربوں کی امداد کی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی عظیم شخصیت ان کی سیاسی حکمت عملی انتظامی اہلیت وقابلیت اور آپ بہت بڑے مجتہد تھے اور ہر مسئلہ پر اپنی رائے رکھتے تھے اور مشورہ دیتے تھے عہد رسالت اور دور صدیقی میں بھی وہ تمام مذہبی سیاسی عدالتی اور انتظامی امور میں اس پورے اعتماد اور غور وفکر کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے اور اکثر ان کی رائے صائب ہوتی تھی فقہ کے مسائل کے آپ سب سے بڑے امام تھے اور فقہ کا کوئی مسئلہ نہ تھا جس کے متعلق ان کا فیصلہ سب نے تسلیم نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے کئی بار جناب رسول اللہؐ اور صدیق اکبرؓ سے بھی اختلاف رائے کیا تھا کئی بار وحی ربانی نے ان کی رائے کی تائید فرمائی۔ ملکی عسکری' انتظامی وسیاسی امور پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔ الغرض تحریک اسلام کی کامیابی میں عمر فاروقؓ کا کردار سب سے اہم اور بڑھ چڑھ کر تھا۔ عربوں نے قبول اسلام کے بعد جس خلوص وہمت اور عزم واستقلال کے ساتھ تحریک اسلامی میں سرگرم حصہ لیا اور جان ومال کی بے مثال قربانیاں دیں حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات کا کل رقبہ بیس لاکھ پچاس ہزار مربع میل سے بھی زیادہ تھا۔ اس میں شام' عراق' مصر' ایران' جزیرہ خوزستان اور عراق عجم وغیرہ شامل تھے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی شاندار فتوحات کی بنیادی وجہ اسلام کی تعلیمات اور آنحضرتؐ کی نبوت ورسالت پر ایمان ہے۔ آنحضرتؐ سے قبل صحرائے عرب کے بدو انسانیت

اور ہر اخلاقی قدر سے محروم تھے۔ ان میں دنیا جہان کی برائیاں اور کمزوریاں تھیں۔ عرب قبائل خانہ بدوشی کی حالت میں عرب کے وسیع و عریض علاقوں میں قبائل آزاد و خود مختار زندگی گزارتے تھے۔ ان میں کبھی منظم حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ان کا پیشہ بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرانا تھا چند ایک شہری آبادیاں مکہ' یثرب طائف اور خیبر وغیرہ تھیں یہاں کے لوگ عموماً تجارت پیشہ تھے عربوں کا مذہب بت پرستی تھا ہر قبیلے کا علیحدہ علیحدہ بت تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے خانہ کعبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا تعمیر کردہ مقدس گھر تھا۔ جس میں 360 بت تھے اور یہ لوگ دور دراز علاقوں سے خانہ کعبہ کے حج زیارت اور طواف کے لئے قافلوں کی صورت میں آتے تھے۔ صحرائے عرب کے یہ لوگ غیر مہذب' غیر منظم' پسماندہ اور جاہل قبائل کا مجموعہ تھے۔ جو ہمہ وقت ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے باہمی نفرت و عناد عداوت و حسد قبائلی تفاخر اور جہالت کی وجہ سے ان میں انسانیت کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ جنگ و جدل اور قتل و غارت گری چوری ڈاکہ' فسق و فجور' عیش و عشرت' جوا' شراب' زناکاری اور دیگر اخلاقی برائیوں میں غرق تھے۔ عورتوں کو کوئی عزت و احترام اور تحفظ حاصل نہ تھا۔ غلامی کا رواج تھا اور غلاموں اور غریبوں پر بے پناہ ظلم و ستم کرتے۔ انسانی ہمدردی' خوف خدا اور انسانیت کا کوئی شعور نہ تھا۔ جذبہ انتقام صدیوں تک چلتا تھا مصلحت اور درگزر کو جانتے ہی نہ تھے۔

نظریہ توحید' قرآن حکیم کی تعلیمات اور آنحضرت کی قیادت اسوۂ حسنہ اور تعلیم و تربیت نے جاہل پسماندہ عربوں میں ذہنی انقلاب پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر ایمان کامل کی وجہ سے ان میں یوم آخرت پر ایمان قانون مکافات عمل پر یقین اور انسانیت کا شعور پیدا ہو گیا۔ اور اس موت کے بعد کی زندگی اور اس کے انعام و اکرام اور جنت کے تصور سے ان کی نظروں میں یہ دنیا بے ثبات اور فانی نظر آنے لگی اور نیک اعمال کا ذوق و شوق بلکہ مقصد حیات بن گیا۔ موت کا خوف ان کے دلوں سے نکل گیا اور جذبہ جہاد اور شوق شہادت کی وجہ سے دشمن کے بے پناہ لشکروں اور ذرائع و وسائل کی بھی ان کی نظروں میں کوئی حقیقت و اہمیت نہ رہی۔

آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت اور اسوۂ حسنہ سے مسلمانوں کی سیرت و کردار میں ایک عدیم المثال انسانی انقلاب برپا ہو گیا۔ یہ ایسا حیات افروز انسانی اصلاحی انقلاب تھا جس سے وہ جاہل عرب مکمل طور پر اندر سے بدل گئے۔ ان کا ذہن اور نظریہ حیات بدل گیا۔ وہ مجسمہ انسانیت اور فرشتہ سیرت انسان بن گئے۔ ہر طرف مساوات و اخوت' عدل و انصاف' حریت و آزادی' امن و سلامتی' محبت و رواداری اور اخلاقی اقدار پر مبنی انسانیت کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ اس انقلابی جدوجہد کے دوران حضورؐ نے صحابہ کرام کی ایسی تعلیم و تربیت کی۔ کہ وہ سیرت و کردار اور انسانیت کے لحاظ سے مجسمہ شرافت و نجابت بن گئے۔ ان میں جذبہ جہاد شوق شہادت حق و صداقت' عدل و انصاف' مساوات و اخوت' انسان دوستی اور خدمت خلق کا ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔ ہر ایک کو اس کی بنیادی ضروریات زندگی کا حصول اور بنیادی انسانی حقوق حاصل ہو گئے۔ مال غنیمت میں سے خمس بیت المال کے لئے وقف کے بعد بنایا۔ تمام مال و اسباب بھیڑ بکریاں' اونٹ' لونڈیاں اور غلام بھی جنگ میں حصہ لینے والے مجاہدین میں حصہ برابر تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور ہر ایک کو اس کا برابر حصہ ملتا تھا۔ بقایا خراج اور جذیہ عام مسلمانوں میں ان کے گذارے اور اخراجات کے لئے وظائف کی صورت میں ہر ایک کو ان کا حصہ ملتا تھا اور کوئی مسلمان بیت المال سے محروم بھوکا نہیں رہتا تھا اور

تمام معاشرہ میں مکمل مساوات قائم تھی۔ کوئی نسل و قبیلہ اور وطنیت و قومیت کا تعصب نہ تھا۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی تھے اور ہر ایک کو حریت و آزادی اور ترقی کے مواقع حاصل تھے۔

شام میں طاعون کی وباء 17ھ

فلسطین کے ایک شہر ''عمواس میں طاعون پھیل گیااور اس کی چھوت نے پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بیماری کا حملہ اتنا شدید تھا کہ جس کسی کو ہدف بناتا اسے تیزی سے موت کے منہ میں پہنچادیتا۔ یہ وباء مہینوں تک پھیلی رہی اور پچیس ہزار مسلمان اس کا لقمہ اجل بن گئے۔ جن میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح' معاذؓ بن جبل' یزید بن ابی سفیان' حارثؓ بن ہشام سہیلؓ بن عمرو۔ عتبہ بن سہیلؓ اور اس مرتبے کے سینکڑوں اعیان واکابر شامل تھے۔ حارث بن ہشام اپنے ستر اہل خاندان کے ساتھ مدینہ سے شام گئے اور ان میں سے چار کے سوا باقی سب کے سب اس بلائے بے درماں کی نذر ہو گئے۔ کہاں جاتا ہے کہ اس طاعون میں جو شہریوں کی طرح فوجیوں میں بھی پھیل گیا تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی اولاد میں سے چالیس افراد کام آئے۔ اس تباہی نے لوگوں پر دہشت طاری کر دی اور وہ اس بے حساب جانی نقصان سے خوفزدہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ شام جانے کا ارادہ فرما چکے تھے کہ فتح کے بعد اس کا نظم و نسق مرتب فرمائیں۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ مدینہ سے چلے اور جب تبوک کے قریب سرغ کے مقام پر پہنچے تو سپہ سالاران عساکر اسلامی' حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح' یزید بن ابی سفیان اور شرجیلؓ بن حسنہ حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ سرزمین شام جراثیم زدہ ہو گئی ہے اور طاعون کی شدت کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کے مضطرب ہوئے اور شام کے وقت مہاجرین اولین کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کہ وباء کے باوجود شام کا سفر جاری رکھا جائے یا مدینہ کی واپسی کا فیصلہ کیا جائے حاضرین میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ نے کہا آپ ایک ایسے مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں جس میں خدا کی خوشنودی کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں وباء آپ کے لئے روک نہیں ہونی چاہئے'' لیکن دوسرے گروہ نے عرض کی۔ ''وہاں ہلاکت وفنا کا دور دورہ ہے ہماری رائے نہیں ہے کہ آپ وہاں تشریف لے جائیں'' مہاجرینؓ کی طرح انصارؓ نے بھی باہمی اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ اب حضرت عمرؓ نے قریش کے ان مہاجرینؓ کو جمع کیا۔ جو فتح مکہ کے وقت موجود تھے۔ اور ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ ان میں سے ایک نے بھی اختلاف نہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا'' لوگوں کو واپس لے چلئے وہ ہلاکت وفنا کی جگہ ہے'' حضرت عمرؓ نے واپسی کا حکم دے دیا اور حضرت ابن عباسؓ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ صبح ہوتے ہی سامان سفر تیار کر لیں۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا'' میں واپس جارہا ہوں تم بھی واپس چلو''

حضرت عمرؓ کے ان مشوروں اور اس فیصلے کے وقت حضرت ابو عبیدہؓ موجود نہ تھے۔ جب انہیں اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ سے بولے ''عمرؓ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟'' حضرت عمرؓ اس اعتراض پر حیران ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر تک حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف غور سے دیکھ کر فرمایا'' ابو عبیدہؓ کاش یہ بات کوئی اور کہتا ہاں میں بھاگ رہا ہوں۔ قضائے الٰہی سے قضاء الٰہی کی طرف ''پھر سر جھکا کر کچھ سوچتے رہے اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا'' کیا خیال ہے اگر ایک شخص کسی ایسی وادی میں اترے جس کا ایک حصہ سرسبز ہو اور دوسرا بنجر تو کیا جس نے بنجر حصے میں بھیڑیں چرائیں قضاء الٰہی سے نہین چرائیں اور جس نے سرسبز حصے میں بھیڑیں چرائیں قضاء الٰہی سے نہیں چرائیں؟

اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے شام کے حالات اور وباء سے بچنے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا

یہ دونوں ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پہنچے تو دیکھا کہ کھلبلی مچی ہے پوچھا کیا بات ہے اور جب لوگوں نے بات بتائی تو کہا" مجھے اس کے متعلق علم ہے میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے اگر تم سنو کسی ملک میں وباء پھیلی ہے تو وہاں مت جاؤ لیکن اگر تم کسی جگہ ہو اور وباء پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو نہیں" یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے اور فرمایا" الحمد اللہ! لوگو! چلو!

حضرت عمرؓ اپنے ہمراہیوں کو لے کر مدینہ واپس چلے گئے اور سرداران فوج اپنی اپنی عملداریوں میں مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ نے شام کے مسلمانوں کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ انہیں طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے؟ خاص طور پر امیر المومنین کو حضرت ابو عبیدہؓ کا بہت خیال تھا کہ کہیں وہ طاعون کی زد میں آ کر وفات نہ پا جائیں چنانچہ انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو جو خط ارسال کیا اس میں اپنے اندیشوں کی طرف کوئی اشارہ نہ کیا۔ بلکہ لکھا" میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں آپ سے زبانی بات چیت چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ خط پڑھتے ہی روانہ ہو جائیں گے" حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ خط پڑھ کر حضرت عمرؓ کا مطلب سمجھ لیا کہ وہ انہیں وباء کی حدود سے نکالنا چاہتے ہیں اور فرمایا اللہ امیر المومنین کو معاف فرمائے" اس کے بعد حضرت عمرؓ کو لکھا یہ معلوم ہوا آپ کو میری ضرورت ہے لیکن میں اسلامی لشکر میں ہوں اور میرے دل میں اسے چھوڑنے کا کوئی خیال نہیں ہے چنانچہ میں اس وقت اپنے ساتھیوں سے جدا ہونا نہیں چاہتا جب تک اللہ میرے اور ان کے متعلق اپنا حکم صادر نہ فرمادے۔ امیر المومنین مجھے اپنے ارشاد کی تعمیل سے معذور سمجھئے اور لشکر ہی میں رہنے دیجئے! حضرت عمرؓ یہ خط پڑھ کے رونے لگے حاضرین نے پوچھا کیا ابو عبیدہؓ کا انتقال ہو گیا ہے حضرت عمرؓ نے آنسوؤں سے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا "نہیں! مگر معلوم ہوتا ہے ہو جائے گا۔

حضرت عمرؓ حضرت ابو عبیدہؓ کا خط پڑھ کر رو دیے اور سوچنے لگے کہ اہل شام کو ہلاکت کے اس بھور سے کیسے نکالیں؟ اہل الرائے اصحاب سے مشورے کے بعد انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا" لوگوں کو نشیب میں لے کر اترے ہو اس لئے کسی بلند اور پر فضا مقام پر چلے جاؤ" حضرت ابو عبیدہؓ ابھی اس حکم کی تعمیل کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ طاعون نے ان پر وار کیا اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنا جانشین حضرت معاذؓ بن جبل کو نامزد کیا تھا لیکن پہلے ان کے صاحبزادے اور بعد کو وہ خود طاعون میں مبتلا ہوئے اور دونوں کے دونوں انتقال فرما گئے حضرت معاذؓ نے اپنا قائم مقام حضرت عمروؓ بن عاص کو بنایا حضرت عمروؓ بن عاص نے ایک تقریر کی اور فرمایا" یہ وباء جب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے پہاڑوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچاؤ" اس کے بعد لوگوں کو لے کر وہاں سے نکلے اور پہاڑوں میں چلے گئے۔ تاآں کہ وباء کا زور گھٹتے گھٹتے بالکل ختم ہو گیا۔ امیر المومنین کو حضرت عمروؓ بن عاص کی اس تقریر کا علم ہوا تو آپ نے اسے اپنے اس حکم کی تعمیل قرار دیا۔ جو حضرت ابو عبیدہؓ کو بھیجا گیا تھا۔

اس وباء کی علت کیا تھی؟ اور وہ کونسا سبب تھا جس پر اسے محمول کیا جائے؟ بعض متاخرین کا کہنا ہے عموا اس کا طاعون اس لئے پھیلا کہ جنگ کے میدانوں میں لوگ بہ کثرت مارے گئے اور چونکہ ان میں سے بیشتر دفن نہ کئے جا سکے۔ اس لئے ان کی لاشیں پڑی سڑتی رہیں اور ان کے جراثیم فضا میں پھیل کر وباء کا سبب بن گئے۔

وباء کا سبب چاہے کچھ ہو۔ بہر حال لوگ حضرت عمروؓ بن عاص کے کہنے پر پہاڑوں میں چلے گئے کہ طاعون کا زور ٹوٹ جائے۔ لیکن اس وقت تک شام میں پچیس ہزار مسلمان اس قہر الٰہی کی نذر ہو چکے تھے اور یہ وبا شام سے عراق منتقل ہو کر سب سے زیادہ اہل بصرہ کی موت ہو چکی تھی۔ جو اسلامی لشکر کا بہترین حصہ تھا اس کے باوجود یزدگرد نے عراق واپس لینے کی اس سے زیادہ فکر نہ کی جتنی ہر قل نے فلسطین یا شام واپس لینے کے لئے کی تھی۔ ہر قل کی طرح اسے بھی یہ خوف تھا کہ مبادا طاعون اس کی فوجوں میں پھیل کر شام سے ایران پہنچ جائے اور اس کی ہلاکت خیزیاں جنگ اور اس کے نتائج سے زیادہ تباہ کن ثابت نہ ہوں۔

وباء ختم ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اس کے اثرات مابعد سے کیسے عہدہ برآ ہوں؟ اگر وہ اتنے مسلمانوں کی ہلاکت اور اسلامی لشکر کی کثیر تعداد کے لقمہ اجل ہو جانے کے بعد بھی شام کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے تو فتح شام ناخوشگوار نتائج سے دوچار ہو جاتی کیونکہ رومی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے چڑھائی کی سوچ رہے تھے۔ اس کے علاوہ مرنے والوں کی میراث کے جھگڑوں نے وہاں اقتصادی نظام میں گڑبڑ پیدا کر دی تھی اور حضرت عمرؓ کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا۔ کہ ترکہ کی تقسیم مسلمانوں میں فتنہ فساد کا بیج بوئے۔ ان حالات میں ان کے لئے بس یہی ایک رستہ رہ گیا تھا کہ بہ نفس نفیس شام تشریف لے جائیں اور تمام حالات کا مطالعہ کر کے مناسب انتظام کریں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کے ہمراہ مدینہ سے ایلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر شہر کے پادری کو بلایا اور اسے اپنا کرتا دے کر جو طوالت سفر سے پھٹ گیا تھا۔ ارشاد فرمایا اسے دھو کر پیوند لگا دو" پادری نے کرتا دھو کر اسے پیوند لگا دیے اور اسی طرح کا ایک اور کرتا بھی سلوا دیا۔ دونوں کرتے لے کر وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یہ آپ کا کرتا ہے جسے دھو کر میں نے پیوند لگا دیئے ہیں اور یہ دوسرا کرتا آپ میری طرف سے قبول فرمایئے" حضرت عمرؓ نے اپنا کرتا پہن لیا اور دوسرا کرتا واپس کرتے ہوئے فرمایا "میرا کرتا اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے"

حضرت عمرؓ ایلہ سے روانہ ہوئے اور جابیہ پہنچ کر قیام فرمایا۔ شام و فلسطین کے عمال نے حاضر خدمت ہو کر مسلمانوں کے مصائب بیان کئے۔ آپ نے تمام ملک شام کا دورہ فرمایا۔ مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے معاملات کی چھان بین کی ان کے ساتھ فیاضی سے پیش آئے۔ دمشق، حمص اور ان دوسرے شہروں میں جو وباء کی تباہ کاریوں کا بطور خاص نشانہ بنے تھے۔ عربوں کے لئے جاڑوں اور گرمیوں کی فرودگاہیں قرار دیں۔ پھر شام کی سرحدوں اور لشکر گاہوں کو مستحکم کیا۔ غذا کی تقسیم کا از سر نو انتظام ہوا اور اس کام میں مدد دینے کے لئے لوگوں کو خود نامزد فرمایا۔ اس سے فارغ ہو کر ترکے تقسیم کئے اور مرحومین عمواس کا متروکہ مستحقین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں پہنچا دیا۔ اس طرح تمام معاملات درستی پر آ گئے اور سابقہ نظام حال ہو گیا۔ ایک طویل خوف و دہشت کے بعد لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا اور رومیوں کو شام پر دوبارہ قبضہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکالنا پڑا۔

حضرت عمرؓ کو جب ابو عبیدہؓ اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کے انتقال کی خبر ملی تھی۔ آپ نے ان دونوں کی جگہ معاویہؓ بن ابی سفیان کو مقرر فرمادیا تھا۔ جابیہ کے زمانہ قیام میں آپ نے شرجیلؓ بن حسنہ کو ان کی خدمات سے معزول کر دیا۔ شرجیلؓ نے پوچھا کیا آپ نے مجھے کسی ناراضی کی بنا پر معزول فرمایا ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن میں ایک ایسے شخص کو چاہتا ہوں جو تم سے زیادہ قوی ہو" شرجیلؓ نے عرض کی تو پھر لوگوں میں اس کا اعلان فرما دیجئے تا کہ مجھے کسی

ندامت و قباحت سے دوچار نہ ہونا پڑے" حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور مجمع عام سے خطاب فرمایا "لوگو خدا میں نے شر جیلؓ کو کسی ناراضی کے سبب معزول نہیں کیا۔ بلکہ میں ایک ایسے شخص کو حکومت پر مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ جو ان سے زیادہ قوت کے ساتھ حکومت کرے" یہ سچ ہے کہ شر جیلؓ ایک آزمودکار سالار فوج تھے لیکن ان میں وہ سیاسی سوجھ بوجھ نہ تھی۔ جو عوامی نفسیات کا احاطہ کر سکتی۔ اس کے برعکس حضرت معاویہؓ گو نوجوان تھے مگر سیاست و تدبر میں ان کا پایہ بلند تھا اور ان کی نگاہ معاملات کی تہ تک فوراً پہنچ جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ شام سے مدینہ واپس ہوتے ہوئے جابیہ پہنچے تو عام جلسے میں ایک تقریر کی یہ شام میں آخری تقریر تھی۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا: تم آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے دور خلافت میں تمہارے وہ تمام حقوق ادا کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مقرر کئے ہیں۔ ہم نے تمہارے مال غنیمت اور گھروں کی تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیا۔ اس طرح تمہارے جنگی امور میں بھی انصاف کیا اور جو تمہارے حقوق تھے۔ وہ سب ادا کئے ہم نے تمہارے لئے فوجوں کا انتظام کیا تمہاری سرحدوں کی حفاظت کی۔ تمہیں آباد کیا اور جہاں تک تمہارا مال غنیمت حاصل ہوا اس کے مطابق ہم نے تمہیں وسیع حصہ دیا اور تمہاری غذائیں پوری کیں ہم نے حکم دیا کہ تمہیں عطیات اور وظائف دیئے جائیں اور تمہیں ہر ممکن امداد دی جائے۔

"جسے کچھ معلومات حاصل ہوں اسے چاہئے کہ وہ اس پر عمل بھی کرے۔ اور ہمیں اطلاع بھی دے انشاء اللہ ہم اس پر عمل کریں گے تمام اختیار اللہ ہی کو حاصل ہے"

اذان بلالؓ سے رقت:

نماز کا وقت آگیا لوگوں نے عرض کی حضرت بلالؓ سے اذان کے لئے فرمائیے" جب سے رسول اللہ کا وصال ہوا تھا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دینی چھوڑ دی تھی اب جو اللہ نے مسلمانوں کے سر سے بلا ٹالی تو انہوں نے اذان سننے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت حق جل شانہ کی وہ نعمت یاد کرنے کے لئے کہ اس نے اپنا رسولؐ ان میں مبعوث فرما کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور زمین کا وارث بنایا۔ خاکدان وجود کے مختلف گوشے ان کے پاؤں تلے بچھائے اور ایران و روم کی قوتیں ان کے لئے خاک میں ملا دیں۔ اس کے بعد جب ان پر مصیبت نازل ہوئی تو اسے دور کر دیا اور اپنے عذاب و انتقام کا ذریعہ نہ بنایا۔ حضرت بلالؓ نے بلند آواز میں اذان دی اور رسول اللہؐ کے صحابیوں کو وہ مبارک عہد یاد آگیا جس میں وہ نبی رحمتؐ کی امامت میں صفیں باندھ کر نماز پڑھتے تھے اور ارشادات نبویؐ سے فیض یاب و ہدایت اندوز ہوتے تھے چنانچہ ایک صحابی ایسا نہ تھا۔ جس کی داڑھی آنسوؤں سے تر نہ ہو۔ جن لوگوں کو وہ مقدس عہد دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ صحابیوں کو روتا دیکھ کر رونے لگے۔ سب سے زیادہ آنسو حضرت عمرؓ نے بہائے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فضل و برکت کو سب سے زیادہ وہی یاد کرتے تھے نماز کا یہ اعلان جو موذن رسولؐ حضرت بلالؓ کی زبانی بیت المقدس کے قریب شام کی فضاؤں میں پہلی اور آخری مرتبہ گونجا جو دنیا کی تاریخ میں شام میں مسلمانوں کی فتح اسلام کے قیام اور دوامی استحکام کا نشان بن گیا۔ چنانچہ کوئی مورخ اس کا ذکر کرنا نہیں بھول سکتا۔ اس لئے کہ وہ بطور خود اللہ کی نصرت ہے اور فتح مبین تھی۔

اہل شام کو رخصت کر کے حضرت عمرؓ مدینہ واپس ہو گئے اور عراق کے سفر کا مصمم ارادہ فرمایا۔ لیکن اللہ کو اس ارادے کی تکمیل منظور نہ تھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شام سے پہلے عراق جانے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ جب اس کے شمال میں پہنچے تو فراض سے حلب و دمشق کی طرف آ گئے لیکن صحابہ کبار نے اس ارادے کو تبدیل کرا دیا اور کہا کہ سفر کا آغاز شام سے فرمائیے چنانچہ یہ سفر آخری سفر تھا۔

طاعون عمواس اور اس سے متعلق حضرت عمرؓ کا طرز عمل بیان کر چکنے کے بعد اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس دور کے مسلمانوں میں عقلی آزادی کا کیا اثر تھا یہ آزادی کن کن قوتوں پر مشتمل تھی اور مسلمانوں کے لئے اس عظیم الشان سلطنت کے دروازے کس طرح کھلے جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور پھیلتی رہی تا آنکہ جب مسلمانوں نے اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کر لی تو اللہ نے بھی انہیں بدل دیا۔

جب حضرت عمرؓ شام کے ارادے سے روانہ ہوئے تو سرغ کے مقام پر امرائے لشکر آپ سے آکر ملے اور عرض کی ''سرزمین شام جراثیم زدہ ہو گئی ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مدینہ واپس ہونے کا حکم دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے اعتراض کیا عمرؓ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''ہاں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف'' یہ اعتراض اور یہ جواب دونوں مسئلہ تقدیر اور اس کے اس اختلاف پر روشنی ڈالتے ہیں جو آج بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کا جواب ''اسلامی قدریت کی دقیق ترین تصویر ہے حضرت ابن جراحؓ اور وہ لوگ جنہوں نے حضرت عمرؓ کو سفر شام جاری رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''آپ ایک ایسے مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں جس میں خدا کی خوشنودی کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں وباء آپ کے لئے روک نہیں بننی چاہئے'' چونکہ اس پر ایمان رکھتے تھے۔ کہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی مصیبت ہم تک نہیں پہنچ سکتی اور ہر وقت پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ جنگ کسی کا وقت آ جاتا ہے تو پھر ایک لمحہ ادھر یا ادھر نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہماری فکر ہمیں غیبی ابتلاء سے نہیں بچا سکتی۔ پس جب ہم کسی بات کا ارادہ کر لیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں بند کر کے آگے بڑھتے چلے جائیں کوئی مصیبت اور کوئی رکاوٹ ہمارے پاؤں کی زنجیر نہ بنے۔ امرائے لشکر کا یہ عقیدہ ایک بے مثال قوت کا سرچشمہ ہے ایک سپاہی' جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے لامحالہ اسے فتح و نصرت کا ضامن بھی سمجھتا ہے۔ سچے ایمان کا سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ سپاہی موت سے نہ ڈرے بلکہ خوش دلی کے ساتھ اس طرف بڑھے۔ اگر شہید ہو جائے تو یہ شہادت اللہ وطن اور اس مقصد کی راہ میں ہو گی جسے وہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور اگر ظفر مندی کے ساتھ زندہ رہ جائے تو ابدی افتخار کا تاج اس کے سر کی زینت ہو گا۔ اس عقیدے پر فوج کا ایمان ہی تھا جس نے مسلمانوں کو مختلف میدانوں میں کامیاب و کامران کیا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں شہادت پسند کی اس لئے اللہ نے انہیں عزت و کرامت کی زندگی عطا فرمائی۔

لیکن قدریت کا یہ مفہوم جو ایک سپاہی کی زندگی میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے ایک سیاست دان کے نظریہ قدر پر پورا نہیں اتر سکتا۔ جو عوامی مصالح اور جنگ و امن دونوں میں ان کی فلاح و بہتری کا ذمہ دار ہے اسی طرح وہ مفکر بھی اس سے اتفاق نہیں کر سکتا جس کا کام معاملات کی چھان بین کرنا اور ان کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر ''وقت'' پہلے ہی سے

لکھ دیا گیا ہے اور ہماری فکر و تدبر ہمیں غیبی ابتلاء سے نہیں بچا سکتی۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا فرض ہے کہ ہم معاملات کو خوب اچھی طرح جانچیں پرکھیں اور اپنے علم و عقل کی ہدایت کے مطابق بہ احسن ان کو اختیار کریں۔ پھر جس نقطے کی طرف ہمارا علم ہماری عقل اور ہمارا احسن تدبر ہماری رہنمائی کرے وہی ہمارے لئے تقدیر الٰہی ہے۔

عرب میں قحط کی وبا 18-17ھ

عرب میں دو عذاب 17ھ سے 18ھ تک قحط اور طاعون کی صورت میں جاری رہے۔ ان میں سے ایک مصیبت تو ان پر ان کے وطن جزیرہ نمائے عرب میں نازل ہوئی اور دوسری ان کے بھائیوں پر شام کے میدان جہاد میں پہلی مصیبت وہ قحط تھا جس نے ملک عرب کو جنوب کے آخری کناروں سے لے کر شمال کی انتہائی سرحدوں تک گھیر لیا تھا۔ یہ مسلسل نو مہینے تک جاری رہا۔ جس میں کھیتیاں تباہ اور مویشی ہلاک ہو گئے اور انسانوں کو حد درجہ تکلیف و عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری مصیبت عمواس کا طاعون تھا۔ جو شام سے عراق تک پھیل گیا تھا۔ اس میں ہزاروں ممتاز مرد اور عورتیں' فوجی اور شہری موت و ہلاکت کی لپیٹ میں آ گئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے تمام مسلمانوں کے دل میں ایک دہشت سی بیٹھ گئی۔

قحط کا سبب یہ ہوا کہ جزیرہ نمائے عرب میں پورے نو مہینے تک مینہ کی ایک بوند نہ پڑی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئید گی جل گئی اور وہ سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کے رہ گئی جب ہوا چلتی ساری فضا گرد آلود ہو جاتی اس لئے لوگوں میں اس برس کا نام ہی "عام الرمادہ" خاک والا برس پڑ گیا۔ بارش کے نہ ہونے' آندھیوں کے چلنے اور کھیتوں کے جل جانے سے قحط کی صورت پیدا ہو گئی۔ جس نے انسانوں اور جانوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے انہیں سوکھا لگ گیا۔

جب مدینہ اور صحرائے عرب میں قحط کی شدت بڑھ گئی تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ ایک ایسی روشن مثال ہے جس سے واقف ہونا اور اس کی تقلید کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے جس کے ہاتھ میں قوم کی باگ ڈور ہو۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے ابتدا میں ہی قسم کھائی کہ جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں وہ گوشت اور گھی کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ حضرت عمرؓ فاروق نے اپنی اس قسم کو پورا کیا۔ یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے مینہ برسا اور لوگوں پر سے قحط کی مصیبت ٹل گئی۔

حضرت عمرؓ اپنے اس عہد پر اتنی شدت سے قائم تھے۔ کہ ایک دفعہ بازار میں گھی اور دودھ بکتا ہوا آ گیا۔ اور آپ کے غلام نے چالیس درم میں خرید لیا۔ وہ یہ دونوں چیزیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "اللہ نے آپ کی قسم پوری کی۔ بازار میں گھی اور دودھ آکر بکنے لگا۔ اور میں چالیس درم میں خرید لایا" حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے بہت مہنگا خریدا ہے انہیں خیرات کر دو! میں فضول خرچی کا روادار نہیں پھر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکایا اور اس کے بعد فرمایا "مجھے لوگوں کی تکلیف کا احساس کیونکر ہو سکتا ہے جب تک میں خود ان کی مصیبت میں شریک نہ ہوں"

عام الرمادہ :

قحط کے سال کو نام عام الرمادہ (راکھ کا سال) رکھا گیا۔ اس لئے کہ ساری زمین خشکی کی وجہ سے سیاہ ہو کر راکھ کے مشابہ ہو گئی تھی اور یہ کیفیت نو مہینے رہی۔

قحط کے سال حضرت عمر فاروقؓ نے مصر کے والی عمرو بن عاصؓ شام کے والی معاویہ بن ابی سفیانؓ عراق کے والی سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر تمام صوبوں کے حکمرانوں کو زوردار خطوط لکھے کہ مدینہ اور صحرائے عرب میں خوفناک قحط پڑ گیا ہے ہزاروں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اس لئے اپنی اولین فرصت میں زیادہ سے زیادہ غلہ اور دیگر اشیاء روانہ کریں۔ چنانچہ عمرو بن عاصؓ نے فوراً جواب دیا کہ آپ کے پاس خوراک کا ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا ایک سرا آپ کے پاس ہو گا اور دوسرا میرے پاس۔ جب پہلا غلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو صحرا کے علاقے میں تقسیم کرنے کے لئے روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے بورے سے لحاف بنالو۔ آٹا پکائیں اور جمع کریں۔ شاید اس وقت تک اللہ آسانی پیدا کر دے۔ حضرت عمرؓ مشترکہ کھانا تیار کرتے جن اونٹوں پر غلہ آتا ان کو ذبح کر کے اس کا سالن بناتے۔ حضرت عمرؓ خود بھی اس عام دستر خوان پر سب کے ساتھ کھانا کھاتے اور گھر پر کھانا نہ کھاتے تاکہ لوگوں کو شک نہ ہو کہ امیر المومنین اپنے گھر میں اچھی خوراک کھاتے ہوں گے۔ اسی طرح معاویہؓ نے بھی بے شمار غلے کے قافلے بھیجے اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی کئی ہزار اونٹوں کے غلے کے قافلے بھیجے۔

سب سے پہلا غلے کا قافلہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے بھیجا تھا یہ پہلا قافلہ چار ہزار اونٹ لے کر پہنچا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے فلسطین سے اونٹوں اور ایلا کی بندرگاہ سے جہازوں پر سامان غذا بھیجا۔ آٹے اور گھی سے بھرے ہوئے بیس جہاز سمندر کے راستے اور آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ خشکی کے راستے روانہ ہوئے۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان شام سے تین ہزار اور سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ سے ایک ہزار اونٹ بھیجے اس کے علاوہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے پانچ ہزار کمبل اور حضرت معاویہؓ نے تین ہزار چوغے ارسال کیے۔ حضرت عمرؓ نے مملکت کے مختلف شہروں اور صحرائی علاقے میں کھانے اور پہننے کا سامان تقسیم کرنے کے لئے آدمی مقرر کئے اور مدینے کے لوگوں کی جو ادھر ادھر سے آئے ہوئے عرب بھی شامل تھے خبر گیری خود اپنے ذمہ لی۔ آپ کے کارندے لوگوں کی مصیبت کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اہل مدینہ اور ان کے پاس جمع ہونے والوں کے کھانے پینے کا انتظام اپنے ذمے لیا۔ وہ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک دن بیس جانور ذبح کر کے ان کا گوشت ثرید پر رکھ دیتے تھے اور جو غذا عوام کھاتے تھے ان کے ساتھ خود بھی وہی تناول فرماتے تھے۔ پھر جب عراق و شام سے اونٹ آگئے تو روزانہ اپنے دستر خوان کے لئے بیس جانور ذبح کراتے تھے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ انہوں نے چند نگران مقرر کئے تھے جو شام کو ان کی خدمت میں جمع ہو کر دن بھر کی رپورٹ دیتے تھے۔ ایک دن رات کو جب لوگ کھانا کھا چکے۔ فاروق اعظمؓ نے دستر خوان خلافت پر شریک طعام ہونے والوں کے شمار کا حکم دیا تو سات ہزار آدمی گنتی میں آئے۔ مریضوں، بچوں اور ان اہل و عیال کا جو نہیں آئے شمار کیا گیا تو وہ چالیس ہزار نکلے کچھ دن کے بعد ان دونوں گروہوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ جو لوگ فاروقیؓ دستر خوان پر آکے کھاتے تھے ان کی

تعداد دس ہزار تھی۔ اور دوسروں کی پچاس ہزار۔ حضرت عمرؓ کے کارندے گرم دیگوں پر پہنچ جاتے اور کام کرتے کرتے انہیں سورج نکل آتا۔ اس کے بعد حلوہ اور گوشت مریضوں چوں اور ان اہل و عیال میں تقسیم کیا جاتا جو امیر المومنین کے دستر خوان سے غذا حاصل نہ کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان قحط کے ماروں کی دیکھ بھال خود فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے رنگ میں تغیر:

عیاض بن سنیفہ سے مروی ہے کہ میں نے قحط کے سال عمرؓ کو دیکھا کہ سیاہ رنگ کے ہو گئے تھے۔ حالانکہ پہلے گورے تھے۔ ہم لوگ پوچھتے کہ یہ کاہے کو ہوا تو فرماتے کہ ایک عربی آدمی تھا جو گھی اور دودھ کھاتا تھا لوگوں پر قحط کی مصیبت آئی تو اس نے یہ چیزیں اس وقت تک اپنے پر حرام کر لیں' جب تک کہ لوگ سر سبز نہ ہو جائیں۔ اس نے زیتون کھایا تو اس کا رنگ بدل گیا۔ اور بھوکا رہا تو اور زیادہ متغیر ہو گیا۔

اسامہ بن زید بن اسلم نے اپنے باپ دادا سے روایت کی کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ نے قحط رفع نہ کیا تو عمرؓ مسلمانوں کی فکر میں مر جائیں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے قحط زدگان کے مصائب دور کرنے کے لئے یہ ذمہ داریاں اپنا فرض تصور کرتے ہوئے قبول کی تھیں۔ یہ وہ اس لئے کرتے تھے کہ ان کا شعور غریبوں' کمزوروں اور محتاجوں کے شعور سے ہم آہنگ ہو جائے ان کا ارشاد ہے "جب تک میں خود لوگوں کی مصیبت میں شریک نہ رہوں گا۔ مجھے ان کی تکلیف کا کیسے اندازہ ہو گا" اسی لئے وہ اپنے آپ کو ان محتاجوں کی سطح پر لے آئے تھے۔ جنہیں زندگی بر قرار رکھنے کے لئے صرف انہی کا دستر خوان میسر آتا تھا۔ جس پر وہ دوسرے ہزاروں بھوکوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ انہیں کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے اور اپنے گھر میں کھانا کھانے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے لئے ایسی چیز پسند کرتے ہیں جو ان کی قوم کے فاقہ زدوں کو میسر نہیں۔ اپنے اس عمل سے ان کے دو اہم مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ انہیں لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہو جائے تاکہ وہ ان سے ہمدردی اور ان کی تکلیفیں دور کرنے کے سلسلے میں سعی و عمل کی رفتار تیز تر کر دیں اور دوسرا یہ کہ عوام کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ امیر المومنین مصائب و شدائد میں ہمارے برابر کے شریک ہیں اور ان کے جذبات مشتعل نہ ہوں بلکہ وہ ہر تکلیف و اذیت پر راضی بہ رضا رہیں کہ مملکت کا سب سے بڑا آدمی اس ابتلا میں ان کا ساتھ دے رہا ہے اور ان دونوں مقصدوں میں حضرت عمرؓ اتنے کامیاب رہے کہ کسی قوم کا کوئی فرماں روا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

حضرت عمر فاروقؓ مریضوں کی تیمارداری اور ان کے مرنے والوں کے کفن کا انتظام بھی فرماتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جب ان لوگوں نے اناج کھایا تو موت واقع ہونے لگی۔ عمرؓ خود آتے اور نماز جنازہ پڑھتے میں نے دیکھا ہے کہ انہوں نے دس دس پر ایک دم سے نماز پڑھی۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ کے نزدیک فرمانروا کا سب سے بنیادی فرض یہ تھا کہ وہ اپنی زندگی کو عوام کی زندگی کے برابر رکھے۔

حضرت عمر فاروقؓ دن رات انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دعائیں کرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم گناہگار انسانوں کو اس خوفناک قحط کی مصیبت سے نجات دے۔

حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء کا اعلان کر دیا کہ تمام لوگ نماز استسقاء کے لئے باہر میدان میں پہنچ جائیں۔ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر دعا کی کہ تو مغفرت کرنے والا ہے سب لوگوں نے اس نماز میں حصہ لیا انہوں نے نماز پڑھائی اور دعا مانگی کہ اے اللہ ہمیں باران رحمت سے سرفراز فرما اور اس قحط سے نجات عطا فرما۔ حضرت عمرؓ نے عام الرمادہ میں خطبے سے پہلے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس میں پانچ اور سات تکبریں کہیں۔ اس نماز استسقاء کے بعد باران رحمت شروع ہو گئی۔ اور لوگ نماز سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ بارش سے سیراب کر دیے گئے اور آسمان چند روز تک مینہ برساتا رہا۔ جب انہیں بارش مل گئی تو حضرت عمرؓ نے باہر سے آئے عربوں کو مدینے سے روانہ کر دیا اور کہا کہ اپنی بستیوں میں چلے جاؤ۔

حضرت فاروق اعظم کے عہد میں زرعی اصلاحات اور آمدن :

عشر کا نظم و نسق اور زرعی اراضیات کی حکومت کی ملکیت اور کاشتکاروں کو موروثی مالکانہ حقوق اور زرعی زمینوں سے ۔ ۔ المال اور سرکاری خزانہ میں کثیر مستقل آمدنی کا نظام عرب میں حضرت عمر فاروقؓ کی ایجاد ہے۔ محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں فتح خیبر کے وقت وہاں زمینیں مسلمانوں کو بطور مال غنیمت ملی تھیں۔ مگر اہل یہود کی استدعا پر آنحضرتؐ نے یہ اراضیات یہودی کاشتکاروں کو بٹائی پر دیدی تھیں اور جو مسلمان مالکان اراضی تھے ان سے زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب عراق فتح ہوا تو 16ھ میں حضرت عمرؓ نے زمینوں کے انتظام اور خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ دی۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے راستہ میں سب سے بڑی شکل امرائے فوج یعنی فاتحین کی طرف سے اس مطالبہ کی وجہ سے پیش آئی کہ عراق ہم نے بزور شمشیر فتح کیا ہے لہذا اس کی تمام زمینیں مال غنیمت کے طور پر فوج میں تقسیم کر دی جائیں اور وہاں کی تمام رعایا اور کاشتکار ان کی غلامی میں دے دئے جائیں اور بدقسمتی سے کچھ صحابہ خصوصاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور بلال موذن بھی فوج کے اس مطالبہ کی حمایت کرنے لگے کہ مفتوحہ اراضی فاتحین میں تقسیم کی جائے اور اس کے سابق کاشتکار جو غیر مسلم تھے ان کے مزارعین اور غلام ہوں اور اس طرح ایک وسیع جاگیرداری نظام قائم کر دیا جائے۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ نے اس مطالبہ کی شدید مخالفت کی اور اعلان کیا کہ تمام مفتوحہ زمینیں حکومت کی ملکیت ہوں گی اور ان کے سابقہ کاشتکاروں کو موروثی مالکانہ حقوق حاصل ہوں گی۔ حکومت ان سے مالیہ یعنی خراج وصول کیا کرے گی اور یہ نظام ہمیشہ کے لئے قائم رہے گا۔ آخر طویل جدوجہد کے بعد حضرت عمرؓ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور مجلس شوریٰ نے ان کی تجویز کو بھاری اکثریت سے منظور کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی کوششوں سے دنیائے اسلام یعنی عراق ایران، شام اور مصر کو جاگیرداری کے استحصالی نظام سے بچا لیا اور منصفانہ انسانی نظام قائم ہو گیا یہ حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن وقاص کو عراق کی زمینوں کی تقسیم کے لئے مردم شماری کا حکم دیا حضرت سعد بن وقاص نے مردم شماری کے کاغذات تیار کئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مردم شماری کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ حساب کیا گیا تو ہر ایک مسلمان کے حصے میں تین کاشتکار آتے تھے اس وقت حضرت عمرؓ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ زمین مقامی کاشتکاروں کے قبضہ میں ان کی ملکیت رہے گی۔ ان سے خراج وصول کیا جائے گا۔ جو فوج کے مصارف سرحدوں کی حفاظت امن و امان کے قیام اور علاقہ کے ترقیاتی کاموں پر اور غریبوں کی امداد پر خرچ ہوا کرے گا۔

حضرت عمرؓ کا یہ بھی استدلال تھا کہ اگر یہ زمینیں فاتحین میں تقسیم کر دی جائیں تو نا صرف مملکت کے موجودہ اخراجات بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی باقی کچھ نہیں بچے گا۔ آپ نے "سورۃ حشر" سے بھی اپنے حق میں تائید پائی اور حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہ اور بہت سے انصار 548 صحابہ نے بھی تائید و حمایت کی۔ اس فیصلہ کے بعد عراق کی زمینوں کا بندوبست شروع کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کی اور حالات کے مطابق ان میں کچھ رد و بدل کے بعد نیا بندوبست زمینوں کی کاشت اور خراج کی وصولی کے معاملات طے کئے گئے عراق کی

زمینوں کی پیمائش اور ان پر خراج عائد کرنے اور دیگر متعلقہ امور کے لئے حضرت عمر کو دو ماہر افسران عثمان بن حنیفؓ اور حذیفہ مل گئے جو اس فن کے بڑے ماہر محنتی اور دیانتدار تھے۔ کئی مہینے تک پیمائش کا کام جاری رہا جو بڑی تحقیق کے ساتھ مکمل کیا گیا۔ کل قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جرب نکلی شاہی خاندان کی جاگیر مذہبی اوقاف کی زمین سڑکوں اور دیگر مفاد عامہ کی زمین دریا بند اور جنگل وغیرہ کو حضرت عمرؓ نے سرکاری ملکیت قرار دیا۔ اس کی آمدنی مفاد عامہ کے لئے استعمال کرنے کا حکم دیا مگر خراج اور عشر ان سے بھی وصول ہوتا تھا جو ستر لاکھ درہم ہوتا تھا۔

باقی تمام زمین قابضین کو دیدی گئی۔ جو ان کی ملکیت قرار پائی اور ان سے خراج وصول کیا جاتا عراق کا سالانہ خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم سالانہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اپنی ذمی رعایا اور کاشتکاروں کا خاص خیال رہتا تھا اور ان کے ساتھ ہمیشہ رعایت اور فیاضی کا سلوک کرتے حضرت عمر فاروقؓ نے سابقہ زمینداروں کی ملکیت اور حقوق کو قائم رکھا۔ دوسرے سال عراق کا خراج دس کروڑ بیس لاکھ درہم ہو گیا اور آئندہ سالوں میں اور بھی اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ کاشتکاروں کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کا رویہ اختیار رکھا مگر یہ حیران کن بات ہے کہ جس قدر خراج اور مال گزاری ان کے عہد میں ہوتی تھی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے کسی دوسرے صوبے کی پیمائش نہیں کرائی اور کچھ اصلاح کے بعد سابقہ نظام بندوبست قائم رکھا۔

حضرت عمرؓ نے وقت کی قلت اور امور سلطنت اور فتوحات میں بے حد مصروفیت کی وجہ سے شام، فلسطین اور مصر وغیرہ میں زمینوں کی پیمائش نہ کرائی بلکہ ضروری اصلاحات کے بعد سابقہ طریقہ مالگزاری و خراج جاری رکھا۔ لیکن چونکہ ان ممالک میں سابقہ جاگیرداری نظام ختم ہو گیا تھا اور کاشتکاروں کو اپنی زمینوں کے مالکانہ حقوق مل گئے تھے اور سوائے خراج کے حکومت ان سے اور کچھ وصول نہیں کرتی تھی اس لئے ان کی معاشی حالات میں خوشگوار تبدیلی آگئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حکومت کی آمدنی یعنی بیت المال کے ذرائع حسب ذیل تھے۔

1- فتوحات کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا اور بڑے بڑے سرمایہ دار ممالک اور شہر فتح ہوئے مثلاً عراق عرب ایران۔ فارس۔ شام، فلسطین، الجزیرہ، اور مصر وغیرہ جن کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ لہٰذا ان ممالک کی فتوحات سے بے حد وحساب مال غنیمت سے خمس بیت المال میں جمع ہوتا رہا۔

2- بندوبست اراضی سے کاشتکاروں کو موروثی مالکانہ حقوق مل گئے اور ان کو سالانہ خراج ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس خراج سے کروڑوں درہم سالانہ بیت المال میں جمع ہوتے تھے۔

3- مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر وصول کیا جاتا تھا۔

4- غیر مسلمانوں سے جذیہ وصول کیا جاتا تھا۔

5- حضرت عمرؓ نے تجارتی گھوڑوں پر بھی ٹیکس عائد کر دیا۔

6- عشور خاصی بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے یعنی جو غیر ملکی اپنا تجارتی سامان مملکت اسلامیہ میں لائے ان پر دس فیصدی ٹیکس عائد کر دیا جس طرح غیر ممالک نے ایسا ٹیکس عائد کر رکھا تھا۔ اس کو آج کل کی اصطلاح میں درآمد برآمد پر ٹیکس کہا جاتا ہے۔

بیت المال کا قیام 15ھ بیت المال کا قیام بھی حضرت عمرؓ کے دست مبارک سے ہوا۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ شام میں حکومت کا دفتر اور خزانہ علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے حضرت عمرؓ نے بھی دارالسلطنت مدینہ اور صوبائی مراکز میں بھی بیت المال قائم کئے۔ جہاں حکومت کی آمدن جمع ہوتی تھی اور وہاں سے ہی ضرورت کے لئے قواعد و ضوابط کے مطابق اخراجات کے لئے رقوم نکلوائی جاتی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ 15ھ میں بحران سے پانچ لاکھ درہم خراج کا لائے۔ اور ایک عمارت میں خزانہ کا اہتمام کیا گیا۔ عبداللہ بن ارقم کو جو بڑے قابل لائق دیانتدار اور معزز صحابی تھے ان کو پہلا خزانچی مقرر کیا گیا جو باقاعدہ حساب کتاب رکھتے تھے ان کے معاون خزانہ عبدالرحمٰن عبدالقادر اور معیقب کو مقرر کر دیا جو بڑے لائق اور دیانتدار تھے۔ حضرت عمرؓ نے دارالخلافہ اور صوبائی مراکز میں بڑی شاندار اور مضبوط عمارات خزانہ تعمیر کرائیں۔ بعد میں بیت المال کی حفاظت کے لئے پولیس کے پہرے کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ صوبوں اور اضلاع کے خزانوں سے سال بھر کے اخراجات سے جو رقم بچ جاتی تھی وہ مرکزی بیت المال مدینہ ارسال کر دی جاتی تھی مرکزی بیت المال سے ملازمین کی تنخواہوں اور وظائف پر سالانہ تین کروڑ درہم خرچ آتے تھے خزانہ کے مکمل طور پر قیام اس کی حفاظت کے اہتمام اور آمد و اخراجات کے باقاعدہ حساب و کتاب اور صوبوں و اضلاع کی فاضل آمدنی دارالخلافہ کے خزانہ میں جمع کرانے کے اصول اور دیگر تمام قواعد و ضوابط کی پابندی سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ مالی معاملات کے بھی ماہر تھے اور انہوں مملکت کا مکمل نظم و نسق بڑی کامیابی کے ساتھ قائم کر دیا تھا اور آپ واقعی نابغہ روزگار ہستی تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے تعمیراتی پروگرام :-

نہروں کی تیاری۔ حضرت عمر فاروقؓ نے زرعی ضروریات اور دیگر مقاصد کے لئے مختلف ممالک میں نہریں کھدوائیں جس سے مملکت کے عوام کو بہت فائدہ ہوا۔

1- نہر موسیٰ حضرت عمرؓ نے بصرہ کے عوام کی پانی کی قلت کو دور کرنے کے لئے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حکم دیا کہ دریائے دجلہ سے 9 میل لمبی نہر بصرہ کو پانی مہیا کرنے کے لئے تعمیر کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور بصرہ کو دجلہ سے نہر بنا کر گھر گھر پانی پہنچا دیا۔

2- نہر معقل۔ ایک اور نہر دریائے دجلہ سے نکال کر تعمیر کی گئی۔ اس کا نام نہر معقل تھا کیونکہ جس صحابی کی محنت اور کوشش سے یہ نہر تعمیر کی گئی اس کا نام حضرت معقل تھا۔

3- نہر سعد۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک نہر تعمیر کرنی شروع کی مگر کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی آگئی آپ یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے اس نہر کو مکمل کر دیا۔ مگر اس کا نام سعد ہی رہا۔

4- نہر امیر المومنین۔ یہ نہر مصر میں حضرت عمرو بن عاص نے تعمیر کرائی جس کے ذریعے بحر قلزم کو دریائے نیل سے ملا دیا گیا۔ عمرو بن العاصؓ نے نہر سویز تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی حضرت عمر فاروقؓ نے ملکی ضروریات کے لئے بہت سی عمارات تعمیر کرائیں۔ کچھ حسب ذیل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بے شمار مساجد دینی مدارس حکومت کے لئے دفاتر

بیت المال کی عمارات مہمان خانے سڑکیں اور پل تعمیر کئے مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر منزل پر چوکیاں سرائیں اور پانی کا انتظام کیا۔ تاکہ عازمین حج و عمرہ کو کھانے پینے اور رہائش کی سہولیات میسر ہوں۔

5- خلیج قراجان کی کھدائی۔ یہ دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملاتی تھی۔ جس کی وجہ سے مصر اور جزیرہ نمائے عرب کے ساحل کے شہروں کے درمیان آمد و رفت میں بڑی سہولت پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ نہر تراجان اس سے قبل فراعنہ مصر نے کھدوائی تھی جو مٹی سے پر ہو کر بند ہو گئی تھی تراجان نے اسے صرف درست کرایا تھا یعنی صفائی کے بعد اور گہرا کرایا تھا مگر بعد ازاں پھر مٹی سے اٹ گئی اور بند ہو گئی حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے اس کی صفائی اور گہرا کر کے جاری کرنا چاہا۔ حالانکہ نہر کی لمبائی ساٹھ۔ میل تھی مگر حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسے ہزاروں مزدور لگا کر ایک سال کے اندر اندر دوبارہ چالو کر دیا۔ یہ نہر قلعہ بابلیون کے شمال سے شروع ہو کر مشرقی جانب عبس تک جاتی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مندرجہ ذیل نئے شہر آباد کئے :-

بصرہ کوفہ

1- بصرہ۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت عتبہ بن غزوان 14ھ میں بصرہ کی جگہ کا شہر آباد کرنے کے لئے انتخاب کیا اور شہر کی بنیاد ڈالی۔ مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطے مقرر کئے اور گھاس پھونس کے مختصر مکانات ہوائے عاصم بن ولف کو منتظم مقرر کیا۔ خاص سرکاری عمارات جو تعمیر ہوئیں ان میں جامع مسجد ایوان حکومت اور دفاتر وغیرہ شامل تھے دریائے دجلہ سے ایک نہر کے ذریعے شہر میں پانی مہیا کیا گیا۔ ایک دفعہ شہر میں آگ لگ گئی پھر حضرت عمرؓ کی اجازت سے پکے مکانات بنانے کی اجازت مل گئی مگر کوئی مکان تین کمروں سے زیادہ کی اجازت نہ تھی۔ یہ شہر جلد ترقی کر گیا اور آبادی بہت بڑھ گئی۔ یہ شہر عربی اسلامی علوم کا مرکز بن گیا اور حضرت حسن بصری جیسا بلند پایہ مجتہد یہاں کی تاریخی شخصیت گزرے ہیں۔

2- کوفہ 17ھ حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ کی تعمیر شروع کی۔ حضرت عمرؓ کے حکم پر سلمان اور حذیفہ نے کوفہ کی تعمیر کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیا۔ اسلام سے پہلے اس کے نزدیک عرب حکمران نعمان بن منذر کا دارالخلافہ تھا۔ جو عراق کا حکمران تھا کوفہ دریائے فرات سے صرف قریباً دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا 17ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور بہت جلد اس کی آبادی میں اضافہ ہونے سے بہت بڑا شہر بن گیا۔ نقشہ کے مطابق یہ بہت وسیع و عریض شہر بنایا گیا۔ سڑکیں اور گلیاں اور بازار بہت وسیع تھے۔ شہر کے درمیان میں ایک بہت بڑی جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ ایوان حکومت سرکاری دفاتر وغیرہ مسجد کے قریب ہی تعمیر کئے گئے۔ ہر قبیلہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ہی مقام پر آباد کیا گیا۔ اس شہر کی بڑی علمی عظمت ہے۔ فن نحو کی ابتدا یہاں سے ہوئی اور اسلامی اور عربی علوم کا عظیم مرکز بن گیا۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسف وغیرہ عظیم اسلامی مفکر اور امام یہاں پیدا ہوئے حدیث فقہ اور عربی علوم کے بڑے سکالر یہاں پیدا ہوئے اور یہ اسلامی تعلیم کا مرکز بن گیا حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کوفہ ان کا دارالخلافہ تھا اور آپ یہاں ہی شہید ہوئے تھے۔

3 فسطاط۔ یہ شہر حضرت عمرؓ کے حکم پر عمرو بن العاصؓ نے 21ھ میں آباد کیا حضرت عمرو بن عاصؓ سکندریہ کو مصر کا دارالخلافہ

بنانا چاہتے تھے جس کے اور مدینے کے درمیان دریا یا سمندر پڑتا ہو۔ یہ شہر بڑے وسیع رقبہ پر تعمیر کیا گیا۔ اور اس کا بہترین نقشہ بنایا گیا۔ ہر عرب قبیلے کے لئے الگ الگ احاطے مقرر کئے گئے۔ اس کو آباد کرنے کے لئے اس کا تمام انتظام و انصرام معاذ بن خدیج شریک بن سمی عمرو بن مخرم اور حویل بن ناشرہ کے سپرد کیا گیا ایک شاندار وسیع جامع مسجد تعمیر کی گئی جو پچاس گز لمبی اور تیس گز چوڑی تھی اور تین طرف دروازے تھے ایک مکان حضرت عمرؓ کے لئے تعمیر کیا گیا مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا کہ مدینہ میں رہنے والے کے لئے فسطاط مصر میں مکان بنانے کا کیا فائدہ۔ آخر اس مکان میں بازار بنا دیا گیا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کی اور سکندریہ کی بجائے مصر کا دار الخلافہ قرار دیا گیا اور اسلامی علوم کا مرکز بن گیا۔

4- موصل۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کو شہر کی شکل دی گئی اور حضرت ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر مرکزی مقام پر واقع تھا اس نے جلد ترقی کی اور تجارت و علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

5- جیزہ۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر دریائے نیل کے کنارے فسطاط کے بالمقابل واقع تھا۔ اسے چھوٹی سی فوجی چھاؤنی بنایا گیا اور یہاں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبائل آباد ہوئے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا اور یہ شہر بھی عربی اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا فوج کے محکمہ کا انتظام و انصرام :-

ہجرت مدینہ کے بعد سورۃ جہاد کے نزول سے آنحضرتؐ اور صحابہ کرام کو اپنے دفاع دین کی اشاعت کی آزادی اور ظلم و جبر کے خلاف دشمن کے خلاف جنگ کی اجازت مل گئی تو 2ھ میں معرکہ بدر حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا قریش مکہ ایک ہزار مسلح سپاہیوں کے ساتھ اپنے سرداروں کی قیادت میں بدر کے میدان میں پہنچ گئے اور آنحضرتؐ اپنے 313 مجاہدین کے ساتھ جن میں صرف دو گھوڑے تھے اور اسلحہ بھی بہت کم تھا میدان بدر میں خیمہ زن ہوئے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت اور کفار کو اپنی تعداد اور اسلحہ پر بھروسہ تھا۔ آخر اللہ کی نصرت و حمایت کی بنا پر ایک ہی دن میں مشرکین قریش کو شکست فاش ہوئی اور مجاہدین کو تاریخ ساز فتح نصیب ہوئی۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے آٹھ نو سال کے قلیل عرصہ میں اٹھائیس غزوات کی قیادت کی اور ممتاز صحابہ کی سپہ سالاری میں باون سرایا میں دشمن کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر مقابلہ میں مظفر و منصور کیا اور آنحضرتؐ کے حسین حیات مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل رقبہ کو فتح کر کے اسے مملکت اسلامیہ مدینہ میں شامل کر لیا اور اس تمام سلطنت مدینہ کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آنحضرت کا ہر غزوہ اور سریہ میں تیاری کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ جنگ سے قبل آپ اعلان فرما دیتے تھے کہ فلاں دن فلاں دشمن کے خلاف فلاں مقام پر جنگ ہو گی جو مجاہدین اس جہاد میں حصہ لینا چاہتے ہیں وقت مقررہ پہنچ جائیں چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت ہوتا وہ خود بخود اپنا اسلحہ یعنی تلوار ڈھال نیزہ اور تیر کمان لے کر پہنچ جاتے۔ جنگ میں حصہ لینے والوں میں سے جن کو شہادت نصیب ہوتی ان کے علاوہ فاتحین کو دشمن کے مال غنیمت میں سے چار حصے تمام مجاہدین میں حصہ برابر تقسیم کر دئے جاتے اور خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا جسے آنحضرتؐ ضرورت کے مطابق خرچ کرتے یہ تھا مختصر الفاظ میں آنحضرتؐ کے دور میں جہاد میں حصہ لینے کا طریقہ کوئی مستقل فوج نہ تھی کسی کو تنخواہ نہیں ملتی تھی بس تمام مسلمان اپنے حالات کے مطابق

بوقت ضرورت غزوات میں حصہ لیتے تھے جو کامیاب ہوتے وہ غازی تھے اور ان کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا جو شہید ہو جاتے تھے ان کو جنت نصیب ہوتی تھی یہی طریقہ کار حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی جاری رہا اور کوئی مستقل فوج جہاد یا دفاع کے لئے تیار نہیں کی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب جہاد کا سلسلہ مستقل طور پر شروع ہو گیا اور مقابلہ بھی دنیا کی دو عالمی طاقتوں کسری ایران اور قیصر روم کے ساتھ شروع ہو گیا تو حضرت عمرؓ کو ایک مستقل فوج تیار کرنی پڑی۔ چنانچہ پہلی بار تاریخ اسلام میں حضرت عمرؓ نے مستقل فوج تیار کی۔ ان کو سامان جنگ رسد اور گھوڑے بھی مہیا کرنے پڑے اور ان کی تنخواہیں بھی مقرر کیں حالانکہ مال غنیمت سے ان کو حسب سابق حصہ بھی ملتا رہا اور ان مجاہدین کے پس ماندگان کو وظائف بھی ملتے رہے۔ الغرض تاریخ اسلام کے سنہری دور میں جب ایران' فارس' عراق' شام' فلسطین اور مصر تک جنگ کا حلقہ وسیع ہو گیا اور یہ کلی اور ملی جنگ تھی اسلام اور عرب قومیت کی جنگ کی شکل اختیار کر چکی تو پھر حضرت عمرؓ کو ایک محکمہ فوج قائم کرنا پڑا اور ایک مستقل فوج کے ہر قسم کے ساز و سامان جنگ اور گھوڑوں اور اونٹوں کے رسالوں کو تیار کرنا پڑا۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کرنی پڑیں اور ایک بہت بڑی مستقل فوج یعنی (سٹینڈنگ آرمی) تیار رکھنی پڑی فتوحات اور جنگوں کے لئے اور مفتوحہ علاقوں کے دفاع کے لئے۔

حضرت عمرؓ نے ایک علیحدہ محکمہ فوج قائم کر دیا۔ اس کے تحت ایک مستقل تنخواہ دار فوج تیار کر لی۔ اس کی باقاعدہ تربیت اور تنظیم کا انتظام کیا۔ ہر قسم کا اسلحہ مہیا کیا اور فوجی چھوؤنیاں قائم کیں گھوڑوں اور اونٹوں کے رسالے قائم کئے۔ دور جدید کی فوجوں کی طرح ان فوجوں کو بھی تمام سہولیات مہیا کیں یہ جنگ دنیا کی دو عالمی طاقتوں کے خلاف کل اور ملی جنگ تھی حضرت عمرؓ کا یہ جہاد اسلام اور عرب قومیت کی کامیابی کے لئے تھا مجاہدین کو حسب سابق مال غنیمت سے بھی حصہ ملتا تھا اور تنخواہیں بھی ملتی تھیں یہ مستقل (Standing Army) تھی جو جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھی۔ 15ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا محکمہ قائم کیا۔ آپ ہر مسلمان کو فوج کا سپاہی اور مجاہد بنانا چاہتے تھے۔ اس وقت تین حضرات عرب کے نساب دان اور حساب کتاب کے ماہر تھے مخترمہ بن نوفل جبیر بن مطعم اور عقیل بن ابی طالب حضرت عمرؓ نے ان تینوں کو بلا کر یہ خدمت ان کے سپرد کی کہ قریش مکہ اور انصار مدینہ کی مردم شماری کر کے ان کے نام ترتیب وار ایک رجسٹر میں درج کئے جائیں۔ ان لوگوں نے باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے ناموں کے اندراج اس دفتر میں درج کئے جائیں پھر حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ اور پھر حضرت عمرؓ کا دور اس سے تمام مہاجرین اور انصار اور دیگر قبائل کے لوگوں کے نام درج کئے جائیں جس قدر لوگ رجسٹر میں درج کئے گئے وہ در حقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے یعنی مجاہدین اسلام تھے لیکن ان کی دو قسمیں تھیں جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے یعنی یہ باقاعدہ فوج تھی لیکن جو عموماً اپنے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے دیگر کاروبار کرتے تھے لیکن بوقت ضرورت فوجی خدمات کے لئے طلب کئے جا سکتے تھے ان کو رضاکار یعنی ریزرو فوج کہا جاتا تھا الغرض فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا نقشہ تھا۔ یعنی تمام مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ وہ لوگ جو ہمہ وقت فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے اور دوسرا حصہ وہ تھا جو وقتی طور پر فوجی خدمات کے لئے طلب کئے جاتے تھے البتہ تنخواہ سب کو ان کی

اہلیت اور خدمات کے مطابق ملتی تھی۔ 21ھ تک حضرت عمرؓ نے فوج کے محکمہ کو اس قدر منظم اور باقاعدہ بنادیا کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی تھی۔ فوج کا ادارہ انتہائی نظم وضبط کے ساتھ بہترین طریقے سے اپنے فرائض ادا کرتا تھا اور مملکت اسلامیہ کا دفاع اور فتوحات کا سلسلہ بہترین فوجی افسران کے ہاتھوں میں تھا جو ہمیشہ فاتح اور کامیاب وکامران ہوتے تھے تمام فوج کا کنٹرول خواہ وہ کسی جگہ یا کسی محاذ پر برسرپیکار ہو حضرت عمر فاروقؓ کے مضبوط ہاتھوں میں تھا اور آپ کے پیشگی حکم کے مطابق تمام فوج اور سپہ سالاران پر عمل کرتے تھے اور مدینہ میں آپ کو ہر واقعہ کی اطلاع پہنچانے اور حکم کے مطابق عمل کرتے تھے۔

20ھ میں حضرت عمرؓ نے تمام مملکت اسلامیہ مدینہ کو فوجی اہمیت کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور وہاں مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور ان عسکری مراکز کو تمام ضروری سہولیات اور بنیادی اہمیت کے مسائل کو حل کر دیا۔ فوجی چھاؤنیاں مندرجہ ذیل مقامات پر قائم کیں۔

1- مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، مصر، جزیرہ، ان چھاؤنیوں میں جو انتظامات فوج کے لئے وہ مندرجہ ذیل تھے :۔

1- فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تعمیر کی گئیں۔ 2- ہر جگہ گھوڑوں کے لئے بڑے بڑے اصطبل تعمیر کئے گئے اور ہر چھاؤنی میں چار چار ہزار گھوڑوں کے لئے انتظامات کئے گئے مدینہ کی چھاؤنی کا انتظام خود حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھا اور شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تھی وہاں ان گھوڑوں کی حفاظت اور نگرانی کا انتظام آپ کے غلام ہنی کے ذمہ تھا ان گھوڑوں کی ران پر داغ کے ذریعے "فی سبیل اللہ" کے الفاظ لکھے جاتے تھے کوفہ میں ان گھوڑوں کا انتظام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے سپرد تھا جو اس کام کا ماہر تھا۔ سردی کے موسم میں یہ گھوڑے اپنے اصطبل میں رہتے تھے اور گرمیوں میں کھلی چراگاہوں میں بھیج دئے جاتے تھے گھوڑوں کی خاص دیکھ بھال کی جاتی تھی اور حضرت عمر خاص دلچسپی لیتے تھے۔ 3- ہر فوج کا دفتر یعنی رجسٹر اور ریکارڈ وغیرہ اس چھاؤنی میں ہوتا تھا حضرت عمرؓ کا یہ بھی اصول تھا کہ جو شہر یا علاقہ فتح ہوتا وہاں کے نظم ونسق اور بغاوت یا دشمن کے حملہ سے بچانے کے لئے کچھ فوج اور گھوڑے وہاں رہتے تھے اور ایک چھوٹی سی چھاؤنی قائم کر دیتے تھے 17ھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا دورہ کیا تو مناسب مقامات پر دفاعی چوکیاں قائم کرنے کا حکم دیدیا۔ شام کا حضرت امیر معاویہؓ اور مصر کا دفاعی انتظام عمرو بن العاص نے بڑا مضبوط کیا۔ خصوصاً سکندریہ کا دفاع بہت مضبوط کیا۔

فوجوں کی بھرتی اور فوج میں شمولیت مہاجرین وانصار کے بعد وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب تک پھیل گیا۔ اب جزیرہ نما عرب کا ہر مسلمان خواہ کسی مقام یا کسی قبیلہ سے ہو فوج میں شامل ہو سکتا تھا۔ یعنی حضرت عمرؓ نے فوج کے دروازے پورے عرب کے لئے کھول دئے اور فوج کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور فتوحات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہو گیا اور ہر سال ہزاروں نئے فوجی بھرتی کئے جاتے تھے کیونکہ ہر فوجی کو تنخواہ کے علاوہ مال غنیمت سے بھی حصہ ملتا تھا اور فتوحات بھی بڑے سرمایہ دار اور ترقی یافتہ ممالک ایران شام اور مصر وغیرہ میں ہو رہی تھیں اور اب یہ جہاد عربوں کا پیشہ بن گیا تھا غازی اور شہادت کے علاوہ مال غنیمت بھی بڑی کشش کا باعث تھا۔ ہر فوجی کو وقت مقررہ پر ہر ماہ تنخواہ مل جاتی تھی رسد کا بھی معقول انتظام تھا اور وردی بھی سرکاری ہوتی تھی۔ ہر چار ماہ کے بعد گھر جانے کے لئے چھٹی بھی ملتی تھی فوج کی باقاعدہ ٹریننگ اور تربیت ہوتی تھی

اسلامی تعلیمات کا معقول انتظام سیرت و کردار اور اسلام کے مطابق انسانیت اور اخلاق کا درس دیا جاتا تھا۔ اور فوج کو ہر لحاظ سے قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔ الغرض حضرت عمرؓ نے نا صرف ملت کے ہر فرد بلکہ فوج کے ہر سپاہی اور افسر کو بھی صحیح مسلمان بنانے کا درس حیات دیا اور ان کی معنوی قوت میں انقلاب اور اسلامی نظام کا نفاذ عملاً قائم کر دیا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کو بلا مبالغہ تاریخ اسلام کا سنہری نظام اور عہد قرار دے سکتے ہیں۔

تمام فوج کو نہ صرف فوجی تربیت دی جاتی تھی بلکہ فوج کو ہر قسم کا سامان حرب و ضرب بھی مہیا کیا جاتا تھا۔ اور تمام عسکری ضروریات پوری کی جاتی تھیں اور قابل اور بہادر سپاہیوں کو ترقی کے مواقع اور شاندار کارناموں پر انعام و اکرام سے بھی نوازا جاتا تھا۔ فوج میں محکمہ خبر رسانی اور جاسوسی کا بھی اہتمام تھا اور دشمن کی ہر قسم کی خبریں فوج کے افسران کو ملتی رہتی تھیں۔ عراق اور شام میں بے شمار عرب آباد تھے ان میں سے اکثر حلقہ بگوش اسلام بھی ہو گئے تھے ان کے ذریعے بھی دشمن کی طاقت اس کی حرکات و سکنات اور عسکری حکمت عملی کی بھی مصدقہ اطلاعات ملتی رہتی تھیں تاریخ عالم کا یہ محیر العقول فقید المثال واقعہ ہے کہ عرب فوج کے جوانوں کا تعلق صحرائے عرب کے خانہ بدوش عرب قبائل سے تھا جنہوں نے نا صرف فوجی ادارے ملٹری کالج یا فنون حرب و ضرب کی عسکری تربیت گاہ سے تربیت حاصل نہ کی تھی صرف اسلام کی تعلیم حاصل کر کے جذبہ جہاد اور شوق شہادت کے تحت مجاہدین کے لشکروں میں شامل ہو گئے اسلحہ بھی معمولی تھا اور تنظیم بھی فوجی نظم و ضبط کے تحت نہیں تھی صرف اطاعت امیر اور معنوی طاقت مضبوط تھی۔ اس کے باوجود دنیا کی منظم تربیت یافتہ پیشہ ور بہترین فوجیں جو قابل اور تجربہ کار سپہ سالاروں کی زیر کمان تھی اور جدید اسلحہ سے مسلح تھیں ان کی تعداد ہر میدان جنگ میں ایرانی اور رومی فوجوں سے کئی گنا کم ہوتی تھی اور پھر دشمن کے اپنے گھر میں جا کر جہاں ان کو ہر طرح کی امداد حاصل ہو سکتی تھی۔ پھر بھی یہ عرب مجاہدین ہر میدان جنگ میں فاتح اور مظفر و منصور ہو کر لوٹے۔ بے شمار مال غنیمت اور دشمن کا سامان حرب و ضرب پر قبضہ کیا اور دشمن کے بے شمار قیدی اور لونڈیاں غلام بنا کر لائے۔ ان تمام جنگوں میں سوائے سپہ سالار عبیدہ بن مسعود ثقفی کے جسر کے محاذ پر غلطی سے ناکامی کے نا کبھی کسی جنگ میں شکست کھائی نہ گرفتار ہوئے اور ناہی راہ فرار اختیار کی۔ دنیا کے کسی ملک کی فوج کے اتنی بہادری' شجاعت اور فتوحات کے کارناموں کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ ایک اور عدیم المثال کارنامہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام اس سنہری دور میں ایسے ایسے عسکری ماہرین اور بہادر سپہ سالار اور جرنیل پیدا ہوئے جنہوں نے کسی فوجی کالج اور عسکری ادارے سے فوجی حرب و ضرب اور فنون سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ تاریخ اسلام کے اس سنہری دور میں دنیا کے عظیم سپہ سالار اور فاتح پیدا ہوئے جن میں خالد بن ولیدؓ عمرو بن العاصؓ' سعد بن ابی وقاص' معاویہ بن ابو سفیانؓ' قعقاع بن عمرو تمیمی مثنیٰ بن حارث شیبانی ابو عبیدہ بن الجراح زبیر بن عوام وغیرہ شامل ہیں۔

اقوام عالم کے عروج وزوال کے اسباب:

اسلام کے سنہری دور کی تاریخ بیان کرنے کے بعد ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ قارئین کو اقوام عالم کے عروج و زوال اور موت وحیات کے اسباب بتادیے جائیں۔ جو بلا امتیاز مذہب وملت' نسل وقبیلہ' رنگ وزبان' قومیت ووطنیت' زمانہ و ادوار سب کے لئے یکساں' برابر' غیر متبدل اور اٹل ہیں اور تمام بنی نوع انسان کی تاریخ اسی قانون فطرت' قانون مکافات اور قانون تاریخ کے مطابق اپنے آپ کو دہراتی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ کب اور کہاں امت اسلامیہ نے اس قانون خداوندی کے مطابق عمل کیا اور دنیا میں عروج وترقی عزت ووقار' فتح ونصرت' علم وحکمت' امن وسلامتی اور آزادی وخود مختاری کی بے بہا دولت حاصل کی اور کب اور کہاں ملت اسلامیہ مذہبی فرقہ بندی' نسلی ولسانی امتیازات وطنیت وقومیت کے تعصبات' اخلاق و کردار کے بحران اور باہمی اختلافات' انتشار اور طبقاتی کشمکش کا شکار ہو کر معاشرتی برائیوں معاشی استحصال اور سیاسی استبداد کے بحر عمیق میں غرق ہو گئی' غلامی ومحکومی کی لعنت کے علاوہ ذلت وخواری' ہولناک تباہی' پس ماندگی' ناخواندگی' مفلسی وبے چارگی اور تمام انسانی بنیادی حقوق سے محرومی ان کا مقدر بن گئی۔ مسلمانان عالم کے زوال وانحطاط کے لرزہ خیز حادثات و واقعات کی تاریخ انتہائی عبرت ناک ہے سپین بغداد' قرطبہ' دہلی' بخارہ' تاشقند' دکن اور ڈھاکہ وغیرہ جو اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کے عظیم مراکز تھے۔ مذہبی فرقہ بندی' نسلی ولسانی امتیازات' وطنی وعلاقائی تعصبات اور اخلاق وکردار کے بحران کی وجہ سے قیامت خیز ہلاکت وتباہی کا شکار ہو گئے۔

قرآن حکیم نے وہ قوانین فطرت بتادیے ہیں۔ جن کے مطابق قوموں کی موت وحیات اور عروج وزوال کے فیصلے ہوتے ہیں۔ ان کا نام اجتماعی قانون مکافات عمل ہے۔ یہ بلا امتیاز مذہب وملت' قومیت ووطنیت ادوار زمانہ ہمیشہ اور ہر ایک قوم کے لئے غیر متبدل مستقل اور اٹل ہیں اور تاریخ اس اجتماعی قانون مکافات کے ریکارڈ کا نام ہے دور حاضر کی اصطلاح میں اسے "سائنس آف ہسٹری" یا فلسفہ تاریخ سے تعبیر کیا جاتا ہے قرآن تاریخ کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور مسلمانوں کو تاریخ کا مطالعہ کرنے کی تاکید کرتا ہے "تاریخ انسانیت پر غور وفکر کرو کہ غلط روش اختیار کرنے کا کیا انجام ہوا" خدا کا قانون اٹل ہے جس کے مطابق اقوام سابقہ کی موت وحیات کے فیصلے ہوئے اور ظلم واستبداد کرنے والی سرکش قوموں کا انجام کیا ہوا۔ ان کا نام ونشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا" قرآن تاریخ کو ایک سائنس یا فلسفہ کی حیثیت دیتا ہے اور انہیں قوانین کے مطابق تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے قرآن نے ان قوانین کو "سنت اللہ" سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن کا دوسرا اصول یہ ہے کہ جس معاشرے میں محنت کش طبقہ رات دن محنت ومشقت کر کے پیدا کرے اور سرمایہ دار جاگیر دار طبقہ ان کی محنت پر مفت میں عیش کرے وہ نظام کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا نظام حق وانصاف نہیں بلکہ ظلم وباطل پر قائم ہے۔ محنت کش طبقے کا استحصال ان کے حق پر غاصبانہ قبضہ کے مترادف ہے ابتدائے آفرنیش سے یہی طبقاتی کشمکش جاری ہے اور جو قوم اپنے معاشی نظام میں جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کو محنت کش عوام' مزدوروں کاشتکاروں کے استحصال کی اجازت دیتی ہے جو قوم کسی فرد کو بغیر محنت اور جدوجہد کے آرام وآسائش کی زندگی بسر کرنے کی اجازت اور موقع دیتی ہے وہ اپنی تباہی کو دعوت دیتی ہے۔

قرآن کے نزدیک واقعات تاریخ میں بھی علت و معلول کے طبعی قانون کی طرح اسباب و نتائج کا قانون کام کرتا ہے اگر کوئی قوم حقیقت حیات اور فطرت اجتماعی کے صحیح نظریہ کو مان کر عمل صالح کرے تو اسے دنیا میں کامیابی اور آخرت میں حیات جاوید حاصل ہو سکتی ہے جس قوم کو قوانین فطرت اور قوانین تاریخ کا علم وبصیرت نہ ہو اور اس کے مطابق عمل نہ کرے اس کا انجام اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اچھا نہ ہو گا۔

قرآن نے بت پرستی اور شرک کو بھی اقوام کے زوال اور ہلاکت کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے اور خالص توحید الٰہی اور اعمال صالح پر ایمان کو عروج و ترقی کا ضامن قرار دیا ہے جو شخص خالص توحید پر ایمان رکھے گا وہ قانون مکافات یعنی جزا اور سزا کے قانون پر بھی ایمان رکھے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا۔بد قسمتی سے مسلمانوں کی غالب اکثریت غیر ارادی طور پر بلا سوچے سمجھے شرک اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہو چکی ہے۔اس کا اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر ایمان متزلزل ہو چکا ہے اس لئے وہ قانون مکافات عمل یعنی قانون جزا وسزا پر بھی عملی طور پر ایمان نہیں رکھتی اور اپنی عقیدت کے مطابق شخصیتوں کے وسیلہ اور سفارش کے ذریعے نجات کا سامان مہیا کرنے کی فکر میں رہتی ہے قانون مکافات عمل کے مطابق انسانوں کی تمدنی ترقی' معاشی خوشحالی سماجی اصلاح سیاسی آزادی اور عروج و ترقی کے لئے ہدایت و راہنمائی کے تین سرچشمے ہیں۔

(i) آیات خداوندی جو انبیاء کرام پر بذریعہ وحی نازل ہوئیں اور جو الہامی کتب میں موجود ہیں۔ خصوصاً قرآن حکیم میں ان پر غور وفکر سے ترقی وارتقاء کے لئے رہنمائی مل سکتی ہے۔

(ii) آیات فطرت یعنی عالم طبعی عالم فطرت اور نظام کائنات کا مشاہدہ اور اس پر تدبر و تفکر۔

(iii) آیات تاریخ یعنی تاریخ عالم کے حقائق و واقعات کے مطالعہ و تحقیق سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اقوام عالم کے عروج و زوال کے اسباب کیا تھے۔

مساوات واخوت کا اصول :-

جس قوم میں مساوات انسانی اور اخوت کا جذبہ ہو اور ذات پات کی اونچ نیچ' نسل و قبیلہ 'رنگ و زبان کے امتیازات نہ ہوں۔ قومیت و وطنیت کے تعصبات نہ ہوں وہ قوم عروج و ترقی حاصل کرتی ہے اور اس کا زوال و انحطاط بہت عرصہ کے بعد اور دیگر عوامل کی وجہ سے آتا ہے اگر اسلام میں عرب و عجم گورے کالے نسل و قبیلہ اور وطنیت و قومیت کے امتیازات و تعصبات ہوتے اور اسلام قبول کرنے والے غیر عربوں کو مساوی درجہ نہ ملتا تو بنو امیہ کے بعد اسلامی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جاتا اور اسلام کو عروج و ترقی حاصل نہ ہوتی ایرانیوں ترکوں اور مغلوں وغیرہ کے دائرہ اسلام میں شامل ہونے سے اسلامی تہذیب و تمدن اور دین اسلام کو جو فوائد حاصل ہوئے ان اقوام کے قابل اور بہادر افراد کے ذریعے اسلام کو جو ترقی و عروج حاصل ہوا تاریخ میں اس کا کوئی نشان نہ ملتا۔اسلام نے اپنا دروازہ ہر قوم و نسل کے لئے کھلا رکھا اور اس مساوات واخوت کی وجہ سے اسلام کی ہر قوم نے بے انتہا خدمات سرانجام دیں۔

تعلیم وتربیت کا صحیح نظام :

اگر کسی ملک کا نظام تعلیم صحیح اصولوں پر مبنی ہو تو وہ اپنی آئندہ نسل میں ایک طاقتور عقیدہ و نظریہ اور اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ جس سے تعمیری و تخلیقی جذبات ابھریں اور ترقی کریں۔ اس کے اندر معاشی انصاف' معاشرتی مساوات اور سیاسی جمہوری نظام قائم ہو سکتا ہے جو ہر قسم کی برائیوں سے پاک اور عوام کے حقوق و مفاد کے مطابق انسان دوستی کے جذبات پر استوار ہو' نوجوانوں کی صحیح تعلیم وتربیت اور ان کی خداداد صلاحیتوں کی نشوونما' ارتقاء اور ان کی سیرت و کردار کی تعمیر سے قابل فخر انسان پیدا ہو سکتے ہیں۔

مذہبی فرقہ بندی :

قرآن نے مذہبی فرقہ بندی کی شدید مخالفت کی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے کیونکہ فرقہ بندی سے ملت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور اتحاد واستحکام کی بجائے قوم انتشار و خلفشار میں مبتلا ہو کر مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور باہمی تعصبات اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور قوم تباہی و بربادی کے کنارے پر پہنچ جاتی ہے بغداد کی قیامت خیز تباہی اس مذہبی فرقہ بندی کی خوفناک مثال ہے لہذا فرقہ بندی سے قومیں زوال وانحطاط اور تباہی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اسلامی فتوحات کی وجوہات :-

جب اسلام آیا تو انہیں مغلوب عربوں نے ایک ایسی عظیم الشان قوم تیار کر لی جس نے روم اور فارس کی سلطنتوں کو میدان جنگ میں شکست فاش دیکر ایسی عظمت و شوکت حاصل کی کہ تمام عالم میں واحد سپر پاور بن کر ابھری۔

سلطنت ایران کا دار الخلافہ مدائن تھا جو واسط اور بغداد کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع تھا یہاں ساسانی خاندان کی حکومت تھی ساسانی سلطنت کی بنیاد شہر بابکان نے ڈالی تھی 630ء میں جب آنحضرتؐ نے کسریٰ ایران کو دعوت اسلام کا پیغام بھیجا اس وقت نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز ایران کا بادشاہ تھا اس نے نامہ مبارک پھاڑ کر اپنے یمن کے عامل کو لکھا کہ وہ داعی اسلام کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دے۔ اس دوران اس کے بیٹا شیرویہ نے اس کو قتل کر کے خود تخت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد ایران میں حکمرانوں کے قتل کا سلسلہ جاری رہا۔ آنحضرتؐ کے آخری زمانہ میں ایران کے تخت پر شیرویہ کی بہن بوران حکمران تھی۔ بوران کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی ارزی دفت تخت سلطنت پر بیٹھی۔ اس کے بعد شاہ یزدگرد شہریار بادشاہ بنا۔ جس کے زمانہ میں تمام ایران اسلام کے تحت آ گیا۔ جسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شکست فاش دے کر ملک پر قبضہ کر لیا۔

ایران کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت روم تھی جو اس وقت وسعت اور عظمت و شوکت اور طاقت و قوت کے لحاظ سے دنیا کی دوسری سپر پاور تھی ایک مدت کے بعد اس کے دو ٹکڑے ہو گئے مغربی حصہ کا مرکز بدستور روم رہا اور مشرقی حصہ کا پایہ تخت قسطنطنیہ قرار پایا۔ ابتدائے اسلام میں قسطنطنیہ کے تخت پر شہنشاہ ہرقل فوکا قابض تھا۔ پھر قیصر نے بغاوت کر کے

اس کو قتل کر ڈالا اور 610ء میں سلطنت روما کا بادشاہ بن گیا۔ اس کی حکومت 614ء تک رہی۔ اس کے زمانہ میں مسلمانوں نے شام کو فتح کر لیا۔

آغاز اسلام میں قیصر موقا اور نوشیرواں کی فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اس میں ایران کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ ایران نے شام پر اور فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور فلسطین کے عیسائیوں کی صلیب اتار کر ایران لے گئے تھے اور 616ء تک مصر اور سکندریہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو ایک اہل کتاب کی شکست اور مشرک ایران کی فتح سے دکھ ہوا سورۃ روم میں اس طرف اشارہ ہے۔ 622ء میں ہر قل شاہ روم نے زبردست تیاری کر کے پھر ایران کا مقابلہ کیا اور شاندار فتح حاصل کی آخر 628ء میں خسرو پرویز نے رومیوں سے مصالحت کر لی' مقدس صلیب بھی واپس کر دی اور ہر قل 629ء میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے یروشلم آیا یہی وہ سال تھا جب آنحضرتؐ نے ہر قل کو دعوت اسلام کا خط بھیجا اور وہ خط اس کو بیت المقدس میں جا کر دیا گیا۔

ابتدائے عہد خلافت میں ان دونوں سلطنتوں کی مندرجہ بالا حالت تھی جس سے مسلمان مجاہدین کو واسطہ پڑا۔

اسلام فتوحات :-

جزیرہ نمائے عرب کا وہ حصہ جو ایک طرف خلیج عقبہ اور دوسری طرف خلیج فارس سے شروع ہو کر شمال کی جانب پھیلتا جاتا ہے۔ خلیج عقبہ کا شمالی مشرقی حصہ شام ہے اور خلیج فارس کا شمالی مغربی حصہ عراق ان دونوں خلیجوں کے درمیان پہاڑوں کا ایک سلسلہ واقع ہے جو صحرائے نفوذ اور دشت شام کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ جوف کے علاقہ میں دومتہ الجندل وہ مقام ہے جہاں قدیم زمانے میں شام' عراق اور عرب کی سرحدیں ملتی تھیں اور شام اور عراق کے درمیان دشت شام واقع ہے۔ لخمیوں اور غسانیوں کے ذریعہ سے عربی فتوحات اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اسلامی سلطنت کی تشکیل کا باعث بنے جنوب سے شمال کی طرف عربوں کی نقل مکانی سد مارب کے انہدام اور رومی تجارتی راستوں کا رخ خشکی کی بجائے سمندر کی طرف تبدیل ہونے سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ ان ہر دو واقعات کو عربوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس نقل مکانی کا آغاز سب سے پہلے عرب کے جنوبی علاقوں یعنی حضر موت' یمن' عمان اور بحرین کے لوگوں نے کیا۔ ان عرب قبائل نے ابتدائی زمانہ میں صحرائے شام کی طرف نقل وطن کیا تھا اور عراق و شام کی سرحدوں پر اپنی نیم خود مختار سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ جنوبی علاقوں کے بعض قبائل حجاز میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ بعض قبائل نے بعد میں شام کا رخ کر لیا۔

ایرانی اور رومی سلطنتوں کی پالیسی کے تحت شامی حدود کے قریب بسنے والے عرب قبائل کو رومیوں نے اپنے ساتھ اور عراق کی حدود کے ساتھ بسنے والے قبائل کو ایرانیوں نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ان قبائل نے بھی اندرونی خود مختاری' بدوی معیشت اور عربی معاشرت برقرار رکھتے ہوئے اپنی ہمسایہ سلطنتوں کی بالادستی تسلیم کر لی یعنی یہ بفر سٹیٹس (Bufer States) بن گئیں۔ شام میں مقیم عرب قبائل اپنے قومی خصائص برقرار رکھتے ہوئے رومی تہذیب و تمدن عیسائی مذہب اور سیاسی اثرات قبول کرنے سے باز نہ رہ سکے لیکن عراق کی سرحدوں پر آباد ہونے والے عربوں نے صحرا کو چھوڑنے اور عراق

حدود میں داخل ہونے سے پرہیز کیا مگر جب ان کے دلوں میں ایرانی سلطنت کی غلامی کا خوف نکل چکا تو انہوں نے عراق کی حدود میں داخل ہو کر دریائے فرات کے کنارے انبار کا شہر اور اس سے کچھ فاصلہ پر حیرہ کا شہر آباد کر کے یہاں سکونت اختیار کر لی۔ بعد میں لخمیوں نے عراق اور غسانیوں نے دمشق میں بڑی شاندار ترقی کی اور یہ دونوں عرب حکومتیں اپنے اپنے حلیف اور سرپرستوں ایران اور روم کی جنگوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے ہیں اور خود بھی عروج و کمال تک پہنچیں' غسانی عرب حکمرانوں کی خود مختاری حیرہ کی لخمی عرب حکومت کے مقابلہ پر کم خود مختاری حاصل تھی عراق میں لخمیوں کی داخلی خود مختاری کا دائرہ بہت وسیع تھا لیکن غسانیوں کو عراقی عربوں سے بہت کم ان پر قیصر روم کا اثر تھا۔ چنانچہ اندرونی خود مختاری اور خالص عربی طرز زندگی اختیار کرنے کا ایک اثر یہ ہوا کہ عراقی اور شامی عربوں کی زبان بدستور عربی ہی رہی۔ اسی طرح ایک فائدہ یہ پہنچا کہ شاہان حیرہ اور امراء بنی غسان کے تعلقات اپنے ہم وطن عربوں سے بہت گہرے اور مخلصانہ رہے۔ ان تعلقات کی استواری میں عرب کے شعراء نے بے حد مدد دی۔ جنہیں حیرہ اور غسانی بادشاہوں کی طرف سے گراں قدر انعام ملا کرتے تھے۔ نابغہ ذبیانی اعشیٰ قیس اور علقمہ الفحل وغیرہ شعراء نے ان بادشاہوں کی مدح سرائی میں زور بیان صرف کیا۔ اسی طرح دربار نبوی کے شاعر حسان بن ثابت کے اسلام لانے سے قبل جبلہ بن الم سے گہرے تعلقات تھے۔ ان متذکرہ بالا تمام امور نے اسلامی فتوحات کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب عربوں نے ان علاقوں میں پیش قدمی کی تو یہاں بسنے والے عربوں نے بسا اوقات ان کی بھرپور امداد کی اور مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر رومی و ایرانی حلیفوں سے جنگ کی۔ اس زمانہ میں رومی سلطنت میں ہر طرف ابتری پھیل گئی تھی اور ہر طرف فتنہ و فساد جاری تھا۔ شہنشاہ روم فوکاس کے خلاف ہرقل کی بغاوت جاری تھی۔ ایرانیوں نے موقع کو غنیمت جان کر شام پر حملہ کر دیا اور ان تمام رومی علاقوں پر قبضہ کے بعد بیت المقدس پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسیحی و یہودی مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی اور صلیب مقدس کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ شام پر قبضہ کے بعد ایرانیوں نے مصر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں کی ان پیہم کامیابیوں کے دوران رسول اللہؐ پر یہ آیت نازل ہوئی "اگرچہ رومی سرزمین شام میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن عنقریب چند ہی سال میں وہ پھر غالب آجائیں گے اللہ ہی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس روز اللہ کی مدد کی وجہ سے مومن خوش ہوں گے اللہ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا چند ہی سال میں ہرقل نے دوبارہ طاقت پکڑ لی اور ایرانیوں سے نبرد آزما ہو کر ان کو مصر و شام سے نکال دیا۔ صلیب مقدس ان سے چھین لی اور اسے بیت المقدس میں اس کی اصل جگہ پر آویزاں کر دیا گیا ان مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں کی قوت و طاقت میں کمی اور اقتدار میں فرق آگیا۔ دیگر امور کے علاوہ یہ امر بھی عربوں کی سلطنت کے قیام اور فتوحات اسلامیہ کے لئے مددگار ثابت ہوا۔ کوفہ کے قریب ایران اور عراق میں عربوں کے درمیان تاریخی جنگ 610ء زرقا کے مقام پر ہوئی تھی۔ جس میں عربوں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ اسی سال آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا اور اسی جنگ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ پہلا روز ہے کہ جب عربوں کو عجمیوں پر غلبہ حاصل ہوا ہے اور انہیں یہ فتح صرف میری وجہ سے حاصل ہوئی حیرہ کے آخری بادشاہ منذر مغرور کا انتقال 632ء میں ہوا تھا۔ اس کے بعد عراق میں شاہان حیرہ کا دور حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ادھر شام میں غسانی خاندان کی حکومت ابہم ثانی کے بیٹے جبلہ بن ابہم کی وفات پر غسانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس

کے بعد عراق وشام میں اسلامی دور کا آغاز ہو گیا جو اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں عمل میں آیا۔ ان حالات کی وجہ سے عربوں کے دلوں میں ایرانیوں اور رومیوں کا رعب ودبدبہ جاتا رہا۔ اور ان میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ یہ آزادی اور خود مختاری کا جذبہ اسلامی فتوحات میں مدد معاون ثابت ہوا۔

جس وقت خالد بن ولیدؓ یمامہ میں اور مہاجر بن ابی امیہ اور عکرمہ بن ابو جہل یمن میں مرتدین اور باغیوں کے خلاف کامیاب جنگ سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کو یقین آگیا کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں خلیفتہ الرسول اللہؐ کی حکمرانی ہو گی اور پھر کسی کو بغاوت وسرکشی کی جرات نہیں ہو گی۔ ادھر حضرت ابو بکرؓ بنظر غائر جائزہ لے رہے تھے اور سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے کہ عربوں کی دوبارہ شورش اور فتنہ آرائی سے بچنے کے لئے کیا مناسب نہ ہو گا کہ ان کی توجہات کو ایران اور شام کی طرف منعطف کر دیا جائے تاکہ انہیں حکومت کے خلاف سر اٹھانے اور فساد برپا کرنے کا کوئی موقع ہی نہ مل سکے۔ اس کے سامان اللہ نے پہلے ہی پیدا کر دیئے تھے۔ صحرائے شام میں بسنے والے عرب قبائل سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ بھی دین اسلام کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیں گے۔ جس طرح ان کے ہم وطن قبائل نے قبول کر لیا تھا اور وہ بھی اسلامی تحریک میں شامل ہو کر رومی سامراج سے آزادی حاصل کر کے اور عرب قوم کو متحد کر کے دنیا کے نقشے پر ایک طاقتور عرب قوم معرض وجود میں آجائیگی۔ اس سے پیشتر تمام تاریخ میں اگرچہ عرب قوم کا وجود موجود تھا مگر انہوں نے کبھی اپنی قومی حکومت قائم کی اور نا ہی کسی دوسری قوم کے غلام ہوئے بلکہ ابتدا سے ہی مختلف قبائل میں منقسم تھے اور قبائلی زندگی گزارتے تھے بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالتے تھے اور نخلستانوں میں عارضی طور پر رہائش رکھتے تھے جب نخلستاں میں پانی کی کمی یا ان کے مویشیوں کے لئے چارہ ختم ہو جاتا تھا تو نقل مکانی کر کے دوسری جگہ نخلستانوں کی تلاش میں نکل جاتے تھے مگر آنحضرتؐ کی رسالت اور اسلام کی تعلیم نے حجاز کے عربوں میں مساوات واخوت اور اتحاد واتفاق پیدا کر کے ان کو ایک مضبوط اور باوقار طاقت بنا دیا اور وہ ترقی وخوشحالی کی شاہراہ پر گامزن ہو گئے تو شام اور عراق کے عربوں میں بھی عربی نبیؐ کے دین میں شامل ہو کر اور عرب قومیت کا جذبہ اور تعصب پیدا کر کے دنیا میں ایک عظیم الشان عرب حکومت قائم ہو سکتی تھی۔ جن کی زبان بھی ایک دین بھی ایک اور قومیت بھی ایک ہو گی لہذا حضرت ابو بکرؓ کو یقین ہو گیا کہ اگر شام اور عراق کے عربوں کو ایران اور روم کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے عملی جدوجہد شروع کی گئی تو نہ صرف حجاز ونجد کے عربوں کی بغاوت کا کوئی خطرہ نہیں رہیگا بلکہ یہ عرب خود اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور عرب قوم کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرانے کے جذبہ کے تحت جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر میدان عمل میں آجائیں گے اور پھر جب ان میں پسماندہ اور غریب صحرانشینوں کو جو شجاعت وبہادری اور غیرت وخودداری کے جوہروں سے بھی مالامال ہیں۔ ان کو مال غنیمت سے حصہ بھی ملا کرے گا تو وہ جہاد اسلام کے لئے خلیفہ اسلام کے حکم پر فوج در فوج ایرانی اور رومی حکومتوں کے مقابلہ پر سینہ سپر ہو کر ہر قربانی کے لئے تیار ہو جائیں گے قرآن حکیم کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اسلام ہر طاغوتی طاقت پر غالب آجائے گا اور دنیا میں ایک عظیم الشان عرب اسلامی حکومت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہو گی اور تحریک اسلامی فتحیاب اور مجاہدین مظفر ومنصور ہوں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے رومی حکومت کی طاقت وقوت کے تمام خدشات بے بنیاد تھے کہ شام

کی غسانی حکومت کی پشت پر رومی طاقت و حکومت تھی یہ رومن امپائر تھی جو تمام یورپ' افریقہ اور ایشیا کے اکثر حصوں پر حکمران صدیوں سے چلی آرہی تھی اور تمام دنیائے عیسائیت ان کے ساتھ اور ماتحت تھی لہذا ان کے خلاف جنگ چھیڑنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ بظاہر حضرت ابو بکرؓ کے لئے یہی صورت مناسب تھی کہ وہ عام بغاوت کو فرو کرنے کے بعد تمام تر توجہ سلطنت اسلامی کے اندرونی استحکام اور قیام امن و امان کی طرف مبذول کرتے تا کہ عرب ایک وحدت میں منسلک ہو کر اقوام عالم میں باعزت مقام حاصل کرتے اور اپنی قوت و طاقت میں شاندار اضافہ کرتے اور دنیا کے نقشے پر عراق شام نجد اور حجاز کے عربوں پر مشتمل ایک نئی عرب قوم معرض وجود میں آجاتی جن کی زبان ایک مذہب ایک اور قومیت ایک یعنی عربی زبان عرب قوم اور دین ایک یعنی اسلام ہو تا شاید ان کو معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پہلے ہی اس تاریخی انقلاب کا فیصلہ کر چکی تھی اور آنحضرت کو اپنا نبی مبعوث کر کے نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے قرآن حکیم کی صورت میں قانون اور آئین کی عدیم المثال کتاب آنحضرتؐ پر نازل فرما چکے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی خصوصیات

1- حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے عمرے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دیدی۔ پھر فرمایا اے برادرم ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا" حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ نے مجھ سے ایسا کلمہ فرمایا کہ اگر اس کے عوض مجھے ساری دنیا ملے تو اتنی مسرت نہ ہو (طبقات صفحہ 61)

2- ایک دن حضرت عمرؓ چند ساتھیوں کے ساتھ وادی ضجنا سے گذر رہے تھے اچانک کھڑے ہو گئے اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا کہ میں اس وادی میں اونٹ چرایا کرتا تھا میرا باپ بہت سخت تھا۔ اگر میں تھک کر بیٹھ جاتا تو وہ مجھے مارتا۔ آج وہ وقت ہے کہ میں خود مختار حاکم ہوں اور میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی نہیں ہے میں نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔

3- حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ چند صحابہ کا ایک وفد حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کی قیادت میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ عمرؓ کی سختی اور درشتی کو جانتے ہیں پھر بھی آپ نے ان کو مسلمانوں کا خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔ خدا کو کیا جواب دو گے حضرت ابو بکرؓ جلال میں آگئے اور فرمایا کہ تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو۔ میں تم سے بہتر اللہ کو جانتا ہوں۔ اگر اس نے یہ سوال کیا تو میں جواب دوں گا کہ میں امت کا خلیفہ ایسے شخص کو بنا کر آیا ہوں جو تمام مسلمانوں میں سب سے بہترین ہیں۔

4- خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ مسجد میں منبر پر کھڑے ہوئے اور دعا کی کہ اے اللہ میں سخت ہوں۔ مجھے نرم کر دے۔ میں کمزور ہوں مجھے توانا کر دے میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں جو چیزیں حلال سمجھتا ہوں تمہیں بتاتا ہوں میرے لئے سال میں کپڑے کے دو جوڑے ایک جوڑا ایک کرتہ ایک چادر اور ایک تہبند ایک جوڑا سردیوں کے لئے اور ایک جوڑا گرمیوں کے لئے ایک سواری کا اونٹ حج اور عمرہ کے لئے میری اور میرے اہل و عیال کی خوراک جیسی ایک قریش کے عام آدمی کی ہوتی ہے جو نہ امیروں کے برابر اور نہ فقیروں کے برابر پھر میں بھی ایک عام مسلمان ہوں جو سب کو ملے وہی مجھے ملے۔ کوئی امتیاز نہ ہو۔

5- حضرت عمرؓ نے سن ہجری قائم کیا۔ حضرت عمرؓ نے ربیع اول 16ھ اس ہجری سن کا آغاز کیا۔

6- حضرت عمرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ آپ کے بعد تمام خلفاء نے یہی لقب اختیار کیا البتہ اس کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی۔

7- بیت المال یعنی سرکاری خزانے کا قیام حضرت عمرؓ نے بیت المال کا اجرا کیا یعنی جو سرکاری آمدن' جذیہ' خمس' مالیہ یا خراج

وغیرہ جو بھی سرکاری آمدن ہوتی تھی اس میں جاتی تھی اور تمام اخراجات باقاعدہ حساب کتاب کے مطابق بیت المال سے نکالے جاتے تھے۔

8- تمام مملکت اسلامیہ کی آبادی کی مردم شماری کرائی۔

10- حضرت عمرؓ بڑے عرب قوم پرست تھے عربوں کے اتحاد عربوں کی حکومت کے قیام اور عربوں کے مفاد کے حامی تھے انہوں نے عربوں سے غلامی کے رواج کو ختم کر دیا۔ کوئی کسی عربی کو غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ کاش کہ حضرت عمرؓ تمام بنی نوع انسان سے غلامی کے رواج کو ختم کر دیتے۔

11- مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ محفوظ بنایا۔ راستہ میں سرائیں مکانات اور ہوٹل ہوائے کھانے اور پانی کا اہتمام کیا۔ سفر کو آسان اور پرامن بنایا۔

12- راستوں میں پڑے ہوئے لاوارث بچوں کی پرورش دیکھ بھال اور حفاظت کا اہتمام کیا۔

13- راتوں کو گشت کا انتظام کیا۔ تاکہ رعایا کے حالات معلوم ہوں۔ ضرورتمندوں کی امداد ہو بھوکوں کو کھانا اور بیماروں کی امداد ہو۔

14- نئے شہر آباد کئے کوفہ بصرہ' موصل جزیرہ اور فسطاط وغیرہ۔

15- تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں۔ طلاق بائن قرار دیا یعنی مکمل طلاق قرار دیا۔

16- شراب کی حد 80 کوڑے مقرر کی گئی۔

17- تمام مملکت اسلامیہ کی زرعی اراضی کی پیمائش کرائی گئی۔ جس سے آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا۔

18- نہروں کی کھدائی۔ غیر آباد اراضیات کو آباد اور زرخیز بنانے کے لئے تمام مملکت میں نہریں کھدوائی گئیں۔ جس سے ملک کی پیداوار میں اضافہ اور عوام خوشحال ہوئے۔

19- وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔ حضرت عمرؓ کا وقف نامہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک قیمتی زرخیز زمین جس کا نام ثمغ تھا ملی تھی مگر آپ نے آنحضرتؐ کی اجازت سے یہ زمین غریبوں مسکینوں' فقیروں اور غلاموں وغیرہ کے لئے وقف کر دی۔ تاکہ اس کی آمدنی سے یہ لوگ مستفید ہوتے رہیں۔ اور یہ زمین بیع' ہبہ یا رہن نہیں ہو سکتی تھی۔ نہ میراث میں جا سکتی تھی اسلام میں حضرت عمرؓ کا یہ پہلا وقف تھا۔

20- مسجد نبوی میں توسیع۔ جب مدینے کی آبادی میں اضافہ ہو گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کا مکان خرید کر مسجد میں شامل کر لیا۔ جس سے مسجد میں توسیع ہو گئی۔

21- فجر کی نماز کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔

22- رمضان شریف میں نماز تراویح رات کی نماز میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کی ابتدا کی گئی۔

23- نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کیا۔

24- مساجد کے اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

25-مساجد میں وعظ کا طریقہ رائج کیا گیا۔
26-دینی مدارس قائم کئے۔ جن میں قرآن حکیم کی تعلیم دی جاتی تھی اور ان دینی مدارس کے اساتذہ کو معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں۔
27-کسی کی ہجو کرنا۔ قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔
28-غزلیا اشعار میں عورتوں کے نام لینے کی ممانعت کی گئی۔
29-حضرت عمرؓ کا قرضہ۔ حضرت عمرؓ کے ذمے بوقت وفات 80 ہزار درہم بیت المال کا قرض تھا۔ آپ نے شہادت کے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور فرمایا۔ کہ میری جائیداد فروخت کر کے یہ قرض ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے بیٹے نے آپ کی وفات کے ایک ہفتہ کے اندر اندر یہ قرض ادا کر دیا۔
30-حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ لوگ اس وقت تک ضرور درست رہیں گے۔ جب تک ان کے مذہبی پیشوا اور راہنما درست رہیں گے۔
31-حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک روز میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک احاطہ میں داخل ہوا۔ میرے اور ان کے درمیان دیوار تھی۔ اور وہ احاطے کے اندر تھے۔ میں نے انہیں کہتے سنا "عمر بن الخطابؓ امیر المومنین ہیں خوشی کی بات ہے واللہ اے فرزند خطاب تجھے ضرور اللہ سے ڈرنا ہوگا ورنہ اللہ تجھ پر عذاب نازل کر دیگا"
32-سفیان بن عینیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا "مجھے سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے جو میرے عیوب میرے سامنے بیان کر دے"
33-ابو موسیٰ اشعری کے تحفے کی واپسی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کی زوجہ عاتکہ بنت زید کو ایک قالین کا فرش بطور ہدیہ بھیجا۔ جو قریباً ایک گز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی زوجہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس یہ قالین کا فرش کہاں سے آیا۔ انہوں نے کہا۔ ابو موسیٰ اشعری نے بطور ہدیہ دیا ہے حضرت عمرؓ نے اس سے لے کر اس کے سر پر مارا۔ پھر ابو موسیٰ اشعری کو بلایا اور اس سے غصے کی حالت میں پوچھا کہ تم نے میری زوجہ کو یہ فرش کیوں دیا ہے اور یہ فرش ان کے بھی سر پر مارا اور فرمایا اسے لے جاؤ۔ ہمیں اس فرش کی ضرورت نہیں ہے۔
34-حضرت عمرؓ مہندی کا خضاب کرتے تھے۔
35-انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے شانوں کے درمیان ان کے کرتے میں چار پیوند تھے ایک اور روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نماز پڑھاتے تھے تو ان کے تہبند میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔
36-ابن عثمان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ کہ ان کے جسم پر ایک تہبند تھا جس میں بارہ پیوند تھے ان میں سے ایک چمڑے کا تھا حسن سے مروی ہے کہ عمر بن خطابؓ کے تہبند میں بارہ پیوند تھے جن میں بعض چمڑے کے تھے حالانکہ آپ امیر المومنین تھے۔
37-جناب رسول اللہؐ کی حضرت عمرؓ کو نیا لباس پہننے کی نصیحت۔ ابی الاشہب سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ

کے بدن پر ایک کرتا دیکھا تو فرمایا تمہارا کرتا نیا ہے۔ یا پہنا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ پہنا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ نیا لباس پہنو اچھی زندگی بسر کرو اور شہادت کی وفات پاؤ اللہ تمہیں دنیا و آخرت کی آنکھ کی ٹھنڈک عطا کرے (طبقات صفحہ 112)

38- حضرت عمرؓ کی شہادت کی تمنا۔ حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا کر اور اپنے نبیؐ کے شہر میں وفات عطا کر۔ عرض کیا یہ کیسے ہوگا کہ شہادت بھی ہو اور نبیؐ کے شہر میں ہو۔ بھلا کس کی مجال ہے۔ کہ نبیؐ کے شہر میں آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اللہ اپنا حکم جہاں چاہے لا سکتا ہے۔ (طبقات صفحہ 113)

39- حضرت عمرؓ کا آخری حج۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آخری حج میں جو حضرت عمرؓ نے امہات المومنین کو کرایا۔ ہم لوگ عرفہ سے پلٹنے میں منی و مکہ کے درمیان سے گذرے تو ایک شخص کو اپنی سواری پر کہتے سنا۔ کہ امیر المومنین عمرؓ کہاں ہیں۔ میں نے دوسرے آدمی کو کہتے سنا۔ کہ امیر المومنین یہاں تھے پھر اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور گانے لگا۔ اس میں یہ شعر بھی تھا۔ کہ تم نے اپنے امور پورے کر دیئے۔ وہ شخص وہاں سے غائب ہو گیا۔ حضرت عمرؓ مدینہ آئے اور شہید کر دیئے گئے۔

40- حضرت عمرؓ کی اپنی زندگی سے بے زاری۔ حسنؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا "اے اللہ میرا سن بڑھ گیا ہے ہڈیاں پتلی ہو گئیں مجھے اپنی رعیت کے انتشار کا اندیشہ ہے بغیر عاجز ہوئے اور بغیر نشانہ ملامت بنے۔ مجھے اپنے پاس اٹھا لے۔ (طبقات صفحہ 117)

41- حضرت عمرؓ کا خواب: سعید بن ابی ہلالؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ کہ اے لوگو میں نے ایک ایسا خواب دیکھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک سرخ مرغ نے مجھے دو چونچیں ماریں اسماء بنت عمیس سے بیان کیا۔ تو کہنے لگیں کہ مجھے عجمیوں میں سے کوئی شخص قتل کر دے گا۔

42- حضرت عمر فاروقؓ کی وصیت: حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے قبل وصیت کی۔ کہ میں تمہیں کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ تم لوگ جب تک اس کی پیروی کرو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ 2- میں تمہیں مہاجرین کی قدر دانی کی وصیت کرتا ہوں 3- میں تمہیں انصار کی قدر دانی کی وصیت کرتا ہوں۔ انہوں نے اسلام کو پناہ دی۔ 4- اعراب کے لئے نصیحت میں تمہیں اعراب کے لئے بھی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ یہی تمہارا اصل و مادہ ہیں۔ یعنی تمہاری قوم ہیں۔ 5- اہل ذمہ کے لئے وصیت۔ میں تمہیں غیر مسلم رعایا کے لئے بھی وصیت کرتا ہوں وہ تمہارے نبی کی ذمہ داری ہیں اور معاہدہ کے مطابق ان کی جان و مال عزت و آزادی، مذہب اور عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا اور ان سے جذیہ وصول کرنا تمہارا فرض ہے۔

43- حضرت عمرؓ نے نظام عدل قائم کیا اور عدالتوں میں قاضی اور مفتی مقرر کئے۔

44- ملزموں کے لئے جیل خانے قائم کئے اور درے کا استعمال کیا۔

45- دفاتر کا قیام۔ مردم شماری اور وظائف کی تقسیم تمام محکموں کے دفاتر کا قیام اور فوج کی مستقل تنظیم یعنی لشکر مرتب کرنا۔ ولید بن ہشام بن مغیرہ نے کہا۔ کہ یا امیر المومنین میں شام سے آیا ہوں۔ وہاں کے بادشاہ نے اپنے نظم و نسق کے لئے دفتر قائم

کر رکھے ہیں اور فوج کے لشکر مرتب کر رکھے ہیں۔ آپ بھی دفتر قائم کریں۔ اور لشکر مرتب اور منظم کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا مشورہ پسند کر لیا اور عقیل بن ابی طالبؓ' مخرمہ بن نوفل جبیر بن مطعم کو بلا کر جو قریش کے نسب ناموں کے ماہر تھے۔ تمام قبائل کی فہرستیں یعنی دفتر مرتب کرنے کے لئے مقرر کر دیا اور فرمایا کہ دفتر میں نام لکھنے کا سلسلہ بنی ہاشم سے شروع کریں۔ بعد میں بنو تیم' پھر بنو عدی وغیرہ اسی ترتیب سے دفتر بنائیں۔ تاکہ اس طرح صحیح مردم شماری بھی ہو سکے۔ اور وظائف تقسیم کرنے اور دیگر ضروریات کے لئے یہ تحریری ریکارڈ ہر کام کے لئے مفید بلکہ ضروری ہے۔ الغرض نظام حکومت اس کا نظم و نسق اور باقاعدہ جدید حکومت کی تشکیل سول ہو یا فوج یہ سب کچھ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قائم کیا گیا۔ اس سے قبل قبائلی نظام تھا اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہی منظم حکومت کی تشکیل عمل میں آئی۔ یہ دفتر یا دیوان مرتب کرنے کا آغاز محرم 20ھ سے ہوا۔ اور اس کے مطابق وظیفے مقرر کیے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور میں عدل و مساوات کا اصول قائم کیا تھا۔ یعنی تمام مسلمان بلا امتیاز نسل و قبیلہ اور دینی خدمات کے ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوتا تھا اور ہر ایک کو مساوی حصہ ملتا تھا۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی اور آپ نے بعض طبقات کے ساتھ ترجیحی اور امتیازی سلوک روا رکھا۔ حضرت عمرؓ نے پہلے اسلام لانے والوں کو بعد میں اسلام لانے والوں پر ترجیح دی۔ ہجرت کرنے والوں کو بعد میں اسلام قبول کرنے والوں پر ترجیح دی۔ غزوہ بدر میں حصہ لینے والوں کو دوسروں پر ترجیح دی۔ قبیلہ بنو ہاشم کو دوسروں پر ترجیح دی۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے اسلام کی بنیادی تعلیم میں ہر قسم کے نسل و قبیلہ کے امتیازات ختم کر دیئے تھے اور اسلامی معاشرہ کی بنیاد مساوات و اخوت کے آفاقی اصولوں پر استوار کی تھی اور نسل و قبیلہ کے امتیازات کو غیر اسلامی غیر انسانی' اور غیر اخلاقی قرار دیا تھا اور اس کی شدید مذمت کی تھی۔ حیران کن بات ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے مدبر سیاستدان اور اسلام اور اسوہ حسنہ کے سب سے بڑے علمبردار سے یہ نسل و قبیلہ کا ترجیحی سلوک کی شدید غلطی کیسے ہو گئی۔ ہمارا خیال ہے کہ یا تو یہ روایت ہی غلطی ہے جو درائت اور اسلام کی بنیادی تعلیم مساوات و اخوت کے سراسر خلاف ہے اور یہ جھوٹی روایت بغداد میں خاندان بنو عباس کے دور میں تیار کی گئی۔ کیونکہ ان کا تعلق بھی بنو ہاشم سے تھا اور ان کے دور میں اور بھی بہت سے فضائل و مناقب کی جھوٹی روایات بنائی اور مشہور کی گئیں تھیں۔ اور یا پھر شدید قسم کی اجتہادی غلطی تھی۔ جس کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

46- حضرت عمر فاروقؓ کی وظائف تقسیم کرنے کی تفصیل : 1- حضرت عمرؓ نے اہل دیوان یعنی جن کا نام دفتر میں درج کیا گیا تھا۔ ان میں انہوں نے پہلے اسلام لانے والے ہجرت کرنے والے اور جہاد میں حصہ لینے والوں کو حصہ دینے میں ترجیح اور فضیلت عطا کی۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ نے وظائف تقسیم کرنے میں مساوات اختیار کی تھی۔ جب حضرت عمرؓ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ نے صدیق اکبرؓ کا طریقہ کیوں اختیار نہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو جنہوں نے رسول اللہؐ سے مقابلہ کیا ان کے برابر نہیں کر سکتا جنہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر جہاد میں حصہ لیا۔ 2- حضرت عمرؓ نے جو مہاجرین و انصار غزوہ بدر میں شامل تھے۔ ان سے شروع کیا اور ان میں سے ہر شخص کو پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیے۔ جن میں ان کے حلیف اور موالی سب برابر رکھے گئے۔ جن کا اسلام اہل بدر کے اسلام کی مثل تھا اور جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے اور غزوہ احد میں شامل ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار ہزار درہم سالانہ مقرر کیے۔ اہل بدر کے لڑکوں کے لئے دو دو ہزار درہم مقرر

کئے حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت حسن و حسینؓ کے لئے رسول اللہؐ کی قرابت کی وجہ سے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔ 3-ازواج مطہرات کے لئے ہر ایک کے لئے دس' دس ہزار مقرر کئے لیکن حضرت عائشہؓ کو ترجیح دی اور ان کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ مقرر کئے۔ پہلی ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے اسماء بنت عمیس اور اسماء بنت ابو بکر اور ام عبد والدہ عبداللہ بن مسعود کے لئے ایک ایک ہزار درہم مقرر کئے۔ 4-شیر خوار بچوں کے لئے ان کے پیدا ہونے پر ہر بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

47-حق اور مساوات کا احساس :-زید بن اسلامؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو کہتے سنا۔ کہ واللہ اگر میں سال آئندہ تک زندہ رہا۔ تو آخری آدمی کو پہلے آدمی سے ملا دوں گا۔ یعنی سب سے کم وظیفہ حاصل کرنے والے کو سب سے زیادہ وظیفہ لینے والے کے برابر کر دوں گا۔ یعنی سب کے حصے برابر اور مساوات قائم ہو گی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ہمارے چھوٹے چھوٹے حصے تک ہمارے پاس بھیج دیا کرتے تھے یعنی جانور اور چوپائے بھی۔

48-حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شکایت : حضرت عمرؓ نے اسامہ بن زید بن حارثؓ کے لئے بھی چار ہزار درہم مقرر کئے تو عبداللہ بن عمر نے عرض کی کہ آپ نے میرے لئے تو تین ہزار مقرر کئے اور اسامہ بن زیدؓ کے لئے چار ہزار حالانکہ میں ان مقامات میں حاضر ہوا۔ جہاں اسامہؓ بھی حاضر نہیں ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسامہؓ کو اس لئے زیادہ دیئے کہ وہ تم سے زیادہ جناب رسول اللہ کو محبوب تھے اور ان کے والد بھی تمہارے والد سے زیادہ رسول اللہ کو محبوب تھے۔

49-حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اگر کسی بستی یا آبادی میں کوئی شخص بھوک یا پیاس سے مر جائے۔ تو اس تمام آبادی کے لوگ اس کے قتل کے جرم میں شامل ہوں گے اور ان سب کو اس کی دیت ادا کرنی ہو گی۔

50-اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک کتا بھی بھوک سے مر جائے۔ تو عمر ابن الخطابؓ بطور خلیفہ اس کی موت کا ذمہ دار ہو گا۔

51-اگر دریائے دجلہ کے کنارے بیت المال کا ایک اونٹ بھی گم ہو جائے۔ تو عمر فاروقؓ اس نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔ یعنی سربراہ مملکت نا صرف انسانوں بلکہ جانوروں کی بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔

52-امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ تاریخ عالم کی فقید المثال شخصیت ہیں۔ عدل و انصاف مساوات اخوت حریت و آزادی' انسانیت اور انسانی ہمدردی اور خوف خدا کے لحاظ سے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت نسل و قبیلہ اور قوم و وطن ہر شخص کو جان و مال' عزت و آزادی' مکمل مذہبی آزادی' مذہبی تعلیمات اور رسم و رواج کی ادائیگی اور عبادت گاہوں کا تحفظ حاصل تھا۔ بلا امتیاز نسل و قبیلہ' قوم و وطن اور مذہب و ملت ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی ضروریات زندگی فراہم تھیں۔ سادہ لباس' سادہ خوراک سادہ رہائش اور دیگر معاملات زندگی میں سادگی اور ہر وقت خوف خدا رہتا تھا۔ مفتوحہ علاقوں کو غیر مسلم رعایا کی جان و مال اور مذہب کے تحفظ کے لئے امن و امان قائم رہتا تھا اور ہر شخص کے ساتھ عدل و مساوات کے اصولوں کے مطابق سلوک ہوتا تھا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی قرآن حدیث اور فقہ کی تبلیغ واشاعت کی عظیم خدمات :

حضرت عمرؓ نے تعلیم اور اسلامی ضابطہ حیات کے لئے ہر ممکن کوشش کی دینی مدرسے قائم کئے بڑے صحابہ قرآن کی تعلیمات کے لئے مقرر کئے اور ان کی معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کام دین اسلام اور قرآن حکیم کی تعلیم و تلقین تھا۔ آپ کا اشاعت اسلام کا طریقہ یہ تھا۔ کہ دنیا کو پر امن ذرائع سے اسلام کی دعوت اور اسلام کے اصول اور تعلیم سمجھا کر اسلام کی دعوت دینا آپ اس سلسلہ میں تشدد اور زبردستی کسی کو مسلمان بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ کیونکہ اسلام ''لا اکراہ فی الدین'' کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کا حکم دیتا ہے۔ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفیر جاتے تھے۔ وہ امن رواداری کے ساتھ اسلام کی تعلیم بیان کرتے تھے۔ اور خود اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے غیر قوموں کو اسلام کا نمونہ دکھلایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کثرت سے اسلام پھیلا اس کی بڑی وجہ یہی تھی۔ کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور ان کا عمل اسلام کے مطابق تھا۔ یعنی ان میں مساوات واخوت' عدل وانصاف حریت وآزادی محبت ورواداری انسانی ہمدردی انسانی اقدار اور سیرت وکردار کا بہترین عملی نمونہ پیش کرتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی سچائی امانت' دیانت سادگی خلوص اور پاکیزگی کو دیکھ کر لوگ خود بخود دائرہ اسلام میں شامل ہو رہے تھے۔ اس دور کے مسلمان قرآن کی تعلیمات پر سختی سے عمل کر کے صحیح انسانیت کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات اور مسلمانوں کی عملی زندگی تبلیغ و اشاعت اسلام کا سب سے بڑا سبب تھا۔

عراق اور شام میں عرب قبائل کی بہت بڑی تعداد تھی۔ جو عیسائی ہو چکے تھے۔ لیکن اپنے ہم قوم نجد وحجاز کے مسلمانوں کی سیرت وکردار اخلاق اور انسانیت اور قرآن پاک کی تعلیمات کی وجہ سے خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ 16ھ کے بعد ایران اور فارس کے بڑے بڑے زمینداروں' سرداروں اور رئیسوں نے مسلمانوں کی فتوحات اعلیٰ تعلیم اور بہترین اخلاق کی وجہ سے اپنی رعایا کے ساتھ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ اسلام میں شامل ہونے کے بعد ان کو مکمل طور پر آزادی حاصل تھی۔ ان کے ساتھ عدل ومساوات' اور عزت ووقار کا سلوک ہوتا تھا ان کو مسلمانوں کی عملی زندگی میں بہترین انسانیت اور خلوص ومحبت نظر آئی۔ بلکہ آخرت میں بھی نجات اور جنت کی بشارت ملتی تھی اور دنیا و آخرت دونوں میں ہر طرح فائدہ ہی فائدہ نظر آتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قرآن حکیم کے جمع وترتیب اور کتابی شکل میں محفوظ کرنے کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ کو آمادہ کیا۔ اور اس کی جمع وترتیب کے اہم کام پر زید بن ثابت کو معمور کیا اور اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت عمرؓ نے قران حکیم کی اشاعت کے لئے ہزاروں آدمیوں کو حافظ قرآن بنایا۔ اور قرآن کے اعراب اور الفاظ کی صحت کا انتظام نہایت کوشش اور توجہ سے کیا اور قرآن کی تعلیم کی نشرواشاعت کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔ آپ نے مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن مجید کے درس جاری کئے اور ان میں معلم وقاری مقرر کئے۔ اور ان کی معقول تنخواہیں مقرر کیں۔ بچوں کی تعلیم خانہ بدوش بدوؤں کو تعلیم دینے کے لئے معلم واساتذہ مقرر کئے۔ مکاتب اور مدرسے قائم کئے۔ جہاں قران حکیم لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پانچ بزرگ صحابہ جن کو پورا قرآن حفظ تھا اور قرآن پڑھانے کے بڑے ماہر تھے۔ یعنی معاذ بن جبلؓ' عبادہ بن الصامتؓ'

ابی بن کعب ابو ایوب اور ابو درداکو شام میں مسلمانوں کو قران کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا۔ وہ دمشق فلسطین اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں کئی سال تک لوگوں کو قران کی تعلیم دیتے رہے۔ دمشق کی مسجد میں سولہ سو طالب علم حلقہ درس میں شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو حافظ قرآن بنایا۔ فوجیوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا خاص اہتمام کیا اور بے شمار فوجی حافظ قرآن بھی بن گئے۔ قرآن کی صحت اعراب اور صحت تلفظ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا اور اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ عربی ادب کی تعلیم بھی لازمی کر دی تا کہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

حدیث و فقہ کی تعلیم :

حضرت عمرؓ خاص خاص صحابہ کو جو بڑے عالم تھے۔ روایت حدیث کی اجازت دیتے تھے۔

فقہ : حضرت عمرؓ فاروق فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور آپ نے مسائل فقہ کی ترویج کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ آپ مذہبی احکام کی خود تعلیم دیتے۔ جمعے کے دن جو خطبہ دیتے اس میں مسائل فقہ بیان کرتے۔ حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام فقہ بیان فرماتے۔ عرفات کے خطبہ میں حج کے تمام مسائل بیان فرمادیئے۔ اسی طرح شام بیت المقدس اور جابیہ کے مشہور خطبوں میں بہت سے مسائل فقہ بیان فرمادیئے عمال اور افسران کو بھی مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ 14ھ میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبویؐ میں شروع کی۔ تو تمام اضلاع کے افسروں کو تحریر کیا۔ کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوۃ کے متعلق تمام احکام حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر افسران کے پاس بھیجے۔ اسی طرح دیگر مسائل فقہ کے متعلق تمام صحابہ میں اجماع پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جنازہ کی تکبیر میں چار تکبیروں پر اتفاق کیا گیا۔ تمام ممالک میں فقہا اور معلم متعین کئے۔ کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ حضرت عمرؓ نے فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کیں۔ جو ہمہ وقت قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا۔

مفتوحہ ممالک اور جزیرۃ العرب میں نہایت کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں ہر بڑے شہر میں مثلاً کوفہ 'بصرہ' شام اور نسطاط مصر میں بڑی بڑی مساجد تعمیر کرائیں دیگر عام مساجد تو ہزاروں کی تعداد میں تعمیر کرائیں۔ ہر مسجد میں امام اور موذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ مکہ میں کعبۃ اللہ کی عمارت کو وسیع کیا۔ مسجد نبوی کو بھی بڑا وسیع کیا۔ اور اس میں چٹائی کا فرش ہوایا اور رات کو روشنی کا انتظام کیا۔

حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے حساب کتاب اور ریکارڈ کے لئے رجسٹر اور دفتر مقرر کئے۔ بیت المال کا حساب کتاب رکھنے کے لئے نہایت تفصیل سے رجسٹر مرتب کئے۔ جن میں ہر قسم کی آمدن درج کی جاتی تھی اور ہر قسم کے اخراجات کی تفصیل بیان کی جاتی تھی۔ مفتوحہ ممالک یا قوموں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ حفاظت کے ساتھ ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو صرف حضرت عمرؓ کے پاس رہتا تھا۔ فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور فضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا "حذیفہ بن الیمان نے کہا۔ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو" لوگوں نے پوچھا ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمر بن الخطابؓ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ اگر تمام

عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے۔ اور عمرؓ کا علم دوسرے پلے میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔

''اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں۔ اس قدر لکھتا۔ کہ فضلا حیران رہ جاتے۔ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں۔ سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' بصرہ' کوفہ شام اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ مکرمہ کے شیخ عبداللہ بن مسعودؓ و ابو موسیٰ تھے مدینہ منورہ کے زید بن ثابت و عبداللہ بن عمرؓ کوفہ کے حضرت علی عبداللہ بن مسعود و ابو موسیٰ الشعری شام کے ابو درداو معاذ بن جبل ان میں (حضرت علیؓ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے اور خاص کر عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ ''عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر سمجھتا ہوں'' محد ثین کا عام بیان ہے کہ رسولؐ کے اصحاب میں چھ شخص تھے۔ جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمرؓ' علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ ابو موسیٰ اشعریؓ امام محمدؒ نے کتاب آلاثار میں روایت کی ہے اصحاب رسول اللہؐ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہ میں بحث مذاکرہ کرتے تھے۔ علیؓ ابیؓ اور ابو موسیٰ اشعری ایک ساتھ اور حضرت عمر زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ۔''

عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں سے تھے ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل کی تعلیم دیتے تھے۔ زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے ان واقعات سے معلوم ہوگا۔ کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا۔ وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان مسائل فقہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمع نظر بنالیا تھا۔

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روزبروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے۔ اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اس بناء پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں۔ زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو مختلف ممالک سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔ مثلاً عبداللہ بنؓ مسعود عمار بن یاسرؓ' ابو موسیٰ اشعریؓ' ابو عبیدہ بن جراحؓ' مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ وغیرہ حضرت عمرؓ کے مسائل فقہ کی تعداد: فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیح منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں۔ جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔

غزوہ بنی نفیر میں جو 5ھ میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔ یعنی "جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے۔ وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے۔ جو آئندہ دنیا میں آئیں گے"
اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو۔ وہ تقسیم نہیں کی جائیگی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے حضرت عمر فاروقؓ ایران عراق شام اور مصر کی زمینیں مسلمان مجاہدین اور فاتحین میں تقسیم کرنے سے بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کو حکومت کی ملکیت قرار دیا گیا۔ اور ان پر قابض کاشتکاروں کو جو عموماً غیر مسلم تھے۔ موروثی مالکانہ حقوق دے دیئے گئے۔ اور ان سے صرف خراج یا لگان وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے نا صرف حکومت کے بیت المال میں کروڑوں کی سالانہ آمدنی آنے لگی۔ جو دفاع اور عوام کے مسائل حل کرنے اور ترقیاتی کاموں کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ اور مستحق لوگوں کو وظائف دیئے جاتے تھے اور مرکزی حکومت کا سب سے بڑا ذریعہ آمدن ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ اسلام کا زرعی معاشی نظام جاگیردارانہ استحصالی جبر و ظلم سے محفوظ رہا۔ جو کاشتکار کاشت کرتے تھے وہی اس کی پیداوار کے مالک ہوتے تھے حکومت کو صرف لگان یا خراج ادا کرتے تھے۔ بیچ میں سے مفت خور زمینداروں اور جاگیرداروں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ عظیم الشان تاریخی کارنامہ ہے جس پر تمام دنیا خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ (الفاروق مولف علامہ شبلی نعمانی)

فاروق اعظمؓ کا سیاسی نظام

اسلامی مملکت مدینہ کی بنیاد آنحضرتؐ کے تدبر و تفکر سیاسی حکمت عملی۔ اپنے دفاع اور تبلیغ واشاعت اسلام کے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے ڈالی گئی۔ مگر نظام حکومت کا دور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت سے شروع ہوتا ہے اور ان کی وفات تک حکومت و سلطنت کے تمام شعبے محکمے عسکری نظام۔ فتوحات کا سلسلہ اور ہر طرح کا نظم و نسق معرض وجود میں آچکا تھا۔ اور کاروبار حکومت ایک ترقی یافتہ منظم طریقہ سے جاری و ساری تھا۔ حضرت عمرؓ کی حکومت اگرچہ شخصی حکومت تھی مگر جمہوریت کی روح کے مطابق شورائی حکومت تھی حضرت عمر فاروقؓ تمام اہم معاملات ملکی امور فتوحات سیاسی حکمت عملی عسکری مہمات معاشی و معاشرتی اصلاحات اور اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دفاعی معاملات میں کبار صحابہ اور ارباب اہل الرائے کے مشوروں سے سرانجام دیتے تھے ہر ایک قومی اور ملی اہم مسئلہ پر مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کرنے اور اس میں آزادی کے ساتھ بحث و تمحیص اور غور و فکر ہوتا اور تمام فیصلے افہام و تفہیم کے ساتھ متفقہ رائے یا کثرت رائے سے طے پاتے تھے ان فیصلوں کے مطابق حضرت عمرؓ عمل کرتے تھے عمال حکومت اور فوجی افسران کا تقرر بھی خود حضرت عمر استحقاق اہلیت اور انصاف کے مطابق کرتے تھے۔ الغرض حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق حضرت عمرؓ کا دور اگرچہ صدارتی طرز حکومت کے زیادہ قریب تھا مگر چونکہ قرآن حکیم کے احکام قوانین اور ہدایات کے عین مطابق تھا اس لئے جمہوریت کی روح اور ملک و ملت کے مفاد کے مطابق تھا کسی قسم کی آمریت اور ذاتی و گروہی اغراض و مفاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ خالص اسلام کی حکومت امت اسلامیہ کے مفاد کے لئے قرآن حکیم کے آئین اور قوانین کے عین مطابق تھی۔ حضرت عمرؓ اگرچہ امیر المومنین سربراہ مملکت تھے مگر ان کی سیاسی حکمت عملی اور عسکری جہادی پالیسی قرآن کی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں میں جذبہ جہاد شوق شہادت اسلام کی اشاعت اور مال غنیمت کے حصول کے بنیادی مقاصد کے پیش نظر تیار کی گئی تھی اس پالیسی میں دین اور دنیا دونوں کی بہتری اور اللہ و رسول اللہ کی رضا اور مشیت ایزدی شامل حال تھی۔ اس میں کسی قسم کی بددیانتی لالچ اور خود غرضی نہ تھی اور یہ خالص اسلامی نظام تھا تاریخ اسلام کے سنہری دور میں نظام حکومت نا ملوکیت تھی نا آمریت نا سرمایہ دارانہ فاشزم نا ہی سرمایہ دارانہ جمہوریت نا استبدادی نظام اور نا ہی خاندانی بادشاہت اور نا ہی قبائلی نظام تھا بلکہ یہ اسلامی فلاحی شورائی نظام حکومت تھا کیونکہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق مسلمانوں کے تمام معاملات اور فیصلے باہمی مشورے سے یعنی مشاورت کے اصول کے مطابق طے پاتے تھے۔ جس کی بنیاد مساوات واخوت عدل وانصاف حریت و آزادی سب کے مفاد اور انسانیت کی آفاقی اقدار کا خاص خیال رکھا جاتا تھا الغرض اسلام کے اس چھتیس سالہ دور میں مملکت اسلامیہ مدینہ کی حکومت میں ایک سربراہ

مملکت ہوتا تھا اور ایک مجلس مشاورت یعنی مجلس شوریٰ تھی۔ ابتدائی دور میں آنحضرتؐ اللہ کے نبی و رسولؐ تھے۔ جنہیں اللہ نے 610ء میں مبعوث فرمایا تھا آپ پیغمبر خدا بھی تھے اور مملکت مدینہ کے بانی اور سربراہ بھی۔ اور اسلامی مملکت کا آئین و قانون قرآن حکیم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا تھا اس کے مطابق حکومت کا نظام و انصرام چلتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے مشیر تھے۔ کبار صحابہ اور اہل الرائے حضرات پر مشتمل ایک مجلس مشاورت بھی تھی جن سے آنحضرتؐ دنیاوی معاملات یعنی حکومت کے معاملات دفاعی امور سیاسی معاشی' معاشرتی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مسائل میں مشورے لیتے تھے۔ غزوہ بدر میں ان سے مشورہ لیا۔ غزوہ احد میں اپنی رائے کے خلاف ان کے مشورہ پر عمل کیا۔ الغرض مسلمانوں کا سیاسی نظام حکومت آنحضرتؐ کے دور میں بھی مشاورتی نظام تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں بھی شورائی نظام تھا۔ بعض مجلس شوریٰ کے اراکین اور ارباب اہل الرائے حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں :

مجلس شوریٰ کے ممبران کبار صحابہ اور اہل الرائے کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :

حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمان غنیؓ' حضرت علی بن ابی طالبؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ' حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ' حضرت سعد بن عبادہؓ' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ' حضرت زبیر بن عوامؓ' حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ' حضرت حباب بن منذرؓ' حضرت محمد بن مسلمہؓ' حضرت زید بن حارثؓ' حضرت اسامہ بن زیدؓ' حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ' حضرت عمرو بن العاصؓ' حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ' حضرت ابو ذر غفاریؓ' حضرت عثمان بن مظعونؓ' حضرت سعید بن زیدؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت مصعب بن عمیرؓ' حضرت عمار بن یاسرؓ' حضرت صہیب رومیؓ' حضرت بلال بن روحؓ' حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ' حضرت عبیدہ بن الحارثؓ' حضرت جاب بن الارتؓ' حضرت مسلمہ بن ہشامؓ' حضرت جعفر طیارؓ' حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ' حضرت ولید بن ولیدؓ' حضرت خالد بن ولیدؓ' حضرت حذیفہ بن الیمانؓ' حضرت اسد بن زرارہؓ' حضرت کعب بن مالکؓ' حضرت عبداللہ بن رواحہؓ' حضرت ذکران بن قیسؓ' حضرت جابر بن عبداللہؓ' حضرت سعد بن ربیعؓ' حضرت براء بن معرورؓ' حضرت سعد بن معاذؓ' حضرت عبادہ بن صامتؓ' حضرت اسید بن حضیرؓ' حضرت سعد بن خیثمہؓ' حضرت ثابت بن قیسؓ' حضرت حارث بن ربیعؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت معاذ بن جبلؓ' حضرت ابو ایوبؓ' حضرت انس بن مالکؓ' حضرت خبیب انصاریؓ' حضرت ابو عبیداللہ سلمان فارسی' حضرت عبداللہ بن سلامؓ' حنظلہ انصاریؓ' حضرت ابوہریرہ عبدالرحمٰنؓ' حضرت تمیم بن اوس داریؓ' ان کے علاوہ اور بھی جید صحابہ کرام تھے۔

حضرت عمرؓ کا سیاسی نظام ہر قسم کی ملوکیت و آمریت اور جبر و استبداد سے پاک مشاورت پر مبنی جمہوری روح کے مطابق نظام حکومت تھا۔ جس میں بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اور قرآن حکیم کے قوانین اور احکام کو رہنما اصول قرار دیا گیا تھا۔ اس نظام میں ہر فرد کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور ہر شخص کو ترقی کے مساوی مواقع اور بنیادی ضروریات زندگی حاصل تھیں۔

اسلام کے سیاسی نظام کے دو بنیادی اصول ہیں :

اول یہ کہ حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور نظام حکومت اللہ کے قانون کے مطابق چلایا جائے گا۔2-
اسلامی حکومت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلام میں ملوکیت' آمریت' بادشاہت اور جبر واستبداد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اسلام جمہوری نظام حکومت کا حامی ہے۔ مغربی جمہوریت کا تصور یہ ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں اور وہ عوامی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس کی بنیاد مادی فلسفہ حیات پر ہے۔ قرآن کا نظریہ ہے کہ حق حکومت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حکومت اللہ کے قوانین کے مطابق ہو گی۔ جو قرآن حکیم میں ہیں۔ حالات اور ضروریات کے مطابق قوانین بنائے جاسکتے ہیں۔ مگر خدائی قوانین اس کی روح اور نظریہ کے مطابق ہر شہری کے حقوق و فرائض برابر ہوں گے۔ کوئی مراعات یافتہ خصوصی حقوق واختیارات کا حامل شخص' طبقہ خاندان وقبیلہ اور قوم نہیں ہو گی بلکہ بلاامتیاز عدل و مساوات ہو گی اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد۔ اسلامی حکومت کے دو بنیادی مقاصد ہوں گے اول یہ کہ لوگوں کی زندگی اور معاشرہ میں ہر انسان کے ساتھ ہر حال میں عدل وانصاف ہو گا۔ کوئی شخص قانون سے بالا نہیں ہو گا۔ غریب وامیر حاکم ومحکوم سب قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور سب کے حقوق و فرائض مساوی ہوں گے کسی سے امتیازی سلوک نہیں ہو گا اور کسی فرد یا طبقہ کے خصوصی حقوق اور مراعات نہ ہوں گی۔ اسلامی حکومت ایک فلاحی واصلاحی مملکت ہو گی۔ لوگوں کے معاشی' معاشرتی اور ذاتی مسائل حل کئے جائیں گے۔ لوگوں کی فلاح وبہبود ان کے بنیادی انسانی مسائل کو حل کیا جائے گا اور ان کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کی جائیں گی اور بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جائیگا۔ اسلامی حکومت میں مذہبی پیشواؤں یعنی تھیوکریسی کی حکومت نہیں ہو گی اور علماء مشائخ کو کوئی خصوصی حقوق واختیارات حاصل نہیں ہوں گے سب کے حقوق و فرائض برابر ہوں گے۔ قرآن کے قوانین کی تشریح اور تعبیر شریعت کا اختیار صرف منتخب پارلیمنٹ کو حاصل ہو گا۔ یہ ایک نظریاتی مملکت ہو گی جس کا نظریہ قرآن کے مطابق توحید و رسالت اور روز آخرت پر ایمان اور اعمال صالح اور قانون مکافات عمل پر قائم ہو گا۔ اس کی بنیاد انسانیت روحانی اور اخلاقی اصولوں پر استوار ہو گی۔

انسانی عدل و مساوات پر قائم ریاست۔ اسلامی ریاست ذات پات نسل وقبیلہ رنگ و زبان کے امتیازات' قومیت و وطنیت کے تعصبات سے پاک مساوات واخوت اسلامی' عدل وانصاف' حریت وآزادی اور بلاامتیاز مذہب وملت' نسل وقبیلہ سب کی جان ومال' عزت وآزادی حریت عقیدہ اور ہر قسم کے شہری وسیاسی حقوق حاصل ہوں گے۔ قانون کی نظر میں سب کا تحفظ اور سب کو ترقی کے برابر کے مواقع حاصل ہوں گے مشاورتی نظام جس نظام حکومت میں پوری امت شریک ہو اسے قرآن مشاورتی نظام سے تعبیر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے" حضرت عمر فاروقؓ کا نظام حکومت مندرجہ بالا اصولوں کے عین مطابق تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا نظام بھی اس کے مطابق تھا اور آنحضرتؐ تو اس نظام کے بانی تھے اور آپ پر یہ اصول بذریعہ الہام قرآن کی شکل میں نازل ہوئے تھے۔ الغرض اسلام کا چھتیس سال کا یہ بابرکت دور تاریخ اسلام کا سنہری دور تھا جس میں اسلام اپنی پوری آب و تاب اور تعلیمات کے مطابق عملی شکل میں نافذ تھا ہر انسان کو اس کے تمام بنیادی حقوق مل گئے اور وہ ایسے انسان بن گئے کہ ان کی سیرت وکردار اور اعمال پر فرشتے بھی رشک کرتے

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا جو خالق مالک اور رازق ہے سب سے بڑی انسانیت ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ عدیم المثال دور امن و سلامتی ترقی و خوشحالی فتوحات اور اصلاحات مساوات واخوت عدل و انصاف حریت و آزادی' محبت ورواداری اشاعت اسلام احترام آدمیت قرآن کی تعلیمات کو لوگوں کی انفرادی واجتماعی زندگیوں کے لئے ضابطہ حیات قرار دینا۔ بلاامتیاز مذہب وملت نسل وقبیلہ اور رنگ وزباں اور قومیت ووطنیت کے تعصب کے ہر انسان کو بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی اور سب کو ترقی وارتقا کے برابر کے مواقع مہیا کرنا۔ اور غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کے لئے ''لااکرہ فی الدین کا اعلان عام۔ یہ تھا فاروق اعظمؓ کے زرین دور میں اسلامی تاریخ کے سنہری دور کا نقشہ جس کی مثال تاریخ عالم کے کسی دور میں بھی نہیں ملتی۔

شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد

حضرت فاروق اعظمؓ کا معاشی اور معاشرتی نظام :

حضرت عمر فاروقؓ کے نظام حکومت کی بنیاد قرآن حکیم کی تعلیمات اس کے احکام قانون اور ہدایات کے مطابق تھی اور آپ سے قبل آنحضرتؐ ان کے مطابق عمل کر کے اسوہ حسنہ قائم کر گئے تھے۔ اس لئے آپ کے لئے ان پر عمل کرنا بہت آسان تھا کیونکہ آنحضرتؐ اپنے عمل اور تجربہ سے راستہ ہموار کر گئے تھے لہٰذا حضرت عمرؓ کے معاشی نظام کی بنیاد قرآن و سنت کے مطابق تھی۔

آنحضرتؐ نے اسلامی معاشرے میں ایسا متوازی' معقول عادلانہ اور ہر قسم کے استحصال سے پاک صاف منصفانہ معاشی نظام قائم کیا تھا جس کے نتیجے میں طبقاتی کشمکش' معاشی استحصال' معاشی گروہ بندیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہر شخص کا بنیادی حق تھا کہ اس کی بنیادی ضروریات زندگی روٹی کپڑا مکان تعلیم علاج اور روزگار مہیا کیا جائے۔ ان بنیادی حقوق کے حصول کے لئے کسی کو ذلیل ورسوا اور بے ضمیر نہ ہونا پڑے۔ اس کی خودداری اور عزت نفس مجروح نہ ہو اور اس مقصد کے حصول کے لئے بنیادی اصول طے کر دیئے گئے اور سب کے حقوق متعین کر دیئے گئے۔ فرد کی آزادی کو تسلیم کیا گیا اور تمام افراد معاشرہ کو مساوی سیاسی معاشی و معاشرتی حقوق دے دیئے گئے۔ جنہیں بنیادی انسانی حقوق کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسلام نظام معیشت میں آزادی مساوات اور عدل و انصاف تینوں اقدار کا برابر خیال رکھتا ہے۔ اسلام نے ہوس دولت اور ہوس اقتدار کی شدید مخالفت کی ہے۔ اسلام جائز طریقوں اور جائز ذرائع سے مال و دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ یعنی اپنی محنت و مشقت' اہلیت و قابلیت اور خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق جائز طریقوں سے کماؤ مگر ساتھ ہی اپنی محنت سے کمائی ہوئی حلال دولت کو جائز طریقوں اور جائز ضروریات کے مطابق خرچ کرو۔ اسراف و فضول خرچی نمودونمائش اور عیاشی و تماش بینی کی اجازت نہیں ہے اسلام کے نظام معیشت کے بنیادی اصول زکوٰۃ کی ادائیگی اور سود کی سخت ممانعت ہے بلکہ قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ یہ اسلامی نظام کا متوازن' منصفانہ' معتدل اور عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام ہے جس میں آزادی بھی ہے اور مساوات بھی عدل و انصاف بھی ہے زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھانے ایجادات واختراعات کرنے اور ملک کی ترقی و خوشحالی میں حصہ لینے اور ذاتی معیار

زندگی بلند کرنے کا ذوق و شوق اور آزادی بھی ہے۔ اسلام کے معاشی اصولوں کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں انتادرجہ کی معاشی ناہمواری پیدا نہ ہو۔ کوئی مخصوص طبقہ دوسروں کا استحصال نہ کرے ہر ایک کے ساتھ معاشی انصاف ہو کوئی مراعات یافتہ طبقہ پیدا نہ ہو۔ جس کا ذرائع پیداوار اور ملکی دولت پر قبضہ اور اجارہ داری ہو۔ عوام خوشحال اور فارغ البال ہوں۔ اشتراکیت انسان کو روٹی دے کر اس سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔ جو اس کا حیثیت انسان فطری حق ہے۔ یعنی اس کی انسانیت اس کا احترام تکریم' حریت و آزادی اور انسانی عزت و وقار وغیرہ سرمایہ داری انسان کا معاشی استحصال کر کے اس کو خداداد صلاحیتوں سے محروم کر دیتی ہے۔ انسان کے معاشی مسئلہ کا حل نہ سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں۔ اس کا بہترین منصفانہ اور عادلانہ حل صرف اسلام کے نظام معیشت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول لوگوں کو کہہ دو کہ "قل العفو" یعنی جو کچھ تمہارے پاس تمہاری ضرورت سے زائد ہو اللہ کی راہ میں دے ڈالو۔ اسلام میں آزاد معیشت کے مواقع بھی موجود ہیں۔ یعنی قانون وراثت زکوۃ عشر خیرات اور صدقات وغیرہ۔

دنیا میں سرمایہ اور محنت کے امتزاج سے ہی نظام معیشت چلتا ہے۔ مگر اسلام کے نظام معیشت میں زیادہ زور محنت پر ہی دیا گیا ہے اور محنت کش کے حقوق و مفاد کو زیادہ سے زیادہ تحفظ دیا گیا ہے۔ سرمایہ کی حیثیت کم رکھی گئی ہے۔ شریعت میں سود کو بدترین برائی قرار دیا گیا ہے دراصل سرمایہ داری سود کے ذریعے ترقی کرتی ہے مگر اسلام نے اس کی جڑ کاٹ دی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اجتہاد اور سورۃ حشر کے مطابق یعنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عراق' شام' مصر اور فلسطین کی انتہائی زرخیز اور آباد زرعی زمینوں کو جو ان ممالک کی فتوحات کے وقت ایرانی اور رومی جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیت تھیں اور ان کے مزارعین و کاشتکار غیر مسلم تھے جن کا استحصال ان کے ہم مذہب جاگیردار کرتے تھے اور حکومت ان کی امداد کرتی تھی جب مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کر لیں۔ تو اس بطل جلیل نے یہ مفتوحہ زرخیز اراضیات اپنے فاتح مجاہدین اور سپہ سالاروں میں تقسیم کرنے کی بجائے ان کو مستقل طور پر حکومت کی ملکیت قرار دیا اور ان کے سابقہ کاشتکاروں و مزارعین کو بطور مستقل مالک ان پر قابض رکھا اور موروثی حق ملکیت دے کر ان سے حکومت صرف مالیہ یا خراج وصول کرتی تھی۔ اس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام کو اور لاکھوں کاشتکاروں کو بدترین قسم کے جاگیردارانہ نظام سے بچالیا۔

کیونکہ اگر یہ زرخیز زمینیں مسلم مجاہدین اور فاتحین میں تقسیم کر دی جاتیں تو وہ سب سے بڑے جاگیردار بن جاتے اور ہمیشہ کے لئے ان غریب محنت کش کاشتکاروں کا استحصال کرتے۔ ان کا خون چوستے اور اسلام کو بدنام کرتے۔ مگر حضرت عمرؓ کی اس انسانی ہمدردی اور انسانیت و اسلام کی تعلیم کے مطابق زرعی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو مستقل آمدنی کا ذریعہ مل گیا۔ اور بیت المال میں مالیہ اور خراج کی شکل میں سالانہ کروڑوں روپے جمع ہونے لگے۔ مستحق غریبوں کی مالی امداد اور ترقیاتی کام اور حکومت کی ضروریات کے لئے سرمایہ مہیا ہوتا رہا اور ملک کا دفاع مضبوط ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان غیر مسلم ممالک کی غالب اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ اور آج ایران' عراق' شام' فلسطین اور مصر اسلام کے قابل فخر مراکز ہیں۔ ہمارے خیال میں حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے عظیم الشان اور دوررس نتائج کا حامل یہی کارنامہ ہے کہ آپ نے مملکت اسلامیہ میں جبر و ظلم کا جاگیردارانہ استحصال نظام قائم نہیں ہونے دیا اور غریب محنت کش کاشتکاروں کے ساتھ معاشی انصاف کیا مدل؛

مساوات اور اسلام وانسانیت کا تقاضا ہے۔ کہ بنی نوع انسان کو جاگیرداروں سرمایہ داروں صنعت کاروں اور غیر اخلاقی' غیر انسانی اور غیر قانونی ذرائع سے دولت کمانے والوں کے ظلم وجبر اور استحصال سے محنت کش عوام کو نجات دلائی جائے۔ تاریخ اسلام کے سنہری دور میں قوم اور معاشرہ ان جرائم سے پاک تھا اور معاشی نظام کی بنیاد عدل وانصاف' مساوات واخوت انسانی ہمدردی اور قرآن کے اصولوں پر قائم تھی۔

اسلام کا معاشرتی نظام:

اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کئے ہیں وہ نہایت وسیع اور ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کئے ہیں۔ قرآن نے انسانی سوسائٹی کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ مومن اور کافر۔ مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔ اس شرف وفضیلت میں قرآن کی رو سے مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے خاندان اسلامی معاشرہ میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتہ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے رشتہ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے اگر ازدواجی زندگی میں کشیدگی ہو تو مرد کے لئے طلاق اور عورت کے لئے خلع کا راستہ کھلا رکھا گیا ہے خاندان کی تنظیم کے بعد اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے۔ معاشرے کے اندر نادار اپاہج' یتیم اور بیوہ کو نگہبانی اور فقیر مسکین غریب اور حاجتمند کی امداد فرض قرار دیا ہے اے لوگو! ہم نے تم کو پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے اے لوگو! تم سب کا خالق ایک ہے اور تم سب ایک باپ کے بیٹے ہو۔ کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہیں بزرگی اور عزت کا معیار تقویٰ اور نیک اعمال ہیں (القران)

انسانی معاشرے میں آزادی اور مساوات اور عدل وانصاف میں اسلام کا معیار اور کردار آفاقی اور بین الاقوامی ہے ایک عالمگیر اسلامی برادری تشکیل دی اور مساوات واخوت کا ایسا نمونہ قائم کیا جو رہتی دنیا تک ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقوق انسانی کا وہ عالمی اعلامیہ جس کا 10 دسمبر 1948ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے اعلان کیا گیا۔ جس میں دنیا میں پہلی بار دنیا کی اٹھاون حکومتوں نے شمولیت کی کہ تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد اور یکساں مقام شرف ومنزلت اور حقوق میں سب کے سب برابر ہیں۔ لہذا ہر انسان کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مساوات واخوت کا سلوک کرے۔

خطبہ حجۃ الوداع 10ھ 632ء:

داعی انقلاب انسانی حضرت محمد رسول اللہؐ نے تاریخ عالم میں بنیادی انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر مورخہ 9 ذالحجہ 10ھ فروری 632ء کو وادی عرفات مکہ میں جبل رحمت پر کھڑے ہو کر اپنے بے مثال خطبہ میں ارشاد فرمایا یہ ایک لاکھ

چوبیس ہزار فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع تھا حضورؐ نے پر خلوص' پر سوز اور شیریں آواز میں احترام و شرف انسانیت کے متعلق ایسا دستور العمل پیش کیا جو انفرادی و اجتماعی اخلاقیات اور شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں اور اہم ترین مسائل و حقائق کا ایک جامع مرقع ہے جسے حقوق انسانی کے باب میں عالمی منشور کی حیثیت حاصل ہے آپ کی ختم نبوت و رسالت کی طرح یہ خطبہ بھی حرف آخر ہے آپ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ہر قسم کے شرک اور شخصیت پرستی سے پاک خالص توحید الٰہی پر ایمان اور قرآن حکیم پر عمل کرو۔2۔وحدت نسل انسانی کے نظریے کے مطابق عالمگیر انسانی برادری اسلامی مساوات واخوت کے مطابق معاشرے کی تشکیل نسل وقبیلہ کے تفاخر ذات پات کی اونچ نیچ رنگ و زبان اور قومیت و وطنیت کے تعصبات کو یکسر مٹا دیا اور عزت و فضیلت کا معیار صرف تقویٰ پرہیز گاری اور نیک اعمال کو قرار دیا۔3-عدل وانصاف امن و سلامتی حریت فکر و نظر و عمل آزادی عقیدہ محبت و رواداری اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا اعلان کیا۔آج یہ تمام فرقے تمام امتیازات تمام تفاخر اور تمام حد بندیاں ختم کر دی گئیں اور مساوات انسانی اور اخوت اسلامی' عدل وانصاف امن وسلامتی' حریت و آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے عالمگیر چارٹر کا اعلان کر دیا گیا۔اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد آنحضرتؐ کے اس چارٹر اور قرآن حکیم کی تعلیمات کے عملی نفاذ پر ہے۔

اسلامی نظام کے بنیادی اصول :

اسلام ایک بین الاقوامی انقلابی تحریک تھی۔ جس کا نصب العین وحدت دین کی اساس پر وحدت انسانیت اور خلافت آدم کا قیام تھا۔ یہ دونوں مقاصد اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب معاشرے کی بنیاد خالص توحید الٰہی پر ہو۔ جس میں متضاد معاشی طبقات نہ ہوں۔ یعنی معاشی طبقاتی کشمکش نہ ہو۔اس لئے تحریک نفاذ اسلامی نظام کے قیام کا بنیادی مقصد انسانیت کی بنیاد پر معاشرے کا قیام ہے۔اس معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ تمام ذرائع پیداوار مثلاً زمین کارخانے' تجارتی ادارے اور دیگر وسائل پیداوار اور آمدن وغیرہ پر چند افراد کی نجی ملکیت کی جائے۔ حکومت کی ملکیت قائم ہو۔ یعنی جاگیرداری اور صنعتی سرمایہ داری نظام سے معاشرہ پاک ہو۔ ہر فرد اپنی محنت کے مطابق معاوضہ میں سے اپنی ضرورت کے مطابق لے گا اور باقی زائد قومی خزانے یعنی بیت المال کو دے دے گا۔ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اللہ کے نام پر یعنی قوم کے لئے کتنا سرمایہ دینا چاہئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے رسولؐ یہ لوگ تم سے کہتے ہیں۔ کہ انہیں حتمی طور پر بتا دیا جائے۔ کہ ان کی کمائی میں ان کا اپنا حق کس قدر ہے اور دوسروں کا کس قدر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل العفو" (2\219) ان سے کہہ دو۔ تمہارا حق اس قدر ہے۔ جس سے تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں۔باقی سب کا سب دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایسا موقع آ جائے۔ کہ دوسرے کی ضرورت تمہاری ضرورت سے زیادہ شدید ہے۔ تو تم اپنی ضرورت پر اس کی ضرورت کو ترجیح دو" (59\6)

اسلامی نظام جارحیت جبر و استحصال اور قومیت وطنیت کے تعصبات کے تصور کو مسترد کرتا ہے۔

انسانوں کے درمیان ذات پات' نسل وقبیلہ رنگ و زبان اور مذہب کی بنا پر پائے جانے والے اختلافات کو فطری تصور کرتے ہوئے۔ کہ ان سے تمہاری پہچان ہوتی ہے ان کا احترام کرتا ہے اور انہیں صرف باہمی تعارف کی حد تک تسلیم کرتا ہے۔

اسلامی نظام فنون لطیفہ کو حرام قرار نہیں دیتا۔ صرف انہیں اخلاقی حدود میں رکھتے ہوئے اظہار کا پابند بناتا ہے۔ اسلامی نظام عورت اور مرد میں انسانی اور ذہنی لحاظ سے مکمل مساوات کا قائل ہے۔ اگر عورت کو تخلیق کا سرچشمہ ہونے کے باعث مرد پر فوقیت حاصل ہے۔ تاہم جسمانی قوت اور حصول رزق کی ذمہ داری کے باعث مرد اپنے خاندان کے سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر سربراہی کا معنی حاکم ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اپنی شریک حیات کے احترام اور ان سے مشورہ کرنے کا پابند ہے۔ تاریخ عالم آقا و غلام جاگیردار اور مزارع کارخانہ دار اور مزدور' حاکم اور محکوم کے باہمی مفادات اور کشمکش کے عمل کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کی تمام جنگیں فسادات' بغاوتوں آزادی کی تحریکیں اور قوموں کے درمیان جبر و استحصال تفرقہ اور نفرت اور غلامی سے نجات کی جدوجہد قرار دیتا ہے) اس مسئلہ پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے انتہائی بنیادی اور اولین تقاضے کیا ہو سکتے ہیں۔ جن سے مساوات واخوت' عدل وانصاف حریت و آزادی امن و سلامی محبت و رواداری بنیادی انسانی حقوق بنیادی ضروریات زندگی اور ترقی کے مواقع ہر انسان کو حاصل ہوں۔ اور ہر شخص کو ذہنی سکون اور حقیقی مسرت حاصل ہو۔ تاریخ اسلام کے چھتیس سالہ سنہری دور میں ایسا ہی سیاسی معاشی' معاشرتی اسلامی اور انسانی نظام فطرت قائم تھا جس کی بنیاد قرآن حکیم کی تعلیمات پر استوار تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ملکی نظم و نسق 20ھ

حضرت عمرؓ کا نظام حکومت۔ حضرت عمرؓ نے تمام ملک کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا ہر صوبہ اور ضلع کا حاکم اہلیت' قابلیت دیانت اور استحکام کی بنا پر تجربہ کار افسران کو مقرر کیا تمام مملکت مدینہ کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا جو مندرجہ ذیل تھے۔

مکہ' مدینہ' کوفہ' بصرہ' شام' فلسطین' جزیرہ اور مصر' فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایلیا اور رملہ اور مصر کو بھی دو صوبوں میں تقسیم کیا بالائی حصہ کا نام صعید تھا جس میں اٹھائیس ضلع تھے اور نشیبی صوبہ جس میں پندرہ ضلع تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر پورے مصر کے گورنر جنرل تھے۔ ایران فارس اور عراق عجم کی فتح مکمل ہونے کے بعد ان کے صوبوں کی تقسیم حسب سابق ہی رہنے دی جو کسریٰ کے دور میں تھی۔ ان کے نام حسب ذیل تھے۔

1-خراسان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے طبرستان' رے' قزوین' زنجان' قم' اصفہان' ہمدان' نہاوند' دینور' حلوان' ماسندان' ہرجان' قرق' شہر زور سامفان' آذربیجان

2-فارس میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے۔

اصطخر شیراز' توبندجان' جور' گازورون فسا' دارابجر دار دشیر خروہ سابور' اہواز' جندیا بور' سوس نہر تیری' منادر' تستر ایذج' رام ہرمز صوبوں کے مندرجہ ذیل افسر ہوتے تھے۔ والی یعنی صوبہ کا گورنر کاتب یعنی بر منشی کاتب دیوان یعنی فوج کا میر منشی' والی صوبہ گورنر ہوتا تھا اور میر منشی چیف سیکرٹری مال افسر یعنی کلکٹر صاحب الخراج تھا احداث یعنی پولیس کا افسر اعلیٰ صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ قاضی یعنی جج' میر منشی قابل اور تجربہ کار افسر ہوتا تھا۔ بصرہ کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جو بڑا تجربہ کا قابل افسر تھا۔ اگرچہ قریش نہیں تھا مگر حضرت عمرؓ بھی اس کی قابلیت و اہلیت کے مدح تھے۔

اضلاع میں بھی عامل یعنی ڈپٹی کمشنر' میر منشی' افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر کے ماتحت ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ بڑے جوہر شناس تھے ہر شخص کی اہلیت و قابلیت اور اسی صلاحیتوں اور دیانت و امانت کو سمجھ جاتے تھے اس لئے آپ نے تمام ملک میں صدیوں اور ضلعوں کے افسران بڑے قابل دیانتدار اور محنتی لوگوں کو محض ان کی شخصیت تجربہ اور استحقاق کی بنا پر متعلقہ عہدہ پر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے افسروں عاملوں اور عہدیداروں کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ عوام کو آزادی تھی کہ اپنے اعمال اور افسران کی کارکردگی انصاف عوام کے ساتھ رابطہ اور سلوک کی اطلاعات براہ راست

حضرت عمرؓ تک پہنچائیں عمال اور افسران کو سخت ہدایات تھیں کہ عوام کے ساتھ انسانیت اور عدل و مساوات کا سلوک کریں اور ہر ایک کے ساتھ انصاف کریں۔ ان کے مسائل حل کریں کسی کو شکایت کا موقع نہ دیں۔ اپنے علاقہ وصوبہ میں امن وامان قائم رکھیں ہر ایک کو جان و مال اور عزت و آزادی کا خیال رکھیں انصاف اور ترقیاتی کاموں اور مسائل کو حل کرنے کی پوری جدوجہد کریں آپ نے اپنے عمال اور افسران کی نگرانی اور محاسبہ کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ اس سے عوام کی شکایات اور علاقہ کے مسائل مقامی طور پر ہی حل ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تمام صوبوں اور علاقوں کے حالات معلوم کرنے اور افسران کی کارکردگی سے واقفیت رکھنے کے لئے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو جو بڑے بہادر مدبر اور آنحضرتؐ کے محبوب و قابل اعتماد مجاہد تھے ملک سے معلومات حاصل کرنے اور افسران کی کارکردگی کی اطلاعات حاصل کرنے کے لئے محکمہ اطلاعات کے افسر اعلیٰ مقرر کر رکھا تھا جو مختلف صوبوں کے دورے کرتے رہتے تھے اور عوام کی شکایات ضروریات عاملوں کی کارکردگی امن وامان اور عدل و انصاف کے متعلق تمام حالات حضرت عمرؓ کی کدمت میں پیش کرتے رہتے اور حالات سے مطلع رکھتے تھے حضرت عمر فاروقؓ حج کے موقع پر تمام صوبوں اور اضلاع کے عاملوں اور افسران سے ملاقاتیں کرتے ان کے علاقوں کے حالات اور مسائل معلوم کرتے اور موقع پر ہی ہدایات جاری کرتے ان کے خلاف عوام کی شکایات سنتے اور ان کا تدارک کرتے عاملوں اور افسروں کے مسائل بھی حل کتے۔ ان کی معقول تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ الغرض آپ عوام اور افسران کی شکائیات اور مسائل سن کر ان کا نا صرف آزالہ کرتے بلکہ باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرتے تاکہ ملک و ملت شاہراہ ترقی پر گامزن ہوں۔ امن و آمان قائم ہو عدل و مساوات ہو ترقیاتی کام ہوں اور لوگ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیاں بسر کریں۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کی اشاعت ہو اور صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو۔ اور مسلمان جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر فتوحات میں اپنا کردار ادا کریں۔ اور مال غنیمت سے بھی مستفید ہوں اور باہمی مساوات واخوت عدل و انصاف اور حیثیت و رواداری کے ساتھ اسلامی معاشرہ قائم ہو حضرت عمر فاروقؓ کے عمال حکومت اور افسران کے منتخب کرنے کے کئی طریقے تھے۔ جن لوگوں کو استعداد خدمات اور قابلیت سے آپ خود واقف ہوتے تھے ان کو خود ہی عامل وغیرہ مقرر کر دیتے تھے جبر کسی صوبہ کا گورنر عامل یا افسر مقرر کرنا ہوتا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کر کے صحابہ اور اہل الرائے سے اس کی قابلیت استعداد استحقاق کی بنا پر متعلقہ عہدیدار کو منتخب کرتے۔ بعض اوقات جس صوبہ یا ضلع کا افسر مقرر کرنا ہوتا اس متعلقہ صوبہ یا ضلع کے نمائندہ لوگوں کے مشورہ اور تجویز پر اس صوبہ کا والی یا گورنر وغیرہ منتخب کر لیتے۔ الغرض آپ کوشش کرتے کہ افسران اور اہلکاران کا انتخاب ان کی اہلیت خدمات' دیانت اور استحقاق کی بنا پر ہو سفارش یا دیگر ناجائز طریقوں یعنی تعلقات' نسل و قبیلہ وغیرہ کی بنا پر ہرگز نہ کرتے۔ بنیادی اصول اہلیت و قابلیت خدمات اور عدل و مساوات ہی ہوتا تھا۔ عاملوں اور افسران کی تنخواہیں معقول اور کئی مراعات حاصل ہوتی تھیں تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے رشوت یا دیگر ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ جو شخص عامل یا افسر مقرر ہوتا تھا۔ اس کے تقرر نامہ میں اس کے فرائض کو تفصیل سے بیان کر دیا جاتا تھا تاکہ اسے اپنے فرائض حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ اور اپنے فرائض میں کسی بیشی نہ کریں۔ ہر عامل سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے فرائض دیانتداری محنت اور سادگی و کفایت شعاری سے ادا کریں گے اور اس کی طرز زندگی

دوسروں کے لئے نمونہ اور قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہوگی۔ جب کسی شخص کو عامل یا افسر مقرر کیا جاتا تھا تو جو کچھ اس کے پاس اس وقت مال واسباب اور جائیداد ہوتی تھی اس کی ایک فہرست بنائی جاتی تھی۔ جو مرکز میں اور اس کے یا محفوظ رہتی تھی۔ جب وہ شخص ملازمت سے فارغ ہوتا تو اس فہرست کے مطابق اس کے مال واسباب کی پڑتال ہوتی اور جو زائد ہوتا حق بیت المال ضبط کر لیا جاتا۔ اس طرح کوشش کی جاتی کہ کوئی عامل یا افسر بددیانتی کا مرتکب نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ عدل ومساوات آزادی اور جمہوریت کی روح بھی قائم رہتے اور بددیانتی رشوت ستانی اور ہوس دولت بھی پیدا نہ ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ کے چند نامور عاملوں اور افسران اعلیٰ کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں :

ابو عبیدہ بن جراحؓ، یزید بن ابو سفیانؓ، معاویہ بن ابو سفیانؓ، عمرو بن العاصؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، عتبہ بن غزوان، عتاب بن اسیدؓ، نافع بن عبد الحارثؓ، خالد بن العاصؓ، عثمان بن العاصؓ، لیلیٰ بن امیہؓ، علا بن الحضرمیؓ، نعمان بن مقرنؓ، عثمان بن حنیفؓ، عیاض بن غنمؓ، عمر بن سعدؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، نافع بن عبد الحارثؓ، خالد بن حرث سمرۃ بن جندبؓ، نعمان بن عدیؓ، عرفجہ بن ہرثمہؓ

حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت و کردار

قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق اسلام کا اجتماعی معاشرتی اور روحانی نظام بالکل سادہ ہے۔ اس کی اساس اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان مساوات و اخوت انسانی' عدل و انصاف' حریت و آزادی' محبت و رواداری بنیادی انسانی حقوق بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی قانون کی نظر میں عورت اور مرد کے برابر حقوق دولت و اقتدار کی بجائے تقویٰ و پرہیزگاری کو فضیلت کا معیار قرار دیا گیا۔ ہر قسم کی ذات پات کی اونچ نیچ نسل و قبیلہ اور رنگ و زبان کے امتیازات اور وطنیت و قومیت کے تعصبات کو غیر اسلامی غیر انسانی اور غیر اخلاقی قرار دیا گیا ایک خالق کی مخلوق اور ایک آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور فضیلت کا مستحق قرار دیا گیا ہے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق اسلامی معاشرے کی تشکیل عمل میں آئی اور ہر شعبہ حیات میں اسلامی اپنی اصل شکل میں نافذ کیا گیا۔ حضرت عمرؓ خود قرآن کی تعلیم کے مجسمہ تھے اور ہر حالت میں قرآن پاک کی تعلیم پر عملدرآمد کا حکم دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے عہد میں۔ قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم مفسر قرآن مفکر اسلام اور فقیہ تھے اس لئے آپ کی سیرت و کردار قرآن حکیم کی تعلیم کا عملی نمونہ تھیں۔ حضرت عمرؓ کا اخلاق عادات اور طرز زندگی انتہائی سادہ محنت و مشقت کی خوگر تکبر رعونت اور نفرت کا ان میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے اور عدل و انصاف آپ کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ سادہ لباس سادہ خوراک اور سادہ رہائش ان کا معمول تھا۔ مدینہ سے مکہ حج کے لئے جاتے تو بھی دوسروں کی طرح بغیر خیمے اور شامیانے کے ہوتے اور راستے میں آرام کرنے یا رات سونے کے وقت زمین پر لیٹتے اور پتھر کا سرہانہ ہوتا۔ مدینہ میں دوپہر کے وقت مسجد نبوی کے فرش پر اسلام کرتے اور وہاں ہی لوگوں سے ملتے اور اہم فیصلے کرتے۔ حضرت عمرؓ کا مزاج ابتداسے ہی سخت اور درشت تھا۔ لیکن کسی پر سختی نہ کرتے سنگ دل نہیں بلکہ رفیق القلب تھے آپ مضبوط ارادے کے مالک تھے جو فیصلہ کرتے اس پر سختی سے عمل کرتے اور کسی کے ساتھ ناجائز رعایت اور نرمی اختیار نہ کرتے۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ خواہ اپنی اولاد ہی پورا پورا انصاف کرتے۔ آپ قوی اور آمین تھے۔

حضرت عمرؓ کا باپ بڑا سخت گیر تھا۔ ایک دفعہ زمانہ خلافت میں آپ مکہ سے باہر وادی منجناں سے گزر رہے تھے کہ اچانک کھڑے ہو گئے آبدیدہ ہو کر فرمایا "اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدے کا کہ نہ پہنے اس وادی میں اپنے باپ کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھوں مار کھاتا اور آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اور پر کوئی حاکم نہیں" اس فرق کا احساس حضرت عمر فاروقؓ ہی کر سکتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدین میں تقسیم کر دی۔

حضرت عمرؓ کے حصے میں بھی زمین کا ایک ٹکڑا آیا اس کا نام شمغ تھا اور بڑی زرخیز تھی مگر حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی اجازت سے وقف کر دی تھی اور یہ اسلام میں پہلا وقف تھا جس سے غریبوں مسکینوں فقیروں اور مسافروں کو فائدہ پہنچ تھا اور آپ کے وارثوں کو وراثت میں نہیں مل سکتی تھی۔

ابتدا میں گزارے کے لئے صحابہ نے آپ کی تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک لباس کے لئے کافی تھی 15ھ میں جب تمام لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو دیگر صحابہ کی طرح آپ کا بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ سادگی اور بے تکلفی انتہا کی تھی۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتے تھے اور صرف ایک یا دو جوڑے ہوتے تھے غذا بھی انتہائی سادہ ہوتی تھی معمولی روٹی اور روغن زیتون وغیرہ آنحضرتؐ نے دعا مانگی کہ ابو جہل یا عمرؓ میں سے ایک کو حلقہ بگوش اسلام کر جو اسلام کی تقویت کا باعث ہو۔ حضورؐ کی دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگہ جوہر شناس نے حضرت عمرؓ کی مضمر صلاحیتوں کو کس طرح بے نقاب دیکھ لیا تھا۔ وہ شرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور حضورؐ کی تعلیم و تربیت سے ان کی صلاحیتیں نشو و نما پا کر نابغہ روزگار بن گئے اور اپنے عہد خلافت کے عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے تاریخ عالم کے بے مثال حکمران تسلیم کئے گئے۔

حضرت عمرؓ فاروق سنگ دل اور بے رحم انسانی ہمدردی سے محروم نہ تھے بلکہ انسانی ہمدردی سے سرشار رقیق القلب اور انسان دوست تھے۔ مکہ کی ایک منہمک دل خاتون ام عبداللہ حبشہ ہجرت کرنے کی تیاری کر رہی تھی آپ اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ ام عبداللہ کہاں کی تیاری ہے اس نے کہا آپ لوگ ہمیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مکہ میں آرام سے رہنے نہیں دیتے ہم پر ظلم و تشدد کرتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگوں کے انسان دشمن رویے کی وجہ سے مکہ چھوڑ کر حبشہ جا رہے ہیں جب آپ نے اس کی دردناک کہانی سنی تو بہت مغموم اور پریشان ہوئے جب ام عبداللہ کا خاوند آیا تو اس نے اس کو بتایا کہ عمرؓ بہت جلد مسلمان ہو جائے گا آج ہی نے اس کی عجیب پریشان کن کیفیت دیکھی ہے اور اس نے تمام واقعہ سنایا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فتح مدائن کے بعد کسریٰ ایران کے قصر ابیض سے حسین و جمیل شاہکار مجسمے نصب پائے تو ان کو محفوظ کر لیا اور حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع دی کہ ہمیں فنون لطیفہ کے انتہائی خوبصورت مجسمے یعنی بت ملے ہیں۔ ہم نے ان کو تباہ کرنے اور توڑنے پھوڑنے کی بجائے محفوظ کر لیا ہے آپ کی ہمارے اس فیصلے کے متعلق کیا رائے ہے آپ نے ان کو فنون لطیفہ کے شاہکار قرار دے کر حضرت سعد بن وقاصؓ کے فیصلے کی تائید و حمایت کی۔ حضرت عمرؓ کا دکھ درد اور پریشانی دیکھ کر انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت اس کی امداد و اعانت کرتے تھے۔ آپ نے ایک رات گشت پر ایک گھر سے رونے کی آواز سنی تو ان کی تکلیف محسوس کر کے اپنی بیوی کو گھر سے جا کر لائے اور اس گھر میں ایک عورت بچہ پیدا ہونے کی تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ اس کے بچہ پیدا ہونے تک وہاں ہی رہے ایک دفعہ ایک بچوں کے رونے کی آواز سن کر اس گھر سے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ بچے بھوک سے پریشان ہیں بیت المال سے خود کھانے کا سامان لا کر اس گھر میں پہنچایا۔ اس طرح حضرت عمرؓ کے انسانی ہمدردی اور مصیبت زدگان کی امداد و اعانت کے بے شمار واقعات مستند کتابوں میں درج ہیں قحط کے زمانہ میں تمام عرب کی جو خدمات سرانجام دیں اور اپنے فرض کا احساس کرتے ہوئے جو خدمات سرانجام دیں اس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی کہ کسی حکمران نے اپنے دور اقتدار میں اپنی رعایا کے مصائب و مشکلات کو حل کرنے کے لئے کس طرح اپنا فرض ادا کیا۔ حضرت عمر

فاروقؓ سلیم اور علم وادب کا بھی بڑا شوق رکھتے تھے شعر وشاعری اور موسیقی کا بھی ذوق رکھتے تھے اور بعض اوقات اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

قحط کے قیامت خیز وقت میں آپ نے جس جوش وجذبہ محنت وجانشانی سے انسانیت کی بے پانہ خدمت کی اس کی مثال دنیا کے کسی حکمران میں نہیں ملتی۔ آپ نے اپنی خوراک اپنی صحت اور اپنی آرام وآسائش کی کوئی پرواہ نہ کی اور قحط زدون کے مصائب وآرام کے تدارک کے لئے اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی حضرت عمر فاروقؓ نے اپنا سارا وقت عدل ومساوات خدمت خلق اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی روزمرہ کی زندگی انتہائی سادہ اور کفایت شعار تھی۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے روغن زیتون میں نمک ڈال کر اس سے روٹی کھاتے تھے ایک دفعہ بیمار ہوئے حکیم نے علاج کے لئے شہد تجویز کیا۔ شہد بیت المال میں موجود تھا لیکن صحابہ کی اجازت سے کچھ شہد لیا گیا حضرت عمر فاروقؓ کا زیادہ وقت لوگوں کی ضروریات مہیا کرنے میں صرف ہوتا تھا اور دنیا کے مفکرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ بہترین حکومت وہ ہتی ہے جو عوام کی بنیادی ضروریات زندگی مہیا کرتی ہے۔2 ہر ایک کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک ہوتا اور 3 ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوتے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہر انسان کو تمام ضروریات زندگی حاصل تھیں۔

قل العفو۔ اے رسولؐ! یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ انہیں حتمی طور پر بتادیا جائے کہ ان کی کمائی میں ان کا اپنا حق کس قدر ہے اور دوسروں کا کس قدر کہا گیا کہ قل العفو (2\219 قرآن) ان سے کہ دو کہ اس میں تمہارا حق صرف اس قدر ہے جس سے تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں باقی سب کا سب دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے حتیٰ کہ اگر ایسا موقع آجائے کہ دوسروں کی ضروریات تمہاری صروریات سے زیادہ شدید ہیں تو تم اپنی ضروریات پر ان کی ضروریات کو ترجیح دو (54\4 قرآن) جناب رسول اللہؐ نے مدینہ میں اسلامی مملکت قائم کی اور وہاں معاشی نظام کی بنیاد رکھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس معاشی نظام کو اور مضبوط کر دیا گیا۔ بیت المال قائم کیا گیا اس میں مال غنیمت اراضیات کا حالیہ اور خراج اور جذیہ آکر جمع ہوتا تھا اور اس بیت المال سے ہر شخص کو وظیفہ ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ خود لوگوں کے گھروں میں جاکر وظیفے تقسیم کرتے تھے۔ بچے کی پیدائش سے ہی ہر ایک کا وظیفہ شروع ہو جاتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ "حضورؐ کا کوئی کپڑا طے کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا ہوتا تھا دوسرا نہیں ہوتا تھا جسے تہ کر کے رکھا جاتا۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے حضرت عمرؓ کے کپڑوں میں بھی کئی کئی پیوند ہوتے تھے اور صرف ایک ہی جوڑا تھا یہی حال حضرت ابوبکرؓ کا تھا۔ یعنی ان تینوں حضرات کی خوراک لباس اور رہن سہن انتہائی سادہ تھا۔

حضورؐ کو اپنی وفات کے وقت یاد آیا کہ ان کو کہیں سے چند دینار آئے تھے آپ نے اس وقت حضرت عائشہ سے وہ دینار منگوا کر بیت المال میں جمع کرا دئے۔ ان تینوں انتہائی قابل احترام بزرگوں نے اپنی اپنی وفات کے وقت کوئی مال واسباب اور جائیداد نہیں چھوڑی تھی۔ اسلام سادگی اور کفایت شعاری کی تعلیم دیتا ہے سرمایہ داری۔ جاگیرداری اور عیش وعشرت کا شدید

مخالف ہے۔ فضول خرچی اور اسراف کو گناہ تصور کرتا ہے۔ لہذا اسلام کا معاشی نظام اشتراکیت اور سرمایہ داری نظام معیشت کے مقابلہ پر انسانیت اور سادگی کے اصولوں پر قائم بہترین معاشی نظام ہے۔ اس قسم کی بے شمار روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں کہ آنحضرتؐ نے بار بار تاکید فرمائی کہ تمہاری ضروریات سے جتنا مال تمہارے پاس ہے وہ غریبوں مسکینوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دو یا بیت المال میں قومی ضروریات کے لئے جمع کرا دو۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے بھی اسی اصول پر سختی سے عمل کیا۔ آپ آنحضرتؐ کے مقلد تھے اور اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ بری وفات کے بعد میں نے جو کچھ بیت المال سے اپنے گذارے کے لئے لیا تھا بری ذہن بیچ کر بیت المال کا قرض یا وظیفہ ادا کر دیا جائے۔ اللہ جناب رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ نے ہوس دولت سے منع فرمایا ہے اور ضرور تمند لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی سخت تاکید بلکہ حکم فرمایا ہے یہ ہے اسلام کا معاشی نظام۔

"اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہو گی" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو مدینہ تو ایک طرف عراق تک کی بیواؤں کو ایسا بنا دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں" حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا کہ "کوئی ضرور تمند ایسا نہ رہے جس کی ضرورت حکومت کی طرف سے پوری نہ کی جائے" حضرت عمرؓ از خود ضرور تمندوں اور محتاجوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ اور ضرور تمندوں کی ضروریات اس طرح پوری کرتے تھے کہ ان کی عزت نفس اور خودداری کو ٹھیس نہ لگے یعنی احترام آدمیت اور شرف انسانیت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو بازار میں ایک عورت ملی۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین میرا خاوند فوت ہو گیا ہے اور بچے یتیم ہو گئے ہیں۔ کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہے میں ایک صحابی کی بیٹی ہوں جو حدیبیہ میں شامل تھا۔ آپ گھر آئے اور ایک توانا اونٹ پر سامان رسد اور دیگر ضرورت کی اشیا لاد کر خود اس کے گھر لے گئے۔ اور کہا اے بیٹی اب آپ کو میرے پاس نہیں آنا پڑے گا تمام ضروری سامان تمہارے پاس گھر پہنچ جایا کرے گا۔ یہ احترام انسانیت کا تقاضا ہے کہ لوگون کو گداگر نہ بنایا جائے۔ قحط کے دنوں میں اہل مدینہ اور باہر سے آنے والوں کے لئے مشترکہ دستر خوان بچھا دئے گئے اور خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر کھانا وہ ہے جسے سب مل کر کھائیں۔

قحط کے دنوں میں کھانے کی سادگی جدوجہد اور دوسروں کے لئے پریشانیوں کی وجہ سے آپ کی صحت بے حد کمزور ہو گئی اور رنگ بھی سیاہ ہو گیا حالانکہ آپ کا رنگ سرخ و سفید تھا۔

ایک دفعہ کسی بستی میں ایک مسافر پیاس کی وجہ سے مر گیا۔ کیونکہ اس بستی والوں نے اسے پانی نہ دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا خون بہا حکومت کی طرف سے ادا کیا۔ پھر اسے اس بستی والوں سے وصول کیا اور یہ قانون بنا دیا کہ اگر کسی بستی میں کوئی شخص بھوک یا پیاس کی وجہ سے مر جائے تو اس بستی والوں سے اس کا خون بہا وصول کیا جائے۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور برابر تقسیم کرتے تھے یعنی عدل و مساوات کے حامی تھے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا کہ "آپ کے عمال اس قدر امانت دار اس لئے ہیں کہ آپ خود امین ہیں"

حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بیت المال کے دو اونٹ ہنکائے لئے جا رہے ہیں اور شدید گرمی پڑ رہی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر کسی نے "قومی وآمین" کو دیکھنا ہو وہ حضرت عمرؓ کو دیکھ لے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "تمہارے مال غنیمت میں سے میرے لئے پانچواں حصہ ہے اور یہ حصہ بھی تمہیں لوگوں کو واپس دیدیا جاتا ہے" بخاری و مسلم۔

اسلام کے معاشی نظام میں ہر شخص کو وظیفہ اس کی ضرورت کے مطابق دیا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ نے زرعی اراضیات کے متعلق حکم فرمادیا تھا کہ زمین بھی اللہ کی اور انسان بھی اللہ کے بندے ہیں اس لئے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں کے لئے رہنی چاہئے۔ حضورؐ نے زمینوں کو بٹائی پر دینے یا فروخت کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ خیبر کی مفتوحہ اراضی کسی مجبوری کے تحت یہودی کاشتکاروں کو حصہ بٹائی پر دی تھیں مفتوحہ زمینوں کو حکومت کی ملکیت قرار دیا گیا اور جو کاشتکار ان زمینوں کے مذارعین تھے یہی کاشتکار تھے ان کو موروثی حقوق دیدیے گئے اور حکومت ان سے لگان یا خراج وصول کرتی تھی اس طرح یہ اراضیات حکومت کو مستقبل آمدن کا ذریعہ بن گئیں۔ یہ حضرت عمرؓ کا عظیم کارنامہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے مدینہ کی چراگاہیں بھی حکومت کی ملکیت قرار دیدیں اس طرح پانی یعنی دریا اور نہریں وغیرہ بھی حکومت کی ملکیت قرار دیدیں۔ ان تمام چیزوں کے مالک اللہ تعالیٰ اس لئے اس کے بندوں کو ان کے استعمال کا حق حاصل تھا۔ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مملکت کو آمدن بے حد بڑھ گئی تھی اور زمین کے خراج میں محیر العقول اضافہ ہو گیا تھا یہ حضرت عمرؓ تدبر و عقلمندی اور دیانت وامانت کی وجہ سے اضافہ ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ وظیفوں کی تقسیم میں امتیاز برتتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ سادات کے حامی تھے وہ ہر ایک کا وظیفہ برابر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کے اعمال کو جزا اللہ تعالیٰ دے گا معاش کا معاملہ اصول مساوات کا تقاضا کرتا ہے اور یہی عدل و مساوات ہے۔ حضرت عمرؓ نے مردم شماری کرائی تا کہ سب کو وظیفہ ملتا رہے ان اعداد و شمار اور احوال و کوائف کے مطابق فہرستیں مرتب کرائیں اور انہیں وظائف کے رجسٹروں میں درج کیا آپ نے وظائف کے تعین میں ترجیح سلوک کا اصول اختیار کیا اور ترجیح کے دو معیار مقرر کئے رسول اللہ کی قرابت دار اور اسلام میں مسابقت یہ آپ کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ بالکل صحیح تھا یعنی مساوات اور نسل و قبیلہ کا امتیاز اسلام کی تعلیم کے خلاف تھا الغرض حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کا معاشی نظام نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں 20ھ میں وظائف کا نظام شروع ہوا تھا۔

1- آپ نے فرمایا کہ اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو سارے ملک کا دورہ کروں گا اور وظائف کا اصول حضرت ابوبکرؓ کی طرح مساوات پر مبنی کر دوں گا۔

2- دولت مندوں سے ان کی فاضل دولت لے کر حاجتمندوں میں تقسیم کر دوں گا۔

3- حضرت عمرؓ نے اگلے سال تمام مملکت کا دورہ کرنے اور عوام کے مسائل ان کے علاقوں میں جا کر حل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ کی شہادت ہو گئی اور تمام اصلاحی انقلابی پروگرام تشنہ تکمیل رہ گئے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی شہادت کے واقعات

حضرت عمر فاروقؓ ہر سال حج کے لئے مکہ جاتے تھے 23ھ کو بھی آپ نے امہات المومنین کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کی۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ اس سفر حج کے دوران بھی آپ کو ایسے اشارات ملے کہ ان کا وقت وفات قریب ہے۔ آپ نے خود بھی اپنی رخصتی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی۔ مدینہ میں آپ نے بائیس ذی الحجہ 23ھ بروز جمعہ مسجد نبوی میں آخری خطبہ ارساد فرمایا۔ جس میں اپنی ایک خواب بیان کی "کہ ایک سرخ مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں" اس خواب کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ اب میرا وقت قریب ہے۔ علامہ طبریؒ کی روایت ہے کہ "حضرت عمرؓ حج سے واپس آنے کے بعد ایک دن بازار کا گشت لگانے نکلے راستہ میں ابو لولو فیروز ملا اور اس نے عرض کیا یا امیر المومنین مجھے مغیر امین شعبہ سے بچائیے۔ اس نے مجھ پر بہت زیادہ خراج لگا رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا" تم کتنا خراج ادا کرتے ہو" بولا دو درہم روزانہ" حضرت عمرؓ نے کہا اور کام کیا کرتے ہو" کہنے لگا نجار' معمار' نقاش اور آہن گری" حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے خراج زیادہ معلوم نہیں ہوتا سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو ہوا سے چلنے والی چکی بنا سکتا ہوں" کہنے لگا" ہاں" فرمایا" تو مجھے ایک چکی بنا دو" بولا" اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لئے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا مشرق سے مغرب تک ہوگا" اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا" اس غلام نے ابھی ابھی مجھے دھمکی دی ہے" حضرت عمرؓ اپنے گھر چلے گئے دوسرے دن کعب احبار جو یہودی تھا آپ کے گھر آیا اور کہا" امیر المومنین! تیار ہو جایئے آپ تین دنوں میں وفات پا جائیں گے کعب عہد رسالت میں یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے اور رسول اللہؐ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے تھے جب حضرت عثمان خلیفہ بن گئے تو کعب نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ کعب احبار حضرت عمرؓ کے ہمراہ بیت المقدس بھی گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حیران ہو کر کعب سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں تین دن میں وفات پا جاؤں گا۔ اس نے کہا میں نے توریت میں پڑھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا توریت میں میرا نام ہے کعب نے کہا آپ کا نام نہیں آپ کا حلیہ اور صفات اور یہ کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو کوئی بیماری نہ تھی اس لئے کعب کی باتوں سے حیران ہوئے مگر کوئی فکر نہ کیا۔ اور نا ہی اس کی بات پر یقین کیا۔ اور نا ہی اس کی تحقیق و تجسس پر توجہ دی۔ کعب دوسرے دن پھر حضرت عمرؓ کے گھر آیا اور کہا کہ اب دو دن رہ گئے ہیں اس کے بعد اگلے روز بھی حضرت عمر فاروقؓ کے گھر آیا اور کہا کہ امیر المومنین اب آپ کی زندگی کا صرف ایک دن باقی ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے کسی تشویش کا اظہار نہ کیا اور اس کی بات پر یقین بھی نہ کیا۔ اگلے روز جب حضرت عمرؓ شدید زخمی حالت میں گھر میں پڑے تھے تو کعب احبار پھر آیا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر کام اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ البتہ تمہارا اندازہ صحیح ثابت ہوا

گمان غالب یہی ہے کہ کعب احبار بھی یا تو مدینہ میں مقیم ایرانیوں کی اس قتل کی سازش میں شامل تھا یا اس کو فیروز لولو یا ہرمزان کے ذریعے اس سازش کا علم ہو چکا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت یکم محرم 24ھ / 644ء بعمر 63 سال ہوئی۔ 26 ذالحج 23 ہجری کو بدھ کے دن امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو نماز فجر پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لائے۔ صفیں درست کیں اور لوگ بیٹھ گئے اذان دی گئی اور حضرت عمرؓ امامت کے لئے آگے بڑھے اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ ابھی حضرت عمرؓ نے نماز کی تکبیر شروع ہی کی تھی کہ ایک شخص اچانک ان کے سامنے آیا اور اپنے خنجر سے ان پر تین وار کئے جن میں سے ایک زیر ناف پڑا جس سے انتڑیاں کٹ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے دھار دار آلے سے زخم محسوس کیا۔ نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر کہا "پکڑو اس کتے کو اس نے مجھے قتل کیا ہے" یہ کتا مغیرہ بن شعبہ کا نصرانی غلام ابو لولو فیروز تھا۔ یہ ایران کا باشندہ تھا۔ جو نہاوند کی جنگ میں گرفتار ہوا تھا اور اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ کی غلامی میں آگیا۔ وہ حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کی نیت سے منہ اندھیرے مسجد میں آگیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک خنجر چھپا رکھا تھا۔ جس کا دستہ بیچ میں تھا اور دونوں طرف بڑی تیز دھاروں کے پھل تھے۔ وہ مسجد کے ایک گوشے میں چھپ گیا اور جب نماز شروع ہوئی تو وار کر دیا اور اس کے بعد اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا نمازیوں میں کہرام مچ گیا۔ بہت سے لوگ اسے پکڑنے کے لئے اس کی طرف دوڑے لیکن فیروز کسی کے قابو میں نہ آیا اور دائیں بائیں خنجر کے وار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بارہ آدمی زخمی ہو گئے جن میں سے چھ یا نو فوت ہو گئے۔ آخر ایک شخص نے پیچھے سے آکر اس پر اپنی چادر ڈال کر زمین پر گرا دیا۔ فیروز کو یقین ہو گیا کہ وہ اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جس خنجر سے اس نے حضرت عمرؓ کو مجروح کیا تھا۔ اسی خنجر سے اپنا کام بھی تمام کر لیا۔

جو وار حضرت عمرؓ کے زیر ناف پڑا تھا اس سے آنتیں کٹ گئیں اس لئے وہ مہلک ثابت ہوا۔ حضرت عمرؓ زخمی ہونے کے بعد کھڑے نہ رہ سکے بلکہ فرش پر گر پڑے لوگ حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لے جانے لگے تو اس منظر سے ان کو شدید صدمہ ہوا۔ اور تمام مجمع میں بدحواسی اور بے چینی پھیل گئی۔ اس وقت کسی نے آواز دی اللہ کے بندو نماز تو پڑھ لو چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف امام بنائے گئے اور دو مختصر سورتوں میں نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ مسجد میں پھیل گئے لوگوں کی زبان پر اسی المناک واقعہ کا ذکر تھا۔ جو ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا خبر بجلی کی طرح تمام مدینہ میں پھیل گئی اور تمام لوگ مسجد کی طرف دوڑے کہ اس قیامت انگیز حادثے کی معلومات معلوم کریں دوسرے زخمیوں کو بھی ان کے گھروں میں پہنچایا ان میں سے کچھ مر چکے اور کچھ زخموں کی تکلیف سے چیخ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ میں عمرؓ کے پاس آیا ان پر مسلسل غشی طاری رہی یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی۔ جب دن نکلا تو عمرؓ کو ہوش آیا۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تو پوچھا "لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ میں نے کہا ہاں پڑھ لی ہے انہوں نے فرمایا جس نے نماز چھوڑی وہ مسلمان نہیں ہے" انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین پر حملہ کس نے کیا۔ لوگوں نے کہا اللہ کے دشمن ابو لولوء فیروز نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے۔ جب حضرت ابن عباسؓ واپس آئے اور بتایا کہ آپ پر حملہ ابو لولوء نے کیا ہے اور دوسرے چند آدمیوں کو زخمی کر کے خودکشی کر لی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل نہ مسلمان ہے اور نہ ہی عرب بلکہ ایرانی مجوسی ہے"

ایک عرب طبیب آیا اور اس نے نبیذ پلائی۔ وہ نبیذ جب ناف کے نیچے والے زخم سے نکلی تو بالکل خون معلوم ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک انصاری طبیب کو بلوایا۔ پھر بنو معاویہ کا ایک اور طبیب آیا اس نے حضرت عمرؓ کو دودھ پلایا۔ لیکن وہ جوں کا توں زخم سے نکل گیا اور اس کے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔ طبیب نے کہا "امیر المومنین! اللہ کو یاد کیجئے" مطلب یہ تھا کہ موت یقینی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بنو معاویہ کے بھائی! تم نے سچ کہا۔ اگر اس کے سوا تم کوئی بات کہتے تو جھوٹ بولتے" طبیب کی یہ بات سن کر حاضرین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور وہ رونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہم پر آنسو نہ بہاؤ! جسے رونا ہو یہاں سے چلا جائے۔ کیا تم نے رسول اللہؐ سے نہیں سنا کہ "رشتہ داروں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے"

جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ مجھ پر مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے قاتلانہ حملہ کیا ہے تو فرمایا "یہ تمہارے ساتھیوں کا عمل ہے میں چاہتا تھا کہ مدینہ میں قیدیوں میں سے کوئی کافر داخل نہ ہو مگر تم لوگ اتنا مجھ پر غالب آگئے کہ میری عقل مغلوب ہوگئی۔ اس ابولولوء فیروز کو مدینہ میں لانے کی اجازت مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمرؓ سے حاصل کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے پابندی لگا رکھی تھی کہ قیدیوں میں سے جو غیر مسلم بالغ ہوں انہیں مدینہ آنے کی اجازت نہیں ہے۔ مگر مغیرہ بن شعبہ نے جو کوفے کے عامل تھے۔ حضرت عمرؓ سے ابولولو کو مدینہ لانے کی اجازت حاصل کی اور کہا کہ وہ لوہار ہے بڑھی ہے۔ نقاش ہے اور بہت سے کام جانتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی ایک اور روایت کے مطابق فیروز لولوء کی دھمکی:

مغیرہ نے اس پر سو درہم ماہوار (خراج) مقرر کر دیا۔ غلام حضرت عمرؓ کے پاس خراج کی شدت کی شکایت کرنے آیا تو عمرؓ نے کہا' تو اچھی طرح کیا کیا کام جانتا ہے اس نے وہ سب کام بیان کئے جو اچھی طرح جانتا تھا۔ فرمایا کہ تیرے عمل کی حقیقت میں تیرا خراج بہت نہیں ہے۔ وہ ناراض ہو کر بڑبڑاتا ہوا واپس ہوا۔

غلام کا گستاخانہ رویہ:

حضرت عمرؓ نے چند راتیں گزاریں اس کے بعد پھر وہ غلام ان کے پاس سے گزرا تو انہوں نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ تو کہتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ایسی چکی بنا دوں جو ہوا سے چلے' غلام ناراض اور ترش رو ہو کے عمرؓ کی طرف متوجہ ہوا۔ عمرؓ کے ساتھ ایک جماعت تھی۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے لئے ضرور ایسی چکی بناؤں گا۔ جس کو لوگ بیان کیا کریں گے۔ غلام نے پشت پھیری تو عمرؓ اس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے جو ان کے ہمراہ تھی اور فرمایا کہ "غلام سے ابھی مجھے قتل کی دھمکی دی"

حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ:

حضرت عمر فاروقؓ کی سب سے بڑی یہ خواہش تھی کہ انہیں حضرت عائشہ کے حجرے میں آنحضرتؐ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ دفن کیا جائے چنانچہ اپنے آخری وقت میں انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا عبداللہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ بیٹھی رو رہی تھیں عبداللہ نے حضرت عمرؓ کا سلام عرض کیا اور کہا کہ میرے والد جناب رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن ہونے کی آپ سے اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت

عائشہؓ نے جواب دیا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی کہ یہاں دفن ہوں گی مگر آج میں حضرت عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ جناب عبداللہ نے واپس آکر حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع دی کہ انہوں نے اجازت دے دی ہے آپ نے فرمایا ''یہی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اپنے دونوں انتہائی قابل احترام بزرگ ہستیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے ہجرے میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو تجہیز و تکفین کے بعد میرا جنازہ لے کر حضرت عائشہؓ کے ہجرہ کے باہر کھڑے ہو کر ایک دفعہ پھر ام المومنین سے اجازت طلب کرنا۔ اگر اجازت دے دی تو جنازہ اندر لے جانا۔ ورنہ واپس لا کر مسلمانوں کے قبرستان مین دفن کر دینا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ میرا غسل میرا کفن اور میری قبر سب کچھ معمولی اور سادہ ہونا چاہئے اور میرے جنازہ پر گریہ زاری اور بلند آواز سے نہ رونا اور نا ہی میرے اوصاف بیان کرنا۔ صرف مغفرت کی دعا کرنا آپ اپنے پس ماندگان کو صبر اور سادگی کی تلقین کر رہے تھے اس وقت آپ کا سر مبارک عبداللہ کی آغوش میں تھا۔ اس کو حکم دیا کہ میرا رخسار زمین پر رکھ دو اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

میت کو غسل دینے کے بعد تین کپڑوں میں کفنایا اور پھر مسجد میں لایا گیا۔ جہاں حضرت صہیبؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے میت اٹھائی۔ اور حضرت عائشہؓ کے دروازے پر آکر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ''عمر بن خطاب اپنے محترم رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ''اجازت ہے اندر چلے آؤ'' لوگ رسول اللہؐ کے حجرے میں داخل ہوئے اور میت کو اس کی آخری آرام گاہ میں اتار دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کا سر شانہ رسالتؐ کے متوازی تھا حضرت عمرؓ کا سر شانہ صدیقی کے متوازی رکھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میت کو قبر میں رکھا۔ ان کے ساتھ پانچ ارکان شوریٰ حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر بن عوام بھی قبر میں اترے تھے۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ ابھی تک مدینہ واپس نہ آئے تھے چنانچہ نہ وہ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت پہنچ سکے۔ نہ ان کی تدفین میں شریک ہوئے۔ ان حضرات نے میت کو قبر میں اتار کر قبر پاٹ دی۔ باقی لوگ بھی قریب ہی مسجد نبویؐ میں جمع تھے۔ غم ان کے دلوں کی تہ میں اتر چکا تھا اور مایوسی نے ان کے حواس گم کر دیئے تھے۔ انہیں ایک ایسے شخص کی موت کا صدمہ کھائے جا رہا تھا۔ جو لوگوں میں اپنی روشن مثال چھوڑ گیا۔ جب امیر المومنین نے زمام خلافت سنبھالی تھی تو لوگ ان کی شدت و سخت گیری سے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے اس کے بعد انہوں نے دس برس اور چھ مہینے ان کے درمیان گزارے اور اس تمام مدت میں وہ سب سے زیادہ مشفق سب سے زیادہ عادل اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے امیر ثابت ہوئے۔ اس لئے عوام و خواص کے دل روز بروز ان کی محبت کے اسیر ہوتے گئے۔

شیت ابزدی بھی یہی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت مدینہ میں ہو ورنہ کوئی شخص یقین نہیں کر سکتا کہ ابو لولوء فیروز کی دھمکی کے باوجود اور کعب احبار کی اطلاع کے باوجود کہ آپ کو تین دن کے بعد شہید کر دیا جائے گا آپ نے کوئی حفاظتی انتظامات نہ کیئے:

حضرت عمرؓ کے آخری کلمات :

عثمانؓ بن عفان سے مروی ہے کہ عمرؓ سے میری ملاقات کا وقت سب کے آخر میں تھا میں اس حالت میں ان کے پاس گیا۔ کہ سر ان کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کے آغوش میں تھا۔ ان سے فرمایا کہ میرا رخسارہ زمین پر رکھ دو۔ انہوں نے کہا کہ میری ران اور زمین تو بالکل یکساں ہیں فرمایا میرا رخسارہ زمین پر رکھ دو دوسری یا تیسری مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ تمہاری ماں نہ رہے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں ملائے میں نے انہیں کہتے سنا کہ میری اور میری ماں کی خرابی ہے اگر اللہ نے میری مغفرت نہ کی یہاں تک کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے آخری حج سے واپس پر بائیسویں ذی الحجہ 23ھ کو مسجد نبوی میں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھی ہے جس میں ایک سرخ رنگ کے مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا زندگی کا وقت قریب ہے اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ جو بھی میرے بعد خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین انصار عرب اور غیر مسلمانوں سے اچھا سلوک کرے اس قسم کی وصیت کی باتیں کیں۔

یہ حیران کن بات ہے کہ کعب احبار کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر تین دن کے بعد وفات پا جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ احبار کو ابولولو فیروز ہرمزان اور جفینہ کی سازش کا علم ہو گا یا وہ بھی ان میں شامل ہو گا۔

قاتلانہ حملہ میں شدید زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ امت مسلمہ کے مستقبل کے متعلق گہرا غور و فکر کرتے رہے۔ سلطنت اسلامیہ بہت وسیع و عریض ہو چکی تھی۔ اب اس کی سیاسی عسکری اور معاشی حکمت عملی کسی بڑے قابل لائق اور مدبر کے ہاتھ میں ہونی چاہئے جو مملکت کے دفاع، خوشحالی اور ترقی کی اہلیت و قابلیت رکھتا ہو اور ملت میں اتحاد و استحکام قائم رکھ سکے اور عوام کا اعتماد اور تائید و حمایت بھی حاصل کر سکے۔ آپ نے تمام کبار صحابہ کی سیرت و کردار اور اہلیت و قابلیت اور آنحضرتؐ و صدیق اکبرؓ کے عہد میں ان کی خدمات و قربانیوں کا اچھی طرح جائزہ لیا کہ ان جید بزرگوں میں کون سی ہستی ان کے جانشین کے طور پر خلافت کی اہم ذمہ داریاں احسن طریقہ سے ادا کرنے کے قابل ہیں لیکن کوئی ایک شخصیت بھی ہر لحاظ سے اس گراں ذمہ داری کو سرانجام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور نظر نہیں آرہی تھی جس پر ساری قوم کو پورا پورا اعتماد ہو آپ نے اظہار کیا کہ آج اگر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، یا حضرت معاذ بن جبلؓ یا حضرت ابو حذیفہؓ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے یا اگر حضرت خالد بن ولیدؓ زندہ ہوتے تو ان کو اپنا جانشین خلیفہ نامزد کر دیتا۔ الغرض حضرت عمر فاروقؓ نے کسی صحابی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کی بجائے چھ کبار اور قابل ترین صحابہ پر مشتمل ایک کونسل نامزد کر دی اور ہدایت کر دی کہ یہ حضرات اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں اور پھر اس کے ساتھ تعاون کریں ممبران کونسل حسب ذیل تھے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو صرف ان کی مشاورت کے لئے ساتھ کر دیا۔ خلافت کے امیدوار نہیں ہو سکتے۔ کسی نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ آپ کا بیٹا عبداللہ بن عمر زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں کسی سے کم نہیں یا تو اس کو اپنا جانشین نامزد کریں۔ یا اس کونسل کا ممبر اگر دیگر ممبران ان کو خلیفہ منتخب کرنا چاہیں تو ان کو اختیار حاصل ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اگر

یہ خلافت اعزاز تھا تو میری وجہ سے میرے خاندان کو یہ اعزاز حاصل ہو گیا اب یہ اعزاز کسی اور کے حصے میں آنا چاہئے دوسروں کا بھی حق ہے اور اگر یہ عہدہ خلافت ایک ذمہ داری ہے تو میری وجہ سے میرے خاندان نے یہ ذمہ داری پوری کر دی اور اپنا فرض ادا کر دیا اب یہ ذمہ داری کسی اور کو ادا کرنی چاہئے ہم اپنی باری ادا کر چکے۔

مجلس شوریٰ کے ممبران ایک گھر میں جمع ہوئے حضرت ابو طلحہؓ انصاری پچاس حضرات کے ساتھ اس مکان کے دروازے پر بیٹھ گئے جہاں مجلس شوریٰ کے چھ ممبران کا اجلاس ہو رہا تھا تا کہ تین دن کے اندر اندر ممبران کو نسل خلیفہ کے انتخاب کا فیصلہ کریں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کا انتخاب خلافت :

حضرت عمر فاروقؓ کی وصیت کے مطابق آپ کی وفات کے بعد چھ حضرات حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مجلس شوریٰ کا ایک مکان میں اجلاس ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صرف مشیر تھے ان بزرگوں کو حضرت عمرؓ نے یہ اختیار دیا تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو متفقہ یا کثرت رائے سے ملت اسلامیہ کا امیر المومنین یعنی خلیفہ منتخب کریں ابتدا میں ہی حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے خلافت کی امیدواری سے اپنا اپنا نام واپس لے لیا۔ دو دن کی بحث و تمحیث کے بعد جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی اپنا نام واپس لے لیا اور اب مقابلہ صرف حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان رہ گیا۔ یہ دونوں بزرگ خلافت کے بڑے سنجیدہ امیدوار تھے۔

حضرت علیؓ بڑے بہادر جنگجو اور صاحب علم و فضل تھے آنحضرتؐ کے داماد اور چچازاد تھے آپ نے آنحضرتؐ کے گھر پرورش اور تربیت پائی تھی۔ سوائے تبوک کے تمام غزوات میں سرگرم حصہ لیا تھا اور حضورؐ کے عہد میں اسلام کے لئے شاندار خدمات سرانجام دی تھیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان بھی آنحضرتؐ کے داماد تھے جب آنحضرتؐ کی پہلی بیٹی حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمانؓ وفات پا گئیں تو آپ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح کر دیا۔ تمام عمر حضرت عثمانؓ نے اسلام کی بے پناہ جانی و مالی خدمات سرانجام دیں۔ تمام غزوات میں سرگرم حصہ لیا اور آنحضرتؐ حضرت عثمانؓ کو بڑا محبوب رکھتے تھے اور بڑی عزت و احترام کرتے تھے حضرت علیؓ کا تعلق قبیلہ بنو ہاشم سے تھا اور حضرت عثمانؓ کا قبیلہ بنو امیہ سے تھا۔

تین دن کی شدید کشمکش کے باوجود کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور دونوں امیدوار حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اپنے اپنے حق پر بضد تھے کہ انہیں ہی خلیفہ نامزد کیا جائے۔ آخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو دھمکی دی کہ میعاد تین روز ختم ہو رہی ہے۔ جلد فیصلہ کرو ورنہ دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ آخر حضرت علیؓ نے عبدالرحمٰن کو اختیار دیدیا کہ جو وہ فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہو گا اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو اختیار دیدیا کہ جو وہ فیصلہ کریں گے میں اسے خوشی تسلیم کر لوں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان تین دنوں میں مدینہ میں قریباً تمام اہل الرائے مہاجرین و انصار سے خفیہ طور پر مشورہ کر چکے تھے اور

مدینہ کی کثرت رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں تھی۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان :

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وعدہ لیا کہ اگر میں خلافت کا فیصلہ عثمانؓ کے حق میں کروں تو کیا تجھے قبول ہوگا اور ان کی بیعت خلافت کرو گے حضرت علیؓ نے کہا کہ مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہوگا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ان سے وعدہ لیا کہ اگر میں علیؓ کو خلیفہ نامزد کر دوں تو کیا آپ کو منظور ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہوگا۔

چنانچہ دونوں سے وعدہ لینے کے بعد اس وقت اعلان کر دیا کہ میں حضرت عثمانؓ کو خلیفہ اسلام نامزد کرتا ہوں اور اس وقت سب سے پہلے اپنے خود عثمانؓ کی بیعت خلافت کر لی۔ ان کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت خلافت کر لی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کا اعلان عام کر دیا اور تمام لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی بیعت خلافت کر لی اور حضرت عثمانؓ تیسرے خلیفہ اسلام قرار دیئے گئے۔

حقیقت یہ تھی کہ اب ہاشم اور عبدالمطلب کے بعد قبیلہ بنو ہاشم کا مکہ اور مدینہ میں وہ اثر و رسوخ نہ تھا جو ان کے زمانہ میں تھا۔ ان کی بجائے اب قبیلہ بنو امیہ کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا اور لوگوں کو بھاری اکثریت بنو امیہ کی حامی اور ان کی تائید و حمایت کرتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اپنے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے حامی تھے مگر ان کا اندازہ صحیح تھا کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت حضرت علیؓ کی خلافت کے حق میں نہیں۔ اس لئے اگر میں نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تو لوگ ان کو تسلیم نہیں کریں گے اور آپ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دیں گے اور ملت میں فتنہ فساد پیدا ہو جائیگا۔ ورنہ نہ صرف حضرت عمرؓ کے بنو ہاشم کے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے خصوصاً حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور ابن عباسؓ کے ساتھ بلکہ حضرت علیؓ کی شجاعت و بہادری آنحضرتؐ سے قرابت اسلام کی خدمات اور علم و عقل کے لحاظ سے بھی وہ ایک عظیم شخصیت تھے۔ بنو ہاشم نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ان کے ساتھ عملی تعاون نہ کیا۔ ان دونوں بزرگوں کا عہد خلافت اسلام کی ترقی و عروج اور فتوحات کا دور تھا۔ بنو امیہ نے ان کے ساتھ سرگرم تعاون کیا۔ جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تمام قریش مکہ نے بھی جہاد اور تبلیغ و اشاعت اسلام میں سرگرم حصہ لیا اس سے نہ صرف ان لوگوں کو مال غنیمت میں معقول حصہ ملا اور ان کی مالی حالت بہت اچھی ہو گئی بلکہ لشکر اسلام اور مجاہدین میں سپہ سالار اور فوجی افسر اور باوقار عہدے مل گئے اور اب تمام دنیائے اسلام کے تمام ممالک کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ اس طرح مفتوحہ ممالک میں وہ صوبوں کے گورنر اور عمال حکومت بھی تھے الغرض بنو امیہ اور قریش مکہ کے دیگر قبائل کے لوگ جنہوں نے ابتدا میں آنحضرتؐ کی مخالفت کی تھی اب دنیائے اسلام میں بڑے بڑے سول اور فوجی عہدوں پر تعینات تھے اور دراصل مملکت مدینہ کی حکومت اب ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور اب حضرت عمرؓ یا عبدالرحمٰن بن عوف یا حضرت علیؓ و عباسؓ وغیرہ کے اختیار میں نہیں تھا کہ بنو امیہ کو نظر انداز کر کے خود حکمران یا خلیفہ اسلام بن جائیں۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے ہمارے ان

نظریات اور تجزیہ کی تصدیق کر دی۔ جب حضرت علیؓ کو کسی نہ کسی طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد موقع ملا بھی تو وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ امیر معاویہؓ ہی کامیاب ہوئے اور ان کے بعد بھی بنو امیہ ہی 92 سال تک دنیائے اسلام کے حکمران رہے دنیا کے سب سے بڑے فاتح بنے۔ دنیا کی سپر پاور بنے سپین' جنوبی فرانس' پرتگال پورا شمالی افریقہ وسط ایشیا ہندوستان اور چین کی سرحدوں تک تمام دنیا کو فتح کیا اور خاقان چین نے بھی خراج ادا کیا۔ الغرض خاندان بنو امیہ کی فقید المثال کامیابی کا راز اس میں ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرتے ہی اسلام کا پرچم اٹھا لیا۔ جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر میدان عمل میں آ گئے۔ مگر خاندان بنو ہاشم نے حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ کے سنہری دور میں نہ جہاد میں حصہ لیا اور نا ہی اسلامی فتوحات میں شامل ہوئے بلکہ عدم تعاون کیا۔ لہذا ان کی حصول اقتدار کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا چھری کے متعلق بیان :

نافع سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے وہ چھری دیکھی۔ جس سے حضرت عمرؓ قتل کیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ کل میں نے یہ ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھی تھی میں نے پوچھا کہ تم دونوں اس چھری سے کیا کرو گے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس سے ہم گوشت کاٹیں گے۔ کیونکہ ہم اوگ گوشت کو چھوتے نہیں"

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیقؓ نے کہا۔ کہ حضرت عمرؓ کے قتل سے ایک دن قبل میں ابو لولو فیروز کے پاس سے گزرا۔ اس کے ہمراہ جفینہ اور ہرمزان بھی تھے۔ تینوں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جب میں دفعتاً ان کے پاس پہنچ گیا۔ تو وہ بھاگ پڑے ان کے ہاتھ سے ایک خنجر گر پڑا۔ جس کے دو سرے تھے۔ اور اس کی دھار بیچ میں تھی اس نے اس خنجر کو شناخت کر لیا۔ جس سے حضرت عمرؓ قتل کیے گئے تھے۔ اور بیان کیا کہ یہ وہی خنجر ہے۔

عبید اللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیقؓ سے چھری کے متعلق تصدیق کرنے کے بعد کہ یہ وہی چھری ہے۔ جس سے ان کے والد حضرت عمر فاروقؓ کو قتل کیا تھا۔ تو عبید اللہ نے جوش انتقام میں اپنی تلوار لی اور ہرمزان جفینہ اور ابو لولو فیروز کی لڑکی تینوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں بلایا اور عبید اللہؓ ان کے پاس آ گئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم نے ان تین افراد کو کیوں قتل کیا ہے۔ وہ تو ہماری پناہ میں تھے۔ عبید اللہ نے غصہ سے حضرت عثمانؓ کو پکڑ کر پچھاڑ دیا۔ لوگوں نے مشکل سے حضرت عثمانؓ کو عبید اللہ سے چھڑوایا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اگر تم کو شک تھا کہ انہوں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے تو ان کے خلاف قانون کے مطابق کاروائی کرو۔ بہر حال حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ عبید اللہ بن عمر کی انتقامی کاروائی آپ کے خلیفہ منتخب ہونے سے قبل کی گئی ہے۔ لہذا آپ عبید اللہ کے خلاف کوئی کاروائی نہ کریں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی شہادت یکم محرم 24ھ / 644ء :

حضرت عمر فاروقؓ کی کل مدت خلافت دس سال چھ ماہ چار دن تھی آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات مورخہ 23

جمادالاخر 13ھ /22اگست 632ء کو خلیفہ نامزد ہوئے خلیفہ اول اپنی زندگی میں ہی آپ کو اپنا جانشین مقرر کر چکے تھے اور مورخہ 26 ذوالحجہ 23ھ / 644 کو فیروز لولو نہاوند کے ایرانی مجوسی کی تیز چھری سے زخمی ہوئے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا اور یکم محرم 24ھ /644ء کو جام شہادت نوش فرما گئے اس وقت آپ کی عمر 63 سال تھی۔ اس وقت آپ مسجد نبوی میں صبح کی نماز کی امامت فرمارہے تھے حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات 2251030 مربع میل رقبہ پر مشتمل تھیں جن میں شام عراق عرب، عراق عجم، فلسطین، مصر، ایران، جزیرہ، خوزستان، خراسان، کرمان، ہمدان، آرمینیہ، آذربائجان، فارس اور مکران شامل تھے۔ یہ خاص حضرت عمرؓ کے عہد کی فتوحات ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ایرانی سازش کا نتیجہ تھی۔ جس کا پروگرام اس سانحے سے کچھ دن پہلے بنایا گیا تھا

حضرت عمرؓ کے قرضے کی ادائیگی :

عثمان بن عروہ سے مروی ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے بیت المال سے اسی ہزار درہم قرض لئے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ اس قرض میں عمرؓ کے اموال بیچ ڈالو۔ پورا ہو جائے۔ تو خیر ورنہ بنی عدی سے مانگو۔ اس کے بعد تکمیل نہ ہو۔ تو قریش سے مانگو اور ان کے آگے نہ بڑھو۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ آپ بیت المال سے کیوں نہیں قرض لے لیتے کہ پھر اسے ادا کر دینا۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا۔ کہ تم اس کے ذمہ دار ہو جاؤ وہ ذمہ دار ہو گئے۔ عمرؓ اس وقت تک دفن نہیں کئے گئے جب تک کہ ابن عمرؓ نے اس کے متعلق اہل شوریٰ اور متعدد انصار کو اپنے اوپر گواہ نہ بنالیا۔ تدفین کو ایک جمعہ بھی نہ گزرا تھا۔ کہ ابن عمر عثمان بن عفانؓ کے پاس مال لے آئے اور انہوں نے ادائے مال کی سبکدوشی پر گواہوں کو حاضر کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا۔ جس کو امیر معاویہؓ نے خریدا۔ یہ مکان باب اسلام اور باب رحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ ایک مدت تک یہ مکان دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔

حضرت عمرؓ کا وقف نامہ :

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو فتح خیبر کے وقت مال غنیمت میں سے ایک حصہ زمین ملا تھا۔ جو بڑا زرخیز اور آباد تھا۔ اس کا نام تمغ تھا۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی اجازت سے اپنی یہ زمین وقف کر دی۔ کہ اس کی پیداوار سے فقیروں، مسکینوں، غلاموں اور مسافروں کی امداد اور مہمان نوازی کی جائے اور اسے ہبہ یا فروخت نہ کیا جائے اور نہ ہی میراث میں دی جائے۔ اسلام میں جو سب سے پہلے وقف کیا گیا وہ یہی تمغ ہے جو حضرت عمرؓ نے وقف کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف مصنف

یہ خاکسار یکم نومبر 1920ء کو بٹالہ ضلع گرداسپور میں پیدا ہوا۔ والدہ ماجدہ ایک صالح خاتون تھیں۔ جن کی تعلیم و تربیت سے میں اسلام اور انسانیت کی خدمت کے قابل ہوا۔ ایم بی ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1945ء میں ایم اے ہسٹری پنجاب یونیورسٹی سے اور بی ٹی کا امتحان سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے پاس کیا۔ 1952ء میں لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور 1953ء میں یونیورسٹی سے جے ڈی یعنی صحافت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ کافی عرصہ ڈسٹرکٹ کورٹس اور ہائی کورٹ میں وکالت کرتا رہا۔ جب میرا بڑا بیٹا یوسف فاروق ایڈووکیٹ بن گیا۔ تو میں اس پیشے کو خیرباد کہہ کر ہمہ وقت تحقیق و مطالعہ اور سماجی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا۔

1940ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔ 1937ء میں خاکسار تحریک میں شامل ہوا اور 1947ء قیام پاکستان تک اس تحریک میں بھرپور حصہ لیتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری' محروم الحقوق طبقات کے حقوق و مفاد' معاشرتی اصلاح' عدل و مساوات حریت و آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ ایک تنظیم "مجلس مساوات اسلام" کے نام سے اپنے ہم خیال کارکنوں کے ساتھ مل کر قائم کی۔ جس کی شاخیں تمام پنجاب میں تھیں۔ اس تحریک میں بڑے بڑے مشہور و معروف ممتاز کارکن شامل تھے۔ میں سیکرٹری جنرل اور مولانا محمد بخش مسلم مرحوم میشر تھے۔ ایک جریدہ "ہفت روزہ مساوات" کے نام سے جاری کیا گیا۔ اخبار اور تنظیم کا دفتر میرے غریب خانہ نمبر 6 جیل روڈ لاہور میں تھا۔ جریدہ "ہفتہ وار مساوات" کے مدیر کے فرائض بھی میں ہی ادا کرتا تھا ہماری اس "مجلس مساوات اسلام پاکستان" کے مقاصد حسب ذیل تھے :

عدل و مساوات حریت و آزادی' محبت و رواداری بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی احترام آدمیت اور لا اکراہ فی الدین ہر ایک کو ترقی کے مساوی مواقع اور تمام بنی نوع انسان کے یکساں حقوق فرائض' ذات پات کی اونچ نیچ نسل و قبیلہ کے امتیازات اور وطن و قومیت کے تعصبات کو غیر انسانی اور غیر اسلامی تصور کرنا۔ فضیلت کا معیار صرف نیک اعمال اور تقویٰ ہے قیامت کے روز محض مکافات عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

"مجلس مساوات اسلام پاکستان" ایک غیر سیاسی معاشرتی ادارہ تھا اور اس کا بنیادی مقصد مسلمان قوم میں مساوات و اخوت کا جذبہ پیدا کرنا اور محروم الحقوق طبقوں کو ان کے غصب شدہ بنیادی حقوق واپس دلانا تھا۔ انگریز نے اپنے سامراجی مقاصد کے لئے 1901ء میں قانون انتقال اراضی نافذ کیا تھا۔ جس کے مطابق تمام مسلمان قوم کو زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ دو غیر اسلامی اور غیر انسانی طبقوں میں تقسیم کر کے ملت اسلامیہ کے اتحاد کا شیرازہ منتشر کر کے ان کو مساوات و اخوت کی بجائے ہندوؤں کی طرح ذات پات میں تقسیم کر دیا تھا۔

جاگیردار اور زمینوں کے مالک زرعی زمین کی خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ دوسرا طبقہ غیر زراعت پیشہ جو زرعی

اراضیات نہیں خرید سکتا تھا۔ دونوں طبقوں میں مساوات واخوت' محبت ورواداری اور عدل وانصاف کی جائے۔ شدید نفرت اور تعصبات پیدا ہو چکے تھے اور زمیندار طبقہ کی سیاسی معاشی اور معاشرتی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ ہماری اس تحریک "مجلس مساوات اسلام پاکستان" نے اس غیر منصفانہ غیر اسلامی اور غیر انسانی قانون کے خلاف زبردست جدوجہد کی۔ اور آخر 1953ء میں ملک فیروز خان نون کی صوبائی حکومت نے اس غیر منصفانہ امتیازی قانون کا خاتمہ کر دیا۔ اور تمام مسلمانوں کو ان کے غصب شدہ حقوق یعنی زرعی اراضیات کی خرید و فروخت کے حقوق مل گئے۔ اور پنجاب میں منصفانہ بنیادی انسانی حقوق اور مساوات کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ یہ ایک قابل فخر کارنامہ تھا۔ اس کے علاوہ بھی "مجلس مساوات اسلام" نے کئی معاشرتی فلاح و بہبود کے کارنامے سرانجام دیئے 1958ء میں ایوب خان کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ہم نے "ہفت روزہ مساوات" اور مجلس مساوات اسلام پاکستان کی سرگرمیوں کو ختم کر دیا۔ کیونکہ مارشل لاء کے دور میں سیاسی اور سماجی کام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اب میں نے اپنی پوری توجہ اپنے وکالت کے پیشے کی طرف مبذول کر دی۔ مگر ساتھ ہی تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے مطالعہ کو بھی جاری رکھا۔ مجھے آنحضرتؐ کی ذات اقدس سے بہت عقیدت و محبت ہے۔ اس لئے میں نے حضور پاکؐ کی تصنیف و تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آنحضرتؐ کی بلند پایہ مستند تاریخ بعنوان "تاریخ محمدؐ" شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس تاریخ محمدؐ کے مطالعے سے ہی آپ اس کی عظمت وعلیت کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

اس کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک اور سعادت سے نوازا ہے۔ میں نے اپنی رہائش گاہ کے ایک کونے میں اپنی جگہ پر جو قریباً پونہ کنال رقبہ پانچ سڑکوں کے چوک میں واقع ہے پر دو منزلہ عمارت تعمیر کی ہے۔ جس کا نام "قرآن سینٹر" ہے اس میں قرآن حکیم کا درس و تدریس اور اشاعت کا پروگرام جاری ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

اب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دوسری کتاب بعنوان "تاریخ اسلام کا سنہری دور" تصنیف واشاعت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس میں جناب رسول اللہؐ کے 23 سالہ دور نبوت حضرت صدیق اکبر کے سوا دو سالہ عہد خلافت اور حضرت فاروق اعظمؓ کے ساڑھے دس سالہ عہد خلافت کے مستند حالات وواقعات کی 36 سالہ تاریخ شائع کرنے کا اعزاز بخشا ہے۔ کتاب کے حقائق و معارف اور معیار کا اندازہ آپ اس کے مطالعے سے خود لگا سکیں گے۔

میری ایک ہی استدعا ہے کہ اس گنہگار کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں۔

والسلام

مخلص

ایم۔ڈی۔ فاروق ایڈووکیٹ

113 / سی ماڈل ٹاؤن لاہور

کتابیات

"تاریخ اسلام کے سنہری دور" کی تحقیق و تصنیف میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

1- قرآن حکیم
2- احادیث
3- تاریخ طبری — علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری
4- طبقات ابن سعد — علامہ محمد بن سعد
5- سیرت النبی کامل — مرتبہ ابن ہشام' ابن اسحاق
6- مقدمہ و تاریخ — علامہ ابن خلدون
7- سیرت النبیؐ — علامہ شبلی نعمانی
8- الفاروق — علامہ شبلی نعمانی
9- خطبات — سر سید احمد خان
10- انبیاء کرام — مولانا ابوالکلام آزاد
11- مختصر تاریخ اسلام — مولانا ابوالکلام آزاد
12- ارض القرآن — علامہ سید سلیمان ندوی
13- فجر الاسلام — علامہ احمد امین مصری
14- حیات محمد — محمد حسین ہیکل
15- عمر فاروقؓ — محمد حسین ہیکل
16- نقوش سیرت — ڈاکٹر طہٰ حسین مصری
17- آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار — محمود خطاب شیت' مصری
18- معراج انسانیت — غلام احمد پرویز
19- شاہکار رسالتؐ — غلام احمد پرویز
20- اسلامی ریاست — سید ابوالاعلیٰ مودودی
21- رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب — سید اسعد گیلانی
22- محسن انسانیت — نعیم صدیقی
23- پیغمبر اعظم و آخر — ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
24- غزوات رسول اللہؐ — حصہ اول۔ دوئم۔ سوئم اور پنجم بریگیڈیئر گلزار احمد
25- آنحضرت کی سیاسی زندگی میدان ہائے جنگ اور عہد نبوی کا نظام حکمرانی — ڈاکٹر حمید اللہ خان
26- فتوالبلدان — احمد بن یحییٰ بن جابر
27- کتاب التوحید — ترجمہ۔ سید شبیر احمد صاحب
28- تاریخ الامت — علامہ اسلام جیراجپوری
29- اسلام کا نظریہ تاریخ — محمد مظہر الدین صدیقی
30- اسلام کا تصور مساوات — سلطان احمد اصلاحی
31- رحمت للعالمین — قاضی محمد سلیمان منص[illegible]
32- تاریخ اسلام — مولانا معین الدین [illegible]
33- تاریخ عالم اسلام — محمد عبداللطیف انصار[illegible]
34- تاریخ اسلام — مولانا غلام رسول مہر
35- عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا — ڈاکٹر روفہ اقبال
36- کلام اقبال

"تاریخ اسلام کا سنہری دور"

مصنف
ایم۔ڈی فاروق
ایم اے، ایل۔ایل۔بی

ادارہ مطبوعات قرآن سینٹر و ہسٹری سینٹر
۱۱۳/سی ماڈل ٹاؤن لاہور
ٹیلیفون ۸۵۶۸۲۴۱-۵۸۸۳۶۱۵